بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو الله جل جلاله

الذی لا اله جل جلاله

الا هو جل جلاله | الرحمن جل جلاله | الرحیم جل جلاله | الملک جل جلاله

القدوس جل جلاله | السلام جل جلاله | المؤمن جل جلاله | المهیمن جل جلاله | العزیز جل جلاله

الجبار جل جلاله | المتکبر جل جلاله | الخالق جل جلاله | البارئ جل جلاله

المصور جل جلاله | الغفار جل جلاله | القهار جل جلاله | الوهاب جل جلاله | الرزاق جل جلاله

الفتاح جل جلاله | العلیم جل جلاله | القابض جل جلاله | الباسط جل جلاله

الخافض جل جلاله | الرافع جل جلاله | المعز جل جلاله | الحکم جل جلاله | البصیر جل جلاله

السمیع جل جلاله | المذل جل جلاله | العدل جل جلاله | اللطیف جل جلاله

الخبیر جل جلاله | الحلیم جل جلاله | العظیم جل جلاله | الغفور جل جلاله | الشکور جل جلاله

العلی جل جلاله | الکبیر جل جلاله | الحفیظ جل جلاله | المقیت جل جلاله

الحسیب جل جلاله | الجلیل جل جلاله | الکریم جل جلاله | الرقیب جل جلاله | المجیب جل جلاله

الواسع جل جلاله | الحکیم جل جلاله | الودود جل جلاله | المجید جل جلاله

الباعث جل جلاله | الشهید جل جلاله | الحق جل جلاله | الوکیل جل جلاله | القوی جل جلاله

المتین جل جلالہ
الولی جل جلالہ
الحمید جل جلالہ
المحیی جل جلالہ
الممیت جل جلالہ

الحی جل جلالہ
القیوم جل جلالہ
الواجد جل جلالہ
الماجد جل جلالہ

الواحد جل جلالہ
الاحد جل جلالہ
الصمد جل جلالہ
القادر جل جلالہ
المقتدر جل جلالہ

المقدم جل جلالہ
المؤخر جل جلالہ
الاول جل جلالہ
الآخر جل جلالہ

الظاہر جل جلالہ
الباطن جل جلالہ
الوالی جل جلالہ
المتعال جل جلالہ

البر جل جلالہ
التواب جل جلالہ

اللہ
جل جلالہ

المنتقم جل جلالہ
العفو جل جلالہ

الرؤف جل جلالہ
مالک الملک جل جلالہ

ذوالجلال والاکرام جل جلالہ
المقسط جل جلالہ
الجامع جل جلالہ
الغنی جل جلالہ

المغنی جل جلالہ
المانع جل جلالہ
الضار جل جلالہ
النافع جل جلالہ

النور جل جلالہ
الہادی جل جلالہ
البدیع جل جلالہ
الباقی جل جلالہ
الوارث جل جلالہ

الرشید جل جلالہ
الصبور جل جلالہ
رب العالمین جل جلالہ
مالک یوم الدین جل جلالہ

القدیر جل جلالہ
الوحید جل جلالہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

یاقوت

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد ہشتم

النور تا القصص

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہٖ اللھم الق فی قلبی اسرار القران واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القران ونور نی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القران، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اٰمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُوْرَۃُ النُّوْرِ

(۲۴)

بسم الله الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النور

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ النور ہے' اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (النور: ۳۵) اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اور اسی کے نور سے آسمان اور زمین منور اور روشن ہیں اور اسی کے نور سے جن اور انس ہدایت پاتے ہیں۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تمام انسانوں کی تمدنی اور اجتماعی حیات کے اصول اور احکام منور اور روشن کر دیئے ہیں' اور اس کے آداب اور فضائل بیان فرما دیئے ہیں اور اس کے فقہی احکام اور قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔

سورۃ النور کی فضیلت میں احادیث اور آثار

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورۃ البقرہ' سورۃ النساء' سورۃ المائدہ' سورۃ الحج اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۹۵' طبع قدیم' المستدرک طبع جدید رقم الحدیث: ۳۵۴۵)

امام ابوعبید نے فضائل قرآن میں حارثہ بن مضرب سے روایت کیا ہے کہ ہماری طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ کر بھیجا کہ تم لوگ سورۃ النساء' سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو۔

امام حاکم نے ابو وائل سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حج کیا اور میرے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے' حضرت ابن عباس سورۃ النور کو پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر کرتے تھے' میرے ساتھی نے کہا سبحان اللہ! اس شخص کے منہ سے کیسے جواہر پارے نکل رہے ہیں' اگر ترک ان کو سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔

(الدرالمنثور ج ۶ ص ۱۲۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو بالا خانوں (اور گیلریوں) میں نہ بٹھاؤ' اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ اور ان کو سوت کاتنا اور سورۃ النور سکھاؤ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام

مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۴۶، طبع جدید مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۲۷)

امام حاکم کا اس حدیث کی سند کو صحیح کہنا ان کا تسامح ہے، علامہ ذہبی نے لکھا ہے یہ حدیث **موضوع ہے اور اس کی آفت** ایک راوی عبد الوہاب ہے امام ابو حاتم نے کہا وہ کذاب ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۹۵، طبع قدیم)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کی سند میں ایک راوی محمد بن ابراہیم شامی ہے جو حدیث وضع کرتا تھا، حاکم نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور تعجب ہے کہ ان پر اس کا معاملہ کیسے مخفی رہا۔ (حافظ سیوطی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ حاکم نے اس راوی کی سند سے اس کو روایت نہیں کیا بلکہ عبد الوہاب بن الضحاک کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے کہا یہ حدیث محمد بن ابراہیم کی سند سے منکر ہے کسی اور سند سے یہ حدیث منکر نہیں ہے۔ ہاں حافظ ابن حجر عسقلانی نے حاکم کی اس حدیث کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے پھر حاکم کا رد کر کے کہا بلکہ عبد الوہاب متروک راوی ہے۔ محمد بن ابراہیم شامی کی روایت سے اس کا ایک متابع ہے امام ابن حبان نے کہا اس پر بھی وضع کی تہمت ہے۔

(اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کی سند کے موضوع ہونے کے علاوہ یہ حدیث اس صحیح حدیث کے خلاف ہے:

حضرت الشفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ان کو پھوڑے پھنسی کا دم کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۲، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۱۶۳، دار الفکر، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۹۰، دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۶۳۵، عالم الکتب بیروت، المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۳۱۷، ج ۲۴ ص ۳۱۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۲، الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۳۱۷۷)

سورۃ النور کی فضیلت میں یہ حدیث بھی ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم دو اور اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۵۴، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۴۱۸۲، اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۴۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۹۴۹، فوائد رقم الحدیث: ۱۲۷)

سورۃ النور اور سورۃ المومنون کی باہمی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون کے شروع میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (المومنون: ۷-۵)

اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ۝ سوا اپنی بیویوں یا باندیوں کے کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر ملامت نہیں کی جائے گی ۝ اور جن لوگوں نے ان کے ماسوا کو طلب کیا پس وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

سورۃ المومنون میں اجمالی طور پر فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور باندیوں کے حلال محل کے علاوہ حرام محل میں

شہوانی تقاضوں کو پورا کیا سو وہی لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں اور سورۃ النور میں تفصیل کے ساتھ حرام محل میں شہوت پوری کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. O (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر اللہ کی حد جاری کرنے میں تم ہرگز نرمی نہ کرو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو' اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کی سزا کا ضرور مشاہدہ کرنا چاہیے۔

زنا کی حد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تتمہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زنا کی تہمت (قذف) کی حد کا بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو' اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی ضمن میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو بدکاری کی ناپاک تہمت لگائی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت میں سورۃ النور کی دس آیتیں (النور: ۲۰-۱۱) نازل فرمائیں۔

اور چونکہ زنا کا باعث اور محرک عورتوں اور مردوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور آزادانہ میل جول ہوتا ہے اور باوجود قدرت کے شادی نہ کرنا ہوتا ہے' اس لیے یہ احکام دیئے کہ عورتیں اور مرد ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور نظریں نیچی رکھیں اور عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں اور جو مرد نکاح کی قدرت رکھتے ہوں وہ نکاح کر کے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کریں۔

سورۃ النور کا زمانۂ نزول

منافقین نے حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو بدکاری کی تہمت لگائی تھی' اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اُم المؤمنین کی برأت بیان فرمائی ہے اور تہمت لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم نازل فرمایا' تہمت لگانے کا یہ واقعہ غزوۂ بنو مصطلق یا غزوۂ مریسیع میں پیش آیا تھا۔

خزاعہ قریش کا حلیف اور ان کا ہم عہد ایک قبیلہ تھا' خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا' اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا' یہ خاندان مقام مریسیع میں تھا' مریسیع مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا' موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا اور النعمان بن راشد نے زہری سے روایت کیا کہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ غزوۃ المریسیع میں ہوا تھا۔ المریسیع مکہ کے شمال میں قدید کی طرف پانی کا ایک چشمہ ہے۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی غزوۂ بنو المصطلق اور یہی غزوۃ المریسیع ہے)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

المصطلق لقب ہے اور اس کا نام جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ ہے اور یہ بنو خزاعہ کے بطن سے ہے۔

المریسیع بنو خزاعہ کے پانی کے چشمہ کا نام ہے یہ الفرع سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ امام طبرانی نے سفیان بن وبرہ سے روایت کیا ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۃ المریسیع میں تھے اور یہی غزوۂ بنو المصطلق ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ ٦ ہجری میں ہوا تھا (مغازی ابن اسحاق) امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا ہے لیکن یہ سبقت قلم کی لغزش ہے۔ امام بخاری نے پانچ ہجری لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ان کے قلم سے چار ہجری لکھا گیا' کیونکہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں پانچ ہجری ہی لکھا ہوا ہے اور حاکم' ابوسعید نیشاپوری اور امام بیہقی وغیرہ نے بھی پانچ ہجری ہی نقل کیا ہے۔ ابن شہاب زہری نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے نقل کیا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالمصطلق اور بنولحیان سے شعبان پانچ ہجری میں جہاد کیا' اور حاکم نے اکلیل میں کہا ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا' عروہ وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے' اور یہ ابن اسحاق کے قول سے زیادہ حق کے قریب ہے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ پر تہمت کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے درمیان تنازع ہو گیا تھا' اگر غزوہ المریسیع چھ ہجری میں ہوتا جب کہ تہمت لگانے کا واقعہ اسی غزوہ میں ہوا تھا' تو اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر غلط ہوتا کیونکہ حضرت سعد بن معاذ ایام بنوقریظہ میں فوت ہو گئے تھے اور یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا' پس اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ غزوہ المریسیع شعبان پانچ ہجری میں ہوا تھا' اور یہ غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا اور غزوۂ خندق شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا' اور غزوۂ خندق' غزوۂ بنوالمصطلق کے بعد ہوا تھا' اور حضرت سعد بن معاذ غزوہ المریسیع میں زندہ موجود تھے اور غزوۂ خندق میں ان کو ایک تیر آ کر لگا تھا اور اس کے زخم میں حضرت سعد بن معاذ فوت ہو گئے تھے۔

غزوہ المریسیع کے پانچ ہجری میں ہونے کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ تہمت کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے کے بعد ہوا تھا اور حجاب کے احکام ایک جماعت کے نزدیک چار ہجری میں نازل ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ غزوہ المریسیع چار ہجری کے بعد وقوع پذیر ہوا لہٰذا یہ راجح قرار پایا کہ غزوہ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا ہے' اور علامہ واقدی نے جو یہ کہا ہے کہ پردہ کے احکام پانچ ہجری میں نازل ہوئے تو ان کا یہ قول مردود ہے' اور خلیفہ اور ابوعبید اور متعدد علماء نے کہا ہے کہ پردہ کے احکام تین ہجری میں نازل ہوئے' خلاصہ یہ ہے کہ پردہ کے احکام کے نزول کے متعلق تین قول ہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ وہ چار ہجری میں نازل ہوئے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۶-۱۹۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' رمضان ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد دلائل اور شواہد سے یہ واضح کر دیا ہے کہ غزوۂ بنوالمصطلق پانچ ہجری کو وقوع پذیر ہوا تھا' اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ سورۃ النور پانچ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ غزوۂ بنوالمصطلق کی تاریخ کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی لائق مطالعہ ہیں:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بنوالمصطلق اور لحیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

ابن شہاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ غزوہ بنوالمصطلق اور بنولحیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔

واقدی نے کہا کہ غزوۃ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔ دو شعبان کو پیر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور یکم رمضان کو واپس مدینہ میں آئے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا تھا۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۴۶-۴۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد التوفی ۲۰۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۲ شعبان ۵ ہجری کو پیر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ المریسیع کے لیے روانہ ہوئے اور یکم رمضان کو مدینہ واپس آئے آپ دو دن کم ایک ماہ مدینہ سے غائب رہے۔

عمر بن عثمان المخزومی عبداللہ بن یزید بن قسیط عبداللہ بن یزید الھذلی وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ بنوالمصطلق خزاعہ کی شاخ ہیں اور وہ الفرع کی جانب رہتے تھے۔ یہ لوگ بنومدلج کے حلیف تھے ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ وہ اپنی قوم اور دوسرے عرب قبائل کے پاس گیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی سو انہوں نے گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے ان کی طرف سے کچھ سوار آئے اور انہوں نے ان کی روانگی کی خبر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو اس کی تحقیق کے لیے روانہ کیا حضرت بریدہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ ان کو دھوکا دینے کے لیے آپ کے خلاف باتیں کریں تاکہ ان کے راز معلوم ہوں آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ بنوالمصطلق کے چشمہ (المریسیع) پر پہنچ گئے وہاں انہوں نے ایک مغرور قوم کو دیکھا جو ایک جمعیت کے ساتھ وہاں پر موجود تھی۔ ان لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں تم ہی میں سے ایک شخص ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہاں پر اس مدعی نبوت کے لیے اکٹھے ہوئے ہو سو میں اپنی قوم میں اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہوں تاکہ ہم سب مل کر حملہ کریں اور اس شخص کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں۔ الحارث بن ابی ضرار نے کہا ہمارا بھی یہی مقصد ہے تم جلدی سے واپس آؤ۔ حضرت بریدہ نے کہا میں ابھی روانہ ہوتا ہوں اور تمہارے پاس اپنی قوم اور اپنے موافقین کے متبعین کے ایک عظیم لشکر کو لے کر آتا ہوں۔ وہ سب یہ سن کر بہت خوش ہو گئے۔ حضرت بریدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور آپ کو ان لوگوں کے جمع ہونے کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا اور انہیں دشمن کی تیاریوں کی خبر دی پھر مسلمان جلدی روانہ ہوئے ان کے ساتھ تیس گھوڑے تھے ان میں دس مہاجر گھوڑوں پر سوار تھے اور بیس انصار گھوڑوں پر سوار تھے۔ (امام واقدی نے سب کے نام ذکر کیے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت منافقین بھی روانہ ہوئے اس سے پہلے کسی غزوہ میں اتنے منافقین روانہ نہیں ہوئے تھے۔ ان کو جہاد کرنے میں کوئی رغبت نہیں تھی وہ صرف مالِ غنیمت حاصل کرنے کی طمع میں اور یہ سوچ کر نکلے تھے کہ یہ مقام زیادہ دُور نہیں ہے آپ نے مدینہ کے قریب الحلائق نام کی ایک بستی میں قیام کیا وہاں عبدالقیس کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی پھر آپ بقعاء (مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے وہاں مشرکین کا ایک جاسوس ملا۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں؟ اور کہاں ہیں اس نے کہا مجھے معلوم نہیں! حضرت عمر بن الخطاب نے کہا تم سچ سچ بتاؤ ورنہ میں تمہاری گردن اُڑا دوں گا تب اس نے بتایا میں بنوالمصطلق سے ہوں اور میرے پیچھے الحارث بن ابی ضرار ہے اور اس نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور بہ کثرت لوگ اس کے ساتھ ہیں اور مجھے اس نے اس لیے بھیجا ہے کہ میں مدینہ جا کر تمہاری خبر لاؤں آیا تم مدینہ سے روانہ ہو چکے ہو یا نہیں! اس پر

اسلام پیش کیا گیا اس نے اسلام قبول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر بنوالمصطلق میں پہنچ گئی۔
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین بھی بنوالمصطلق سے تھیں اور بنوالمصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں' انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بیان کیا کہ ہمارے پاس اس جاسوس کے قتل کیے جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حملہ کرنے سے قبل ہی یہ خبر پہنچ گئی تھی۔ میرے والد اور ان کے اصحاب اس خبر سے بہت خوفزدہ ہوئے اور عرب کے وہ قبائل جو ان کے ساتھ آ کر مل گئے تھے' وہ سب بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المریسیع (پانی کے چشمہ) پر پہنچ گئے۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا ایک خیمہ لگا دیا گیا' آپ کے ساتھ آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی صفیں بنائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مہاجرین کا جھنڈا دیا اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کا جھنڈا دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ بنوالمصطلق میں یہ اعلان کریں کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا' اس کی جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا' سب سے پہلے ان کی طرف سے ایک شخص نے تیر مارا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حملہ کرنے کا حکم دے دیا' پھر مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کیا جس سے کوئی شخص بچ نہیں سکا' بنوالمصطلق کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں' عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۴۰۷-۴۰۴' عالم الکتب بیروت' الطبع الثالث' ۱۴۰۴ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۃ المریسیع ہے جو شعبان پانچ ہجری میں واقع ہوا' بنوالمصطلق خزاعہ کی ایک شاخ ہے' یہ بنو المدلج کے حلیف تھے' یہ ایک کنویں کے پاس رہتے تھے جس کو المریسیع کہا جاتا تھا' یہ کنواں الفرع سے ایک دن کی مسافت پر تھا' اور الفرع اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ ہے (ایک برید بارہ میل کی مسافت ہے) ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا اس نے اپنی قوم اور اپنے متبعین کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا' اس کے بعد وہی تفصیل ہے جو امام واقدی نے بیان کی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۰-۴۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت اُم المؤمنین جویریہ بنت الحارث' بنوالمصطلق کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں جب بنوالمصطلق کو شکست ہوگئی اور وہ گرفتار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث سے نکاح کر لیا' ان کے نکاح کی تفصیل امام ابوداؤد نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بنوالمصطلق کے قیدی تقسیم کیے گئے تو حضرت جویریہ' حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں یا ان کے عم زاد کے حصہ میں آئیں' انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب کرا لیا' وہ بہت حسین عورت تھیں ان پر خواہ مخواہ نظر پڑتی تھی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدل کتابت کے متعلق سوال کرنے آئیں' جب وہ دروازہ پر کھڑی تھیں تو میں نے ان کو دیکھ لیا' اور میں نے ان کے وہاں پر آنے کو ناپسند کیا اور میں نے یہ جان لیا کہ جس طرح میں نے ان کے حسن کو دیکھا تھا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی خوبصورتی کو دیکھ لیں گے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں' اور میرے گرفتار ہونے کا معاملہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے' اور میں (بہ طور باندی) حضرت ثابت بن قیس بن

شماس کے حصہ میں آئی ہوں' اور میں نے اپنے آپ کو مکاتب کرالیا ہے اور میں آپ سے بدل کتابت کا سوال کرنے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ اچھی بات نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا میں تمہاری کتابت کی رقم ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں! انہوں نے کہا میں نے یہ کرلیا۔ حضرت عائشہ نے کہا جب مسلمانوں نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا ہے تو ان کے پاس بنو المصطلق کے جتنے قیدی تھے انہوں نے ان سب کو آزاد کردیا اور کہا یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہوگئے (اب ہم ان کو کیسے غلام رکھ سکتے ہیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے حضرت جویریہ کے علاوہ اور کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لیے اتنی بابرکت ثابت ہوئی ہو ان کے سبب سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد کردیئے گئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۲۴۳' دارالحدیث قاہرہ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۴)

علامہ ابن حجر عسقلانی کے دلائل' اور امام بیہقی' امام واقدی اور امام محمد بن سعد کی روایت کردہ صریح احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ غزوۂ بنو المصطلق شعبان پانچ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابن اسحاق کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غزوۂ بنو المصطلق چھ ہجری میں ہوا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے امام ابن اسحاق کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۰۷)

ہماری تحقیق کے مطابق یہ قول صحیح نہیں ہے اور اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ سورۃ النور کا زمانہ نزول پانچ ہجری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے غزوۂ بنو المصطلق سے واپسی میں تہمت لگائی تھی اس کا تفصیل سے ذکر ہم ان شاء اللہ النور: ۲۰-۱۱ میں کریں گے۔

النور کے مسائل اور مقاصد

النور: ۳-۱ میں زنا کی حد کا بیان فرمایا اور مسلمان مردوں پر کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کو حرام فرمادیا اور مسلمان عورتوں پر کسی زانی یا مشرک مرد سے نکاح کو حرام فرمادیا' مگر بعد میں مسلمان مرد کے لیے زانیہ سے نکاح کی حرمت منسوخ فرمادی۔ منسوخ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ. (النساء: ۳) اور جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو۔

لیکن مشرک عورتوں اور مشرک مردوں کا مسلمان مردوں اور عورتوں سے نکاح ابداً حرام ہے' صرف اہل کتاب کی عورتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ پس مسلمان مرد اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں سے نکاح بہر حال جائز نہیں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں سے دارالاسلام میں نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور دارالکفر میں یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

النور: ۵-۴ میں مسلمان پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے (قذف) کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمائی اور یہ فرمایا کہ جو شخص اپنی تہمت پر چار گواہ نہ پیش کرسکے وہ حد قذف کا مستحق ہوگا۔

النور: ۱۰-۶ میں یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کرسکے اور اس کی بیوی اس تہمت کا انکار کرے تو فریقین ایک دوسرے پر لعان کریں گے۔ شوہر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو' اور عورت چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند یقیناً جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر

اللہ کا غضب نازل ہو۔

النور: ۲۶-۱۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو منافقین نے تہمت لگائی تھی اس کی طرف اشارہ فرمایا اور ان چیزوں کا سدباب کیا جو معاشرہ کے بگاڑ کا باعث ہو سکتے ہیں' اور جن منافقین نے یہ تہمت لگائی تھی ان کا پردہ فاش کیا اور جو مسلمان اس لپیٹ میں آ گئے تھے ان پر بھی عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنی تقصیر سے منافقین کو تقویت پہنچائی اور ان کو تنبیہ فرمائی کہ وہ آئندہ ہوشیار رہیں اور منافقین کے کہنے میں نہ آئیں' منافقین مسلمانوں کی عزت اور ناموس کو برباد کرنے کے درپے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ منافق مسلمانوں کی ساکھ مجروح کرنے کے لیے جو تہمت لگائیں تو وہ اس ناپاک اور بے حیائی کی بات کو آگے پھیلانا شروع کر دیں' مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور بغیر ثبوت کے کسی الزام اور تہمت کو درخور اعتناء اور قابلِ توجہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

النور: ۳۱-۲۷ میں فرمایا مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے اور داخل ہونے کے بعد گھر والوں کو سلام کریں' اور جب ان کو واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس چلے جائیں۔ ہاں اگر کسی گھر میں لوگوں کی رہائش نہ ہو اور وہاں مسلمانوں کی کوئی چیز ہو تو پھر اس گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے' مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' اور مسلمان عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا وہ اپنی عصمت کی حفاظت کریں' اور جسم کے جس حصہ کا پردہ ممکن نہ ہو جیسے ہاتھ اور پیر ان کے سوا باقی جسم کو ڈھانپ کر رکھیں' اور اپنے گریبانوں کو دوپٹوں سے چھپائے رکھیں اور اپنے خاوند اور محارم' اپنے نوکروں اور کم عمر ناسمجھ بچوں کے سوا اپنے بناؤ سنگھار کو کسی پر ظاہر نہ کریں اور زمین پر بھی زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں تا کہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر نہ ہو۔

النور: ۴۰-۳۲ میں حکم دیا کہ جن مردوں اور عورتوں کا نکاح نہیں ہوا ہے ان کا نکاح کر دیا جائے' اور جن کے پاس نکاح کرنے کے وسائل نہ ہوں' وہ اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے ان کے لیے نکاح کے وسائل کو مہیا کر دے' جن گھروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام بلند کرنے اور اس کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں صبح و شام اس کا ذکر کیا جائے' ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جو اپنے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور کافروں کے برے اعمال کی مذمت فرمائی۔

النور: ۴۶-۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر دلائل بیان فرمائے۔

النور: ۵۴-۴۷ میں منافقین کو متنبہ فرمایا کہ ان کی یہ دوغلی پالیسی کسی کام نہیں آ سکے گی' وہ اپنے مفاد کی خاطر تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور ظاہری اطاعت بھی کرتے ہیں اور جس حکم کی تعمیل میں ان کو اپنا نقصان نظر آئے تو اس پر عمل نہیں کرتے اگر ان کو دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں کامیابی مطلوب ہے تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں ورنہ وہ نفاق اور گم راہی کی وادی میں بھٹکنا چاہتے ہیں اس میں بھٹکتے رہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے' یہ لوگ بہت پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم آپ کا حکم ہوتے ہی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ آپ کہیے کہ زیادہ قسمیں نہ کھاؤ' ہم کو تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے' آپ کہیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' رسول کے ذمہ تو صرف احکام کا پہنچانا ہے اور اس کی جواب دہی تم سے ہو گی۔

النور: ۵۷-۵۵ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یہ بشارت دی کہ زمین کی خلافت تمہارے لیے ہے' تمہارے مخالفین تمہارے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے تم نماز قائم کرتے رہو' زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اخلاص کے ساتھ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ڈٹے رہو' عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے خوف اور پریشانی کی حالت کو امن اور سکون سے بدل دے گا۔

النور: ۶۱-۵۸ میں پردے کے احکام کی وضاحت فرمائی کہ تمہارے نوکروں اور نابالغ بچوں کے لیے بھی گھروں میں داخل ہونے کے لیے تین اوقات میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے' نمازِ فجر سے پہلے' اور ظہر کے وقت جب تم نے اپنے فالتو کپڑے اُتارے ہوئے ہوتے ہیں' اور عشاء کی نماز کے بعد۔ اور بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ بھی بڑے لوگوں کی طرح اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوں' اور وہ بوڑھی عورتیں جنہیں اب نکاح کی خواہش نہ رہی ہو وہ بھی اگر فالتو کپڑے اُتار کر گھروں میں رہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم ان کے لیے بھی احتیاط سے رہنا زیادہ افضل ہے۔ نیز یہ اجازت دی کہ معذور لوگ اور دیگر مسلمان اپنے ماں باپ' رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کچھ کھالیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

النور: ۶۴-۶۲ میں اطاعت رسول کی ایک بار پھر تاکید فرمائی اور بتایا کہ مخلص مسلمان ضرورت کے مواقع پر ہمیشہ اپنے رسول کے ساتھ رہتے ہیں اور آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے سوا ایسے مسلمان جب آپ سے کہیں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ انہیں اجازت دے دیں' اور آخری آیت میں مسلمانوں سے فرمایا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو' اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی ناگہانی مصیبت نہ ٹوٹ پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب آ جائے۔

یہاں تک ہم نے سورۃ النور کی آیات کا خلاصہ بیان کیا ہے اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید اور نصرت کی امید رکھتے ہوئے سورۃ النور کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

الٰہ العٰلمین! اس سورت کی تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور حق اور صواب کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی توفیق دینا اور جو نظریات غلط اور باطل ہو' ان کی غلطی اور بطلان کو مجھ پر منکشف فرمانا اور ان کا رد کرنے کی سعادت عطا فرمانا۔ قرآن مجید کے اسرار اور نکات کے لیے میرے سینہ کو کھول دینا' مجھے نیکی اور نیک چلنی پر مستقیم رکھنا اور صحت اور سلامتی کے ساتھ اس تفسیر کو لکھواتے رہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے بہرہ مند فرمانا' دنیا اور آخرت کی بلاؤں اور عذاب سے محفوظ رکھنا اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دینا۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين و الصلوة و السلام على سيدنا محمد خاتم النبيين' سيد المرسلين شفيع المذنبين وعلى اله الطيبين و اصحابه الراشدين و ازواجه امهات المؤمنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته و امته اجمعين

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۱ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ النور ۲۴ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | رکوعاتہا ۹

سورۃ النور مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس کی چونسٹھ آیات نو رکوع ہیں

سُورَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائیں تا کہ

تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

تم نصیحت حاصل کرو ○ زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم

مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ

سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ② اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ

حاضر ہونی چاہیے ○ زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا، اور

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى

زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا

حرام کر دیا گیا ہے ○ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں)

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ

چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو

شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

کبھی بھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ فاسق ہیں ○ سوا ان لوگوں کے جو

مِنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِيۡنَ

اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ اور جو لوگ

يَرۡمُوۡنَ اَزۡوَاجَهُمۡ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنۡفُسُهُمۡ

اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں،

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمۡ اَرۡبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۶﴾

تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○

وَالۡخَامِسَةُ اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۷﴾

اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○

وَيَدۡرَؤُا عَنۡهَا الۡعَذَابَ اَنۡ تَشۡهَدَ اَرۡبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک

لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۙ ﴿۸﴾ وَالۡخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيۡهَاۤ اِنۡ كَانَ

اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند)

مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۹﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ

سچوں میں سے ہو ○ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ

تَوَّابٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۰﴾ ع

بہت توبہ قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے ○

ع ۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ (النور: ۱)

نحوی اشکال کا جواب‘ انزال پر اعتراض کا جواب اور سورت اور فرض کا معنی

اس آیت پر عربی گرامر کے اعتبار سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورۃ مبتدا ہے اور یہ لفظ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا صحیح نہیں ہے‘ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس کا مبتداء محذوف ہے اور سورۃ خبر ہے‘ اصل عبارت یوں ہے ھذہ سورۃ انزلنا ھا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ موصوف ہے اور انزلناھا اس کی صفت ہے اور صفت کی وجہ سے اس میں تخصیص ہوگئی اور اب اس کا

مبتداء ہونا صحیح ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی فیما اوحینا الیک' اور اس کا معنی یوں ہے وہ سورت جس کو ہم نے نازل کیا ہے ان امور میں سے ہے جن کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔

سورت کا معنی ہے المنزلة الرفیعة یعنی بلند مقام سور المدینة اس چاردیواری کو کہتے ہیں جو کسی شہر کے گرد بنی ہوئی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی سورت کو بھی اسی مشابہت کی وجہ سے سورت کہا جاتا ہے' کیونکہ ایک سورت بھی اپنی آیتوں کو اسی طرح محیط ہوتی ہے جس طرح شہر کی چاردیواری شہر کو محیط ہوتی ہے یا جس طرح چاند کی منازل ہوتی ہیں اسی طرح سورت بھی قرآن کی منازل میں سے ایک منزل ہے اور سور کا معنی ہے کسی چیز کا بقیہ اور سورت بھی قرآن مجید کا بقیہ ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۲۷-۳۲۶)

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انزال کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف بھیجنا' اور اس سے یہ ظاہر اللہ تعالیٰ کا کسی ایک جہت اور جانب میں ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سورت کو لوحِ محفوظ سے حفظ کر لیا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور چونکہ انہوں نے یہ سورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے اس سورت کو یکبارگی نازل فرمایا پھر اس کو قسط وار حضرت جبریل کی زبان سے نازل کرایا۔

(۳) انزلناھا کا معنی ہے' ہم نے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی۔

پھر فرمایا: اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا۔

فرض کا معنی ہے کسی سخت چیز کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور فرض کا معنی ہے کسی چیز کو حساب سے مقدر اور معین کرنا۔

فرمایا: فنصف ما فرضتم۔ (البقرۃ: ۲۳۷) یعنی تم نے میت کا جو ترکہ معین کیا ہے اس کا نصف' اور فرمایا اَلَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ. (القصص: ۸۵) یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن مجید کو معین کیا ہے۔ اور اس کا معنی کسی چیز کو واجب کرنا ہے اور اس آیت کا معنی ہے ہم نے اس سورت کے احکام کو آپ پر واجب کیا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۸۷-۴۸۶)

نیز فرمایا اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں مختلف احکام اور حدود کو بیان فرمایا اور سورت کے آخر میں توحید کے دلائل بیان فرمائے' احکام اور حدود کا تو پہلے بندوں کو علم نہ تھا لیکن توحید کے دلائل تو زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان نشانیوں کو دیکھ کر ہر شخص صاحب نشان تک پہنچ سکتا ہے اس لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا: تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واضح آیتوں سے مراد حدود اور احکامِ شرعیہ ہوں اور آیت پر شرعی حکم کا اطلاق اس آیت میں ہے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ (مریم: ۱۰)

(زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی آیت (علامت) مقرر فرما دے فرمایا تمہاری آیت (علامت) یہ ہے کہ تم باوجود تندرست ہونے کے تین دن تک کسی سے بات نہیں کر سکو گے۔

(۳) اس سورت میں جس طرح فرائض اور واجبات بیان کیے گئے ہیں اسی طرح اس سورت میں بہت سے مستحبات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے O (النور:۳)

اس آیت کی تفسیر میں ہم زنا کا معنی بیان کریں گے، زنا کی حد میں کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا فقہی اختلاف بیان کریں گے، زنا کی حد میں رجم کے دلائل کا ذکر کریں گے۔ زنا کی حد میں عورتوں کے ذکر کو مقدم کرنے کی وجہ بیان کریں گے، زنا کی حد میں کوڑوں کی کیفیت اور کوڑے مارنے کی تفصیل بیان کریں گے اور زنا کی ممانعت اور مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔ **فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔**

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا، سائے کا سکڑنا، پیشاب کو روک لینا، حدیث میں ہے:

لایصلی احدکم وھو زناء. تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔

(مسند الربیع بن حبیب، ج ۱ ص ۶۰، مکتبۃ الثقافۃ العربیہ بیروت)

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۲، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۵، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۵۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۷۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آ جائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۰۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۴۳ ص ۱۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے کسی عورت کے ساتھ بغیر عقد شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۰، النہایہ ج ۲ ص ۲۸۴، المفردات ج ۱ ص ۲۸۴)

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

الزنا: اس اندام نہانی میں وطی (مباشرت، جماع) کرنا جو وطی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سید مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لغت میں زنا کا معنی کسی چیز پر چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنی ہے کسی ایسی شہوت انگیز اندام نہانی میں حشفہ (آلہ تناسل کے سر) کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو

حرام ہواور وطی کسی شبہ سے نہ ہواور دُبر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے۔ لہٰذا یہ قبل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ . تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں

(النساء:۱۵)

اور دُبر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے متعلق فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ . (الاعراف:۸۰) کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟

یعنی مرد، مردوں کی دُبر میں وطی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قومِ لوط کے لوگ عورتوں کی دُبر میں وطی کرتے تھے پھر مردوں کی دُبر میں وطی کرنے لگے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے' کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے' نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مُردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔ ابوبکر نے کہا میرا بھی یہی قول ہے مردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے' کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لیے مشروع کیا گیا ہے...... اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح بالا جماع باطل ہے' اور اگر اس سے وطی کرلی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق پر اس پر حد واجب ہے۔ حسن' جابر بن زید' امام مالک' امام شافعی' امام ابو یوسف' امام محمد' اسحاق' ابوایوب' ابن ابی خیثمہ کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے' کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہوگیا اس لیے اس وطی سے حد واجب نہیں ہوگی' جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وطی کرلے۔ اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کرلیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مثلاً بہن سے نکاح جائز تھا) اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کردیا جائے گا' کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی) نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کردو۔ (جامع ترمذی ص ۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کراچی' اور یہی امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے' کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جامع ترمذی' سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں میری اپنے چچا سے ملاقات ہوئی درآں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا کہاں جارہے ہیں' انہوں نے کہا ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرلیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے

اور اس کا مال ضبط کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کردو۔''

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے۔ نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۹ ص ۵۵-۵۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: مرد اپنے حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کردے جو طبعاً مشتہیٰ ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے اور اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محصن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی دوسری شرط ہے حریت پس غلام مکاتب ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محصن نہیں ہیں اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۸۶ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے ''کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو'' فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو غیر فرج میں ہو اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں تعزیر ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۴۵ دارالکتب العلمیہ بیروت طبع قدیم)

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو شخص دارالعدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں وطی کرے در آں حالیکہ وہ قُبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۳ سکھر)

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں بقدر سپاری آلہ تناسل کو داخل کرنا پس جس وطی سے حد واجب ہوگی اس میں بقدر سپاری داخل ہونا ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہوگی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اجنبی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا اگر چہ بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں سے قلم تکلیف اُٹھا لیا گیا بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی (رقم: ۱۴۲۳) اور امام ابوداؤد (رقم: ۴۴۰۱) نے روایت کیا ہے۔

قُبُل: عورت کی اندام نہانی کو کہتے ہیں اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی دُبر (سرین) میں وطی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی' اس کے برخلاف امام ابویوسف' امام محمد اور فقہاء شافعیہ' فقہاء مالکیہ' اور فقہاء حنبلیہ عورت کی دُبر میں وطی کو بھی زنا قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دُبر میں وطی کو لواطت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا' نیز زنا اس لیے حرام ہے کہ اس سے نسب مشتبہ ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور لواطت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ وطی' زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی' کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زندہ: اس قید کی وجہ سے مردہ کے ساتھ وطی' زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی' کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشتہاۃ: یعنی اس عورت سے وطی کی جائے جس پر شہوت آتی ہو اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شہوت نہ آتی ہو اس سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ (ہر چند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)

حالتِ اختیار: یعنی وطی کرنے والے کو اختیار ہو' اسی طرح حد کے وجوب کے لیے وطی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے' اس لیے مکرَہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے' کیونکہ حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے: حضرت عقبہ بن عامر' حضرت عمران بن حصین' حضرت ثوبان' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت سے خطاء' نسیان اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اُٹھا لیا گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰' دارالکتاب العربی)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کرکے اس کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے' لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور محققین مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کرکے اس سے وطی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے آلہ کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکراہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے وطی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ انتشار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے' اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابویوسف' اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دارالعدل: دارالعدل سے مراد دارالاسلام ہے' کیونکہ دارالحرب اور دارالکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دارالحرب میں یا دارالکفر میں زنا کرے گا تو بھی وہ اسلامی سزا سو کوڑوں یا رجم کا مستحق ہے' لیکن چونکہ قاضی اسلام' دارالکفر یا دارالحرب میں اسلامی سزائیں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے اس پر حد جاری نہیں ہوگی' دارالکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سود' چوری' ڈاکہ' قتل اور دیگر جرائم دارالکفر اور دارالحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں' اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکام اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حربی مستامن خارج ہے' کیونکہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا' مسلمان اور ذمی اگر زنا کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔

حقیقت ملک سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے وطی کرلی جو مشترکہ ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے' یا اس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی محرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لیے اس کا یہ فعل ہر چند کہ ناجائز ہے لیکن

زِنا نہیں ہے اوراس پر حد نہیں ہے۔

حقیقتِ نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں وطی کر لی یا روزہ دار یا مُحرِمہ بیوی سے وطی کر لی یا ایلاء یا ظہار کے بعد وطی کر لی تو ہر چند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے‘ کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب ملک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادروا الحدود بالشبہات. شبہات کی بناء پر حدود ساقط کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۴)

مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا میں مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ میرا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا:

انت ومالک لابیک. (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱) تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے‘ کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا

یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے بغیر ولی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے وطی کر لی‘ یا نکاح متعہ کر کے وطی کر لی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آ گیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی‘ رضاعی یا سسرال کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کر لیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے وطی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہو گی خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو‘ کیونکہ اس وطی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ وطی زنا نہیں ہے البتہ اس پر تعزیر ہے۔

فقہاء مالکیہ‘ فقہاء شافعیہ‘ فقہاء حنبلیہ‘ امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو وطی ابداً حرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو وطی ابداً حرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح‘ اس وطی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا اہل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قابل ہو تو وہ نکاح وجوب حد سے مانع ہے‘ خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو‘ جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس سے نکاح کرنا ابداً حرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے وطی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداً حرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے وطی پر حد لازم نہیں آتی۔

(بدائع صنائع ج ۷ ص ۳۵‘ مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۴۵‘ المہذب ج ۲ ص ۲۶۸‘ المیزان الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷‘ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۳ ص ۲۵۱‘ المغنی ج ۸ ص ۱۸۲‘ الفروق ج ۴ ص ۱۷۴‘ رحمۃ الامۃ ج ۲ ص ۱۳۶)

حد زنا کی شرائط

حد زنا جاری کرنے کے لیے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے' وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) زنا کرنے والا بالغ ہو' نابالغ پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۲) زنا کرنے والا عاقل ہو' پاگل اور مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۳) جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے' شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی' البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اس نے حقوق الٰہیہ کا التزام نہیں کیا' فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے البتہ تادیباً اس کو سزا دی جائے گی' اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے زنا کیا تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

(۴) زانی مختار ہو اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے۔

(۵) عورت سے زنا کرے' اگر جانور سے وطی کی ہے تو مذاہب اربعہ میں بالاتفاق اس پر حد نہیں ہے' البتہ تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

(۶) ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادتاً وطی ہو سکتی ہو اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے نابالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔

(۷) زنا کرنے میں کوئی شبہ نہ ہو اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ وہ اس کی بیوی یا باندی ہے' اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس پر حد ہے' جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے' مثلاً بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح ہو' اور جو نکاح بالاتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔

(۸) اس کو زنا کی حرمت کا علم ہو اگر وہ جہل کا دعویٰ کرے اور اس سے جہل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۹) عورت غیر حربی ہو اگر وہ حربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۱۰) عورت زندہ ہو اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وطی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔

(۱۱) مرد کا حشفہ (آلہ تناسل کا سر) عورت کی قُبُل (اندام نہانی) میں غائب ہو جائے اگر عورت کی دُبر میں وطی کر لے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے' اسی طرح لواطت (اغلام) پر بھی حد نہیں ہے' اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔

(۱۲) زنا دارالاسلام میں کیا جائے' دارالکفر یا دارالحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے' کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

احصان کی تحقیق

فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محصن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس لیے احصان کا معنی سمجھنا ضروری ہے۔

سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

احصان کا اصل میں معنی ہے منع کرنا، عورت اسلام پاکدامنی، حریت اور نکاح سے محصنہ ہوتی ہے، جوہری نے ثعلب سے نقل کیا ہے ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ حاملہ عورت کو بھی محصنہ کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے ممنوع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محصن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے "**فاذا احصن فان اتين بفاحشة**" کی تفسیر میں کہا باندی کا احصان اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا باندی کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زجاج نے **محصنين غير مسافحين** کی تفسیر میں کہا مرد کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احصان، زنا سے رُکنا ہے، اور **احصنت فرجها** کا معنی پاکدامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور **والمحصنت من النساء** کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۱۷۹، ۱۳۰۶ھ)

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو احصان رجم میں معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر نکاح فاسد، عدم وطی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احصان ثابت نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۸ - ۳۷ - مطبوعہ کراچی ۱۴۰۰ھ)

زنا کی ممانعت، اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ○ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ○ (الفرقان: ۶۹ - ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا ○ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا ○

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ

اے نبی جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۲)

کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لیے استغفار کریں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

زنا کی ممانعت' مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اُٹھالیا جائے گا' جہل برقرار رہے گا' شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۰۴۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۹۹۰)

(۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تاکہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔ (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے)(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۵۵۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶' سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا' بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ (سردار یا حاکم) اور متکبر فقیر۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۳۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۰۵)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے۔ جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے' اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو' اور وہ لوگ اس کو منع کر دیں' پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے' اور اس کے عطیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو' یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے پھر وہ ٹھہر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد و ثنا کرے اور میری آیات کی تلاوت کرے' اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اس کا دشمن سے مقابلہ ہو وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو' اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی' متکبر فقیر اور مالدار ظالم۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۳۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۸۹' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۹' المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا...... اس موقع پر

آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔ پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو' اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو' اور صدقہ کرو پھر فرمایا: اے اُمتِ محمد! اللہ کی قسم! کسی شخص کو اللہ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے اُمتِ محمد! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۱۷۷' سنن النسائی رقم الحدیث ۱۴۷۱' ۱۴۷۰)

(۶) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے' پھر کوئی شخص جو اللہ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا بے شک آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اُٹھا کر لے گئے' انہوں نے مجھ سے کہا آپ چلیے میں ان کے ساتھ چلتا رہا...... میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل میں تھے اس کا بالائی حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی جب آگ کے شعلے بھڑکتے تو وہ لوگ اوپر اُٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے ...... فرشتوں نے بتایا وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷' ۱۳۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵' سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ اس سے ایمان کو نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اُتارتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۲۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶' الکبائر للذہبی ص ۸۳-۸۲' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۲۵۲' دارالحدیث قاہرہ)

(۸) حضرت اُم المؤمنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۷۰۹۱' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۷)

(۹) امام طبرانی نے حضرت شریک' ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے' پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۲۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۱' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث ۳۵۲۹' حافظ عسقلانی نے کہا اس کی سند جید ہے ج ۲ ص ۶۱' الاصابہ ج ۳ ص ۳۳۹ قدیم)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۶۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۳۶' شعب الایمان رقم الحدیث ۵۳۶۳' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۶ ص ۵۸۶' رقم الحدیث ۱۳۳۱' ۳۳۳۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے' اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے ان میں موت بہ کثرت ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے' اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶' الموطا رقم الحدیث: ۱۰۲۰' الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۱۱-۲۱۰' رقم الحدیث: ۲۰۰۹۰)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے' اس نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ فرمایا تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو' اس نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو' پھر اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ (الفرقان: ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۴۰ا' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زنا سے بچتے رہو' کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں:

(۱) اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔

(۲) رزق منقطع ہو جاتا ہے۔

(۳) رحمان ناراض ہوتا ہے۔

(۴) اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے۔ (یعنی بہت دیر تک رہنا)

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۹۲' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۴' اس کی سند میں عمرو بن جمیع متروک ہے)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ (ریا کاری) کا خوف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲)

(۱۵) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے' بوڑھا زانی' امام کذاب اور متکبر فقیر۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۸' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل بہ کثرت کیا جائے گا تو اللہ مخلوق کے اوپر سے اپنا ہاتھ اُٹھائے گا' پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے

ہیں۔(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں عبدالخالق بن زید بن واقد ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۹۶، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۵، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ہے موسیٰ بن سہل اس کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقات ہیں)

(۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۹۵، حافظ الہیثمی نے کہا اس کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے اس کی حدیث حسن بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۹) حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متکبر مسکین' بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا اس کے ایک راوی الصباح بن خالد کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۲۰) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی فروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذا ہوگی۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۴۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۷، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۲۱) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے' کوئی سائل ہو تو اس کو عطا کیا جائے' کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دُور کر دی جائے پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کرلی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۹۰، حافظ منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' الترغیب والترہیب ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۶۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۸)

(۲۲) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث: ۳۵۲۴، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵، اس کی سند پر اعتراض ہے)

(۲۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۲۵)

(۲۴) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دو شخص آئے ان دونوں نے مجھے میری بغلوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے' اور مجھ سے کہا اس پر چڑھیے میں نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا' انہوں نے کہا ہم آپ کے لیے چڑھنا آسان کر دیں گے' پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا' ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں' (الی قولہ) ہم

چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی' میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مقتولین کفار ہیں' وہ پھر مجھے آگے لے گئے وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی گویا کہ وہ پاخانے کی بدبو تھی میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں: الحدیث

(صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۸' المستدرک ج ۱ ص ۴۳۰' الترغیب والترہیب ج ۲ رقم الحدیث: ۱۴۸۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۷' المستدرک ج ۱ ص ۲۲' سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۳۶۶)

(۲۶) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ہم اکٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو' رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے اور بغاوت سے (یا زنا سے) بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے' اور تم ماں باپ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں باپ کا نافرمان' رشتہ منقطع کرنے والا' بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس خوشبو کو نہیں پائے گا۔ کبریائی صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث: ۳۰۱۹' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۵)

(۲۷) راشد بن سعد المقرائی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھی۔ میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے مزین ہوتے تھے' پھر میں ایک کنویں کے پاس سے گزرا جس سے سخت بدبو آ رہی تھی میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لیے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لیے جائز نہ تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۵۰' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۰)

(۲۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۷۷' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۱' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۲۳ ص ۱۷۳ رقم الحدیث: ۴۹۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ منذری نے کہا صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عادی شرابی بت پرست کی طرح اللہ سے ملاقات کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ زنا شراب نوشی سے بڑا گناہ ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۸' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۲۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہو انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیا۔ (یہ حدیث صحیح ہے)

(المستدرک ج ۲ ص ۳۷' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۷)

(۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب

کو حلال کر لیا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۸۱، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴، ۲۷۰۷، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۸)

(۳۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ حرام ہے اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے (یعنی ان کی اس کی سزا اس سے کم ہے) کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۸، اس کے راوی ثقات ہیں، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۷)

(۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا، اس کی طرف اللہ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے گا اور فرمائے گا دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۸۵، مسند الفردوس الدیلمی رقم الحدیث: ۳۳۷۱، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۸)

(۳۳) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو، قیامت کے دن اللہ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کردے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۷۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھتا ہے جس کا شوہر غائب ہو، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدھوں میں سے کوئی سیاہ اژدھا بھنبھوڑ رہا ہو۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۵۰، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاہدین کی بیویوں کی حرمت، جہاد پر نہ جانے والوں کے لیے ان کی ماؤں کی مثل ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا، لے لے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا؟

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۹)

(۳۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ کی عبادت کی، پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہو گئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا کہ میں گرجے سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی حاصل کروں۔ وہ گرجے سے اُترا، اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں، جس وقت وہ باہر کھڑا تھا تو ایک عورت آ کر اس سے ملی وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی، پھر اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا، اس کے بعد ایک سائل آیا تو اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا، پھر اس کی ساٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلڑہ بھاری نکلا، پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلڑہ بھاری نکلا سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے ساٹھ سال کی عبادت ایک زنا کے گناہ سے ضائع کردی اور دو روٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا' وہ جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۹'الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۱' ۱۳۸۷' ۱۲۹۹)

(۳۷) شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

(۳۸) شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' میں نے پوچھا سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۲)

اس سوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر رجم سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد وہ منسوخ ہو گیا ہو کیونکہ سورۂ نور میں زانیوں کو کوڑے مارنے کا حکم ہے اور اگر سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کا حکم رجم کرنے کے منافی نہیں ہے یعنی کنوارے اگر زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگ سار) کیا جائے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے کیونکہ سورۂ نور کے نزول کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ تین قول ہیں' ۴ ہجری' ۵ ہجری اور ۶ ہجری اور صحیح یہ ہے کہ سورۂ نور شعبان ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور رجم اس کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ ۹ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔

(فتح الباری ج ۱۴ ص ۹۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(۳۹) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵' عالم الکتب بیروت)

(۴۰) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حکم لو' مجھ سے حکم لو' اللہ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرما دی اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو' اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو' اور اگر شادی شدہ' شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۶' ۴۴۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۴' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کی سبیل بیان فرمائے گا اس حدیث میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کی راہ بیان کر دی ہے اور اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے' سورۃ النساء کی وہ آیت یہ ہے:

وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ○ (النساء: ۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان کے خلاف تم اپنوں میں سے چار گواہ طلب کرو' پس اگر وہ شہادت دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو حتیٰ کہ موت ان کی زندگیاں پوری کردے یا اللہ ان کی کوئی اور سزا مقرر فرمادے۔

سو جس سزا کے مقرر کرنے کا سورہ نساء میں ذکر کیا گیا تھا وہ کنواری عورت کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم ہے۔ کوڑے مارنے کا حکم سورہ نور میں ہے اور رجم کرنے کا ذکر ان احادیث میں ہے' ہم نے رجم کے ثبوت میں ۵۳ احادیث مرفوعہ' ۴۰ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین ذکر کیے ہیں' ان کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۱۶-۸۰۴ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ اس قدر کثیر احادیث اور آثار ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ رجم کا حکم تواتر سے ثابت ہے۔

میں نے یہاں پر زنا کی ممانعت اور اس کی دنیاوی اور اُخروی سزا کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں' احادیث تو ان کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس احادیث کی تبلیغ کرنے پر جو نوید سنائی ہے میں نے اس کے حصول کی امید میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری اُمت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں' اللہ اس کو اس حال میں اُٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۲۶' ۱۷۲۵' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جز ۵۴ ص ۱۱۱' ۹۹' رقم الحدیث: ۱۱۸۲۸' ۱۱۸۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۷۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۳۷' حافظ سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی رمز کی ہے' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۱۸۵۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۵۸)

یہ چالیس احادیث میں نے زنا سے ترہیب اور تخویف کی ذکر کی ہیں آخر میں' میں زنا سے بچنے کی ترغیب کے سلسلہ میں بھی ایک حدیث درج کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف (بلاقصد) پڑ جائے پھر وہ اپنی نظر پھیر لے اللہ اس کے دل میں اس کی عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کردیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

زنا کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی توجیہ

قرآن مجید میں احکام بیان کرنے کا عام اسلوب یہ ہے کہ صرف مردوں پر کسی حکم کو فرض کیا جاتا ہے اور عورتیں اس حکم میں بالتبع داخل ہو جاتی ہیں لیکن اس آیت میں زنا کرنے والی عورتوں اور مردوں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے نہ صرف یہ بلکہ عورتوں کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں زنا کا سبب اور اس کا محرک عورت ہوتی ہے' عورت سے جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے مرد فعل زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَہُمَا (المائدہ: ۳۸) چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

اس آیت میں چور مرد کا ذکر چور عورت سے پہلے فرمایا کیونکہ اکثر و بیشتر اس فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے۔

کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے‘ وہ چابک ہو یا درخت کی شاخ اور وہ چابک یا شاخ متوسط ہو نہ بہت سخت ہو‘ نہ بہت نرم ہو۔ حدیث میں ہے:

امام مالک‘ زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے اپنے اوپر زنا کا اعتراف کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کے لیے ایک چابک منگوایا تو ایک ٹوٹا ہوا چابک لایا گیا‘ آپ نے فرمایا اس سے سخت لاؤ تو درخت کی ایک نئی شاخ لائی گئی جس کے پھل بھی نہیں اُتارے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا اس سے ذرا کم لاؤ‘ پھر ایک استعمال شدہ اور نرم شاخ لائی گئی‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا‘ پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! اب وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ کی حدود کے ارتکاب سے باز آ جاؤ اور جس شخص نے ان ناپاک کاموں میں سے کوئی کام کر لیا اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ستر کے ساتھ اپنا پردہ رکھے‘ کیونکہ جس کا جرم ہم پر ظاہر ہو گیا‘ ہم اس کے اوپر اللہ کی کتاب کو جاری کر دیں گے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۸۸‘ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اُتارے جائیں یا نہیں‘ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ اس کے کپڑے اور عورت کے کپڑے نہ اُتارے جائیں البتہ وہ کپڑے اُتار دیئے جائیں جو ضرب سے بچاتے ہوں۔ امام اوزاعی نے کہا مرد کے کپڑے اُتروانے میں امام کو اختیار ہے چاہے اس کے کپڑے اُتروائے چاہے نہیں۔ شعبی اور نخعی نے کپڑے اُتارنے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس اُمت میں کسی کے کپڑے اُتارنا جائز نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جو کہا ہے کہ اس کے کپڑے اُتارے جائیں غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ مرد کے ستر کے علاوہ اس کے کپڑے اُتار دیئے جائیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ حد جاری کرتے وقت انسان کے کن اعضاء پر کوڑے مارے جائیں؟ امام مالک نے کہا کہ حدود اور تعزیرات میں صرف پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا کہ چہرے اور نازک اعضاء کے سوا تمام جسم پر کوڑے مارے جائیں‘ سر پر مارنے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا کہ سر کو بچایا جائے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ سر پر ضرب لگائی جائے‘ حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ سر پر ضرب لگائی جائے‘ امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ھلال بن اُمیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو پیش کیا‘ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے‘ اس نے کہا یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہوں کو تلاش کرنے جائے گا؟ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم گواہوں کو پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی‘ پھر لعان کے احکام نازل ہوئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۷۱‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۴‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۸‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۴۷۷‘ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۲۴‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۵۱)

کوڑوں کے ساتھ ایسی ضرب لگائی جائے‘ جس سے چوٹ لگے‘ درد ہو لیکن زخم نہ آئے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ تمام قسم کی حدود میں ضرب مساوی ہو اس سے کوئی زخم نہ پڑے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور امام

اعظم ابوحنیفہ اوران کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ تعزیر میں سخت ضرب لگانی چاہیے' زنا کی ضرب شراب نوشی کی ضرب سے زیادہ شدید ہے اور شراب نوشی کی ضرب قذف (تہمت) کی ضرب سے زیادہ شدید ہے۔

پہلے شراب نوشی کی حد میں اختلاف تھا۔ عبدالرحمٰن بن ازھر بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے' آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے پاس تھے' تمہارے ہاتھ میں جو چیز آئے اس سے اس کو مارو' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی اٹھا کر اس پر ماری' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا' انہوں نے اس کو چالیس کوڑے مارے۔

ابن وبرہ کلبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عثمان بن عفان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت علی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا حضرت خالد بن ولید نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے' انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ لوگ اب شراب بہت پینے لگے ہیں اور اس کی سزا کو معمولی سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا یہ کبار اصحاب تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہماری رائے یہ ہے کہ جب آدمی نشہ میں ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا حضرت علی نے جو کہا ہے وہ حضرت خالد کو پہنچا دو پھر انہوں نے اسی (۸۰) کوڑے مارے اور حضرت عمر نے بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ص ۱۵۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں مذاہب فقہاء

اگر زانی مرد یا زانیہ عورت محصن نہ ہو تو قرآن مجید میں اس کی سزا سو کوڑے مارنا بیان فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارو۔

بعض احادیث میں سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۱۴۳۰ میں ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا غیر شادی شدہ کے زنا کی حد میں سو کوڑوں کے علاوہ شہر بدر کرنا بھی داخل ہے یا نہیں؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کے زنا کرنے کی حد میں جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے۔ خلفاء راشدین سے بھی یہی مروی ہے' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے' فقہاء تابعین میں سے عطاء' طاؤس' ثوری' ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام احمد کا مذہب ہے' اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن یہ کہتے ہیں کہ شہر بدر کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان دونوں کو شہر بدر کرنا انہیں فتنہ میں ڈالنے کے لیے کافی ہے' اور ابن مسیب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی بناء پر خیبر میں جلاوطن کر دیا۔ وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا تب حضرت عمر نے فرمایا: اس کے بعد میں کبھی کسی کو شہر بدر نہیں کروں گا۔ نیز اس لیے کہ اللہ

تعالیٰ نے صرف کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے اگر شہر بدر کرنے کو واجب قرار دیا جائے تو نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۴۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: غیر شادی شدہ کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا امام شافعی حد میں ان دونوں سزاؤں کو جمع کرتے ہیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البکر بالبکر جلد مأة وتغریب عام. کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو۔

(صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' جامع ترمذی)

نیز اس سے زنا کا دروازہ بند ہو جائے گا' کیونکہ دوسرے شہر میں ان کے جان پہچان والے کم ہوں گے۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاجلدوا پس کوڑے مارو' اللہ تعالیٰ نے کل سزا سو کوڑے بیان کی ہے اور اس کے علاوہ کنوارے شخص کی اور کوئی سزا بیان نہیں کی (پس اگر ایک سال شہر بدر کرنے کو زنا کی حد کا جز قرار دیا جائے تو اخبار آحاد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے' اس کے برخلاف شادی شدہ کو رجم کرنا اخبار آحاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز ہے' اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید میں الزانی سے مراد کنوارہ زانی ہے اور کوڑے مارنے کا حکم کنواروں کے بارے میں ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا یعنی اس کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔

(سعیدی غفرلہ)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: زانی کو شہر بدر کرنا زنا کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے کیونکہ اپنے شہر میں تو خاندان والوں سے حیاء آئے گی اور دوسرے شہر میں اس کو زنا کرنے سے کوئی حجاب نہیں ہوگا۔ نیز دوسرے شہر میں اس کے کھانے' پینے' رہائش' کپڑوں اور علاج معالجہ کی ضروریات کا کوئی کفیل نہیں ہوگا اس وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ شہر بدر کی ہوئی عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زنا کو کسب معاش بنالیں اور یہ زنا کی بدترین قسم ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ اور جس حدیث میں کنوارے کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع کیا ہے وہ اسی طرح منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا وہ حصہ منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کی حد میں رجم اور کوڑوں کو جمع کیا گیا ہے' کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے کنوارہ' کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو۔ اور شادی شدہ' شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور پتھروں سے رجم کردو۔

(صحیح مسلم' جامع ترمذی' سنن ابوداؤد)

علامہ ابوالحسن کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا حکم ہے اسی حدیث میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا بھی ذکر ہے اور جب جمہور فقہاء باوجود اس حدیث کے رجم کی سزا کے ساتھ کوڑے مارنے کا اضافہ نہیں کرتے تو کنوارے کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا اضافہ کیوں کرتے ہیں۔ یہ صراحتاً ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ ترجیح بالمرجوح ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی ذکر کردہ حد پر زیادتی لازم آتی ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: شادی شدہ کی حد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ان کو جمع کرنا واجب ہے پہلے کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے۔ حضرت علی' حسن بصری'

اسحاق بن راہویہ' داؤ د اہل ظاہر اور بعض اصحاب شافعی کا یہی قول ہے' اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف رجم کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے کہ جب شادی شدہ زانی بوڑھا ہو تو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر جوان ہو تو صرف رجم کیا جائے۔ یہ مذہب باطل اور بے اصل ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو صرف رجم کرنے پر اقتصار کیا جیسا کہ حضرت ماعز اور غامدیہ کے قصہ سے ظاہر ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ کو صرف کوڑے مارے اور شہر بدر نہیں کیا اور کثیر آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب واضح کریں گے...... (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ہاں! اگر امام کے نزدیک شہر بدر کرنے میں مصلحت ہو تو وہ جس قدر عرصہ مناسب سمجھے شہر بدر کر سکتا ہے' یہ تعزیر اور سیاست ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ امر امام کی رائے پر موقوف ہے اور بعض صحابہ سے جو شہر بدر کرنے کی روایت ہے وہ بھی تعزیر اور سیاست پر محمول ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۴۹۳-۴۹۲' مکتبہ امدادیہ ملتان)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے شہر بدر کرنے کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف تین صحابہ کی روایات ہیں حضرت عبادہ بن صامت' حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم' اور جو روایت صرف تین صحابہ سے مروی ہو وہ خبر متواتر یا خبر مشہور نہیں ہے صرف خبر واحد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ احادیث خبر مشہور ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کیا یا شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بطورِ حد کیا ہو بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ فعل بطور تعزیر کیا ہو لہٰذا ان احادیث سے شہر بدر کرنے کا حد ہونا ثابت نہیں ہوا۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے جس کا اس نے نام بھی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اس سے اس کے متعلق پوچھا اس عورت نے زنا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۶' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چار بار یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا ہے' آپ نے اس کو سو کوڑے لگائے پھر آپ نے فرمایا: اس عورت کے خلاف گواہ لاؤ' عورت نے کہا خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے' پھر آپ نے اس کو اسی کوڑے حد قذف لگائی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۷)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر شادی شدہ باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو' اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو' پھر اس کو بیچ دو خواہ رسی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیچنا پڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۴۳)

ان دونوں حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محصن کو حد میں سو کوڑے مارے یا سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا نہ شہر بدر کرنے کا حکم دیا اس لیے جن احادیث میں شہر بدر کرنے کا حکم ہے وہ سیاست پر محمول ہیں۔

رجم کی تحقیق

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی حد رجم ہے اور فقہاء اسلام میں سے کسی مستند شخص نے اس اجماع کی مخالفت نہیں کی۔ بعض خارجیوں نے اس اجماع کی اگر مخالفت کی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' البتہ ہمارے زمانہ میں منکرینِ حدیث کی ایک جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے سنت کی حجیت کا انکار کیا اور مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر اُگلا اس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ ان لوگوں نے جہاں اسلام کے اور بہت سے اجماعی اور مسلمہ عقائد کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک رجم کا مسئلہ ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں زانی کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے اور جن احادیث میں رجم کا ذکر ہے وہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

منکرین سنت کا یہ قول قطعاً باطل اور مردود ہے اوّل تو یہ غلط ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا اصلاً ذکر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اشارتاً رجم کا ذکر موجود ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب ہم واضح کریں گے اور ثانیاً یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ رجم کا حکم اخبار آحاد سے ثابت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رجم کا حکم پچاس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے اور یہ احادیث معناً اخبار متواترہ ہیں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس پر تفصیلاً گفتگو کریں گے اور اخیر میں ہم منکرین سنت کے مشہور اور اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق.

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ: ۴۳) اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے!

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۳۲۵ میں ہے) یہود زنا کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دُور رہنا۔ علامہ ابن کثیر نے ان آیات کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا مقدمہ لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا' آپ نے فرمایا تم اپنے مذہب کے دو سب سے بڑے عالموں کو لاؤ وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لائے آپ نے ان کو قسم دے کر پوچھا ان زنا کرنے والوں کا حکم تورات میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے ان کو اس طرح زنا کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے تو ان کو رجم کر دیا جائے' آپ نے فرمایا تم ان کو رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا ہماری حکومت چلی گئی اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا اور چار آدمیوں نے آ کر یہ گواہی دی کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے تورات کے حکم کے مطابق انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۹-۶۸ ' دارالفکر بیروت '۱۴۱۹ھ)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد هذا الامر الخاص وهو الرجم لانهم طلبوا الرخصة بالتحکیم. (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۶۲)

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کے لیے آپ کو حکم بنایا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رجم موجود ہے' اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:

پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے O تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O (استثناء: ۲۲-۲۱)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں O لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O

(استثناء: ۲۴-۲۳)

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی' بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے کہ یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے' یوحنا کی انجیل میں ہے:

اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا O اے استاد! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ O انہوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تاکہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا O جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے O (یوحنا: باب ۸ آیت: ۸-۳)

تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نزولِ قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصدق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزارہا تحریفات کے باوجود رجم کا یہ حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں' اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے درآں حالیکہ یہ ان آسمانی کتابوں کی مصدق اور نگہبان ہے جو اس کے سامنے ہیں سو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے' اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید ناطق اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جا چکی ہے' ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا مصدق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید مصدق ہے وہ رجم کا حکم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کی منسوخ التلاوت آیت

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عن زربن حبيش قال قال لی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کاین تعد او کاین تقرء سورۃ الاحزاب قلت ثلث وسبعين آية قال اقط لقد رايتها وانما لتعدل سورة البقرة وان فيها الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم. (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱)

زربن حبیش کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سورہ احزاب میں کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر (۷۳) آیتیں! حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس یہی؟ حالانکہ ہم دیکھتے تھے کہ یہ سورہ' سورۃ البقرہ کے برابر تھی اور اس میں یہ آیت تھی (ترجمہ) جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کرے تو ان کو ضرور رجم کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب' حکمت والا ہے۔

''سورۂ احزاب ابتداءً سورۃ البقرہ کے برابر تھی' اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اس کی بعض آیات کی تلاوت کو منسوخ کر دیا گیا' قرآن مجید میں ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَاؕ (البقرہ: ۱۰۶)

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ان سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

جیسا کہ آیت رجم کو منسوخ کر دیا گیا' بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام تفسیر بھی لکھ لیتے تھے جس کو بعد میں حذف کر دیا۔

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن صلت کہتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے' حضرت زید نے کہا' یہ آیت ہم پڑھتے تھے جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو' مروان نے کہا ہم اس آیت کو قرآن مجید میں کیوں نہ داخل کر دیں؟ حضرت زید نے فرمایا نہیں! کیا تم نہیں دیکھتے کہ شادی شدہ جوان آدمیوں کو بھی رجم کیا جاتا ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ صحابہ اس پر بحث کر رہے تھے اور اس وقت ہم میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں میں تمہاری تسلی کروں گا اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں گا اور جب آپ رجم کا ذکر کریں گے تو میں کہوں گا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا' جب آپ نے آیت رجم کا ذکر کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے' آپ نے فرمایا مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں

ہے۔(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱ ملتان)

امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا' حالانکہ اس کو گمان بھی نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول آچکے ہیں اور وہ ان بہت سی باتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے'' اور رجم کو بھی یہود چھپاتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۵۹' مکہ مکرمہ)

کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے نسخے لکھ رہے تھے' جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو۔ حضرت عمرو نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: اس آیت کو لکھ دیجئے تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا' حضرت عمرو نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور رجم بھی کیا جاتا ہے' اور جب غیر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو صرف کوڑے لگائے جاتے ہیں اور جب شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کو رجم کیا جاتا ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۶۰' مکہ مکرمہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد طرق اور اسانید سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کے منسوخ التلاوت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

بما قضيا من اللذة. انہوں نے جو لذت حاصل کی ہے (اس وجہ سے رجم کرو)

نیز اس آیت کے الفاظ کے عموم پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ مطلقاً بوڑھے شخص کو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ اس بوڑھے شخص کو رجم کیا جاتا ہے جو شادی شدہ ہو اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں' جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۴۳' لاہور)

اس آیت کے منسوخ التلاوت ہونے پر ایک دفعہ ایک فاضل شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں ہے:

كلامي لا ينسخ كلام الله. (مشکوٰۃ ص ۳۲) میرا کلام' کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا

پھر حدیث سے یہ آیت کیسے منسوخ ہوگئی؟ میں نے اس کے جواب میں کہا کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے الفاظ منضبط ہیں اور وہ الفاظ تواتر سے ثابت ہیں اور اس آیت کے الفاظ غیر منضبط ہیں اور ان الفاظ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے اس لیے یہ الفاظ قرآن مجید نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے منسوخ التلاوت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آیت رجم کی بحث

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے' میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو' جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے یاد رکھے اسے چاہیے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا وہ بات یہ ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ

بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی' ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے یاد رکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم برحق ہے ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا' بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو۔

(بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۰۰۹' صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵' مؤطا امام مالک ص ۶۸۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کی آیت الزانیة والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کے لیے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک کے الفاظ میں صراحتاً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا صراحتاً حدیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواتر المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں جس طرح قرآن کی آیات وحی الٰہی ہیں اسی طرح سنت اور حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور اسی بناء پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں' جو چیز قرآن سے ثابت ہو' اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے' اسے خلافِ قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دیکھیے قبلہ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے' اسی طرح پانچ نمازیں' ان کی تعداد رکعات اور ادا کرنے کی ترتیب مثلاً نماز میں رکوع' سجود' قیام اور قعود اور ان سب ارکان کی ترتیب سب سنت نبوی سے ثابت ہے' اگر سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے صرف اقیموا الصلوٰۃ اور اٰتوا الزکوٰۃ کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامت صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی ایتاء زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن ہے اس لیے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تاکہ قرآن کے معنی سمجھ میں آجائیں اور مرادِ الٰہی کے مطابق احکام قرآنیہ پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اور اس کا منسوخ التلاوت ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم نزول الفاظ اور نسخ تلاوت کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ: ۴۳)

اور اے رسول وہ یہودی کس طرح آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

(مقالات کاظمی ج ۳ ص ۴۰۰-۳۹۹' مکتبہ فریدیہ ساہیوال' ۱۴۰۷ھ)

رجم کی احادیث متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث ترپن (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلّم اور مستند جلیل القدر محدثین نے اپنی تصانیف میں متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتاویٰ تابعین ہیں جن کو کبار محدثین نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث ہیں۔ ہم نے جن اعداد و شمار کا ذکر کیا ہے' یہ ان کتب احادیث سے حاصل کیے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود

اور دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں اس لیے حتمی اور قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ' مرسلہ' آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین موجود ہیں۔ بہرحال ہم نے جو اعداد و شمار تتبع اور تلاش سے حاصل کیے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے وہ معناً متواتر ہیں اور اس عدد سے اس بات پر شرح صدر ہو جاتا ہے کہ یہ احادیث اس قوت میں ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور ان احادیث متواترہ کی بناء پر یہ قول صحیح اور برحق ہے کہ قرآن مجید میں جس زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے مارنا بیان کی ہے اس سے آزاد اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ مراد ہیں رہے آزاد اور محصن (شادی شدہ) زانیہ اور زانی تو ان کی حد رجم کرنا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

منکرین رجم یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ سنت سے قرآن مجید کے عموم قطعی کی تخصیص کیسے کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ الزانیة والزانی میں عموم قطعی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں باندیوں کے زنا کی سزا کے متعلق ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ　　یعنی باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔

(النساء: ۲۵)

یعنی باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آیت نور میں جو زانیوں کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے اس سے ہر زانی اور زانیہ مراد نہیں ہے بلکہ آزاد زانیہ اور زانی مراد ہے کیونکہ باندیوں کی سزا سورۂ نساء میں اس کی نصف بیان کی گئی ہے اور جب اس آیت میں خود قرآن مجید سے تخصیص ہو گئی تو اس کا عموم قطعی نہ رہا اور یہ ہر زانیہ اور زانی کو شامل نہیں ہے' اس لیے اگر سنت متواترہ سے اس میں تخصیص کی جائے اور اس بناء پر اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ مختص قرار دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

رہے آزاد اور شادی شدہ زانی تو ان کی سزا رجم ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں رجم کی ۵۳ احادیث مرفوع بیان کی ہیں' ۱۴ مرسل روایات بیان کی ہیں' ۱۴ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین کا ذکر کیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۱۶-۸۰۴)

حد زنا کے دیگر مباحث شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۴۰-۸۱۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے ○ (النور: ۳)

زانیہ کے لیے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اُم مہزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی وہ عورت زنا کرتی تھی اور اس پر اُجرت لیتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی: **الزانیة لاینکحها الازان او مشرک.** (النور: ۳)

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۴۸۰' ۷۰۹۹' ۷۰۱۰' شیخ احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ۶ ص ۳۵-۳۴' دارالحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۱۹' حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۵۳' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد ایک ایسا شخص تھا

جو مکہ سے قیدیوں کو لا کر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا' مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی' اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو مدینہ پہنچائے گا' اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں' میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے میں پہنچا پس عناق آ گئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایا دیکھا تھا میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا' اس نے کہا مرثد ہے؟ میں نے کہا مرثد ہوں' اس نے کہا خوش آمدید' میرے پاس آؤ' میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں نے اس سے کہا اے عناق! اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے' اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا اے خیمے والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے' سو آٹھ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا میں الخندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی غار میں گھس گیا وہ غار کے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے وہاں پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا' اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کر دیا' میں اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس پلٹا وہ بہت بھاری جسم کا تھا حتیٰ کہ میں اذخر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں' پھر میں اس کو اٹھا کر لے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا' حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا' اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے۔ (النور: ۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۸' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۵۳)

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات

سورۃ النور: ۳' اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی' اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اُم مہزول اور عناق کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ابو صالح نے کہا یہ ممانعت اہل الصفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لیے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جا چکے ہوں' وہ صرف اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۶۹۷)

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔ کرخی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا' وہ اپنی مثل فاسقہ یا مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے' اسی طرح فاسقہ خبیثہ عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے متنفر ہوتی ہے (جیسا کہ اس دور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی ڈاڑھی رکھنے والے

شخص سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے فاسق (آزاد فیشن زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں اور یہ حکم عام' اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیز گار لوگ کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں' اسی طرح اس آیت کا محمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے شخص سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا

(۵) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سورۃ النور:۳' سورۃ النور:۳۲ سے منسوخ ہے اور منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ (النور:۳۲) تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں' ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابوجعفر النحاس نے کہا یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر' سالم' جابر بن زید' عطا' طاؤس' امام مالک بن انس اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی نے کہا سعید بن میسّب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت ان شاء اللہ منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمر' ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا اوّل زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے' اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ص ۱۵۷-۱۵۶' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں ○ سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ (النور:۵-۴)

قذف کا لغوی معنی

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف بالحجارۃ کا معنی ہے پتھر پھینکنا اور قذف المحصنۃ کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنی ہے گالی دینا' اور حدیث میں ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی' اصل میں قذف کا معنی ہے پھینکنا پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۲۱۷' مصر)

قذف کا شرعی معنی

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ قذف کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف کا شرعی معنی ہے کسی محصن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے: اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''جو لوگ محصنات (مسلمان اور پاک دامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو' اسی آیت میں لفظ رمی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیگر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی' اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی شرط لگائی ہے اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ اس آیت میں محصنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جا سکیں تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور: ۴)

اور جو لوگ مسلمان پاک دامن عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں پھر چار مرد گواہ نہ لائیں ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النور: ۲۳)

بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر' مسلمان عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جنگ کے دن پیٹھ موڑنا اور پاک دامن مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری برأت نازل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور منبر سے اُترنے کے بعد آپ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد لگانے کا حکم دیا سو ان کو حد لگائی گئی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۷)

عن محمد بن اسحاق بهذا الحديث قال فامر برجلين و امرأة ممن تكلم بالفاحشة حسان بن ثابت و مسطح بن اثاثه قال النفيلي و يقولون والمرأة حمنة بنت جحش.

محمد بن اسحاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ نے ان کو حد قذف لگانے کا حکم دیا' حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۷۵)

احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلّف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دامن ہونا (۵) وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جا سکتا ہو۔

تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔ امام احمد سے بلوغ کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے' امام شافعی' ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلّف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس لیے کہ بچہ کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد' صاحب عقل اور پاک دامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے یہ امام مالک اور اسحاق کا قول ہے' اس روایت کی بناء پر اس کو کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو اور لڑکا کم از کم دس سال کا اور لڑکی نو سال کی ہو۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

احصان کی شرائط میں مذہب احناف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

احصان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزاد' (۲) عاقل' (۳) بالغ' (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل سے پاک دامن ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے۔

(النساء:۲۵)

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا اور اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اشرک بالله فليس بمحصن. جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

(سنن دار قطنی)

اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔

کوڑے مارنے کے احکام

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دینا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انہوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیئے' اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو' کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا' مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اُتار لیے جائیں اور صرف چادر (تہبند) باقی رہے اور اس کے جسم کے متفرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر' چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے والے سے فرمایا اس کے چہرے اور شرمگاہ سے اجتناب کرو' تمام حدود میں مجرم کو کھڑا کر کے کوڑے مارے جائیں کیونکہ حضرت علی نے فرمایا: مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں' کوڑے مارتے وقت کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اُٹھائے۔ کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں۔ البتہ عورت کے صرف فالتو کپڑے اُتارے جائیں گے سارے کپڑے اُتار کر یا صرف تہبند میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ (ہدایہ اولین ۴۹۰-۴۸۹' ملتان)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لیے درخت کی ایسی شاخ لی جائے جس میں کوئی گرہ ہو نہ کوئی پھل ہو' نہ وہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو' اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو چھیل کر نرم کر لیا جائے' کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ لیے جائیں پھر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔ علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ سے ضرب نہ لگائی جائے جس کی کوئی جانب خشک اور سوکھی ہوئی ہو کیونکہ اس سے زخم لگے گا یا نشان پڑ جائے گا اور نہ اس شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو' کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجیے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت ٹہنی لائی گئی جس میں پھل تھے آپ نے فرمایا اس سے کم لاؤ پھر ایک نرم شاخ لائی گئی آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ' پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۱۶-۱۵' سکھر)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آزاد' عاقل' بالغ' مسلمان اور پاک دامن مرد یا عورت پر کسی مکلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے حد لازم ہوگی۔

جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء

جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے اس کے متعلق تین حکم بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارو' دوسرا یہ کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ وہی فاسق ہیں۔ اس کے بعد فرمایا سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا تعلق کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے تہمت لگانے کے بعد

اس تہمت سے رجوع کرلیا اور یہ کہا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو اس کو پھر بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ قاضی شریح' ابراہیم نخعی' حسن بصری' سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے اس کی توبہ اب بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور اس سے استثناء کا تعلق فسق سے ہے' یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں ہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کا تعلق توبہ قبول نہ کرنے کے ساتھ ہے یعنی تہمت لگانے کے بعد اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ائمہ ثلاثہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے:

حضرت ابوبکرہ' شبل بن معبد اور نافع نے حضرت مغیرہ بن شعبہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو اسی' اسی (۸۰'۸۰) کوڑے مارے کیونکہ یہ چار گواہ نہیں پیش کر سکے تھے۔ پھر فرمایا کہ جو ان میں سے توبہ کرلے گا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔ شبل اور نافع نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے قول پر قائم رہے۔

(صحیح البخاری کتاب الشہادات)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرہ' نافع اور شبل نے حضرت مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد ابن ابوسفیان نے ان کی شہادت کے خلاف شہادت دی' حضرت عمر نے ان تینوں کو کوڑے مارے اور فرمایا تم میں سے جس نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔ حضرت ابوبکرہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار کر دیا۔

ان چاروں نے حضرت مغیرہ کو الرقطاء اُم جمیل بنت عمرو الھلالیہ کے پیٹ کے اوپر دیکھا' انہوں نے جا کر حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا' اور حضرت مغیرہ کو حاضر کیا گیا' اوّل الذکر تینوں نے ان کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابوسفیان نے قطعی شہادت نہیں دی اور کہا میں نے بہت قبیح منظر دیکھا تھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ فعل کیا تھا یا نہیں' تب حضرت عمر نے ان تینوں پر حد قذف جاری کی۔ حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے کہ زیاد نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا میں نے ان کا زور زور سے سانس سنا اور اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے پتہ نہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۴-۵۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں' تو وہ ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○ اور عورت سے حد زنا اس طرح دُور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو ○ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے ○ (النور: ۱۰-۶)

لعان کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی حضرت عاصم بن عدی انصاری کے پاس گئے اور

مقرون ہوں' اور امام شافعی فرماتے ہیں یہ دوقسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں' امام شافعی کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے اس لیے مسلمان اور اس کی کافر بیوی اور کافر اور کافرہ اور غلام اور اس کی بیوی میں بھی لعان ہو جاتا ہے' امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں شہادت کی اہلیت شرط ہے اس لیے لعان ایسے مسلمان' آزاد' عاقل' بالغ کے ساتھ خاص ہے جس پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

لعان کی وجہ تسمیہ

مرد لعنت کے لفظ کہتا ہے اور عورت غضب کا لفظ کہتی ہے اور اس مسئلہ کا عنوان لعان بنایا گیا ہے جبکہ آیت میں لعنت اور غضب دونوں الفاظ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء مرد سے ہوتی ہے اور وہ لعنت کا لفظ کہتا ہے اور مرد کی جانب قوی ہے' نیز لعان کرنے نہ کرنے کا مدار مرد ہی پر ہوتا ہے' اور عورت کو غضب کے لفظ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ مرد کی نسبت عورت کا جرم بڑا ہے مرد اگر جھوٹا ہو تو وہ حد قذف کا مستحق ہے اور اگر عورت جھوٹی ہو تو وہ سنگسار کی جانے کی مستحق ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور یہ متحقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کر لیں۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو' یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا۔ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۸' کراچی)

امام ابو حنیفہ کا قول جمہور کے موافق ہے' اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۹' لاہور)

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حضرت سعد کے جواب میں فرمایا تلوار کافی گواہ ہے' پھر فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ نشہ اور غیرت میں آ کر دھڑا دھڑ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی' البتہ جس پر چار گواہوں سے زنا ثابت ہو جائے اس کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہ مباح الدم ہے اس لیے اس صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا' لیکن کسی شخص کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ مؤاخذہ کا مستحق ہوگا۔

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ امام مالک' امام شافعی اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے' لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے' امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے اور امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ مرد کے لعان سے فارغ ہوتے ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ سحنون مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کا یہ قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے' اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں' ایک

میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۵ مصر)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں کہ وجیز میں لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور محرر نظم رعایتین حاوی صغیر فروع وغیرہ کتب حنابلہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم تفریق نہ کرے۔ خرقی (المغنی ابن قدامہ کا متن) کا یہی مختار ہے۔ قاضی شریف ابوالخطاب اور ابن البناء وغیرہم فقہاء حنابلہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ہدایہ مذہب مسبوک الذہب اور دوسری کتب حنابلہ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور انتصار میں لکھا ہے کہ عام اصحاب حنابلہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (الانصاف ج ۹ ص ۲۵۲-۲۵۱ بیروت)

فقہاء احناف کے نظریہ پر دلائل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی جس میں پہلے لعان کا واقعہ درج ہے حضرت ابن عمر نے لعان کی کارروائی بیان کرنے کے بعد فرمایا **ثم فرق بینهما** ۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴) ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کردی''۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی اس روایت کو سعید بن جبیر سے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۱) اور نافع سے بھی۔ نافع سے دو روایات ذکر کی ہیں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن نافع ان ابن عمر اخبره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم فرق بین رجل و امراته قذفها و احلفها. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۳)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کردی۔

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد تفریق نہ فرماتے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان میں یہ بیان کیا ہے کہ لعان کے بعد حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: **کذبت علیها یا رسول الله ان امسکتها فطلقها ثلاثا قبل ان یامره رسول الله صلی الله علیه وسلم.** ''یارسول اللہ! (لعان کے بعد) اگر اب میں اس کو اپنے نکاح میں رکھوں تو پھر میں جھوٹا قرار پاؤں گا' پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں''۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے یا رسول اللہ فرماتے اب تین طلاقوں کی کیا ضرورت ہے تفریق تو ہو گئی۔

علامہ نووی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ نووی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اذهب فلاسبیل لک علیها.** ''جاؤ اب اس عورت پر تمہاری ملکیت نہیں ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کو رد کر دیا' یعنی اب تمہاری اس پر ملکیت نہیں ہے اس لیے طلاق واقع نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۹' کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرح مسلم میں علامہ نووی کی اس عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کے تین طلاقیں دینے کے بعد فرمایا **"لا سبیل لک علیها."** اور یہ کہ یہ جملہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت میں موجود ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ہے: **اللہ یعلم ان احد کما کاذب.**

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۵۲-۴۵۱' لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **"فلا سبیل لک علیها"** کا حضرت عویمر کی دی گئی تین طلاقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ تین طلاقوں پر رد ہے' اس معاملہ میں علامہ نووی نے ایک کھلا ہوا مغالطہ کھایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **"لاسبیل لک علیها"** جس حدیث میں ہے وہ حسب ذیل ہے:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے لعان کرنے والوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا "تمہارا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے' تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور اس عورت پر اب تمہاری ملکیت نہیں ہے۔" (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۲)

اس حدیث سے نہ صرف یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **"لاسبیل لک علیها"** کا تعلق حضرت عویمر کے قصہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی ہے۔

نفس لعان سے تفریق نہ ہونے پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ اگر نفس لعان سے تفریق ہو جاتی تو آپ ان تین طلاقوں کو مسترد کر دیتے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سهل بن سعد فی هذا الخبر فطلقها ثلث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۰)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

علامہ نووی نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ دوسری روایت میں ہے: **ففارقها** "حضرت عویمر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے"۔ لیکن یہ تین طلاقیں دینے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابن شہاب کی حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس روایت کا یہ لفظ بھی علامہ نووی اور شوافع کے مسلک کے لیے مفید نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللعان رقم حدیث الباب: ۳' رقم الحدیث بلاتکرار: ۱۴۹۲' رقم الحدیث المسلسل: ۳۶۷۵)

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی بکثرت روایات مذکور ہیں۔ (رقم حدیث الباب: ۹'۸'۷) جن میں تصریح ہے کہ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کی' اور یہ موقف احناف کی واضح دلیل ہیں اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے موقف پر کوئی حدیث نہیں ہے۔

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے لعان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کردی اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائیگا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منتفی ہوگا۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ عامر شعبی، محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کیونکہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو اس لیے لعان کرنے والے شخص سے ہی نسب ثابت ہوگا' لیکن ان کے خلاف یہ حدیث جمہور کی قوی دلیل ہے اور اس قاعدہ میں اس حدیث سے تخصیص کی جائے گی۔ البتہ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منتفی ہوگا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کردے' امام ابوحنیفہ نے دن مقرر نہیں کیے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں چالیس دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے۔ یعنی اس سے پہلے انکار کا شرعاً اعتبار ہوگا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہوتے ہیں فوراً انکار کر دیا تو اس کا انکار شرعاً معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲، مصر)

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ

بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے' تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي

وہ (مآل کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے' اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے

تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ

ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○ جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو مومن مردوں

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾

اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے ○

لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ

(تہمت لگانے والے) اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ

عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي

کے نزدیک جھوٹے ہیں ○ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس (تہمت) کا چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا ○

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ

جب تم یہ (تہمت) اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں

عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ

علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی ○ تم نے اس (تہمت) کو سنتے ہی

قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

یہ کیوں نہ کہا ایسی بات کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے' اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت سنگین بہتان ہے ○

عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو ○

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرما رہا ہے اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ○ بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ

يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب ہے

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○ اور اگر تم پر اللہ کا فضل

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت شفیق اور بے حد مہربان ہے (تو تم پر عذاب آ جاتا) ○

النصف ع ۸ / ۲

مشکل الفاظ کے معانی

الافک: ہر وہ چیز جس کو اس کی اصل وضع سے پھیر دیا گیا ہو' وہ ہوائیں جو اپنے معمول کے خلاف الٹی چلتی ہیں'
قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (التوبہ: ۳۰) اللہ ان کو غارت کرے وہ اعتقاد برحق سے اعراض کر کے باطل کی طرف جا رہے

ہیں' جب کسی پر تہمت لگائی جائے یا اس پر بہتان تراشا جائے تو اس میں بھی حق کے خلاف باطل بات کہی جاتی ہے اور صدق کو چھوڑ کر کذب کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور سب سے بدترین تہمت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے لگائی تھی۔ (المفردات: ج ا ص ۲۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

العصبة: ایک دوسرے کی حمایت کرنے والی جماعت' (المفردات ج ۲ ص ۴۳۷) اس کا اکثر اطلاق دس سے لے کر چالیس لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے' جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی وہ عبداللہ بن ابی' زید بن رفاعہ' حسان بن ثابت' مسطح بن اثاثہ حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش' طلحہ بن عبیداللہ کی بیوی اور ان کے موافقین تھے۔

(تفسیر بیضاوی مع خفاجی ج ۷ ص ۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

النور: ۲۰-۱۱ کی مختصر تفسیر

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ (النور: ۱۱) جس شخص نے کسی بری اور بے حیائی کی بات کو پھیلانے میں جتنا حصہ لیا ہے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا۔ **والذی تولی کبرہ منھم:** تہمت کو پھیلانے میں جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا' اور وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں غزوہ بنو المصطلق سے واپسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی اور اس تہمت کو مسلمانوں اور منافقین میں پھیلا دیا۔

لہ عذاب عظیم: عبداللہ بن ابی کو آخرت کے عذاب کے ساتھ خاص کر لیا گیا' اور جو مسلمان اس تہمت لگانے میں ملوث ہو گئے تھے مثلاً حضرت حسان' حضرت مسطح اور حضرت حمنہ ان کی تطہیر کے لیے ان پر دنیا میں حد قذف لگائی گئی۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کی پاداش میں عبداللہ بن ابی نفاق میں مشہور ہو گیا اور حضرت حسان نابینا ہو گئے اور ان کے دونوں ہاتھ سوکھ گئے اور حضرت مسطح بھی نابینا ہو گئے' لیکن علامہ خفاجی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ (عنایت القاضی ج ۷ ص ۲۳)

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا (النور: ۱۲) پہلے صیغہ غائب کے ساتھ مسلمانوں سے کلام فرمایا تھا' اور اب زیادہ زجر و توبیخ کرنے کے لیے صیغہ خطاب کے ساتھ کلام فرمایا' اور اس میں یہ خبر دی کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان' مسلمانوں کے ساتھ نیک گمان کریں اور ان پر طعن و تشنیع کرنے سے باز رہیں' اور جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان پر تہمت لگا رہے تھے ان کی تہمت کو دور فرمایا۔

وقالوا ھذا افک مبین: یعنی مسلمانوں کو یہ چاہیے تھا کہ جب انہوں نے تہمت کی یہ خبر سنی تھی تو وہ فوراً کہتے کہ یہ کھلی ہوئی تہمت اور نرا بہتان ہے۔ عام مسلمان کے لیے بھی ایسا ہی کہنا چاہیے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور تمام مسلمانوں کی ماں کے متعلق تو ضرور اور لازماً ایسا کہنا چاہیے تھا۔

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ (النور: ۱۳) اس آیت میں یہ اصول بیان فرما دیا کہ جب کوئی شخص کسی پر چار گواہ پیش کیے بغیر تہمت لگائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا ہے' اور چونکہ اس واقعہ میں عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے بغیر کسی گواہ کے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی اس لیے تہمت لگانے والے جھوٹے ہیں اور حضرت عائشہ کا دامن عفت بے غبار ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النور: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے تم کو انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اور ان میں سے یہ نعمتیں بھی ہیں کہ تم کو دنیا میں توبہ کرنے کی مہلت عطا فرمائی ہے اور آخرت میں نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے کرم

سے تم کو معاف فرمادے گا' اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور وہ تم کو توبہ کی توفیق نہ دیتا تو تمہارے اس سنگین جرم کی بنا پر تم کو آخرت میں سخت عذاب ہوتا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ (النور: ۱۵) تم محض ایک سنی سنائی بات کو نقل کر رہے تھے اور اس پر یقین اور وثوق حاصل کیے بغیر اس کو آگے پھیلا رہے تھے' ہر چند کہ تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات تھی' کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا معاملہ تھا' یہ صرف اتنا جرم نہیں تھا کہ اسی کوڑے مارنے سے اس کی تلافی ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا والوں کی نگاہوں میں معزز' محترم اور باوقار بنایا ہے اور اس کے حرم اور اس کی اہانت کرنا خود اس رسول کو لوگوں کی نگاہوں میں بے وقعت بنانا ہے' کیونکہ جس شخص کی اہلیہ پر ایسی تہمت ہو اس کی قدرومنزلت نہیں ہوتی' یہ صرف رسول کے مشن کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ اللہ نے جس حکمت سے رسول کو مبعوث فرمایا ہے اس حکمت کو نقصان پہنچانا ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا (النور: ۱۸-۱۶) اس آیت میں پہلی آیت کی مزید تاکید فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا معاملہ عام مسلمانوں کی بیویوں کی طرح نہیں ہے تمہارے ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ تم منافقوں سے اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے' ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ اب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فحاشی کی تہمت لگائے وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ قرآن مجید کا انکار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ (النور: ۱۹) الفاحشہ کا معنی بے حیائی اور بدکاری ہے اور بے حیائی کی جھوٹی خبر کی اشاعت بھی بے حیائی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو عذاب الیم کا باعث فرمایا ہے' نیز اس آیت میں فرمایا مسلمانوں میں فحاشی کو پھیلانے سے محبت کرنا بھی موجب عذاب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی عذاب ہوتا ہے' کفر اور نفاق بھی دل کا فعل ہے' اور حسد' کینہ اور بخل بھی دل کے افعال ہیں' اور گناہ کا عزم صمیم کرنا بھی دل کا فعل ہے اور ان تمام افعال پر مواخذہ ہوتا ہے اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ گناہ کے عزم اور اس کی نیت پر مواخذہ نہیں ہوتا صرف گناہ کے عمل پر مواخذہ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النور: ۲۰) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ بہت شفقت کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے تو اللہ کا عذاب تم کو اپنی گرفت میں لے لیتا کیونکہ تم نے بہت سنگین جرم کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی مفصل حدیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی فرماتے' پس جس کا قرعہ نکل آتا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے' حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ (غزوہ بنو مصطلق) میں ازواج کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو میرا قرعہ نکل آیا' سو میں حجاب (پردہ) کے احکام نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی (ابوعبیدہ اور ایک جماعت نے کہا کہ پردہ کا حکم ذوالقعدہ' تین ہجری میں نازل ہوا' اور الدمیاطی نے کہا صحیح یہ ہے کہ پردہ کا حکم چار ہجری میں نازل ہوا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنوالمصطلق کے لیے شعبان پانچ ہجری میں نکلے تھے اور اسی میں یہ تہمت والا واقعہ پیش آیا تھا۔ فتح الباری

ج ۹ ص ۳۹۹-۳۹۸ بیروت‘ ۱۴۲۰ھ) مجھے ھودج (کجاوہ‘ پالان) میں بٹھایا جاتا اور ھودج سے اتارا جاتا‘ ہم روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دیا‘ جب آپ نے کوچ کا حکم دیا تو میں قضاء حاجت کو گئی اور لشکر سے دور نکل گئی جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوگئی تو میں اپنے کجاوہ کی طرف بڑھی‘ اچانک مجھے معلوم ہوا کہ میرا اسپیوں کا ہار ٹوٹ کر گر گیا‘ میں نے وہ ہار تلاش کیا اور اس تلاش نے مجھے روک لیا‘ اور وہ لوگ جو میرے ھودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے انہوں نے ھودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا‘ ان کا یہ گمان تھا کہ میں ھودج میں بیٹھی ہوئی ہوں‘ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتی تھیں‘ اس لیے جب لوگوں نے میرے ھودج کو اٹھایا تو وہ ان کو خلاف معمول نہیں لگا‘ اور میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی‘ انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور روانہ ہوگئے‘ ادھر لشکر کے چلے جانے کے بعد مجھے ہار مل گیا میں اپنے پڑاؤ میں پہنچی وہاں پر کوئی بلانے والا تھا نہ جواب دینے والا‘ میں نے اس جگہ کا قصد کیا جہاں پر میں پہلے ٹھہری ہوئی تھی‘ میرا یہ گمان تھا کہ عنقریب وہ مجھے گم پائیں گے تو وہ واپس میری طرف آئیں گے‘ میں اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی حتیٰ کہ مجھ پر نیند غالب آگئی اور میں سوگئی‘ اور حضرت صفوان بن المعطل السلمی الذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے تاکہ لشکر کی کوئی چیز پیچھے رہ جائے تو وہ اس کو ساتھ لے آئیں وہ رات کو چلتے رہے حتیٰ کہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے جہاں میں سوئی ہوئی تھی‘ انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا وہ میرے پاس آئے اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پہچان لیا‘ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا‘ جب انہوں نے مجھے پہچانا تو کہا انا للہ و انا الیہ راجعون یہ سن کر میں بیدار ہوگئی‘ میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا‘ اور اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سوائے انا للہ و انا الیہ راجعون کہنے کے میں نے ان سے کوئی بات نہیں سنی حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا‘ اور میں اس پر سوار ہوگئی‘ وہ اونٹنی کو کھینچتے ہوئے آگے آگے چلے‘ حتیٰ کہ ہم اس وقت لشکر کے پاس پہنچے جب وہ دوپہر کے وقت سائے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے‘ پس جو ہلاک ہوا وہ ہلاک ہوگیا‘ اور جس نے اس تہمت کو پھیلانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا‘ ہم مدینہ میں پہنچے مدینہ پہنچنے کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار رہی‘ اور لوگوں میں اس تہمت کا چرچا رہا‘ مجھے اس میں سے کسی بات کا پتا نہیں تھا اور میری بیماری میں جس چیز سے زیادہ اضافہ ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ نہیں دیکھتی تھی جیسی آپ بیماری کے ایام میں مجھ پر توجہ کیا کرتے تھے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے اور پوچھتے تمہارا کیا حال ہے اور پھر واپس تشریف لے جاتے‘ اس سے مجھے رنج ہوتا تھا اور مجھے کسی خرابی کا پتا نہیں تھا‘ حتیٰ کہ ایک دن میں کمزوری کی حالت میں نکلی‘ میرے ساتھ مسطح کی ماں بھی میدان کی طرف گئیں‘ اور یہ میدان ہماری قضاء حاجت کی جگہ تھی‘ اور ہم صرف رات کے وقت ہی وہاں جاتے تھے‘ اس وقت تک ہمارے گھروں میں بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں تھے‘ اور ہمارا معمول عرب کے پہلے لوگوں کی طرح تھا ہم رفع حاجت کے لیے میدان میں جاتے تھے‘ اور گھروں میں بیت الخلاء بنانے سے ہمیں اذیت ہوتی تھی‘ حضرت مسطح کی ماں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں‘ میں اور وہ میدان میں گئے اور فراغت کے بعد جب ہم لوٹ رہے تھے تو مسطح کی ماں چادر میں الجھ کر لڑکھڑا گئیں‘ انہوں نے کہا مسطح ہلاک ہو جائے‘ میں نے ان سے کہا آپ نے بری بات کہی ہے کیا آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو مجاہدین بدر سے ہے‘ انہوں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے! میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے‘ تب انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات سنائی‘ پھر میری بیماری کے اوپر مزید بیماری بڑھ گئی‘ حضرت عائشہ نے فرمایا جب میں اپنے گھر لوٹی‘ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے‘ آپ نے سلام کیا اور پوچھا تمہارا کیا حال

ہے؟ میں نے کہا کیا آپ مجھے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جا کر ان سے اس خبر کی تحقیق کروں گی' حضرت عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی' میں اپنے ماں باپ کے پاس گئی' میں نے ماں سے پوچھا' اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! حوصلہ رکھو' کم ہی کوئی حسین عورت ہوگی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں' میں نے کہا سبحان اللہ! کیا واقعی لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں! میرے آنسو تھمتے نہیں تھے اور میں نیند کو سرمہ نہیں بنا سکی' حتیٰ کہ مجھے روتے روتے صبح ہوگئی' ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا جب کہ وحی میں تاخیر ہوگئی تھی اور آپ ان سے اپنی اہلیہ کو الگ کرنے کے متعلق مشورہ کر رہے تھے' رہے حضرت اسامہ بن زید تو انہوں نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں' اور جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کو اپنی اہلیہ سے کس قدر محبت ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کی اہلیہ کے متعلق سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی بات نہیں جانتے' رہے حضرت علی بن ابی طالب تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی' اور حضرت عائشہ کے علاوہ اور بہت عورتیں ہیں' اور آپ ان کی باندی (نوکرانی) سے پوچھیں وہ آپ کو سچ سچ بتائیں گی' حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا آپ نے فرمایا اے بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو تم کو شک میں ڈالے؟ حضرت بریرہ نے کہا نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں نے اس سے زیادہ ان کی کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں' وہ آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں' اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی شکایت کی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے مسلمانو! اس شخص کے خلاف میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی میرے گھر تک پہنچ گئی ہے' سو میں نے اپنی اہلیہ پر سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق بھی میں نے سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور وہ میرے گھر میں صرف میرے ساتھ ہی گیا ہے' تب حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اس معاملہ میں' میں آپ کی مدد کروں گا' اگر (قبیلہ) اوس میں سے کسی نے آپ کو ضرر پہنچایا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں میں سے (قبیلہ) خزرج میں سے کسی نے ضرر پہنچایا ہے تو آپ ان کے خلاف ہمیں حکم دیں ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے' پھر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور اس سے پہلے وہ ایک نیک شخص تھے لیکن عصبیت نے ان کو بھڑکا دیا' انہوں نے حضرت سعد بن معاذ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے! تم اس کو قتل نہیں کر سکتے اور نہ تم اس کو قتل کرنے پر قادر ہو' پھر حضرت سعد بن معاذ کے عم زاد حضرت اُسید بن حضیر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے' ہم اس کو ضرور قتل کریں گے' تم منافق ہو اور منافقین کی طرف سے جھگڑ رہے ہو' پھر دونوں قبیلے اوس اور خزرج جوش میں آ گئے' حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے' حضرت عائشہ نے کہا اس پورے دن میری آنکھوں سے آنسو نہیں رکے' اور میں نے نیند کو سرمہ نہیں بنایا' صبح کو میرے پاس میرے والدین بیٹھے ہوئے تھے' میں نے دو راتیں اور ایک دن رو رو کر گزارے تھے' میں نے نیند کو سرمہ نہیں بنایا تھا نہ میرے آنسو رکے تھے' میرے والدین یہ گمان کر رہے تھے کہ میرا رونا میرے جگر کو پاش پاش کر

دے گا' جس وقت میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی انصار کی ایک خاتون نے آنے کی اجازت طلب کی میں نے اس کو اجازت دی' وہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی' حضرت عائشہ نے کہا جس وقت ہم اسی کیفیت میں تھے' ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے' آپ سلام کر کے بیٹھ گئے' اور جب سے یہ تہمت لگائی گئی تھی آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک ماہ تک آپ کی طرف سے میرے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو آپ نے کلمہ شہادت پڑھا' پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! حمد وصلوٰۃ کے بعد' مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی بات پہنچی ہے اگر تم بری ہو تو عنقریب اللہ تمہاری برأت نازل کر دے گا' اور اگر (بالفرض) تم گناہ کی مرتکب ہوگئی ہو' تو تم اللہ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو' کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے پھر اللہ کی طرف توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' حضرت عائشہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات ختم کر لی تو میرے آنسو خشک ہو گئے حتیٰ کہ میں نے ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کیا' میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں' انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں! پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں! انہوں نے بھی کہا میں نہیں جانتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے کہا میں کم عمر لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن مجید نہیں پڑھتی بے شک اللہ کی قسم میں جانتی ہوں کہ تم نے یہ بات سن لی ہے اور یہ بات تمہارے دلوں میں جاگزین ہوگئی ہے' اور تم نے اس کی تصدیق کی ہے' پس اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں اس (تہمت) سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم اس کی تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں کسی (ناکردہ) کام کا اعتراف کر لوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس کام سے بری ہوں تو تم ضرور میری تصدیق کرو گے' اور اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال دیکھتی ہوں' انہوں نے فرمایا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ پس صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو (یوسف:۱۸) اس پر اللہ سے ہی مدد مطلوب ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا پھر میں اس مجلس سے اُٹھ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی' اس وقت مجھے یہ یقین تھا کہ میں بری ہوں' اور اللہ میری برأت کو ظاہر کر دے گا' لیکن اللہ کی قسم میں یہ گمان نہیں کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق وحی نازل فرمائے گا' اور میرے نزدیک میری حیثیت اس سے بہت کم تھی کہ میرے متعلق وحی نازل کی جائے جس کی تلاوت ہو' لیکن میرا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں ایسا خواب دکھا دے گا جس سے اللہ میری برأت ظاہر فرما دے گا' پس اللہ کی قسم ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا قصد نہیں کیا تھا' اور نہ گھر والوں میں سے کوئی نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوگئی' پھر جس طرح (نزول وحی کے وقت) آپ پر پسینہ آتا تھا اس طرح آپ پر پسینہ آ گیا' وہ بہت سخت سردی کا دن تھا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے' ان آیات کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر نازل ہو رہی تھیں' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیفیت منقطع ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے' پھر جو پہلی بات آپ نے کہی وہ یہ تھی اے عائشہ! بے شک اللہ عزوجل نے تم کو بری کر دیا ہے' میری ماں نے کہا تم حضور کی طرف کھڑی ہو' میں نے کہا اللہ کی قسم میں حضور کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی' اور میں اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی حمد نہیں کروں گی' پھر اللہ عزوجل نے یہ دس

آیتیں نازل فرمائیں ۱: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ (النور: ۲۰-۱۱) جب اللہ عزوجل نے یہ دس آیتیں نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا مسطح نے عائشہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے میں اس کے بعد اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا' حضرت ابوبکر حضرت مسطح کو خرچ دیا کرتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو صاحب فضل اور کشادہ دست ہیں وہ قرابت داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں' کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر نے بے ساختہ کہا کیوں نہیں! بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے' پھر حضرت ابوبکر' حضرت مسطح پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اور حضرت ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم میں مسطح پر اس خرچ کو کبھی بند نہیں کروں گا' حضرت عائشہ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش سے میرے متعلق پوچھتے تھے' اے زینب کیا تم کو اس کی کسی بات کا علم ہے یا تم نے کوئی بات دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں اپنے کانوں کی اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں' میں نے ان میں سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی' حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے یہی وہ تھیں جو مجھ سے فائق اور برتر رہنا چاہتی تھیں' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے محفوظ رکھا اور ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحش ان کی حمایت میں لڑتی تھیں' پس وہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' ۲۶۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' رقم الحدیث المسلسل: ۶۸۸۷' صفات المنافقین: ۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۴۷' ۱۹۷۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۲۱' عالم الکتب' مسند احمد ج ۶ ص ۶۰-۵۹' قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۸۱۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۳۱' ۴۹۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰۰' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۵۱-۱۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۱' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۷ ص ۲۳۱-۲۲۸' رقم الحدیث: ۶۳۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ نور کی ان دس آیات کی تفسیر اور اس حدیث کی تشریح میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں وحی نازل ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت کا علم تھا' اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کریں گے' اس کے بعد اس حدیث سے مستنبط شدہ مسائل بیان کریں گے' پھر اس حدیث پر بعض علماء کے عقلی شبہات کا ازالہ کریں گے اور آخر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں احادیث و آثار بیان کریں گے **فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔**

---

۱ امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ یہ اٹھارہ مسلسل آیات ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی تکذیب کی گئی ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں اسی طرح روایت کیا ہے' یہ آیات ان الذین جاء وا سے شروع ہوتی ہیں اور رزق کریم پر ختم ہوتی ہیں۔ الزمخشری نے کہا کسی معصیت پر اتنی شدید تغلیظ نہیں کی گئی جتنی حضرت عائشہ پر تہمت لگانے پر کی گئی ہے کیونکہ اس میں وعید شدید ہے۔ عتاب بلیغ ہے اور زجر عنیف ہے اور اس تہمت کو بہت سنگین قرار دیا ہے اور مختلف طریقوں اور اسلوبوں سے اس کی مذمت کی گئی ہے اور ان میں سے ہر طریقہ اور ہر اسلوب اپنے باب میں کافی ہے بلکہ ان کی بت پرستوں سے زیادہ مذمت کی گئی ہے اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۱۹' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی میں مذاہب

اس حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں کسی زوجہ کو ساتھ لے جانے کے لیے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے' علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور جمہور علماء کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیویوں کو سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث صحیحہ مشہورہ موجود ہیں' علامہ ابوعبید نے کہا کہ حضرت یونس' حضرت زکریا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' تین انبیاء علیہم السلام نے اس پر عمل کیا ہے' علامہ ابن منذر نے کہا اس کے عمل پر بہ منزلہ اجماع ہے' امام ابوحنیفہ کے مشہور مذہب میں یہ باطل ہے' اور امام ابوحنیفہ سے اس کی اجازت بھی منقول ہے' امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ شوہر بغیر قرعہ اندازی کے اپنی جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لے جا سکتا ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک اس کے لیے سفر میں زیادہ مفید ہو اور دوسری بیوی گھر کے کام کاج اور گھر کی حفاظت میں زیادہ ماہر ہو' امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے' علامہ ابن منذر نے کہا کہ قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے' لیکن ہم نے احادیث پر عمل کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۴' مطبوعہ کراچی)

مذہب احناف کی وضاحت علامہ عینی کے حوالہ سے آرہی ہے۔

نزول وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ کی براءت کے متعلق علم' اور شبہات کے جوابات

اس حدیث میں ایک بحث یہ ہے کہ آیا نزول وحی سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور براءت کا علم تھا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نزول وحی سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا یقیناً علم تھا' کیونکہ جب اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فواللہ ماعلمت علی اھلی الاخیرا وقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الاخیرا.	بہ خدا مجھے اپنی اہلیہ میں پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے' اور انہوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

باقی رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت ام المؤمنین کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف توجہ کم کیوں کر دی تھی' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا حضرت ام المؤمنین کی طرف توجہ کم کرنا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ اس تہمت کے بعد آپ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک آپ توجہ کم رکھیں تاکہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر آپ کو حضرت ام المؤمنین کی براءت کا پہلے سے علم تھا تو آپ نے اس مسئلہ میں اصحاب سے استصواب کیوں کیا اور حضرت بریرہ سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس لیے کیا تھا کہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ دیکھو جب ان کے اپنے اہل پر تہمت لگی تو انہوں نے اس کے متعلق کوئی تحقیق اور تفتیش نہیں کی' آپ نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کیا' حضرت عائشہ کی سوکن (حضرت زینب بنت جحش) حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ اور دیگر قریبی ذرائع سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیا حتیٰ کہ سب نے حضرت ام المؤمنین کی براءت اور پاکیزگی کا اظہار کیا اور سب نے بہ یک زبان کہا کہ ہم حضرت عائشہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کیوں فرمایا اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اتمام حجت کے لیے تھا اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے' تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو' قرآن مجید میں اس قسم کی بہ کثرت مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس: ۹۴)

تو اگر آپ کو (بالفرض) اس چیز کے متعلق شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کیجیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے عہد لینے کے بعد فرماتا ہے:

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران: ۸۲)

پھر جو کوئی اس کے بعد (بالفرض) اس عہد سے پھر گیا تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖۗ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ○ (زخرف: ۸۱)

آپ فرمائیے! اگر (بہ فرض محال) رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرتا۔

سو اسی اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بالفرض تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو! اور یہ تحقیق اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فرمایا تھا' اور اس ارشاد میں امت کے لیے نمونہ رکھنا تھا کہ اپنے اہل کی رعایت سے تحقیق میں کوئی کمی نہ کی جائے اور یہ تعلیم دینی تھی کہ اگر کسی شخص کی بیوی سے غلطی ہو جائے تو وہ اس کو توبہ کی تلقین کرے اور یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ جس شخص سے یہ غلطی سرزد ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے جواب میں یہ کہا تھا کہ ''تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے'' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا علم نہیں تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ! اس خطاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں تھا' اس قول میں اگرچہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا لیکن یہ خطاب ان لوگوں کے لیے تھا جو مسلمان ہونے کے باوجود منافقین کے بہکانے سے تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی برأت اور پاکیزگی کا علم تھا تو آپ اس قدر پریشان اور غمگین کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غم اور صدمہ کی وجہ یہی تو تھی کہ بے گناہ پر تہمت لگی ہے' نیز زیادہ غم اور پریشانی کا سبب یہ تھا کہ بعض مسلمان بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے' ایسے میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازخود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ مسلمان آپ کے متعلق یہ بدگمانی کرتے کہ آپ اپنے اہل کی رعایت فرما رہے ہیں اور آپ کے متعلق بدگمانی کر کے کافر ہو جاتے۔

کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا علم تھا اس پر ایک قوی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نبی کی زوجہ کی پاک دامنی کا علم ہے تو اپنی زوجۂ مطہرہ کی پاک دامنی کا علم کیسے نہیں ہوگا!

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الضحاک مابغت امراۃ نبی قط. ضحاک بیان کرتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۱۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

قال ابن عباس مابغت امرأۃ نبی قط. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔

(الوسیط ج ۴ ص ۳۲۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی التوفی ۵۱۶ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۳۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی التوفی ۵۳۸ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۵۷۶، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر التوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اشرس خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۴، رقم الحدیث: ۱۱۷۲۲، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابن جریر اور حافظ ابن عساکر کے حوالوں سے امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸، علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ، علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اپنی تفاسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(زادالمسیر ج ۸ ص ۳۱۵، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۷۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۶، لباب التاویل ج ۴ ص ۲۸۸، البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۱۵، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۳۳، الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۲۸، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۴۱، روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۴۱، فتح البیان ۱۴ ص ۲۲۱، طبع جدید)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۸، مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن منذر اور امام ابن عساکر اور دیگر ائمہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی"، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور اس تہمت سے برأت کے متعلق کیسے علم نہیں ہوگا!

حضرت عائشہ کی برأت پر علماء اہل سنت کے دلائل

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ کا نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونا اس فاحشہ کے ارتکاب سے مانع ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کفار کو

دین حق کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اس لیے واجب ہے کہ ان میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو لوگوں کو ان سے متنفر کرے' اور جس شخص کی بیوی بدکار ہو اس سے لوگ بہت نفرت کرتے ہیں' اگر یہ سوال ہو کہ نبی کی بیوی کا کافرہ ہونا کیوں جائز ہے جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں اور جب ان کا کافرہ ہونا جائز ہے تو فاجرہ ہونا کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کے نزدیک کفر موجب نفرت نہیں ہے اور بیوی کا فاجرہ ہونا ان کے نزدیک بھی موجب نفرت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت عائشہ کا یہ حال معروف تھا کہ وہ فحش کاموں کے اسباب اور محرکات سے بہت دور اور بالکل محفوظ تھیں اور جس شخصیت کا یہ حال معروف ہو اس کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب تھا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس فاحشہ کی تہمت لگانے والے منافقین اور ان کے متبعین تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ دروغ گو دشمن کی اڑائی ہوئی بات بے بنیاد ہوتی ہے' ان قرائن سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس تہمت کا جھوٹا ہونا آپ کو نزول وحی سے پہلے ہی معلوم تھا۔

تہمت لگانے والوں میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول' زید بن رفاعہ' حسان بن ثابت' مسطح بن اثاثہ' حمنہ بنت جحش اور ان کے موافقین تھے۔

علامہ ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کے جسم پر مکھی بیٹھے' کیونکہ مکھی نجاست پر بیٹھ کر نجاست سے آلودہ ہوتی ہے' تو جب اللہ تعالیٰ نے اتنی معمولی نجاست والی چیز کے مس سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو آپ کو اس فاحشہ کے ساتھ متلوث ہونے والی عورت سے کیسے محفوظ نہیں رکھے گا' حضرت عثمان نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے کو زمین پر پڑنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ کسی انسان کا اس سائے پر قدم نہ پڑے تو جب کسی شخص کے لیے آپ کے سائے پر قدم رکھنا ممکن نہیں ہے تو کسی شخص کے لیے آپ کی زوجہ کی عزت کو پامال کرنا کس طرح ممکن ہو گا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیج کر آپ کو یہ خبر دی کہ آپ کے نعلین میں گھناؤنی چیز ہے اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنے پیر سے وہ جوتی اتار دیں تاکہ آپ کے پیر میں وہ گھن والی چیز نہ لگے تو اگر بالفرض آپ کی زوجہ اس فاحشہ سے متلوث ہو گئی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے الگ ہونے کا حکم ضرور دیتا' اور حضرت ابو ایوب انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کیا تم کو اس چیز کی خبر ہے؟ ان کی بیوی نے کہا یہ بتاؤ اگر تم حضرت صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کے ساتھ کسی فاحشہ کا ارادہ کر سکتے تھے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں! انہوں نے کہا کہ اگر میں حضرت عائشہ کی جگہ ہوتی تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کا ارادہ نہ کرتی اور حضرت عائشہ مجھ سے افضل ہیں اور حضرت صفوان تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس فاحشہ کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۳۴۳)

حضرت عائشہ کی برأت پر علماء شیعہ کے دلائل

شیعہ مفسرین میں سے شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

فالاية دالة علی كذب من قذف عائشة وافك عليها. یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی وہ جھوٹا ہے۔

(التبیان ج ۳ ص ۳۴۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۳ھ)

شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

ایشاننند دروغ گویان در ظاھر و باطن چہ اگر گواہ آور دندے در ظاھر در حکم کاذب نبودندے امادر باطن کاذب بودندے زیرا کہ ایں صورت در ازواج انبیاء ممتنع است وچوں گواہ نیاوردند در ظاھر نیز کاذبند.

(منہج الصادقین ج ۶ ص ۲۸۳-۲۸۲' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

یہ تہمت لگانے والے ظاہر اور باطن میں جھوٹے تھے' کیونکہ اگر وہ گواہ پیش کر دیتے تو ظاہر میں تو جھوٹے نہ ہوتے لیکن باطن میں جھوٹے ہوتے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لیے یہ صورت ممتنع ہے اور جب وہ گواہ پیش نہیں کر سکے تو باطن کی طرح ظاہر میں بھی جھوٹے ہوئے۔

نیز شیخ کاشانی لکھتے ہیں:

چہ فجور زوجات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موجب تنفیر مرد مانست از آنحضرت و انبیاء مبعوث شدہ اندبکفار بجھت آنکہ ایشانرا دعوت کنند بدین خدا پس واجب است کہ منتفی باشد از ایشان چیزے کہ موجب تنفیر کفار باشدو کشخیمت از اعظم متنفر انست بہ خلاف کفر کہ نزد ایشان منفر نبو داز ایں جھت واجب است کہ ازواج انبیاء از فجور مصون باشند ولازم نیست کہ از کفر بری باشندے. (منہج الصادقین ج ۶ ص ۲۸۴)

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے فاحشہ کا صدور لوگوں کی حضور سے نفرت کا موجب ہے' اور انبیاء علیہم السلام کفار کی طرف اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کو اللہ کے دین کی دعوت دیں' اس لیے واجب ہے کہ وہ ان چیزوں سے محفوظ رہیں جو کفار کے تنفر کا موجب ہو' اور بدکاری سب سے زیادہ تنفر کا موجب ہے' اس کے برخلاف کفران کے نزدیک تنفر کا موجب نہیں ہے' اس لیے واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج اس فاحشہ سے محفوظ ہوں' اور یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کفر سے بری ہوں۔

شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

لان اللہ تعالی یبری عائشہ ویاجرھا بصبرھا واحتسابھا ویلزم اصحاب الافک مااستحقوہ بالاثم الذی ارتکبوھا فی امرھا.

(مجمع البیان ج ۷ ص ۲۰۶)

کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ کو بری کردے گا اور ان کو ان کے صبر کرنے پر اجر عطا فرمائے گا اور تہمت لگانے والوں کو وہ سزا ملے گی جس کے وہ مستحق ہوئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان آیات میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت ہے' اگر تم تمام قرآن کو کھنگال کر دیکھو تو تمہیں علم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی معصیت پر اتنی سخت وعید نازل نہیں فرمائی جتنی حضرت عائشہ کی تہمت پر وعید نازل فرمائی ہے اور جتنی سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے کچھ ایسے خصوصی فضائل ہیں جو اور کسی میں نہیں ہیں' البتہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم بنت عمران کو عطا فرمائیں وہ مستثنیٰ ہیں اور میں یہ نہیں کہتی کہ میں ان

اوصاف کی وجہ سے دیگر ازواجِ مطہرات پر فخر کرتی ہوں، پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: فرشتہ میری صورت لے کر نازل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کی عمر میں مجھ سے نکاح کیا نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی، میرے علاوہ اور کسی کنواری عورت کا حضور سے نکاح نہیں ہوا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بستر پر تھی تو آپ پر وحی نازل ہوئی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی، میرے متعلق قرآن مجید میں (دس) آیات نازل ہوئیں، میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے بھی حضرت جبریل کو نہیں دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے حجرے میں وصال ہوا، میرے اور فرشتے کے سوا اور کوئی آپ کے قریب نہیں تھا۔

(روح المعانی جز ۱۸ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴، دار الفکر، ۱۴۱۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کی برأت بیان کی، حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ایک شاہد کی زبان سے بیان کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہود نے ایک مکروہ بیماری کی نسبت کردی تو ان کی برأت ایک پتھر نے بیان کی، حضرت مریم کی برأت ان کے بیٹے نے بیان کی اور حضرت عائشہ کی برأت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دس آیات میں بیان کی جن کی قیامت تک تلاوت ہوتی رہے گی، روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت ابن عباس نے آنے کی اجازت طلب کی، حضرت عائشہ نے فرمایا اب وہ آئے گا اور میری تعریف کرے گا، حضرت ابن الزبیر نے حضرت ابن عباس کو یہ بتایا، حضرت ابن عباس نے کہا جب تک ام المؤمنین مجھ کو اجازت نہیں دیں گی، میں نہیں آؤں گا، حضرت عائشہ نے اجازت دے دی، حضرت ابن عباس آئے تو حضرت عائشہ نے کہا میں دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، حضرت ابن عباس نے کہا اے ام المؤمنین آپ کو دوزخ کے عذاب سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوزخ کے عذاب سے پناہ دے دی ہے، اور آپ کی برأت کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل کی ہیں جن کی مسجدوں میں تلاوت کی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو طیب قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طیبات، طیبین کے لیے ہیں اور طیبون، طیبات کے لیے ہیں اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم طیب کے سوا کسی چیز سے محبت نہیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے تیمّم کا حکم نازل کیا اور فرمایا صعید "پاک مٹی" سے وضو کرو، (نیز آپ کی وجہ سے حد قذف مقرر ہوئی) روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب نے اپنی اپنی فضیلت بیان کی، حضرت زینب نے فرمایا میں وہ ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے نکاح کیا اور حضرت عائشہ نے فرمایا میں وہ ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے برأت بیان کی، جب ابن المعطل نے مجھے سواری پر سوار کیا، حضرت زینب نے پوچھا آپ نے سوار ہوتے وقت کیا کہا تھا، حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے کہا تھا: حسبی اللہ ونعم الوکیل حضرت زینب نے کہا یہی مؤمنوں کی نشانی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۵۳، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ)

حدیث افک سے استنباط شدہ مسائل

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اس طویل حدیث کے متعدد قطعات کو راویوں نے بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی تقطیع کرنا جائز ہے، اور اس کے جواز پر اجماع ہے۔

(۲) ازواج کو سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کرنے کا جواز۔

(۳) خواتین کے غزوات میں شریک ہونے کا جواز۔

(۴) خواتین کے اونٹ پر سوار ہونے اور کجاوہ میں بیٹھنے کا جواز۔

(۵) سفر میں مردوں کا خواتین کی خدمت کرنے کا جواز۔

(۶) لشکر کی روانگی کا امیر کے حکم پر موقوف ہونا۔

(۷) بیوی کا قضاء حاجت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر جنگل میں جانے کا جواز۔

(۸) خواتین کے لیے سفر میں ہار پہننے کا جواز۔

(۹) غیر محرم کا عورت کو کجاوہ میں بٹھانے کا جواز اور یہ کہ غیر محرم سفر میں عورت کے ساتھ بلا ضرورت بات نہ کرے۔

(۱۰) عورتوں کے کم کھانے کا استحسان تاکہ جسم پر گوشت کی تہیں نہ چڑھیں۔

(۱۱) بعض آدمیوں کو لشکر کے پیچھے رکھنا تاکہ اگر کوئی شخص لشکر سے بچھڑ جائے تو وہ اس کو لشکر کے ساتھ لاحق کر دے۔

(۱۲) غمگین کی مدد کرنا' جو قافلہ سے بچھڑ گیا ہو اس کو قافلہ سے لاحق کرنا اور صاحب اقتدار کی تکریم کرنا جیسا کہ حضرت صفوان نے کیا۔

(۱۳) خواتین کے ساتھ حسن ادب کے ساتھ پیش آنا خصوصاً جنگل کی تنہائی میں' جیسا کہ حضرت صفوان نے از خود بغیر کہے سنے اونٹ کو بٹھایا اور اونٹ کے پیچھے پیچھے چلے۔

(۱۴) ایثار کا بیان کیونکہ حضرت صفوان خود پیدل چلے اور حضرت عائشہ کو سوار کرایا۔

(۱۵) دین اور دنیا کی کسی بھی مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کا استحباب۔

(۱۶) اجنبی شخص خواہ صالح ہو یا نہ ہو اس سے چہرہ کے پردہ کا بیان' کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت صفوان کو دیکھ کر اپنی چادر میں چہرہ چھپا لیا۔

(۱۷) بغیر طلب کے قسم کھانے کا بیان۔

(۱۸) کسی شخص نے کسی پر تہمت لگائی ہو تو اس کا اس شخص سے ذکر نہ کرنے کا استحباب' کیونکہ ایک ماہ تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت کے متعلق نہیں بتایا گیا۔

(۱۹) خاوند کا بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور لطف کے ساتھ پیش آنا

(۲۰) جب بیوی کے متعلق کوئی تہمت سنی جائے تو اس سے لطف میں کمی کرنا' تاکہ بیوی اس کی وجہ دریافت کرے اور سبب پر مطلع ہونے کے بعد اس کا ازالہ کرے۔

(۲۱) مریض سے اس کا حال پوچھنے کا استحباب۔

(۲۲) عورت جب جنگل میں قضاء حاجت کے لیے جائے تو رفاقت کے لیے اپنے ساتھ کسی خاتون کو لے جائے۔

(۲۳) اگر کسی شخص کا کوئی عزیز یا رشتہ دار کسی معزز شخص کو اذیت دے تو اس کو برا جاننا جس طرح حضرت مسطح کی ماں نے مسطح کی تہمت لگانے کو برا جانا۔

(۲۴) اہل بدر کی فضیلت اور ان کی طرف سے دفاع کرنا جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت مسطح کی طرف سے دفاع کیا۔

(۲۵) اہل بدر کی مغفرت کا اعلان اس بات کو مستلزم نہیں کہ بعد میں وہ گناہ کریں گے اور ان کو دنیاوی سزا نہیں ملے گی' کیونکہ حضرت مسطح نے تہمت لگائی اور ان پر حد قذف جاری ہوئی' البتہ ان کو موت سے پہلے توبہ کی توفیق دی جائے گی اور خاتمہ

ایمان پر ہوگا۔

(۲۶) کسی قانون کا مؤثر بہ ماضی ہونا' کیونکہ حد قذف کا حکم نازل ہونے سے پہلے جنہوں نے تہمت لگائی تھی ان پر بھی حد جاری کی گئی۔

(۲۷) بیوی کا اپنے میکے جانے کے لیے خاوند سے اجازت طلب کرنا۔

(۲۸) تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا۔

(۲۹) کسی شخص کا اپنے خانگی امور میں اپنے احباب اور عزیزوں سے مشورہ کرنا۔

(۳۰) کسی تہمت کے متعلق تحقیق اور تفتیش کرنا اور کسی کے احوال معلوم کرنا' البتہ بلاضرورت تجسس کرنا منع ہے۔

(۳۱) کسی پیش آمدہ حادثہ کے متعلق امام کا لوگوں سے خطاب کرنا۔

(۳۲) اگر کسی شخص کی طرف سے مسلمانوں کے امیر کو اذیت پہنچی ہو تو اس کی مسلمانوں سے شکایت کرنا۔

(۳۳) حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے فضائل جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور حضرت عائشہ کے بیان سے ظاہر ہوئے۔

(۳۴) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کی فضیلت۔

(۳۵) فتنہ کو بند کرنا' لوگوں کے جوش اور غضب کو ٹھنڈا کرنا اور لڑائی جھگڑے کو بند کرانا۔

(۳۶) توبہ پر برانگیختہ کرنا اور توبہ کی قبولیت۔

(۳۷) بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کا بڑوں کی طرف کلام کو مفوض کرنا' چنانچہ حضرت عائشہ نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ حضور سے بات کریں۔

(۳۸) قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کرنا۔

(۳۹) جس شخص کو کوئی تازہ نعمت ملی ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہوئی ہو اس کو مبارک باد دینا۔

(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت' قطعی برأت ہے جو قرآن مجید میں منصوص ہے' سو جو انسان اس میں شک کرے گا وہ العیاذ باللہ کافر ہو جائے گا' حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی' اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

(۴۱) جب کوئی تازہ نعمت ملے تو اس پر فوراً شکر ادا کرنا' جس طرح حضرت عائشہ نے برأت کی آیات نازل ہونے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا۔

(۴۲) ولا یاتل اولوا الفضل. میں حضرت ابوبکر کی فضیلت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صاحب فضل فرمایا۔

(۴۳) رشتہ دار اگرچہ بدسلوکی کریں پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا' جیسا کہ حضرت ابوبکر کو حضرت مسطح کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہوا۔

(۴۴) لوگوں کی بدسلوکی کو معاف کرنا اور درگزر کرنے کا بیان۔

(۴۵) نیکی کے راستہ میں صدقہ اور خیرات کرنے سے استحباب۔

(۴۶) اگر کوئی شخص نیکی نہ کرنے کی قسم کھالے تو مستحب یہ ہے کہ وہ نیکی کرے اور قسم کا کفارہ دے' جس طرح حضرت ابوبکر نے کیا۔

(٤٧) حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت۔
(٤٨) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلق کی عظمت کیونکہ حضرت حسان کے تہمت لگانے کے باوجود حضرت عائشہ ان کی طرف سے مدافعت کرتی تھیں۔
(٤٩) مسلمانوں کا اپنے امیر کے اہل کی عزت و حرمت کے لیے غضب ناک ہونا' جس طرح حضرت سعد بن معاذ اور دیگر صحابہ غضب میں آئے۔
(٥٠) متعصب کو سب کرنے کا جواز جیسا کہ حضرت اُسید بن حضیر نے حضرت سعد بن عبادہ سے کہا تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے لڑ رہے ہو اور اس سے ان کی مراد نفاق حقیقی نہیں تھا۔ (شرح مسلم ج ٢ ص ٣٦٨-٣٦٧' کراچی)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

(١) علامہ نووی نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سفر کے لیے ازواج میں قرعہ اندازی کرنا باطل ہے اور ان سے اجازت کی بھی حکایت ہے اور علامہ ابن منذر وغیرہ نے کہا کہ قیاس کا تقاضا قرعہ اندازی کو ترک کرنا ہے لیکن ہم نے احادیث پر عمل کیا ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب قرعہ اندازی کو باطل کرنا نہیں ہے' اور امام ابوحنیفہ نے یہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ قیاس قرعہ اندازی کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بیوی کے ساتھ لے جانے کو قرعہ پر معلق کرنا ہے اور یہ قمار ہے اس سے بیوی کے ساتھ جانے کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا لیکن ہم نے احادیث کی بنا پر اس قیاس کو ترک کر دیا' اور اس تعامل کی وجہ سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک بغیر کسی اختلاف کے عمل ہوتا آیا ہے' اور یہ احادیث اس پر محمول ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی خوشنودی کے لیے ایسا کیا' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضر میں بھی ازواجِ مطہرات کی باری میں مساوات واجب نہیں تھی' اور قدوری میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ سفر میں ازواج کا کوئی حق نہیں اور خاوند کی مرضی ہے وہ جس زوجہ کو چاہے سفر میں لے جائے اور علامہ اقطع نے اس کی شرح میں یہ لکھا کیونکہ خاوند پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ان میں سے ایک معین کو سفر میں اپنے ساتھ لے جائے اور اولیٰ اور مستحب یہ ہے کہ ان کی خوشنودی کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے۔
(٢) عورتوں کا کسی ایک کو نیک قرار دینا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ اور حضرت اُم المؤمنین زینب رضی اللہ عنہما سے حضرت عائشہ کے متعلق پوچھا اور انہوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت اور دین داری میں ان کے کمال کو بیان کیا' امام ابوحنیفہ نے اسی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض عورتوں کا بعض دوسری عورتوں کو نیک قرار دینا اور ان کو تعدیل کرنا جائز ہے۔
(٣) جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اہلیہ یا آپ کی عزت کے متعلق ایذاء دے اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا کہ اگر یہ شخص اوس میں سے ہے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں کیا' اور علامہ ابن بطال نے یہ کہا کہ اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس چیز کے ساتھ سب کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہا ہے' علامہ مہلب نے کہا میرا نظریہ یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے جس زوجہ پر بھی زنا کی تہمت لگائی جائے گی اس تہمت لگانے والے کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۴) صبر جمیل کی دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین ہے۔
(۵) جس شخص پر حد لگانے سے اُمت میں تفرقہ اور انتشار کا خدشہ ہو اس پر حد نہ لگائی جائے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سلول پر حد نہیں لگائی۔
(۶) کسی باطل چیز کا اعتراف کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ حضرت عائشہ نے کہا اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری تصدیق کرو گے۔
(۷) وحی کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہیں تھا' کیونکہ اس موقع پر ایک ماہ تک آپ پر وحی نہیں کی گئی' اور یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔
(۸) عورتوں کا سونے' چاندی' موتی اور سیپیوں کے زیورات پہننا جائز ہے۔
(۹) کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا' جس طرح حضرت عائشہ نے اپنے ہار کو تلاش کیا' اور مال کو ضائع ہونے سے بچانا جائز ہے۔
(۱۰) کسی شخص کے متعلق جو خبر گشت کررہی ہو اس کے متعلق تحقیق کرنا کہ آیا اس سے پہلے بھی اس نے ایسا کام کیا تھا یا نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ' حضرت اسامہ اور حضرت زینب وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنہائی کے معمولات اور دیگر افعال کے متعلق سوالات کیے اور یہ کہ حکم ظاہری افعال پر لگایا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۱۳ص ۲۳۶-۲۳۴' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ ''میں حضور کے لیے قیام نہیں کروں گی میں صرف اللہ کی حمد کروں گی''

جب حضرت عائشہ کی براءت کے متعلق آیات نازل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ کی حمد کرو' اللہ نے تمہاری براءت کردی ہے اور حضرت عائشہ کی والدہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو تو حضرت عائشہ نے کہا بہ خدا میں ان کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی۔

علامہ بدرالدین عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا یہ کلام بہ منزلہ عتاب تھا' کیونکہ مسلمانوں نے آپ کے معاملہ میں شک کیا حالانکہ ان کو حضرت عائشہ کی نیک چلنی اور پاکیزہ سیرت کا بہ خوبی علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ ظالموں نے آپ پر جو بغیر کسی حجت اور دلیل کے جھوٹی تہمت لگائی ہے آپ کا دامن اس سے بری ہے۔ (علامہ عینی نے یہ عبارت علامہ نووی سے نقل کی ہے) (عمدۃ القاری جز ۱۳ص ۱۳۴)

اس عبارت کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ نے کہا میں صرف اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی حمد کروں گی جس نے میری براءت کو نازل کیا اور مجھ پر غیر متوقع انعام کیا' جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا تھا میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر خیال کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی وحی نازل کرے جس کی تلاوت کی جائے۔ (شرح مسلم ج ۲ص ۳۶۶' کراچی)

حضرت عائشہ نے جو فرمایا میں حضور کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اپنے رب کی حمد کروں گی' اس کلام کے متعلق یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے انکار کیا' معاذ اللہ! یا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض تھیں جیسا کہ علامہ نووی اور علامہ عینی نے حضرت عائشہ کے اس کلام کو عتاب پر معمول کیا ہے' بلکہ حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عظیم احسان کیا ہے اور ان کو نعمت غیر مترقبہ عطا فرمائی ہے تو اس نعمت اور احسان پر سب سے پہلے صرف اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد کرنی چاہیے ورنہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور

آپ کے شکر کا کیسے انکار کر سکتی ہیں جبکہ یہ عظیم نعمت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی ملی تھی' اس لیے آپ کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ میں سب سے پہلے آپ کی تعظیم اور آپ کا شکر نہیں بلکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کا شکر ادا کروں گی۔!

حدیث افک پر بعض معاصرین کے اعتراضات

بعض معاصرین (قاضی عبدالدائم) نے حدیث مذکور پر آٹھ عقلی اعتراضات کیے ہیں انحصار کی وجہ سے ہم نے ان اعتراضات کا خلاصہ ان ہی کی کتاب سے نقل کیا ہے' اس کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے ان اعتراضات کے نمبروار جواب عرض کریں گے۔

خدارا' بتائیے کہ میں اس روایت کو کیسے صحیح تسلیم کرلوں!!!؟

(۱) وہ روایت' جس میں رسول اللہ کی زبانی صدیقہء کائنات کو اِنْ کُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ اور قَارَفْتِ سے مخاطب کیا گیا ہو۔

(۲) وہ روایت جس کے مطابق رسول اللہ اپنی اس انتہائی چہیتی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کرنے لگے ہوں۔

(۳) وہ روایت جس میں حضرت علی کی طرف ایسا مشورہ منسوب کیا گیا ہو' جس کا باب مدینۃ العلم سے تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

(۴) وہ روایت جس کی رو سے رسول اللہ' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ کے گناہگار ہونے کا یقین ہو۔

(۵) وہ روایت جس میں منافقین کی الزام تراشی کو ام رومان رضی اللہ عنہا نے خواہ مخواہ دیگر ازواجِ مطہرات کے سر منڈھ دیا ہو۔

(۶) وہ روایت جس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ جیسے عندلیب باغ رسالت کو قذف صدیقہ جیسے مکروہ عمل میں ملوث کیا گیا ہو۔

(۷) وہ روایت جس میں اکابرین صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا اور منافق کہتے دکھایا گیا ہو۔

(۸) وہ روایت جس میں سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے پورے قبیلے خزرج کو رئیس المنافقین کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔

کیا ایسی روایت بھی صحیح اور قابل تسلیم ہو سکتی ہے؟

اس روایت کے کرتا دھرتا ابن شہاب زہری ہیں' جنہوں نے مختلف راویوں کے بیانات کو جوڑ جاڑ کر یہ ملغوبہ تیار کیا ہے' بعد میں اور لوگ بھی اس کو بیان کرنے لگ گئے۔ زہری صاحب کی اس روایت پر ہم کم از کم الفاظ میں جو تبصرہ کر سکتے ہیں' وہ قرآنی الفاظ میں یہی ہے کہ:

هذا افک مبین. — یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ اور افتراء ہے۔

(سید الوریٰ ج ۲ ص ۸۷-۸۶' مطبوعہ برائٹ بکس لاہور' ۱۹۹۷ء)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات

(۱) پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا اگر تم سے

گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرو' حالانکہ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دورانِ تفتیش نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم میں اپنی اہلیہ پر سوائے خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں جانتا اور یہ تعارض بھی ہے اور معاذ اللہ حضرت عائشہ کے متعلق سوء ظن بھی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد اتمام حجت کے لیے تھا اور دشمنانِ اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے تھا کہ دیکھو جب ان کی اپنی بیوی پر تہمت لگی تو اس کی انہوں نے کتنی رعایت کی' اور اس ارشاد کا محمل یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال تم سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو اور اس کی قرآن مجید میں بھی کئی مثالیں ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (یونس: ۹۴)

سو اگر آپ کو (بہ فرض محال) اس کتاب میں شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کریں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ آپ کو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے اور منزل من اللہ ہونے میں شک تھا اور اس شک کے ازالہ کے لیے آپ کو یہ تلقین کی گئی کہ آپ اپنے اطمینان کے لیے اہل کتاب سے معلومات کریں' اور چونکہ اس آیت سے آپ کا قرآن میں شک کرنا ظاہر ہوتا ہے اور اپنے اطمینان کے لیے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف رجوع کرنے کا پتا چلتا ہے تو کیا اس بناء پر اس آیت کو بھی ترک کر دیا جائے گا اور اس آیت کو بھی افک مبین اور کھلا ہوا جھوٹ قرار دیا جائے گا! واضح رہے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی میں شک کرنے کی بہ نسبت زیادہ سنگین اور زیادہ خطرناک ہے' اور اگر اس آیت میں یہ توجیہ کی جائے کہ اس کا معنی ہے اگر بہ فرض محال اس کتاب میں شک ہو تو ایسی توجیہ اس حدیث میں کیوں نہیں ہو سکتی کہ اے عائشہ اگر بہ فرض محال تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرلو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' اور اس میں اُمت کو یہ تعلیم دینی مقصود تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اس قبیح فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور اس فعل کے ارتکاب پر انہیں دہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اس کے باوجود جب حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ اگر تم سے بالفرض اس کام کا صدور ہو گیا ہے تو تم توبہ کرلو' اللہ توبہ قبول فرمائے گا' تو اگر اُمت کے کسی فرد سے یہ گناہ ہو جائے تو اس کو زیادہ پریشان اور مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کا گناہ ازواجِ مطہرات کے گناہ کی بہ نسبت آدھا ہے تو جب ان کا گناہ توبہ سے معاف ہو جائے گا تو اس کا گناہ بہ طریق اولیٰ معاف ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ اپنی چہیتی بیوی کو طلاق دینے کے لیے مشورہ کرنے لگے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ مشورہ کرنا بھی دشمنانِ اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے تھا کہ جب نبی کی اپنی بیوی پر الزام لگا تو اس کی کوئی تفتیش اور تحقیق نہیں کی اور جانب داری سے کام لیا اور آپ کا یہ مشورہ اس لیے تھا کہ آپ کی حرم محترم کے متعلق آپ کے اصحاب کی آراء ظاہر ہو جائیں اور ان کے اذہان صاف ہو جائیں۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا مشورہ منسوب کیا ہے جس کا آپ سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ مشورہ اسی لیے کیا جاتا ہے کہ مختلف آراء ظاہر ہوں' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسی مخلوق بنانے والا ہے جو زمین میں فساد کرے گی اور خون ریزی کرے گی' فرشتوں نے بعض فساق یا سرکش جنوں پر تمام اولادِ آدم کو قیاس کرلیا ان کا یہ قیاس اور اجتہاد درست نہ تھا لیکن اس سے فرشتوں کے علم اور ان کے مقام پر کوئی اثر نہیں پڑا' اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قیاس اور اجتہاد یہ تھا کہ

ہر چند کہ حضرت عائشہ اس تہمت سے بری ہیں اور آپ سے یہ ناپاک کام متصور بھی نہیں ہے لیکن آپ پر یہ لازم اور ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ایسی عورت کو نکاح میں رکھیں جس پر زنا کا الزام لگ چکا ہو' خواہ وہ الزام جھوٹا ہو' ان کے سوا اور بہت عورتیں ہیں' جیسے فرشتوں نے کہا تھا ایسی مخلوق کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے تیری تسبیح اور تقدیس کرنے کے لیے بہت فرشتے ہیں فرشتوں کا جواب صحیح تھا نہ حضرت علی کا جواب صحیح تھا لیکن اس جواب سے نہ فرشتوں کے علم اور ان کے مقام پر کوئی زد پڑی نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور مرتبہ پر کوئی زد پڑی' اور فرشتوں کے اس جواب کی وجہ سے اس آیت کا انکار ہوگا نہ حضرت علی کے اس جواب کی وجہ سے اس حدیث کا انکار ہوگا نہ یہ آیت واجب الرد ہوگی نہ یہ حدیث واجب الرد ہوگی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی ہے' اور وہ باعث ملامت نہیں جیسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کلمہ پڑھنے کے باوجود ایک شخص کو اس گمان سے قتل کر دیا تھا کہ اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۷۲' صحیح مسلم: ۹۶)

(۴) چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صدیق اکبر' اور ام رومان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گنہ گار ہونے کا یقین تھا' معاصر مذکور نے یہ بالکل غلط لکھا ہے اور حدیث پر صریح افتراء اور بہتان ہے اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا معنی یہ ہو کہ ان نفوس قدسیہ کو حضرت عائشہ کے گنہ گار ہونے کا یقین تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہً فرمایا: مجھے اپنے اہل پر سوا نیکی کے اور کسی چیز کا علم نہیں' اور یہ جو آپ نے فرمایا تھا اگر تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے توبہ کرو اس کا مطلب ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ذکر کر چکے ہیں اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت ام رومان سے جب حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں تو انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں علم نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہیں اس کا یہ معنی کیسے ہو گیا کہ ہمیں تمہارے گناہ گار ہونے کا علم اور یقین ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں منافقین کی الزام تراشی کو ام رومان نے خواہ مخواہ دیگر ازواج مطہرات کے سر منڈھ دیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی تو آپ نے یہ کہا تھا کہ حضرت ام رومان کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا اور ایک سطر بعد آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت ام رومان نے منافقین کے اس الزام کو حضرت عائشہ کی حمایت میں دیگر ازواج کے سر منڈھ دیا' جب حضرت ام رومان کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا تو انہوں نے آپ کے قول کے مطابق اس الزام کو دیگر ازواجِ مطہرات کی طرف کیوں منسوب کیا یہ آپ کے کلام میں کھلا ہوا تعارض ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت ام رومان نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا حدیث میں اس طرح ہے کہ میں نے اپنی ماں سے پوچھا اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! حوصلہ رکھو کم ہی کوئی حسین عورت ہوگی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں' حضرت ام رومان نے عام رواج کے مطابق یہ بات کہی تھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ تہمت دیگر ازواجِ مطہرات نے لگائی تھی یا ان کے ایما پر لگائی گئی تھی' یہ بھی اس حدیث پر صریح افتراء اور بہتان ہے۔

(۶) وہ روایت جس میں حضرت حسان جیسے عندلیب باغ رسالت کو قذف صدیقہ جیسے مکروہ عمل میں ملوث کیا گیا ہو' اس اعتراض کے جواب میں ہم پوچھتے ہیں کہ کیا چوری کرنا مکروہ عمل نہیں؟ کیا شراب پینا مکروہ عمل نہیں ہے! کیا زنا کرنا مکروہ عمل نہیں!! بنو مخزوم کی ایک معزز عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۰۲) نعیمان یا ابن النعیمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا وہ نشہ میں تھے ان کو درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۵) عبد اللہ نام کا ایک شخص تھا

جس کا لقب حمار تھا انہوں نے شراب پی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوڑے (درخت کی شاخیں) مارے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰) بنو اسلم کے ایک شادی شدہ شخص نے آپ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا تو آپ کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵) حضرت ماعز نے آپ کے سامنے آ کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۴) ایک کنوارے شخص نے ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کیا تو آپ کے حکم سے اس کنوارے کو سو کوڑے لگائے گئے اور اس عورت کو رجم کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۴۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۴۹)

یہ نفوس قدسیہ جن پر چوری' شراب نوشی اور زنا کی حد جاری کی گئی' یہ سب صحابہ کرام تھے ان پر تطہیر کے لیے حد جاری کی گئی اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام نیک اعمال کے لیے اُسوۂ حسنہ اور نمونہ ہے اگر یہ حضرات ان جرائم کے مرتکب نہ ہوتے تو آپ کی زندگی میں حد جاری کرنے کا نمونہ نہ ہوتا اور آپ کی زندگی میں تمام احکام شرعیہ کے نفاذ کا نمونہ نہ ہوتا' سو جس طرح ان حضرات صحابہ پر یہ حدود جاری کی گئیں اسی طرح حضرت حسان' حضرت مسطح اور حضرت حمنہ پر حد قذف جاری کی گئی اور اس حد کے جاری ہونے سے ان کی تطہیر ہوگئی اور اس سے ان کے مرتبہ اور مقام میں کوئی کمی نہیں آئی' یہ تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں ان کے لیے جنت اور اللہ کی رضا کی بشارت ہے۔ ان کا ایک کلو جو صدقہ کرنا بھی بعد والوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے اور بعد کے تمام اخیار اُمت ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے۔

(۷) ساتواں اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں اکابرین صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا اور منافق کہتے ہوئے دکھایا گیا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام عظیم مکارم اخلاق کے باوجود انسان تھے اور کبھی کبھی وہ بشری تقاضے سے مغلوب ہو کر جذبات کے دھارے میں بہہ جاتے تھے لیکن جب ان کو سمجھایا جاتا تو وہ پھر باہم شیر و شکر ہو جاتے تھے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا‌ ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ‌ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ○ (الحجرات: ۹)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو' پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم سب اس زیادتی کرنے والی جماعت سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر وہ رجوع کرلے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی گئے وہ شور والی زمین تھی' جب آپ اس کی طرف پہنچے تو اس نے کہا ایک طرف ہٹو اللہ کی قسم تمہارے دراز گوش کی بدبو مجھے اذیت پہنچا رہی ہے' پس انصار میں سے ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دراز گوش کی بو تیری بدبو سے اچھی ہے' اس سے عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم کے لوگ غضبناک ہو گئے پھر دونوں طرف سے اصحاب غصہ میں آ گئے اور انہوں نے ایک

دوسرے کو درخت کی ٹہنیوں' ہاتھوں اور جوتوں سے مارنا شروع کر دیا تب یہ آیت نازل ہوئی' اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو۔

کیا اب معاصر موصوف اس آیت کا بھی انکار کر دیں گے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کے آپس میں لڑنے کا ذکر ہے' ایک فریق عبداللہ بن ابی کا حامی تھا اور دوسرا مخالف تھا۔

حافظ سیوطی نے اس آیت کا دوسرا شان نزول اس طرح ذکر کیا ہے:

امام سعید بن منصور' امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے ایک قوم ایک فریق کی حمایت میں تھی اور دوسری قوم دوسرے فریق کی حمایت میں تھی وہ ہاتھوں اور جوتیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔

نیز امام سیوطی نے امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر کی سند سے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ وہ آپس میں لاٹھیوں کے ساتھ لڑ پڑے تو یہ آیت نازل ہوئی' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ آپس میں لاٹھیوں اور جوتیوں کے ساتھ لڑ پڑے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۵۶۱-۵۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس آیت کے متعدد شان نزول ہیں لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ صحابہ کرام کے دو فریق عصبیت کی بناء پر ایک دوسرے سے لڑے اور ہاتھا پائی اور جوتم بیزار کی نوبت آ گئی تو یہ آیت نازل ہوئی' اور اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ عصبیت کی بناء پر صحابہ کرام کا لڑنا ایسی نرالی اور انوکھی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر حدیث صحیح کا انکار کیا جائے نیز ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام آپس میں نہ لڑتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان صلح نہ کراتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم پر عمل کیسے کرتے' اور آپ کی زندگی میں دو لڑنے والے فریقوں کے درمیان صلح کرانے کا اسوہ کیسے متحقق ہوتا' مانا کہ دو فریقوں کا عصبیت کی بناء پر ایک دوسرے سے لڑنا خطاء ہے لیکن صحابہ کرام کی خطائیں ابرار کی نیکیوں سے بھی افضل ہیں' ان کی ان خطاؤں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صلح کرانے کا اسوہ پایا گیا' سو کسی شخص کو ان کی خطاؤں پر طعن نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس بناء پر کسی صحیح حدیث کا انکار کرنا چاہیے کیونکہ ان کی خطائیں بھی تکمیل دین کا ذریعہ ہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت بھی نہیں کی تھی۔

(۸) آٹھواں اور آخری اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں سعد بن عبادہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے پورے قبیلہ خزرج کو رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔ اس اعتراض کا جواب وہی ہے جو اعتراض نمبر ۷ کے جواب میں آ گیا ہے اسی کو پھر پڑھ لیں۔

ہمارے مخلص اور محب دوست مولانا محمد ابراہیم فیضی نے مجھے ان اعتراضات کی طرف متوجہ کیا تھا' میں چونکہ چھتیس سال سے حدیث کی خدمت کر رہا ہوں اس لیے منکرین حدیث کی طرف سے کسی حدیث کا انکار اور اس پر اعتراض میرے علم میں آتا ہے تو میں اپنی پوری علمی توانائی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حمایت اور اس کا دفاع کرتا ہوں کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے شدید محبت اور جذباتی وابستگی ہے اور میں نے اپنی زندگی احادیث رسول کی خدمت کے لیے وقف کی ہوئی ہے۔

معاصر موصوف نے امام ابن شہاب زہری کو مفتری' کذاب اور بہتان تراش قرار دیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عام طور پر منکرین حدیث ان کے خلاف زہر اُگلتے رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے حدیث کی بہت خدمت کی ہے' وہ علم اصول حدیث

کے واضح ہیں اور تابعین میں سب سے زیادہ احادیث ان ہی کے پاس تھیں اس لیے ہم اس جلیل القدر حدیث کے امام کا سطور ذیل میں مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں:

ابن شہاب الزہری کون تھے! کیا تھے! کیسے تھے!

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ ابن شہاب زہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

الزہری کا نام ہے: محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن زہرہ' ان کی کنیت ابوبکر ہے۔

ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد جتنی احادیث ابن شہاب زہری نے جمع کی ہیں کسی نے جمع نہیں کیں۔ امام مالک بن انس نے کہا میں نے مدینہ میں صرف ایک فقیہ محدث پایا ہے' پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا ابن شہاب الزہری' ایوب نے کہا میں نے الزہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا' پوچھا حسن بصری کو بھی نہیں؟ کہا میں نے ابن شہاب الزہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔

محمد بن عمر نے کہا الزہری اٹھاون ہجری میں حضرت معاویہ کی خلافت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے' اور ایک سو چوبیس ہجری میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے' انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو عام شاہراہ پر دفن کر دیا جائے' علماء نے کہا زہری ثقہ تھے ان کے پاس بہت احادیث تھیں اور بہت علم تھا وہ جامع فقیہ تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۳۵۷-۳۴۸' ملخصاً' رقم: ۱۰۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

الزہری نے حضرت سہل بن سعد' حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے صالح بن کیسان' یحییٰ بن سعید' عکرمہ بن خالد' منصور اور قتادہ وغیرہم نے احادیث روایت کی ہیں' ایوب نے کہا میں نے الزہری سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا' ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے اس قدر احادیث جمع کی ہوں۔

(التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۲' ملخصاً رقم: ۶۹۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر بن منجویہ نے کہا زہری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس اصحاب کی زیارت کی تھی' وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظ تھے' اور احادیث کے متون کو سب سے عمدہ بیان کرتے تھے اور وہ فاضل فقیہ تھے' سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے روایت کیا میں نے الزہری سے بڑھ کر صریح حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں دیکھا' وہ درہم اور دینار کو اونٹ کی مینگنیوں سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے' معمر نے کہا الزہری اپنے میدان میں سب سے فائق تھے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۷ ص ۲۳۰-۲۲۰' ملخصاً رقم: ۶۱۹۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

الزہری ائمہ اعلام میں سے ایک تھے وہ حجاز اور شام کے عالم تھے' لیث نے کہا ابن شہاب کہتے تھے میں نے اپنے دل میں جس حدیث کو بھی امانت رکھا میں اس کو کبھی نہیں بھولا' امام نسائی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی احادیث چار ہیں: (۱) الزہری از علی بن حسین از علی از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) الزہری از عبیداللہ از ابن عباس (۳) ایوب از محمد از عبیدہ از علی (۴) منصور از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود اور سب سے صریح حدیث الزہری روایت کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج۹ص ۳۸۷' ۳۸۵' رقم: ۶۵۸۵ 'ملخصا دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اب ہم اس بحث کے آخر میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں احادیث کو بیان کرنا چاہتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل ہیں جو تم کو سلام کہہ رہے ہیں' میں نے کہا **وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**' آپ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جس کو میں نہیں دیکھ سکتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۶)

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں بہت کامل گزرے ہیں اور عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل ہیں اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۸۱۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۵۶)

گوشت کے بنے ہوئے سالن میں روٹی کے ٹکڑے توڑ کر بھگو لیے جائیں تو اس کو ثرید کہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل دنیا اور اہل جنت کے کھانوں کا سردار گوشت ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵) خلاصہ یہ ہے کہ گوشت کا سالن یعنی ثرید تمام کھانوں کا سردار ہے اسی طرح حضرت عائشہ دنیا اور جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں کیونکہ ایمان والیوں کی دونوں سردار ہیں۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۶۹۲)

(۴) قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا آپ تو ان کے پاس جارہی ہیں جو بہت سچے ہیں' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۴۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۹۶)

(۵) حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے تیار کریں تو حضرت عمار نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مجھے خوب معلوم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے کہ تم حضرت علی کی اتباع کرتے ہو یا حضرت عائشہ کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۶۴۶)

(۶) عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا' وہ گم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تلاش کرنے کے لیے اپنے اصحاب کو روانہ کیا' پھر نماز کا وقت آ گیا اور (پانی نہ ہونے کی وجہ سے) انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے اس چیز کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی' تب حضرت اُسید بن حضیر نے کہا اللہ آپ کو (حضرت عائشہ کو) جزاء خیر دے آپ پر جب بھی کوئی آفت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نجات کی راہ نکال دی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت رکھ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۹۹)

(۷) عروہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے تو باری باری اپنی ازواج کے پاس جاتے' اور فرماتے: میں کل کس کے ہاں ہوں گا میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ آپ حضرت عائشہ کے حجرے میں جانے پر حریص تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب میری باری آئی تو آپ پرسکون ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۴)

(۸) عروہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے اور تحفے پیش کرنے کے لیے اس دن کے انتظار میں رہتے تھے جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوں' حضرت عائشہ نے کہا پس میری سہیلیاں (سوکنیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جمع ہوئیں اور انہوں نے کہا اے ام سلمہ! اللہ کی قسم! مسلمان اپنے ہدیے بھیجنے کے لیے حضرت عائشہ کی باری کا انتظار کرتے ہیں اور ہم بھی اسی طرح اچھائی چاہتے ہیں جس طرح حضرت عائشہ اچھائی چاہتی ہیں پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہو کہ آپ لوگوں کو یہ حکم دیں کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں یا جس زوجہ کی باری میں ہوں وہ آپ کو ہدیے پیش کریں' حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا وہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر مجھ سے منہ پھیر لیا' جب آپ میری طرف مڑے تو میں نے دوبارہ یہی عرض کیا' آپ نے پھر مجھ سے منہ پھیر لیا' جب میں نے تیسری بار یہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے متعلق اذیت نہ پہنچاؤ' بے شک تم میں سے کسی زوجہ کے بستر پر میری طرف وحی نازل نہیں ہوئی سوائے عائشہ کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۱' ۲۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۱' ۳۹۴۴)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایذاء پہنچانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہے۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا تم مجھے مسلسل تین راتیں خواب میں دکھائی گئیں' میرے پاس ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں تمہاری تصویر لے کر آیا' وہ یہ کہتا تھا یہ تمہاری زوجہ ہے میں نے تمہارے چہرے کو کھولا تو وہ تم تھیں' پھر میں یہ کہتا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو سچا کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۶۴۳)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو' حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پوچھا آپ کو اس کا کیسے پتا چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو رب ابراہیم کی قسم! حضرت عائشہ نے کہا جی ہاں! اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے نام کو چھوڑتی

ہوں۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۲۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۳۹)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھیں وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس میری سہیلیاں آتی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر شرم یا خوف سے چھپ جاتی تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیتے تھے پھر وہ آ کر میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۴۰، مسند احمد رقم الحدیث:۲۴۸۰۲)

(۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، انہوں نے آپ سے اجازت طلب کی اس وقت آپ میرے ساتھ میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، آپ نے ان کو اجازت دی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی (حضرت عائشہ) کے معاملہ میں انصاف کا سوال کرتی ہیں، میں خاموش رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں! حضرت فاطمہ نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر اس سے محبت کرو، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو وہ اٹھ کر چلی گئیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس جا کر ان کو خبر دی، کہ انہوں نے کیا کہا تھا اور اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا، پھر ازواج نے ان سے کہا آپ نے تو ہمارا کوئی کام نہیں کیا، آپ دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ آپ کی ازواج آپ کو ابوقحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کرنے کی قسم دیتی ہیں، حضرت فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس معاملہ میں اب آپ سے بالکل بات نہیں کروں گی، حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے آپ کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیجا اور یہ وہ تھیں جو باقی ازواج میں سے خود کو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برتر سمجھتی تھیں، اور میں نے نیکی اور پرہیزگاری میں حضرت زینب کی مثل کوئی عورت نہیں دیکھی، اور نہ ان سے بڑھ کر سچی، صلہ رحم کرنے والی، صدقہ و خیرات کرنے والی اور تواضع اور انکسار کرنے والی اور اللہ کی عبادت کرنے والی، ماسوا اس کے کہ ان کی زبان میں تیزی تھی، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے بستر پر اسی حالت میں تھے جس حالت میں حضرت فاطمہ نے ان کو دیکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! بے شک آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کرنے کا سوال کرتی ہیں، پھر انہوں نے میری طرف رُخ کیا اور مجھ سے لمبی اور تیز گفتگو کی، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی نظروں کی طرف دیکھ رہی تھی، آیا آپ مجھے جواب دینے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں، پھر ابھی حضرت زینب وہیں تھی کہ میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بدلہ لینے کو ناپسند نہیں کریں گے، پھر جب میں نے جواب دینے شروع کیے تو حضرت زینب وہاں نہیں ٹھہر سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: آخر ابوبکر کی بیٹی ہے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۴۲، سنن النسائی رقم الحدیث:۳۹۴۴)

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجسس سے پوچھتے تھے کہ آج کہاں رہوں گا؟ اور میں کل کہاں رہوں گا؟ حضرت عائشہ کی باری کو آپ دیر میں گمان کر رہے تھے، جس دن اللہ نے آپ کی روح قبض کی

اس وقت آپ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۴۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں نے کان لگا کر سنا تو آپ فرما رہے تھے: اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

(۱۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ہمیشہ یہ سنا کرتی تھی کہ نبی اس وقت تک ہرگز فوت نہیں ہوتا جب تک کہ اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار نہ دیا جائے سو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرض الموت میں یہ سنا اس وقت آپ بھاری آواز سے یہ فرما رہے تھے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء: ۶۹)

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔

اس وقت میں نے یہ گمان کیا کہ اب آپ کو اختیار دے دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۶۱۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۰)

(۱۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تندرست تھے تو یہ فرما رہے تھے کسی نبی کی اس وقت تک روح نہیں قبض کی گئی جب تک کہ اس کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھا نہیں دیا گیا پھر اس کو (موت کا) اختیار دیا جاتا ہے حضرت عائشہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت طاری ہوا تو آپ کا سر میرے زانو پر تھا آپ پر ایک ساعت غشی طاری ہوئی پھر آپ کو ہوش آ گیا پھر آپ کی نظر چھت کی طرف جا لگی پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! **الرفیق الاعلیٰ**. حضرت عائشہ نے کہا پھر میں نے دل میں سوچا اب آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری بات کی وہ یہی تھی **اللھم! الرفیق الاعلیٰ!** (یعنی اے اللہ! مجھے اعلیٰ علیین میں انبیاء کی رفاقت عطا فرمانا)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۶۱۸۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

(۱۷) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں کبھی بھی کوئی مسئلہ مشکل پیش نہیں آیا مگر ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا علمی حل مل جاتا تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۳، المستدرک ج ۴ ص ۱۱ قدیم)

(۱۸) حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح اللسان کسی کو نہیں پایا۔

(۱۹) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنایا جب میں واپس آیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ میں نے پوچھا اور مردوں میں! آپ نے فرمایا: ان کے والد میں نے پوچھا پھر کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا عمر پھر آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے پھر میں اس خوف سے خاموش رہا کہ میرا نام سب کے آخر میں آئے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۱۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۸۴، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸۵، سنن بیہقی ج ۱۰ص ۲۳۳، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۸۶۹، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۳۳ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۶۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۳)

(۲۰) عمرو بن غالب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا کہا تو انہوں نے اس سے کہا تم دفع ہو جاؤ اس حال میں کہ تمہاری صورت خراب ہو اور تم پر کتے بھونک رہے ہوں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ کو اذیت پہنچا رہے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۸، الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۲، طبع جدید، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۶ ص ۳۱۴، ۳۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۲۱) حضرت انس رضی اللہ علیہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ! پوچھا مردوں میں؟ آپ نے فرمایا: ان کے باپ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰۷)

(۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعامات فرمائے ہیں ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں فوت ہوئے اور میری باری میں فوت ہوئے اور میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے، اور آپ کی وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا، عبدالرحمان بن ابوبکر مسواک ہاتھ میں لیے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ ان کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں نے جان لیا کہ آپ مسواک کو پسند کر رہے ہیں میں نے پوچھا کہ آیا میں آپ کے لیے یہ مسواک لوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے ہاں فرمایا، میں نے ان سے مسواک لے کر (اور اس کے سر کو کاٹ کر) آپ کو دی آپ کو وہ سخت لگی، میں نے پوچھا آیا میں اس کو آپ کے لیے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا ہاں! پھر میں نے اس کو (اپنے منہ میں چبا کر) نرم کر دیا، آپ پانی کے ڈونگے میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ، بے شک موت کی سختیاں ہیں پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے فرمایا: الرفیق الاعلیٰ میں، حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۴۴۳، مختصر تاریخ دمشق ج ۲ص ۳۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۷۸۴)

(۲۳) مسروق بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے جبریل علیہ السلام کو اپنے اس حجرہ میں کھڑے ہوئے دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے، جب آپ حجرہ میں داخل ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ کون تھے؟ آپ نے پوچھا تم نے ان کو کس کے مشابہ پایا؟ میں نے کہا دحیہ کلبی کے، آپ نے فرمایا تم نے خیر کثیر کو دیکھا ہے، یہ جبریل علیہ السلام تھے، وہ بہت تھوڑی دیر ٹھہرے تھے، حتیٰ کہ آپ نے فرمایا یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہہ رہے ہیں میں نے کہا وعلیہ السلام، داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ نیک جزا دے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۶ص ۹۵ مسند احمد ج ۶ص ۱۴۶، ۷۴، المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۸۲)

(۲۴) ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے ایام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت عائشہ نے اجازت نہیں دی، پھر آپ کے بھتیجوں نے کہا آپ ان کو اجازت دے دیں وہ آپ کے نیک بیٹوں میں سے ہیں، حضرت عائشہ نے کہا ان کی تعریف وتوصیف کو چھوڑو، وہ مسلسل ان کو اجازت دینے کے لیے اصرار کرتے رہے، حتیٰ کہ آپ نے اجازت دے دی، جب وہ آ گئے تو حضرت ابن عباس نے کہا آپ کا نام ام المؤمنین ہے تو آپ مجھ پر شفقت کریں، آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ کا یہ نام تھا، اور آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز سے محبت کرتے تھے جو پاکیزہ ہو، اور آپ اور آپ کے دوستوں کے درمیان صرف آپ کی حیات حجاب اور مانع ہے، لیلۃ الابواء میں آپ کا ہار گر کر گم ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں آپ کے اور مسلمانوں کے لیے خیر رکھ دی، سو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرما دی اور آپ کی برأت میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں، اور مسلمانوں کی تمام مساجد میں دن اور رات کے اوقات میں ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا: اے ابن عباس! میری تعریف اور توصیف کو چھوڑو میں یہ چاہتی ہوں کہ کاش میں بھولی بسری ہوتی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۰، حلیۃ الاولیا، ج ۲ ص ۴۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۸۳، المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۸۶، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۶۰-۵۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۲۵) عبد الرحمان بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن صفوان اور ایک اور شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، حضرت عائشہ نے ان میں سے کسی ایک سے کہا: اے فلاں! کیا حفصہ کی حدیث تم کو معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں اے ام المؤمنین! عبد اللہ بن صفوان نے کہا اے اُم المؤمنین! حفصہ کی حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مریم بنت عمران کے علاوہ مجھ سے پہلے کسی عورت کو نو اوصاف نہیں دیئے گئے، اور اللہ کی قسم میں اپنی سوکنوں پر فخر کرنے کے لیے یہ بات نہیں کہہ رہی۔ عبد اللہ بن صفوان نے کہا: اے اُم المؤمنین! وہ نو اوصاف کیا ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا:

(۱) فرشتہ میری تصویر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مجھ سے نکاح کیا جب میری عمر سات سال تھی۔ (۳) نو سال کی عمر میں میری آپ کی طرف رخصتی کی گئی۔ (۴) آپ کے نکاح میں صرف میں کنواری خاتون تھی (۵) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لحاف میں ہوتے تھے، پھر بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ (۶) میرے متعلق قرآن مجید کی ایسی آیات نازل ہوئیں کہ اگر وہ آیات نازل نہ ہوتیں تو اُمت ہلاک ہو جاتی (مثلاً تیمّم اور حد قذف کی مشروعیت) (۷) میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میرے علاوہ آپ کی ازواج میں سے اور کسی نے حضرت جبریل کو نہیں دیکھا۔ (۸) میرے حجرے میں آپ کی روح قبض کی گئی۔ (۹) جس وقت آپ کی روح قبض کی گئی تو میرے اور فرشتے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۹۱، قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۰، جدید، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۵۱)

(۲۶) عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے زیادہ کسی کو حلال، حرام، علم شعر اور طب کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۳، سیر النبلاء ج ۲ ص ۱۸۲)

(۲۷) زہری بیان کرتے ہیں اگر تمام لوگوں کا علم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا علم جمع کیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ ہے۔ (یہ حدیث صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۳، المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۴)

(۲۸) مسلم بیان کرتے ہیں کہ مسروق سے پوچھا گیا کیا حضرت عائشہ کو فرائض کا بہت اچھا علم تھا؟ انہوں نے کہا اس ذات کی

قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے اصحاب کو حضرت عائشہ سے فرائض (علم وراثت) کے متعلق سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۵۹' الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۵۳-۵۲' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۶)

(۲۹) احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے خطبات سنے ہیں اور آج تک بعد کے خلفاء کے خطبات سنے ہیں میں نے کسی مخلوق کے منہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح عظیم اور حسین کلام نہیں سنا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۲)

(۳۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی ازواج میں سے کون کون جنت میں ہوں گی؟ فرمایا تم بھی ان ہی میں سے ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۹۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹۶' المستدرک رقم الحدیث: ۶۸۰۳)

(۳۱) عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے حضرت عائشہ نے وہ تمام درہم تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔ حضرت بریرہ نے کہا آپ روزے سے ہیں آپ نے ایک درہم کیوں نہ بچا لیا' میں اس کا آپ کے لیے گوشت خرید لیتی! فرمایا: اگر تم پہلے یاد دلاتیں تو میں ایسا کر لیتی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۷)

(۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والدین حضرت ابوبکر اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہماری خواہش ہے کہ آپ عائشہ کے لیے دعا کریں جس کو ہم بھی سنیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! عائشہ بنت ابی بکر صدیق کی مغفرت فرما ایسی مغفرت جو ظاہر اور باطن امور میں واجب ہو' حضرت عائشہ کے والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے حسن پر متعجب ہوئے' آپ نے فرمایا تم اس دعا پر تعجب کر رہے ہو' میری یہ دعا ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہو۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۱۱' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۸)

(۳۳) عروہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جس حجرے میں حضرت عمر اپنے دو صاحبوں کے ساتھ مدفون ہیں میں حضرت عمر سے حیاء کی وجہ سے اس حجرے میں بہت اچھی طرح کپڑے لپیٹ کر جاتی تھی' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۸۱)

(۳۴) قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں یہ سوچتی تھیں کہ ان کو ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے حادثات ہوئے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے دیگر ازواج کے ساتھ دفن کر دینا (دوسری روایات میں ہے تاکہ مجھے دوسری ازواج سے برتر نہ سمجھا جائے) پھر آپ کو بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۷۷)

(۳۵) عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے دسویں سال میں ہجرت سے تین سال پہلے مجھ سے نکاح کیا اس وقت میری عمر چھ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول پیر کے دن ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور ہجرت کے آٹھ مہینے بعد میری رخصتی ہوگئی اور جس دن مجھے آپ کے پاس پیش کیا گیا اس دن میری عمر نو سال تھی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۴۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۲۱' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۲۶۶' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹۷)

حافظ ابن عساکر نے حضرت عائشہ کے نکاح کی پوری تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ چاہیں تو بیوہ سے نکاح کرلیں اور چاہیں تو کنواری سے نکاح کرلیں' آپ نے پوچھا بیوہ کون ہے اور کنواری کون ہے' انہوں نے کہا بیوہ حضرت سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری حضرت عائشہ بنت ابوبکر ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرا ذکر کرو' جب حضرت خولہ نے حضرت ابوبکر سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا وہ تو آپ کی بھتیجی ہے' آپ نے فرمایا وہ میرے نسبی بھائی نہیں ہیں میرے دینی بھائی ہیں' پھر آپ کا حضرت عائشہ سے نکاح ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور حضرت سودہ بنت زمعہ سے بھی نکاح ہو گیا اور جب حضرت عائشہ کی عمر نو سال کی ہوئی تو ان کی رخصتی ہو گئی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ملخصاً' ج ۳ص ۱۰۸-۱۰۷' رقم الحدیث: ۶۰۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۳۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ھبہ کر دی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کی باری کے دن بھی حضرت عائشہ کے پاس رہتے تھے اور حضرت سودہ کی باری کے دن بھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ص ۱۰۸' ۱۴۲۱ھ)

(۳۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں گڑیوں سے کھیل رہی تھی' آپ نے پوچھا اے عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۳۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتا ہوں تم اس میں عجلت نہ کرنا حتیٰ کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلینا حالانکہ آپ کو خوب معلوم تھا کہ میرے والدین آپ سے علیحدگی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ میں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے تو آپ نے یہ آیات پڑھیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۲۹-۲۸)

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان نفع دے کر اچھائی کے ساتھ رخصت کردوں ۝ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا آپ کس چیز میں مجھے اپنے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں! بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں' پھر باقی ازواجِ مطہرات نے بھی میری طرح جواب دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۶' ۴۷۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۱۳۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳۷' الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۴)

(۳۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سات ایسی صفات عطا کی ہیں جو حضرت مریم بنت عمران کے سوا دنیا کی کسی عورت کو عطا نہیں کیں اور میں یہ بات دیگر ازواج پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی' عبداللہ بن صفوان نے کہا اے ام المؤمنین وہ کیا صفات ہیں آپ نے فرمایا: (۱) فرشتہ میری تصویر لے کر نازل ہوا۔ (۲) سات

سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی اور میرے سوا آپ کی کوئی کنواری بیوی نہیں تھی۔ (۳) میں آپ کے ساتھ بستر میں ہوتی تھی اس وقت بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ (۴) میں سب لوگوں سے زیادہ آپ کو محبوب تھی اور میں اس شخص کی بیٹی تھی جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (۵) اور میرے متعلق قرآن مجید میں ان امور میں آیات نازل ہوئیں جن میں اُمت ہلاک ہو رہی تھی۔ (۶) میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میرے علاوہ اور کسی زوجہ نے جبریل کو نہیں دیکھا۔ (۷) میرے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی اس وقت میرے اور فرشتے کے علاوہ اور کوئی آپ کے قریب نہیں تھا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۱) (جن روایات میں چھ سال کی عمر میں نکاح کا ذکر ہے وہ راجح ہیں)

(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سترہ رمضان اٹھاون ہجری کو منگل کے دن وتر پڑھنے کے بعد وصال فرما گئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، سالم نے کہا جتنے مسلمان آپ کی نماز جنازہ میں تھے اس سے پہلے اتنے مسلمان کسی کی نماز جنازہ میں نہ تھے، آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا، آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۶۲، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۳ ص ۱۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ، الاصابہ ج ۸ ص ۲۳۵، رقم: ۱۱۴۶۱، مطبوعہ ۱۴۱۵ھ، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۸۹، رقم: ۷۰۹۳، بیروت، ۱۴۱۵ھ، الاستیعاب ج ۴ ص ۴۳۹-۴۳۸، رقم: ۳۴۶۳، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی متعدد ابحاث میں مختلف دینی عنوانات پر چالیس احادیث جمع کی ہیں اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بھی چالیس احادیث جمع کی ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مجھے حضرت ام المؤمنین سے بہت زیادہ عقیدت اور محبت ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص دین سے متعلق چالیس احادیث اُمت تک پہنچائے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن زمرہ فقہاء میں اٹھائے جانے اور اپنی شفاعت عطا کرنے کی نوید سنائی ہے میں ہرگز اس اعزاز کا مستحق نہیں ہوں، بس اللہ کے کرم، سرکار کی شفاعت اور ام المؤمنین کی عنایت سے صرف میرے گناہوں کی مغفرت ہو جائے اور مجھے اخروی عذاب سے نجات مل جائے تو یہی میرے لیے بہت بڑا انعام، اکرام اور اعزاز ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ

اے ایمان والو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، اور جو شخص شیطان کے

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ

قدم بہ قدم چلے گا، تو وہ بے شک بے حیائی اور برائی (کے کاموں) کا حکم دے گا، اور اگر تم پر اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کا بھی باطن کبھی بھی پاک اور صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جس کو

يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

چاہتا ہے اس کا باطن پاک اور صاف کر دیتا ہے، اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ اور تم میں سے اصحابِ فضل

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت

لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

(بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے، اور ان کے لیے بہت

عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

بڑا عذاب ہے ○ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ

کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے ○ اس دن اللہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا، اور

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ

وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے حقائق کو منکشف کرنے والا ○ بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں

وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ

اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے

لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ

لیے ہیں، وہ (اچھے لوگ) ان تہمتوں سے بری ہیں جو لوگ ان پر لگاتے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور

رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع

عزت کی روزی ہے ○

ع ۳ ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو' اور جو شخص شیطان کے قدم بہ قدم چلے گا تو وہ بے شک بے حیائی اور برائی (کے کاموں) کا حکم دے گا' اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کا بھی باطن کبھی بھی پاک اور صاف نہ ہوتا' لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کا باطن پاک اور صاف کر دیتا ہے' اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O (النور: ۲۱)

الفحشاء' المنکر اور التزکیہ کے معانی

خطوات: خطوة کی جمع ہے اس کا معنی ہے چلتے وقت دو قدموں کا درمیانی فاصلہ' اور اس سے مراد ہے سیرت اور طریقہ' اور اس آیت کا معنی ہے شیطان کے طریقہ کی اتباع نہ کرو اور جو لوگ کسی پاک دامن مسلمان خاتون پر بدکاری کی تہمت لگا رہے ہوں اس کو کان لگا کر نہ سنو' اور مسلمانوں میں کسی بے حیائی کی بات کو نہ پھیلاؤ' الفحشاء کا معنی ہے بے حیائی کی بات جو بہت قبیح ہو' اور منکر اس برے کام کو کہتے ہیں جس سے لوگ تنفر ہوتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہوں۔

علامہ ابن الاثیر الجزری نے لکھا ہے کہ الفحش اور الفحشاء ہر اس معصیت اور گناہ کو کہتے ہیں جس کا قبح بہت زیادہ ہو اس کا اکثر اطلاق زنا پر کیا جاتا ہے اور ہر قبیح قول یا فعل کو فاحشہ کہا جاتا ہے' حدیث میں ہے اللہ ہر فاحش اور متفحش سے بغض رکھتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹)

فاحش کا معنی ہے جو شخص برے کام کرے اور بری باتیں کرے اور متفحش کا معنی ہے جو شخص تکلفاً اور قصداً برے کام اور بری باتیں کرے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

المنکر' المعروف کی ضد ہے' قرآن مجید اور احادیث میں منکر کا بہ کثرت ذکر ہے اور یہ ہر وہ کام اور ہر وہ فعل ہے جو شرعاً معیوب اور قبیح ہو' یا جس کام کو شریعت نے مکروہ یا حرام قرار دیا ہو۔ (النہایہ ج ۵ ص ۱۰۱ مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقہ اور اس کے راستے سے دور رہنے کا حکم دیا اور جن مسلمانوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت میں حصہ لینے کے بعد اس سے رجوع کر لیا' توبہ کر لی اور ان پر حد قذف جاری ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تھی کہ حضرت عائشہ پر تہمت لگانے سے ان کے دلوں میں جو گناہ کا میل اور کچیل آ گیا تھا اور ان کے قلوب پر جو معصیت کی ظلمت اور تاریکی چھا گئی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کے دلوں سے معصیت کی اس کدورت اور زنگ کو دور کر دیا اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کر دیا۔

تزکیہ کا لفظ زکوٰۃ سے بنا ہے' زکوٰۃ کا معنی ہے طہارت' کسی چیز کا بڑھنا اور برکت' قرآن مجید اور احادیث میں تزکیہ کا لفظ بہت آیا ہے' تزکیہ کا معنی کسی چیز کو پاک اور صاف کرنا ہے کوئی شخص اپنی تعریف' توصیف اور حمد و ثناء کرے یا خودستائی کرے اس کو بھی تزکیہ کہتے ہیں۔ (النہایہ: ج ۲ ص ۲۷۸' بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ. (النساء: ۴۹)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود اپنی تعریف و توصیف کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے اسے قابل تعریف بنا دیتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ O (النجم: ۳۲)

تم خودستائی نہ کرو' اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو متقی ہے۔

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے تزکیہ کے معنی ہیں اللہ نے اس کی اصلاح کر دی

اور اس کو پاک اور صاف کر دیا' اور نفس کی زکوٰۃ اور طہارت کا معنی یہ ہے کہ انسان دنیا میں تعریف و تحسین کا اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ہو گیا' تزکیہ کے لفظ کی نسبت کبھی بندہ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ (الشمس: ۹) جس نے اپنا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

اور کبھی تزکیہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ تزکیہ کا فاعل حقیقی ہے جیسے:

لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ . (النور: ۲۱) اللہ جس کو چاہتا ہے اس کا تزکیہ فرماتا ہے۔

اور کبھی تزکیہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے کیونکہ آپ بندوں کے لیے صفاء باطن میں واسطہ اور وسیلہ ہیں جیسے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا آپ ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔ (التوبہ: ۱۰۳)

انسان اگر خود اپنا تزکیہ کرے تو اس کی دو قسمیں ہیں اگر وہ ایسے کام کرے جس سے دوسرے اس کی تعریف کریں تو یہ تزکیہ محمود ہے اور اگر وہ خود زبان سے اپنی تعریف کرے تو یہ تزکیہ مذموم ہے۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵-۱۶۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

جب انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو اور خوف خدا سے روئے تو اس کے دل سے گناہوں کی تاریکی چھٹ جاتی ہے سو اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کو یہ تزکیہ حاصل ہوتا تھا اور اب مشائخ کرام کے فیضان اور علماء کے مواعظ سے اور خلوت گزینی سے اس نوع کا تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور انسان کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت اور فضیلت میں یہ گیارھویں آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (النور: ۲۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل اُمت ہونے پر دلائل اور نکات

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کے خالہ زاد بھائی مسطح نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا اور جب حضرت عائشہ کی برأت نازل ہو گئی اور مسطح کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو حضرت ابوبکر کو بہت رنج ہوا' کیونکہ مسطح یتیم تھے اور ان کی حضرت ابوبکر نے پرورش کی تھی' سو انہوں نے کہا میں اب مسطح پر بالکل خرچ نہیں کروں گا' مسطح نے معافی مانگی اور معذرت کی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت غم و غصہ میں تھے وہ دوبارہ مسطح کے اخراجات بحال کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کیوں نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دے اور میں اب مسطح پر پہلے سے زیادہ خرچ کروں گا۔

(جامع البیان جز ۱۸ ص ۱۳۷-۱۳۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ آیت حسب ذیل وجوہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے:

(۱) تواتر سے ثابت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۲) اس آیت میں حضرت ابوبکر کو اولو االفضل و السعة (اصحاب فضل اور ارباب وسعت) فرمایا ہے۔

(۳) اولوا الفضل والسعة جمع کا صیغہ ہے اور جب واحد شخص پر جمع کا اطلاق کیا جائے تو اس کی تعظیم کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فضل کو مطلق فرمایا اور اس کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر فاضل علی الاطلاق تھے اور آپ میں ہر اعتبار اور ہر جہت سے فضیلت تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولوا الفضل منکم یعنی جو تم سب میں سے صاحب فضیلت ہیں' اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حضرت ابوبکر کی صفت مخصوصہ ہے۔

(۶) فضل کا معنی ہے زیادہ یعنی حضرت ابوبکر تمام مؤمنوں سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے والے تھے۔

(۷) اور فرمایا جو تم سب سے زیادہ صاحب وسعت ہیں یعنی حضرت ابوبکر سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والے تھے' وہ عبادت بھی سب سے زیادہ کرتے تھے اور مسلمانوں پر شفقت بھی سب سے زیادہ کرتے تھے اور خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کرنے کے سب سے زیادہ جامع تھے' اور وہ صدیقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اور اس آیت کے مصداق تھے:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔ بے شک اللہ متقین اور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(النحل: ۱۲۸)

(۸) صاحب وسعت اسی وقت لائق تعریف ہوتا ہے جب وہ فیاض اور جواد ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۵۵) اس کی صراحت کے ساتھ تائید اور تقویت ان آثار میں ہے۔

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوالھلال العتکی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اس اُمت میں اس کے نبی کے بعد کون سب سے افضل ہے؟ حضرت علی نے کہا حضرت ابوبکر' اس نے کہا ابوبکر' فرمایا ہاں! پوچھا پھر کون ہے فرمایا عمر' پھر اس نے جلدی سے کہا پھر امیر المؤمنین آپ ہیں فرمایا نہیں!

عبدالرحمان بن الاصبہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت علی نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو تیسرے کا نام بھی لوں۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۳۲۰' امام ابن عساکر نے اس حدیث کو قابل اطمینان قرار دیا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ابومخلد مازنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں اور جب حضرت ابوبکر فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ حضرت ابوبکر کے بعد سب سے افضل حضرت عمر ہیں اور جب حضرت عمر فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ حضرت عمر کے بعد سب سے افضل ایک شخص ہیں اور ان کا نام نہیں لیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری اُمت میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں۔ (اس کی سند مرسل ہے' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۱۷۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۱۱۵)

(تاریخ دمشق الکبیر جز ۳۲ ص ۲۴۸-۲۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مشہور شیعہ محقق عالم ابوعمر و محمد بن عبدالعزیز الکشی بیان کرتے ہیں:

ابو عبداللہ علیہ السلام نے کہا مجھ کو سفیان ثوری نے محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا: اگر میرے پاس ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر اور عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو ضرور وہ سزا دوں گا جو مفتری (کذاب) کو سزا دی جاتی ہے' ابو عبداللہ علیہ السلام نے کہا ہمیں مزید حدیث بیان کریں تو سفیان نے جعفر سے روایت کیا کہ ابوبکر اور عمر سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔

(رجال الکشی ص ۳۳۸' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات' کربلا)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور جس نے سب سے پہلے میری تصدیق کی وہی قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا وہی صدیق اکبر ہے اور وہی فاروق ہے جو میرے بعد حق اور باطل میں فرق کرے گا۔

(رجال الکشی ص ۲۹' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات' کربلا)

امام بخاری نے حضرت الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث کیا' تو تم سب نے (مجھ سے) کہا تم نے جھوٹ بولا' اور ابوبکر نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور اپنی جان اور مال سے میری غم گساری کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۱)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر ایمان لائے اور الکشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ جو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا وہی صدیق اکبر ہے تو حضرت ابوبکر ہی صدیق اکبر ہیں۔

(۹) حضرت ابوبکر کے فیاض اور جواد ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسلام لانے کے بعد حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تبلیغ کی اور یہ سب ان کی کوشش سے مسلمان ہوئے' اور ان کی یہ فیاضی اسلام کی تعلیم دینے میں' دین کی ہدایت دینے میں اور اسلام کی راہ میں اپنا مال و دولت خرچ کرنے کے لیے تھی اور ان سب نے اسلام کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور یہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کی وجہ سے ہوا' اور حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور اس کے بعد اس نیکی پر عمل کرنے والوں کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

سو ان تمام صحابہ کی جود و سخا بھی اس حدیث کے اعتبار سے حضرت ابوبکر کی جود و سخا میں داخل ہیں اور یہ بھی حضرت ابوبکر کے اولوا الفضل و السعۃ ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۱۰) اس آیت میں حضرت ابوبکر سے فرمایا ہے: انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں اور عفو کرنا تقویٰ کا قرینہ ہے اور جس شخص کا عفو جتنا قوی ہوگا اس کا تقویٰ اتنا قوی ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر بہت متقی تھے بلکہ سب سے زیادہ متقی تھے کیونکہ جب حضرت ابوبکر نے بہت گراں اور غیر معمولی قیمت سے حضرت بلال کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا اور مشرکین نے یہ طعنہ دیا کہ ضرور بلال نے ابوبکر کے ساتھ کوئی نیکی کی ہوگی جس کے صلہ میں انہوں نے اس بھاری قیمت سے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ اور عنقریب اس شخص کو جہنم سے دور رکھا جائے گا جو سب

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤىۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى (الیل: ۲۱-۱۷)

سے زیادہ متقی ہے O جو پاکیزگی کے حصول کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے O اس پر کسی شخص کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں ہے جس کا صلہ دیا جائے O اس کا یہ مال خرچ کرنا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے ہے O اور وہ عنقریب (اس کا رب) راضی ہو گا O

اس آیت میں حضرت ابوبکر کو سب سے زیادہ متقی فرمایا ہے اور قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ. (الحجرات: ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

لہٰذا سورۃ نور کی اس آیت میں جو حضرت ابوبکر کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر سب سے زیادہ متقی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اور بزرگی والے ہیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: فاعف عنهم و اصفح. (المائدہ: ۱۳) ان کو معاف کر دیں اور درگزر کریں اور حضرت ابوبکر کے متعلق اس آیت میں فرمایا ولیعفوا ولیصفحوا. یعنی وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملہ میں ثانی اثنین ہیں حتیٰ کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے میں بھی اور تمام اخلاق اور اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہیں۔

(۱۲) نیز اس آیت میں فرمایا: ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی مغفرت کو اس پر معلق فرمایا ہے کہ وہ حضرت مسطح کو معاف کر دیں اور جب حضرت ابوبکر نے حضرت مسطح کو معاف کر دیا تو حضرت ابوبکر کی مغفرت حاصل ہو گئی اور یہ آیت حضرت ابوبکر کی مغفرت کی قطعی دلیل ہے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ حضرت ابوبکر کی امامت اور خلافت برحق تھی کیونکہ اگر ان کی امامت اور خلافت برحق نہ ہوتی تو وہ مغفور نہ ہوتے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الاتحبون ان یغفر الله لکم ' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کو ماضی یا مستقبل کے کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا' اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطلق مغفور ہیں اور مطلقاً مغفور ہونے کے اس وصف میں حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرع، عکس اور پرتو ہیں کیونکہ آپ بھی مطلق مغفور ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًاۙ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ. (الفتح: ۲-۱)

بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے۔

اس آیت میں حضرت ابوبکر کی افضلیت کے جو دلائل ہیں وہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی موجب فضیلت ہیں کیونکہ باپ کی فضیلت اولاد کے لیے باعث افتخار ہوتی ہے' اور ان فضائل کا سبب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس تہمت سے بری ہونا ہے سو یہ آیت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے سلسلہ میں منسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں' اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے O اس دن اللہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ

دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے حقائق کو منکشف کرنے والا O (النور: ۲۵-۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں منافقوں کی اخروی سزا

مذکور الصدر تین آیات بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت اور آپ کی فضیلت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی تفسیر راجح ہے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے کے سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں' ہمارے نزدیک یہ تفسیر اس لیے مرجوح ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کے متعلق حکم النور: ۵-۴ میں نازل ہو چکا ہے ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کرسکیں' تو تم ان کو اسی کوڑے مارو' اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں' تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

اس لیے زیر تفسیر آیات کا تعلق حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی سزا کے سلسلے میں اور اسی کے سیاق میں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا کم ہے' اسی کوڑوں کی سزا ہے' پھر جب وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی' اور ام المؤمنین زوجہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بدکاری کی تہمت لگانا کوئی معمولی اور سرسری جرم نہیں ہے کہ اسی شاخیں مارنے سے اس کی اصلاح ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں تین آیتیں نازل فرمائیں ایک یہ کہ اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جائے گی' دوسری سزا یہ کہ قیامت کے دن اس کی زبان اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتا رہا تھا اور اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا' تیسری سزا یہ کہ قیامت کے دن اس کو پورا پورا عذاب دیا جائے گا' اور یہ بہت سخت سزا ہے اور یہ سزا اس کو دی جائے گی جس کا جرم بہت سنگین ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا عام عورتوں پر تہمت لگانے کی طرح ہرگز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ O (النور: ۱۶)

جب تم یہ تہمت اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے' جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی۔

تم حضرت ام المؤمنین کی شان میں یہ بات کہتے رہے اور اس کو معمولی بات سمجھتے رہے اور کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی حرمت عام عورتوں کی طرح نہیں ہوتی چہ جائیکہ نبی امی' خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کی زوجہ کی حرمت' اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین جرم ہے کہ اس کے نبی اور رسول کی زوجہ کے متعلق ایسی بات کی جائے' اللہ سبحانہ اس پر سخت غضب فرماتا ہے حاشا وکلّا وہ انبیاء میں سے کسی نبی کی زوجہ کے متعلق ایسی بات مقدر نہیں فرماتا' اور جب کسی بھی نبی کی زوجہ کے متعلق یہ ممکن نہیں تو سید ولد آدم علی الاطلاق کی زوجہ اور سیدہ نساء الانبیاء کے متعلق یہ کیسے ممکن ہے! اس لیے فرمایا تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ سنگین بات تھی' سو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا عام عورتوں پر تہمت لگانے کی مثل نہیں ہے تو اس جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کی مثل کس طرح ہو سکتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اس سزا کی شدت کو بیان فرمایا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک بندہ کوئی بات بے پرواہی سے کہہ دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا

کا باعث ہوتی ہے اور اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور ایک بندہ بے پرواہی سے کوئی بات کہہ دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی موجب ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں گرتا چلا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۴، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۸۳)

اس آیت میں جس وعید کا ذکر کیا گیا ہے وہ عبداللہ بن ابی اور دیگر ان منافقین کے لیے ہے جنہوں نے اس تہمت کو پھیلایا تھا' اور جو مسلمان اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس تہمت لگانے میں شامل ہو گئے تھے وہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی توہین کرنا اور آپ کو اذیت پہنچانا نہیں تھا' ان پر حد قذف جاری کی گئی وہ صدق دل سے تائب ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' ہاں جو مسلمان اب حضرت ام المؤمنین پر تہمت لگائے گا وہ مرتد ہو جائے گا' کیونکہ اب آپ پر تہمت لگانا قرآن مجید کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں' اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے لیے ہیں' وہ (اچھے لوگ) ان تہمتوں سے بری ہیں جو لوگ ان پر لگاتے ہیں' ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے ○ (النور: ۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت کی بشارت

النور: ۱۱ سے لے کر النور: ۲۶ تک سولہ آیتیں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں کی لگائی ہوئی تہمت کی برأت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' ضحاک' سعید بن جبیر' قتادہ' عطاء وغیرہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین کی تہمت سے برأت کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور اس کا معنی ہے بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگوں کے لیے بری باتیں ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۶' ۱۹۶۰۵' ۱۹۶۰۴' ۱۹۶۰۱' ۱۹۵۹۷' ۱۹۵۹۵)

مجاہد نے کہا اس میں فرمایا وہ لوگ اس تہمت سے بری ہیں اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما ہیں ہر چند کہ یہ دو افراد ہیں اور ان کے لیے تثنیہ کے بجائے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے' جیسے فان کان له اخوة. (النساء: ۱۱) میں اخوة سے مراد اخوان ہیں' یعنی جمع کے صیغہ سے دو فرد مراد ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۸)

اور ابن زید نے کہا اس آیت کا معنی ہے خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے جب ان پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تہمت سے بری کر دیا اور عبداللہ بن ابی خبیث مرد تھا اس کے لائق خبیث عورت تھی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیب اور پاک تھے اور آپ کے لائق طیبہ اور پاک عورت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طیبہ تھیں اور وہی آپ کی شان کے لائق تھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر میں الخبیثات سے مراد بری باتیں ہیں اور دوسری تفسیر میں الخبیثات سے مراد بری عورتیں ہیں' امام ابن جریر طبری نے پہلی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۸ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو القاسم طبرانی نے ان دونوں تفسیروں کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر' زید بن اسلم' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' ضحاک' مجاہد وغیرہم سے روایت کیا ہے:

(المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث: ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ، امام علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ، امام الحسین بن محمد بغوی متوفی ۵۱۶ھ، امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ، امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے پہلی تفسیر کو ترجیح دی ہے، یعنی الخبیثات سے مراد بری باتیں اور الطیبات سے مراد اچھی باتیں ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۶۴، الوسیط ج ۳ ص ۳۱۴، معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۸۴، زاد المسیر ج ۶ ص ۲۶، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۵۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۹۵، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰۷)

ہم نے اس ترجمہ کو اختیار کیا ہے جو راجح تفسیر کے مطابق ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مغفرت سے مراد دنیا میں گناہوں سے محفوظ رہنا اور آخرت میں بخشش ہے اور رزق کریم سے مراد جنت کا رزق اور ثواب عظیم ہے، سعید بن جبیر اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث: ۲۵۹، ۲۵۴، ۲۵۳، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۹)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۷ھ)

اگر یہ کہا جائے کہ اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری برأت کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل فرمائے گا لیکن اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خواب دکھا دے گا جس سے میری برأت ظاہر جائے گی، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا قصد نہیں کیا تھا کہ میری برأت میں سورہ نور کی دس آیتیں نازل فرما دیں۔ (النور: ۲۰-۱۱) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

اور یہاں آپ نے یہ لکھا ہے کہ سورہ نور کی سولہ آیتیں (النور: ۲۶-۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہوئی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ دس آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے گھر اس معاملہ میں گفتگو کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے، جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر فرمایا ہے اور بقیہ چھ آیتیں بعد میں نازل ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ کل سولہ آیات ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ

اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ○

لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ

اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم

قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا

عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ

خوب جاننے والا ہے ○ اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان

فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ

ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو ○ آپ

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ

مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے

اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو ○ اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠

کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں،

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ

اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں، یا اپنے باپ دادا پر، یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر،

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا

بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ

اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر، یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ

اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ

باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں

الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ

پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان

بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى

کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں اور اے مسلمانو! تم سب

اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اَنْكِحُوا

اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ اور تم اپنے بے نکاح

الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا

مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو

فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾ وَ

اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے ○ اور

لْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ

انہیں غنی کر دے، اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب

فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ

کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں

اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ

سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے' اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو

تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ

تاکہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے

اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ

جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور بے شک ہم نے

آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

تم لوگوں کی طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' اور ہم نے

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾ ع

متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو' جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے' اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ○ (النور: ۲۸-۲۷)

بغیر اجازت گھروں میں داخلہ کی اور دیگر آداب کے متعلق احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر یہ کرم فرمایا کہ ان کے دلوں میں رہنے کے لیے گھر بنانے کا خیال القا کیا' اور یہ کہ وہ اپنے گھروں کو لوگوں سے مستور رکھیں اور ان کو اپنے گھروں میں رہائش کا سامان فراہم کرنے کی توفیق دی اور ایسے احکام شرعیہ نافذ کیے کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو تاکہ اس کی مستور خواتین اور اس کا قیمتی ساز و سامان اور اس کی پوشیدہ چیزیں اور مخفی خزانے دوسروں سے محفوظ رہ سکیں۔

اس آیت میں تستانسوا کا لفظ ہے اس کا لغوی معنی ہے حتیٰ کہ تم مانوس ہو جاؤ' اور اس آیت میں یہ لفظ تستاذنوا کے معنی میں ہے کیوں کہ جب کوئی شخص اجازت لینے کے بعد کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ گھر والوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں اس حال میں ہوتی ہوں کہ اس حال میں میں یہ نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے خواہ میرا والد ہو یا میرا بیٹا ہو اور ہمارے گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور میں ایسے حال میں ہوتی ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۲۰)

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو وہ اجازت طلب کریں' ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے پوچھا کیا کسی شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی ماں اور محارم کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت طلب کرے' انہوں نے کہا ہاں! عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کوئی شخص اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا میرے علاوہ اس کا اور کوئی خدمت گار نہیں ہے' کیا میں پھر بھی داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کروں؟ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اس کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے' اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم اس سے اجازت لے کر داخل ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۲۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خوف زدہ حالت میں آئے انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اجازت طلب کی' مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس آ گیا' حضرت عمر نے کہا تم کیوں چلے گئے تھے! میں نے کہا میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تھی مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس چلا گیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے' حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم تم ضرور اس حدیث پر کوئی گواہی پیش کرو گے' پس کیا تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا اللہ کی قسم! مسلمانوں میں سے سب سے کم عمر شخص اس حدیث کی شہادت دے گا' حضرت ابو سعید خدری نے کہا میں سب سے کم عمر تھا میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور میں نے حضرت عمر کو خبر دی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۸۴۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۱۰)

تین دفعہ سلام کرنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ جب تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد گھر والا اندر آنے کے لیے نہ کہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والا اس کو بلانا نہیں چاہتا یا ممکن ہے اس کو کوئی ایسا عذر ہو جس کی وجہ سے وہ سلام کا جواب نہ دے سکے اور اس کو نہ بلا سکے۔ ربعی بیان کرتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا جاؤ' اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ' اور اس سے کہو کہ یوں کہے: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس شخص نے یہ سن کر کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی اور وہ داخل ہو گیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملاقات کے لیے آئے' اور آپ نے فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بہت آہستہ سے جواب دیا' قیس کہتے ہیں میں نے حضرت سعد سے پوچھا کیا آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں دیتے! انہوں نے کہا رہنے دو وہ ہم کو زیادہ دفعہ سلام کریں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت سعد نے پھر بہت آہستہ جواب دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ گئے اور سعد آپ کے پیچھے گئے' اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آپ کا سلام سن لیا تھا اور آپ کو قصداً آہستہ جواب دیا تھا تا کہ آپ زیادہ بار سلام کریں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ چلے گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵' بیروت ۱۴۱۴ھ)

جب کوئی شخص کسی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور پوچھا جائے کہ کون ہے؟ تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے قرض کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا پس میں نے دروازہ کھٹکھٹایا' آپ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں' آپ نے فرمایا میں' میں! گویا آپ نے اس جواب کو مکروہ قرار دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۴۱۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گئے اور کہا السلام علیکم یہ عبداللہ بن قیس ہیں! حضرت عمر نے اجازت نہیں دی' انہوں نے دوبارہ کہا السلام علیکم یہ ابوموسیٰ ہے' پھر کہا السلام علیکم یہ الاشعری ہے! پھر واپس چلے گئے' حضرت عمر نے کہا ان کو میرے پاس واپس لاؤ' ان کو واپس لایا گیا' وہ آ گئے' پوچھا اے ابو موسیٰ! تم کیوں واپس چلے گئے؟ ہم کام میں مشغول تھے' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم تین مرتبہ اجازت طلب کرو' اگر اجازت مل جائے تو فبہا ورنہ واپس چلے جاؤ' حضرت عمر نے کہا تم اس حدیث پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۱۵۳' الرقم المسلسل: ۵۵۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۱)

اگر کسی کے گھر کا دروازہ بند ہو تو اس کی جھریوں سے جھانکنا ممنوع ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے تمہارے گھر میں جھانکے اور تم لاٹھی سے اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر گھر کا دروازہ بند ہو تو اس کی جھریوں سے اندر جھانکنا ممنوع ہے اور اگر گھر والے نے جھانکنے والے کی آنکھ تیر یا کسی لکڑی سے پھوڑ دی تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے' فقہاء مالکیہ نے اس صورت میں قصاص لازم کیا ہے اور کہا ہے کہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے' اور اس حدیث کو انہوں نے تغلیظ اور ترہیب پر محمول کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ معصیت کو معصیت سے دفع کرنا جائز نہیں ہے' جمہور نے اس کے جواب میں کہا کسی کے گھر میں جھانکنا معصیت ہے اور جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا معصیت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کے لیے اس پر حملہ کرے تو مدافعت میں اس کو قتل کرنا جائز ہے اور معصیت نہیں ہے' اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانک کر کسی کی بیوی یا بیٹی کا چہرہ دیکھے تو وہ اس پر سخت مشتعل ہوتا ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مباشرت کر رہا ہو یا وہ یا اس کی بیوی برہنہ ہو اس لیے جھانکنے والا اس سزا کا مستحق ہے' اور اگر گھر والے کی اپنی تقصیر ہو کہ اس نے دروازہ بند نہیں کیا' کھلا چھوڑ دیا پھر کسی نے ان کی طرف دیکھا تو پھر اس کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں اور اگر اس نے کھلے ہوئے دروازے سے قصداً دیکھا تو اس میں دو قول ہیں صحیح یہ ہے کہ اب بھی دیکھنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے

اور اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت سے دوسروں کے گھروں میں جھانکے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔(فتح الباری ج ۱۴ص ۲۳۹-۲۳۸'مطبوعہ دارالفکر بیروت'۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کی اجازت اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب وہ قصداً جھانکے' اور اگر اس کی اتفاقاً نظر پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اس حدیث سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو اس صورت میں آنکھ پھوڑنے پر قصاص لازم نہیں کرتے اور اس کے خون کو ضائع قرار دیتے ہیں اور اس حدیث میں اس کا جواز ہے اور کسی ہلکی چیز سے اس کو مارنا چاہیے' ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث تہدید (دھمکانے) اور تغلیظ پر محمول ہے' اس میں اختلاف ہے کہ آیا خبردار کرنے سے پہلے آنکھ پھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ پھر بھی جائز ہے۔(عمدۃ القاری جز ۲۲ص ۲۳۹'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر'۱۳۴۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے' اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو یا جس کو تم چھپاتے ہو O (النور:۲۹)

بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی) عمارات کی تعیین

جب بغیر اجازت کے گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئی کہ مدینہ سے مکہ کے راستے میں اور دوسرے راستوں میں رفاہ عام کے لیے مکان بنے ہوئے تھے جن میں لوگ عارضی قیام کرتے تھے' اس طرح وہاں دکانیں' سرائے' ہوٹل' سبیل اور بیت الخلاء وغیرہ بنے ہوتے تھے جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تھا نہ وہ شخصی ملکیت ہوتے تھے اور ان میں بغیر اجازت داخلہ کی ممانعت میں عام مسافروں اور مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام عبدالرحمان جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی مکانات) کے مصداق میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا اس سے مراد سرائے' بیت الخلاء اور گودام وغیرہ ہیں جن میں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔

(۲) عطاء نے کہا اس سے مراد ویران مکان' کھنڈرات اور بیت الخلاء ہیں۔

(۳) محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد مکہ کے مکان ہیں کیونکہ وہ وقف عام ہیں ان کا کوئی مالک نہیں' (یہ صرف امام مالک کا مذہب ہے' جمہور کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔الحج: ۲۵ میں ہم اس پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں)

(۴) ابن نوید نے کہا اس سے مراد تاجروں کی دکانیں ہیں جو راستوں میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۵) ابن جریج نے کہا اس سے مراد تمام غیر رہائشی مکانات ہیں کیونکہ داخل ہونے کے لیے اجازت کی شرط مکان میں رہنے والوں کے اعتبار سے ہے اور جب وہاں کوئی رہنے والا نہ ہو تو پھر یہ شرط بھی نہیں ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ص ۲۹'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت'۱۴۰۷ھ)

اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا جو عمارتیں کسی خاص شخص یا قوم کی ذاتی ملکیت نہ ہوں اور وہاں عام افراد کو آنے جانے کی ممانعت نہ ہو' اور وہاں ٹھہرنے اور ان کو استعمال کرنے کی عام اجازت ہو جیسے ہوٹل' مسافر خانے' سرائے' اسٹیشن اور ہوائی اڈے کی عمارت' مسجدیں' خانقاہیں' دینی مدارس' ہسپتال' ڈاک خانے اور اس طرح کی دوسری عمارتیں' اور جس جگہ داخلہ کی پابندی ہو وہاں داخل ہونے کی جو شرائط مقرر کی گئی ہوں' ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے' بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو O (النور: ۳۰)

مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کے متعلق احادیث

اس سورت کے شروع میں زنا سے ممانعت فرمائی ہے اور زنا کا پہلا محرک اور سبب اجنبی عورتوں کو دیکھنا ہے اس لیے اس آیت میں مردوں کو اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ سعید بن ابی الحسن نے حسن بصری سے پوچھا کہ عجمی عورتیں اپنے سینوں اور سروں کو کھلا رکھتی ہیں؟ انہوں نے کہا تم اپنی آنکھوں کو ان سے دور رکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ (النور: ۳۰)

زہری نے کہا جن نابالغ لڑکیوں پر شہوت آئے ان کے جسم کے کسی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کم عمر ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الاستیذان باب: ۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے پچھلے حصے پر اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو بٹھالیا' اور حضرت فضل بن عباس بہت خوب صورت تھے' یہ دس ذوالحجہ کا دن تھا لوگ آپ سے مسائل پوچھ رہے تھے' اور آپ ان کو جواب دے رہے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک حسین عورت آئی وہ بھی آپ سے سوال کر رہی تھی' حضرت فضل کو اس عورت کی خوب صورتی اچھی لگی وہ اس کی طرف دیکھنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت فضل کو اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا' آپ نے حضرت فضل کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے پکڑی اور ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے دوسری جانب پھیر دیا' اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور اس کا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا' آیا وہ اس کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۶۲۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! راستوں میں بیٹھنے کے سوا تو ہمارا گزارا نہیں ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو پھر تم راستوں کا حق ادا کرو' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! راستوں کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نظر نیچی رکھنا' راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا' سلام کا جواب دینا' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کا زنا سے حصہ لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائے گا پس آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' اور زبان کا زنا بات کرنا ہے' نفس تمنا کرتا اور خواہش کرتا ہے اور اس کی شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا' آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً نظر ہٹالوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۲۴' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۴۰۳' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶' سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۰-۸۹)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو' کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر معاف ہے' دوسری نہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۲۴' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۱' المستدرک ج ۲ ص ۱۹۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی کسی عورت کی طرف پہلی نظر ڈال کر نظر نیچی کر لیتا ہے اللہ اس کے لیے ایسی عبادت پیدا کر دیتا ہے جس میں حلاوت ہوتی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۴۲' شعب الایمان' رقم الحدیث: ۵۴۳۱' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں' جب تم میں سے کوئی شخص بات کرے تو جھوٹ نہ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی نہ کرے' اور جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنی نظریں نیچی رکھو' اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو' اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۰۱۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس شخص نے اللہ کے خوف کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا اللہ عزوجل اس کے دل میں ایمان کی حلاوت پیدا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کا اخراج نہیں کیا۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۷۹۴۵' اس کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رو رہی ہو گی سوا اس آنکھ کے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر جھک گئی اور سوا اس آنکھ کے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور سوا اس آنکھ کے جس سے اللہ کے خوف سے آنسو کا ایک ننھا سا قطرہ بھی نکلا۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۷۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۳۵۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں' اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں' یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں' اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور: ۳۱)

عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کے متعلق احادیث

اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت اور ممانعت سے شروع فرمایا ہے اور زنا کا مقدمہ یہ ہے مرد اجنبی عورت کی طرف

دیکھے اور عورت اجنبی مرد کی طرف دیکھے' اس سے پہلی آیت میں مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس آیت میں عورتوں کو اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے' اس ممانعت کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ اور آپ کی دوسری زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے' یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمیں حجاب میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں اس سے حجاب میں چلی جاؤ' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہے' یہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکے گا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو' کیا تم اس کو نہیں دیکھ رہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۱۲' مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۲۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۷۵' المعجم الکبیر ج ۲۳' رقم الحدیث: ۶۷۸' ۹۵۶' سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۱)

اس حدیث کے بظاہر معارض اور خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوعمرو بن حفص نے ان کو طلاق بائن دے دی اور وہ غائب تھے' پھر انہوں نے اپنے وکیل کے ہاتھ کچھ جو بھیجے وہ اس وکیل پر ناراض ہوئیں' اس وکیل نے کہا اللہ کی قسم! ہم پر تمہاری کوئی چیز واجب نہیں ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت فاطمہ بنت قیس نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا اس پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے' پھر آپ نے ان کو حضرت ام شریک کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا' پھر آپ نے فرمایا وہ ایسی عورت ہے کہ اس کے پاس میرے اصحاب کا جمگھٹا لگا رہتا ہے تم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارو' وہ نابینا شخص ہے' تم اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا' حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ تو کندھے سے اپنی لاٹھی اتارتے ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو' تو میں نے ان کو ناپسند کیا (کیونکہ یہ آزاد تھیں اور وہ غلام زادے تھے) آپ نے فرمایا تم اسامہ سے نکاح کرلو' میں نے ان سے نکاح کرلیا تو اللہ نے اس نکاح میں خیر رکھ دی اور مجھ پر رشک کیا جاتا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کی زیارت کرتے تھے اور ان کی نیکی کی وجہ سے بہ کثرت ان کے پاس آتے جاتے تھے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے تھی کہ اگر حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کے گھر عدت گزاری تو ان کو حرج ہوگا کیونکہ ان کو آنے جانے والوں سے پردہ کرنے میں مشکل ہوگی اس لیے ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزاریں کیونکہ ایک تو وہ ان کو دیکھ نہیں سکیں گے دوسرے ان کے گھر آنے جانے والے نہیں ہیں' اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ جس طرح قرآن مجید نے مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے' اور حضرت ام سلمہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے حضرت ابن ام مکتوم کے آنے پر فرمایا تھا تم دونوں تو اندھی نہیں ہو' اور

حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ابن ام مکتوم کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے گھر میں اپنی طرف دیگر مردوں کے دیکھنے سے مامون رہیں گی اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان کو وہاں بھی حضرت ابن ام مکتوم کے سامنے نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہوگا البتہ حضرت ام شریک کی بہ نسبت ان کے گھر میں ان کے لیے عدت گزارنا آسان ہوگا۔

(شرح مسلم مع مسلم ج ٦ ص ٤٠٤٦، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، زینت دو قسم کی ہے، ایک ظاہری زینت ہے وہ عورتوں کا لباس ہے اور ایک مخفی زینت ہے وہ عورتوں کے زیورات ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٩٦٤٤)

سوا اس کے جو خود ظاہر ہو، سعید بن جبیر اور عطاء نے کہا اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زینت ظاہرہ چہرہ اور آنکھ کا سرمہ ہے اور ہاتھوں کی مہندی ہے اور انگوٹھی ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو گھر میں آنے جانے والوں پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٩٦٥٥، ١٩٦٥٣، ١٩٦٥٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہجرت کرنے والی خواتین پر رحم فرمائے جب یہ آیت نازل ہوئی: ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے اور ان سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٩٦٦٥)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنی زیبائش صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں عورتوں کے ان محارم وغیرہ کا ذکر کیا ہے جن پر زیبائش کو ظاہر کیا جا سکتا ہے، اس زیبائش سے مراد زیورات وغیرہ ہیں اور رہے عورتوں کے بال تو ان کو ان کے شوہروں کے سوا اور کسی کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٩٦٦٩)

جن محارم وغیرہ کے سامنے عورت اپنی زیبائش کو ظاہر کر سکتی ہے اس میں اپنی خواتین اور اپنی مملوکہ باندیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ غیر مسلم عورتوں کے سامنے عورت کے لیے اپنی زیبائش کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

ابن جریج نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس سے مراد مسلم خواتین ہیں اور کسی مسلم خاتون کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باطنی زینت کسی مشرکہ کو دکھائے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کی باندی ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٩٦٧١)

اور فرمایا: اور اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو: اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کا مقصد صرف کھانا پینا ہو اور ان کو عورتوں کی بالکل خواہش نہ ہو اور جس نوکر یا خادم کو عورتوں کی طرف رغبت ہو اس کو گھروں میں عورتوں کے پاس نہ جانے دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس ایک مخنث آتا جاتا تھا اور گھر والوں کو یہ گمان تھا کہ اس کو عورتوں کی خواہش نہیں ہے، ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور وہ آپ کی ازواج کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ ایک عورت کی تعریف کر رہا تھا کہ وہ اتنی موٹی ہے کہ اس کے جسم پر سلوٹیں پڑتی ہیں جب وہ آتی ہے تو اس کے جسم پر چار سلوٹیں پڑتی ہیں اور جب وہ جاتی ہے تو اس کے جسم پر آٹھ سلوٹیں پڑتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ ان تمام چیزوں کو سمجھتا ہے، یہ تمہارے پاس نہ آیا کرے، پھر ازواجِ مطہرات اس سے پردہ کرنے لگیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢١٨١، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤١٠٧، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٩٢٤٧)

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا اس سے مراد مخنث ہے، ابن المنذر نے کلبی سے روایت کیا کہ اس سے مراد خصی اور عنین (نامرد) ہے۔ (الدر المنثور ج ٦ ص ١٨٥، ١٨٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٤ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں۔

یعنی کوئی عورت فرش پر زور زور سے پیر مار کر اس طرح نہ چلے کہ اس سے اس کی پازیب کی آواز گھر سے باہر سنائی دے۔ جس عورت نے خوشی سے یا اتراتے ہوئے ایسا کیا تو اس کا یہ عمل مکروہ ہے اور اگر اس نے مردوں کو دکھانے' سنانے اور ان کو لبھانے کے لیے ایسا کیا تو اس کا عمل مذموم اور حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو' اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا' اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے O (النور: ۳۲)

ایامیٰ کا معنی

اس سورت کے زیادہ تر احکام زنا اور اس کے دواعی اور محرکات کے سدباب اور عفت اور پاکیزگی اور پاک دامنی سے متعلق ہیں اور نکاح کرنا زنا کے سدباب کا ایک بہت قوی ذریعہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں جو بے نکاح مرد اور عورتیں ہوں ان کا نکاح بھی کرو اور تمہارے خادموں اور خادماؤں میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح بھی کر دو۔

ایامیٰ ایم کی جمع ہے' ایم اصل میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت کنواری ہو یا بیوہ' ابوعبید نے کہا ہے کہ ہر چند کہ ایم کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے لیکن اس کا غالب استعمال عورتوں کے لیے ہوتا ہے' بہرحال اس آیت میں ایامیٰ کا معنی ہے بے نکاح مرد اور بے نکاح عورتیں۔

عبدالنبی نام رکھنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: والصلحین من عبادکم وامائکم یعنی تم اپنے نیک بے نکاح غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو' اس آیت میں عبد کی اضافت مخلوق کی طرف کی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ عبدالنبی نام رکھنا جائز ہے' اور یہاں عبد کا معنی غلام ہے اور جب عبداللہ کہا جاتا ہے تو وہاں عبد کا معنی بندہ ہوتا ہے' عربی میں غلام کو عبد کہا جاتا ہے اور اردو میں عبد بہ معنی بندہ لیا جاتا ہے لہٰذا عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنا جائز ہے شرک نہیں ہے' شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کے تحت لکھا ہے: علی بخش' حسین بخش' عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا (بہشتی زیور ج ا ص ۳۵' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور) ظاہر ہے قرآن مجید کی اس نص قطعی کے مقابلہ میں تھانوی صاحب کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ہمارے عرف میں عبد کا اطلاق صرف بندے پر کیا جاتا ہے غلام پر نہیں کیا جاتا' اس لیے عبدالنبی کے بجائے غلام نبی نام رکھنا چاہیے' علامہ شامی نے عبدالنبی نام رکھنے کو ممنوع لکھا ہے' (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۹' استنبول)' اس کی مفصل تحقیق ہم اس سے پہلے تبیان القرآن ج ا ص ۱۸۷ میں کر چکے ہیں۔

نکاح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

لغت میں نکاح کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے اور شریعت میں نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی عورت کے جسم سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنایا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کی شہوت معتدل ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اور اگر کسی انسان پر شہوت بہت غالب ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے اور جب اس کو اپنے نفس پر ظلم کا خدشہ ہو (یعنی وہ سخت گیر آدمی ہے اور بیوی پر ظلم کرے گا) تو پھر اس کا نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے۔

جو نکاح بغیر تشہیر کے خفیہ کیا جائے اس کو نکاح السّر کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے یہ دس روپے لو میں اس کے عوض دس دن تم سے جماع کروں گا تو اس کو نکاح المتعة یا النکاح الموقت کہتے ہیں یہ نکاح باطل اور حرام ہے' اگر کوئی شخص کسی کی بہن سے نکاح کرے اور مہر کے بجائے یہ مقرر کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کی بہن سے نکاح کرلے تو اس کو نکاح الشغار کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور فریقین کو مہر مثل دینا لازم ہوگا' اور اگر کوئی شخص فریقین میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اجازت لیے بغیر کسی مرد اور عورت کا معروف طریقہ سے نکاح کردے تو یہ نکاح الفضولی کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب فریقین اس نکاح کو برقرار رکھیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء ج ۳ ص ۲۹۰-۲۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایمان اور نکاح کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک مشروع رہی ہو' اور فقہاء کے نزدیک نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس سے مرد کا عورت کے جسم سے فائدہ حاصل کرنا حلال ہو جائے جب کہ کوئی شرعی مانع نہ ہو' عورت کی قید سے مرد' خنثیٰ مشکل' اور جنّیہ خارج ہو گئے اور مانع شرعی کی قید سے محارم خارج ہو گئے۔ البتہ حسن نے جنّیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے' نکاح کا لفظ جماع کرنے میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے' نکاح فریقین میں سے کسی ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے' اور اس میں دو آزاد مسلمان مکلف گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو ایجاب اور قبول کرنے والوں کا کلام معاً سن رہے ہوں خواہ وہ فاسق ہوں' یا مردود الشہادۃ ہوں یا نابینا ہوں۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۶۷' ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مجلس نکاح میں دو گواہوں کے معاً سننے کی قید سے واضح ہو گیا کہ ٹیلی فون پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے' نیز اگر دو ٹیلی فون سیٹ رکھ لیے جائیں اور دو آدمی معاً ایجاب و قبول کو ان دو ٹیلی فون سے معاً سن رہے ہوں تب بھی یہ جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور قانون میں ٹیلی فون پر بات سننے والے کو گواہ نہیں قرار دیا جاتا سو شرعاً بھی ان کو گواہ نہیں قرار دیا جائے گا' لہٰذا ٹیلی فون پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نکاح کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے' کیونکہ نکاح نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے' اور جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے' کیونکہ روزے شہوت کو کم کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے اسے چاہیے کہ وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کے تقویٰ کے بعد مؤمن کی سب سے بڑی خیر یہ ہے کہ اس کی نیک بیوی ہو' اگر وہ اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے' اگر وہ اس کی طرف دیکھے

تو وہ اس کو خوش کرے اور اگر وہ اس کے اوپر کوئی قسم کھائے تو وہ اس کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت (نیک بختی) سے تین چیزیں ہیں نیک بیوی، آرام دہ مکان اور آرام دہ سواری، اور ابن آدم کی شقاوت (بدبختی) سے تین چیزیں ہیں، بری بیوی، بے آرام مکان اور بری سواری۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۲۱، المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نے نکاح کرلیا تو اس کا نصف ایمان کامل ہو گیا اب اس کو چاہیے کہ باقی نصف میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم تین شخصوں کی مدد اپنے ذمہ لے لی ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو (جس غلام کو اس کا مالک یہ کہہ دے تم اتنی رقم ادا کردو تو آزاد ہو اس کو مکاتب کہتے ہیں اور اس رقم کو بدل کتابت کہتے ہیں) اور وہ شخص جو پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۱۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۰)

ابو نجیح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خوش حال ہو اور نکاح کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۳۶۶، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۹۳، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۸۲، ۵۴۸۱، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں چند مسلمان آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، جب انہیں آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور انہوں نے کہا کہاں ہم کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک اللہ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام بخش دیئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا رہا میں، تو میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں گا، اور دوسرے نے کہا میں ساری عمر مسلسل روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہیں کروں گا، اور تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح، اس طرح کہا تھا، اور میں بے شک اللہ کی قسم تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں (نفلی) روزہ رکھتا ہوں، اور (نفلی) روزہ چھوڑتا بھی ہوں، اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے اس کے جمال، اس کے مال، اس کے اخلاق اور اس کی دینداری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، تم اس کی دین داری اور اس کے اخلاق کے سبب کو لازم کر لو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۱۲، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۰۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۲۶، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے

نکاح کرے گا اللہ اس شخص کی ذلت میں اضافہ کرے گا' اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ عزوجل اس کے فقر میں اضافہ کرے گا' اور جو شخص کسی عورت سے اس کے منصب کی وجہ سے نکاح کرے گا' اللہ عزوجل اس کی پستی میں اضافہ کرے گا' اور جو شخص کسی عورت سے اس وجہ سے نکاح کرے گا کہ اس کی نظر نیچی رہے' یا اس کی شرم گاہ گناہ سے بچی رہے' یا رشتہ جوڑنے کے لیے نکاح کرے گا' اللہ اس شخص کو اس نکاح میں برکت دے گا اور اس عورت کو بھی اس نکاح میں برکت دے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۲۷' الترغیب والترھیب للمنذری رقم الحدیث: ۲۸۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۴)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک عزت والی مال دار اور منصب والی عورت مل رہی ہے لیکن اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے اس کو منع کیا وہ پھر آیا تو آپ نے اس کو پھر منع کیا' پھر وہ تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچے دینے والی عورت سے نکاح کرو' کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۷' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں' ختنہ کرنا' عطر لگانا' مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۹۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰۸۵' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۳۵۴۹)

نکاح کے شرعی حکم میں مذاہبِ فقہاء

امام شافعی نے کہا نکاح کرنا کھانے پینے کی طرح مباح ہے' امام مالک نے کہا نکاح کرنا مستحب ہے' امام ابوحنیفہ نے کہا غلبہ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے' عام حالات میں سنت ہے اور اگر ظلم اور جور کا خدشہ ہو تو پھر نکاح کرنا مکروہ ہے۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں: نکاح کرنے کے شرعی حکم میں تین مذاہب ہیں:

(۱) جس شخص کو یہ خطرہ ہے کہ اگر اس نے نکاح نہیں کیا تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو عام فقہاء کے نزدیک اس پر نکاح کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے دور رکھے۔

(۲) جس شخص میں شہوت ہو اس کے باوجود اس کو اطمینان ہو کہ وہ گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اور نفلی عبادات میں مشغول رہنے سے اس کا نکاح کرنا افضل ہے' اور یہ اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ظاہر قول اور ان کا فعل ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میری زندگی کے صرف دس دن باقی رہ جائیں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں آخری دن فوت ہو جاؤں گا اور مجھے ان ایام میں نکاح کرنے کی طاقت ہو تو میں فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے نکاح کروں گا' حضرت عمر نے ابوالزوائد سے کہا نکاح نہ کرنے کی صرف دو وجہیں ہیں تم میں طاقت نہیں یا تم گناہ کرتے ہو' المروزی کی روایت ہے امام احمد نے کہا مجرد رہنا اسلام سے نہیں ہے اور جس نے تم کو نکاح نہ کرنے کی دعوت دی اس نے تم کو غیر اسلام کی دعوت دی' اور امام شافعی نے کہا نکاح کرنے سے عبادت کے لیے فارغ رہنا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح نہ کرنے کی وجہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کی اور فرمایا:

سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وہ سردار اور نفس پر ضبط (کنٹرول) کرنے والے تھے۔ (آل عمران: ۳۹)

الحصور اس شخص کو کہتے ہیں جو عورتوں کی طرف میلان نہ کرے' اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو نکاح نہ کرنے کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ ان کی تعریف نہ فرماتا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ (آل عمران: ۱۴)

عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت لوگوں کے لیے خوش نما بنا دی گئی ہے۔

اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو اس آیت میں عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت کو بطور مذمت نہ ذکر کیا جاتا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال: ۲۸)

اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض فتنہ ہیں اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ کے پاس بہت عظیم اجر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن: ۱۴)

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں' سوان سے خبر دار رہو۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب بعض مسلمانوں نے بیوی اور بچوں کی محبت میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی حالانکہ اس وقت ہجرت کرنے کا بہت مؤکد حکم تھا پھر انہوں نے کافی عرصہ کے بعد ہجرت کی۔ اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ بیوی اور بچوں کی محبت میں عبادات سے غافل ہو جاتے ہیں اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جنہوں نے ایسا کیا سو وہ بہت ہی نقصان اٹھانے والے لوگ ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۰)

اور یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور خوش نمائی ہے اور ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر سبقت ہے اس کی مثل اس بارش کی طرح ہے جس کا زمین میں فصل کو اگانا کسانوں کو اچھا لگتا ہے' پھر جب وہ کھیتی خشک ہو تو تم اس کو زرد رنگ کی دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور (اگر کوئی آزمائش میں پورا اترا تو) اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

اگر کوئی شخص آزمائش میں پورا نہ اترا تو مال اور اولاد میں سبقت سے دنیا میں بربادی اور آخرت میں عذاب کا سامنا ہوگا' اس لیے سلامتی اور امن اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر ضبط کر سکتا ہو تو وہ نکاح کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مصروف رہے' نیز نکاح' خرید و فروخت کی طرح ایک عقد معاوضہ ہے اس لیے نکاح کرنے سے عبادت میں مشغول رہنا افضل ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر برانگیختہ کیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور روزے ترک بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے' اور صحیح

بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی خصی ہونے کی درخواست کو مسترد کر دیا اور اگر آپ اجازت دے دیتے تو ہم سب خصی ہو جاتے۔

(۳) جس شخص میں شہوت نہ ہو خواہ اس میں شہوت پیدا نہ کی گئی ہو جیسے نامرد ہوتا ہے یا اس میں شہوت تو ہو لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے وہ شہوت ختم ہو گئی ہو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کے لیے بھی نکاح کرنا مستحب ہے جیسا کہ عمومی دلائل کا تقاضا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہے کیونکہ وہ نکاح کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔

(المغنی ج ۷ ص ۵-۴ ملخصا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے ○ (النور: ۳۴-۳۳)

جو شخص مجرد ہو وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھے

اس آیت میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جو اپنے معاملات کے خود مالک ہوں اور ان کے کاموں کی لگام کسی اور کے ہاتھ میں نہ ہو کیونکہ جس کے معاملات کسی اور کے اختیار میں ہوں وہ اپنے معاملات میں خود تصرف نہیں کر سکتا جیسے نابالغ یا کم عقل کے تصرفات پر ان کا سرپرست پابندی لگا دیتا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اپنی پاکیزگی برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے جب کہ ان کے لیے نکاح کرنا مشکل ہو زیادہ تر نکاح کرنا مشکل اس وقت ہوتا ہے جب انسان کے پاس نکاح کرنے کی گنجائش نہ ہو اس لیے فرمایا: کہ ایسے لوگ اپنی پاکیزگی قائم رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے اور ان کے لیے ایسے اسباب اور وسائل مہیا کر دے جن سے وہ آسانی کے ساتھ نکاح کر سکیں۔

جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نکاح کرے اور اگر وہ نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ بدکاری نہ کرے اور اپنی عفت کو برقرار رکھے اگر اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے اس آیت میں نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اوپر کنٹرول رکھے اور ضبط نفس کرے اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں بتائی اگر کوئی اور جواز کی صورت ہوتی تو وہ بتا دیتا اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ استمناء کرنا جائز ہے البتہ امام احمد نے استمناء کو جائز کہا ہے اور فقہاء احناف نے بھی کہا ہے کہ جب کسی شخص کو زنا کا خطرہ ہو وہ کم تر برائی کے درجہ میں استمناء کر لے۔

نیز اس آیت میں فرمایا تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کے بعض احکام

اسلام نے غلامی کو بتدریج ختم کیا ہے غلام کو آزاد کرنے پر دوزخ سے نجات کی بشارت دی قتل خطاء ظہار قسم توڑنے

اور روزہ توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا' غلام کو مکاتب کرنا بھی غلامی کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے ایک شخص اپنے غلام سے یہ کہتا ہے کہ تم مثلاً پانچ ہزار روپے مجھے لا کر دو تو تم آزاد ہو اس فعل کو مکاتبت کہتے ہیں اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں' اب اس غلام کے ذمہ یہ ہے کہ وہ محنت مزدوری کرے اور اپنے آقا کو وہ رقم لا دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی مد میں ایک یہ شق بھی رکھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور مسلم معاشرہ میں مسلمان اپنے ایک غلام بھائی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے رقم خرچ کریں' اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس مال کو غلام آزاد کرانے میں خرچ کرو۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض انصار کی ایک باندی تھی مسیکہ اس نے کہا میرا مالک مجھے زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۷۴۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۵۲۲' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش کا ایک شخص قید ہو گیا یہ قیدی عبداللہ بن ابی ابن سلول کے گھر میں تھا اور عبداللہ بن ابی کی ایک معاذہ نام کی باندی تھی' وہ قیدی اس سے زنا کرنا چاہتا تھا' وہ باندی مسلمان تھی وہ اسلام کے احکام کی وجہ سے منع کرتی تھی اور ابن ابی اس کو مارتا تھا اور اس کام پر مجبور کرتا تھا' کیونکہ اسے امید تھی کہ وہ باندی اس قیدی سے حاملہ ہو جائے گی اور ابن ابی اس قیدی سے اس بچہ کا فدیہ طلب کریگا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر امام عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی باندی زمانہ جاہلیت میں زنا کراتی تھی' جب اسلام نے زنا کو حرام کر دیا تو ابن ابی نے اس سے کہا کیا تم اب زنا نہیں کراؤ گی اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں اب کبھی بھی زنا نہیں کروں گی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۴۷' مسند البزار ج ۷ ص ۸۳)

اس آیت میں فرمایا ہے اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ پاک دامن نہ رہنا چاہیں تو پھر تم ان کو بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال ان پر ہو گا جو مفہوم مخالف کے قائل ہوں' رہے ہم احناف تو ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جو فرمایا ہے اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ یہ قید بیان واقع کے لیے ہے' کیونکہ صورت واقعیہ یہی تھی کہ بعض مسلمان باندیاں زنا سے بچنا چاہتی تھی اور ان کے منافق مالکان اجرت کے لالچ میں ان کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ جب تمہاری باندیاں زنا سے بچنا چاہتی ہیں تو تم ان کو زنا پر مجبور نہ کرو' تیسرا جواب یہ ہے کہ جبر کی صورت اسی وقت متحقق ہو گی جب باندیاں بدکاری سے بچنا چاہتی ہوں اور جب وہ خود بدکاری کی طرف مائل ہوں اور شوق سے بدکاری کرتی ہوں تو پھر انہیں بدکاری پر مجبور کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب وہ پاک دامنی کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے' کیونکہ جب وہ پاک دامنی کا ارادہ نہیں کرتیں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنے کی کب ضرورت ہو گی النور: ۳۴ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی

طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) قرآن مجید کی آیات واضح، روشن اور مفصل ہیں۔ (۲) اس میں تم سے پہلے لوگوں کی مثالیں ہیں یعنی جس طرح تورات اور انجیل میں حدود قائم کرنے کے احکام تھے اسی طرح قرآن میں بھی ہیں۔ (۳) اس میں متقین کے لئے نصیحت ہے ہر چند کہ قرآن مجید کی نصیحت تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن چونکہ قرآن کی نصیحت سے صرف متقین ہی فائدہ حاصل کرتے ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے' اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں

مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ

چراغ ہو' وہ چراغ یک فانوس میں ہو' وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے' وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی'

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

عنقریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے' وہ نور بالائے نور ہے'

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ

اللہ جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ جن گھروں کے بلند کیے جانے اور

يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ

ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے' ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ○ وہ مرد

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ

جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر' اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے

الزَّكٰوةِ ۙۛ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں ○

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے، اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے، اور اللہ جس کو

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ

چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ○ اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی

بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا

مثل ہیں جس کو پیاسا دور سے پانی گمان کرتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

اور وہ اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے جو اس کو اس کا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّـجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ

یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن کو موج بالائے موج ڈھانپے ہوئے ہے،

فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ

اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں، جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے

لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ

تو اس کو دیکھ نہ سکے اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے تو اس کے لیے

مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

کوئی نور نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ ایک فانوس میں ہو، وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو، وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو، وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی، عنقریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اُٹھے گا، خواہ اسے آگ نہ چھوئے، وہ نور بالائے نور ہے، اللہ

جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے' اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (النور: ۳۵)

نور کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام محمد بن ابوبکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ ھ نے لکھا ہے نور کا معنی ہے ضیاء (روشنی)۔
(مختار الصحاح ص ۳۹۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں:
نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کا آنکھیں سب سے پہلے ادراک کرتی ہیں پھر اس کیفیت کے واسطے سے باقی دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک کرتی ہیں۔ (یعنی جو کیفیت خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کے لیے مظہر ہو)
(التعریفات ص ۱۷۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:
نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جو سورج' چاند اور چراغ وغیرہ سے زمین اور دیواروں پر فائض ہوتی ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ پر نور کے اطلاق کی توجیہات

امام رازی فرماتے ہیں نور چونکہ ایک کیفیت حادثہ کو کہتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۘ (الانعام: ۱) اللہ نے ظلمات (اندھیروں) اور نور (روشنی) کو پیدا کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نور مجعول اور مخلوق ہے اور اللہ خالق نور ہے خود نور نہیں ہے کیونکہ نور مخلوق ہے' اور چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے اس لیے علماء نے اس میں حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) نور ظہور اور ہدایت کا سبب ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۘ (البقرہ: ۲۵۷) اللہ مومنوں کا کارساز ہے وہ ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکال لاتا ہے۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۘ (الشوریٰ: ۵۲) لیکن ہم نے اس (کتاب) کو نور بنایا ہم اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں نور کا اطلاق ہدایت پر کیا گیا ہے تو اللہ نور السموت والارض کا معنی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمانوں والوں اور زمینوں والوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی ہدایت حاصل ہوتی ہے' یعنی وہی ان کا ھادی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثرین کا یہی قول ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے' جیسے بہت بڑے عالم کے لیے کہا جاتا ہے وہ شہر کا نور ہے کیونکہ وہ شہر والوں کی عمدہ تدبیر کرتا ہے تو وہ ان کے لیے بہ منزلہ نور ہوتا ہے' جس سے ان کو شہر کے معاملات میں رہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا ناظم ہے کیونکہ اس نے انتہائی حسین ترتیب سے ان کا نظام قائم کیا ہوا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اس کا ایک محمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو ملائکہ سے منور کرتا ہے اور زمین کو انبیاء سے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو سورج' چاند اور ستاروں سے منور کرتا ہے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اس نے آسمان کو سورج' چاند اور ستاروں سے مزین کیا ہے اور زمین کو انبیاء اور علماء سے مزین کیا ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابی بن کعب' حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

احادیث میں اللہ پر نور کا اطلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے:

اللھم لک الحمد انت نور السموت والارض. اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۷۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔

(صحیح مسلم الایمان: ۲۹۱' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۴۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور کو دیکھا۔

(صحیح مسلم الایمان: ۲۹۲' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۴۳۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ (النساء: ۱۷۴) ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہے۔

اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ (المائدہ: ۱۵) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آ گیا نور اور روشن کتاب۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں فرمایا کمشکوۃ فیھا مصباح وہ ایک طاق کی مثل ہے جس میں چراغ ہو۔ مشکاۃ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی طاق ہے' اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک مکانوں میں کمرے کی دیوار کے عمق اور گہرائی میں محراب نما ایک خانہ یا شیلف بنایا جاتا تھا جس میں استعمال کی اشیاء رکھی جاتی تھیں اس کے دروازے نہیں بنائے جاتے تھے شہروں کی نئی نسل اس سے ناواقف ہے گاؤں اور دیہاتوں میں اب بھی اس طرز کے مکان ہوں گے۔ مصباح کا معنی ہے روشنی کا آلہ صبح اسی سے ماخوذ ہے' اس کا معنی چراغ ہے۔

المصباح فی زجاجة: زجاجہ کا معنی ہے شیشے کا فانوس' وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔

کانها کوکب دری: گویا کہ وہ ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے' یعنی وہ چراغ روشن ہونے میں ایک روشن ستارہ کی طرح ہے۔

یوقدمن شجرة مبارکة زیتونة: وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ زیتون وہ درخت ہے جو دنیا میں سب سے پہلے اُگایا گیا اور یہی درخت طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے اُگا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقامات پر اُگایا گیا ہے اور ارض مقدسہ میں' اس کے لیے ستر انبیاء علیہم السلام نے برکت کی دعا کی۔

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو جسم پر لگاؤ کیونکہ وہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۹۱۳'المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث: ۹۹۶' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۵۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰۵۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۸۰۷)

لاشرقیة ولا غربیه: وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی' یعنی وہ درخت نہ مشرق کے ساتھ مختص ہے کہ اس کو شرقیہ کہا جائے اور نہ مغرب کے ساتھ مختص ہے کہ اس کو غربیہ کہا جائے' حسن بصری نے کہا یہ درخت دنیا کے درختوں میں سے نہیں ہے کیونکہ دنیا کا جو بھی درخت ہوگا وہ یا مشرقی ہوگا یا مغربی ہوگا بلکہ یہ جنت کا درخت ہے' اور ثعلبی نے کہا قرآن مجید نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ دنیا کا درخت ہے کیونکہ قرآن مجید نے فرمایا وہ زیتون کا درخت ہے۔ ابن زید نے کہا وہ ملک شام کا درخت ہے کیونکہ شام کے درخت نہ شرقی ہوتے ہیں نہ غربی اور شام کے درخت سب سے افضل درخت ہیں کیونکہ وہ برکت والی زمین ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ درخت دوسرے گھنے درختوں کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا اس کو دھوپ نہیں پہنچتی اس لیے فرمایا کہ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ درخت بلند پہاڑوں اور صحراؤں میں ہوتا ہے۔

آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت عالم میں آشکارا ہو جاتی

نیز اس آیت میں فرمایا: عنقریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اُٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے وہ نور بالائے نور ہے' اللہ جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس آیت میں **مشکاۃ** سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ ہے اور **الزجاجة** سے مراد آپ کا قلب ہے اور مصباح سے مراد دین کے اصول اور فروع کی وہ معرفت ہے جو آپ کے دل میں ہے اور شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ان کی اولاد سے ہیں اور ان کی ملت کی اتباع کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت میں فرمایا نہ وہ شرقی ہیں اور نہ غربی ہیں کیونکہ آپ عیسائیوں کی طرح مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نہ یہود کی طرح مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے بلکہ آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس چراغ کے تیل کی صفت میں فرمایا وہ عنقریب بھڑک اُٹھے گا اور روشن ہو جائے گا خواہ اس کو آگ نے نہ چھوا ہو' کعب احبار نے کہا اس تیل سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے اور آپ اپنے صفاء جوہر اور اپنی مقدس ذات میں اس قدر کامل تھے کہ اگر آپ پر وحی نازل نہ بھی ہوتی تب بھی آپ میں یہی کمالات ہوتے آپ اسی طرح نیکی کی ہدایت دیتے اور آپ کی یہی پاکیزہ صفات ہوتیں اور آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت لوگوں پر آشکارا ہو جاتی اور

آپ پر قرآن مجید کا نازل ہونا نور علیٰ نور ہے اور نور بالائے نور ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۹۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ، علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس طرح تفسیر کی ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۴، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۴۴، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲۲، روح المعانی جز ۱۸ ص ۲۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن گھروں کے بلند کیے جانے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کی جاتی ہے O (النور: ۳۶)

مساجد کی تعمیر، مساجد میں ذکر اور تسبیح اور مساجد کے آداب کے متعلق احادیث

یہ آیت اس سے پہلی آیت کے ساتھ مربوط ہے اور پہلی آیت میں جس طاق کا ذکر فرمایا ہے کہ اس میں ایک فانوس ہے جس میں ایک روشن چراغ ہے اب یہ فرمایا ہے کہ وہ طاق کہاں ہے، وہ طاق ان گھروں میں ہے جن کو بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے جہاں صبح اور شام اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے، ان گھروں سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جمہور کے نزدیک ان گھروں سے مراد مساجد ہیں، اور مجاہد نے کہا ان گھروں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجرے ہیں اور حسن بصری نے کہا اس سے مراد بیت المقدس ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اب ہم مساجد کے بلند کیے جانے اور اس میں اللہ کا ذکر کیے جانے کے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، اور اس کی چھت شاخوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ حضرت عمر نے اس میں اضافہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنیادوں پر اینٹوں اور درخت کی شاخوں سے اس کو بنایا اور لکڑی کے ستون لگائے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں بہت تبدیلی کی اور اس میں بہت اضافہ کیا اس کی دیواریں نقشین پتھروں اور چونے سے بنائیں اور اس کے ستون بھی منقش پتھروں کے بنائے اور ساگوان کی لکڑی سے اس کی چھت بنائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۳۹)

عبیداللہ الخولانی بیان کرتے ہیں جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بہ کثرت اعتراض کیے کہ آپ نے اتنی بڑی اور حسین و جمیل مسجد کیوں بنائی ہے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کو بنایا اللہ جنت میں اس کی مثل اس کا گھر بنا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر میں اکیلے نماز پڑھنے اور بازار میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر پچیس درجہ زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں آتا ہے اور اس کا ارادہ صرف نماز پڑھنے کا ہوتا ہے تو اس کے ہر قدم پر اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے، اور جب وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے تو جتنے وقت وہ نماز کے لیے مسجد میں ٹھہرا رہتا ہے اس کا وہ وقت نماز میں ہی شمار کیا جاتا ہے اور جب تک وہ نماز کی جگہ میں بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس

کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ! اس پر رحم فرما جب تک وہ اپنا وضو نہیں توڑتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۴۶۳، عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گزرو تو ان میں چر لیا کرو، میں نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا مساجد، میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں چرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰۹، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۳۳۵)

مساجد میں پانچ وقت نماز پڑھی جاتی ہے اور ان نمازوں میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تسبیح پڑھی جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور وہ کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کو ڈانٹا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پیشاب منقطع نہ کرو، اس کو چھوڑ دو۔ صحابہ نے اس کو چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس سے فرمایا ان مساجد میں پیشاب کرنا اور گندگی ڈالنا جائز نہیں ہے، یہ مساجد تو اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی کا ڈول لے کر آیا اور اس پیشاب پر بہا دیا۔ (صحیح مسلم الطہارۃ: ۱۰۰، رقم الحدیث بلا تکرار ۲۸۵، الرقم المسلسل ۶۴۸)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کو، پاگلوں کو، شریروں کو، اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے جھگڑوں کو اور اپنی بلند آوازوں کو اور اپنی حدود کے نفاذ کو اور اپنی تلواروں کے سونتنے کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر وضو کرنے کی ٹونٹیاں بناؤ اور ان میں گرم پانی ڈالو۔ (یعنی سردیوں میں)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۲۶، المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۷۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں ○ تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ○

(النور: ۳۸-۳۷)

ان لوگوں کا مصداق اور اجر جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل نہیں کرتی

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (النور: ۳۷) کی تفسیر میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں تھے، نماز کی اقامت کہی گئی تو مسلمانوں نے اپنی دکانیں بند کر دیں اور مسجد میں چلے گئے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: رجال لاتلهيهم تجارة...... (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۷)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس راستہ پر کھڑے ہو کر چیزیں فروخت کرتا تھا اور ہر روز تین سو

دینار نفع کماتا تھا' اور ہر روز مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا' لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ (نفع) حلال نہیں ہے لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ میں اس آیت میں داخل ہوں رجال لاتلھیھم...... (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۹)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ تھا' اور ہم مسجد میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے' ہم مدینہ کے بازار سے گزرے' مسلمانوں نے اپنا سامان ڈھانپ دیا اور مسجد میں چلے گئے سالم نے ان کے سامان کی طرف دیکھا جس کے پاس کوئی شخص نہیں تھا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی رجال لاتلھیھم تجارۃ و لابیع عن ذکر اللہ...... پھر کہا یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۵۱)

عطا بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق وہ مسلمان ہیں جن کو اللہ کے حقوق اور اس کے فرائض کی ان کے اوقات میں ادائیگی کو ان کی خرید و فروخت منع نہیں کرتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۵۲' مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا عنقریب اہل محشر جان لیں گے کہ کون اللہ کے کرم کے زیادہ لائق ہے پھر وہ کہے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے دور رکھتے تھے اور خوف اور طمع سے اپنے رب کو پکارتے تھے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ (السجدۃ: ۱۶) پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آئیں گے' منادی پھر کہے گا عنقریب اہل محشر جان لیں گے کہ کون کرم کا زیادہ اہل ہے وہ لوگ کہاں ہیں جن کو ان کی تجارت اور ان کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی تھی۔ (النور: ۳۷) پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آئیں گے' منادی پھر ندا کرے گا عنقریب اہل محشر جان لیں گے کہ کرم کے کون زیادہ لائق ہے' وہ لوگ کہاں ہیں جو ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے تھے' پھر وہ کھڑے ہوں گے' اور پھر باقی لوگوں سے حساب لینا شروع کر دیا جائے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

قیامت کے دن دلوں اور آنکھوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی

فرمایا وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اُلٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں۔

قیامت کے دن کے ہول اور اس کی دہشت سے دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ جائیں گی اس سے مراد کفار کے دل اور ان کی آنکھیں ہیں' ان کے دل اپنی جگہ سے نکل کر حلق میں آجائیں گے' وہ واپس اپنی جگہ جاسکیں گے نہ حلق سے باہر نکل سکیں گے' اور آنکھوں کے پلٹنے کا معنی یہ ہے کہ پہلے ان کی سرمگیں آنکھیں تھیں اور قیامت کے دن ان کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ دلوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی یہ ہے کہ نجات کی طمع اور ہلاکت کے خوف سے ان کے دل مضطرب ہوں گے' اور آنکھیں مضطرب ہوں گی کہ کس جانب سے ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے اور کس طرف سے ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ دلوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی یہ ہے کہ ایک بار آگ ان کو جھلسا دے گی' پھر جلا دے گی پھر ان کو دوسرے دلوں سے بدل دیا جائے گا اور یہ عمل یونہی ہوتا رہے گا۔

عبادت میں غفلت نہ کرنے والوں کا اجر

اس کے بعد فرمایا تا کہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے۔ اس آیت میں نیک کاموں کی جزا کا ذکر فرمایا ہے اور برے کاموں کی سزا کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ قیامت کے دن جزا اور سزا دونوں ہوں گی' اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے تا کہ مسلمانوں کو نیک کاموں کی ترغیب دی جائے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کریں گے اور ان کے صغیرہ گناہ کبائر سے اجتناب کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے۔ نیز فرمایا اللہ اپنے فضل سے

ان کے اجر کو زیادہ کر دے گا اس کا ایک محمل یہ ہے کہ ایک نیکی کا دس گنا پھر سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا اور جس کے لیے چاہے گا اس کو بھی دُگنا کر دے گا' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان کے استحقاق کے بغیر ان کو اجر عطا فرمائے گا' اس کے بعد فرمایا اور اللہ جس کو چاہے بے حساب اجر عطا فرمائے گا یعنی جو شخص گن گن کر نیکیاں کرے گا اس کو گن گن کر اجر دے گا اور جو بغیر گنے اور شمار کیے نیکیاں کرے گا اس کو بے حساب اور بے شمار اجر عطا فرمائے گا۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قباء کو بنانے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آ کر کہا یا رسول اللہ! **قد افلح من بنی المساجد** (جس نے مسجدیں بنائیں وہ کامیاب ہو گیا؟) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن رواحہ! انہوں نے کہا **وصلی فیھا قائما وقاعدا** (اور اس نے ان میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھی؟) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن رواحہ! انہوں نے کہا **ولم یبت للہ الا ساجدا** (اور اس نے سجدوں کے بغیر کوئی رات نہیں گزاری) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن رواحہ! اور اپنے مسجع اور موزون کلام پیش کرنے سے رُک جاؤ کیونکہ بندے کو طلاقت لسان (روانی سے بولنے اور چرب زبانی) سے بری اور کوئی چیز نہیں دی گئی۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی مثل ہیں جس کو پیاسا دُور سے پانی گمان کرتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا اور وہ اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے جو اس کا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ (النور: ۳۹)

سراب اور القیعۃ کا معنی اور شانِ نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں کافروں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی ہے' مقاتل نے کہا یہ آیت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے دین کی طلب میں رہبانیت اختیار کی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ کافر ہو گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۲)

ابن قتیبہ نے کہا دوپہر کے وقت ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت پانی کی طرح نظر آتی ہے اس کو سراب کہتے ہیں' الزجاج نے کہا القیعۃ قاع کی جمع ہے جیسے جیرۃ جار کی جمع ہے اور القیعۃ اور القاع ایسی ہموار زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی روئیدگی اور سبزہ نہ ہو۔ پس جو شخص ایسے کسی ریگستان میں سفر کرتا ہے تو اس کو دُور سے چمکتی ہوئی ریت پانی معلوم ہوتی ہے اور جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہاں کوئی پانی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے ہاں ان کو نفع پہنچائیں گے لیکن جب وہ آخرت میں پہنچیں گے تو ان کے اعمال ان کو کوئی نفع نہیں دے سکیں گے بلکہ اس کے برعکس ان کے اعمال ان کے لیے باعثِ عذاب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن کو موج بالائے موج ڈھانپے ہوئے ہے' اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں' جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو دیکھ نہ سکے اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے تو اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے ○ (النور: ۴۰)

کفار کے اعمال سراب کی طرح دھوکا ہیں یا سمندر کی تاریکی کی طرح بے فیض ہیں

یہ کفار کے اعمال کی دوسری مثال ہے یعنی کفار کے اعمال یا سراب کی طرح ایک دھوکا ہیں یا سمندر کی گہرائی کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ الجرجانی نے کہا پہلی آیت میں کفار کے اعمال کی مثال ہے اور دوسری آیت میں کفار کے عقائد کی مثال ہے۔

اللجة: بہت گہرے پانی کو کہتے ہیں جس کی گہرائی کا اندازہ نہ کیا جا سکے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں اس سے مراد بادلوں کی تاریکی رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے سو جو شخص ان تاریکیوں کے اندر ہو اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ وہ کون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بہت زیادہ تاریکی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ تاریکیوں سے مراد کفار کے اعمال ہیں اور سمندر کی گہرائی سے مراد کفار کے قلوب ہیں اور موج بالائے موج سے مراد وہ جہالت شکوک اور اندھیرے ہیں جو کفار کے دلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور بادلوں سے مراد ان کے دلوں کا زنگ ہے اور وہ مہر ہے جو ان کے دلوں پر لگا دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر نے بیان کیا کہ جس طرح جو شخص سمندر کے گہرے پانی کے اندھیروں میں ہو اس کو ہاتھ سے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اسی طرح کافر اپنے دل سے نور ایمان کا ادراک نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد فرمایا اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ دین نہ بنائے اس کے لیے کوئی دین نہیں اور جس شخص کے پاس ایسا نور نہ ہو جس سے وہ قیامت کے دن چل سکے تو وہ جنت کی ہدایت نہیں پائے گا۔ الزجاج نے کہا یہ آیت دنیا پر محمول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہدایت نہ دے وہ ہدایت نہیں پائے گا۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا یہ آیت عتبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ زمانۂ جاہلیت میں دین کی تلاش میں تھا اور ٹاٹ کے کپڑے پہنتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کا کفر کیا۔ الماوردی نے کہا یہ آیت شیبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ زمانۂ جاہلیت میں رہبانیت کرتا تھا موٹے کپڑے پہنتا تھا اور دین کو تلاش کرتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کا کفر کیا علامہ قرطبی نے کہا یہ دونوں کفر پر مرے ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ دونوں مراد ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن جحش کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لائے اور سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گئے۔

ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے مجھے نور سے پیدا کیا اور ابوبکر کو میرے نور سے پیدا کیا اور عمر اور عائشہ کو ابوبکر کے نور سے پیدا کیا اور میری اُمت کے مومن مردوں کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور میری اُمت کی عورتوں کو عائشہ کے نور سے پیدا کیا۔ پس جو شخص مجھ سے محبت نہ کرے اور ابوبکر عمر اور عائشہ سے محبت نہ کرے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سند سے مروی ہے: مقبری از ابومعشر از الھیثم بن جمیل از ابوشعیب سوسی از احمد بن یوسف المسیحی از ابوہریرہ۔

ابونعیم نے کہا یہ سند باطل ہے اور ابومعشر اور الھیثم متروک ہیں علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا یہ جھوٹ ہے ان

تینوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ حدیث بیان نہیں کی اور میرے نزدیک یہ آفت المسیحی کی طرف سے ہے۔

(تنزیہہ الشریعۃ المرفوعۃ ج ۱ ص ۳۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند موضوع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اڑنے والے (پرندے) بے شک

صٰٓفّٰتٍ ۗ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا

اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے، اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو

يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ

کچھ وہ کرتے ہیں ○ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

لوٹنا ہے ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر ان کو (باہم) جوڑ دیتا ہے، پھر

يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ

ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے، اور اللہ آسمان

السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ

کی طرف سے پہاڑوں سے اولے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے ان اولوں کو برسا دیتا ہے اور

يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۗ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ ۗ

جس سے چاہے ان کو پھیر دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے ○

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اور اللہ دن اور رات کو ادل بدل کرتا رہتا ہے، بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ○

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ

اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جان داروں کو پانی سے پیدا کیا ہے، سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ

اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں' اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں'

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵ لَقَدْ

اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ بے شک

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ

ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں' اور اللہ جس کو چاہے سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ

راستے پر لگا دیتا ہے ○اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی' پھر

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر لیتا ہے اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں ○

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں تو اس وقت ان میں سے

مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹ ۭ

ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے ○اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ آپ کی طرف فرماں برداری کرتے ہوئے چلے آتے ہیں ○

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ

آیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول

عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰ ع

(معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے' بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں ○

ع ۶ / ۱۲ النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اُڑنے والے (پرندے) بے شک اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ○ (النور: ۴۲-۴۱)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا!“ اس سے مراد استفہام تقریری ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کے انوار اور کفار اور جاہلوں کے قلوب کی ظلمات کا بیان فرمایا تھا' اور اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت اور توحید کے دلائل بیان فرمارہا ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا! اس سے مراد ہے کیا آپ کو نہیں معلوم؟ کیونکہ اس کے بعد تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں اور پرندوں کی تسبیح کا ذکر فرمایا ہے اور اس تسبیح کو جاننے کا تعلق دیکھنے اور حواس سے نہیں ہے بلکہ عقل اور علم سے ہے' اور ہر چند کہ اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس سے مراد تمام انسان ہیں' اور یہ استفہام تقریری ہے اور کیا آپ کو معلوم نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اُڑنے والے (پرندے) اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں' ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

جانداروں اور بے جانوں کی تسبیح

تسبیح سے مراد یہ ہے کہ ہر مخلوق اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا خالق ہر قسم کے نقص اور عیب سے منزہ اور پاک ہے اور ہر قسم کے حسن اور کمال سے متصف ہے اور یہ دلالت زبانِ حال سے بھی ہے اور زبانِ قال سے بھی ہے' زبانِ حال سے دلالت اس طرح ہے کہ ہر مخلوق تغیر پذیر ہے اور کسی چیز کا متغیر ہونا اس کے حادث اور ممکن ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کا حادث اور ممکن ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کا موجد اور خالق حدوث اور امکان کے نقص وعیب سے پاک ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث اور ممکن ہوتا تو وہ بھی ان کی مثل ہوتا ان کا خالق نہ ہوتا' اس طرح ہر مخلوق زبانِ حال سے اپنے خالق کی تسبیح اور حمد کرتی ہے اور فرشتے اور مومنین زبانِ حال کے علاوہ زبانِ قال سے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتے ہیں۔

حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے' اس آیت میں علم کا لفظ ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں حیوانات کے ادراک پر بھی علم کا اطلاق ہے حالانکہ عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید لغت عربی میں نازل ہوا ہے اس لیے بہ ظاہر حیوانات کے ادراکات پر علم کا اطلاق موجب اشکال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں مجازات بھی ہیں اور یہاں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق مجازاً ہے' اس کے علاوہ دیگر جواب یہ ہیں کہ ہر چیز کے صلاۃ اور تسبیح کا علم تو صرف ذوی العقول کو ہے لیکن ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دے کر سب کے متعلق فرمادیا کہ ان کو اپنی صلاۃ وتسبیح کا علم ہے۔ لہٰذا یہ اطلاق باب تغلیب سے ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ **کل قد علم** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' یعنی **کل قد علم اللہ صلاتہ وتسبیحہ** اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ وتسبیح کا علم ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا کہ یہ جائز ہے کہ اس کا معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ وتسبیح کا علم ہے' یعنی اس کو ہر نمازی کی نماز اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح کا علم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۶)

اب ہم علم کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ متکلمین کی اصطلاح میں علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

علم کی تعریف

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

العلم صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هي به. علم ایک ایسی صفت ہے جس کے سبب سے وہ چیز منکشف اور واضح ہو جاتی ہے جس انسان (یا فرشتہ) کے ساتھ وہ صفت قائم ہو۔

یعنی وہ چیز ایسی ہو جس کا ذکر کیا جاسکے اور اس کو تعبیر کیا جاسکے خواہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو' یہ تعریف حواس کے ادراک اور عقل کے ادراکات کو شامل ہے۔ خواہ عقل کے ادراکات' تصورات ہوں یا تصدیقات ہوں اور تصدیقات خواہ یقینیہ ہوں یا غیر یقینیہ ہوں' لیکن اس تعریف میں انکشاف کو مکمل انکشاف پر محمول کرنا چاہیے جو ظن کو شامل نہیں ہے' کیونکہ علم ان کے نزدیک ظن کا مقابل ہے' اور جب اس تعریف میں انکشاف کو انکشاف تام پر محمول کریں گے تو پھر علم کی تعریف سے تصورات اور ظن خارج ہو جائیں گے اور صرف جزم باقی رہے گا۔ (شرح عقائد ص ۱۰' مطبوعہ کراچی)

تخییل' تکذیب' شک' وہم اور ظن کی تعریفات

اگر امر واحد یا امور متعددہ کا تصور بغیر نسبت خبریہ کے کیا جائے تو ان کو تصور محض کہتے ہیں اور اگر امور متعددہ کا تصور نسبت خبریہ کے ساتھ کیا جائے اور ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس کو تخییل کہتے ہیں جیسے ہم چلتے پھرتے لوگوں کی باتیں سنیں کہ فلاں آدمی مر گیا' جس کو ہم جانتے نہ ہوں' اور اگر اس خبر کی طرف ہمارا ذہن متوجہ ہو اور حالت انکاری پیدا ہو تو اس کو تکذیب کہتے ہیں جیسے ہم کسی عیسائی سے سنیں کہ حضرت عیسیٰ (نعوذ باللہ) خدا کے بیٹے ہیں' اور اگر ہم کوئی خبر سنیں اور اس خبر کے اثبات یا نفی میں ہمارا ذہن متردد ہو اور نفی اور اثبات کی دونوں جانبیں مساوی ہوں تو اس کو شک کہتے ہیں جیسے ہمارے کسی عزیز کے متعلق دو آدمی خبر دیں' ایک بتائے کہ وہ مر گیا اور دوسرا بتائے وہ نہیں مرا اور دونوں ہمارے نزدیک صادق القول ہوں' اور اگر ایک شخص کہے کہ وہ نہیں مرا اور وہ ہمارے نزدیک بہت سچا ہو اور دوسرا شخص کہے کہ وہ مر گیا ہے اور وہ ہمارے نزدیک جھوٹا ہو تو ہمارے نزدیک اس خبر کی راجح جانب یہ ہے کہ وہ نہیں مرا اور مرجوح جانب یہ ہے کہ وہ مر گیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس جھوٹے شخص نے اس بار سچ بولا ہو تو اس خبر کی راجح جانب کو ظن کو کہتے ہیں اور مرجوح جانب کو وہم کہتے ہیں اور تخییل' تکذیب' شک اور وہم یہ سب تصورات ہیں اور ظن تصدیق کی پہلی قسم ہے اور علامہ تفتازانی کے نزدیک یہ سب علم کی تعریف سے خارج ہیں۔

پھر اگر خبر کی مرجوح جانب بھی زائل ہو جائے مثلاً بہت سچے آدمی کہیں کہ وہ شخص نہیں مرا تو پھر اس خبر کو جزم کہتے ہیں۔

تقلید مخطی' جہل مرکب' تقلید مصیب' علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین کی تعریفات

اگر تصدیق اور جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مخطی کہتے ہیں جیسے امام شافعی کے مقلدین کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن جب ان پر ایسی احادیث پیش کی جائیں جن سے واضح ہو جائے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ان کا جزم زائل ہو جائے گا' اگر جزم واقع کے غیر مطابق ہو اور تشکیک مشکک یا دلائل سے زائل نہ ہو تو اس کو جہل مرکب کہتے ہیں جیسے ابوجہل کو جزم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں اور قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے اور سینکڑوں معجزات دیکھنے کے باوجود اس کا یہ جہل زائل نہیں ہوا' اس کو جہل مرکب اس لیے کہتے ہیں کہ اس شخص میں دو جہالتیں ہیں وہ شخص واقع سے بھی جاہل ہوتا ہے اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہوتا ہے اور جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے جہل مرکب کی تعریف اس شعر میں ہے:

ہر آنکس کہ نداند وبداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالآباد بماند

ہر وہ شخص جو کسی چیز کو جانتا نہ ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ وہ اس چیز کو جانتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہل مرکب میں رہے گا۔

اگر کسی شخص کا جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مصیب کہتے ہیں جیسے امام اعظم کے مقلدین کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اب اگر شافعی عالم اس کے سامنے ایسی احادیث صحیحہ پیش کرے جن سے واضح ہو جائے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا' اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو تو پھر اس کو یقین کہتے ہیں جیسے مسلمان کو جزم ہے کہ اللہ ایک ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری نبی ہیں اب اگر کوئی شخص اس کے خلاف لاکھ دلائل پیش کرے لیکن مسلمان کا اس پر جو جزم ہے اور اس کی جو تصدیق ہے وہ زائل نہیں ہوگی۔ پھر اگر یہ یقین کسی خبر متواتر سے سن کر حاصل ہوا ہے تو اس کو علم الیقین کہتے ہیں جیسے ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین ہے' اور اگر مشاہدہ سے وہ یقین حاصل ہو تو اس کو عین الیقین کہتے ہیں جیسے صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین تھا' اور اگر تجربہ سے یہ یقین حاصل ہو تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی نبوت پر یقین تھا۔

اس تعریف کے اعتبار سے تقلید مخطی' جہل مرکب' تقلید مصیب' علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین یہ سب تصدیق کی اقسام ہیں اور علم کے افراد ہیں' بعض علماء ظن کو بھی علم کی تعریف میں شامل کرتے ہیں اس اعتبار سے علم کی سات قسمیں ہیں ورنہ ظن کے بغیر علم کی چھ قسمیں ہیں۔

علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا اور حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہ کیا جانا

علامہ تفتازانی نے علم کی تعریف میں ''من'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات کا ادراک علم نہیں ہے نیز حیوانات صرف حواس سے ادراک کرتے ہیں اور علم عقل سے ادراک کرنے کو کہتے ہیں' حواس سے ادراک کرنے کو شعور کہتے ہیں اور عقل سے ادراک کرنے کو علم کہتے ہیں' انسان حواس سے جو ادراک کرتا ہے وہ بھی دراصل عقل سے ادراک کرتا ہے اور حواس اس کے آلات ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق آیا ہے وہ دراصل اطلاق مجازی ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا یہ تو آپ کی اصطلاح کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی اصطلاح کے تابع تو نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید عرب کی لغت اور عرف پر نازل ہوا ہے اور عرب کی لغت اور عرف میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ شرح عقائد کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیشمل ادراک الحواس لکن عدہ علما یخالف العرف واللغۃ فان البھائم لیست من اولی العلم فیھما.

حواس کے ادراک کو علم میں شامل کرنا عرف اور لغت کے خلاف ہے کیونکہ عرف اور لغت میں حیوانات ذوی العلوم میں سے نہیں ہیں۔

(حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد ص ۳۲' مطبع یوسفی لکھنو)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ خیالی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

حیوانات کے ادراک حسی اور غیر حیوانوں (ذوی العقول) کے ادراک حسی میں یہ فرق کرنا ممکن نہیں ہے کہ عقل والوں کے ادراک حسی کو علم کہا جائے اور حیوانات کے ادراک حسی کو علم نہ کہا جائے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے علم کی تعریف میں ''من''

کے لفظ کو لا کر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ محض اصطلاح ہے اور خانہ زاد قید ہے' یہ اعتراض علامہ خیالی نے اپنے منہیہ میں کیا ہے' لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حیوانات سے علم غیر احساسی (یعنی عقل کے ادراک) کی نفی کی گئی ہے اور رہا علم احساسی تو وہ حیوانات کے لیے ثابت ہے (کیونکہ وہ اپنے حواس خمسہ سے ادراک کرتے ہیں) لہٰذا اگر حیوانات کے لیے علم احساسی کو ثابت کیا جائے تو وہ عرف اور لغت کے خلاف نہیں ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ علم کی تعریف جو حواس کے ادراک کو شامل ہے اس سے مراد ہے عقل کا حواس کے ذریعہ ادراک کرنا نہ کہ نفس احساس' کیونکہ متکلمین نے تصریح کی ہے کہ مدرک صرف عقل ہے اور عنقریب کتاب میں آئے گا کہ حواس تو صرف ادراک کے آلات ہیں اس لیے حیوانات جو حواس کے ذریعہ ادراک کرتے ہیں اس کو علم نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ اپنی عقل سے حواس کے ذریعہ ادراک نہیں کرتے' اور عرف اور لغت میں علم ذوی العقول کے ادراک ہی کے ساتھ مختص ہے۔ (حاشیۃ عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۵۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' ۱۳۹۷ھ)

پرندوں اور حیوانوں کی معرفت اور علم کے شواہد

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حشرات الارض کو ایسے لطیف اعمال کا الہام کیا ہے جن کو وجود میں لانے اور بہ روئے کار لانے سے اکثر عقلاء عاجز ہیں' اور جب ایسا ہو سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حیوانوں کو اپنی معرفت کا الہام کر دیا ہو' اور ان کو دعا کرنے' تسبیح پڑھنے اور نماز پڑھنے کا الہام کر دیا ہو یا ان کو ان چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہو' ہم دیکھتے ہیں کہ مکڑی مختلف حیلوں اور ہتھکنڈوں سے مکھیوں اور مچھروں کو اپنے جالے میں پھنسا لیتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی مسدس شکل میں شہد کا چھتا بنا لیتی ہے اور اس کو ایسی کاری گری سے بناتی ہے کہ ماہر انجینئر بھی اس کی صنعت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں' پھر شہد کی مکھیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے جو اپنی ریاست کا نظام چلاتی ہے اور تمام مکھیاں اس کے احکام کے تابع ہوتی ہیں' اور ہم دیکھتے ہیں کہ سارس اپنی موافق ہوا اور موسم کو طلب کرنے کے لیے عالم کی ایک طرف سے دوسری طرف پرواز کر جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ یورپ کے سرد موسم میں افریقہ کے گرم علاقوں کی طرف پرواز کر جاتا ہے' اور یوں وہ اپنے موافق موسم کی تلاش میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم کی طرف سفر کرتا ہے' اسی طرح جو درندے دوسرے حیوانوں کا شکار کرتے ہیں' وہ بھی بہت عیاری سے اپنا شکار حاصل کرتے ہیں۔ ہم جنگلوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض پرندے تنکوں سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں وہ گھونسلے کئی منزلوں کے ہوتے ہیں ان میں اوپر نیچے خانے بنے ہوتے ہیں جو کمروں کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ تنکے چن چن کر ان کو موڑ توڑ کر انتہائی باریکی اور فنکاری سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں' ان کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں اور حیوانوں کو ضرور ان کاموں کی معرفت اور عقل عطا فرمائی ہے کیونکہ اگر ان میں ان کاموں کے لیے عقل اور معرفت نہ ہو تو صرف حواس خمسہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیا جا سکتا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۰۳۔ ۴۰۲' ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا انسان نماز پڑھتا ہے اور باقی مخلوق تسبیح پڑھتی ہے۔ امام ابن جریر نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر نمازی کو اپنی نماز کا علم ہے اور ہر تسبیح پڑھنے والے کو اپنی تسبیح کا علم ہے۔ (جامع البیان جز ۱۸ ص ۲۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ . (النمل: ۱۶) (سلیمان نے کہا) اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اور ہد ہد نے سلیمان سے کہا:

اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ . (النمل: ۲۳) میں نے دیکھا ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کی چیزوں سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے۔

اور جب پرندے باتیں کر سکتے ہیں اور دُور دراز کی خبریں پہنچا سکتے ہیں تو وہ اللہ کی تسبیح بھی کر سکتے ہیں اور نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

تسبیح دو قسم کی ہے ایک تسبیح قول اور نطق کے ساتھ ہے اور دوسری دلالت اور خلق کے ساتھ ہے' سو جو تسبیح دلالت اور خلق کے ساتھ ہے وہ ہر مخلوق کرتی ہے' پھر ایک تسبیح حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور ایک تسبیح عقلاء کے ساتھ خاص ہے' پھر اس تسبیح کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تسبیح بصیرت کے ساتھ ہے اور دوسری تسبیح بغیر عرفان اور بصیرت کے ہوتی ہے اوّل الذکر مقبول ہے اور ثانی الذکر مردود ہے۔ (لطائف الاشارات ج ۲ ص ۱۷۱-۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جمادات' نباتات اور حیوانات کے علم پر قرآن مجید سے دلائل

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ . (البقرہ: ۷۴) اور بے شک بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پتھر تو جمادات کے قبیل سے ہیں جو کسی بات کو سمجھتے نہیں ہیں وہ کیسے ڈریں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ان میں فہم اور ادراک پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے وہ ڈریں گے' اور اہل السنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلاء کے علاوہ جمادات اور تمام حیوانات کو بھی علم عطا فرمایا ہے۔ جس علم پر ان کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہے' لہٰذا جمادات' نباتات اور حیوانات (اپنے حال کے موافق) نماز بھی پڑھتے ہیں' تسبیح بھی پڑھتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے بھی ہیں۔ جیسے اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ . (بنی اسرائیل: ۴۴) ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ . (النور: ۴۱) اور صف بہ صف اُڑنے والے (پرندے) ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ . (الحج: ۱۸) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ ہی کے لیے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان آیات پر ایمان رکھیں اور ان کی حقیقت کا علم اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات' نباتات اور حیوانات کو بغیر عقل کے علم عطا فرمایا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جمادات' نباتات اور حیوانات کے علم کے ثبوت میں احادیث

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کرتا تھا' میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۱۹۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۰۲۸' ۱۹۶۱' ۱۹۰۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۳۳' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۰۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۲۴۴' رقم الحدیث: ۱۱۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ نے فرمایا: احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۲-۱۴۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۵۳۹' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۵-۴۲۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۳۱۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۰۳-۶۵۰۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۲۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۳۹-۲۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی' پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: ایک شخص ایک گائے لے کر جا رہا تھا' جب وہ تھک گیا تو وہ گائے پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا۔ گائے نے کہا میں اس لیے نہیں پیدا کی گئی' میں صرف زمین میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں تو لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیا گائے باتیں کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر اور عمر اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وہاں موجود نہیں تھے' اور آپ نے فرمایا: ایک آدمی اپنی بکریوں کو لے کر جا رہا تھا' اچانک بھیڑیے نے ان میں سے ایک بکری پر حملہ کیا' اس کے مالک نے بھیڑیے سے اس بکری کو چھڑا لیا تو بھیڑیے نے کہا درندوں کے دن اس بھیڑیے کا کون رکھوالا ہوگا؟ یعنی قیامت کے دن ان بکریوں کا میرے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہوگا' لوگوں نے کہا سبحان اللہ کیا بھیڑیا باتیں کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس پر میں ایمان لاتا ہوں' اور ابوبکر اور عمر اور وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۲۴' ۳۴۷۱' ۳۶۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۷' ۳۶۹۵' سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۲۳۵۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۵۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۶-۲۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۸۶' ۶۴۸۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حرا (پہاڑ) پر تھے' اس کی چٹان ہلنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پُرسکون ہو جا' تجھ پر صرف نبی ہے یا صدیق یا شہید ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۰۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے اطراف میں جا

رہے تھے' مکہ کے پہاڑوں اور درختوں کے درمیان' آپ کسی درخت اور پہاڑ سے نہیں گزرتے تھے مگر وہ کہتا تھا السلام علیک یارسول اللہ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۱' المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث ۲۸۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۲۴۴' رقم الحدیث:۱۱۳۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے وہ ستون کھجور کا تنا تھا' جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو وہ ستون پریشان ہوگیا اور جس طرح اونٹنی روتی ہے اس طرح رویا حتیٰ کہ اہل مسجد نے اس کی آواز سنی' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس ستون کو گلے لگایا پھر وہ پرسکون ہوگیا۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۶۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۸۵' ۳۵۸۴' ۹۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۳۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۱۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۵۲۵۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۸۶-۴۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۳' ۳۹۵' ۲۰۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۵۰۸' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث:۳۰۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۵۶۰' ۵۵۶)

ان تمام احادیث میں پتھروں' درختوں اور حیوانوں کے بولنے' کلام کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے کا ثبوت ہے اور جب یہ بول سکتے ہیں اور سلام عرض کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی پڑھ سکتے ہیں بلکہ احادیث صحیحہ میں صراحۃً طعام اور کنکریوں کے تسبیح پڑھنے کا بیان ہے۔

کنکریوں' طعام اور پرندوں کی تسبیح کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم ان کو ڈرانے والی اشیاء خیال کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' (ناگاہ) پانی کم ہوگیا۔ آپ نے فرمایا (جس قدر پانی بھی ہے) وہ لے آؤ' ہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے' آپ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: اللہ کی برکت والے مبارک اور پاک کرنے والے پانی کی طرف آؤ' اور بے شک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہورہا تھا اور جس وقت کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۷۹' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۳۷۲' مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۰' رقم الحدیث:۴۳۹۳' عالم الکتب' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث:۳۱۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۶۳)

سوید بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں اکیلا بیٹھے ہوئے دیکھا' میں نے اس کو غنیمت جانا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا میں حضرت عثمان کے متعلق کلمہ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کچھ حاصل کروں' ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا' میں آپ کے پیچھے گیا' آپ ایک جگہ بیٹھ گئے میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے پوچھا اے ابوذر! تم کس لیے آئے ہو؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ نے پوچھا: اے ابوبکر تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت ابوبکر کی دائیں جانب بیٹھ گئے' آپ نے پوچھا اے عمر! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے بھی کہا اللہ اور اس

کے رسول کے لیے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت عمر کی دائیں جانب بیٹھ گئے آپ نے پوچھا: اے عثمان! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے!

حضرت ابوذر نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں لیں وہ آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' پھر آپ نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں' پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں' حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' پھر حضرت ابوبکر نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں' پھر آپ نے حضرت عمر کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' پھر حضرت عمر نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں' پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں' حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' انہوں نے پھر ان کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۴' ۲۴۱۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۶۵' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام بزار نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے' ایک سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور دوسری سند کے بعض راویوں میں ضعف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۰۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۶۵-۶۴)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور طعام کی تسبیح سنتے تھے۔ (رقم الحدیث: ۳۵۷۹) اس حدیث کا ایک شاہد امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۳' الشفاء ج ۱ ص ۲۳۰-۲۲۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) اور قاضی عیاض نے جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک طباق میں انار اور انگور لے کر آئے اور وہ طعام تسبیح کر رہا تھا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۳۰) اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی' پھر حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۶۵)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ہر چند کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں لیکن ان کا مجموعہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ البتہ کنکریوں کی تسبیح والی حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ہم نے حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ کے حوالے سے لکھا ہے کہ کنکریوں کی تسبیح والی حدیث کی ایک سند ضعیف ہے اور دوسری سند کے راوی ثقہ ہیں' غالباً حافظ ابن حجر نے امام بزار کی ضعیف سند کے اعتبار کی وجہ سے لکھا ہے اور دوسری سند ان کے پیش نظر نہیں تھی۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے کنکریوں اور طعام کی تسبیح کی مذکور الصدر احادیث بھی ذکر کی اور ان کے علاوہ مزید احادیث بھی بیان کی ہیں' وہ یہ ہیں:

امام ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضر موت کے سرداروں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ان میں اشعث بن قیس بھی تھے' انہوں نے کہا ہم نے آپ کے لیے دل میں ایک چیز چھپائی ہے بتائیے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ معاملہ تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے' انہوں نے کہا پھر ہم کیسے

یقین کریں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں کنکریاں لیں اور فرمایا یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں' تب ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا طعام (گوشت کے سالن میں بھگوئے ہوئے روٹی کے ٹکڑے) لایا گیا' آپ نے فرمایا یہ طعام تسبیح کر رہا ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ اس کی تسبیح سمجھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اس پیالہ کو قریب رکھو' اس نے اس کو قریب رکھا' اس نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! یہ طعام تسبیح کر رہا ہے' پھر آپ نے وہ پیالہ دوسرے شخص کے قریب رکھا اس نے بھی اسی طرح کہا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ یہ سب کو سنا دیں! آپ نے فرمایا اگر اس نے کسی شخص کے پاس تسبیح نہیں پڑھی تو تم سمجھو گے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

امام ابوالشیخ نے خیثمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دیگچی میں کھانا پکا رہے تھے' کچھ طعام ان کے چہرے پر گرا تو وہ تسبیح کرنے لگا۔

امام بیہقی اور امام ابونعیم نے قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت سلمان ایک پیالے سے کھانا کھا رہے تھے تو اس پیالہ کا طعام تسبیح کرنے لگا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۶۳)

(الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنواسرائیل: ۴۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضرت جبریل علیہ السلام' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے' حضرت جبریل آپ کی دائیں طرف تھے اور حضرت میکائیل بائیں طرف تھے۔ وہاں سے وہ آپ کو ساتوں آسمانوں تک لے گئے' پھر آپ واپس آئے آپ نے فرمایا میں نے بلند آسمانوں میں یہ تسبیح سنی: بلند آسمان اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف سے اس کی تسبیح کرتے ہیں' وہ بلند اور برتر سبحان ہے۔

امام احمد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں اور سواریوں پر سواروں کو دیکھ کر فرمایا سلامتی کے ساتھ سواریوں پر سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو' اور راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بناؤ۔ سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتی ہیں' اور ان سے عمدہ اور افضل ہوتی ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۹ طبع قدیم اس کی روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور اس کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۵۶۶' دارالحدیث قاہرہ)

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا تسبیح ہے۔

(سنن نسائی اور سنن کبریٰ میں یہ حدیث نہیں' اس حدیث کو امام سیوطی نے امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ درمنثور ج ۵ ص ۲۵۶' البتہ امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا' تو انہوں نے چیونٹیوں کی پوری بستی کو

جلانے کا حکم دیا تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے اللہ کی تسبیح کرنے والی پوری مخلوق کو ہلاک کر ڈالا (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۸۷۰)

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے تھا جس کے ریشمی کف اور ریشمی بٹن تھے' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا تمہارے پیغمبر کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کو سرفراز کرے اور سرداروں کو سرنگوں کرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور اس کا جبہ کھینچتے ہوئے فرمایا: کیا میں تجھ کو جانوروں (کی کھال) کا لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھ رہا! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تمہیں بہ طور وصیت کے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں' میں تم کو اللہ کا شریک قرار دینے اور تکبر سے منع کرتا ہوں' اور تم کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں' کیونکہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے' ان کو اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ پلڑہ جھک جائے گا' اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو ایک حلقہ بنا دیا جائے اور ان پر لا الہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو پاش پاش کر دے گا اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ **سبحان اللہ وبحمدہ** پڑھا کرو' کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۵ طبع قدیم' احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۸۳' دارالحدیث قاہرہ ۱۴۱۵ھ' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۲۰)

حسن بصری یہ کہتے تھے کہ جب درخت سرسبز ہوتا ہے تو وہ تسبیح کرتا ہے اور جب وہ کاٹ دیا جاتا ہے اور سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے' آپ نے وہاں دو ایسے انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا دشوار ہو' پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا' آپ سے عرض کیا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تک شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲) (تفسیر ابن کثیر ج ۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علم کی تعریف میں خلاصہ مبحث

النور: ۴۱ میں ہے ہر ایک کو اپنی صلاۃ اور تسبیح کا علم ہے' ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ متکلمین اور حکماء کی اصطلاح کے مطابق علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید چونکہ لغت عرب کے موافق نازل ہوا ہے اس لیے اس میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق مجازاً ہے اور قرآن مجید کی آیات اور بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ جمادات' نباتات اور حیوانات تسبیح کرتے ہیں اور ان پر علم کا اطلاق بھی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ جس علم کا عقل سے ادراک ہوتا ہے وہ ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ نے جمادات' نباتات اور حیوانات میں بغیر عقل کے علم پیدا فرمایا۔ النور: ۴۱ کے علاوہ جمادات' نباتات اور حیوانات کے لیے علم کے ثبوت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت یعلی بن مرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شئ الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن و الانس.

ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں رسول اللہ ہوں صرف سوائے کافر جن اور انس کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴ طبع جدید' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۸۰۴' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۴۱۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۲۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیس شئ بین السماء و الارض الا یعلم انی رسول اللہ الا عاصی الجن و الانس.

آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے نافرمان جن اور انس کے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۶۴)

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابین لابتیھا احد الا یعلم انی نبی الا کفرۃ الجن و الانس.

مدینہ کے دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہر چیز کو علم ہے کہ میں نبی ہوں سوائے کافر جنات اور انسانوں کے۔

(اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے بعض راوی ضعیف ہیں مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۴)

خلاصہ یہ ہے کہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول قرآن اور سنت میں ہر ایک کے ادراک پر علم کا اطلاق ہے البتہ اصطلاحاً علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے' میرے زمانہ تعلیم میں غالباً ۱۹۶۰ء میں ہمارے دو بزرگوں شیخ الحدیث علامہ سردار احمد صاحب لائل پوری قدس سرہ اور محدث اعظم حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی ملتانی نور اللہ مرقدہ کے درمیان اس میں مباحثہ ہوا تھا اوّل الذکر حضرت کا یہ رجحان تھا کہ قرآن مجید اور احادیث میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق ہے اور ثانی الذکر کی تحقیق یہ تھی کہ یہ اطلاق مجازی ہے اور حقیقتاً اور اصطلاحاً علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے۔ میں اس وقت ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا' مجھے معلوم نہیں ان حضرات کے کیا دلائل تھے' لیکن یہ معلوم تھا کہ اوّل الذکر حضرت صاحب اسی آیت یعنی النور: ۴۱ سے استدلال کرتے تھے اور ثانی الذکر بزرگ شرح عقائد میں مذکور علم کی تعریف سے استدلال کرتے تھے اور اس آیت میں علم کے اطلاق کو اطلاق مجازی قرار دیتے تھے' اب چونکہ زیر تفسیر یہ آیت آ گئی ہے تو میں نے اپنی بساط کے مطابق علم کی تحقیق کی ہے' اگر یہ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے ورنہ میری فکر کی خطا اور مطالعہ کی کمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے' پھر ان کو (باہم) جوڑ دیتا ہے' پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور اللہ آسمان کی طرف سے اولے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے ان اولوں کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہے ان اولوں کو پھیر دیتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو لے جائے ○ اور اللہ دن اور رات کو ادل بدل کرتا رہتا ہے' بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ○

(النور: ۴۴-۴۳)

مشکل الفاظ کے معانی

یزجی: کسی چیز کو نرمی اور سہولت سے چلانا' اسی سے ماخوذ ہے مزجاۃ اس کا معنی ہے قلیل' حقیر اور بے قدر چیز' اسی سے

بنا ہے رجل مزجیٰ ہنکایا ہوا‘ یعنی حقیر اور بے قدر آدمی۔

ثم یؤلف بینہ ثم یجعلہ رکاما: پھر بعض بادلوں کو بعض بادلوں کے ساتھ ملاتا ہے اور ان کے ٹکڑے جوڑ کر ایک بادل بنا دیتا ہے‘ پھر ان بادلوں کو اوپر تلے رکھ کر تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔

الودق: بارش

من خلالہ: خلال‘ خلل کی جمع ہے جیسے جبال‘ جبل کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے بادلوں کے اوپر تلے جمع ہونے سے بادل درمیان سے پھٹ جاتے ہیں پھر ان کے شگافوں اور مخارج سے بارش نازل ہوتی ہے۔

ینزل من السماء: السماء سے مراد بادل ہیں‘ یعنی بادلوں سے اولے نازل ہوتے ہیں السماء کا معنی ہے بلند چیز‘ ہر وہ چیز جو تم سے بلند ہے وہ السماء ہے۔

البرد: برد کا معنی ہے ٹھنڈک اور اس سے مراد اولے ہیں‘ مشہور یہ ہے کہ جب بخارات اوپر چلے جاتے ہیں اور حرارت سے تحلیل نہیں ہوتے تو وہ سخت ٹھنڈک والی ہوا کے طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر درجہ حرارت منفی پچاس درجہ سینٹی گریڈ سے بھی زیادہ ہوتا ہے‘ وہاں پر وہ بخارات منجمد ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں‘ پھر اگر وہاں زیادہ ٹھنڈک نہ ہو تو وہ بادل قطرہ قطرہ ہو کر گرنے لگتے ہیں اور یوں بارش ہوتی ہے‘ اور اگر ٹھنڈک اجزاء بخاریہ کے مجتمع ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو پھر برف باری ہو جاتی ہے اور اگر اجزاء بخاریہ کے مجتمع ہونے کے بعد ٹھنڈک پہنچے تو پھر ژالہ باری ہوتی ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تابع ہیں۔

سنا برقہ: بادلوں میں جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک‘ برق‘ برقۃ کی جمع ہے۔

یذھب بالابصار: بجلی کی چمک کی تیزی سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور بعض اوقات بینائی زائل ہو جاتی ہے‘ اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے کہ وہ ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کر دیتا ہے اور سخت ٹھنڈے طبقہ میں آگ پیدا کر دیتا ہے۔

یقلب اللہ اللیل والنھار: اللہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے‘ کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کر لیتا ہے اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دیتا ہے‘ اور کبھی ان کے موسم کو سرد کر دیتا ہے اور کبھی ان کے موسم کو گرم کر دیتا ہے۔

ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار: یعنی دن اور رات کے اس تو ارد میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر نشانیاں ہیں‘ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور ہر چیز کو اس کے علم کے محیط ہونے اور اس کے احکام کے نافذ ہونے اور تمام نظام کائنات کے اس کی قدرت اور مشیت کے تابع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے‘ سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں‘ اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں‘ اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں‘ اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے‘ اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے ○ (النور: ۴۶-۴۵)

مخلوقات کے تنوع سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال

زمین پر چلنے والے جاندار کو دابہ کہتے ہیں اور عرف میں اس کا استعمال چار ٹانگوں والے جاندار پر ہوتا ہے‘ اس آیت میں

فرمایا ہے: زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے‘ اس سے مراد مخصوص پانی ہے یعنی نطفہ‘ اس میں تغلیباً اکثر جانوروں پر تمام جانوروں کا حکم لگا دیا ہے‘ کیونکہ بعض حیوانات نطفہ سے نہیں پیدا ہوتے‘ جنات اور ملائکہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں‘ اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی سے پیدا کیے گئے‘ حضرت حوا‘ حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخ جبریل سے پیدا کیے گئے۔

سوان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں‘ جیسے سانپ اور حشرات الارض۔

اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں: جیسے انسان اور پرندے۔

اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں: جیسے چرندے‘ درندے اور چوپائے‘ اور جن کی ٹانگیں چار سے زیادہ ہوتی ہیں جیسے مکڑیاں وہ بھی ان ہی میں مندرج ہیں۔

اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے: یعنی اللہ تعالیٰ مختلف صورت اور شکل اور مختلف اعضاء اور حرکات اور افعال اور مختلف خواص کی مخلوقات پیدا فرماتا ہے حالانکہ ان سب کو ایک ہی عنصر سے پیدا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور اس کی صفت کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔

اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے: آسمان اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کرنے والی نہیں ہے‘ جو چیز وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے‘ اور جو چیز وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔

اور فرمایا: بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

یعنی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جو واحد خالق پر تفصیل اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں جو اس تمام نظام کائنات کو صرف اپنی تدبیر سے چلا رہا ہے‘ ان آیتوں میں دنیا اور دین کی رشد اور فلاح کا وضاحت سے بیان ہے اور برے کاموں سے نفس کی آلودگی کی تطہیر کی اور نیک کاموں سے نفس کو مزین کرنے کی مکمل ہدایت ہے‘ پھر جو شخص نیکی اور صلاحیت کو اپنانے اور ایمان اور تقویٰ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں یہ اوصاف پیدا فرما دیتا ہے اور جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ برائی پیدا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی‘ پھر اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر لیتا ہے اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں ○ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں تو اس وقت ان میں سے ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے ○ اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ آپ کی طرف فرمانبرداری کرتے ہوئے چلے آتے ہیں ○ آیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول (معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے‘ بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں ○ (النور: ۵۰-۴۷)

فیصلہ کے لیے قاضی کے بلانے پر جانے کا وجوب

بشر نام کا ایک منافق تھا جس کا ایک یہودی سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں‘ منافق کا موقف باطل تھا‘ اس نے انکار کیا اور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر ظلم کرتے ہیں ہم کعب بن اشرف سے فیصلہ کراتے ہیں‘ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی‘ ایک قول یہ ہے کہ مغیرہ بن وائل اور حضرت علی بن ابی طالب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان زمین اور پانی میں تنازع تھا' مغیرہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ نہیں کراؤں گا وہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جب ان کا موقف درست اور حق ہو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کے لیے آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آجاتے ہیں کیونکہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آپ حق کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں اور فرمایا یہ لوگ ظالم ہیں کیونکہ یہ حق سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب حاکم کسی شخص کو فیصلہ کرنے کے لیے بلائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ حاکم کے پاس جائے۔

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اس کے فریق مخالف نے کسی مسلمان حاکم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے بلایا اور وہ نہیں گیا تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۷ص ۲۷۳، مجمع الزوائد ج ۴ص ۱۹۸)

(معالم التنزیل ج ۳ص ۲۴، مطبوعہ ۱۴۲۰ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ص ۲۷۲' الدر المنثور ج ۶ص ۱۹۶)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

اور جب مومنوں کو بلایا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

فیصلہ کریں تو ان کو یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ

وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم

لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

دیں تو وہ ضرور نکلیں گے' آپ کہیے تم قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) اطاعت معلوم ہے' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو' اللہ اس کی خبر

تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

رکھنے والا ہے O آپ کہیے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' پس اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ

جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے' اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے'

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور رسول کے ذمہ تو صرف احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے O اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان

مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ

کو خلافت عطا کی تھی' اور ضرور بہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرما لیا ہے'

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ

اور ضرور بہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا' وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو

شَيْـًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا

شریک نہیں کرتے' اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں O اور نماز قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ

کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں' ان کا ٹھکانا

النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع

دوزخ ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مومنوں کو بلایا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کو یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O

(النور: ۵۲-۵۱)

کتاب' سنت اور حکام مسلمین کی اطاعت کی تاکید

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور

انصار کی اطاعت کی خبر دی ہے کہ خواہ اللہ کی کتاب میں یا رسول اللہ کی سنت میں ایسا حکم ہو جو طبیعت پر دشوار اور ناگوار ہو تب بھی مومنوں کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اگر یہ منافقین بھی مخلص مومن ہوتے تو وہ بھی اسی طرح کرتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۲ص ۲۷۳)

امام بغوی نے فرمایا یہ آیت بہ طریق خبر نہیں ہے کہ مومن اس طرح کہتے ہیں' بلکہ اس آیت میں شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے کہ مومنوں کو اس طرح کہنا چاہیے۔ (معالم التنزیل ج ۳ص ۴۲۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور وہ انصار کے نقباء میں سے ایک تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھانجے جنادہ بن ابی امیہ کو بلایا اور فرمایا کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ تمہارے کیا فرائض ہیں اور تمہارے کیا حقوق ہیں! انہوں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عبادہ نے فرمایا تم پر امیر کا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ تم تنگی میں ہو یا فراخی میں اور خواہ تم خوش ہو یا ناخوش۔ اور خواہ تم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔ اور تم پر لازم ہے کہ تم اپنی زبان کو عدل کے ساتھ قائم رکھو اور تم امیر کی مخالفت نہ کرو' سوا اس صورت کے کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کا حکم دے۔ اگر وہ تم کو کتاب اللہ کے خلاف کرنے کا حکم دے تو تم کتاب اللہ کی پیروی کرنا' اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے اور خیر خواہی صرف اللہ' اس کے رسول' خلیفہ اور عام مسلمانوں کے لیے ہے' اور ہم سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام کا دستہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے' اور نماز کو قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور جس شخص کو اللہ نے مسلمانوں کا حاکم بنایا ہے اس کی اطاعت کرنا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۴۵' ج ۸ص ۲۶۲۴-۲۶۲۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

جوامع الکلم کی مثال

اسلم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے تھے کہ روم کا ایک دہقانی ان کے پاس آ کر کلمہ شہادت پڑھنے لگا' حضرت عمر نے اس سے پوچھا تم یہ کلمہ کیوں پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا میں اللہ کے لیے اسلام لایا ہوں' حضرت عمر نے پوچھا آیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟ اس نے کہا ہاں! میں نے تورات' انجیل اور دیگر انبیاء کے صحائف پڑھے ہیں' میں نے ایک قیدی سے قرآن مجید کی ایک آیت سنی جو تمام کتب متقدمہ کی تعلیمات اور احکام کی جامع ہے تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے' حضرت عمر نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہ آیت پڑھی من یطع اللہ (جس نے فرائض میں اللہ کی اطاعت کی) ورسولہ (اور سنتوں میں اس کے رسول کی اطاعت کی) ویخش اللہ (اور وہ گزری ہوئی عمر کے گناہوں کو یاد کر کے اللہ سے ڈرا) ویتقہ (اور بقیہ عمر میں اللہ کی نافرمانی سے بچا) فاولئک ھم الفائزون (تو یہی لوگ کامیاب ہیں' دوزخ سے نجات پائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے) حضرت عمر نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جوامع الکلم (ایسا کلام جس کے الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۱۲ص ۲۷۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم

دیں گے تو وہ ضرور نکلیں گے‘ آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ‘ (تمہاری) اطاعت معلوم ہے‘ بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O آپ کہیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو‘ پس اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے‘ اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے O (النور: ۵۴-۵۳)

منافقین کی قسموں کا غیر معتبر ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ منافقین کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا‘ کیونکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ناپسند کرتے ہیں اور ناگوار سمجھتے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا اللہ کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی بیویوں کے پاس سے نکل جائیں تو ہم ضرور اپنے گھروں سے نکل جائیں گے‘ اور اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔

آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ‘ اس کے بعد فرمایا **طاعة معروفة** اس کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ تمہاری اطاعت تو ہمیں معلوم ہے اور وہ مشہور ہے کہ تم کیسی اطاعت کرتے ہو‘ اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تمہیں قسمیں کھانے کے بجائے اخلاص کے ساتھ اطاعت کرنی چاہیے۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری اطاعت تو معروف ہے اور وہ محض جھوٹ ہے۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے کہ تم زبان سے اطاعت کرنے کی قسمیں کھاتے ہو اور عمل سے اپنی قسموں کی مخالفت کرتے ہو۔

آپ کہیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم پھر گئے یعنی اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت سے پھر گئے تو رسول کے ذمہ وہ کام ہیں جن کا ان کو مکلف کیا گیا ہے‘ یعنی انہیں احکام شرعیہ کی تبلیغ عام کرنے کا حکم دیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ کام ہیں جن کا تم کو مکلف کیا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو سننا اور ان پر عمل کرنا اور اگر تم نے ان احکام پر عمل کر لیا تو تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور رسول پر تو تبلیغ کر کے دین کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

کتب سابقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نبی حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی کی آپ بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑے ہو کر وعظ کریں میں جو چاہوں گا آپ کی زبان سے نکلواؤں گا‘ پھر آپ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہلوایا: اے آسمان سن! اے زمین خاموش رہ! اللہ تعالیٰ ایک امر کی تدبیر کرنے والا ہے جس کو وہ پورا کرنے والا ہے وہ جنگلوں کو آباد کرنا‘ ویرانوں کو بسانا اور صحراؤں کو سرسبز کرنا چاہتا ہے۔ وہ فقیروں کو غنی کر دے گا‘ چرواہوں کو سلطان بنا دے گا‘ ان پڑھ لوگوں میں سے ایک امی کو نبی بنا کر بھیجے گا جو بدگو ہوگا‘ نہ بد اخلاق ہوگا‘ نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا‘ وہ مسکین صفت اور متواضع ہوگا‘ اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہیں بجھ سکے گا جس کے پاس سے وہ گزرے گا‘ اگر وہ سوکھے بانس پر پیر رکھ کر چلے تو اس کی چرچراہٹ بھی کسی کے کان میں نہیں پہنچے گی‘ میں اس کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا‘ اس کی زبان صادق ہوگی‘ اس کے سبب سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں گی‘ اس کے باعث بہرے کان سننے لگیں گے‘ اس کی برکت سے بند دل کھل جائیں گے‘ میں ہر نیک کام سے اس کو سنواروں گا‘ اور ہر خلق کریم سے اس کو سرفراز کروں گا‘ اس کا لباس سکینہ ہوگی‘ نیکی اس کا وطیرہ ہوگی‘ تقویٰ اس کا ضمیر ہوگا‘ حکمت اس کی گفتگو ہوگی‘ صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی‘ عفو و درگزر کرنا اور لوگوں کی بھلائی چاہنا

اس کی خصلت ہوگی' حق اس کی شریعت ہوگی' عدل اس کی سیرت ہوگی' ہدایت اس کی امام ہوگی' اسلام اس کی علت ہوگی' اس کا نام احمد ہوگا' میں اس کے ذریعہ سے گم راہی کے بعد ہدایت پھیلا دوں گا' جہالت کے اندھیروں کے بعد علم کا نور پھیل جائے گا' اس کی وجہ سے پستی کے بعد بلندی ہوگی' نقص کمال سے بدل جائے گا' فقر تونگری سے بدل جائے گا' اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے لوگ مل جائیں گے' فرقت کے بعد اُلفت ہوگی' انفصال کے بعد اتصال ہوگا' اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا' متفرق دل اور مختلف خواہشیں متحد ہو جائیں گی' میں اس کی اُمت کو تمام اُمتوں سے افضل قرار دوں گا جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہوگی' نیک کام کرنے کا حکم دے گی اور برے کاموں سے روکے گی اس کی اُمت کے لوگ موحد' مومن اور مخلص ہوں گے اللہ کے جتنے رسول اللہ کے پاس سے جو کچھ لائے ہیں وہ ان سب پر ایمان لائیں گے اور کسی کا انکار نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۲۶' رقم الحدیث: ۱۴۷۵۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی' اور ضرور بہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرما لیا ہے' اور ضرور بہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا' وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں O (النور: ۵۵)

النور: ۵۵ کا شانِ نزول

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب حدیبیہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا تو اللہ عزوجل نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۵۹)

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۶۰)

مقاتل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں کب فتح عطا فرمائے گا' اور ہمیں کب زمین میں امن نصیب ہوگا' اور ہم سے کب مصائب دُور ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور اس آیت کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۶۱)

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ اس آیت کے شانِ نزول میں روایت کرتے ہیں:

الربیع بن انس ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے بعد دس سال تک' آپ خود اور آپ کے اصحاب بھی خوف کی حالت میں رہے کبھی چھپ کر اور کبھی ظاہراً اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' پھر آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا' اور وہاں بھی مسلمان خوف زدہ تھے وہ ہتھیاروں کے پہرے میں صبح اور شام گزارتے تھے' پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ہم پر امن اور سلامتی کا دن کب آئے گا؟ جب ہم اپنے ہتھیار رکھ سکیں گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے عرصہ کے بعد ہی تم میں سے کوئی شخص اپنی جماعت میں بغیر ہتھیاروں کے بیر

پھیلا کر بیٹھ سکے گا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی...... پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں نے اپنے ہتھیار اُتار دیئے اور امن اور چین سے رہنے لگے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی روح قبض کرلی' پھر مسلمان حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور تک امن سے رہے حتیٰ کہ پھر وہ فتنوں میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف داخل کر دیا۔ انہوں نے اپنے نیک اعمال کو برے اعمال سے بدلا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعمتوں کو مصائب سے بدل دیا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۶۴۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حمید اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' الدرالمنثور ج ۶ ص ۱۹۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ میں آئے' اور انصار نے ان کو جگہ دی' اور عرب ان پر تیر مارتے تھے' اور وہ کوئی رات ہتھیاروں کے بغیر نہیں گزارتے تھے اور ہر صبح ہتھیاروں کے ساتھ کرتے تھے' تو انہوں نے کہا کیا ہم کوئی رات امن اور اطمینان سے گزاریں گے جس میں ہمیں اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۱' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۱۲' جدید' اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۶۴۷' الدرالمنثور ج ۶ ص ۱۹۸' کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۵۴۱)

تنگ دستی کے بعد مسلمانوں کی خوشحالی

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص نے آ کر فاقہ کی شکایت کی' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے راستے میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ (حیرہ کوفہ سے تین میل دُور ایک شہر ہے جس کو آج کل نجف کہتے ہیں یہ ریاست حیرہ کا پایہ تخت رہا ہے' نیز فارس کے ایک گاؤں اور نیشاپور کے ایک محلّہ کو بھی حیرہ کہتے ہیں) میں نے کہا میں نے اس کو نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کی خبر سنی ہے' آپ نے فرمایا اگر تمہاری عمر طویل ہوئی تو تم ایک سفر کرنے والی خاتون کو دیکھو گے وہ حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا' میں نے دل میں کہا: پھر قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہوگا جنہوں نے ہر جگہ فساد برپا کر رکھا ہے! اور فرمایا اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے' میں نے پوچھا کسریٰ بن ہرمز! فرمایا! کسریٰ بن ہرمز' اور اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اس تلاش میں نکلو گے کہ کوئی اس کو قبول کرلے اور تم کو قبول کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا' اور تم میں سے کوئی شخص ضرور اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تمہاری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں! پھر فرمائے گا کیا میں نے تم کو مال نہیں دیا تھا اور تم کو فضیلت نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! پھر وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کو صرف جہنم نظر آئے گا' پھر وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو اس کو صرف جہنم نظر آئے گا۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دوزخ کی آگ سے بچو! خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے' اور جس کو کھجور کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملے تو وہ کسی سے کوئی اچھی بات کہہ دے' اور اس کے ذریعہ دوزخ سے بچے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو حیرہ سے سفر کر کے آئی اور اس نے کعبہ کا طواف کیا اور وہ راستہ میں صرف اللہ سے ڈرتی تھی' اور میں ان مسلمانوں میں سے تھا

جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو فتح کیا تھا اور اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم ضرور دیکھو گے کہ تم مٹھی بھر سونا لے کر نکلو گے اور اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۹۵، مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۸-۳۷۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۷۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۳۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۳)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ زمین پر کوئی پتھروں کا یا مٹی کا مکان باقی نہیں بچے گا اور نہ کوئی خیمہ رہے گا مگر اللہ اس میں کلمہ اسلام کو داخل کر دے گا' کسی غالب کو غلبہ دے کر یا کسی ذلیل کو پست کر کے' جو غالب ہوں گے ان کو اہل اسلام سے کر دے گا اور جو کمزور ہوں گے ان کو مسلمان کے تابع کر دے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴، المستدرک ج ۴ ص ۴۳۰)

نواب قنوجی کا آیت استخلاف کو خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص نہ قرار دینا

نواب صدیق بن حسن بن علی قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام اُمت کو زمین میں خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے' اور اس اختصاص پر کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی صفات صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس اُمت کے ہر اس فرد کے لیے اس خلافت کا حصول ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہو' اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہو' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو مومنین اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ خلفاء بنا دے گا اور وہ زمین میں اس طرح تصرف کریں گے جس طرح بادشاہ اپنی سلطنتوں میں تصرف کرتے ہیں اور ان علماء کا قول بہت بعید ہے جنہوں نے کہا یہ آیت خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یا مہاجرین کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اور خصوصیت سبب یا خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (فتح البیان ج ۴ ص ۶۱۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بعض آیات میں عموم الفاظ کے بجائے خصوصیت مورد کا اعتبار کیا جانا

نواب قنوجی کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' ہر چند کہ قاعدہ یہی ہے کہ اگر آیت کے الفاظ میں عموم ہو اور اس کا مورد اور سبب خاص ہو تو الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا' لیکن اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ کسی آیت میں الفاظ کا عموم مراد نہیں ہو سکتا تو پھر وہاں خصوصیت مورد اور سبب ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور سورۃ النور: ۵۵ کی یہ آیت بھی اسی طرح ہے' ہم پہلے اس قاعدہ سے استثناء کی چند نظائر پیش کریں گے اور پھر اس پر دلائل پیش کریں کہ سورۃ النور: ۵۵ میں عموم الفاظ کا اعتبار نہیں ہو سکتا بلکہ یہاں خصوصیت مورد ہی کا اعتبار ہے اور یہ آیت خلفاء راشدین ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (آل عمران: ۱۸۸)

ان لوگوں کے متعلق گمان نہ کرو جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں' اور جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' ان کے متعلق یہ گمان مت کرو کہ ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی' ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کے الفاظ کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اس شخص کو عذاب ہوگا جو اپنے کیے ہوئے کاموں پر خوش ہوتا ہے' اور یہ

چیز تو ہر شخص میں پائی جاتی ہے' پھر تو کوئی شخص بھی عذاب سے نہیں بچ سکے گا۔ اس لیے یہ آیت یہود کے ساتھ خاص ہے۔ حدیث میں ہے:

علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے ابورافع! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ اگر ہر اس شخص کو عذاب ہو جو اپنے کام پر خوش ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ان کاموں پر اس کی تعریف کی جائے جو اس نے نہیں کیے تو پھر تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ یہ آیت تو صرف یہود کے متعلق ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور ان سے آپ نے کسی چیز کے متعلق پوچھا جس کو انہوں نے چھپا لیا' اور آپ کو اس چیز کے علاوہ کسی اور چیز کی خبر دی' اس کے باوجود وہ اس بات کے خواہش مند رہے کہ آپ کے سوال کے جواب میں جو کچھ انہوں نے بتایا ہے اس پر ان کی تعریف بھی کی جائے' اور اصل حقیقت کو چھپا کر وہ بہت خوش ہوئے' پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ آیتیں پڑھیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۴' المستدرک ج ۲ ص ۲۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی جو دو آیتیں پڑھی تھیں' وہ یہ ہیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۚ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (آل عمران: ۱۸۸۔۱۸۷)

اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اس کو ضرور لوگوں سے بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کر دیا سو کیسا برا ہے ان کا یہ فروخت کرنا ○ ان لوگوں کے متعلق گمان نہ کرو جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں' اور جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' ان کے متعلق یہ گمان مت کرو کہ ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

خود نواب قنوجی نے بھی اس آیت کی مورد کے ساتھ تخصیص پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ نیز انہوں نے اس حدیث سے بھی اس آیت کی مورد کے ساتھ تخصیص پر استدلال کیا ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں منافقین پیچھے رہ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھنے پر خوش ہوتے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے تو اپنے نہ جانے پر عذر پیش کرتے اور یہ چاہتے کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر ان کی تعریف کی جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ ...... (آل عمران: ۱۸۸)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۷)

نیز نواب قنوجی لکھتے ہیں یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت فنحاس' الیسع اور ان کے امثال کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (فتح البیان ج ۱ ص ۵۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

عموم الفاظ کے باوجود مورد کے ساتھ تخصیص کی دیگر مثالیں درج ذیل ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں نواب قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھ لیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے جس طرح خازن نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے پہلے کوئی بات کہو نہ کوئی کام کرو' اور علامہ بیضاوی نے کہا اللہ اور رسول کے حکم کرنے سے پہلے کوئی بات یقینی طور پر نہ کہو۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۳۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ اس آیت کا حکم عہد رسالت کے ساتھ خاص ہے اور الفاظ کا عموم معتبر نہیں ہے۔

دوسری مثال یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو' اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے ○

اس آیت میں بھی الفاظ عام ہیں اور مورد خاص ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے وقت' آپ کی آواز سے آواز اونچی ہونا آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی متصور ہے۔

نواب قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو کہ وہ آپ کی آواز سے اونچی ہو جائیں۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۳۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الحجرات: ۵-۱ کی آیات اسی نوع کی ہیں ان میں الفاظ کا عموم ہے اور مورد عہد رسالت کے ساتھ خاص ہے۔

آیت استخلاف کے خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلائل

علماء اہل سنت نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا اور ان کی امانت پر راضی رہا' اور وہ اس دین پر تھے جس سے اللہ تعالیٰ راضی تھا' کیونکہ آج تک کوئی شخص فضیلت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہے' اور نہ کوئی شخص آج تک فضائل میں ان کے ہم پلہ ہے۔ ان کے خلیفہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شام' عراق' خراسان اور افریقہ کے شہروں پر اقتدار عطا فرمایا' ان کے دور میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی اور اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر دنیا کے بہت سے علاقوں میں پھیل گیا۔ انہوں نے اللہ کی حدود کو جاری کیا' احکامِ شرعیہ کو نافذ کیا قرآن مجید کو جمع کیا احادیث کو محفوظ اور مدوّن کیا' اور قرآن اور سنت پر عمل کرایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد ملوکیت آجائے

گی اور یہ تیس سال خلفاء راشدین کے دور تک پورے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال تک رہی' حضرت عمر کی خلافت دس سال تک رہی' حضرت عثمان کی خلافت بارہ سال تک رہی اور حضرت علی کی خلافت چھ سال تک رہی اور یوں مدت خلافت کے تیس سال پورے ہو گئے' ہم نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت (بادشاہت) آ جائے گی۔ سعید بن جمہان نے کہا مجھ سے حضرت سفینہ نے کہا حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کی خلافت اور حضرت عثمان کی خلافت اور حضرت علی کی خلافت کو گنو' ہم نے ان کا میزان کیا تو وہ تیس سال تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۶' ۴۶۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۶۵۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۳۶' ۱۳۶' ۶۴۴۲' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۳۷' المستدرک ج ۳ ص ۷۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۴۱' ۳۴۲' شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۸۶۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۸۳' رقم الحدیث:۱۰۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ جو مومنین صالحین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلافت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور ضرور بہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرما لیا ہے اور ضرور بہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا ہونا تھا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ آپ کی وفات کے بعد ہی مقرر کیا جانا تھا' اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہونا تھا کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں' اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ خلیفہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ایام حکومت میں ہی مقرر کیا گیا ہے' کیونکہ ان ہی ایام میں فتوح عظیمہ ہوئی ہیں اور زمین پر اقتدار حاصل ہوا ہے اور دین کا غلبہ ہوا ہے اور امن برپا ہوا ہے' اور یہ چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حاصل نہیں ہوئیں کیونکہ آپ اپنے پورے دورِ حکومت میں مسلمانوں میں سے اپنے مخالفین کے ساتھ جنگ میں مشغول رہے اور آپ کو کفار کے خلاف جنگ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں ان خلفاء کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

دلائل مذکورہ پر اعتراضات کے جوابات

اس تقریر پر چند اعتراضات ہیں' ہم ان اعتراضات کو مع ان کے جوابات کے پیش کر رہے ہیں:

(۱) اس آیت کے ظاہر معنی پر عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مومن صالح کو خلیفہ بنا دیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں "منکم" میں من تبعیضیہ موجود ہے یعنی تم میں سے بعض کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

(۲) لیستخلفنھم کا یہ معنی نہیں کہ وہ تم کو خلیفہ بنائے گا اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تم کو زمین میں ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ دے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو زمین میں بسایا تھا اور آباد کیا تھا' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو بھی زمین میں بسایا تھا ان کو زمین کی خلافت نہیں دی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خلیفہ بنانے کا معنی لوگوں کو زمین میں بسانا اور

آباد کرنا ہو تو یہ معنی تو تمام مخلوق کے لیے حاصل ہے پھر اس میں مومنین صالحین کی کیا خصوصیت ہے اور ان کو بشارت دینے کی کیا وجہ ہے۔

(۳) اگر یہ مان لیا جائے کہ اس سے مراد زمین میں خلیفہ بنانا ہے تو اس سے یہ کب لازم ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنانا ہے' کیونکہ تمہارا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور حضرت علی نے فرمایا تھا میں تم کو اس طرح چھوڑ دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں چھوڑ دیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین کر کے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا تاہم آپ نے خلافت کے ایسے اوصاف بیان کر دیئے تھے جو ان پر صادق آتے ہیں اور آپ نے ایسے اشارات کیے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کی تعیین کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے بہ اصرار اور بہ تاکید ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو نمازوں کا امام بنانے کا حکم دیا' اور ایام علالت میں حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں' اور آپ نے دو بار حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۵' سنن کبریٰ ج ۳ ص ۸۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایامِ مرض میں مجھ سے فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا ''میں ہی ہوں اور کوئی نہیں ہے'' اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۷) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون آئیں اور آپ سے کچھ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا پھر آنا' اس نے کہا یارسول اللہ! یہ بتلائیں کہ اگر میں آپ کو پھر نہ پاؤں تو؟ اس کا مطلب تھا اگر آپ فوت ہو جائیں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تم ابوبکر کے پاس آنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۶) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا' میں جب واپس پہنچا تو میں نے پوچھا آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ! پوچھا مردوں میں؟ فرمایا اس کا باپ! پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر! پھر آپ نے کئی لوگوں کے نام گنوائے تو میں اس خیال سے خاموش رہا کہ شاید میرا نام سب کے آخر میں آئے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۴) محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی) سے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا ابوبکر' میں نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر' مجھے خوف ہوا کہ اب آپ حضرت عثمان کا نام لیں گے میں نے کہا پھر آپ ہیں؟ فرمایا میں تو صرف مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان (بھی چڑھے) وہ پہاڑ ان کی وجہ سے ہلنے لگا آپ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا ''اے احد ساکن ہو جا'' تجھ پر صرف ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۶)

(۴) یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی بشارت ہو کیونکہ کبھی واحد کو بھی تعظیماً جمع کے ساتھ تعبیر کر لیا جاتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مومنین صالحین سے حضرت علی مراد ہوں! اس کا جواب یہ ہے کہ جمع کو واحد پر محمول کرنا مجاز اور خلاف اصل ہے۔

(۵) اگر جمع سے واحد سے زیادہ ہی مراد ہوں تو اس سے بارہ امام کیوں نہیں مراد ہو سکتے! اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو عہد رسالت میں موجود تھے' اور بارہ امام اس وقت موجود نہ تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سے خلافت کا وعدہ کیا ہے ان کو قوت اور شوکت اور فرمانروائی عطا فرمانے کا بھی وعدہ کیا ہے اور ان بارہ اماموں میں سے آخری دس کو تو بہرحال اپنے اپنے زمانوں میں قوت' شوکت اور فرمانروائی حاصل نہ تھی۔

آیتِ استخلاف سے صرف حضرت علی' بارہ امام' یا امام مہدی کے مراد نہ ہونے پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے بہ کثرت علماء نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے اور ان کے دین کو اقتدار عطا کرنے کا اور دشمنوں سے ان کو امن عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے وعدہ کا پورا نہ ہونا محال ہے' اور یہ مجموعہ (خلافت' دین کا اقتدار اور دشمنوں سے امن) صرف خلفاء اربعہ کے عہد میں حاصل ہوا ہے۔ سو ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے سے برحق خلیفہ تھا' اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے زمانہ کے تمام حاضرین کو خلیفہ بنا دیا جاتا بلکہ خلافت ان حاضرین میں منعقد ہوئی تھی (جیسے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اندلس کو فتح کیا تھا' اور مسلمانوں نے تین براعظموں پر حکومت کی تھی' اور مسلمانوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی تھی) اس لیے اس آیت میں خطاب کا عام ہونا اور من کا بیانیہ ہونا صرف ان چار کے خلیفہ ہونے کے منافی نہیں ہے' اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں فتنوں اور شورشوں کا برپا ہونا بھی امن کی بشارت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جس امن کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد دشمنانِ دین اور کفار سے امن ہے اور حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانوں میں جو فتنے اُٹھے تھے' وہ مسلمانوں کی بغاوت کی وجہ سے تھے وہ محض اندرونی خلفشار تھا' بیرونی خطرہ نہیں تھا۔

امام رازی اور بعض دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت سے شیعہ کے خلاف صرف خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر دلیل قائم کی ہے کیونکہ شیعہ ان تینوں کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے اس آیت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے برحق ہونے پر استدلال نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شیعہ کے نزدیک مسلم ہے اور دونوں فریقوں کے نزدیک حضرت علی کی خلافت کے دلائل بہت زیادہ ہیں' اس لیے انہوں نے کہا کہ عہد رسالت میں مومنین صالحین کی جو جماعت حاضر تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے خلافت' اقتدار اور امن عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور یہ وعدہ صرف ان تین خلفاء کے زمانہ میں پورا ہوا۔ امام مہدی اس آیت کے نزول کے زمانہ میں قطعاً اور بالاجماع موجود نہ تھے' اس لیے اس آیت کو ان کے ساتھ وعدہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہرچند کہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے لیکن ان کے زمانہ میں دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کما حقہ نہیں ہو سکی اور اسلامی فتوحات اور دین کو مزید اقتدار حاصل نہیں ہوا' بلکہ کتب شیعہ میں یہ تصریح ہے حضرت علی اور ان کے حامی شیعہ اپنے دین کو چھپا کر رکھتے تھے اور بہ طور تقیہ مخالفین کے دین کو ظاہر کرتے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کامل امن حاصل نہیں ہوا تھا۔

شام' مصر اور مغرب کے مسلمان حضرت علی کی خلافت کا مطلقاً انکار کرتے تھے اور ان کے احکام کو قبول نہیں کرتے تھے اور شیعہ کے زعم کے مطابق وہ کافر تھے' اور حضرت علی کے لشکر کی اکثریت ان مسلمانوں سے ڈرتی تھی اور ان سے بہت زیادہ محتاط رہتی تھی' اس وجہ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے' کیونکہ شیعہ کے اصول کے

مطابق جمع کے افراد کم از کم تین ہیں اور جمع کا واحد پر اطلاق ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے بھی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے اور بارہ اماموں میں سے بقیہ امام بعد میں پیدا ہوئے لہٰذا وہ اس آیت کی مراد نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کو زمین میں اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا' نہ ان کے پسندیدہ دین کا رواج ہوا تھا اور نہ ان کو دشمنوں کے خوف اور خطرہ سے امن اور اطمینان حاصل ہوا تھا' بلکہ وہ علماء شیعہ کی تصریح کے مطابق دین کے دشمنوں سے خوف زدہ رہتے تھے اور تقیہ کرتے تھے' اور اس پر شیعہ علماء کا اجماع ہے' سو اس سے لازم آیا کہ خلفاء ثلاثہ ہی اس آیت کے مصداق ہیں۔ لہٰذا ان کی خلافت برحق ہے اور یہی مطلوب ہے۔ (روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی کی خلافت کا برحق ہونا خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے برحق ہونے پر موقوف ہے

امام رازی اور علامہ آلوسی نے جو آیت استخلاف کی تقریر کی ہے اس میں لکھا ہے کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا برحق ہونا ثابت ہے اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس آیت سے ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے روافض اور شیعہ کا رد کرنے کے لیے ایسا کہا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت نہیں ہے صرف حضرت علی' بارہ اماموں یا حضرت مہدی کی خلافت ثابت ہے جیسا کہ عنقریب کتب شیعہ کے حوالوں سے آئے گا' اور اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت' خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی فرع ہے اور جب خلفاء ثلاثہ کی خلافت صحیح اور ثابت ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہوگی اس کے لیے الگ دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث اور آثار سے ظاہر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس خلافت کا ان لوگوں سے زیادہ کوئی حق دار نہیں ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے پھر انہوں نے یہ نام لیے: حضرت علی' حضرت عثمان' حضرت زبیر' حضرت طلحہ' حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۰' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۴۵' جدید' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۱ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابن عساکر متعدد اسانید سے روایت کرتے ہیں کہ دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہوا' آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے۔ حضرت زبیر نے حضرت علی کا نام لیا' حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا' حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام لیا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا میں اپنے حق کو چھوڑتا ہوں' اب خلافت صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سنت شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی' اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے الگ الگ حضرت عثمان اور حضرت علی سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں' ان کی رضامندی کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر صحابہ مسجد میں جمع ہوئے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی' پھر حضرت علی نے بیعت کی پھر تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

(تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۱ ص ۱۲۸-۱۲۴' ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۴۶-۴۴' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس حوالے سے واضح ہو گیا کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ حضرت عثمان یا حضرت علی میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے معین ہو گئے اور آپ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی فرع ہے۔

آیت استخلاف سے شیعہ مفسرین کا حضرت علی' بارہ اماموں اور امام مہدی کی خلافت پر استدلال

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں خلیفہ بنانے سے مراد امارت اور خلافت عطا کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد گزرے ہوئے لوگوں کی طرح ان کو زمین میں باقی رکھنا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِی الْاَرْضِ ؕ . وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا۔ (فاطر:۳۹)

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ . (الاعراف:۱۲۹) (موسیٰ نے) کہا اللہ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور ان کی بجائے تم کو اس زمین میں آباد کر دے گا۔

پس اس آیت میں جس استخلاف اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حاصل تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا آپ کے پیغام اور آپ کے دین کو غلبہ عطا فرمایا' اور اسلام کو پھیلا دیا تو یہ وعدہ پورا ہو گیا' اور ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کے دین کو سربلند نہیں کیا' حتیٰ کہ بعد میں آنے والوں نے اس کام کی تلافی کی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس اقتدار عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ملکوں اور شہروں کو فتح کرنا نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ کے دین کو ابھی تک غلبہ اور اقتدار حاصل نہیں ہوا' کیونکہ بہت سارے ممالک ابھی تک فتح نہیں ہوئے اور کفار کے قبضہ میں ہیں' اور اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ (حضرت) معاویہ اور بنو امیہ کی امامت بھی برحق ہو اور ان کا اقتدار (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر سے زیادہ وسیع ہو' کیونکہ انہوں نے ان سے زیادہ ملکوں کو فتح کیا ہے۔

اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس آیت میں استخلاف سے مراد خلیفہ اور امام بنانا ہے تو لازم آئے گا کہ ان کی (حضرت ابوبکر وغیرہ کی) خلافت منصوص ہو حالانکہ ہمارے مخالفین کا مذہب یہ ہے کہ کسی کی خلافت منصوص نہیں ہے اور اگر وہ اس آیت سے ان کی امامت کی صحت پر استدلال کریں تو لازم آئے گا کہ وہ بغیر آیت کے ان کی امامت پر استدلال کریں اور ان کو خلفاء رسول قرار دیں حتیٰ کہ یہ آیت ان کو شامل ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مفسرین نے ان کی خلافت کا ذکر کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تمام مفسرین نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے' اور حضرت ابن عباس وغیرہ نے بھی تقریباً یہی کہا ہے۔

اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں' کیونکہ وہ ڈر اور خوف کے بعد ظاہر ہوں گے اور مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوں گے۔ لہٰذا اہل سنت کی تفسیر کے مطابق اس پر اجماع نہ ہوا' ہم کسی ایک تفسیر پر طعن نہیں کر رہے' ہماری مراد یہ ہے کہ اس آیت میں خلافت اور امامت پر دلالت نہیں ہے' اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے اختیار کرنے پر دلائل کی ضرورت نہ پڑتی' اور پھر خلفاء ثلاثہ کی خلافت منصوص ہوتی اور یہ اکثر علماء کا مذہب نہیں ہے۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۷ ص ۴۵۷-۴۵۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

الشیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی التوفی فی القرن السادس (۶۰۰ ھ) لکھتے ہیں:

العیاشی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا اللہ کی قسم اس سے مراد ہمارے شیعہ اہل بیت ہیں' ہم میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ یہ خلافت دے گا' اور وہ اس اُمت کے مہدی ہیں' جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر دنیا کی بقاء میں سے صرف ایک دن رہ جائے تو اللہ اس دن کو طویل کر دے گا حتیٰ کہ میری اولاد سے ایک شخص والی ہوگا اور وہ اس دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ پہلے یہ دنیا ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوئی تھی' اور ابو جعفر عبداللہ علیہ السلام سے بھی اسی کی مثل مروی ہے' لہٰذا اس آیت میں مومنین صالحین سے مراد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت صلوات الرحمان ہیں' اور یہ آیت ان کے لیے خلافت' شہروں پر اقتدار اور مہدی کی آمد کے وقت ان سے خوف کے زائل ہونے کی بشارت کو متضمن ہے اور اس خلافت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت آدم' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا تھا اسی طرح ان کو خلیفہ بنایا جائے گا' اس پر عترت طاہرہ کا اجماع ہے اور ان کا اجماع حجت ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں ثقلین (دو وزنی چیزیں) چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت میری اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گی حتیٰ کہ میرے پاس حوض پر آئیں گی۔ نیز زمین پر اقتدار عطا کرنے کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ ماضی میں اہل بیت کو یہ اقتدار حاصل نہیں ہوا' سو اس اقتدار کا انتظار ہے' کیونکہ اللہ عزاسمہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (مجمع البیان ج ۷ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۶ ھ)

سید محمد حسین الطباطبائی لکھتے ہیں:

اس آیت میں جس خلافت' زمین پر اقتدار اور خوف کے بعد امن کی بشارت دی گئی ہے وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی' وہ اس وقت حاصل ہوگی جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس آیت کی کیا توجیہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ مستقبل میں ضرور پورا ہوگا ہر چند کہ ابھی تک پورا نہیں اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے لوگوں کو بھیج دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ (بنو اسرائیل: ۷)

کیونکہ جن یہودیوں سے وعدہ کیا گیا تھا وہ اس وعدہ کے پورے ہونے کے وقت تک زندہ نہیں رہے تھے' اسی طرح اس آیت میں جن مومنین صالحین سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اس وقت تک زندہ نہیں رہیں گے جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا اور ان کو خلافت' زمین پر اقتدار اور خوف کے بعد امن عطا کر کے اس وعدہ کو پورا کیا جائے گا۔

اسی طرح ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے بعد کہا:

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝

(ذوالقرنین نے کہا) یہ صرف میرے رب کی رحمت ہے' پس جب میرے رب کا وعدہ پورا ہوگا تو وہ اس کو زمین بوس کر دے گا' اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ (الکھف: ۹۸)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کے متعلق وعدہ فرمایا:

ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۚ

وہ آسمانوں اور زمینوں میں بڑا بھاری حادثہ ہے وہ تمہارے پاس صرف اچانک ہی آئے گی۔ (الاعراف: ۱۸۷)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین صالحین سے ایک وعدہ فرمایا جس کو اس آیت کے زمانہ نزول نے نہیں پایا اور نہ اب تک مومنین صالحین کی کسی جماعت نے اس وعدہ کو پایا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور حق یہ ہے کہ وعدہ اسی زمانہ کے مومنین کی جماعت میں پورا ہوگا جب امام مہدی کا ظہور ہوگا (الی ان قال) اور رہا یہ کہ اس آیت کو خلفاء راشدین' یا خلفاء ثلاثہ یا خصوصاً حضرت علی علیہ السلام پر منطبق کیا جائے تو اس کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(المیزان فی تفسیر القرآن ج ۱۵ص ۱۷۰-۱۶۸' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۹۷ھ)

شیعہ علماء کی مبسوط اور مؤخر تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت کے مصداق میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے:

(۱) بعض نے کہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن صحابہ نے زمین میں اقتدار حاصل کیا تھا' یہ آیت ان کے متعلق ہے۔

(۲) بعض نے کہا اس میں پہلے چار خلفاء کی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ایک جماعت نے کہا اس میں مہدی علیہ السلام کی حکومت کی طرف اشارہ ہے' جن کی حکومت میں تمام مشرق و مغرب ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے تمام مسلمان اس آیت میں شامل ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مہدی علیہ السلام جن کے متعلق شیعہ اور سنی متفق ہیں کہ وہ تمام دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ پہلے ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوگی وہ اس آیت کے مصداق کامل ہیں۔ (تفسیر نمونہ ج ۱۴ص ۵۳۰' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ)

علماء شیعہ کی تفسیروں پر مصنف کا تبصرہ

شیخ الطائفہ الطوسی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس آیت میں خلیفہ بنانے سے مراد ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو آباد کرنا ہے' لیکن اگر یہی معنی مراد ہو تو پھر اس میں مومنین صالحین کی کیا خصوصیت رہ جاتی ہے' کیونکہ کافروں کی بھی ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو زمین میں آباد کیا گیا۔ نیز اس آیت کو مومنین صالحین کے لیے انعام اور بشارت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور محض زمین پر آباد کرنے میں ان کے لیے کیا انعام اور کیا بشارت ہے' ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کو مراد لینے پر تمام صحابہ کا اجماع نہیں ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا اس آیت سے مراد تمام اُمت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر صحابہ اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے کہ اس آیت کا مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں اور حضرت ابن عباس اور مجاہد کا اختلاف' ہمیں مضر نہیں ہے' کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ اور تمام مفسرین کسی ایک تفسیر پر متفق ہوں۔

شیخ طبرسی اور شیخ طباطبائی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس آیت کا مصداق امام مہدی ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ دو وجہ سے غلط ہے ایک اس وجہ سے کہ اس آیت میں خلافت' زمین پر اقتدار اور امن عطا کرنے کا وعدہ ان مومنین صالحین سے کیا گیا ہے جو عہد رسالت میں حاضر اور موجود تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. (النور: ۵۵)	اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔

اور امام مہدی تو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ مومنوں کی جماعت سے کیا ہے اور خلفاء ثلاثہ پر جمع کا اطلاق صحیح ہے اور امام مہدی ایک فرد ہیں ان پر جمع کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

تفسیر نمونہ میں امام مہدی کوقطعی طور پر اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیا بہر حال اس آیت سے امام مہدی کو مراد لینے کا وہی جواب ہے جو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ نیز تفسیر نمونہ میں اس قول کو بھی برقرار رکھا ہے کہ اس آیت سے چار خلفاء کی طرف اشارہ ہے۔

اس اُمت کی پہلی اجتماعی ناشکری قتل عثمان ہے

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

امام الحسین بن مسعود الفرا البغوی التوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

ومن کفر بعد ذلک میں کفر سے مراد کفران نعمت ہے اور اس سے کفر باللہ مراد نہیں ہے' اور فاسقوں سے مراد اللہ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اس نعمت کا کفر کیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا' جب انہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جو امن کی نعمت عطا کی تھی' وہ واپس لے لی اور ان پر خوف مسلط کر دیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے اور خوں ریزی میں مشغول ہو گئے' حالانکہ ان سے پہلے وہ بھائی بھائی تھے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۲۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حمید بن بلال کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تھے اس وقت سے آج تک فرشتے تمہارے مدینہ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں' پس اللہ کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو وہ فرشتے لوٹ جائیں گے اور پھر کبھی نہیں آئیں گے۔ پس اللہ کی قسم تم میں سے جو شخص بھی ان کو قتل کرے گا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ سوکھا ہوا (شل' مفلوج) ہو گا۔ بے شک اللہ کی تلوار تم سے اب تک میان میں رکھی ہوئی ہے اور اللہ کی قسم اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو اللہ اپنی تلوار کو میان سے نکال لے گا پھر کبھی اس تلوار کو میان میں نہیں رکھے گا یا کہا قیامت تک میان میں نہیں رکھے گا' اور جب بھی کسی نبی کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلہ میں ستر ہزار افراد قتل کیے گئے' اور جب بھی کسی خلیفہ کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلہ ۳۵ ہزار نفوس قتل کیے گئے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۶۳' مکتب اسلامی' رقم الحدیث: ۲۱۱۲۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۵۴۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر التوفی ۵۷۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد کسی کو باندھ کر قتل نہیں کیا جائے گا' ماسوا قاتل عثمان کے۔ تم اس کو قتل کر دو گے اگر تم نے اس کو ذبح نہیں کیا تو تم کو بکریوں کی طرح ذبح کیے جانے کی بشارت ہو۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۱ ص ۲۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۵۴۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ کی تلوار اس وقت تک میان میں رہے گی جب تک کہ عثمان زندہ رہیں گے اور جب عثمان کو قتل کر دیا جائے گا تو وہ تلوار میان سے باہر نکل آئے گی پھر قیامت تک وہ تلوار میان میں داخل نہیں ہو گی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۱ ص ۲۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۲۸۶)

حافظ السیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند موضوع ہے' اس کی آفت عمرو بن فائد ہے اور اس کا شیخ ابن عدی بھی کذاب ہے' حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی نکارت ظاہر ہے۔ (میزان الاعتدال رقم: ۶۴۲۱)

(اللآلی المصنوعہ ج ا ص ۲۹۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حکمران دنیاوی امور کے منتظم ہیں اور علماء دینی امور کے

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری نیشاپوری متوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اس کا کلام صادق ہے' اور یہ آیت خلفاء اربعہ کی خلافت کی صحت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ان کے دور سے لے کر آج تک کوئی شخص ان سے زیادہ افضل نہیں ہے۔ ان کی امامت قطعی ہے' ان کا دین اللہ کی طرف سے پسندیدہ ہے ان کو خوف کے بعد امن حاصل ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کے داخلی اور خارجی معاملات کو عمدگی کے ساتھ طے کیا اور اسلام کا دفاع کیا۔

اس آیت میں ان ائمہ دین کی طرف اشارہ ہے جو ارکان ملت ہیں' اسلام کے ستون ہیں اور مسلمانوں کے خیرخواہ ہیں' کیونکہ مسلمانوں کے معاملات میں ظالم حاکموں کی وجہ سے فساد آیا تھا جن کا نصب العین صرف دنیاوی اقتدار تھا' رہے دین کی حفاظت کرنے والے تو وہ ائمہ دین اور علماء ہیں اور ان کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) علماء کا ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی اشاعت کی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار کو محفوظ اور مدون کیا یہ علماء بہ منزلہ خزانہ ہیں۔

(۲) علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے اصولِ دین اور عقائد کی حفاظت کی اور بدعقیدہ معاندین اور اہل بدعت کا قرآن و سنت کے واضح دلائل سے رد کیا' یہ علماء اسلام کے بہادر مجاہد ہیں۔

(۳) علماء کا تیسرا گروہ وہ فقہاء اور مجتہدین ہیں جو پیش آمدہ دینی مسائل اور معاملات میں عوام کی رہ نمائی کرتے ہیں اور کتاب وسنت اور اقوال مجتہدین سے فتاویٰ جاری کرتے ہیں۔ یہ علماء ملک کی قوت نافذہ کے قائم مقام ہیں اور اس دور کی اصطلاح کے مطابق حسب مراتب ججوں کے عہدوں پر فائز ہیں۔

(۴) علماء کا چوتھا گروہ وہ ہے جو لوگوں کو بیعت کرتے ہیں ان کو گناہوں سے توبہ کراتے ہیں ان کو نیک اعمال کی تلقین کرتے ہیں ان کو اوراد و وظائف کی تعلیم دیتے ہیں' ان کے دلوں سے معصیت کا زنگ اور میل کچیل اُتار کر ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور محبت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ یہ بادشاہ کے خواص اور مجلس سلطان کے مقربین کے منزلہ میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سلاطین اور حکمران مسلمانوں کے دنیاوی امور کے منتظم ہوتے ہیں اور علماء مسلمانوں کے دینی امور کے منتظم ہوتے ہیں۔ یہ تقسیم بعد کے سلاطین اور حکمرانوں کے اعتبار سے ہے' رہے خلفاء راشدین تو وہ مسلمانوں کے دنیاوی امور کے بھی وکیل تھے اور ان کے دینی امور کے بھی کفیل تھے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۴-۳۷۳' ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O (النور: ۵۶)

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تفسیر البقرۃ: ۴۳ میں گزر چکی ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ

تم پر رحم کیا جائے اس کی تفسیر آل عمران: ۱۳۲ میں گزر چکی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہےO (النور: ۵۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! آپ کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہماری گرفت سے باہر نکل سکتے ہیں اور جب ہم ان کو عذاب دینا چاہیں تو ہم سے بھاگ سکتے ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الدمیاطی متوفی ۱۱۱۷ھ لکھتے ہیں:

ابن عامر' حمزہ اور ادریس نے لاتحسبن کو غائب کے صیغہ کے ساتھ لایحسبن پڑھا ہے' یعنی کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ وہ کفار زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں اور ہم ان کو اپنے عذاب میں نہیں پکڑ سکیں گے یا وہ کفار یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہم کو عاجز کرنے والے ہیں۔ (اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعۃ عشر ص ۴۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ط مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے' نماز فجر سے پہلے

وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ

اور ظہر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد' یہ تین اوقات

الْعِشَآءِ ط ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ط لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ

تمہارے پردے کے ہیں' ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر

بَعْدَهُنَّ ط طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

کوئی گناہ ہے' وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں' اللہ اسی طرح

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ

اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے' اور اللہ خوب علم والا' بے حد حکمت والا ہےO اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغت کو

الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذٰلِكَ

پہنچ جائیں تو ان کو بھی اجازت طلب کر کے آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے مرد اجازت طلب کرتے ہیں' اللہ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ

اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا‘ بے حد حکمت والا ہے ○ اور وہ بوڑھی عورتیں

النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ

جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ

يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ

اپنے حجاب کے کپڑے اتار رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں‘ اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں

خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا

تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بہت سننے والا‘ بے حد جاننے والا ہے ○ نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ

عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ

لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ

تم اپنے گھروں سے کھاؤ‘ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ

یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا

جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے‘ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب

جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ

مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ‘ پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو‘

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو' اللہ اسی طرح تمہارے لیے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھ لو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے' نماز فجر سے پہلے' اور ظہر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اُتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں' ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے' وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں' اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا' بے حد حکمت والا ہے ○ (النور: ۵۸)

تین اوقات میں گھر میں دخول کے لیے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم التوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو آدمیوں نے اس آیت کے متعلق سوال کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے پردے کے ان تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ ستر کرنے والا ہے اور ستر کو پسند کرتا ہے' لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے' اور نہ ان کے گھروں پر حجاب ہوتا تھا' بسا اوقات اچانک اس کے گھر میں اس کا خادم یا اس کا بیٹا یا اس کی لے پالک بیٹی آجاتی اور وہ اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہوتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ ان اوقات میں اجازت طلب کر کے گھر میں داخل ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وسعت اور کشادگی کر دی اور انہوں نے اپنے گھروں میں پردے ڈال لیے اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا پردے ڈال دینا کافی ہے اور اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۸۷)

موسیٰ بن ابی عائشہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی لیکن لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۹۰)

حسن بصری نے کہا جب کوئی شخص اپنے خادم کو رات میں اپنے پاس ٹھہرائے تو وہ اس کی طرف سے اجازت ہے اور اگر وہ اس کو رات میں اپنے پاس نہیں ٹھہراتا تو وہ ان تین اوقات میں اجازت طلب کر کے اندر آئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۹۱)

مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری اور اس کی بیوی اسماء بنت مرشدہ دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا' اور لوگ ان سے اجازت لیے بغیر ان کے گھر میں داخل ہو گئے تو حضرت اسماء نے کہا یارسول اللہ! یہ کتنی بری بات ہے! کہ ایک عورت اور اس کا خاوند ایک کپڑا اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا خادم بغیر اجازت لیے ہوئے گھر میں داخل ہو جاتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۹۵)

سدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان اوقات میں اپنی ازواج سے جماع کرنے کو پسند

کرتے تھے' پھر وہ غسل کر کے نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان اوقات میں بغیر اجازت کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۷۹۶)

اجازت مذکورہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا باقی ہے

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے کے متعلق حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) ابن المسیب اور ابن جبیر نے کہا یہ آیت منسوخ ہے۔
(۲) ابوقلابہ نے کہا یہ حکم مستحب ہے واجب نہیں ہے' ان کی مصلحت کے اعتبار سے یہ حکم دیا گیا تھا۔
(۳) ابوعبدالرحمٰن اسلمی نے کہا اس حکم کی مخاطب خواتین ہیں۔
(۴) حضرت ابن عمر نے کہا اس حکم کے مخاطب مرد ہیں۔
(۵) یہ حکم پہلے واجب تھا کیونکہ پہلے گھروں کے نہ کواڑ تھے نہ دروازے' اور اگر پھر ایسے گھر ہوں تو یہ حکم پھر واجب ہوگا۔
(۶) قاسم' جابر بن زید' شعبی اور اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ حکم واجب اور ثابت ہے' مردوں اور عورتوں دونوں پر۔

اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ جب لوگوں کے گھروں میں دروازے اور پردے نہیں تھے اس وقت اس آیت کے حکم پر عمل کرنا واجب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وسعت عطا کر دی تو اب اس حکم پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح فرماتے تھے جیسا کہ ہم نے تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۷۸۷ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۹۲)

اس آیت میں جو ثلاث مرات فرمایا ہے اس کا معنی تین اوقات ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت لینا ضروری ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۲ ص۲۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اجازت طلب کر کے آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے مرد اجازت طلب کرتے ہیں اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا بے حد حکمت والا ہے O (النور:۵۹)

بالغ لڑکوں کو گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے

جب آزاد لڑکے بالغ ہو جائیں تو وہ گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کریں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب آزاد لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ کسی شخص اور اس کی بیوی کے ہاں کسی بھی وقت بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور جس طرح اور مرد گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں وہ بھی اجازت طلب کرے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۱۹)

سعید بن جبیر نے کہا جب وہ اپنے باپ دادا کے گھر جائیں تو اجازت طلب کریں' خواہ وہ مذکورہ تین اوقات ہوں یا دن اور رات کا کوئی بھی وقت ہو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۲۲)

سعید بن جبیر نے کہا جس طرح کسی شخص کے بڑے بیٹے اور دیگر رشتہ دار اجازت طلب کرتے ہیں اسی طرح بالغ لڑکے بھی اجازت طلب کریں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اُتار کر رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O (النور: ۶۰)

بوڑھی عورتوں کے حجاب کی وضاحت

القواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں جو آنے جانے اور معمول کے مطابق کام کاج کرنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جائیں' ان کا حیض آنا بند ہو جائے اور ان سے بچے پیدا نہ ہو سکیں' یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے کہا القواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے تم کو گھن آئے۔

فرمایا: ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اُتار کر رکھیں۔

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہیں اگر ان کے سر کے بال کھلے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے' اس بناء پر ان کا دوپٹہ اُتار کر رکھنا جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے' عورت کا پورا جسم سوا چہرے' ہاتھوں اور پیروں کے واجب الستر ہے اور اس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے اور چہرے' ہاتھوں اور پیروں کو چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے' اس لیے بوڑھی عورت کے لیے چادر کو اُتارنا اور چہرے' ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کی مثل ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ گھر میں قمیص پہنے اور دوپٹہ اوڑھے اور اوپر اوڑھنے والی چادر اُتار سکتی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۴۴)

فرمایا: **غیر متبرجات بزینة** :تبرج کا معنی ہے کسی چیز کو ظاہر کرنا اور دکھانا یعنی ان کی زینت اور بناؤ سنگھار کے دکھائی دینے میں کوئی حجاب نہ ہو' اس طرح وہ خود کو نہ دکھائیں۔

ام الضیاء بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی' میں نے عرض کیا اے ام المومنین! آپ بالوں کو رنگنے' کپڑوں کو رنگنے' کانوں میں بالیاں پہننے' پازیب پہننے' سونے کی انگوٹھی پہننے اور باریک کپڑوں کے پہننے کے بارے میں کیا فرماتی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں لیکن تمہارے اس بناؤ سنگھار کو غیر محرم نہ دیکھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۴۹)

سعید بن جبیر نے کہا وہ اپنی چادر اُتار کر گھر سے نہ نکلے جس سے اس کی زینت دکھائی دے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۵۱)

مقاتل بن حیان نے کہا اس کے لیے اوپر اوڑھنے والی چادر اُتار کر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے جس سے اس کے گلے کا ہار' کانوں کی بالیاں اور دیگر زیورات دکھائی دیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۵۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے' اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ' پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو' اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ

لوہ (النور:۶۱)

بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت کے اسباب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ۔

(البقرۃ:۱۸۸)

تو مسلمانوں نے بیماروں' اپاہجوں' اندھوں اور لنگڑوں کے ساتھ کھانے میں حرج سمجھا اور انہوں نے کہا ہمارا سب سے افضل مال تو کھانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ناحق مال کھانے سے منع فرمایا ہے' اور اندھا کھاتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ پلیٹ میں اچھا طعام کس جگہ ہے' (مثلاً بوٹیاں یا انڈے کس جگہ رکھے ہیں) اور لنگڑا پوری طرح بیٹھنے پر قادر نہیں ہے' اور وہ صحیح طرح نہیں کھا سکتا' اور بیمار آدمی کمزوری کی وجہ سے اچھی طرح نہیں کھا سکتا' اس لیے وہ ان معذوروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھنے لگے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اگر تم اندھوں' بیماروں اور لنگڑوں کے ساتھ کھانا کھاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۸۷۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۵۸' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۰' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۵)

سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہما نے کہا کہ لنگڑے' اندھے اور بیمار' تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے' کیونکہ لوگوں کو ان سے گھن آتی تھی اور وہ ان کے ساتھ کھانا کھانے میں کراہت محسوس کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ اندھا بعض اوقات زیادہ کھا جاتا ہے اور لنگڑا زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۸۷۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۴۵۲۹' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۰' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے ساتھ کھانے کے پیالہ میں شریک کیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اللہ پر توکل اور اعتماد کر کے کھاؤ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۴۵۲۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کا چیچک کا مریض آیا جس کی کھال چھلی ہوئی تھی' وہ جس شخص کے پاس بھی بیٹھتا وہ اس کو اٹھا دیتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۴۵۲۷)

سعید بن مسیب نے کہا مسلمان جب کسی غزوہ میں جاتے تو بیماروں اور اپاہجوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ جاتے تھے اور اپنے گھروں کی چابیاں انہیں دے دیتے تھے اور وہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارے لیے ان کے گھروں سے کھانا پینا حلال نہیں ہے' اور اس میں حرج سمجھتے تھے وہ کہتے تھے جب کہ وہ لوگ غائب ہیں تو ہمیں ان کے گھروں سے کھانا پینا جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۸۷۶' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۶۴' مسند البزار رقم الحدیث:۲۲۴۱' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۰' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۶-۲۰۵)

اولاد کے گھروں کو اپنا گھر فرمانا

اس آیت میں فرمایا ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ۔ اس کی تفسیر میں ایک یہ قول ہے کہ تم اپنی

اولاد کے گھروں سے یا اپنی بیویوں کے گھروں سے کھاؤ تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے! آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے والد کی ملکیت ہے اور بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے سو تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰ ‘سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲ ‘مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹ ‘شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۵۸ ‘تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار رقم الحدیث: ۵۰۴۳)

امام طحاوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ بیٹے کا مال باپ کا مال ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بیٹا باپ کے قول سے خارج نہ ہو۔ ابوجعفر محمد بن العباس کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی عمران سے پوچھا اس حدیث کا کیا معنی ہے: ”تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے“ انہوں نے کہا یہ حضرت ابوبکر کے اس جواب کی مثل ہے یارسول اللہ! میں خود اور میرا مال آپ کی ملکیت ہے‘ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ (تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار ج ۷ ص ۱۳۹ ‘دار بلنسیہ ریاض: ۱۴۲۰ھ)

وکیلوں کے لیے اپنے مؤکلوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت

نیز فرمایا: یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد کسی شخص کا وکیل اور اس کا قیم (کارمختار‘ منتظم‘ منیجر) ہے‘ جو اس کی زمین اور اس کے مویشیوں کی دیکھ بھال اور ان کا انتظام کرتا ہو اور اس کی طرف سے اس کے امور اور معاملات کا ذمہ دار اور جواب دہ ہو‘ اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اس کی زمین کے پھلوں سے کھائے اور اس کے مویشیوں کا دودھ پیے۔

عکرمہ نے کہا جب کوئی شخص کسی کی چابیوں کا مالک ہو تو وہ اس کا خازن ہے تو وہ اس کی چیزوں سے تھوڑی سی چیز کھا سکتا ہے۔

سدی نے کہا ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے طعام وغیرہ میں متصرف بنا دیتا ہے وہ اس میں سے کچھ کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۸۲-۱۹۸۷۹ ‘معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرنے میں رغبت رکھتے تھے‘ وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپنے وکیلوں اور کفیلوں کو دے دیتے تھے‘ اور یہ کہہ کر دیتے تھے کہ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ تم کھا لینا ہم نے تمہارے لیے اپنی چیزیں حلال کر دی ہیں‘ اور وکیل یہ کہتے تھے کہ ہمارے لیے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے خوشی سے ہمیں اجازت نہیں دی‘ ہم ان کے مال کے امین ہیں‘ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۷۵ ‘مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی‘ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

امام عبد بن حمید اپنی سند کے ساتھ ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ اہل علم نے کہا کہ یہ آیت مسلمان امینوں کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے میں رغبت کرتے تھے‘ اور اپنی چابیاں اپنے امینوں کو دے دیتے تھے اور ان سے یہ کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لیے اپنے گھروں کی کھانے پینے کی چیزیں حلال کر دی ہیں‘ اور جن امینوں کو چابیاں دی تھیں وہ یہ کہتے تھے کہ ہر چند کہ انہوں نے اپنے گھروں کی چیزیں حلال کر دی ہیں لیکن ہم پر ان کی چیزیں

حلال نہیں ہیں۔ ہم تو صرف ان کی چیزوں کے محافظ اور امین ہیں' وہ اس موقف پر قائم رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی' پھر وہ خوشی سے ان چیزوں کو کھانے لگے۔ (الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت خواہ مل کر یا الگ الگ

اور فرمایا: یا اپنے دوست کے گھر سے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔

حسن اور قتادہ کی یہ رائے تھی کہ ایک شخص اپنے دوست کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہو سکتا ہے اور اس کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو کھا سکتا ہے' خواہ اس کا دوست گھر میں موجود نہ ہو لیکن اس کو وہاں سے چیزیں اُٹھا کر لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

قتادہ' ضحاک اور ابن جریج نے کہا یہ آیت بنولیث بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بنو کنانہ کے قبیلہ کا تھا' ان کا ایک شخص تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا حتیٰ کہ کوئی مہمان بھی اس کے ساتھ کھانا کھائے۔ بسا اوقات وہ شخص اپنے سامنے کھانا رکھ کر صبح سے شام تک بیٹھا رہتا تھا اور بعض اوقات اس کے پاس دودھ دینے والی اونٹنیاں ہوتی تھیں اور وہ اس وقت تک ان کا دودھ نہیں پیتا تھا حتیٰ کہ کوئی شخص اس کے ساتھ دودھ پینے والا آ جاتا۔ پس جب شام تک کوئی نہیں آتا تھا تو وہ انتظار کر کے کھا لیتا تھا۔

عکرمہ اور ابوصالح نے کہا یہ آیت انصار کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ اس مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے' تو ان کو اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں کھالیں تنہا یا کسی کے ساتھ مل کر۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۸۸' ۱۴۸۸۳' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۸۹' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۲-۴۳۱' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۷-۲۰۶)

گھر میں دخول کے وقت گھر والوں کو سلام کرنا

اس آیت کے آخر میں فرمایا: پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو' اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا گھروں سے مراد مسجد ہے' جب تم مسجد میں داخل ہو تو کہا کرو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصلحین۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۹۰' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۸)

زہری اور قتادہ نے کہا جب تم اپنے گھر داخل ہو تو کہو سلام علیکم۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۹۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۱۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۳۸۷' مکتب اسلامی)

ابن جریج نے کہا عطا بن ابی رباح سے سوال کیا گیا کیا کسی شخص پر یہ حق ہے کہ جب وہ اپنے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے؟ انہوں نے کہا ہاں! (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۹۲)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطا سے پوچھا آیا کسی شخص پر واجب ہے کہ جب وہ گھر سے نکلے تو گھر والوں کو سلام کرے؟ عطا نے کہا میں اس کو واجب نہیں جانتا نہ کسی نے مجھ سے کہا یہ واجب ہے لیکن میرے نزدیک یہ مستحب ہے' اور میں سوائے بھول کے اس کو ترک نہیں کرتا۔ ابن جریج نے کہا میں نے عطا سے پوچھا اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو؟ انہوں نے کہا سلام کرو

اور کہو السلام علی النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عبادالله الصلحین' السلام علی اهل البیت ورحمة الله. (جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۸۹۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو' اور جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو' اور جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرتا ہے اور اپنے طعام پر بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے اس گھر میں نہ تمہارے رات گزارنے کا ٹھکانہ ہے اور نہ رات کا کھانا ہے' اور جب تم میں سے کوئی شخص سلام نہیں کرتا اور نہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے تمہیں رات کا ٹھکانا اور کھانا مل گیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۱۵' کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۹۹)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

مسلمان کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ کی طرف سے اپنے اوپر سلام بھیجے' یعنی اللہ کی طرف سے اپنے لیے امان اور سلامتی کو طلب کرے تا کہ وہ اللہ کی رضا کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے باز رہے' کیونکہ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی پناہ میں آنے سے سستی کرے تا کہ اس کے اوپر ہمیشہ اللہ سبحانہ کی عصمت اور حفاظت سایہ افگن رہے اور وہ کسی شرعی مکروہ کام کو کرنے سے بچا رہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ

مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقۃً ایمان رکھتے ہیں' اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی

عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے' بے شک جو لوگ

يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا

آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں' پس جب وہ اپنے کسی

اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں' اور ان کے لیے اللہ سے

لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ

مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ

بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ

قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو؛ بے شک اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تمہارے درمیان سے کسی کی

مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

آڑ میں چپکے سے نکل جاتے ہیں، سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے ○ سنو بے شک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ

اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اللہ کو خوب علم ہے تم جس حال میں ہو، اور جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

تو وہ ان کے کیے ہوئے سب کاموں کی خبر دے گا، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

ع ۹ | ۴ | ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں، وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (النور: ۶۲)

امر جامع (مجتمع ہونے والی مہم) کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے جب وہ کسی امر جامع میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں:

امر جامع سے مراد جہاد کا لشکر ہے، یا پانچ وقت کی نماز ہے یا نمازِ جمعہ ہے یا نمازِ عید ہے یا کسی اہم کام کے لیے مشورہ کرنے کی مجلس ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر خطبہ دے رہے ہوتے اور اس وقت کوئی شخص اپنے کسی کام یا کسی ضرورت کی بناء پر مسجد سے جانا چاہتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو جاتا، آپ اس کو دیکھ کر جان لیتے کہ یہ اجازت لینے کے لیے کھڑا ہوا ہے، پھر آپ ان میں سے جس کو چاہتے اجازت دے دیتے۔

مجاہد نے کہا جمعہ کے خطبہ میں امام ہاتھ کے اشارہ سے اجازت دے دے، اہل علم نے کہا اسی طرح ہر وہ مہم جس میں مسلمان امام کے ساتھ جمع ہوں اس میں مسلمان امام کی اجازت کے بغیر اس مجلس سے نہ نکلیں، اور جب کوئی شخص اجازت طلب کرے تو امام کو اختیار ہے وہ چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو اجازت نہ دے اور اجازت لینا اس وقت ضروری ہے جب کوئی

طبعی مانع پیش نہ آئے، مثلاً اگر مسجد کے اجتماع میں عورت کو حیض آ جائے یا کسی شخص کو احتلام ہو جائے تو وہ اجازت طلب کیے بغیر بھی جا سکتا ہے۔(جامع البیان جز ۱۸ ص ۲۳۴-۲۳۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۵۴-۲۶۵۲، معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۳-۴۳۲)

پیری اور مریدی کے آداب

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ صحیح العقیدہ عالم باعمل متبع شریعت کے ہاتھ پر بیعت ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳، صحیح البخاری کتاب العلم باب: ۱۰، کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۸۶۷۹، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۸ ص ۲۱۸، الکاف الشاف للعسقلانی رقم الحدیث: ۱۲۴) اور مریدین ایسے عالم کے سامنے ایسے ہیں جیسے اُمت نبی کے سامنے ہوتی ہے (کیونکہ حدیث میں ہے جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز پڑھی اس نے گویا نبی کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ علامہ شامی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی تخریج نہیں مل سکی۔ ردالمحتار ج ۲ ص ۲۱۸) پس مرید کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کی اجازت کے بغیر سانس بھی نہ لے، اور جس نے ایسے شیخ کی مخالفت کی وہ صدق کی بو بھی نہیں پا سکے گا، اور اگر اس سے کوئی مخالفت سرزد ہو جائے تو وہ اس سے معذرت کرے اور جب مرید شیخ سے معذرت کرے تو شیخ پر واجب ہے کہ وہ اس کی تقصیر معاف کر دے، کیونکہ مریدین شیخ کی اولاد کے قائم مقام ہیں شیخ پر واجب ہے کہ وہ اپنے احوال اور واردات سے اپنے مریدین پر توجہ کرے۔(واضح رہے کہ جو بے علم ہو یا متبحر عالم نہ ہو اس کا مرید ہونا جائز نہیں ہے)

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۶-۳۷۵، ملخصاً وموضحاً، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تمہارے درمیان سے کسی کی آڑ میں چپکے سے نکل جاتے ہیں، سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے ٥ (النور: ۶۳)

مشکل الفاظ کے معانی

یتسللون: اس کا مصدر تسلل ہے اور اس کا مادہ سل ہے اس کا معنی ہے تلوار سونتنا، اور تسلل کا معنی ہے چپکے سے سرک جانا یا کھسک جانا۔(المفردات ج ۱ ص ۳۱۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

لواذا: یہ لفظ لاوذ کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے باہم ایک دوسرے کی آڑ لینا اور پناہ لینا۔ اس آیت کا معنی ہے کہ منافقین باہم ایک دوسرے کی آڑ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے یکے بعد دیگرے چپکے سے سرک جاتے ہیں یا کھسک جاتے ہیں۔ اسی مصدر سے ملاذ بنا ہے، جس کا معنی ہے جائے پناہ۔(المفردات ج ۲ ص ۵۸۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعظیم سے خطاب کرو، اور آپ کی خدمت میں ادب کو ملحوظ رکھو اور آپ کی خدمت میں تعظیم اور توقیر کو لازم رکھو، دارین کی سعادت آپ کی سنت کی اتباع کرنے میں ہے، اور دونوں جہانوں کی بدبختی آپ کی سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہے، اور آپ کی سنت کی مخالفت کرنے کی سب سے کم اور ہلکی سزا یہ ہے کہ انسان اللہ کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے لیے آپ کی سنت کی اتباع کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے دل سے فلاح دارین کے حصول کی خواہش ساقط ہو جاتی ہے۔(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام ابوالحسین بن مسعود الفرا البغوی التوفی ۵۱۶ ھ دعاء الرسول کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم اس سے بچو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں کیونکہ آپ کی ناراضگی کی دعا تمہارے لیے مصائب کے نزول کا موجب ہے اور آپ کی دعائے ضرر کسی دوسرے کی بددعا کی طرح نہیں ہے‘ اور مجاہد اور قتادہ نے کہا آپ کو آپ کا نام لے کر نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو‘ مثلاً یا محمد یا ابن عبداللہ نہ کہو لیکن آپ کو تعظیم اور تکریم سے بلاؤ اور نرمی اور تواضع کے ساتھ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہو۔

اور آپ کی مجلس سے کسی کی آڑ لے کر چپکے سے نہ کھسک جاؤ۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی کیونکہ منافقین خندق کھودتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بچا کر چپکے سے کھسک لیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لواذاً کی تفسیر میں فرمایا: منافقین کسی کی اوٹ یا آڑ میں نکل جاتے تھے‘ کیونکہ منافقین پر جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننا بہت دشوار تھا تو وہ کسی صحابی کی اوٹ میں چھپ کر مسجد سے نکل جاتے تھے‘ اس کا معنی اجازت کے بغیر چلے جانا بھی ہے‘ مجاہد نے کہا اگر تم بغیر اجازت کے چلے گئے تو تم کو دردناک عذاب ہوگا‘ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۳‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

لاتجعلوا دعاء الرسول کے تین محامل

لاتجعلوا دعاء الرسول کے مفسرین نے تین محامل بیان کیے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء ضرر کو اپنی دعا پر قیاس نہ کرو‘ اس صورت میں دعا کی رسول کی طرف اضافت الی الفاعل ہے‘ دوسرا محمل یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عامیانہ انداز میں نام لے کر نہ بلاؤ اس صورت میں دعا کی رسول کی طرف اضافت الی المفعول ہے اور تیسرا محمل یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم کو بلائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اپنے بلانے کی مثل نہ قرار دو‘ کیونکہ تمہارے بلانے پر کسی کا جانا فرض نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض ہے۔ اس صورت میں بھی دعا کی رسول کی طرف اضافت الی الفاعل ہے۔

اوّل الذکر دو تفسیریں ان مفسرین نے کی ہیں:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے خلاف دعا واجب القبول ہے تم اس سے بچو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۱۱‘ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۹۲۴‘ النکت والعیون ج ۴ ص ۱۲۸)

مجاہد نے کہا آپ کو یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۱۲‘ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۹۲۶‘ النکت والعیون للماوردی ج ۴ ص ۱۲۸)

یہ دو تفسیریں حسب ذیل کتب تفاسیر میں بھی ہیں:

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۲۵‘ تفسیر الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۹۸‘ تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۹۳‘ الوسیط ج ۳ ص ۳۳۱‘ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۹‘ الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۱‘ روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۲۹‘ البحر المحیط ج ۸ ص ۷۵‘ الکشاف ج ۳ ص ۲۶۵‘ فتح القدیر ج ۴ ص ۸۷‘ فتح البیان ج ۴ ص ۶۲۵‘ تفسیر الخازن ج ۳ ص ۳۶۵‘ تفسیر المدارک علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۶۵)

ثانی الذکر تفسیر حسب ذیل مفسرین نے کی ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر تاخیر سے جانے سے منع فرمایا ہے، جیسے ایک دوسرے کے بلانے پر تاخیر سے چلے جاتے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۱۲۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی التوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اپنے بلانے پر قیاس نہ کرو۔

(الکشاف ج ۳ ص ۲۶۵، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مبرد اور قفال کا مختار یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کے حکم کو ایسا نہ قرار دو، جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو کیونکہ آپ کے بلانے پر جانا فرض لازم ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا: سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۲۵، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

درج ذیل کتابوں میں بھی یہ تفسیر ہے:

(البحر المحیط ج ۸ ص ۷۵، تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۹۳، شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۲۵۹، الکازرونی علی البیضاوی ج ۴ ص ۲۰۳، تفسیر ابوسعود ج ۴ ص ۴۸۸، فتح القدیر ج ۴ ص ۸۷، روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۲۹، تفسیر مدارک علی ھامش الخازن ج ۳ ص ۳۶۵)

نداء یا محمد پر اعتراض کے جوابات

مجاہد اور قتادہ کی تفسیر سے یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کو یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر بلاؤ۔ اس بناء پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یا محمد کہہ کر آپ کو نداء نہیں کرنی چاہیے' یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر ندا کرنی چاہیے بلکہ جن احادیث میں آپ نے یا محمد کہنے کی تلقین کی ہے وہاں بھی یارسول اللہ کہنا چاہیے' کیونکہ جب آپ کا رب آپ کو یا محمد کہہ کر نہیں پکارتا تو ہم غلاموں کی کیا مجال کہ ہم آپ کو آپ کا نام لے کر پکاریں اور ترک ادب کا ارتکاب کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہد اور قتادہ کی تفسیر میں یا محمد کہہ کر بلانے سے منع کیا ہے یا محمد کہہ کر آپ کو نداء کرنے سے منع نہیں کیا' اور ہم یا محمد کہہ کر نداء کے قائل ہیں کیونکہ نداء میں اس کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو نداء کی جا رہی ہے اس کو بلانا مقصود نہیں ہوتا جیسے ہم یا اللہ کہتے ہیں تو اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کو بلانا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کو اپنی اور اپنے حال کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے' اسی طرح جب ہم یا محمد کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور آپ کو بلانا مقصود نہیں ہوتا' اور مجاہد اور قتادہ کی تفسیر میں یا محمد کہہ کر آپ کو بلانے سے منع فرمایا ہے اور آپ کو متوجہ کرنے سے منع نہیں فرمایا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ محمد کے دو لحاظ ہیں ایک اعتبار سے یہ آپ کا عَلَم اور نام ہے اور اس اعتبار سے آپ کو نداء کرنی منع ہے یعنی آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا منع ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ آپ کی صفت ہے کیونکہ محمد کا معنی ہے جس کی بے حد حمد اور تعریف کی گئی ہو اور اس اعتبار سے آپ کو نداء کرنا اور آپ کو بلانا جائز ہے' اور مستند علماء نے ان دو لحاظوں کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

ویقال احمد فھو محمد کما یقال: علم فھو معلم وھذا علم وصفة اجتمع فیه الامران فی حقه صلی اللہ علیه وسلم.

(جلاء الافہام ص ۹۲' فیصل آباد)

کہا جاتا ہے اس کی حمد کی گئی تو وہ محمد ہے' جس طرح کہا جاتا ہے اس نے تعلیم دی تو وہ معلم ہے لہٰذا یہ (لفظ محمد) علم (نام) بھی ہے اور صفت بھی اور آپ کے حق میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔

نیز علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

والوصفیة فیھما لاتنافی العلمیة وان معناھما مقصود. (جلاء الافہام ص ۱۱۳' فیصل آباد)

محمد اور احمد میں وصفیت علمیت (نام ہونے) کے منافی نہیں ہے اور ان دونوں معنوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اوقصد به المعنی الوصفی دون المعنی العلمی. (مرقات ج ۱ ص ۵۱' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

جب حضرت جبرائیل نے آپ کو یا محمد کہا تو اس لفظ محمد کے وصفی معنی کا ارادہ کیا اور علمی (نام کے) مراد کا ارادہ نہیں کیا۔

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی ملا علی قاری کے حوالے سے اس جواب کا ذکر کیا ہے۔

لفظ محمد سے آپ کا علم اور نام ہی مقصود ہو' لیکن آپ کو بلانا مقصود نہ ہو صرف اظہارِ محبت اور ذوق وشوق سے محض آپ کے نام کا نعرہ لگانا مقصود ہو' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

احادیث' آثار' علماء متقدمین اور علماء دیوبند سے نداء یا محمد کا ثبوت

امام مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت وتفرق الغلمان والخدم فی الطریق ینادون یامحمد یارسول اللہ یامحمد یا رسول اللہ.

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۹' کراچی)

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو) مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے یا محمد' یا رسول اللہ' یا محمد یا رسول اللہ۔

حافظ ابن کثیر' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

وکان شعارھم یومئذ یامحمداہ.

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴' قدیم)

اس زمانہ میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا۔

حافظ ابن اثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۴۶' بیروت)

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز مقصود نہ اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات واشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸' کراچی)

اور آپ نے دعائے حاجت میں جو یہ کہنے کی تعلیم فرمائی ہے: یامحمد انی توجھت بک الی ربی "اے محمد (صلی

اللہ علیک وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' اس میں بھی یا محمد کے لفظ سے آپ کو بلانا مقصود نہیں ہے بلکہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرانا مقصود ہے' امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' کہ حضرت جبرائیل نے ایک اعرابی کی شکل میں حاضر ہو کر آپ سے کہا:

یامحمد اخبرنی عن الاسلام. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷' کراچی)

اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اسلام کے متعلق بتائیے۔

اس میں بھی یا محمد کے لفظ سے آپ کو بلانا مقصود نہیں تھا آپ کو متوجہ کرنا مقصود تھا اور قرآن مجید میں نام کے ساتھ بلانے کی ممانعت ہے' مطلقاً نداء کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

یا محمد کہنے کے جواز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کے نام کے ساتھ نداء بلانے کے لیے کی جاتی ہے نہ متوجہ کرنے کے لیے بلکہ محض اس کا ذکر کرنے اور اس کو یاد کرنے کے لیے' اس کے نام کے ساتھ نداء کرتے ہیں جیسے کوئی شخص یا اللہ یا اللہ کا وظیفہ کرتا ہے اور اس کے جواز پر واضح دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبدالرحمن بن سعد قال: خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل: اذکر احب الناس الیک فقال یامحمد.

عبدالرحمٰن بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سن ہو گیا' ان سے ایک شخص نے کہا: جو تم کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کرو انہوں نے کہا یا محمد۔

(الادب المفرد ص ۲۵۰' مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

اللہ تعالیٰ کا یا محمد فرمانا

امام بخاری' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فقال الجبار یامحمد قال لبیک وسعدیک قال انه لایبدل القول لدی کما فرضت علیک فی ام الکتاب فکل حسنة بعشرا مثالها فهی خمسون فی ام الکتاب وهی خمس علیک. (صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۲۱' کراچی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا محمد! آپ نے کہا میں حاضر ہوں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی' میں نے جس طرح آپ پر ام الکتاب میں (نمازیں) فرض کی ہیں' تو ہر نیکی دس گنی ہے' لہٰذا ام الکتاب میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔

امام مسلم' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فلم ارجع بین ربی وبین موسی علیه السلام حتی قال یامحمد انهن خمس صلوات کل یوم ولیلة. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۱' کراچی)

میں اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مسلسل آتا جاتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔

امام ترمذی' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فاذا بربی تبارک وتعالی فی احسن صورة فقال یامحمد قلت ربی لبیک قال فیم یختصم الملاء الاعلی. الحدیث قال ابو عیسی

اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر

هذا حديث صحيح سالت محمد بن اسماعيل عن هذا الحديث فقال هذا صحيح.

رہے ہیں؟ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے' میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص۴۶۶' کراچی)

نیز امام ترمذی حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

قال اتانی ربی فی احسن صورة فقال یامحمد قلت لبیک ربی وسعدیک. الحدیث.

میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین ترین صورت میں دیکھا میرے رب نے کہا یا محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ (جامع ترمذی ص۴۶۶' کراچی)

یہ دونوں حدیثیں جامع ترمذی کے قدیم نسخوں کے متن میں درج ہیں' نور محمد نے اپنے ایڈیشن میں ان حدیثوں کو حاشیہ میں نسخہ کے عنوان سے درج کیا ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں بھی یہ حدیثیں ترمذی کے متن میں درج ہیں۔

امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے' اس میں ہے:

اتانی ربی عزوجل اللیلة فی احسن صورة احسبه یعنی فی النور فقال یامحمد تدری فیما یختصم الملاء الاعلی. الحدیث

ایک رات کو یعنی خواب میں میرے پاس میرا رب عزوجل حسین ترین صورت میں آیا اور فرمایا یا محمد! کیا آپ (از خود) جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

(مسند احمد ج۱ص ۳۶۸' بیروت)

امام احمد' عبدالرحمٰن بن عائش کی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

اتانی ربی عزوجل اللیلة فی احسن صورة قال یا محمد. (مسند احمد ج۴ص ۶۶' بیروت)

آج رات میرے پاس میرا رب عزوجل بہترین صورت میں آیا اور فرمایا: یا محمد۔

امام بخاری' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فیقال یامحمد ارفع راسک وقل یسمع لک وسل تعطه واشفع تشفع.

پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اُٹھایئے' کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگیے آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح البخاری ج۲ص ۱۱۱۸' کراچی)

اس حدیث کو امام مسلم اور امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج۱ص ۱۰۹' سنن ابن ماجہ ص ۳۲۹' مسند احمد ج۱ص ۱۹۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے نداء یا محمد کا جواز

ہم نے پہلے وہ احادیث ذکر کیں جن میں حضرت جبریل' حضرت عبداللہ بن عمر اور عام صحابہ کرام نے یا محمد کہا اس کے بعد ہم نے صحاح ستہ کے حوالوں سے وہ احادیث ذکر کیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یا محمد فرمایا ہے۔ اس لیے اب یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کا مالک اور مولیٰ ہونے کے باوجود آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء نہیں کرتا تو ہم غلاموں کی کیا مجال کہ آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء کریں۔ اعلیٰ حضرت نے بہ کثرت احادیث پیش کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے' دیگر انبیاء نے اور فرشتوں نے آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء کی ہے اب ہم وہ نقول پیش کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

احمد و بیہقی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی سئل عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی قولہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محموداً فقال ھی الشفاعۃ اور شفاعت کی حدیثیں خود متواتر و مشہور اور صحاح وغیرہ میں مروی و مسطور جن کی بعض انشاء اللہ تعالیٰ ہیکلِ دوم میں مذکور ہوں گی' اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انا لھا انا لھا ''میں ہوں شفاعت کے لیے' میں ہوں شفاعت کے لیے'' انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم سب سر بہ گریباں وہ ساجد و قائم سب محلِ خوف میں وہ آمن و ناعم سب اپنی فکر میں' انہیں فکرِ عوالم' سب زیرِ حکومت وہ مالک و حاکم بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کریں گے' ان کا رب انہیں فرمائے گا یامحمد ارفع رأسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع ''اے محمد اپنا سر اُٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہے'' اس وقت اولین و آخرین میں حضور کی حمد و ثنا کا غلغلہ پڑ جائے گا اور دوست دشمن موافق مخالف ہر شخص حضور کی افضلیت کبریٰ و سیادتِ عظمیٰ پر ایمان لائے گا والحمدللہ رب العلمین۔ (تجلی الیقین ص ۳۵-۳۴' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۱ھ)

ابن عساکر و خطیبِ بغدادی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی' حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لما اسری بی قربنی ربی حتی کان بینی وبینہ کقاب قوسین او ادنی وقال لی یامحمد ھل غمک ان جعلتک اخر النبیین قلت لا ربا(ب)۔ قال فھل غم امتک ان جعلتھم اخر الامم قلت لا (یارب) قال اخبر امتک انی جعلتھم اخر الامم لافضح الامم عندھم ولا افضحھم عندالامم ''شب اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہا' رب نے مجھ سے فرمایا' اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا تجھے کچھ برا معلوم ہوا کہ میں نے تجھے سب انبیاء سے متاخر کیا' عرض کی نہیں اے رب میرے! فرمایا کیا تیری اُمت کو غم ہوا کہ میں نے انہیں سب اُمتوں سے پیچھے کیا' میں نے عرض کی نہیں اے میرے رب! فرمایا اپنی امت کو خبر دے کہ میں نے انہیں سب امتوں سے اس لیے پیچھے کیا کہ اور اُمتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور انہیں کسی کے سامنے رسوا نہ کروں۔''

(تجلی الیقین ص ۴۵' حامد اینڈ کمپنی لاہور)

ان دونوں حدیثوں میں اللہ عزوجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نداء فرمائے گا لہٰذا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کا مالک و مولیٰ ہو کر آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا نہیں فرمائی تو ہم غلاموں کے لیے کب جائز ہوگا کہ آپ کو یا محمد کہہ کر پکاریں اور ترک ادب کے مرتکب ہوں!

حدیث موقوف مفصل مطول احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے انس اور ترمذی و ابن خزیمہ نے ابو سعید خدری اور احمد و بزار' و ابن حیان و ابو یعلیٰ نے صدیق اکبر اور احمد و ابو یعلیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً الی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عبداللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بہ سند صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کی' ان سب کے الفاظ جدا جدا نقل کرنے میں طول کثیر ہے لہٰذا میں ان کے منتظم لفظوں کو ایک منتظم سلسلہ میں یکجا کر کے اس جان فزا قصہ کی تلخیص کرتا ہوں' وباللہ التوفیق (الی قولہ)

مطلوب بلند عزت ملجاء عاجزاں ماوائے بے کساں مولائے دو جہاں حضور پُر نور محمد رسول اللہ شفیع یوم النشور افضل صلوات اللہ و اکمل تسلیمات اللہ و ازکیٰ تحیات اللہ و انمی برکات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وعیالہ میں حاضر آئے اور بہ ہزاراں ہزار نالہائے زار و دل بے قرار و چشم اشکبار یوں عرض کرتے ہیں:

یامحمد ویانبی اللہ انت الذی فتح اللہ بک وجئت فی ھذا الیوم امنا' انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربک فلیقض بیننا الاتری الی مانحن فیہ الاتری ماقد بلغنا ''اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتحیاب کیا اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے' حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرما دے' حضور نگاہ تو کریں ہم کس درد میں ہیں' حضور ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں۔ (تجلی الیقین ص ۶۷-۶۷ ملخصاً' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اس حدیث میں جو متعدد کتب حدیث سے نقل ہے یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اُمتی آپ کو یا محمد کے الفاظ سے نداء کریں گے سو اگر آپ کو یا محمد سے نداء کرنا موجب ترک ادب ہوتا تو آپ کے تمام اُمتی قیامت کے دن طلب شفاعت کے وقت آپ کو یا محمد کہہ کر نداء نہ کرتے' بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر ندا کرتے!

امام ابوزکریا یحییٰ بن عائذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصۂ ولادتِ اقدس میں فرماتی ہیں مجھے تین شخص نظر آئے' گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے ان میں ایک نے حضور کو اُٹھا کر ایک ساعت تک حضور کو اپنے پروں میں چھپایا اور گوشِ اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا' اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے ابشر یامحمد فما بقی لنبی علم الاوقد اعطیتہ فانت اکثرھم علما واشجعھم قلبامعک مفاتیح النصر قد البست الخوف والرعب لایسمع احد بذکرک الاوجل فوادہ وخاف قلبہ وان لم یرک یاخلیفۃ اللہ ''اے محمد! مژدہ ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں جو نصرت کی کنجیاں حضور کے ساتھ ہیں' حضور کو رعب دبدبہ کا جامہ پہنایا ہے' جو حضور کا نامِ پاک سنے گا اس کا جی ڈر جائے گا اور دل سہم جائے گا اگرچہ حضور کو دیکھا نہ ہو' اے اللہ کے نائب!'' ابن عباس فرماتے ہیں کان ذلک رضوان خازن الجنان ''یہ رضوان داروغہ جنت تھے'' علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (تجلی الیقین ص ۸۲-۸۱' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ معزز فرشتے جنت کے داروغہ رضوان نے آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء فرمائی۔

شب اسراء حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمانا حدیث ابوہریرہ وحدیث انس وحدیث ابن عباس وحدیث ابن مسعود وحدیث ابی لیلیٰ وحدیث ابوسعید وحدیث ام ہانی وحدیث ام المومنین صدیقہ وحدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم واثر کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم میں ہے' حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے کو جماعتِ انبیاء میں دیکھا' موسیٰ وعیسیٰ وابراہیم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو نماز پڑھتے پایا فحانت الصلوٰۃ فاممتھم ''پھر نماز کا وقت آیا میں نے ان سب کی امامت کی۔'' انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسائی کی روایت میں ہے جمع لی الانبیاء فقدمنی جبریل حین اممتھم ''میرے لیے انبیاء جمع کیے گئے' جبریل نے مجھے آگے کیا' میں نے امامت فرمائی۔'' ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے فلم البث الایسیرا حتی اجتمع ناس کثیر ثم اذن مؤذن واقیمت الصلوۃ فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ بیدی جبریل فقدمنی فصلیت بھم فلما انصرفت قال جبریل یامحمد اتدری من صلی خلفک قلت لاقال صلی خلفک کل نبی بعثہ اللہ ''مجھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بہت لوگ جمع ہو گئے مؤذن نے اذان کہی اور نماز برپا ہوئی' ہم سب صف باندھے منتظر تھے کہ کون امام ہوتا ہے' جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا' میں نے نماز پڑھائی' سلام پھیرا تو جبریل نے عرض کی' حضور نے جانا یہ کس کس نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ فرمایا نہ' عرض کی ہر نبی کہ خدا نے بھیجا حضور کے پیچھے نماز میں

تھا‘ طبرانی و بیہقی وابن جریر وابن مردویہ کی روایت موقوفہ میں ہے ثم بعث له ادم فمن دونه من الانبياء فامهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "حضور کے لیے آدم اور ان کے بعد جتنے نبی ہوئے سب اُٹھائے گئے‘ حضور نے ان کی امامت فرمائی‘ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ (تجلی الیقین ص ۸۴-۸۳‘ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور‘ ۱۴۰۱ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر ندا فرمائی اگر یہ کلمہ موجب توہین اور موجب ترک ادب ہوتا تو حضرت جبریل آپ کو یا محمد کہہ کر ندا نہ کرتے بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر نداء کرتے!

اعلیٰ حضرت نے حدیث کی جتنی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں سے کسی کی صفحہ وار تخریج نہیں فرمائی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قدیم علماء میں اس طرح تخریج کا رواج نہ تھا‘ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کتب اس وقت تک چھپی نہ تھیں خصوصاً امام ابن عساکر‘ امام ابن ابی عاصم‘ امام ابن ابی حاتم اور امام ابویعلیٰ وغیرہ کی کتابیں‘ غالباً یہ تمام حوالے اعلیٰ حضرت نے حافظ سیوطی کی الخصائص الکبریٰ سے چن چن کر نقل فرمائے ہیں اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا عام اسلوب یہی ہے۔ رہا یہ کہنا کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یا محمد کہنے کی تلقین فرمائی ہو اس میں بھی یا محمد کے بجائے یا رسول اللہ کہنا چاہیے سو یہ ہماری سمجھ سے ماورا ہے۔ ہمارا مقصد صرف اتنا تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تصریحات سے نداء یا محمد کا جواز ثابت کیا جائے‘ الحمد للہ ہم نے احادیث‘ آثار‘ علماء اسلاف‘ علماء دیوبند اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے ندائے یا محمد کا جواز ثابت کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو بے شک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے‘ اللہ کو خوب علم ہے تم جس حال میں ہو‘ اور جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ ان کے کیے ہوئے سب کاموں کی خبر دے گا‘ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (النور: ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے خالق اور مستحق عبادت ہونے پر دلیل

الوہیت کا مدار دو چیزوں پر ہے‘ علم پر اور قدرت پر۔ ضروری ہے کہ خدا کو اپنی تمام مخلوق کا علم ہو‘ اگر اس کو علم نہ ہو تو اس کو پتا نہیں چلے گا کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں کر رہی‘ اور اگر اس کو اپنی پوری مخلوق کا علم ہو اور ان پر قدرت نہ ہو تو اس کی مخلوق میں سے جو اس کی نافرمانی کرے تو وہ ان سے مواخذہ اور ان پر گرفت نہیں کر سکتا‘ اس لیے مخلوق کی فرماں برداری کرنے پر ان کو جزا اور انعام دینے کے لیے اور ان کی نافرمانی کرنے پر ان کو سزا اور عذاب دینے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مخلوق کا علم بھی ہو اور ان پر قدرت بھی ہو۔ اس آیت کے پہلے جز میں فرمایا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں ہے‘ اس میں تمام مخلوق پر قدرت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جز میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے‘ اس میں تمام مخلوق کے علم کی تصریح ہے‘ اور جس کو تمام کائنات پر قدرت ہو اور جس کو تمام کائنات کا علم ہو وہی اس لائق ہے کہ اس کو تمام کائنات کا خدا‘ خالق‘ مدبر اور سب کی عبادتوں کا مستحق قرار دیا جائے اور تسلیم کیا جائے اور اسی کی خدائی پر ایمان لایا جائے۔

سورۃ النور کے اختتامی کلمات

سورۃ النور کی تفسیر ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو بہ روز اتوار شروع کی تھی اور آج ۱۸ شعبان ۱۴۲۲ھ/ ۵ نومبر ۲۰۰۱ء بہ روز پیر‘ ایک ماہ اٹھارہ دن بعد ختم ہو گئی فالحمد لله رب العلمين على ذالک.

الٰہ العالمین جس طرح آپ نے اس کام کو یہاں تک پہنچا دیا ہے، محض اپنے کرم اور فضل سے اس کو مکمل بھی کرا دینا اور جس طرح اپنی عنایت سے اس کام کو شروع کرنے کی توفیق دی ہے اس کام کو تمام وکمال تک بھی پہنچا دینا۔

شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کو حاسدین اور معاندین کے شر سے محفوظ رکھنا اور ان کو تا قیام قیامت موثر' مفید اور فیض آفریں رکھنا' میری' میرے والدین' میرے اعزہ' اقارب' احباب اور معاونین' ان کے ناشر' مصحح' کاتب' کمپوزر' اور جلد ساز کی مغفرت فرمانا' دنیا اور آخرت میں عزت اور سرفرازی عطا فرمانا اور لوگوں کی نگاہوں میں شرم سار نہ کرنا' صرف اپنا محتاج رکھنا' اور دنیا میں کسی کا محتاج نہ کرنا' صحت' عافیت' ایمان اور اعمالِ صالحہ سے تا دمِ مرگ قائم رکھنا' گناہوں سے بچائے رکھنا' مرنے سے پہلے اپنے محبوب ومکرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمانا اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمانا' میں ان دعاؤں کی استجابت کے لائق تو نہیں لیکن آپ کا عفو اور کرم بہت وسیع ہے سو مجھے مایوس اور شرمندہ نہ فرمانا۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین' امام المرسلین اوّل الشافعین والمشفعین وعلٰی آله الطیبین الطاهرین واصحابه الکاملین الراشدین وازواجه امهات المومنین' واولیاء امته وعلماء ملته من المحدثین والمفسرین والفقهاء والمجتهدین وسائر المسلدین اجمعین.

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ

(۲۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الفرقان

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفرقان ہے اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدا میں الفرقان کا ذکر ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝ (الفرقان:۱) وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ۝

عہد رسالت میں بھی اس سورت کو سورۃ الفرقان کہا جاتا تھا:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت ھشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا' میں نے غور سے ان کی تلاوت سنی' وہ اس میں بہت سے ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے' قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا' پھر میں نے ان کو ان کی چادر سے پکڑ کر کھینچا اور کہا میں نے تم کو نماز میں جس طرح سورت پڑھتے ہوئے سنا تھا اس طرح تم کو کس نے سورت سکھائی تھی؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سورت سکھائی ہے۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو' کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت تمہاری قرأت کے علاوہ دوسری طرح سکھائی ہے' پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا' اور میں نے کہا میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف پر آپ نے مجھے یہ سورت نہیں سکھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دو' پھر فرمایا: اے ہشام! تم پڑھو! انہوں نے اس سورت کو اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے اس سورت کو پڑھتے ہوئے سنا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے' پھر فرمایا: اے عمر تم پڑھو۔ پس میں نے وہ سورت اسی طرح پڑھی جس طرح آپ نے مجھے وہ سورت پڑھائی تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے' تم کو جو حروف آسان لگیں تم ان پر پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۲-۲۴۱۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۳۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ وارد ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سات حروف کی تشریح کردیں:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سات حروف میں قرآن مجید کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ پڑھنے والے کے لیے آسانی ہو اور پڑھنے والا ایک لفظ کی جگہ اس کے مترادف کو پڑھ سکے خواہ یہ سات حروف ایک ہی لغت سے ہوں کیونکہ حضرت ہشام اور حضرت عمر دونوں کی ایک لغت تھی اور وہ لغت قریش تھی' اس پر حافظ ابن عبدالبر نے متنبہ کیا ہے انہوں نے کہا سات حروف سے مراد یہ ہے کہ لغت قریش کے سات مترادفات تک قرآن مجید کو پڑھا جا سکتا ہے اور اکثر اہل علم کا یہی مختار ہے۔

ابوعبید اور دوسروں نے یہ کہا کہ سات حروف سے مراد سات لغات ہیں' ابن عطیہ کا بھی یہی مختار ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب کی لغات تو سات سے زیادہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سات فصیح لغات مراد ہیں' اور ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ ان میں سے پانچ لغات یہ ہیں: عجز ہوازن' سعد بن بکر' جشیم بن بکر' نصر بن معاویہ اور ثقیف اور بقیہ دو کعب قریش اور کعب خزاعہ ہیں۔ ابوحاتم سجستانی نے کہا سات لغات یہ ہیں: قریش' ھذیل' تیم الرباب' الازد' ربیعہ' ہوازن اور سعد بن بکر' اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا ہے۔

(ابراہیم: ۴)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ تمام لغات قریش کے قبائل کی ہوں' ابوعلی ھوازی نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

ابوعبید نے کہا سات لغات پر قرآن مجید نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ سات لغات پر پڑھا جائے گا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ سات لغات متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔ پس بعض الفاظ لغت قریش پر ہیں' اور بعض الفاظ لغت ھذیل پر ہیں اور بعض الفاظ لغت ہوازن پر ہیں اور بعض الفاظ لغت یمن پر ہیں اور بعض الفاظ دوسری لغات پر ہیں۔

امام ابن قتیبہ وغیرہ نے یہ کہا کہ قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو سات مختلف قراٴتوں اور سات مختلف طریقوں سے پڑھا گیا اور یہ قرءات ایک دوسرے سے متغائر ہیں' ان کی حسب ذیل مثالیں ہیں:

(۱) لفظ کی حرکت متغیر ہو جائے اور اس کا معنی اور اس کی صورت متغیر نہ ہو جیسے وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ (البقرہ: ۲۸۲) اس کو "ر" کی پیش کے ساتھ ولا یضارُّ کاتب ولا شہید بھی پڑھا گیا ہے لیکن اس لفظ کے معنی اور اس کی صورت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

(۲) لفظ کا صیغہ متغیر ہو جائے جیسے رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا (سبا: ۱۹) میں باعد امر کا صیغہ ہے اس کو بعد ماضی کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۳) نقطہ کو ترک کرنے سے تغیر ہو جیسے وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا (البقرہ: ۲۵۹) اس کو ننشرھا بھی پڑھا گیا ہے۔

(۴) ایک لفظ کو اس کے قریب المخرج لفظ کے ساتھ بدلنے سے تغیر ہو جیسے وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ (الواقعہ: ۲۹) کو طلع منضود بھی پڑھا گیا ہے۔

(۵) مقدم لفظ کو مؤخر کر دینے سے تغیر ہو جیسے وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (ق: ۱۹) کو جاء ت سکرۃ الحق بالموت بھی پڑھا گیا ہے۔

(۶) آیت میں کسی لفظ کو زیادہ کرنے یا کم کر دینے سے تغیر ہو کم کرنے کی مثال یہ آیت ہے: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ○ (الیل: ۳-۱) اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے: والیل اذا یغشی ○ والنہار اذا تجلی ○ والذکر و الانثی ○ اور زیادتی کی مثال یہ آیت ہے: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: ۲۱۴) اس کے ساتھ ان الفاظ کو زیادہ کر کے پڑھا گیا ہے: ورھطک منھم المخلصین ○

(۷) کسی لفظ کے دوسرے مترادف لفظ کے ساتھ تبدیل کر دینے سے تغیر ہو جیسے كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعۃ: ۵) کو الصوف المنفوش بھی پڑھا گیا ہے۔

یہ مستحسن وجہ ہے لیکن قاسم بن ثابت نے اس کو مستبعد قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا اس طرح قرآن مجید کو پڑھنے کی رخصت اس وقت تھی جب قرآن مجید کو لکھا نہیں جاتا تھا اور اس کا رسم الخط متعین نہیں ہوا تھا اور اس وقت پڑھنے والے حروف کو صرف ان کے مخارج سے پہچانتے تھے اور ننشزھا اور ننشرھا کو لکھنے کی صورت بھی ملتی جلتی ہے اور ان کے معنی بھی متقارب ہیں اس لیے ننشزھا کی جگہ ننشرھا پڑھ لیا جاتا تھا لیکن اب چونکہ قرآن مجید کا رسم الخط متعین ہو گیا ہے اس لیے اب اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان سے اختلاف کیا ہے' انہوں نے کہا اس سے ابن قتیبہ کا موقف کمزور نہیں ہوتا' اور یہ چیزیں صرف استقرار سے معلوم ہیں' یعنی ان پر دوسری مثالوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

امام بغوی نے شرح السنۃ میں کہا ہے کہ وہ مصحف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں معین ہو چکا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق تمام مصاحف کو لکھنے کا حکم دیا اور تمام لوگوں کو اس پر مجتمع کیا اور اس کے ماسوا تمام مصاحف کو ختم کرا دیا تا کہ اختلاف کا مادہ بالکل باقی نہ رہے۔ لہٰذا اب جس مصحف کا خط اس مصحف عثمانی کے خلاف ہو وہ منسوخ اور مرفوع کے حکم میں ہے اور اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اب کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مصحف عثمانی کے خلاف لکھے یا پڑھے (اور اب تمام دنیا میں اسی مصحف کا رواج ہے اور یہی تواتر سے ثابت ہے اور یہی قرآن ہے اور اس کے ماسوا قرآن نہیں ہے) حافظ عسقلانی نے اس کے بعد بہت طویل بحث لکھی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام بغوی نے جو کچھ لکھا ہے' وہی راجح اور معتمد ہے کیونکہ امام بغوی فقیہ' محدث اور مقری ہیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۹-۳۲' ملخصاً' ملتقطاً و موضحاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر الباقلانی نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سات حروف وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر اور مشہور ہوئے اور اُمت نے ان کو منضبط کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جماعت صحابہ نے ان کو مصحف میں ثابت رکھا' اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی اور ان میں سے ان حروف کو حذف کر دیا جو متواتر نہیں تھے اور کبھی ان حروف کے معانی مختلف ہوتے ہیں اور کبھی الفاظ' اور یہ حروف آپس میں متعارض اور متنافی نہیں ہیں۔

امام طحاوی نے ذکر کیا کہ ان سات حروف پر پڑھنا صرف ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ عرب کے تمام قبائل کو ایک لغت پر

مجتمع کرنے میں مشقت تھی' اس ضرورت کی بناء پر ان کو اپنی اپنی لغت پر پڑھنے کی اجازت دی گئی اور جب اسلام بہت پھیل گیا اور کتاب کی اشاعت ہوگئی اور ضرورت نہ رہی تو پھر صرف ایک قرأت رہ گئی۔

ابوعبید اللہ بن ابی صفرہ نے کہا یہ سات قرءات وہ ہیں جو ان سات حروف میں سے ایک حرف (لغت) پر ہیں جن کا حدیث میں ذکر ہے اور یہ وہی حرف ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع کیا ہے۔

امام مازری نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ ان سات حروف سے مراد سات مختلف معانی ہیں جیسے احکام' امثال اور قصص وغیرہ تو اس کا یہ قول غلط ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنا جائز ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ایک آیت کو اس جیسی دوسری آیت سے بدل کر پڑھنا حرام ہے اور جس نے کہا کہ غفور رحیم کو سمیع بصیر سے بدل کر پڑھنا جائز ہے اس کا قول بھی فاسد ہے کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کو متغیر کر کے پڑھنا حرام ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۶۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ عہد رسالت میں اس سورت کو سورۃ الفرقان کہا جاتا تھا اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ نے سورہ فرقان پڑھی' اور ایک آیت آپ سے رہ گئی' سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا کیا قوم میں اُبی ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا میں نے ایک آیت چھوڑ نہیں دی؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر تم نے مجھے لقمہ کیوں نہیں دیا؟ حضرت اُبی نے عرض کیا: میں سمجھا یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ مجھ سے رہ گئی تھی۔

(المعجم الاوسط ج ۷ ص ۲۱۲' رقم الحدیث: ۶۴۰۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۶' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۱۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۰-۶۹)

سورۃ الفرقان کا زمانۂ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک سورۃ الفرقان مکی ہے اور الضحاک نے کہا کہ یہ مدنی ہے۔

(الاتقان ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے تین آیات مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ (الی قولہ تعالیٰ) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (الفرقان: ۷۰-۶۸' روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۳۷)

لیکن یہ روایت صحیح نہیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

قاسم بن ابی بزہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا' کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے پھر میں نے ان کے سامنے سورۃ الفرقان کی یہ آیت پڑھی: ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق' سعید بن جبیر نے کہا میں نے حضرت ابن عباس کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی جس طرح تم نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا یہ آیت مکی ہے اس کو مدنی آیت نے منسوخ کر دیا جو سورۃ النساء میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۶۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم

الحدیث: ۱۱۱۱۵)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۲ (بیالیس) ہے' یہ سورۃ یٰسٓ کے بعد اور سورۃ فاطر سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۵ (پچیس) ہے۔

امام ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن مزاحم اور مقاتل بن سلیمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت' سورۃ النساء سے آٹھ سال پہلے اُتری تھی' اس حساب سے بھی اس کا زمانہ نزول دور متوسط قرار پاتا ہے۔

(ابن جریر جلد ۱۹ص ۲۸-۳۰' تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۳۵۸' طبع قدیم)

سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی باہمی مناسبت

سورۃ النور اس مضمون پر ختم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور سورۃ الفرقان کی ابتدا بھی اسی مضمون سے ہوئی ہے۔

سورۃ النور کی آخری آیت ہے:

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النور: ۶۴) سنو بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

سورہ نور کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو واجب کیا تھا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النور: ۶۳) سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ انہیں کوئی آفت پہنچ جائے یا ان کو دردناک عذاب پہنچے۔

اور سورہ نور کی ابتداء میں اس آسمانی دستور کا ذکر فرمایا جس کی اطاعت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان: ۱) وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ۝

اور سورۃ الفرقان کی ابتدا میں ہے:

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . (الفرقان: ۲) وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں۔

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر تین قسم کے دلائل قائم فرمائے' آسمان اور زمین کی تخلیق اور ان کے احوال اور آثار سے استدلال فرمایا۔ (النور: ۴۲) اور بارش' برف باری اور ژالہ باری سے استدلال فرمایا۔ (النور: ۴۳) اور حیوانات کے احوال اور آثار سے استدلال فرمایا۔ (النور: ۴۵) اور سورۃ الفرقان میں سایوں کو پھیلانے' دن اور رات کے تواتر اور تعاقب' برسانے والی ہواؤں' بارشوں کے نازل فرمانے اور حیوانات کے پیدا کرنے سے اپنی توحید اور تخلیق پر استدلال فرمایا۔ نیز انسانوں کے پیدا کرنے' کھاری اور میٹھے پانیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ مختلط نہ ہونے' آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے' عرش پر مستوی ہونے' آسمانوں میں بروج بنانے' سورج اور چاند کو پیدا کرنے اور اس نوع کے دیگر امور کی تخلیق سے اپنی توحید' اپنے خالق' مدبر اور حاکم ہونے پر استدلال فرمایا۔ (الفرقان: ۶۱-۴۵) اور ان دونوں سورتوں میں کافروں کے اعمال کا بے حقیقت ہونا

بیان فرمایا ہے۔

سورۃ النور میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ (النور: ۳۹)

اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں اس چمکتی ہوئی ریت کی مثل ہیں جس کو پیاسا شخص پانی گمان کرتا ہے۔

اور سورۃ الفرقان میں فرمایا:

وَقَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان: ۲۳)

اور کافروں نے (اپنے زعم میں) جو بھی (نیک) عمل کیے ہم نے ان کو فضاء میں بکھرے ہوئے غبار کے باریک ذرات بنا دیا۔

سورۃ النور کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے کرنے اور اپنی حاکمیت کی شان کا ذکر فرمایا:

وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْاؕ (النور: ۶۴)

اور جس دن لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے سو اس دن وہ ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا۔

اور سورۃ الفرقان کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت اور اپنی سلطنت کی شان اور اپنی حمد وثنا بیان فرمائی ہے:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ○ (الفرقان: ۲)

وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں، جس نے کوئی اولاد نہیں بنائی، جس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ایک مقرر کردہ اندازے پر رکھا۔

اور یوں سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی ابتدا اور انتہا میں معنوی اتصال ہے اور ان دونوں کے درمیان مضامین میں گہری مناسبت ہے، دونوں کے درمیانی مضامین میں توحید کے دلائل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید ہے اور کافروں کے اعمال کی بے مائیگی اور ان کا رائیگاں ہونا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الفرقان کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی تمجید بیان کی گئی ہے اور اس کی اوّلیت اور وحدانیت کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

☆ قرآن مجید کی جلالت شان کو بیان فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو تمام لوگوں کے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔

☆ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں، آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے، اور آپ کی نبوت کے صدق کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ آپ گزشتہ رسولوں کے طریقہ پر ہیں اور آپ کا دین کی تبلیغ کرنا دنیا کمانے کی وجہ سے نہیں ہے۔

☆ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کو بیان کیا گیا ہے، نیکو کاروں کو آخرت میں ثواب کی بشارت دی گئی ہے اور بدکاروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور مشرکین کو یہ بتایا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے زعم میں جو نیک کام کیے تھے وہ آخرت میں رائیگاں چلے گئے۔ انہوں نے چونکہ شرک کیا تھا اور رسولوں کی تکذیب کی تھی اس لیے آخرت میں ندامت کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور صرف اسی کے خالق اور مدبر ہونے پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یا اس کا کوئی شریک ہو اور بتوں کی الوہیت کو باطل کیا گیا ہے' ان کے زعم میں فرشتے اللہ کی بیٹیاں تھیں اس کو بھی باطل کیا گیا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت اور ارشاد میں اور کافروں کا مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے۔

☆ آپ کو صبر وضبط پر قائم رکھنے کے لیے یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم' حضرت نوح کی قوم' عاد اور ثمود' اصحاب الرس اور حضرت لوط کی قوم نے بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تھا اور دل آزار باتیں کی تھیں' سو آپ اپنی قوم کی تکذیب اور ان کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں۔

☆ جو مومنین اللہ پر توکل کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں سختیوں کو برداشت کرتے ہیں' ان کی تعریف اور ستائش کی ہے' ان کے محاسن اخلاق ان کی خوبیوں اور نیک عادتوں کی مدح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مکذبین پر عنقریب عذاب نازل ہونے والا ہے۔

سورۃ الفرقان کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم اب اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر کو شروع کرتے ہیں الٰہ العلمین! اس تفسیر میں مجھ سے وہی کچھ لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیز غلط اور باطل ہو اس کا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے بغیر رد اور ابطال کرا دینا' اسرار قرآن اور اس کے نکات مجھ پر کھول دینا' اس تفسیر کے دوران مجھے ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رکھنا معاندین اور حاسدین کے شر سے محفوظ رکھنا' اس تفسیر کو تا قیام قیامت مقبول عام مفید اور فیض آفرین رکھنا' اور اس خدمت کو محض اپنی رضا کے لیے برقرار رکھنا۔ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین سید الشافعین و المشفعین صلوات اللہ علیہ وتسلیماته علیه وعلی آله الطاهرین و اصحابه الراشدین و ازواجه الطاهرات امهات المومنین و اولیاء امته وعلماء ملته اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵
فیڈرل بی ایریا' کراچی' ۳۸
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

(۲۵) سورۃ الفرقان مکیۃ (۴۲) آیاتہا ۷۷ رکوعاتہا ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفرقان مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس کی ستتر آیات چھ رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ ﴿۱﴾

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے)

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ

ڈرانے والے ہوں ○ وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں، اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی

لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾

سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ایک مقرر کردہ اندازے پر رکھا ○

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا

اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ

یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً

وہ اپنے لیے کسی ضرر اور نفع کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے

وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَ

اور نہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے ○ اور کافروں نے کہا یہ قرآن تو صرف من گھڑت بات ہے جس کو اس

اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ۚۛ وَقَالُوْۤا

(رسول) نے گھڑ لیا ہے، اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے، سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا ○ اور

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۵﴾

انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوا لیا جو اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں ○

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ

آپ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ

معانقۃ ۱۰ عند المتاخرین ۱۲

كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٦﴾ وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے

وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ

اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے)

نَذِيرًا ﴿٧﴾ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ

ڈرانے والا ہوتا! O یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ

مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٨﴾

کھاتا اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو O

انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت

سَبِيلًا ﴿٩﴾ ع

پر نہیں آسکتے O

ع ۹ / ۱۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ کے معانی

مفسرین نے اس سورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حسب ذیل معانی بیان کیے ہیں:

(۱) اس ذات کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کی عظمت ہر چیز کو محیط ہے اور جس کا علم ہر چیز کو شامل ہے وہ رحمٰن ہے جس کے فرقان کی نعمت تمام مومنوں اور کافروں کو عام ہے' وہ رحیم ہے جس نے اپنی رضا کا لباس اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا پہنا دیا۔

(۲) اللہ کے نام سے جس کے نام کی جلالت پر اس کے افعال کی جلالت شاہد ہے اور اس کے جمال کا افضال ناطق ہے' اس کی ذات اور صفات پر اس کی آیات دلالت کرتی ہیں۔

(۳) اللہ کے نام سے جس کے نام کی عزت اس کے افعال کی قدرت سے پہچانی گئی اس کے فضل اور اس کی نصرت سے اس کے نام کا کریم ہونا معلوم ہوا۔

(۴) اللہ کے نام سے جس کے نام کی عزت کو عقلاء نے اس کے افعال کی دلالت سے پہچانا' اس کے جمال کے لطف اور اس کے جلال کے کشف سے اس کی سخاوت کو پہچانا۔

(۵) اللہ کے نام سے جو عزیز ہے جو اس سے دعا کرتا ہے وہ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے جو اس پر توکل کرے وہ اس کو کفایت کرتا ہے' جو اس سے شکایت کرے وہ اس کی شکایت کو زائل کرتا ہے' جو اس سے سوال کرے وہ اس کو نوازتا ہے اور عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ۝ (الفرقان: ۱)

تبارک' الفرقان' النذیر اور العٰلمین کے معانی

تبارک: فراء نے کہا تبارک وتقدس دونوں کا معنی واحد ہے۔ یعنی عظمت والا' زجاج نے کہا اس کا معنی ہے برکت والا اور برکت کا معنی ہے ہر قسم کی خیر کی کثرت۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی عطا زیادہ اور بہت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا انعام دائم اور ثابت ہے' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں لفظ مبارک کو شامل کرنے میں اختلاف ہے۔

الفرقان: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ. بالتحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو الفرقان عطا کیا۔

(الانبیاء: ۴۸)

قرآن مجید کو الفرقان فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حق اور باطل اور مومن اور کافر میں فرق کرنے والا ہے' اور اس میں حلال اور حرام کاموں کا فرق کیا گیا ہے۔

النذیر: جو دنیا کی ہلاکت اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔

للعٰلمین: اس سے مراد انسانوں اور جنات کا عالم ہے' کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کو عذاب سے ڈرانے والے تھے' اور آپ خاتم الانبیاء ہیں حضرت نوح طوفان کے بعد سب انسانوں کے رسول تھے اور آپ سب انسانوں اور جنات کی طرف رسول ہیں۔ آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی رسالت میں عموم اور شمول نہیں ہے' بلکہ حق یہ ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔ حدیث میں ہے:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے' تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلۂ تیمم بنا دیا' سو میری اُمت میں سے جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا' اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲' تحفۃ الاخیار شرح مشکل الآثار رقم الحدیث: ۳۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے' اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غنیمتوں کو میرے لیے حلال کر دیا گیا' اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۷۲، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا، اور (پہلے) انبیاء اس وقت تک نماز نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ محراب میں نہ پہنچ جائیں، اور ایک ماہ کی مسافت سے میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے، میرے سامنے مشرکین ہوتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیتا ہے، اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام جنات اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا، اور پہلے نبی خمس کو الگ نکال کر رکھ دیتے تھے پھر آگ اس کو آ کر کھا جاتی تھی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خمس کو اپنی اُمت کے فقراء میں تقسیم کر دوں، اور کسی نبی نے اپنی دی گئی شفاعت کو باقی نہیں رکھا اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی اُمت کے لیے مؤخر کر رکھا ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۲، دار الفکر، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۸۵، ۱۱۰۴۷، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۹۴۷)

حضرت یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ فی الجن والانس. (۱)

ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے جنات اور انسانوں میں سے کافروں اور فاسقوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں، اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر کردہ اندازہ پر رکھاo (الفرقان: ۲)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کی تمہید

ان آیتوں سے مقصود عامۃ المسلمین کو اللہ سبحانہ کی اس قدرت شاملہ سے ڈرانا ہے جو اس کے علم محیط کو مستلزم ہے جس علم کی وسعت پر قرآن کریم سے دلالت کرائی گئی ہے جو اس کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجد اور خالق نہیں ہے سو وہی حق ہے اور اس کا ماسوا باطل ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ عزوجل نے یہ بتایا وہ برکت والا ہے جس نے اپنے عبد مکرم پر فرقان کو نازل فرمایا جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے اور منافقین جو کچھ چھپاتے ہیں اور اپنے مکر اور کفر کو باطن میں رکھتے ہیں اس پر مطلع کرنے والا ہے تاکہ وہ عبد مکرم تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہو جائیں اور وہ مسلمانوں کو منافقین کی سازشوں سے خبردار کریں۔

فرقان کا اجمالی طور پر ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل شروع فرمائی اور اس تفصیل کو ترتیب سے شروع فرمایا پہلے اللہ سبحانہ کے اوصاف شروع کیے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی سلطنت ہے وہ جس کو چاہتا ہے رسول بنا کر بھیج دیتا ہے، اس لیے آسمانوں اور زمینوں میں اس نے جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا کسی کو اس کا انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی جو اس کے رسول پر اپنی برتری جتائے اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے جو اس کے رسول پر کوئی اعتراض کرے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور جب سب اس کی مخلوق ہیں تو مخلوق میں

(۱) عوام میں یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے کل شیٔ یعرفنی انی رسول اللہ لیکن یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہیں۔

سے کون اس کی اولاد یا اس کا شریک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے' پھر اس نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک اندازے سے بنایا اور جو چیز جس مرتبہ کے لائق تھی اور جس چیز میں جیسی استعداد تھی اس چیز کو اسی مرتبہ اور اسی وصف پر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ وہ اپنے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے ○ (الفرقان: ۳)

شرک کی پستی

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ علم رکھا تھا کہ ان کا کوئی خالق ہے اور زمین و آسمان کی ہر چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان تمام مخلوقات سے ماوراء ہے کیونکہ وہ اگر ان ہی کی جنس سے ہوتا تو ان کی طرح مخلوق ہوتا ان کا خالق نہ ہوتا اور تمام مخلوق کا ایک نمط اور ایک نہج پر ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی ایک ہے' اور اس تمام کائنات کا نظم واحد پر قائم رہنا یہ بتاتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم بھی واحد ہے' لیکن بیشتر لوگوں نے اس مشاہدہ سے صحیح رہ نمائی حاصل نہیں کی اور بھٹک گئے اور بہت کم تر اور اسفل چیزوں کو اپنا خالق اور معبود مان لیا اللہ تعالیٰ نے دون کا لفظ فرمایا جس کا معنی بہت پست اور بہت اسفل ہے یعنی اللہ کی شان جس قدر بلند اور برتر ہے یہ بت اتنے ہی پست اور اسفل ہیں جن کو ان لوگوں نے اپنا خالق اور اپنا خدا مان لیا' جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے جو خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنے لیے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں تو وہ اپنی پرستش کرنے والوں کو کب کسی ضرر سے بچا سکتے ہیں یا کب کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں' اور نہ موت' نہ حیات اور نہ مر کر دوبارہ اُٹھنے پر قادر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ قرآن تو صرف من گھڑت بات ہے جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے' اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے' سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا ○ اور انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوا لیا جو اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں ○ (الفرقان: ۵-۴)

مشرکین کا یہ اعتراض کہ یہ قرآن اہل کتاب کے تعاون سے بنا لیا گیا ہے

یہ مشرکین کا قول ہے' مقاتل نے کہا یہ نضر بن حارث کا قول ہے' کہ اس قرآن کو اس رسول نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور دوسروں نے اس گھڑنے پر اس کی مدد کی ہے۔ مجاہد نے کہا دوسروں سے مراد یہود ہیں۔ مقاتل نے کہا انہوں نے حویطب کے آزاد کردہ غلام عداس کی طرف اشارہ کیا تھا' اور عامر بن حضرمی کے غلام یسار کی طرف اور عامر کے ایک اور آزاد کردہ غلام جبر کی طرف یہ تینوں اہل کتاب میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔

اور انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں' ہم اس کی تفسیر الانعام: ۲۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ مفسرین نے کہا اس قول کا قائل نضر بن حارث تھا۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۷۳-۷۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (الفرقان: ۶)

مشرکین کے اعتراض مذکور کا جواب

یعنی اے رسول مکرم! آپ یہ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو عالم الغیب ہے۔ سو مجھے کسی معلم کی

ضرورت نہیں ہے اور اگر یہ قرآن اہل کتاب کی کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو اس میں ان کی کتابوں سے زیادہ تفصیل نہ ہوتی' اور یہ ان کی کتابوں کے احکام کا ناسخ نہ ہوتا' اور اس میں یہ بیان نہ کیا جاتا کہ گزشتہ کتابوں میں تحریف کردی گئی ہے' اور اگر یہ قرآن ان کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو پھر مشرکین اور منکرین کے لیے اس قرآن کی نظیر بنانا بہت آسان ہوتا وہ بھی اہل کتاب کی معاونت سے اس جیسی کتاب بنا لیتے جب کہ وہ بار بار تقاضوں کے باوجود اس کی کسی ایک چھوٹی سی سورت کی مثل بھی بنا کر نہ لا سکے اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اب تک بھی کوئی کسی ایک سورت تو کجا ایک آیت کی مثل بھی بنا کر نہ لا سکا۔ سو واضح ہو گیا کہ مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمارے رسول نے اس قرآن کو اہل کتاب کے تعاون سے بنا لیا ہے۔

اور فرمایا وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے یعنی مسلمانوں کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈرانے والا ہوتا! ○ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا! اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو ○ بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں' پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آ سکتے ○ (الفرقان: ۹-۷)

پیغام حق نہ سنانے پر کفار کا آپ کو مال اور حکومت کی پیش کش کرنا

امام ابن اسحاق' امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عتبہ' شیبہ (ربیعہ کے دو بیٹے) ابوسفیان بن حرب' النضر بن الحارث' ابوالبختری' الاسود بن المطلب' زمعۃ بن الاسود' الولید بن المغیرہ' ابوجہل بن ھشام' عبداللہ بن امیہ' امیہ بن خلف' العاص بن وائل اور نبیہ بن الحجاج' سب جمع ہوئے اور بعض نے بعض سے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کسی کو بھیجو اور ان سے بات کرو' پھر انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی قوم کے معزز لوگ جمع ہو کر آپ سے بات کرنے کے لیے آئے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے کہا ہم آپ کے پاس حجت قائم کرنے کے لیے آئے ہیں اگر آپ نے نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ مال جمع کرنے کے لیے کیا ہے تو ہم آپ کو مال اکٹھا کر کے دے دیتے ہیں اور اگر آپ نے سرداری کی طلب میں یہ دعویٰ کیا ہے تو ہم آپ کو سردار مان لیتے ہیں' اور اگر آپ نے سلطنت کی طلب میں یہ دعویٰ کیا ہے تو ہم آپ کو اس ملک کا حاکم مان لیتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جتنی پیش کشیں کی ہیں' مجھے ان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس مال طلب کرنے آیا ہوں نہ سرداری کی طلب میں' اور نہ تم پر حکومت کی طلب میں' لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں (ایمان لانے پر ثواب کی) بشارت دوں اور (کفر کرنے پر تمہیں عذاب سے) ڈراؤں۔ پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر دی' سو اگر تم نے میرے پیغام کو قبول کر لیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے اجر کا حصہ ہے اور اگر تم نے میرے پیغام کو رد کر دیا تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم نے ہماری پیش کش کو قبول نہیں کیا تو تم اپنے رب سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو نازل کرے جو تمہارے پیغام کی تصدیق کرے اور پھر ہمیں بتائے' اور اللہ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے لیے باغات بنا دے اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کے محلات بنا دے جو تمہیں فکر معاش سے مستغنی کر دیں' کیونکہ

تم تلاشِ معاش میں ہماری طرح بازاروں میں چلتے ہو' تا کہ ہم تمہاری فضیلت اور تمہارے رب کے نزدیک تمہاری قدر ومنزلت کو جان لیں اور یہ کہ تم واقعی اللہ کے رسول ہو۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری فرمائش پوری نہیں کروں گا اور نہ اپنے رب سے ان چیزوں کا سوال کروں گا۔ (الدرالمنثور ج ٦ ص ٦١٦' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں!

مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں چلتے ہیں' ان کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا' کیونکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے۔ نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں گئے تو اُمت کے لیے کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہو گیا اور تجارت کرنا سنت اور باعث ثواب ہو گیا۔ قابلِ اعتراض چیز بازاروں میں شور کرنا اور بدکلامی کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد' مبشر اور اَن پڑھ قوم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ نہ درشت کلام ہیں نہ بدزبان ہیں' نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں' اور اللہ آپ کی روح اس وقت تک ہرگز قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کی وجہ سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کر دے' بایں طور کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ' وہ آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں کو بینا کر دے گا' اور بہرے کانوں کو کھول دے گا اور دلوں کے غلاف اُتار دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۳۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۲۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۰۰)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں تجارت کے لیے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جانا شروع کیا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بازاروں کی خرید وفروخت مشغول رکھتی تھی اور ہمارے انصاری بھائیوں کو کھیتی باڑی مشغول رکھتی تھی اور ابوہریرہ بھوکے پیٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لازماً رہتا تھا اور ان احادیث کے سماع میں حاضر رہتا تھا جن سے وہ حاضر نہیں ہوتے تھے اور ان چیزوں کو یاد رکھتا تھا جن کو وہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۶۶)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ کے پاس سونے چاندی کے محلات کیوں نہیں اور آپ کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں؟

مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت پر دوسرا اعتراض یہ کیا تھا کہ آپ فقر وفاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں اگر آپ سچے نبی ہیں تو اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے سونے اور چاندی کے محلات بنا دے جن میں آپ رہیں اور آپ کے پاس انگوروں اور پھلوں کے باغات ہوں جن سے آپ کھائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سونے اور چاندی کے محلات اور عیش وعشرت کی زندگی کی پیش کش کی تھی لیکن آپ نے اس کے مقابلہ میں فقر وفاقہ کی زندگی کو اختیار فرمایا۔ نیز آپ کو فرشتہ بننے کا اختیار دیا گیا لیکن آپ نے عبد رہنے کو ترجیح دی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی سرزمین کو سونے کا بنا دے' سو میں نے کہا نہیں اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ پس جب میں بھوکا ہوں گا تو تیری طرف فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میرا پیٹ بھرا ہو گا تو تیری حمد کروں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۹۳۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۹۳' رقم الحدیث: ۹۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں' میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نیفہ کعبہ کے برابر تھا' اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور فرشتہ ہو جائیں۔ میں نے جبریل کی طرف دیکھا انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کریں تو میں نے کہا نبی اور عبد' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح عبد کھاتا ہے۔ اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح عبد بیٹھتا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۲۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر ایک چادر دیکھی تو اس نے میرے پاس ایک بستر بھیج دیا جس میں اُون بھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور پوچھا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے بتایا یا رسول اللہ! میرے پاس فلانہ انصاریہ آئی تھی اس نے آپ کے بستر پر صرف ایک چادر دیکھی تو اس نے یہ بستر بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کو واپس کر دو' اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۴۵' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۴۷' رقم الحدیث: ۹۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۳۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔ بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں' پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتے۔

یہ قول مشرکین کا ہے جو انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا' اس کی مکمل تفسیر اور آپ پر جادو کیے جانے کی تحقیق ہم بنی اسرائیل: ۴۷ میں کر چکے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

وہ برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے (ان کے کہے ہوئے) باغات سے بہتر بنا دے'

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

ایسے باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہوں اور آپ کے لیے محل بنا دے ۝

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ

سَعِیْرًا ﴿١١﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا

تیار کر رکھی ہے ○ جب وہ (آگ) ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غصہ سے بھرنے اور دھاڑنے

وَّزَفِیْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا

کی آوازیں سنیں گے ○ اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت

هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا

کو پکاریں گے ○ آج تم ایک موت کو نہ پکارو، بہت سی موتوں

ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿١٤﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ

کو پکارو ○ آپ کہیے آیا یہ (دوزخ) اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا متقین

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِیْهَا

سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ ان کی جزا اور ٹھکانا ہے ○ اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے

مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿١٦﴾

جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا ○

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ

اور جس دن ان (کافروں) کو جمع کیا جائے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر وہ ان (معبودوں) سے

ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ؕ ﴿١٧﴾

فرمائے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے؟ ○

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

وہ کہیں گے تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو

مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ

مددگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی حتی کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا' اور یہ لوگ

وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا

تھے ہی ہلاک ہونے والے ○ سو (اے مشرکو!) تمہارے معبودوں نے تمہاری کہی ہوئی باتوں کی تکذیب کر دی' پس

تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ

اب تم نہ عذاب کو دور کر سکتے ہو نہ اپنی مدد کر سکتے ہو' اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب

عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ

چکھائیں گے ○ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ

اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا

سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو

بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے' کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے (ان کے کہے ہوئے) باغات سے بہتر بنادے' ایسے باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہوں اور آپ کے لیے محل بنادے ○ (الفرقان: ۱۰)

باغات اور محلات کے طعنہ کا جواب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان مشرکین نے آپ کے لیے جن باغات اور محلات کا ذکر کیا ہے' اللہ اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر باغات بنادے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں اور آپ کے لیے محلات بنادے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

خیثمہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم آپ کو روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کی چابیاں عطا فرمائیں گے جو ہم نے آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں' اس سے اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی' آپ نے عرض کیا اے اللہ میرے لیے ان چیزوں کو آخرت میں جمع کردے۔

قتادہ نے کہا مشرکین نے آپ سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے اگر ہم چاہیں تو آپ کو اس سے بہتر خزانے اور باغات عطا کردیں ایسے باغات جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں۔

محمد بن اسحاق نے کہا کفار نے جو کہا تھا کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں اور کسب معاش کرتے ہیں جس طرح عام لوگ

کرتے ہیں' اللہ نے فرمایا اگر ہم چاہیں تو آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کر دیں۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۶' مکہ مکرمہ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۱۷۳۱' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○ جب وہ (آگ) ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غصہ سے بپھرنے اور دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے ○ اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا' تو وہاں وہ موت کو پکاریں گے ○ آج تم ایک موت کو نہ پکارو' بہت سی موتوں کو پکارو ○ (الفرقان: ۱۴-۱۱)

دوزخ کی آنکھوں' کانوں اور زبان کے متعلق احادیث

سعیر کے معنی بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور سعید بن جبیر نے کہا یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۹۹۸)

الفرقان: ۱۲ میں فرمایا جب وہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی' اس آیت میں دوزخ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ حدیث میں بھی اس کی تائید ہے:

خالد بن دریک ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی اور جس نے اپنے آپ کو اپنے والدین کے غیر کی طرف منسوب کیا اور جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے۔ آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا جہنم کی دو آنکھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب وہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۹۹۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ اپنی گردن باہر نکالے گی' اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی' دو کان ہوں گے جن سے وہ سنے گی' اور ایک زبان ہو گی جس سے وہ کلام کرے گی اور وہ کہے گی میرے سپرد تین (قسم کے) شخص کیے گئے ہیں' ہر متکبر معاند' ہر وہ شخص جو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرے اور تصویریں بنانے والے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۳۶۵)

تغیّظ اور زفیر کے معنی

تغیظ کے معنی ہیں' غصہ میں آنا' جھنجھلانا' اظہار غیظ و غضب کرنا۔

زفیر کے معنی ہیں چلانا' زفیر کا اصل معنی ہے اس قدر تیز سانس لینا جس سے پسلیاں پھولنے لگیں' اور شہیق کا معنی ہے سانس کو سینہ کی طرف لوٹانا' یا زفیر کا معنی ہے سانس کو کھینچ کر سینے سے نکالنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' زفیر بلند آواز ہے اور شہیق پست آواز ہے' ضحاک اور مقاتل نے کہا زفیر گدھے کی پہلی آواز ہے اور شہیق اس کی آخری آواز ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ زفیر حلق میں ہوتی ہے اور شہیق پیٹ میں۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷۱' ۳' دار الکتب العربیہ پشاور)

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن دوزخ میں کافروں کے رونے اور چلانے کی آوازیں سنیں گے اور صحیح یہ ہے کہ وہ دوزخ ہی کی غصہ میں دھاڑنے اور چنگھاڑنے کی آوازیں سنیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے گا تو دوزخ اس طرح چلائے گی جس طرح خچر گھاس اور جو کو دیکھ کر چلاتا ہے۔ یہ آواز سن کر ہر شخص ڈر جائے گا۔

عبید بن عمیر لیثی نے اس کی تفسیر میں کہا جہنم اس طرح دھاڑ رہی ہوگی کہ ہر فرشتہ اور ہر نبی اس کی آواز سن کر خوف سے گر جائے گا اور اس کے کندھے خوف سے کپکپا رہے ہوں گے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے کہیں گے: اے میرے رب آج کے دن میں تجھ سے صرف اپنے لیے سوال کرتا ہوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

کفار کا جہنم میں جھونکا جانا اور ان کا موت کی دعا کرنا

الفرقان: ۱۳ میں فرمایا: اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت کو پکاریں گے۔

یحییٰ بن اسید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ان کو اس طرح زبردستی دوزخ میں جھونکا جائے گا جس طرح کیل کو دیوار میں ٹھونک دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کفار اس طرح دوزخ میں پیوست ہوں گے جس طرح نیزے کا پھل نیزے میں پیوست ہوتا ہے۔

ضحاک نے کہا وہ اپنی ہلاکت کی دعا کریں گے اور کہیں گے ہائے ہلاکت ہائے ہلاکت۔

الفرقان: ۱۴ میں فرمایا: آج تم ایک موت کو نہ پکارو، بہت سی موتوں کو پکارو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے آگ کا حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) ابلیس کو پہنایا جائے گا، وہ اس کو اپنی بھوؤں پر رکھے گا، اور اس کو اپنے پیچھے سے گھسیٹے گا اور چلائے گا ہائے میری ہلاکت! اور اس کی ذریت اس کے پیچھے ہوگی، اور کہے گی ہائے ہماری ہلاکت! اس وقت کہا جائے گا آج تم ایک موت کی دعا نہ کرو، بہت سی موتوں کی دعا کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۹-۲۶۶۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے، آیا یہ دوزخ اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کی جزا اور ٹھکانا ہے ○ اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا ○ (الفرقان: ۱۶-۱۵)

آیا دوزخ میں کوئی اچھائی ہے؟

آیت: ۱۵ میں فرمایا: آیا یہ دوزخ خیر ہے یا دائمی جنت؟ خیر کا معنی ہے زیادہ اچھی، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں بھی فی نفسہٖ اچھائی ہے لیکن جنت زیادہ اچھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خیر یہاں پر اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صفت مشبہ کے معنی میں ہے یعنی دوزخ اچھی ہے یا دائمی جنت! اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے علم اور ان کے اعتقاد کے موافق کلام فرمایا ہے کیونکہ کفار دوزخ میں جھونک دیئے جانے والے کام کرتے تھے گویا وہ سمجھتے تھے کہ دوزخ میں بھی اچھائی ہے اس لیے فرمایا کہ بتاؤ دوزخ زیادہ اچھی ہے یا دائمی جنت۔

اس آیت میں فرمایا ہے دائمی جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے، متقین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کفر اور شرک کو ترک کر دیں اور متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کو ترک کر دیں اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ہر خلاف سنت، مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کام کو ترک کر دیں۔

جنت میں ہر چاہی ہوئی چیز کے ملنے کا محمل

آیت :۱۶ میں فرمایا: اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے۔
کعب احبار نے کہا جو شخص ساری زندگی شراب پیتا رہا وہ آخرت میں شراب نہیں پیے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ عطاء نے اعتراض کیا اے ابواسحاق اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اس میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے؟ کعب نے کہا وہ شراب کو بھول جائے گا اور وہ اس کو یاد نہیں آئے گی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۱۷)
اس سے معلوم ہوا کہ ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے اپنے عموم پر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کسی باطل یا محال چیز کو چاہیں تو وہ ان کو نہیں ملے گی مثلاً وہ لواطت کو چاہیں یا وہ چاہیں کہ ان کا نبی سے بلند درجہ ہو تو وہ ان کو نہیں ملے گا بلکہ حق یہ ہے کہ ایسی باطل خواہشیں جنت میں ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوں گی کیونکہ ان باطل خواہشوں کا منبع اور مصدر شیطان ہے اور وہ جنت میں نہیں ہوگا تو ایسی باطل خواہشیں بھی دلوں میں پیدا نہیں ہوں گی۔
منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا آیا جنت میں اولاد ہوگی؟ فرمایا: ہاں اگر وہ چاہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۱۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ '۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی بناء پر اس سے سوال کرنا

نیز اس آیت میں فرمایا: یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا۔
حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اس چیز کا سوال کرو' جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔
القرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں گے:

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (المومن: ۸)

اے ہمارے رب تو ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل کر دے جس کا تو نے ان سے (از راہِ کرم) وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا' ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جس نے نیک کام کیے ہیں۔ بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے۔

اور ابوحازم یہ کہتے تھے کہ قیامت کے دن مومنین یہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو جن کاموں کا حکم دیا تھا وہ ہم نے کر لیے اب تو اس کو پورا فرما جس کا تو نے ہم سے (از راہِ کرم) وعدہ فرمایا تھا۔
عبدالرحمن بن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مانگنے والوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے وعدہ کو طلب کیا تو جب انہوں نے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ ان کو عطا فرمایا' اللہ تعالیٰ نے زمین میں بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے رزق کو مقرر کر دیا تھا پھر اس رزق کو مانگنے والوں کی روزی بنا دیا' پھر ان کے سوال کرنے کے وقت کو اس کی عطا کے لیے مقرر فرما دیا' پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ (حم السجدۃ: ۱۰)

اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھ دی' اور اس میں رہنے والوں کی روزی بھی صرف چار دن میں مقرر کر کے رکھ دی' مانگنے والوں کے لیے برابر برابر۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۷۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)
بندوں نے اللہ تعالیٰ کی جو عبادت کی ہے اس عبادت کی بناء پر ان کے سوال کا کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے

نیک عمل کرنے والے مومنوں سے جواز راہ فضل و کرم اجر و ثواب اور جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کی بناء پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے مومنوں کے لیے سوال کیا' اور رسولوں نے اور مومنوں نے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۲۹)

ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے اللہ نے مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران: ۱۹۴)

اے ہمارے رب! ہمیں وہ اجر عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں روزِ قیامت شرمندہ نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ان (کافروں) کو جمع کیا جائے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے' پھر وہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے؟ ۝ وہ کہیں گے تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے' ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو مددگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ۝ سو (اے مشرکو!) تمہارے معبودوں نے تمہاری کہی ہوئی باتوں کی تکذیب کر دی پس اب تم نہ عذاب کو دُور کر سکتے ہو نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب چکھائیں گے ۝ (الفرقان: ۱۹-۱۷)

نعمتوں کی بہتات کی وجہ سے لوگوں کا کفر اور شرک کرنا

قتادہ نے کہا اس دن سے مراد یوم قیامت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہر چیز کا حشر کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھی کا بھی حشر کیا جائے گا۔

مجاہد نے کہا جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے اس سے مراد حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتے ہیں۔

یا یہ خود گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ مقاتل بن حیان نے کہا انہوں نے سیدھے راستہ کی تلاش میں خطا کی۔

کفار کے معبودوں نے کفار کا رد کرتے ہوئے کہا: ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو اولیاء بناتے۔

اولیاء کی تفسیر میں سدی نے کہا ولی وہ ہے جس کو اللہ اپنا دوست بنا لے اور وہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔

فرمایا: لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی تھی۔ یعنی دنیا میں ان کو صحت' لمبی زندگی اور کشادگی اور فراخی عطا فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا یعنی انہوں نے تجھے یاد کرنا چھوڑ دیا' اور تکبر میں آ کر تیرے ساتھ شرک کیا' اور ہمارے حکم کے بغیر ہماری عبادت کی۔ ذکر کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد وہ کتابیں اور صحائف ہیں جو رسل علیہم السلام پر نازل کیے گئے جن پر انہوں نے عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا شکر ادا نہیں کیا۔

فرمایا: اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حمص والوں کے پاس گئے اور فرمایا اے اہل حمص! آؤ اپنے بھائی کے پاس تاکہ وہ تمہیں نصیحت کرے جب وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم حیا نہیں کرتے! تم وہ مکان بناتے ہو جن میں تم رہتے نہیں ہو' اور تم اس طعام کو جمع کرتے ہو جس کو تم کھاتے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم پا نہیں سکتے! بے شک تم سے پہلے لوگوں نے مضبوط گھر بنائے' اور غلام جمع کیے اور لمبی امیدیں رکھیں' پھر وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے ان کی امیدیں دھوکا بن گئیں اور ان کے گھر قبرستان بن گئے۔

بوراً کے معنی اور شرک کی مذمت

بوراً کے معنی ہیں ہلاک ہونے والے۔ خالی جس میں کوئی چیز نہ ہو۔ بوادی الارض کا معنی ہے بے کار زمین جس میں کوئی خیر اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ شہر بن خوشب نے کہا بوار کا معنی ہے فاسد اور کھوٹی چیز' جب کوئی سودا بک نہ سکے تو کہتے ہیں بارت السلعة.

فرمایا: تمہارے معبودوں نے تمہاری تکذیب کر دی' یہ اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائے گا جب مشرکین کے معبودان سے برأت کا اظہار کر دیں گے۔

ابوعبید نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے معبود تم کو اس حق سے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے جس کی طرف اللہ نے تمہیں ہدایت دی تھی' اور نہ تم پر نازل ہونے والے عذاب کو تم سے دُور کر کے تمہاری مدد کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے تمہاری تکذیب کر دی تھی۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب چکھائیں گے' اس کا معنی ہے تم میں سے جس شخص نے شرک کیا پھر وہ اسی شرک پر مر گیا ہم اس کو آخرت میں بہت سخت عذاب دیں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۷۳-۲۶۷۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۳-۱۲)

الفریابی' ابن ابی شیبہ' عبد بن حمید اور ابن المنذر اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جو لوگ حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے جب قیامت کے دن یہ انبیاء اور فرشتے ان لوگوں کی تکذیب کر دیں گے اور کہیں گے اے اللہ! تو شرک کیے جانے سے پاک ہے تو ہمارا مالک اور معبود ہے تو اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے فرمائے گا جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ نہ تم سے عذاب دُور کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے بہتر آسمانی کتابیں پڑھی ہیں اور کسی کتاب نے قرآن مجید سے زیادہ ظلم پر مذمت نہیں کی' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس اُمت کا فتنہ ظلم میں ہوگا' اور دوسری امتوں کی زیادہ مذمت شرک اور بت پرستی کی وجہ سے کی گئی ہے۔

امام عبدالرزاق اور ابن جریر نے حسن بصری اور ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔

(الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے' کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے O (الفرقان: ۲۰)

رزق اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو تلاش کر کے اختیار کرنا

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عار دلایا اور کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں سب سے ان کے زمانہ کے مشرکوں نے یہی کہا تھا کہ تم کیسے رسول ہو جو کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

انبیاء سابقین علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں چلنا تجارت اور صنعت کے ذریعہ طلب معاش

کے لیے ہوتا تھا۔

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ اور ہم نے اس کو زرہ بنانے کا طریقہ سکھایا تا کہ وہ زرہ جنگ میں تمہاری حفاظت کرے۔ (الانبیاء: ۸۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے بنا دیا گیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے بنا دیا گیا ہے' اور جس نے میرے حکم کی مخالفت کی اس کے لیے ذلت اور حقارت بنا دی گئی ہے' اور جس شخص نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا شمار اسی قوم سے ہوگا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد' باب: ۸۸' ما قیل فی الرماح' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۹۳۹۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۹' احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۵۱۱۴' دار الحدیث قاہرہ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہتھیاروں کے ساتھ دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کرنے سے میدانِ جنگ میں ان کا چھوڑا ہوا مال' اسباب' اور ہتھیار وغیرہ مسلمانوں کو بہ طور مالِ غنیمت حاصل ہوتے ہیں اور وہ بھی مسلمانوں کے حصولِ رزق کا ایک ذریعہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ (الانفال: ۶۹) پس تم نے جو کچھ حلال اور پاکیزہ مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس سے کھاؤ۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مالِ غنیمت کے حصول کے علاوہ تجارت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ بھی رزق حاصل کرتے تھے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے کہا کہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میری صنعت اور حرفت میرے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے اور اب میں مسلمانوں کی خلافت اور حکومت کے ساتھ مشغول ہو گیا ہوں۔ پس اب ابو بکر کے اہل وعیال اس مال سے کھائیں گے (یعنی بیت المال کے وظیفے سے) اور میں مسلمانوں کے لیے کام کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کام کاج اور محنت مزدوری کرتے تھے اور ان کے جسم سے بو آتی تھی تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیا کرو (تو بہتر ہے)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۲)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے افضل اور بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۲۲۲' عالم الکتب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی کمر پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے وہ اس کو دے یا اس کو منع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۸۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۱۵،۲ عالم الکتب)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو کسی چیز کو خریدتا ہے یا فروخت کرتا ہے یا کسی سے تقاضا کرتا ہے تو نرمی سے کام لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۰۳)

ترک اسباب پر صوفیاء کے دلائل اور ان کے جوابات اور توکل کا صحیح مفہوم

بعض صوفیاء کسبِ معاش اور حصولِ رزق کے اسباب اختیار کرنے کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ پر توکل کرنے کے خلاف ہے' اگر انسان اللہ پر کامل توکل کرے تو ان اسباب کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ (الذاریات: ۲۲)

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس رزق سے مراد بالاجماع بارش کا نازل فرمانا ہے کیونکہ آسمان سے عادتاً روٹیاں نہیں برستیں اور اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے تاکہ تم اس سے اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب کرسکو اور ظاہر ہے کہ کھیت اور باغات انسان کی محنت اور کسب سے وجود میں آتے ہیں' اس کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ط (المومن: ۱۳)

وہی تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ط كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝ (ق: ۱۱-۹)

اور ہم نے آسمانوں سے برکت والا پانی نازل فرمایا اور اس سے باغات اور کھیتوں میں کٹائی کیے جانے والے غلے پیدا کیے ۝ اور کھجوروں کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں ۝ بندوں کے رزق کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کردیا' اسی طرح (مردوں کا قبروں سے) نکلنا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کے لئے سامانِ حرب اور سواریوں کو تیار رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم توکل کرکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ ارشاد فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ج (الانفال: ۶۰)

تم دشمنوں سے مقابلہ کے لیے مقدور بھر اسلحہ اور گھوڑے (سواریاں) تیار رکھو تاکہ تم ان سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی۔

اسی طرح حضرت مریم سے فرمایا:

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ (مریم: ۲۵)

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ' یہ تمہارے اوپر تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ حضرت مریم کے ہلائے بغیر ان کے اوپر تروتازہ کھجوریں گرا دیتا لیکن ان کو یہ حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو ہلائیں کیونکہ حصولِ رزق کی جدوجہد کے لیے جو کام حضرت مریم کرسکتی تھیں' وہ ان کو کرنا ہوگا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ (الشعراء: ۶۳) اپنی لاٹھی سمندر پر ماریئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا اور درمیان میں خشکی کے بارہ حصے بن گئے' جب اللہ تعالیٰ نے سمندر میں خشکی کے بارہ راستے بنا دیئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں لاٹھی مارنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ اس لیے کہ سمندر میں خشکی کے بارہ راستے بنانے پر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قادر نہ تھے لیکن سمندر میں لاٹھی تو مار سکتے تھے اس لیے جو کام وہ کر سکتے تھے اس کے کرنے کا انہیں حکم دیا اور جو کام وہ نہیں کر سکتے تھے' وہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ اپنے مقصود کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث کی یہ تعلیم اور تلقین ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو حاصل کیا جائے اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور اسباب اور وسائل کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔ کچھ لوگ سفرخرچ کے بغیر حج کے لیے جاتے تھے اور راستہ میں مانگ تانگ کر کام چلاتے تھے تو ان کو سفرخرچ لے کر سفر کرنے کی ہدایت کی گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ (البقرہ: ۱۹۷) اور سفرخرچ ساتھ لے کر سفر کرو' بہترین سفرخرچ سوال سے بچنا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۹۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۹۲)

جو صوفی لوگ محنت اور کسب کرنے کے خلاف ہیں وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے' وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۰' المستدرک ج ۴ ص ۳۱۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۶۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۰۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ پرندوں کو بھی کسب اور محنت کے بغیر رزق نہیں ملتا' ایسے نہیں ہوتا کہ وہ کسی درخت پر یا گھاس پر بیٹھ جائیں اور آسمان سے ان کے اوپر دانے گرنے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین کے گوشوں میں رزق طلب کرو۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۲۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۳۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے کئی دن غارِ حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرتے تھے اور اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے پھر جب وہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو دوبارہ گھر جا کر کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۵)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۹۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۱' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵)

اور حضرت انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال' مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے

سر پر خود تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۶۹۳، صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۸۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۶۸۵، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۸۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۰۵)

دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا لے کر غارِ حرا جاتے تھے، اور زرہ اور خود پہن کر جہاد کے لیے جاتے تھے اور آپ سید المتوکلین ہیں، اس کے باوجود اسباب اور وسائل کو ترک نہیں کرتے تھے۔ سو کسی مقصد کے حصول کے لیے اس کے اسباب اور وسائل کو ترک کرنا آپ کی تعلیم، آپ کی سیرت اور آپ کی ہدایت کے خلاف ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے O

اہل نعمت کی اہل مصیبت سے شکر میں اور اہل مصیبت کی اہل نعمت سے صبر میں آزمائش

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابورافع الزرقی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ ہمارے غلاموں کے متعلق کیا فرماتے ہیں اور وہ لوگ مسلمان ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہم ان کو مارتے پیٹتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے گناہوں اور تمہارے ان کو مارنے کا وزن کیا جائے گا اگر تمہاری مار ان کے گناہوں سے زیادہ ہوگی تو تمہاری گرفت کی جائے گی۔ مسلمانوں نے کہا آپ یہ بتائیں کہ ہم نے جوان کو سب وشتم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کے گناہوں اور تم نے جوان کو ایذا پہنچائی ہے اس کا وزن کیا جائے گا، اگر تمہاری ان کو پہنچائی ہوئی ایذا زیادہ ہوئی تو تمہاری نیکیاں ان کو دی جائیں گی۔ اس شخص نے کہا میں نے ان سے بڑا دشمن تو کوئی نہیں سنا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان:۲۰) پھر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اپنی اولاد کو ماروں تو پھر؟ آپ نے فرمایا اگر تم اپنی اولاد کو مارو تو اس میں تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ کوئی تہمت ہے، اور تم یہ گوارا نہیں کرو گے کہ تم پیٹ بھر کر کھاؤ اور تمہاری اولاد بھوکی رہے اور تم کپڑے پہنو اور تمہاری اولاد ننگی رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۰۴۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فقیر کہے گا اگر اللہ مجھے فلاں شخص کی مثل غنی بنا دیتا اور بیمار کہے گا کہ اگر اللہ مجھے فلاں شخص کی مثل صحت مند بنا دیتا۔ (یہی بعض کی بعض سے آزمائش ہے) (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۰۴۷)

امام محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یعنی اللہ فرماتا ہے میں نے تم سے بعض کو مصائب میں مبتلا کر دیا تاکہ تم دوسروں کی باتیں سن کر صبر کرو، اور ان کی مخالفت کو برداشت کرو، اور تم ہدایت پر عمل کرو بغیر اس کے کہ میں تم کو دنیا عطا کروں اور اگر میں چاہتا تو میں اپنے رسولوں کے ساتھ دنیا رکھ دیتا اور وہ مخالفت نہ کرتے، لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ تمہاری وجہ سے بندوں کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہیں ان کی وجہ سے آزمائش میں ڈالوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۰۵۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور جس پر فضیلت دی ہے اس کو صبر کرنے کا اور تقدیر پر راضی رہنے کا حکم دیا

ہے اور جس کو فضیلت دی ہے اس کو اس فضل اور نعمت پر شکر کرنے کا حکم دیا ہے' اور ایک قوم کو مصائب کے ساتھ خاص کر لیا اور ان کو اہل مصائب کے لیے آزمائش بنا دیا اور دوسری قوم کو عافیت اور آسائش کے ساتھ خاص کر لیا' اور ایک قوم کو بیماریوں اور دردوں کے ساتھ خاص کر لیا۔ پس جس کو نعمتیں دی ہیں اس کا کوئی کمال نہیں اور جس کو آزمائش میں ڈالا ہے اس کا کوئی نقص اور عیب نہیں۔ کسی پر اس کے جرم کی وجہ سے مصائب نہیں آتے بلکہ اللہ کے حکم کی وجہ سے آتے ہیں اور کسی پر نعمتیں اس کے استحقاق اور اس کی کارکردگی کی وجہ سے نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہوتی ہیں اور اس کے ارادہ کی وجہ سے ہوتی ہیں ان کی عبادتوں کی وجہ سے نہیں ہیں' اور مصائب اس کے اختیار کی وجہ سے ہیں ان کے برے اخلاق کی وجہ سے نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: کیا تم صبر کرو گے؟ یہ استفہام حکم کے معنی میں ہے یعنی صبر کرو۔ پس جس کو توفیق ہو گی وہ صبر اور شکر کرے گا' اور جس کو توفیق نہیں ہو گی وہ انکار کرے گا اور کفر کرے گا۔ (لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے' انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا

نازل کیے گئے یا ہم نے اپنے رب کو دیکھ لیا ہوتا' انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی

كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ

سرکشی کی O جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہو گی وہ کہیں گے

وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ

(کاش ہمارے درمیان) کوئی رکاوٹ والا حجاب ہوتا O انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان

فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ

کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے O اس دن جنت والوں

مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

کا بہترین ٹھکانا ہو گا اور نہایت عمدہ خواب گاہ ہو گی O اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ

کی جماعتیں نازل کی جائیں گی O اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہو گی' اور وہ

كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى

دن کافروں پر سخت دشوار ہو گا ○ اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے

يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى

کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوتا! ○ ہائے افسوس!

لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ

کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ○ اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد

اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ

مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے ○ اور رسول کہیں گے

الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَ

اے میرے رب بے شک میری قوم (میں سے کافروں) نے اس قرآن کو متروک بنا لیا تھا ○ اور

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى

ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیے ہیں، اور آپ کا رب

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے ○ اور کافروں نے کہا یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ

عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ

کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً نازل کیا ہے) تاکہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ

کریں اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ○ اور یہ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں

بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ۭ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى

گے ہم اس کی برحق اور عمدہ توجیہ بیان کریں گے ○ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لائے جائیں

معٗ عند المتقدمین ۱۲

جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾

گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے' انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے' یا ہم نے اپنے رب کو دیکھ لیا ہوتا' انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی سرکشی کی ○ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی وہ کہیں گے (کاش ہمارے درمیان) کوئی رکاوٹ والا حجاب ہوتا ○

(الفرقان: ۲۲-۲۱)

ایمان لانے کو فرشتوں کے نزول اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر معلق کرنے کا جواب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو مشرکین ہماری ملاقات سے خوف زدہ نہیں ہیں اور ہمارے عذاب سے نہیں ڈرتے انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمیں یہ خبر دیتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق نبی ہیں اور وہ جو پیغام ہمارے پاس لے کر آئے ہیں وہ سچا ہے' یا ہم اپنے رب کو خود دیکھ لیں تو وہ ہمیں خود اس بات کی خبر دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا ہے اور تکبر کیا ہے اور اپنے اس قول میں وہ تکبر کی حد سے پھر بڑھ گئے ہیں۔ اس آیت میں عتو کا لفظ ہے۔ عتو کا معنی ہے زمین میں اپنے آپ کو بلند اور برتر سمجھنا' شدید کفر اور سخت ظلم۔

ان کا تکبر اور ان کی سرکشی یہ تھی کہ انہوں نے فرشتوں کو دنیا میں دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ فرشتے صرف موت کے وقت دکھائی دیں گے یا نزولِ عذاب کے وقت' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا حالانکہ کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے نہ اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے معجزات کو اور اس قرآن کو کافی نہیں سمجھا جس کی نظیر لانے سے تمام انسان اور جن عاجز رہے' تو پھر فرشتوں کو دیکھ لینا ان کے لیے کیسے کافی ہو سکتا تھا' جب کہ وہ فرشتوں اور شیاطین کے درمیان تمیز اور فرق نہیں کر سکتے' اور یہ جاننے کے لیے کہ دکھائی دینے والی چیز فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے پھر ایک معجزہ کی ضرورت ہوگی اور معجزات کو ثبوت کے لیے انہوں نے کافی نہیں سمجھا تھا۔ علاوہ ازیں انسان بہ حیثیت انسان' فرشتہ کو بہ حیثیت فرشتہ نہیں دیکھ سکتا۔ سوا اس صورت کے کہ فرشتہ انسانی پیکر اور انسانی شکل میں آئے اور جب فرشتہ انسانی شکل میں آ کر ان سے بات کرے گا تو وہ پھر اس کو فرشتہ نہیں مانیں گے۔

حجرا محجورا کے دو محمل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کو کوئی شخص موت سے پہلے نہیں دیکھ سکتا' موت کے وقت فرشتے مومنوں کو جنت کی بشارت دیں گے اور کافروں پر لوہے کے گرز مار کر ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کہیں گے حجرا محجورا اس کی دو تفسیریں ہیں یا تو فرشتے کافروں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالتے وقت ان سے کہیں گے حجرا محجورا یا اس وقت کافر حسرت اور یاس سے کہیں گے حجرا محجورا۔

حجر کے اصل معنی ہیں منع کرنا اور روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی پر اس کی بے وقوفی اور کم عمری کی وجہ سے پابندی لگا دیتا

ہے اور اس کو اس کے مال میں تصرف کرنے سے روک دیتا ہے تو کہا جاتا ہے **حجر القاضی علی فلان**' قاضی نے فلاں شخص کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جس کو قریش مکہ نے وسائل کی کمی کی وجہ سے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا' اسی وجہ سے حطیم کے اندر سے طواف کرنا منع ہے یعنی اس پر حجر اور پابندی ہے اور حطیم کے باہر سے خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے' اور عقل کو بھی اسی وجہ سے حجر کہا جاتا ہے کیونکہ عقل بھی انسانوں کو ان کاموں سے روکتی ہے جو اس کے حق میں نقصان دہ ہیں۔ پس اگر یہ قول فرشتوں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا تمہارے لیے وہ چیزیں ممنوع ہیں اور حرام ہیں اور تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی بشارت مومنوں کو دی جاتی ہے' اور اگر یہ قول کافروں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب کافر موت کے وقت فرشتوں کو گرز مارتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہمارے اور فرشتوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور حجاب ہوتا' اور ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکتے۔

امام بغوی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا' یہ قول فرشتوں کا ہے اور ابن جریج اور مجاہد نے کہا یہ قول کافروں کا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے' اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے ٥ اس دن جنت والوں کا بہترین ٹھکانا ہوگا اور نہایت عمدہ خواب گاہ ہوگی ٥ (الفرقان: ۲۴-۲۳)

ھباءً منثوراً کا معنی

الازہری نے کہا سورج کی شعاعیں جو کھڑکی یا روشن دان سے کمرے میں داخل ہوتی ہیں وہ شعاعیں غبار کے منتشر ذرات کے مشابہ ہوتی ہیں' ان کو الھباء کہتے ہیں اور منثوراً کے معنی ہیں بکھری ہوئی اور منتشر چیز' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنے زعم میں جو نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں ریزہ ریزہ کر کے ضائع کر دیئے جائیں گے اور وہ فضا میں بکھرے ہوئے سورج کی شعاعوں کے باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی صالح عمل مقبول نہیں ہوتا۔

ھباء منثورا کی تفسیر میں ایک وہ قول ہے جس کو ہم نے الازہری کے حوالے سے نقل کیا ہے یعنی روشن دان سے داخل ہونے والی شعاعوں میں غبار کی مانند باریک ذرات' اس کے علاوہ دیگر اقوال حسب ذیل ہیں:

ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے گرد و غبار۔ قتادہ نے کہا آندھیاں جو درخت کے پتے اور کوڑا کرکٹ اڑاتی ہیں۔ معلی بن عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے راکھ۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ آئیں گے جن کے پاس تہامہ کے پہاڑوں جتنی نیکیاں ہوں گی حتیٰ کہ جب ان کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ھباء منثورا کر دے گا' پھر ان کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ سالم نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! یہ بتائیں کہ وہ کیسے لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں گے' روزے رکھتے ہوں گے' نیند سے بیدار ہو کر رات کو قیام کرتے ہوں گے' لیکن جب ان کے اوپر کوئی حرام چیز پیش کی جائے گی تو وہ اس پر اچھل پڑیں گے (گرم جوشی سے اس کو قبول کریں گے) اللہ تعالیٰ ان کے ان نیک اعمال کو ضائع فرما دے گا۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۵-۲۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیکیاں صرف کفر اور ارتداد سے ضائع کی جاتی ہیں اس لیے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ حرام چیزوں اور حرام کاموں کو جائز اور حلال سمجھیں گے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

قیامت کا دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا وہ مومنوں پر کتنا طویل ہوگا!

اس آیت میں فرمایا ہے اہل جنت کا بہت اچھا مقیل ہوگا۔ مقیل کا معنی ہے قیلولہ کی جگہ اور دوپہر کے بعد آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ الازہری نے کہا دوپہر کو آرام کرنا قیلولہ ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہیں ہوگی۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل جنت پر قیامت کا دن صرف اتنی دیر گزرے گا جتنی دیر صبح سے دوپہر تک اور قیلولہ کے وقت تک ہوتی ہے' پھر وہ جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کا آدھا دن اس وقت تک گزرے گا حتیٰ کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔

روایت ہے کہ قیامت کے دن کی مقدار کم کر کے مومنوں پر صرف اتنی کر دی جائے گی جتنی مقدار عصر کے وقت سے غروبِ آفتاب تک ہوتی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ سعید الصواف سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کا فیصلہ اتنی دیر میں کر دیا جائے گا جتنی دیر عصر سے غروبِ آفتاب تک ہوتی ہے' پھر وہ جنت کے باغات میں جا کر قیلولہ کریں گے حتیٰ کہ تمام لوگ حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے: اصحاب الجنة یومئذ خیر مستقرا و احسن مقیلا ○ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۴۸)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (السجدۃ: ۵) اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مومن سے اس دن میں تخفیف کی جائے گی حتیٰ کہ اس کو فرض نماز پڑھنے میں دنیا میں جتنا وقت لگتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کا دن کافر پر پچاس ہزار سال کی مقدار میں گزرے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۳۲۴' دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد' امام ابو یعلیٰ' امام ابن حبان اور امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کی مقدار کے برابر ہوگا سو یہ کس قدر طویل دن ہوگا! آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مومن پر یہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۳' ص ۷۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' شعب الایمان ج ۱ ص ۳۲۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' البدور السافرۃ رقم الحدیث: ۲۸۴' ص ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن مومنین پر اتنے وقت میں گزرے گا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۸۴ شعب الایمان ج ۱ ص ۳۴۴ البدور السافرۃ رقم الحدیث: ۲۸۵ ص ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب العلمین کے سامنے لوگ اس دن کے نصف تک کھڑے ہوں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ مومنوں کے لیے وہ دن اتنا آسان گزرے گا جتنا وقت آفتاب کے غروب کی طرف مائل ہونے سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک لگتا ہے۔

(مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۶۰۲۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷ البدور السافرۃ رقم الحدیث: ۲۸۶ ص ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کی جماعتیں نازل کی جائیں گی o اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر سخت دشوار ہوگا o اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرلیا ہوتا! o ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! o اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے o

(الفرقان: ۲۹-۲۵)

قیامت کے احوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے آسمانِ دنیا پھٹے گا' اور آسمان والے فرشتے زمین پر نازل ہوں گے' ان کی تعداد زمین کے جن اور انس سے زیادہ ہوگی' پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے نازل ہوں گے ان کی تعداد آسمانِ دنیا کے فرشتوں سے زیادہ ہوگی اور جن وانس سے' پھر اسی طرح آسمان پھٹتے رہیں گے حتیٰ کہ ساتواں آسمان پھٹے گا' ہر بعد میں پھٹنے والے آسمان کے فرشتے اس سے پہلے پھٹنے والے آسمان کے فرشتوں سے زیادہ ہوں گے' پھر کروبیین (فرشتوں کے سردار جو مقربین ہیں) نازل ہوں گے' پھر حاملین عرش نازل ہوں گے۔

فرمایا: اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس دن رحمٰن کے سوا اور کسی کی سلطنت نہیں ہوگی۔

فرمایا وہ دن کافروں پر سخت دشوار ہوگا: یہ خطاب اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دن مومنوں پر دشوار نہیں ہوگا' جیسا کہ ابھی متعدد احادیث کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ قیامت کا دن مسلمانوں پر اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتے تھے۔

عقبہ بن ابی معیط کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا اور اس کی دنیا اور آخرت میں سزا

فرمایا اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا: اس ظالم سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔

مقسم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں' کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کی آپس میں ملاقات ہوئی' وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے' ایک نے دوسرے سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے ہو اور تم نے ان کا پیغام سنا ہے' اور اللہ کی قسم میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ تم ان کے چہرے پر تھوکو اور ان کی تکذیب کرو۔ پس اللہ نے اس کو اس پر قادر نہیں کیا اور عقبہ بن ابی معیط جنگِ بدر میں قتل کر دیا گیا اور رہا ابی بن خلف اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احد میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ امام عبدالرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے

کہ جنگ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط کو قید کرلیا گیا وہ قیدیوں میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیں۔ عقبہ نے کہا یا محمد! کیا مجھے ان قیدیوں کے درمیان قتل کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا تمہارے کفر اور فجور کی وجہ سے اور اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سرکشی کرنے کی وجہ سے' پھر حضرت علی نے اس کی گردن اڑا دی اور رہا امیہ بن خلف تو اس نے کہا تھا کہ میں محمد کو قتل کروں گا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ ان شاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا پھر جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا۔ ملخصاً۔

اور ان ہی دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرلیا ہوتا!

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۴۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' ج ۵ ص ۳۵۵' مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

بعض روایات میں ہے کہ اللہ کے دشمن عقبہ بن ابی معیط لعنہ اللہ نے آپ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا تھا اور آپ سے برأت کا اظہار کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت رنج ہوا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل کیں کہ عنقریب وہ قیامت کے دن اپنی اس حرکت پر نادم ہوگا اور غم وغصہ سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کرلیا ہوتا!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۰۳' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۴۰۱' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۶۵۷' الوسیط ج ۳ ص ۳۳۹)

ضحاک نے بیان کیا جب اس دشمنِ خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوکا تو وہ تھوک پلٹ کر اس کے چہرے پر گرا جس سے اس کے دونوں رخسار جل گئے اور ان پر اس کے نشان پڑ گئے اور مرتے دم تک وہ نشان اس کے چہرے پر رہے۔

عطاء نے کہا وہ قیامت کے دن اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹ کر کھائے گا حتیٰ کہ کہنیوں تک کو کھا جائے گا' پھر دوبارہ اس کے ہاتھ پیدا ہو جائیں گے اور وہ ان کو پھر کاٹ کر کھا جائے گا اور اسی طرح ہوتا رہے گا' اور اس نے دنیا میں جو کفر کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اس پر افسوس اور حسرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹتا رہے گا' اور یہ کہتا رہے گا' ہائے افسوس کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرلیا ہوتا یعنی کاش میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرلی ہوتی اور ان کے ساتھ ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

پھر فرمایا: (وہ قیامت کے دن کہے گا) ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو (یعنی امیہ بن خلف کو) دوست نہ بنایا ہوتا! اس کے بعد فرمایا: (وہ کہے گا) اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا' یعنی میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید لے کر آ چکے تھے۔ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے' شیطان سے مراد انسانوں اور جنات میں سے ہر وہ شخص مراد ہے جو متکبر' معاند اور سرکش ہو' اور ہر وہ شخص جو اللہ کے راستہ سے روکے وہ شیطان ہے۔ ان دو آیتوں کا حکم ہر ایسے دو دوستوں کے حق میں عام ہے جو اللہ عزوجل کی معصیت پر مجتمع اور متفق ہو جائیں۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۳-۴۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کیسے شخص کو دوست بنایا جائے

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک ہم نشیں (دوست) اور برے ہم نشیں کی مثال اس طرح ہے جیسے مشک والا ہو اور لوہار کی بھٹی میں پھونک مارنے والا ہو۔ مشک والا یا تو تم کو مشک کا عطیہ دے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے ورنہ تم کو اس سے پاکیزہ خوشبو تو بہرحال آئے گی اور لوہار کی بھٹی والا تو تمہارے کپڑے جلائے گا ورنہ تم کو اس سے بہرحال ناگوار بو تو آئے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۱ مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۵-۴۰۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کے سوا اور کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ' اور متقی (اللہ سے ڈرنے والے) کے سوا اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۵' ۵۵۴ المستدرک ج ۴ ص ۱۲۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے دوستوں کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس شخص کو اپنا دوست بنا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۴' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۱۰۷' المستدرک ج ۴ ص ۱۷۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۳۸۰)

امام ابوبکر بزار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ہمارے لیے کون سا ہم نشین زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا جس کو دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو۔

مالک بن دینار نے کہا اگر تم نیک مسلمانوں کے ساتھ پتھر اُٹھاؤ تو وہ بدکار لوگوں کے ساتھ کھانے پینے سے بہتر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قیامت کے دن کافر' کافروں کو دوست بنانے پر نادم ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان' نیک مسلمانوں کو دوست بنانے پر خوش ہوں گے۔ کافر کو اس کا دوست گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈال دے گا اس لیے وہ قیامت کے دن غمگین اور حسرت زدہ ہوگا اور مسلمان کو اس کا نیک مسلمان دوست نیک کاموں کی طرف رہ نمائی کرے گا اور اس پر وہ آخرت میں خوش ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسول کہیں گے اے میرے رب! بے شک میری قوم (میں سے کافروں) نے اس قرآن کو متروک بنا لیا تھا ○ اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیئے ہیں' اور آپ کا رب آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے ○ (الفرقان: ۳۱-۳۰)

مھجور کا معنی

مھجور کا لفظ ھجر سے بنا ہے اور ھجر کا ایک معنی ترک کرنا ہے اور مھجور کا معنی متروک ہے اور ھجو کا دوسرا معنی ھذیان اور فضول بکواس ہے' پہلے معنی کے لحاظ سے قیامت کے دن رسول یہ کہیں گے کہ کافروں نے قرآن مجید کو متروک بنا لیا تھا' وہ اس سے اعراض کرتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے۔

اور مھجور کا دوسرا معنی ھذیان اور فضول باتیں ہیں یعنی کافر قرآن مجید کو فضول باتیں اور ھذیان قرار دیتے تھے' وہ یہ زعم کرتے تھے کہ قرآن مجید شعر و شاعری اور سحر کا نتیجہ ہے' یہ مجاہد کا قول ہے۔ اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن سیدنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے مشرکین کی اپنے رب سے شکایت کریں گے کہ انہوں نے قرآن مجید کو فضول اور مہمل کلام قرار دیا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرمائے گا: اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیئے ہیں۔ مقاتل نے اس کی تفسیر میں کہا: آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے نبیوں کو بھی اپنی قوموں کی طرف سے اسی قسم کی باتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا' سو جس طرح انہوں نے اپنے مخالفوں کی دل آزار باتوں پر صبر کیا تھا آپ بھی ان کی باتوں پر صبر کریں' آپ کا رب آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً نازل کیا ہے) تا کہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں' اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے O اور یہ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں گے ہم اس کی برحق اور عمدہ توجیہ بیان کریں گے O (الفرقان: ۳۳-۳۲)

قرآن مجید کو تدریجاً نازل کرنے کی وجوہ

مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مکمل تورات یکبارگی نازل ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام پر مکمل زبور یکبارگی نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مکمل انجیل یکبارگی نازل ہوئی اسی طرح آپ پر مکمل قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل ہوا اور تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ (تیئس) سال میں قرآن مجید کا نزول کیوں مکمل کیا گیا' اگر آپ بھی ان کی طرح نبی اور رسول ہیں تو آپ کے ساتھ ان نبیوں اور رسولوں کا سا معاملہ کیوں نہیں کیا گیا؟ ان آیتوں میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) انبیاء سابقین لکھنے اور لکھے ہوئے کو پڑھنے والے تھے اس لیے ان پر مکمل کتابیں نازل کر دی گئیں کہ وہ اس میں سے حسب ضرورت آیات نکال کر پڑھتے رہیں گے اس کے برخلاف آپ اُمی تھے آپ نے کسی سے لکھنا اور لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں سیکھا تھا' آپ کے لیے اس قرآن کو محفوظ رکھنے کی صرف یہ صورت تھی کہ آپ اس کو زبانی یاد کر لیں اس لیے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تا کہ آپ کے لیے اس کو یاد کرنا آسان ہو۔ واضح رہے کہ ابتدا میں آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیا اور متعدد احادیث صحیحہ میں ہے کہ آپ نے بعد میں لکھا بھی اور پڑھا بھی۔ اس کی تفصیل الاعراف: ۱۵۷ میں گزر چکی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ناسخ اور منسوخ آیتیں ہیں مثلاً پہلے بیوہ کی عدت ایک سال مقرر فرمائی' پھر یہ عدت چار ماہ دس دن قرار دی' پہلے کفار کی زیادتیوں کو درگزر کرنے کا حکم دیا' پھر ان سے قتال اور جہاد کرنے کا حکم دیا' پہلے ایک مسلمان کو دس کافروں سے لڑنے کا حکم دیا پھر تخفیف کر دی اور ایک مسلمان کو دو کافروں سے لڑنے کا مکلف فرمایا۔ بعض احکام پہلے مشکل تھے' پھر آسان کر دیئے جیسے یہ مثالیں ہیں' اور بعض احکام پہلے آسان تھے پھر ان کو بہ تدریج سخت کیا گیا جیسے شراب نوشی کو بہ تدریج حرام فرمایا اور یہ تمام امور اسی وقت ہو سکتے تھے جب قرآن مجید کو بہ تدریج نازل کیا جاتا۔

(۳) بعض آیتیں مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں نازل کی گئیں مثلاً مسلمانوں نے عورت کے حیض کے ایام میں اس سے جماع کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا حیض ایک نجس چیز ہے' ان ایام میں عورتوں سے دُور رہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس میں لوگوں کے لیے اوقات اور حج کے وقت کی علامات اور تعینات ہیں اور اس کی مثل اور بہت آیات ہیں۔

(۴) اسی طرح مشرکین کے سوالات اور ان کے اعتراضات کے جوابات ہیں مثلاً وہ قیامت کے وقت کے متعلق سوال کرتے تھے' مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں سوالات کرتے تھے' دوزخ میں درخت زقوم پر اعتراض کرتے تھے' مکھی اور مکڑی کے ذکر پر اعتراض کرتے تھے۔

(۵) اسی طرح یہودیوں کے سوالات کے جوابات میں آیات نازل ہوئیں۔ انہوں نے اصحاب کہف کی تعداد' روح کی ماہیت اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں آیات نازل ہوئیں۔

(۶) بعض اوقات خبیث اور ملعون کفار آپ کی شان میں اہانت آمیز باتیں کرتے تو ان کے رد میں آیات نازل ہوتیں مثلاً ولید بن مغیرہ نے آپ کو مجنون کہا' عاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا' کسی نے آپ کو شاعر کہا' کسی نے آپ کو ساحر کہا' کسی نے آپ کو سحر زدہ کہا تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔

(۷) آپ کے اصحاب کی شان میں منافقین نے بدگوئی کی اور ان کو سفیہ اور بے وقوف کہا تو ان کے رد میں آیات نازل ہوئیں۔

(۸) کسی نے آپ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں پوری سورۂ یوسف نازل ہوگئی۔

(۹) بعض اوقات صحابہ کرام کو کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو اس کی وضاحت کے لیے آیات نازل ہو جاتیں۔ مثلاً صحابہ نے پوچھا ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ بعض دفعہ پوچھا کس پر خرچ کریں تو اس کے بیان کے لیے آیات نازل ہوئیں۔

(۱۰) بعض اوقات جزوی واقعات کے سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً یہود نے کہا آپ پر جبریل وحی لاتا ہے وہ تو ہمارا دشمن ہے اور جب حضرت ابوبکر نے ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا پھر تو اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اور کہا اللہ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح جب ایک منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں مانا اور حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عمر کی تائید میں آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح اور بہت جزوی واقعات ہیں جن کی وجہ سے آیات نازل ہوئیں۔ یہ جزوی واقعات اور کفار' یہود اور منافقین کے سوالات اور ان کے اعتراضات اسی طرح مسلمانوں کے سوالات بہ تدریج پیش آتے رہتے تھے اسی لیے ضروری تھا کہ ان کے حل اور ان کے جوابات کے سلسلہ میں آیات بھی بہ تدریج نازل ہوتی رہیں اور بہ یک وقت کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ مثلاً حضرت یوسف کے قصہ کے متعلق یا یاجوج ماجوج کے متعلق ایک سورت یا کسی سورت کی آیات نازل ہو رہی ہیں پھر کسی نے کسی اور چیز کے متعلق سوال یا اعتراض کر دیا تو کسی اور سورت میں اس کے متعلق آیات نازل ہوگئیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزول کے اعتبار سے نہیں ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر قرآن مجید یکبارگی مکمل نازل ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

(۱۱) گیارھویں وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید ۲۳ (تئیس) سال تک لگاتار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔

(۱۲) بارھویں وجہ یہ ہے کہ جس نبی پر جس جگہ اللہ کی کتاب نازل ہوئی اس جگہ کو مہبط وحی الٰہی بننے کا شرف حاصل ہوا' دوسرے نبیوں کی وجہ سے کسی ایک جگہ کو یہ شرف حاصل ہوا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرزمین عرب کے

بہ کثرت مقامات کو یہ شرف حاصل ہوا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے جو مرتبہ کوہِ طور کو حاصل ہوا تھا وہ مکہ اور مدینہ کے ریگ زاروں' پہاڑوں' میدانوں' سواریوں حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کو بھی وہ مرتبہ اور مقام حاصل ہوا کیونکہ کئی مرتبہ حضرت عائشہ کے بستر پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لائے جائیں گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا' اور وہ سب سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہوں گے O (الفرقان: ۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کے دن کافر کا منہ کے بل کس طرح حشر کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذات نے ان کو پیروں کے بل چلایا ہے وہ ذات ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۴۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو

وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ

وزیر بنا دیا O پس ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے پھر ہم نے ان

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ

کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا O اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور

جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾

ہم نے ان کو لوگوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ

اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں

كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

کے لیے O اور ہم نے ہر ایک کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں' پھر ہم نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا O

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ

اور یہ (کفار) اس بستی پر آ چکے ہیں جس پر پتھروں کی بارش ہو چکی ہے' کیا انہوں

يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا

نے اس بستی کو نہیں دیکھا' بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے ○ اور یہ

رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ

لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے

رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا

رسول بنا کر بھیجا ہے ○ بے شک یہ ہم کو ہمارے معبودوں سے بہکانے لگے تھے اگر ہم ان کی پرستش پر ثابت

عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ

قدم نہ رہتے' اور وہ جب عذاب کو دیکھیں گے تو عنقریب جان لیں گے کہ کون سیدھے راستہ سے زیادہ

سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ

بھٹکا ہوا ہے ○ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے کیا آپ اس کی

عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ

حمایت کر سکتے ہیں ○ یا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں'

إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ ع

یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا○ پس ہم نے فرمایا تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے' پھر ہم نے ان کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا○

(الفرقان: ۳۶-۳۵)

فرعون کی طرف صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا تھا یا ان کے بھائی ہارون کو بھی؟

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اس کتاب سے مراد تورات ہے' اور ان کے ہم راہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا' وزیر سے مراد معین اور مددگار ہے۔ پس ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے ان لوگوں سے مراد فرعون' ھامان اور قبط ہیں۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون دونوں کو قبطیوں کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور النّزٰعٰت: ۱۷ اور طٰہٰ: ۲۴ میں صرف حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب

ہر ایک کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا تو جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی طرف جانے کی نسبت کر دی جائے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا ہو لیکن جب حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ میرے اہل میں سے میرے بھائی کو میرا وزیر بنا دے (طٰہٰ: ۲۹) تو پھر دونوں کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ (الفرقان: ۳۷)

حضرت نوح کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی پھر یہ کیوں فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی؟

اس آیت میں فرمایا ہے اور نوح کی قوم کے کافروں نے رسولوں کی تکذیب کی حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی کیونکہ اس وقت میں حضرت نوح علیہ السلام کے سوا اور کوئی رسول نہیں تھا' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو توحید' رسالت' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے' جزاء اور سزا اور باقی ان تمام احکام شرعیہ کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے بھیجا تھا جن کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے ان کے بعد تمام رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب دراصل ان کے بعد آنے والے تمام رسولوں کی تکذیب تھی' اس لیے فرمایا اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے ایک رسول کی تکذیب کی اس نے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی' کیونکہ رسولوں پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس لیے کہ ہر نبی باقی تمام نبیوں کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا جس نے کسی ایک نبی کی تکذیب کی تو اس نے ان تمام نبیوں کی تکذیب کر دی جن کی اس نبی نے تصدیق کی تھی۔

ہم نے ان کو غرق کر دیا' ان کو غرق کرنے کی پوری تفصیل سورۂ ھود میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کے لیے ○ (الفرقان: ۳۸)

الرّس کا معنی

اس آیت میں عاد' ثمود' اصحاب الرس اور ان کے درمیان کی قوموں کا عطف قوم نوح پر ہے یعنی آپ قوم نوح کو یاد کیجئے اور عاد' ثمود' اصحاب الرس اور ان کی درمیانی قوموں کو یاد کیجئے' یا اس کا معنی ہے ہم نے قوم نوح کو غرق کر دیا اور ان کے لیے آخرت میں عذاب تیار کر رکھا ہے' اسی طرح ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور ان کی درمیانی قوموں پر عذاب نازل کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا اور آخرت میں ان کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الرّس کلام عرب میں اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے گرد منڈیر نہ ہو' یعنی معادن کے کنویں۔ صحاح جوہری میں مرقوم ہے کہ الرس اس کنویں کا نام تھا جو قوم ثمود کے بقیہ لوگوں کا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ الرس بنو اسد کے پانی اور ان کے باغات کا نام ہے۔ امام قشیری نے ذکر کیا ہے کہ پہاڑوں پر جو تہ بہ تہ برف جم جاتی ہے اس کو الرس کہتے ہیں اور الرس کا معروف معنی وہ ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ الرس وہ کنواں ہے جس کے گرد منڈیر نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں آذر بائیجان میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں یمامہ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ انطاکیہ میں ہے۔ اس کا معنی ہے دھنسا دینا' لوگوں نے اپنے نبی کو اس میں دھنسا دیا تھا اس لیے اس کنویں کو الرس کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰)

اصحاب الرّس کی تفسیر اور ان کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال

اصحاب الرّس کے مصداق میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی علیہ السلام نے کہا اصحاب الرس ایک قوم ہے جو درخت کی عبادت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہوذا ابن یعقوب کی اولاد سے ان کی طرف ایک نبی بھیجا' انہوں نے ایک کنواں کھود کر اس نبی کو اس کنویں میں گرا دیا' اس کی پاداش میں ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

(۲) سعید بن جبیر نے کہا یہ وہ قوم ہے جس کے نبی کا نام حنظلہ بن صفوان تھا' انہوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(۳) وھب بن منبہ نے کہا یہ قوم ایک کنویں کے پاس رہتی تھی' یہ لوگ اس کنویں سے پانی لیتے تھے' اور ان کے مویشی بھی تھے۔ یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب کو بھیجا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے' تو یہ کنواں منہدم ہو گیا (ڈھے گیا) اور ان لوگوں کو اور ان کے گھروں کو اس کنویں میں دھنسا دیا گیا۔

(۴) سدی نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حبیب النجار کو قتل کر کے اپنے کنویں میں ڈال دیا تھا' ان ہی کے متعلق یہ آیت ہے: یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ○ (یٰسٓ: ۲۰)

(۵) ابن السائب نے کہا یہ وہ قوم ہے جو اپنے نبی کو قتل کر کے کھا گئی تھی اور یہ وہ قوم ہے جس کی عورتوں نے سب سے پہلے جادو کیا تھا۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی نے اصحاب الرس کی تفسیر میں بہت زیادہ اقوال نقل کیے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۲) مگر ہم نے جتنے اقوال ذکر کر دیئے ہیں' وہ کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر ایک کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں پھر ہم نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا ○ (الفرقان: ۳۹)

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم کو توحید و رسالت کے دلائل سنائے' اور ایمان نہ لانے پر ان کو عذاب کی وعید سنائی اور ان پر اپنی حجت تمام کر دی اس کے باوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ملیامیٹ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کفار) اس بستی پر آ چکے ہیں جس پر پتھروں کی بارش ہو چکی ہے' کیا انہوں اس بستی کو نہیں دیکھا بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے ○ (الفرقان: ۴۰)

ان کافروں سے مراد مشرکین مکہ ہیں' اور بستی سے مراد قوم لوط کی بستی ہے جن کی بدفعلیوں کی وجہ سے ان کے اوپر آسمان سے پتھر برسائے گئے تھے' کفار جب مختلف علاقوں کے سفر پر جاتے تو اس بستی میں عذاب نازل ہونے کے آثار دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کفار قریش شام کی طرف تجارتی سفر میں جاتے تھے تو قوم لوط کے شہروں سے گزرتے تھے' اس کے باوجود وہ عذاب کے آثار دیکھ کر بھی عبرت نہیں پکڑتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ○ بے شک یہ ہم کو ہمارے معبودوں سے بہکانے لگے تھے اگر ہم ان (بتوں) کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے اور وہ جب عذاب کو دیکھیں گے تو عنقریب جان لیں گے کہ کون سیدھے راستہ سے زیادہ بھٹکا ہوا ہے ○ (الفرقان: ۴۲-۴۱)

قریش کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانا اور آپ کو اذیت پہنچانا

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن ادریس بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: اے قریش کی جماعت! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ گمان ہے کہ دوزخ کے صرف ۱۹ فرشتے تم سب کو دوزخ میں قید کر کے تم کو عذاب دیں گے حالانکہ تم اتنی بڑی تعداد اور اتنی زیادہ کثرت میں ہو۔ کیا ان میں سے ایک شخص تم میں سے سو آدمیوں کو عاجز کر دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِىَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ (المدثر: ۳۱)

اور ہم نے دوزخ کے پہرے دار صرف فرشتے مقرر کیے ہیں' اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور قوی ہو جائے' اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں' اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار یہ کہیں گے کہ اس تعداد (انیس فرشتے) کو بیان کرنے سے اللہ کیا ارادہ فرماتا ہے' اسی طرح اللہ جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کر دیتا ہے' اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور یہ قرآن تو انسانوں کے لیے صرف نصیحت ہے ۝

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۹۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی کتنی زیادہ عداوت دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا ایک دن قریش کے سردار حطیم کعبہ میں جمع تھے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے کہنے لگے' ہم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس شخص سے زیادہ کسی اور پر صبر کیا ہو' یہ ہمارے جوانوں اور بوڑھوں کو گمراہ قرار دیتا ہے' ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے' ہماری جماعت میں تفرقہ ڈالتا ہے' ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہم اتنی بڑی زیادتی پر صبر کرتے ہیں' وہ اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے' آپ نے آ کر حجر اسود کی تعظیم کی' پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے' جب آپ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے' آپ جب دوسرا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے حسب سابق اشارے کیے تو آپ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے قریش کی جماعت! کیا تم سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس قربانی کے احکام لے کر آیا ہوں' وہ لوگ اس طرح غور سے آپ کی بات سن رہے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے ابوالقاسم! آپ کامیابی کے ساتھ واپس جائیں۔ اللہ کی قسم میں جاہل نہیں ہوں! دوسرے روز وہ پھر حطیم میں جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم نے اس شخص کا ذکر کیا اور ان باتوں کا جو اس نے تم سے کہیں اور ان باتوں کا جو تم نے اس سے کہیں' حتیٰ کہ جب انہوں نے وہ باتیں شروع کیں جو تم کو ناگوار ہیں تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے

آئے' وہ سب چھلانگیں لگا کر آپ کے پاس گئے اور آپ کو گھیر لیا اور آپ سے کہنے لگے آپ ہی وہ شخص ہیں جو اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں' اور وہ سب باتیں کہیں جو آپ نے ان کے باطل خداؤں اور باطل دین کی مذمت میں کہیں تھیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے ہی یہ باتیں کہی ہیں' پھر میں نے دیکھا ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کو گھسیٹا اور حضرت ابوبکر صدیق اس شخص کے پاس کھڑے تھے اور اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' انہوں نے کہا تم پر افسوس ہو! تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' پھر وہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ یہ قریش کا سب سے سخت سلوک تھا جو میں نے آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۹۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے! کیا آپ اس کی حمایت کر سکتے ہیں ○ (الفرقان: ۴۳)

اپنی خواہش کے پرستاروں کے مصادیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص بڑے عرصہ تک ایک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہا پھر اس کو ایک اور پتھر اس سے زیادہ خوب صورت مل گیا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر اس پتھر کی عبادت کرنے لگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری تفسیر اس طرح منقول ہے کہ اس سے مراد کافر ہے جو بغیر کسی دلیل کے اور بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے کسی چیز کو اپنا معبود قرار دے کر اس کی پرستش کرتا ہے' اللہ تعالیٰ علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔

حسن بصری نے کہا اس سے مراد منافق ہے وہ اپنی خواہش کو نصب کر دیتا ہے اور اپنی ہر خواہش کی پیروی کرتا ہے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر اس چیز پر سوار ہو جاتا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے اور جس کام کو چاہتا ہے' وہ کام کر لیتا ہے اور اللہ کا ڈر اور تقویٰ اس کو کسی ناجائز کام کے ارتکاب سے نہیں روکتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۷۰۰-۲۶۹۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر متعجب کرایا ہے جو زبان سے یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رازق ہے' اس کے باوجود وہ بغیر کسی دلیل کے پتھروں سے تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پھر فرمایا کیا آپ ایسے شخص کی حفاظت اور کفالت کر سکتے ہیں اور اس کو کفر سے ایمان کی طرف اور برائی سے نیکی کی طرف لا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں! یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ ہیں ○ (الفرقان: ۴۴)

کفار سے سننے اور عقل کی نفی کی توجیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ کفار ہدایت کو قبول کرنے کی غرض سے سنتے ہیں اور نہ اس کو بصیرت سے دیکھتے ہیں اور نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۰۵)

یعنی یہ کفار ان لوگوں کے قائم مقام ہیں جن کے پاس نہ عقل ہے نہ کان ہیں' جب انہوں نے سننے سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا اور دیکھنے سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا اور غور و فکر سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا تو گویا وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سوچ و بچار کرتے ہیں۔ ان کو کان اس لیے دیئے تھے کہ وہ قبول کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے'

محبت سے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے آپ کی نبوت کے دلائل میں غور وفکر کرتے اور جب انہوں نے اس غرض کو پورا نہیں کیا تو وہ اللہ کے نزدیک سننے والے ہیں نہ دیکھنے والے ہیں نہ غور وفکر کرنے والے ہیں۔

کفار کا چوپایوں سے زیادہ گم راہ ہونا

پھر فرمایا یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کافروں کی مثال تو اونٹ' گدھے اور بکری کی طرح ہے' کیونکہ اگر تم ان چوپایوں سے کوئی بات کہو تو وہ صرف تمہاری آواز سنیں گے اور وہ یہ بالکل نہیں سمجھ سکیں گے کہ تم ان سے کیا کہہ رہے ہو' اسی طرح جب تم کفار سے کوئی نیکی کی بات کہو یا جب تم ان کو کسی برائی سے روکو اور ان کو نصیحت کرو تو وہ نہیں سمجھیں گے کہ تم کیا کہہ رہے ہو وہ صرف تمہاری آواز سنیں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۰۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کافروں کو چوپایوں سے زیادہ گم راہ قرار دیا ہے' کیونکہ چوپایوں سے حساب لیا جائے گا نہ ان کو عذاب دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا چوپائے اپنے مالکوں کو پہچانتے ہیں اور اپنے مالکوں کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور یہ کفار اپنے رب کو نہیں پہچانتے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو رزق دیا ہے اور اس کی اطاعت نہیں کرتے' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ چوپایوں کو ہر چند کہ توحید اور رسالت کا صحیح ادراک نہیں ہے لیکن وہ توحید اور رسالت کے باطل ہونے کا اعتقاد بھی نہیں رکھتے اس لیے یہ کفار چوپایوں سے زیادہ گم راہ ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ چوپائے اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اس کے برخلاف یہ کفار اس میں سے کچھ بھی نہیں کرتے بلکہ اللہ کو سجدہ کرنے پر اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کے بتوں کو سجدہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے یہ چوپایوں سے زیادہ گم راہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن بن عبد الملک القشیری نیشاپوری الشافعی المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

یہ کفار ان چوپایوں کی طرح ہیں جن کی کوشش کھانے' پینے اور قضاء شہوت کے سوا اور کسی چیز کے لیے نہیں ہوتی' سو جس شخص نے صرف اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جدوجہد کی وہ ان چوپایوں کی مثل ہے' اور اللہ سبحانہ نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں عقل رکھی اور چوپایوں کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں صرف ان کے حیوانی تقاضے رکھے' اور بنو آدم کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں یہ دونوں چیزیں رکھیں یعنی عقل اور حیوانی تقاضے۔ پس جس نے اپنی خواہشات کو اپنی عقل پر ترجیح دی وہ چوپایوں سے بدتر ہے اور جس نے اپنی عقل کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی وہ فرشتوں سے افضل ہے اور یہی مشائخ کا قول ہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ

کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا وہ اگر چاہتا تو اس کو ٹھیرا

جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

ہوا کر دیتا' پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر علامت بنا دیا ○ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا ○

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے ساتر اور حجاب بنایا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو

النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ

اٹھنے اور کام کرنے کے لیے بنایاo اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے

رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً

اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا o تا کہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو

مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ

زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں o اور بے شک ہم نے اس پانی کو

صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

ان کے درمیان گردش دی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا اور ہر رویہ کا انکار کر دیا o

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۖ ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا بھیج دیتے o سو آپ کافروں کی پیروی نہ کریں، اور

جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا

اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں o اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا کر جاری کر دیئے یہ

عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

نہایت شیریں ہے اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے اور ان کے درمیان ایک (قدرتی) حجاب

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا

اور روکی ہوئی آڑ ہے o اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے o اور وہ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ

ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کافر اپنے رب کی مخالفت کرنے پر

عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾

کمر بستہ رہتا ہے ○ اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ

راستہ کو اختیار کر لے ○ اور آپ اس پر توکل کیجئے جو زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور

سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾ ۚلا الَّذِيْ

اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے ○ جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾ وَاِذَا

وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' وہی رحمٰن ہے آپ اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیں ○ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ ۚ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق

ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو (تو) وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے ؟

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿٦٠﴾ السجدة ع

کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں' اس (حکم) نے ان کو اور متنفر کر دیا!○

معانقہ عند المتقدمین ۱۲

۵ ع ۲/ ۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا' وہ اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا کر دیتا' پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر علامت بنا دیا○ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا○ (الفرقان: ۴۶-۴۵)

ظل اور فیء کا معنی

ظل سورج کی روشنی اور دھوپ کی ضد ہے اور یہ فیء سے عام ہے ظل اللیل اور ظل الجنۃ (رات کا سایا اور باغ کا سایا) کہا جاتا ہے' اور ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اس کو ظل (سایا) کہا جاتا ہے اور فیء صرف اسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے دھوپ اور سورج کی روشنی آ کر زائل ہو جائے اور کسی عزت دار چیز کو بھی ظل کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۲ص ۴۰۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک کا وقت ہے اس وقت ایسا سایا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پھیلایا ہوا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی' ایک وہ وقت ہے جب مکمل تاریکی ہوتی ہے یہ رات کا وقت ہے اور ایک وہ وقت ہے جب مکمل روشنی اور دھوپ ہوتی ہے یہ دن کا وقت ہے' اور ایک سائے کا وقت ہے جس میں سورج کی دھوپ اور رات کے اندھیرے کی درمیانی کیفیت ہوتی ہے اور یہ سائے کا وقت ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سائے کو دائمی کر دیتا اور سورج کبھی طلوع نہ ہوتا اور دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی اور لوگ تلاش روزگار کے لیے کوئی کام نہ کر سکتے۔

پھر اللہ آہستہ آہستہ سائے کو بہ تدریج اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تمام روئے زمین پر سایا پھیلا ہوا ہوتا ہے' پھر جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگتا ہے اور جب سورج بالکل سروں پر پہنچ جاتا ہے اور مکمل دھوپ پھیل جاتی ہے تو سایہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے' پھر جب سورج مغرب کی طرف جھکنے لگتا ہے تو پھر سائے نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور سائے کی نمود اور اس کے گھٹنے' بڑھنے اور ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو علامت اور دلیل بنا دیا ہے○ (معالم التنزیل ج ۳ص ۴۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے ساتر اور حجاب بنا دیا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو اٹھنے اور کام کرنے کے لیے بنایا○ (الفرقان: ۴۷)

کفر کے اندھیروں کا ختم ہونا اور ایمان کے سورج کا طلوع ہونا

رات کو لباس فرمایا کیونکہ جس طرح لباس بدن کو چھپاتا ہے اسی طرح رات کے اندھیرے چیزوں کو چھپا لیتے ہیں' اور نیند کو سُبات فرمایا' سُبات کے معنی راحت ہیں' کیونکہ رات کو لوگ کام کاج اور محنت مزدوری کرنے کو چھوڑ دیتے ہیں اور رات کو صرف آرام کرتے ہیں جس سے ان کو آرام اور راحت ملتی ہے' نیند سے پہلے انسان کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں' سب سے پہلے اس کے کان کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو نیند آ جاتی ہے' اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام ملتا ہے اور جب وہ سو کر اُٹھتا ہے تو بالکل تروتازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی کام کاج کرنے کے لیے بنائی اور رات کا اندھیرا سونے اور آرام کرنے کے لیے بنایا' اگر مسلسل دن ہوتا تو انسان آرام نہ کر سکتا اور اگر مسلسل رات ہوتی تو انسانوں کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہ ملتا۔ پس سبحان ہے وہ ذات جس نے دن بھی بنایا اور رات بھی بنائی۔

اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت جو کفر اور شرک کا سایا پھیلا ہوا ہے وہ کوئی دائمی اور مستقل چیز نہیں ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آفتابِ ہدایت طلوع ہو چکا ہے' بہ ظاہر جہالت کا یہ سایا دُور دُور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا ہے مگر جیسے آفتاب نبوت اوپر چڑھے گا جہالت کا یہ سایا سمٹتا چلا جائے گا جس طرح اس ساری کائنات میں سایا فوراً ہی معدوم نہیں ہوتا بہ تدریج کم ہو کر ختم ہوتا ہے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی آفتاب نبوت کا عروج بتدریج ہوگا اور گمراہی کے سائے کا زوال

بتدریج کم ہو کر ختم ہوگا' اسی طرح رات اور دن کے ذکر فرمانے میں بھی یہ اشارہ ہے کہ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کی رات اب ختم ہو چکی ہے اور علم اور ہدایت کا سورج اب طلوع ہو چکا ہے اور عنقریب کفر کی یلغار ختم ہوگی اور ایمان والوں کا غلبہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے' اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا O (الفرقان: ۴۸)

طہور کا معنی اور اس کا مصداق

طہور اس پانی کو کہتے' ہیں جو فی نفسہٖ پاک ہو اور نجس اشیاء کو پاک کرنے والا ہو' اس آیت سے معلوم ہوا کہ بارش کا پانی طاہر اور مطہر ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ. وہی ہے جس نے آسمان سے تم پر پانی نازل کیا تا کہ تم کو پاک کرے۔ (الانفال: ۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے' اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پھر ہم پیاسے رہ جائیں گے! تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی طہور (پاک کرنے والا) ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۲۴۳' المستدرک ج ۱ ص ۱۴۰' سنن بیہقی ج ۱ ص ۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۸۱)

بعض علماء نے یہ کہا کہ طہور اس پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت کا عمل بار بار حاصل ہو' جس طرح صبور اس شخص کو کہتے ہیں جو بار بار صبر کرے اور شکور اس شخص کو کہتے ہیں جو بار بار شکر کرے' اور یہ امام مالک کا قول ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک جس پانی سے ایک بار وضو کر لیا گیا ہو اس پانی سے بھی وضو کرنا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک وہ پانی مستعمل ہے وہ اگرچہ فی نفسہٖ پاک ہے لیکن اس سے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی۔

کسی نجس چیز کے گرنے سے اگر پانی میں نجاست کی بو' اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ آجائے تو وہ پانی طہور نہیں رہے گا

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ' یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے' اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کیچڑ' مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے' جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف متغیر ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں سرایت اور حلول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور مزہ تبدیل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ' بو اور مزہ) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا' خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر' اور اگر پانی کی مقدار دہ در دہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا' اور اگر پانی کی مقدار دہ در دہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا' جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل نہ ہو جائے۔

دہ دردہ کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا

کثیر پانی کی مقدار فقہاء احناف کے نزدیک دہ دردہ ہے یعنی وہ تالاب جس کی لمبائی اور چوڑائی دس دس ہاتھ ہو۔ ملا
بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اگر پانی جاری ہو یا دہ دردہ ہو۔ (یعنی دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا' ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ پ
پندرہ فٹ لمبا اور پندرہ فٹ چوڑا ہو اور اس کی کم از کم اتنی گہرائی ہو کہ چلو بھر پانی لیا جائے تو زمین خالی نہ ہو) تو اس پانی م
نجاست کے گرنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا۔

عامۃ المشائخ کا یہی قول ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ ابو اللیث نے کہا ہے' اور شرح الوقایہ میں مذکور ہے کہ ہم ن
دہ دردہ کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کنواں کھودا اس کی حریم چالیس ہاتھ ہے پس ہر جان
سے اس کی حریم دس ہاتھ ہوگی' اور کوئی دوسرا شخص کنواں کھودے تو وہ اس کے چاروں طرف سے دس ہاتھ چھوڑ کر دوسرا کنوا
کھودے گا' اور اسی حدیث سے دہ دردہ کی مقدار کا تعین کیا گیا ہے۔ (شرح النقایہ ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی)

قُلتین کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا

اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک کثیر پانی کی مقدار قُلتین ہے یعنی دو گھڑوں کی مقدار یا اس سے زیادہ پانی ہو۔
ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر پانی کی مقدار قلتان (دو گھڑے) یا اس سے زیادہ ہو تو وہ نجاست کے گرنے کے باوجود طہور ہے اور اس سے وض
کرنا جائز ہے' اور قلتان کی مقدار پانچ مشک ہے اور اس کا وزن پانچ سو رطل ہے (یعنی ڈھائی سو لیٹر) اور اس کی دلیل
حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق سوال کیا گیا
جنگل کی زمین میں ہوتا ہے' اور جس پانی سے چوپائے اور درندے آ کر پیتے رہتے ہیں' آپ نے فرمایا جب پانی قُلتی
(دو گھڑوں) کی مقدار ہو تو وہ حامل نجاست نہیں ہوتا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱
۱۴۴' سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۱۹' المستدرک ج ۱ ص ۱۳۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۶۱)

امام بغوی فرماتے ہیں: یہ امام شافعی' امام احمد' اسحاق اور محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے جب پانی اس مقدار کو
جائے تو اس میں نجاست کے گرنے سے وہ نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے تین اوصاف میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ
جائے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری قُلتین کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حفاظ کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے' ان میں حافظ ابن عبد البر ہیں' قاضی اسماعیل بن اسحاق ہ
اور ابو بکر بن العربی ہیں اور مالکی علماء ہیں' امام بیہقی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں ہے' امام غزالی اور الرویانی نے اس کو ترک کر
حالانکہ وہ امام شافعی کی بہت زیادہ اتباع کرتے ہیں' اور امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی نے کہا قُلتین کی حدیث ثابت
ہے اس لیے کہ جب زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن الزبیر نے
دیا کہ زمزم کا تمام پانی نکالا جائے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ اس سے استدلال کرتے (کیونکہ زمزم کے کنویں کا پانی

یعنی دو گھڑوں کی مقدار سے تو بہر حال بہت زیادہ تھا) اور بقیہ صحابہ اور تابعین اس سے استدلال کرتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث شاذ ہے اور کسی مخصوص حادثہ کے متعلق ہے' اور اس حدیث کو اس حدیث کی طرح رد کر دیا جائے گا جس طرح آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے پینے سے وضو ٹوٹنے کی حدیث کو رد کر دیا گیا ہے۔

پھر امام ابوداؤد نے بھی قلتین کی حدیث کو رد کر دیا ہے' کیونکہ اس حدیث کی سند اور متن مضطرب ہے۔ ایک روایت میں ہے اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ ایک روایت میں ہے وہ پانی حامل نجاست نہیں ہے' امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے' ایک روایت میں ہے جب پانی دو قلہ یا تین قلہ (دو یا تین گھڑے) کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی' ایک روایت میں ہے کہ جب پانی چالیس قلہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ حامل خبث نہیں ہوتا' اور اس حدیث کو امام الدار قطنی نے ضعیف کہا ہے اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ جب پانی چالیس قلہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا' اور ایک روایت میں ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی اور ایک روایت میں ہے وہ پانی حامل خبث نہیں ہے' اور امام الدار قطنی نے کہا متعدد لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے چالیس ڈول کو روایت کیا ہے اور بعض نے چالیس غربال (چھلنی' دف) کو روایت کیا ہے اور یہ اضطراب ضعف کو واجب کرتا ہے' اس لفظی اضطراب کے علاوہ اس کے معنی میں بھی اضطراب ہے' کیونکہ وہ پانی حامل خبث نہیں ہے اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ وہ پانی نجاست کو اٹھانے یا برداشت کرنے سے ضعیف ہے اس لیے پانی نجس ہو جائے گا' نیز قلہ کا لفظ ان معنوں میں مشترک ہے' گھڑا' مشک اور پہاڑ کی چوٹی' نیز ابن جریج نے کہا ہے کہ یہ حدیث جب پانی دو قلہ کی مقدار ہو تو وہ حامل خبث نہیں ہے' منقطع ہے' کیونکہ اس کی سند مجہول ہے' اور امام ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے ایک حدیث روایت کی جب پانی کی مقدار قلال ہجر سے دو قلہ ہو تو اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی' اور اس کی مقدار دو فرق بیان کی گئی ہے اور ایک فرق آٹھ کلوگرام کا ہے۔ (مجمل اللغۃ) اور ابن جریج نے کہا قلال ہجر نو مشک کے برابر ہیں یا ڈھائی مشک کے برابر ہیں' یہ اس کا خلاصہ ہے جس کو امام ابن ہمام نے ذکر کیا ہے۔ (شرح النقایہ ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید کمپنی' کراچی)

جاری پانی کا طہور ہونا

ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو پانی جاری ہو وہ بھی طہور ہے سوا اس کے کہ اس کے رنگ' بو اور مزے میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہو جائے' اس کی ایک دلیل یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے پانی کے متعلق فرمایا وہ طہور ہے اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ! آیا ہم بیر بضاعہ سے وضو کر لیا کریں اور بیر بضاعہ وہ کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے' کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں ڈال دی جاتی تھیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی طہور ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷-۶۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۵' سنن للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۵' سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۳۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ بیر بضاعہ میں پانی جاری تھا اور وقوع نجاست سے جب تک اس میں نجاست کی بو' اس کا رنگ یا اس کا مزہ نہ آ جائے وہ پانی طہور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تا کہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور

انسانوں کو پلائیں O اور بے شک ہم نے اس پانی کو ان کے درمیان گردش دی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا اور ہر رویہ کا انکار کر دیا O (الفرقان: ۵۰-۴۹)

مختلف علاقوں میں بارش نازل فرمانے کے متعلق احادیث

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمان سے پانی کا جو بھی قطرہ نازل کرتا ہے اس سے زمین میں کوئی سبزہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر میں کوئی موتی پیدا ہوتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر آنے والے سال میں گزشتہ سال سے زیادہ بارش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بارش کو اپنے بندوں پر مختلف علاقوں میں گردش دیتا رہتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۴۷)

قتادہ الفرقان: ۵۰ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں بے شک اللہ عزوجل نے اس رزق کو اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور وہ اس رزق کو بندوں کے درمیان گردش میں لاتا رہتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۵۰)

بارش کے نظام میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلیل

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے اس عمل کو بار بار دہرایا ہے اور مختلف علاقوں میں اس عمل کو جاری کیا ہے' اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم نے مختلف علاقوں میں بارش کو نازل کیا ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے بارش نازل کرنے کے ذکر کو قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں بار بار ذکر فرمایا ہے تا کہ اگر لوگ غور کریں تو ان پر منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں میں پانی کی بہم رسانی کے لئے جو بارش کا انتظام کیا ہوا ہے یہ انتظام ہی اللہ تعالیٰ کے واحد رب العالمین ہونے کی دلیل ہے' چونکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے تمام جہان والوں کو رزق پہنچانا ہے اس لیے وہ صرف ایک علاقے میں بارش نازل نہیں کرتا بلکہ وقفہ وقفہ سے تمام علاقوں میں بارش نازل فرماتا ہے' پھر اس میں بھی یہ حکمت کارفرما ہے جن علاقوں کی زمین میں جس جنس کی پیداوار کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس کو جتنی بارش کی ضرورت ہوتی ہے وہاں پر اتنی بارش نازل فرماتا ہے' پھر بارش کے ذکر میں حشر ونشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال جب بارشیں ہوتی ہیں تو اسی زمین سے برساتی مینڈک اور دوسرے برساتی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں پھر بارشیں ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ اسی زمین میں مرکھپ جاتے ہیں اور دوسرے سال بارشوں کے موسم میں پھر پیدا ہو جاتے ہیں' اور موت کے بعد حیات' اور حیات کے بعد موت کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ ان برساتی جانوروں کو ہر موسم میں موت کے بعد زندہ کرتا رہتا ہے اسی طرح وہ انسانوں کو بھی موت کے بعد زندہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا بھیج دیتے O سو آپ کافروں کی پیروی نہ کریں اور اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں O (الفرقان: ۵۲-۵۱)

جہاد کبیر کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی اور ہر شہر میں ایک رسول بھیج دیتے جو ان کو کفر اور نافرمانی کرنے پر اللہ کے عذاب سے ڈراتا' جیسا کہ ہم نے مختلف علاقوں میں بارشیں نازل کی ہیں اور مادی رزق کی فراہمی کے متعدد ذرائع بنا دیئے ہیں' اسی طرح ہم چاہتے تو روحانی رزق کے بھی متعدد وسائل بنا دیتے اور آپ سے تبلیغ دین کی مشقت کا بوجھ کم کر دیتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے نذیر بنایا اور جس طرح ایک آفتاب تمام کائنات کو روشن کرنے کے لئے

کافی ہے اسی طرح صرف آپ کی تنہا ذات تمام جہانوں کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔
اور یہ جو فرمایا کہ آپ اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں اس کا ایک محمل یہ ہے کہ آپ قرآن سے ان کے سامنے دلائل پیش کریں یا اسلام کی حقانیت پر ان کے سامنے دلائل پیش کریں' بعض علماء نے کہا تلوار سے ان کے خلاف جہاد کریں' لیکن یہ معنی بعید ہے' کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور جہاد مدینہ میں شروع ہوا تھا۔
جہاد کبیر کا معنی یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لیے مسلمان اپنی تمام توانائیوں اور تمام مساعی کو بروئے کار لے آئیں اور اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے تمام ذرائع اور وسائل کو داؤ پر لگادیں اور جس جس محاذ اور مورچہ پر دشمن کی طاقتیں کام کر رہی ہوں اپنی تمام قوتوں کو وہاں صرف کر دیں اور جان و مال' زبان و قلم اور اسلحہ اور مادی آلات کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کریں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا کر جاری کر دیئے یہ نہایت شیریں اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے' اور ان کے درمیان ایک (قدرتی) حجاب اور ایک روکی ہوئی آڑ ہے ۝ (الفرقان: ۵۳)

مَرَج اور حجرا محجورا کا معنی

مرج کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور اس کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان تخلیہ کرنا' مرج البحرین کا معنی ہے دو سمندروں کے درمیان تخلیہ کرنا' ثعلب نے کہا مرج کا معنی ہے جاری کر دیا اور مرج البحرین کا معنی ہے دو سمندروں کو جاری کر دیا' اور حجرا محجورا کا معنی ہے ان دو سمندروں کے درمیان ایک ستر اور حجاب رکھ دیا' جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے اور مختلط ہونے سے مانع ہے' البرزخ کا معنی ہے حاجز اور الحجر کا معنی ہے مانع۔
حسن بصری نے کہا اس سے مراد بحر فارس اور بحر روم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)
سمندر میں کھارے اور میٹھے پانی کا اجتماع عموماً ایسے مقامات پر ہوتا ہے جہاں سمندر میں دریا کا پانی آ کر گرتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا میٹھا پانی ہوتا ہے اور اس سے متصل سمندر کا کھاری پانی ہوتا ہے اور یہ دونوں پانی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے' اسی طرح سمندر کے بعض مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے ہیں وہاں بھی یہ صورت ہے کہ سمندر میں ایک مقام پر کھاری پانی ہے اور دوسرے مقام پر میٹھا پانی ہے یہ دونوں پانی متصل ہیں اور ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا' پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے ۝ (الفرقان: ۵۴)

پانی اور بشر کی تفسیر

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو گوندھ کر ان کا خمیر تیار کیا گیا تھا تاکہ وہ پانی بشر کی اصل اور اس کا مادہ ہو اور وہ پانی مٹی سے مل کر مختلف شکلوں کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت رکھ سکے' اس بنا پر اس پانی سے مراد معروف پانی ہے اور بشر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں' اور بشر پر تنوین تعظیم کی ہے اور ''من'' ابتدائیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی سے ایک عظیم بشر کی خلقت کی ابتداء کی۔
اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ پانی سے مراد نطفہ ہے اور بشر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔
اس کے بعد فرمایا: پھر اس کے لیے نسب اور صہر (سسرال) کا رشتہ بنایا۔ یعنی انسان کی دو قسمیں کر دیں' ایک قسم وہ مرد ہیں جن کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا ہے مثلاً انسان کے آباء اور دوسری قسم اس کے اصہار ہیں جن سے عورتوں کی وجہ سے رشتے قائم ہوتے ہیں جیسے اس کی بیوی کا باپ یا اس کی بیوی کی ماں وغیرہ۔

نسب کا معنی اور اس کی تحقیق

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

نسب کا رشتہ انسان کے باپ کی طرف سے قائم ہوتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۷۵۵ 'مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' ایران' ۱۴۰۵ ھ)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

بچہ کا اپنی ماں سے نسب ہر حال میں ثابت ہوتا ہے خواہ ولادت شرعی ہو یا غیر شرعی ہو' اور اس کا اپنے باپ سے نسب اسی وقت ثابت ہوتا ہے' جب اس کا بچہ کی ماں سے نکاح ثابت ہو خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو' یا اس عورت کے ساتھ وطی بالشبہ ہو یا وہ اس بچہ کے ساتھ نسب کا اقرار کرے' زمانہ جاہلیت میں زنا کے سبب سے جو نسب ثابت ہو جاتا تھا اس کو اسلام نے باطل کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۷) اور زنا اثبات نسب کی صلاحیت نہیں رکھتا اور زانی صرف رجم کیے جانے کا مستحق ہے۔

ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بچہ باپ کے ساتھ اس وقت لاحق کیا جائے گا جب اس کا اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرنا ممکن ہو خواہ وہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو یہ جمہور کی رائے ہے' اور امام ابو حنیفہ کی یہ رائے ہے کہ محض عقد نکاح سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ صرف وطی کا ظن بھی ثبوت نسب کے لیے کافی ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۶۷۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ ھ لکھتے ہیں:

نکاح فاسد میں دخول کرنا عدت اور ثبوت نسب کا موجب ہے' نیز لکھتے ہیں:

امام محمد کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے ضروری ہے کہ بچہ کی ولادت وقت دخول کے چھ ماہ بعد سے شمار کی جائے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقت عقد سے چھ ماہ بعد کا اعتبار ہے کیونکہ عقد کو دخول کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور مشائخ نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ علاء الدین الحصکفی نے الموطوءۃ بالشبھۃ کا عطف المنکوحۃ نکاحا فاسدا پر کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بھی نسب ثابت ہو جائے گا' جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے۔

صہر کا معنی اور اس کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

خلیل نے کہا ہے کہ بیوی کے اہل بیت کو صہر کہتے ہیں' مثلاً بیوی کا باپ' اس طرح بیوی کی ماں وغیرہ یہ سب اصہار ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۷۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

حضرت ربیعہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

لقد نلت صھر رسول اللہ علیہ وسلم فمانفسناہ علیک. آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سسر ہیں' سو ہم خود کو آپ پر ترجیح نہیں دیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۹۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۰۹)

علامہ المبارک بن محمد ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

صہر اور نسب میں فرق یہ ہے کہ نسب کا رجوع آباء کی جہت سے ولادت قریبہ کی طرف ہوتا ہے (یعنی باپ کی طرف) اور صہر وہ رشتہ ہے جو تزویج اور نکاح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔ (یعنی سسرالی رشتے)۔

(النہایہ ج ۳ ص ۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اصہار (سسرالی رشتہ داروں) کے مصادیق

سسرالی رشتہ داروں کی چار قسمیں ہیں:

(۱) بیویوں کی سگی مائیں اور دادیاں۔

(۲) بیوی کی سابق شوہر سے بیٹیاں اور ان بیٹیوں کی اولاد، خواہ وہ بیٹی موجودہ شوہر کے زیر پرورش ہو یا نہ ہو۔

(۳) بیٹے اور پوتے کی بیوی اور نواسے کی بیوی، خواہ بیٹے نے بیوی کے ساتھ جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، البتہ منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہے۔

(۴) سگے باپ دادا کی بیویاں، یہ وہ محرمات صہریہ ہیں جو کسی شخص پر دائماً حرام ہوتی ہیں۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۴، مطبوعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۴ھ)

نکاح سے حرمت مصاہرت کا متفق علیہ ہونا اور زنا سے حرمت مصاہرت کا مختلف فیہ ہونا

نکاح کے ذریعہ جو صہر اور سسرالی رشتہ کی عورتیں ہوتی ہیں ان کے حرام ہونے پر تمام فقہاء اور ائمہ کا اتفاق ہے خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو مثلاً بیوی کی ماں، بیوی کے سابق شوہر کی بیٹی، یا بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) اور زنا کے ذریعہ جو یہ رشتہ وجود میں آتے ہیں ان کے حرام ہونے میں اختلاف ہے، مثلاً مزنیہ (جس عورت سے زنا کیا گیا ہو) کی ماں اور مزنیہ کی بیٹی امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک زانی پر مزنیہ کی ماں اور بیٹی دونوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا زانی پر مزنیہ کی ماں اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔

زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل اور ان کے جوابات

امام مالک اور امام شافعی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۔ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری ان عورتوں کی بیٹیاں (تم پر حرام ہیں) جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس آیت میں ان بیویوں کی بیٹیوں کو حرام فرمایا ہے، جن بیویوں سے صحبت کی جا چکی ہو اور بیوی نکاح سے وجود میں آتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی عورت کی بیٹی سے نکاح حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو اور جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا اس آیت کی رو سے حرام نہیں ہے لہٰذا زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوئی۔

فقہاء احناف اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ آیت ان کے موید نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جن عورتوں سے تم دخول (صحبت) کر چکے ہو ان کی بیٹیاں تم پر حرام ہیں اور اس دخول کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے دخول بالنکاح نہیں فرمایا، اور یہ دخول اس سے عام ہے کہ نکاح کے بعد ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو یا نکاح سے پہلے زنا کے ذریعہ ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو، اور دخول کا لفظ حلال اور حرام دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح کے بعد ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح سے پہلے ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو، لہٰذا احتیاط کا

تقاضا یہی ہے کہ جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کو بھی حرام قرار دیا جائے کیونکہ اس آیت کے عموم میں وہ بھی داخل ہے' نیز جب حلال اور حرام ہونے کے دلائل مساوی ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔

فقہاء شافعیہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص حرام طریقہ سے کسی عورت کا پیچھا کرتا ہے پھر اس کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے یا کسی کی بیٹی کا حرام طریقہ سے پیچھا کرتا ہے پھر اس کی ماں سے نکاح کرتا ہے' آپ نے فرمایا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۷' رقم الحدیث: ۳۶۳۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا' صرف اس چیز کو حرام کرتا ہے جو پہلے نکاح سے ہو۔ (اس حدیث کا صحیح محمل عنقریب مصنف عبد الرزاق: ۱۲۸۱۳' دار الکتب العلمیہ میں بیان ہوگا) (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

فقہاء مالکیہ اور شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حرمت مصاہرت صرف نکاح سے ہوتی ہے زنا سے نہیں ہوتی' فقہاء احناف نے اس حدیث کے حسب ذیل جواب دیے ہیں:

(۱) یہ دونوں حدیثیں سخت ضعیف ہیں' ان دونوں حدیثوں کی سند میں عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہے اور وہ متروک راوی ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جس حدیث کا راوی متروک ہو اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس کے متعلق لکھا کہ یہ متروک ہے۔

(تاریخ کبیر ج ۶ ص ۷۷' رقم: ۸۳۴۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے اس کی سند میں عثمان بن عبد الرحمان وقاصی ہے' یحییٰ بن معین نے اس کے متعلق کہا وہ کذاب ہے' امام بخاری' امام ابو داؤد اور امام نسائی نے کہا وہ کچھ بھی نہیں' یہ حدیث حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے وہ بھی ضعیف ہے' امام احمد نے اس کے متعلق کہا کہ یہ عراق کے بعض قصہ گو لوگوں کا کلام ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۲) شدید ضعیف ہونے کے علاوہ یہ حدیث قرآن مجید سے متصادم ہے جس سے ثابت ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے۔

امام شافعی کا یہ اعتراض کہ زنا گناہ ہے اور صہر کی نعمت کے حصول کا سبب نہیں بن سکتا!

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی اور امام شافعی نے کہا زنا حرمت مصاہرت کو واجب نہیں کرتا کیونکہ حرمت مصاہرت ایک نعمت ہے اور وہ ممنوع کام کے ارتکاب سے حاصل نہیں ہوگی' اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی اولاد کے واسطہ سے جزئیت کا سبب ہے حتیٰ کہ اولاد کی نسبت ماں باپ میں سے ہر ایک کی طرف ہوتی ہے' پس عورت کے اصول اور فروع مرد کے اصول اور فروع کی طرح ہوتے ہیں اور مرد کے اصول اور فروع عورت کے

اصول وفروع کی طرح ہوتے ہیں اور بغیر ضرورت کے جز سے نفع حاصل کرنا حرام ہے' لہٰذا جب مرد اور عورت ایک دوسرے کا جز ہو گئے تو مرد کا عورت سے وطی کرنا حرام ہو گیا مگر اولاد کی ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور زنا سے اولاد کے حصول کی غرض نہیں ہوتی۔ (ہدایہ اولین ص ۳۰۹' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ مرغینانی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا کرنے سے جو اولاد ہوئی تو اس کے سبب سے زانی اور مزنیہ دونوں ایک شخص کی طرح ہو گئے اور مزنیہ کے ماں باپ گویا زانی کے ماں باپ ہو گئے اور مزنیہ کی بیٹی زانی کی بیٹی ہو گئی اور جس طرح کسی شخص کے لیے اپنی ماں یا اپنی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح زانی کے لیے مزنیہ کی ماں یا اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ جب وطی سے واطی اور موطوءہ ایک شخص کی طرح ہو جاتے ہیں تو پھر کسی شخص کے لیے اپنی بیوی سے وطی کرنا بھی ناجائز ہونا چاہیے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ ضرورت ہے اولاد کی طلب' جیسا کہ حضرت آدم کے اپنے نفس سے حضرت حوا پیدا ہوئیں پھر اولاد کی طلب کی ضرورت سے ان کے ساتھ جماع کرنا جائز قرار دیا گیا اور یہ ضرورت نکاح سے پوری ہو جاتی ہے' اس لیے زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ علامہ مرغینانی کے جواب سے زنا سے حرمت مصاہرت پر ایک عقلی دلیل حاصل ہوتی ہے لیکن یہ امام شافعی کے اصل اعتراض کا جواب نہیں ہے۔ امام شافعی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ مصاہرت ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور امتنان اور احسان کے فرمایا ہے: اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کے لیے نسب اور صہر (سسرال کے رشتے) کو بنایا۔ اور صہر اس لیے بھی نعمت ہے کہ اس سے اجنبی لوگ رشتہ دار بن جاتے ہیں۔ انسان جس لڑکی سے نکاح کرتا ہے اس کا باپ پہلے اجنبی تھا اب وہ اس کا سسر بن جاتا ہے اور اس کی ماں اس کی ساس بن جاتی ہے اور صہر کے یہ رشتے نکاح سے حاصل ہوتے ہیں زنا سے حاصل نہیں ہوتے۔ نکاح سے صہر کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ زنا سے یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے نکاح کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے اور زنا کی مذمت کی جاتی ہے۔ نکاح کو سنت اور کار ثواب قرار دیا جاتا ہے جب کہ زنا پر سو کوڑے مارے جاتے ہیں یا رجم کیا جاتا ہے' اور اگر زنا بھی نکاح کی طرح صہر کی نعمت کے حصول کا سبب ہوتا تو جس طرح نکاح کی کثرت مطلوب ہوتی ہے زنا کی کثرت بھی مطلوب ہوتی' جب کہ زنا کی ممانعت مطلوب ہے' نیز جب کوئی شخص اپنی بیٹی کا کسی انسان سے نکاح کرتا ہے تو وہ انسان اس شخص کا داماد بن جاتا ہے اور اس انسان کا باپ اس کا سمدھی بن جاتا ہے اور وہ شخص اپنے داماد پر شفقت کرتا اور سمدھی کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ صہر ایک نعمت ہے' اور اگر ایک انسان کسی شخص کی بیٹی سے زنا کرے تو وہ شخص اس انسان پر شفقت نہیں کرتا بلکہ اس کو دشمن اور مبغوض جانتا ہے اور اس کو قتل کرنے کے درپے رہتا ہے اور آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ صہر کی نعمت نکاح سے حاصل ہوتی ہے زنا سے یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی' نکاح سے دو خاندانوں میں ملاپ اور اتصال ہوتا ہے اور زنا سے دو خاندانوں میں بغض' عناد اور انفصال ہوتا ہے' لہٰذا زنا حرمت مصاہرت کا سبب نہیں ہوگا کیونکہ زنا سے مصاہرت (سسرالی رشتہ) ہی حاصل نہیں ہوتی تو حرمت مصاہرت کیسے حاصل ہوگی۔

امام شافعی کا یہ اعتراض بہت قوی ہے اور اس کا عقلی دلائل سے جواب نہیں دیا جا سکتا' ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس لیے قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں ہم اس عقلی اعتراض کو ترک کرتے ہیں۔

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء احناف اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۔(النساء:۲۲) ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں۔

نکاح کا اصل معنی جماع کرنا ہے‘ امام لغت خلیل بن احمد فراھیدی لکھتے ہیں:

نکح: وھو البضع ویجری نکح ایضا مجری التزویج. نکاح کا معنی جماع کرنا ہے اور یہ عقد کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۸۳۷‘ مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران‘ ۱۴۱۴ھ)

لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا دخول اور جماع کر چکے ہیں تم ان کے ساتھ دخول اور جماع نہ کرو‘ خواہ تمہارے باپ دادا نے ان کے ساتھ زنا کی صورت میں دخول کیا ہو یا عقد نکاح کی صورت میں‘ نیز اس آیت میں نکاح سے مراد مطلقاً دخول ہے۔ خواہ عقد نکاح سے ہو یا زنا سے‘ اس پر دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (النساء:۲۲) اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں یہ بے حیائی کا کام ہے‘ اور بغض کا سبب ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

اس آیت میں بھی نکاح سے مراد عقد نکاح نہیں ہے بلکہ دخول اور جماع ہے کیونکہ بے حیائی‘ بغض کا سبب اور بہت برا طریقہ عقد نکاح کرنا نہیں ہے بلکہ زنا کرنا ہے یعنی تمہارے باپ دادا جن عورتوں سے دخول اور جماع کر چکے ہیں خواہ بہ صورت نکاح‘ خواہ بہ صورت زنا‘ تم ان سے نکاح نہ کرو‘ اور یہ آیت بھی اس باب میں نص صریح ہے کہ باپ کی مزنیہ سے نکاح کرنا ممنوع اور حرام ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔

نیز اگر کوئی شخص اپنے باپ کی مدخولہ اور مزنیہ سے نکاح کرے گا تو یہ فعل قطع رحم کا موجب ہوگا کیونکہ اس کا باپ جب اس مزنیہ سے الگ ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو اور اس عورت سے نکاح کرنا چاہے‘ اور جب اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کر چکا ہوگا تو اس سے اس کے باپ کے دل میں بیٹے کے خلاف بغض اور حسد پیدا ہوگا اور یہ قطع رحم کا موجب ہے اور قطع رحم حرام ہے‘ اور یہ حرام اس وجہ سے لازم آیا کہ اس نے باپ کی مزنیہ سے نکاح کر لیا لہٰذا باپ کی مزنیہ سے نکاح کرنا حرام ہوگا‘ پس اس سے واضح ہو گیا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام شافعی سے دوسرا اختلاف اس امر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عورت کو شہوت سے مس کر لیا یا شہوت سے اس کی فرج کو دیکھا تو اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی بھی اس شخص پر حرام ہو جاتی ہیں (شہوت کا معنی یہ ہے کہ اس کے دل میں اس سے وطی کرنے کی خواہش ہو اور یہ ایک مخفی امر ہے جو اس کے بتانے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے) امام شافعی کے نزدیک مس کرنے اور فرج کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ وطی اور دخول نہیں ہیں‘ یہی وجہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا‘ اور نہ اس سے احرام فاسد ہوتا ہے اور نہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے‘ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کو مس کرنا اور اس کی فرج

کی طرف دیکھنا اس سے وطی کرنے کا قوی داعی' سبب اور محرک ہے اس لیے موضع احتیاط میں اس کو وطی کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ ہم جو زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں ان سے جس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس طرح ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو مس کرنے یا اس کی فرج کی طرف دیکھنے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوھانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت کی فرج کی طرف دیکھا اس شخص کے لیے اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حلال نہیں ہیں۔

(مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲۹' ج ۳ ص ۴۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے۔ (مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲۸)

عطاء نے بیان کیا کہ جو شخص کسی عورت سے زنا کرے اس پر اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے اور اگر بیٹی سے زنا کرے تو اس پر اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۳۱)

ابراہیم نخعی سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے زنا کیا اور اب وہ شخص اس کی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے کہا وہ اس کی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۳۲)

ابراہیم نخعی نے کہا جب کوئی شخص کسی عورت کو شہوت کے ساتھ مس کرے تو اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرے نہ اس کی بیٹی کے ساتھ۔ (مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۳۴)

مجاہد اور عطاء نے کہا جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس عورت سے نکاح کرنا اس کے لیے حلال ہے اور اس کی کسی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شبیہ رقم الحدیث: ۱۶۲۳۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے' آیا وہ اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! وہ اس کی ماں کی فرج پر مطلع ہو چکا ہے' ان سے کہا گیا کیا نہیں کہا جاتا کہ حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا! انہوں نے کہا یہ باندی کے متعلق ہے ایک شخص کسی باندی کے ساتھ زنا کرتا ہے پھر اس کو خرید لیتا ہے' یا کسی آزاد عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے پھر اس سے نکاح کر لیتا ہے پس اس کے پہلے زنا کرنے کی وجہ سے اس سے نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۱۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: ۱۲۷۶۱' ج ۷ ص ۱۹۷' مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے سنا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے زنا کیا تو اس پر وہ دونوں حرام ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۱۴' دار الکتب العلمیہ' مصنف ج ۷ ص ۱۹۸' مکتب اسلامی)

شعبی' حسن' قتادہ اور طاؤس نے کہا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے یا اس کی بیٹی سے زنا کرے تو وہ دونوں

اس پر حرام ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۱۷، ۱۲۸۱۶، ۱۲۸۱۵، دارالکتب العلمیہ، مصنف ج ۷ ص ۱۹۸، کتب اسلامی)

عروہ بن الزبیر سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے زنا کرتا ہے آیا وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے انہوں نے کہا نہیں! (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۱۸، دارالکتب العلمیہ، مصنف ج ۷ ص ۱۹۸ کتب اسلامی)

یحییٰ بن یعمر نے شعبی سے کہا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا، شعبی نے کہا کیوں نہیں کرتا، اگر تم خمر (انگور کی شراب) کو پانی میں ڈالو تو اس پانی کا پینا حرام ہوگا، حسن بصری نے بھی شعبی کی طرح جواب دیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۲۲، دارالکتب العلمیہ مصنف ج ۷ ص ۱۹۹، کتب اسلامی)

شعبی نے کہا کہ حضرت عبداللہ نے کہا جب بھی حلال اور حرام جمع ہوتے ہیں تو حرام کو حلال پر غلبہ ہوتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۲۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۷۷۲، ج ۷ ص ۱۹۹، کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو وہ عورت اس شخص کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اور اس شخص کے اوپر اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے جس طرح نکاح حلال اور نکاح بالشبہ میں اسی طرح حرمت ہوتی ہے، امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت عمران بن حصین سے بھی اسی طرح مروی ہے، اور حسن بصری، عطا، مجاہد، شعبی، ابراہیم نخعی، ثوری، اسحاق اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا بھی یہی قول ہے۔ ہماری دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۲) اور اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے، نیز فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا (النساء: ۲۲) اور یہ تغلیظ عقد نکاح میں نہیں ہوسکتی سو یہ تغلیظ وطی اور زنا میں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھتا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے، اور آپ نے فرمایا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے وہ ملعون ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۷ ص ۹۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور کافر اپنے رب کی مخالفت پر کمربستہ رہتا ہے ۝ (الفرقان: ۵۵)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنی قدرت کے کمال کا بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ اس کی نعمتوں کے باوجود کافروں کا اپنے کفر پر اصرار کرنا کس قدر تعجب خیز ہے وہ ان پتھروں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی ضرر کو دور کرسکتے ہیں، اور فرمایا کافر اپنے رب کی مخالفت پر کمربستہ رہتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کافر سے مراد ابوجہل لعنہ اللہ ہے، جو بتوں کی عبادت پر اپنے چیلوں کو ابھارتا ہے۔ عکرمہ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے جو اللہ تعالیٰ کی عداوت پر کمربستہ رہتا ہے۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد شیطان ہے جو لوگوں کی گناہوں پر اعانت کرتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر اپنے رب کے سامنے ذلیل اور عاجز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝ (الفرقان: ۵۶)

یعنی ہم نے آپ کو کافروں کا حمایتی بنا کر بھیجا ہے اور نہ ان کو جبراً مسلمان کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کرلےO (الفرقان: ۵۷)

یعنی میں نے تم کو جو قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے میں اس پر کسی دنیاوی اجر کا طالب نہیں ہوں، ہاں اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہے تو وہ خرچ کرسکتا ہے، یا اگر کوئی شخص میرے طریقہ کی اتباع کرکے دین اور دنیا کی بھلائی حاصل کرنا چاہے تو وہ کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس پر توکل کیجیے جو زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہےO (الفرقان: ۵۸)

توکل کے متعلق مفصل بحث ہم آل عمران: ۱۵۹، تبیان القرآن ج ۲ ص ۴۳۹۔۴۳۱ میں بیان کرچکے ہیں اور حمد کا معنی الفاتحہ: ۱ میں اور تسبیح کا معنی بنی اسرائیل: ۱ میں بیان کرچکے ہیں ان کی تفسیر وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا وہی رحمان ہے، آپ اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیںO (الفرقان: ۵۹)

اس آیت میں بہ ظاہر آپ سے خطاب ہے اور اس سے آپ کا غیر مراد ہے کیونکہ آپ تو اس کے مصدق تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور وہ عرش پر جلوہ فرما ہے، اور اس آیت کا معنی ہے اے انسان! علم کی طلب میں میرے علاوہ اور کسی کی طرف رجوع نہ کرنا۔ اور یہ جو فرمایا ہے وہ عرش پر جلوہ فرما ہے، اس کی تفسیر کے لیے الاعراف: ۵۴، التوبۃ: ۱۲۹، یونس: ۳، الرعد: ۲ اور طٰہٰ: ۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو (تو) وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں! اس (حکم) نے ان کو اور متنفر کردیاO (الفرقان: ٦٠)

کفار یہ کہتے تھے کہ ہم رحمٰن یمامہ کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتے، اور اس سے ان کی مراد مسیلمہ کذاب تھی۔

یہ آیت سجدہ ہے، رحمٰن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، زمانہ جاہلیت میں کفار اللہ تعالیٰ کو اس نام سے نہیں پہچانتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوایا تو مشرکین مکہ نے کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ آپ باسمک اللھم لکھیں۔ اس آیت میں بھی کفار کا رحمٰن کے نام سے بھڑکنے اور سجدہ کرنے سے گریز کا ذکر ہے۔

الاعراف: ۲۰٦ میں ہم نے آیات سجدہ کی تعداد اور اس میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے اور الرعد: ۱۵ میں ہم نے سجدہ کے فضائل بیان کیے ہیں، ان کی تفسیر وہاں ملاحظہ فرمائیں اور الفرقان: ٦٠ کی یہ آیت سجدہ، ساتویں آیت سجدہ ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا

وہ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں (سورج کو) چراغ

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

اور روشن چاند بنایاO اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا یہ

أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ

اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے ○ اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا

آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں

سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ

بس سلام ہو ○ اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ○ اور وہ لوگ جو کہتے

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا

ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے، بے شک دوزخ کا عذاب

كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ

چمٹنے والا ہے ○ بے شک وہ ٹھیرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے ○ اور وہ لوگ

إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ

جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر

قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا

ہوتا ہے ○ اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی

يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ

ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ

اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا ○ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا

الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا ○ سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا

عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا'

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى

بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ اللہ کی طرف

اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا

بچی توبہ کرتا ہے ○ اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام کے

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ

پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں ○ اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی

يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا

جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے ○ اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب!

هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا

ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں

لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

متقین کا امام بنا دے ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی اور وہاں ان

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾

کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا ○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے ○

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

آپ کہیے کہ اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے' پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا

يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں (سورج کو) چراغ اور روشن چاند بنایاO (الفرقان: ٦١)

بروج کے لغوی اور عرفی معنی

حسن' مجاہد اور قتادہ نے کہا بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں ان کو بروج اس لیے فرمایا کہ یہ بہت ظاہر ہیں اور برج کا معنی ظہور ہے۔

عطیہ العوفی نے کہا برج کا معنی قلعہ اور محل ہے جس میں پہرے دار ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ (النساء: ٧٨) اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے مراد وہ بارہ برج ہیں جو سات کواکب سیارہ کی منازل ہیں وہ بارہ برج یہ ہیں: الحمل (بھیڑ کا بچہ)' الثور (بیل)' الجوزا (وہ سیاہ بکری جس کے وسط میں سفیدی ہو) السرطان (کیکڑا) الاسد (شیر) السنبلہ (گندم کا خوشہ) المیزان (ترازو) العقرب (بچھو) القوس (کمان) الجدی (بکری کا بچہ) الدلو (ڈول) الحوت (مچھلی)۔

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے' الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے' الجوزا اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے' السرطان قمر کی منزل ہے' الاسد شمس کی منزل ہے' القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے' الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ج ٣ ص ٤٥٤' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢٠ھ)

اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع سے مینڈھے کی شکل بن جائے تو اس کو برج حمل کہتے ہیں اور اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع سے شیر کی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد کہتے ہیں اور اگر ان ستاروں کے اجتماع سے ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج المیزان کہتے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ (قائد اللغات ص ١٧٩' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

الحجر: ١٦ میں ہم نے بروج کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا' یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرےO (الفرقان: ٦٢)

رات کی کوئی عبادت قضا ہو جائے تو اس کو دن میں ادا کر لیا جائے اسی طرح بالعکس

خلفة کا ایک معنی ہے ایک دوسرے کے خلاف' یعنی دن کو روشن اور سفید بنایا اور رات کو تاریک اور سیاہ بنایا' اور خلفة کا دوسرا معنی ہے کسی کے بعد آنے والی چیز' سو رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد آنے والا ہے۔

فرمایا یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے۔ یعنی جو شخص رات اور دن کے تعاقب اور توارد میں غور و فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا آنے کا یہ سلسلہ فضول اور عبث نہیں بنایا اور وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کرے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرے بایں طور کہ دن کے وقت میں جائز اور حلال طریقوں سے کسب معاش کرے اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی کا انتظام کرے' اور دن اور رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ نے اس پر جو نمازیں فرض کی ہیں اور ان کے علاوہ جن عبادتوں کا مکلف کیا ہے ان کو ادا کرے۔

خلفة کا ایک معنی بدل بھی ہے یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے' یعنی رات کو وہ جو عبادت کرتا ہے اگر وہ کسی وجہ سے رہ گئی اس کو دن میں ادا کرے اور دن میں جو عبادت کرتا ہے وہ کسی وجہ سے رہ گئی تو اس کو رات میں

ادا کرے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رات کے معمول کے وظیفہ کو پڑھے بغیر سو گیا یا کسی اور معمول کی عبادت کو ادا کیے بغیر سو گیا وہ اس کو فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے یا ادا کرے، تو اس کے لیے لکھا جائے گا کہ اس نے رات میں ہی اس کو پڑھا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷٤۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۸۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳٤۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱٤٦۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات اور علم کی نعمت عطا فرمائی ہے اور اس میں نیند اور بھوک و پیاس کی آفت رکھی، سو اس شخص پر بڑا افسوس ہے جس نے اپنی ساری زندگی یا زندگی کا بیشتر حصہ سونے، کھانے پینے اور جماع کی فانی لذتوں میں بسر کر دیا اور ان فانی لذتوں کو کم کر کے رات اور دن کے کچھ اوقات کو عبادت کی باقی رہنے والی لذتوں میں صرف نہیں کیا، رات کی نیند کو ترک کر کے اس وقت کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس وقت نماز میں قیام کرنے پر صرف کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قرآن اور حدیث سے رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ؕ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۙ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الذاریات: ۱۸۔۱۵)

بے شک متقی لوگ جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ وہ ان نعمتوں کو لے رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انہیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکی کرنے والے تھے ○ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ○ اور رات کے آخری حصہ میں بہ وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے ○

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ (السجدہ: ۱٦)

ان کی کروٹیں ان کے بستروں سے الگ رہتی ہیں، وہ اپنے رب کی خوف اور امید کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، میں سفر کرتے ہوئے آپ کے بہت قریب ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور مجھ کو دوزخ سے دور کر دے، آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے بہت عظیم چیز کے متعلق سوال کیا ہے اور یہ چیز اسی پر آسان ہو گی جس کے لیے اللہ اس کو آسان کر دے گا، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، پھر فرمایا: کیا میں تم کو خیر کے دروازوں کی رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ اس طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدھی رات کو اٹھ کر آدمی کا نماز پڑھنا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ: ۱٦) پھر فرمایا کیا میں تم کو تمام کاموں کے سردار اور ستون اور ان کے بلند کوہان کی خبر نہ دوں! میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمام کاموں کا سردار اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے، پھر فرمایا کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس پر ان تمام چیزوں کا

دارومدار ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا نبی اللہ! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو قابو میں رکھو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں کیا ان پر ہماری گرفت کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تم پر تمہاری ماں روئے! جو چیز لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا نتھنوں کے بل گرائے گی وہ ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل ہی تو ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۰۳' مکتب اسلامی' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۶۶)

ہم نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ آدمی رات کو اٹھ کر عبادت کرنا دوزخ کی آگ کے ٹھنڈی ہونے کا سبب ہے اور رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں' کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں! کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں' پھر اللہ تعالیٰ یونہی صدا لگاتا رہتا ہے حتیٰ کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۴۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

امام ابوالقاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ ھ نے لکھا ہے کہ تمام اوقات ایک جنس کے باب ہیں اور بعض اوقات کو دوسرے بعض پر اس اعتبار سے فضیلت ہے کہ بعض اوقات میں عبادت کرنا زیادہ افضل ہے اور اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۹۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس سلام ہو ○ (الفرقان: ۶۳)

زمین پر وقار کے ساتھ چلنے اور جاہلوں سے بحث نہ کرنے کا حکم

دنیا کے تمام انسان رحمٰن کے بندے ہیں' اور اس آیت میں بندوں کی رحمان کی طرف اضافت تخصیص اور تشریف کے لیے ہے' یعنی وہ رحمان کے بہت خاص اور بہت شرف والے بندے ہیں جو زمین پر آہستگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں' اتراتے ہوئے' اکڑتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے نہیں چلتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۭ (لقمان: ۱۸) اور لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم وقار کے ساتھ چلو' کیونکہ بھاگنے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

حسن بصری نے کہا وہ علماء اور حکماء ہیں' اور محمد بن الحنفیہ نے کہا وہ اصحاب وقار اور عزت دار لوگ ہیں وہ جاہلانہ بات نہیں کرتے اور اگر کوئی ان سے جاہلانہ بات کرے تو وہ بردباری اور تحمل سے سن لیتے ہیں اور پلٹ کر جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور ھَوْن کا لغوی معنی نرمی اور ملائمت ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر ان سے کوئی جاہلانہ بات کرے تو وہ کہتے ہیں سلاماً' سلاماً کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ وہ درست بات کہتے ہیں پلٹ کر جاہلانہ جواب نہیں دیتے۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ ان کو حقیقۃً سلام کر کے ان کے پاس سے چلے جاتے ہیں۔ مجاہد نے کہا وہ صحیح بات کہتے ہیں اور مقاتل بن حیان نے کہا وہ ایسا جواب دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے سلامت اور محفوظ رہتے ہیں۔

حسن بصری نے کہا اگر کوئی شخص ان سے جاہلانہ بات کرے تو وہ اس کو تحمل سے سنتے ہیں اور جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور اس سے معروف سلام مراد نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین سے قتال کرنے کے حکم سے پہلے کی ہے' کفار کے ساتھ جو احکام مخصوص تھے اب وہ منسوخ ہو گئے۔ پہلے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا' بعد میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا' علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ پہلے بھی مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کفار کو سلام کریں بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کی زیادتیوں سے صرف نظر کریں اور درگزر کریں اور اچھے طریقہ سے ان کو چھوڑ دیں اور کنارہ کشی اختیار کریں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی مجلسوں میں جاتے تھے اور ان کو سلام کرتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے اور معارضت نہیں کرتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان جاہلانہ باتیں کرے تو اس کو سلام علیک کہنا جائز ہے۔

اور ہم سورہ مریم کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ کفار کو سلام کرنے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے پس اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے' اور حسن بصری سے ایک اور قول یہ منقول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم سے کوئی جاہلانہ بات کرے تو اس کو سلام کرو' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات میں بیان فرماتا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡسَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡلَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ (القصص: ۵۵)	اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے (بحث کرنا) نہیں چاہتے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ○ (الفرقان: ۶۴)

فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات قیام کرنے کی مثل ہے

اس آیت کا معنی ہے اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے رات کو نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے اپنے رب کی رضا کے لیے عشاء کی نماز کے بعد دو یا دو سے زیادہ رکعات نماز پڑھی وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۵)

قتادہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اس رات سے اپنا حصہ لو خواہ دو رکعت' خواہ چار رکعت۔

حسن بصری نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو رات کو نماز میں قیام کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہوتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۷۲۳)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو یہ آدھی رات کے قیام کے برابر ہے اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو وہ پوری

رات کے قیام کی مثل ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۸' مسند احمد ج ۱ ص ۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۵۸' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۶۱-۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے ○ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے ○ (الفرقان ۶۶-۶۵)

غراما کا معنی

یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے باوجود اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرتے ہوں گے اور اپنے سجدوں میں اور اپنے قیام میں یہ دعا کریں گے کہ ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب پھیر دے' بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے۔

اس آیت میں دوزخ کے عذاب کو غرام فرمایا ہے۔ غرام کے معنی ہیں شدت اور سختی سے مطالبہ کرنا' قرض خواہ اور قرض دار دونوں کو غریم کہتے ہیں' دوزخ کے عذاب کو غرام فرمایا کیونکہ وہ عذاب مجرموں کے ساتھ لازم اور دائم رہے گا اور ان سے بالکل جدا نہیں ہوگا۔ قرض خواہ کو بھی اس لیے غریم کہتے ہیں کہ وہ مقروض سے چمٹا رہتا ہے اور ہر وقت اپنے قرض کا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ حسن نے کہا ہر قرض خواہ اپنے مقروض سے جدا ہو جاتا ہے سوا جہنم کے غریم کے' زجاج نے کہا غرام کا معنی ہے بہت شدید عذاب' ابن زید نے کہا الغرام کا معنی ہے شر۔ ابوعبیدہ نے کہا الغرام کا معنی ہے ہلاکت' محمد بن کعب نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو نعمتیں دی تھیں قیامت کے دن ان سے ان نعمتوں کی قیمت طلب کرے گا جس کو وہ ادا نہیں کر سکیں گے پھر ان نعمتوں کے عوض ان کو دوزخ میں داخل فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہے ○ (الفرقان: ۶۷)

اسراف کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کام جس میں انسان حد سے تجاوز کرے اسراف ہے' اگرچہ اس کا مشہور اطلاق حد سے زیادہ خرچ کرنے پر ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا. (النساء: ۶)

اور یتیموں کے مال کو جلد جلد اور فضول خرچ کر کے ہڑپ نہ کرو۔

کبھی مقدار کے لحاظ سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اور کبھی کیفیت کے لحاظ سے خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اسی لیے سفیان نے کہا اگر تم اللہ کی معصیت میں بہت کم بھی خرچ کرو تو وہ اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (الانعام: ۱۴۱)

(جب درخت پھل دیں) تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور ان پھلوں میں فقراء کا جو حق واجب ہے (عشر) وہ ان کی کٹائی کے دن دیا کرو' اور حد سے تجاوز نہ کرو' بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے صدقہ وخیرات کرنے اور عشر ادا کرنے میں بھی حد سے تجاوز مت کرو' ایسا نہ ہو کہ آج تم حد سے

زیادہ مال صدقہ کردو اور کل تم خود ضرورت مند ہو جاؤ' اس کا تعلق حکام سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی صدقات کی وصول یابی میں حد سے تجاوز نہ کریں' اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھانے پینے میں حد سے تجاوز نہ کرو' کیونکہ بسیار خوری انسان کی صحت کے لیے بہت مضر ہے اور بہت سی بیماریوں کی موجب ہے جن میں بہت نمایاں بدہضمی ہے اور شوگر' بلڈ پریشر' السر اور یرقان' پیلیا بسیار خوری کے دیرپا اثرات ہیں۔ غرض اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اپنے اوپر خرچ کرنے میں' دوسروں پر خرچ کرنے میں اور نہ کھانے پینے میں۔ قوم لوط کو بھی مسرفین فرمایا کیونکہ وہ عورت کی اندام نہانی سے تجاوز کر کے مردوں کی پشت میں دخول کرتے تھے اور بے ریش لڑکوں سے ہم جنس پرستی کرتے تھے اور یہ عمل خواہ ایک بار بھی کیا جائے تو یہ اسراف ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے انہوں نے کہا ہم گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی قوم لوط کی طرف:

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ (الذاریات: ٣٤-٣٣)

تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں جو آپ کے رب کی طرف سے مسرفین کے لیے نشان زدہ ہیں۔

اسی طرح قصاص لینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا:

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ (بنی اسرائیل: ٣٣) بہ طور قصاص قتل کرنے میں اسراف نہ کیا جائے یعنی قصاص میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور قاتل کے بجائے کسی اور کو قتل نہ کیا جائے جیسے زمانہ جاہلیت میں قاتل کے بجائے اس کے قبیلہ کے زیادہ معزز آدمی کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ (المفردات ج ١ ص ٣٠٤' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

اقتار کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ ھ لکھتے ہیں:

القتر کا معنی ہے خرچ میں کمی کرنا اور یہ اسراف کا مقابل ہے' اور یہ دونوں مذموم ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان: ٦٧)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں' اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہے۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ١٠٠)

اور انسان فطرۃً تنگ دل ہے۔

یعنی انسان کی جبلت میں بخل ہے۔ طلاق دینے کے بعد مطلقہ کو متاع میں جو کپڑے دیے جاتے ہیں ان کے متعلق فرمایا:

مَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ (البقرہ: ٢٣٦)

مطلقہ عورتوں کو متاع دو خوشحال شخص اپنے اندازے سے اور تنگ دست شخص اپنی حیثیت کے مطابق۔

قتر کے اصل معنی ہیں کسی جلی ہوئی لکڑی کا اٹھتا ہوا دھواں۔ کنجوس شخص بھی کسی شخص کو اصل چیز دینے کے بجائے اس کا دھواں دے کر اس کو ٹالنا چاہتا ہے۔ قترۃ کا معنی ہے دھوئیں کی طرح غبار نما بدرونقی جو چہرے پر چھا جاتی ہے' قرآن مجید میں ہے۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ (عبس: ٤١-٤٠)

اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ۝ جن پر دھوئیں کے مشابہ سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔

(المفردات ج ٢ ص ٥٠٨ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

ان لوگوں کا مصداق جو فضول خرچ اور بخل نہیں کرتے تھے

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ خرچ کرنا ممنوع ہو وہاں خرچ کرنا اسراف ہے اور جس جگہ خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کرنا قتر اور بخل ہے' اور جس جگہ جتنا خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں اتنا خرچ کرنا میانہ روی ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں' اسراف اور اقتار کے دو معنی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے' اور جتنا خرچ کرنا ضروری ہو اتنا بھی خرچ نہ کرنا اقتار ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کسی آدمی کے اسراف کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر وہ چیز کھالے جس کو کھانے کے لیے اس کا دل چاہے۔

(۲) اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا خواہ قلیل ہو وہ اسراف ہے اور اللہ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنا اقتار ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور ابن جریج وغیرہم کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۳' ۱۰۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

یزید بن ابی حبیب نے کہا اس آیت کے مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو حصول لذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ حصول جمال کے لیے لباس پہنتے تھے بلکہ وہ صرف اتنی مقدار میں کھانا کھاتے تھے جس سے ان کی بھوک دور ہو جائے اور جس کھانے سے ان کو اتنی توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کر سکیں' اور وہ اتنے کپڑے پہنتے تھے جس سے ان کی شرم گاہ چھپ جائے اور وہ لباس ان کو سردی اور گرمی سے بچا سکے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

اسلام میں اچھے کھانوں اور اچھے لباس پر پابندی نہیں ہے

صحابہ کرام کا یہ عمل ان کے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے تھا' یا یہ اس دور کی بات ہے جب مسلمانوں پر تنگ دستی کا دور تھا لیکن جب فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں پر خوش حالی کا دور آیا تو وہ کھانے پینے کی چیزوں میں اور لباس میں عمدہ اور اچھی چیزوں کو اختیار کرتے تھے' اور اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے اور ہر شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے میانہ روی برقرار رکھتے ہوئے کشادگی اور فراخی کے ساتھ زندگی گزارے۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزے سے تھے' انہوں نے کہا حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے' ان کو صرف ایک چادر میں کفنا دیا گیا جس سے ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا' اور حضرت حمزہ شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے' پھر ہمارے لیے دنیا اتنی کشادہ کر دی گئی جتنی کشادہ کر دی گئی اور دنیا سے ہمیں اتنا کچھ دیا گیا جو دیا گیا اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ ہمیں ہماری نیکیاں دنیا میں ہی مل گئی ہیں پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ کھانا ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۵' مطبوعہ دار ارقم' بیروت)

اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام پر ابتداء اسلام میں تنگ دستی کا دور تھا بعد میں فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی بہتات سے اللہ تعالیٰ نے انہیں غنی کر دیا تھا اور وہ کشادگی سے زندگی گزارتے تھے اور اسلام میں کشادگی سے زندگی گزارنا ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ　　کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ (الطلاق: ۷)

پر اس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسی میں سے حسب حیثیت خرچ کرے۔

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (البقرہ: ۲۳۶)

اور مطلقہ عورتوں کو متاع میں کپڑے دو، فراخ دست اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی گنجائش کے مطابق، دستور اور رواج کے اعتبار سے۔

ان آیتوں میں امیر لوگوں کو فراخی کے ساتھ کھانے اور کپڑوں میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اچھے کپڑے پہننے اور اچھے جوتے پہننے کی اسلام میں اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں اور اس کے جوتے عمدہ ہوں آپ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹)

ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میرے پاس ہر قسم کا مال ہے، آپ نے پوچھا کس قسم کا مال ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ دیے ہیں اور بکریاں اور گھوڑے اور غلام آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر نظر آنا چاہیے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۵۰، عالم الکتب بیروت)

میانہ روی کی اسلام میں تاکید

قرآن مجید کی ان آیات اور ان احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت عطا کی ہے اس کے کھانے پینے، لباس اور رہن سہن میں وہ نعمت نظر آنی چاہیے اور تونگری کے باوجود فقیروں اور تنگ دستوں کی طرح رہنا اسلام میں مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے، البتہ اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلانا اور قرض لے کر امارت جتانا، اور شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بے جا خرچ کرنا اور نمود و نمائش کرنا یہ اسلام میں ممنوع ہے۔ اس لیے نہ قرض لے کر اللے تللے کیے جائیں اور نہ مال و دولت کے باوجود تنگ دستی سے زندگی گزاری جائے اور بلاوجہ تقشف کیا جائے بلکہ اقتصاد اور میانہ روی سے زندگی گزاری جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میانہ روی سے کام لیا وہ تنگ دست نہیں ہوگا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۶۹، دار الفکر، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۱۱۸، الفتح الربانی ج ۱۹ ص ۱۸، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دولت مندی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے، اور تنگ دستی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے اور عبادت میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۰۴، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۸۵۰)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مکہ میں گئے' آپ روزے سے تھے اور آپ کو روزہ سخت لگ رہا تھا ہم نے آپ کے لیے اونٹنی سے دودھ دوہا اور اس میں شہد ملایا اور افطار کے وقت آپ کو پیش کیا آپ نے فرمایا: اللہ تم کو عزت دے جس طرح تم نے میری عزت کی ہے یا کوئی اور دعا دی' پھر فرمایا: جس نے میانہ روی رکھی اللہ اس کو غنی کر دے گا' اور جس نے فضول خرچ کیا اللہ اس کو تنگ دست کر دے گا' اور جس نے تواضع کی اللہ اس کو سربلند کر دے گا اور جس نے تکبر کیا اللہ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۰۵، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۸۵۱)

خوش حال لوگوں کے لیے اچھا کھانا اور اچھا پہننا جائز ہے لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ اس میں غرباء کا بھی خیال رکھیں اور اپنے طعام اور لباس میں سے اتنی مقدار غرباء کے لیے ضرور نکالیں جتنی نسبت سے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اور جب وہ اپنے کپڑوں اور دیگر اشیاء میں سے غریبوں کو دیتے رہیں گے تو امید ہے کہ کھانے اور پہننے کی کشادگی اور فراخ دستی میں ان سے مواخذہ نہیں ہو گا۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اسراف یہ ہے کہ تم اپنی خواہش پوری کرنے میں اور نفس کا حصہ ادا کرنے میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جتنا بھی خرچ کرو اس میں اسراف نہیں ہے' اور اقتار یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے خرچ کرنے کے بجائے جمع کر کے رکھو' اور نفس کی خواہشات کا گلا گھونٹنے کے لیے اور اتباع شہوات کو کچلنے کے لیے خرچ کرنے پر جو اپنے نفس پر پابندی لگائی جائے وہ اقتار نہیں ہے۔ (لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ ایسے کسی شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے' اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا○ قیامت کے دن ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا○ سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (الفرقان: ۷۰-۶۸)

حضرت وحشی کا قبولِ اسلام

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے پھر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا آپ ہمیں جس دین کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت عمدہ ہے' کاش آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ ہم نے اس سے پہلے جو برے اعمال کیے ہیں ان کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۲۲، معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۶)

حافظ سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ اور حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۰ھ اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں' اور امام عبدالرحمان ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اور حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل امام طبرانی' امام ابن عساکر اور امام ابن جوزی کی روایات میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے کہا یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جس نے شرک کیا یا ناحق قتل کیا یا زنا کیا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا (الفرقان: ۶۹-۶۸) اور میں یہ تمام کام کر چکا ہوں کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰) وحشی نے کہا یا محمد! یہ بہت سخت شرط ہے شاید میں اس توبہ پر قائم نہ رہ سکوں اور مجھ سے پھر کوئی گناہ ہو جائے تب آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔

پھر وحشی نے کہا یا محمد! اس میں فرمایا ہے جس کے لیے اللہ چاہے گا سو میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہو سکے گی یا نہیں کیا اس کے سوا اور کوئی صورت ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو' بے شک اللہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ لاریب وہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

تب وحشی نے کہا یہ وہی ہے جو میں چاہتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گئے' اور لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم سے وہ گناہ سرزد ہو جائیں جو وحشی سے سرزد ہوئے ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۵۸' رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۳ ص ۳۱۶' رقم الحدیث: ۱۴۱۴۸' زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۳۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۱۷)

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا اندازہ کیجیے جو آپ کے محبوب چچا کا قاتل تھا اس کو کس کوشش سے مسلمان کیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سب سے بڑا گناہ شرک کرنا ہے اس کے بعد کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہے اور اس کے بعد بڑا گناہ زنا کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک قرار دے کر اس کی عبادت کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے' اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا! اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ پھر اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے الفرقان: ۶۸ کو نازل فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۷۶' صحیح

ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۱۵' مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۴)

اللہ تعالیٰ کا گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرمانا

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو نہ صرف یہ کہ وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو جانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اس کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا' اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیے تھے' وہ ان گناہوں کا اقرار کرے گا اور انکار نہیں کرے گا اور وہ دل میں اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا' پھر کہا جائے گا اس کو اس کے ہر گناہ کے بدلے میں نیکی دے دو' تب وہ کہے گا اے میرے رب! میرے تو اور بڑے بڑے گناہ ہیں جن کو میں یہاں پر نہیں دیکھ رہا' حضرت ابوذر نے کہا میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۷۵' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو! اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی کر لو وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ اللہ کی طرف سچی توبہ کرتا ہے O (الفرقان: ۷۱)

دوبارہ توبہ کرنے والوں کے ذکر کا فائدہ

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے جس نے توبہ کی وہ اللہ کی طرف توبہ کرتا ہے بہ ظاہر یہ غیر محصل معنی ہے' اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا یہ معنی ہے: اہل مکہ میں سے جو شخص ایمان لے آیا اور اس نے ہجرت کر لی اور اس نے قتل کیا نہ زنا کیا بلکہ نیک کام کیے اور فرائض کو ادا کیا تو ان کی اللہ کی طرف سچی توبہ ہے' یعنی میں نے ان کو' ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کیا اور حرام کاموں کو حلال قرار دیا' قفال نے کہا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت ان لوگوں کے متعلق ہو جنہوں نے مشرکین میں سے توبہ کی ہو اور دوسری آیت ان لوگوں کے متعلق ہو جنہوں نے مسلمانوں میں سے توبہ کی ہو اور توبہ کرنے کے بعد نیک عمل کیے ہوں کیونکہ وہ بھی توبہ کرنے والوں کے حکم میں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس نے زبان سے توبہ کی اور توبہ کو پختہ کرنے کے لیے نیک عمل نہیں کیے تو اس کی توبہ نفع آور نہیں ہوگی' بلکہ جو توبہ کرے اور اس کے بعد نیک عمل کرے تو وہ اپنی توبہ کو اعمال صالحہ سے پختہ کر دیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں O (الفرقان: ۷۲)

زور اور لغو کا معنی

الضحاک اور اکثر مفسرین نے کہا الـزور سے مراد شرک ہے اور علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے مارتے تھے، اور اس کا منہ کالا کر دیتے تھے اور اس کو بازار میں گشت کراتے تھے، ابن جریج نے کہا الزور سے مراد جھوٹ ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد مشرکین کی عیدیں ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ماتم کی مجلس ہے، قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ اہل باطل کی باطل پر موافقت نہیں کرتے، اور محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لھو (کھیل کود) اور غنا (موسیقی) کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا غنا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے، زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کی صفت کے خلاف اس کی تعریف و تحسین کرنا پس زور باطل کو ملمع کاری کر کے اس کے حق ہونے کا وہم پیدا کرنا ہے اور فرمایا جب وہ کسی بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ کفار کا سب وشتم سنتے ہیں اور ان کی اذیت رسانی کا سامنا کرتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں، حسن بصری نے کہا ہر قسم کا گناہ لغو ہے، یعنی جب وہ بے ہودہ اور باطل کاموں کی مجلس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے O (الفرقان: ۷۳)

قرآن مجید کو غفلت اور بے پرواہی سے سننے کی مذمت

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ان کے سامنے جب قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ آخرت اور حشر کے دن کو یاد کرتے ہیں اور قرآن کریم کو غفلت سے نہیں سنتے۔

(۲) وہ کفار کی طرح قرآن سے اعراض کرتے ہوئے بہرے اور اندھے ہو کر قرآن کریم کو نہیں سنتے۔

(۳) جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور ان آیات پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

(۴) ایسا نہیں ہوتا کہ قرآن مجید سننے کے باوجود وہ پہلی حالت اور اسی کیفیت میں بیٹھے رہیں اور ان پر قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی اثر نہیں ہوا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے O (الفرقان: ۷۴)

مال اور اولاد میں کثرت کی دعا کا جواز

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اولاد کے حصول کی دعا کرنی جائز ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی ہے:

رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ — اے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

(آل عمران: ۳۸)

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ○ (مریم: ۵)　　پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔

اس آیت میں اولاد کے لیے ذریات کا لفظ لایا گیا ہے' ذریت اصل میں چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں' لیکن عرف میں چھوٹے اور بڑے سب بچوں کے لیے ذریت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے' ذریت کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے' ذریت کا لفظ ذَرَءَ سے مشتق ہے جس کا معنی پیدا کرنا اور پھیلانا ہے' یا یہ لفظ ذَرّ'' سے بنا ہے جس کا معنی بکھیرنا ہے۔

قرۃ اعین میں قرۃ کا لفظ قرار سے بنا ہے قرت عینک کا معنی ہے تمہاری آنکھ برقرار رہے۔ یا قر سے بنا ہے جس کا معنی ٹھنڈک ہے قرت عینک کا معنی ہے تمہاری آنکھ ٹھنڈی رہے۔ غم کے وقت گرم آنسو نکلتے ہیں اور خوشی کے وقت ٹھنڈے آنسو نکلتے ہیں' عرب کہتے ہیں اللہ دشمن کی آنکھیں گرم کردے اور دوست کی آنکھیں ٹھنڈی کردے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس کی والدہ) کے گھر گئے' وہ آپ کے لیے کھجوریں اور گھی لے کر آئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھی کو اپنے مشکیزہ میں اور کھجوروں کو اپنے برتن میں لوٹا دو' کیونکہ میں روزے سے ہوں' پھر آپ نے گھر کے ایک گوشے میں کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھی اور حضرت ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی' حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک خاص اولاد ہے! آپ نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا آپ کا خادم انس' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی ہر خیر کی حضرت انس کے لیے دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! اس کو مال اور اولاد عطا فرما اور ان میں اس کو برکت دے! حضرت انس نے کہا میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور جب حجاج بصرہ میں آیا تو میری پشت سے ایک سو بیس بیٹے دفن ہو چکے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کے مال اور اولاد میں کثرت اور برکت کی دعا فرمائی اس سے حضرت انس کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت انس نے اپنے ایک سو بیس بیٹے دفن کیے اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انس نے فرمایا میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد کا عدد ایک سو سے زائد ہے' اس حدیث کے دیگر فوائد میں سے یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے شناساؤں کی ملاقات کے لیے ان کے گھر جانا اور گھر والوں کا اس کو ہدیے میں ماحضر پیش کرنا مستحب ہے' اور اگر آنے والا کسی شرعی عذر کی وجہ سے اس کے ہدیے کو قبول نہ کر سکے تو اس کو اپنا عذر بتا دے تاکہ وہ رنجیدہ نہ ہو' اور جب ہدیہ پیش کرنے والا اس کو واپس اپنے پاس رکھ لے تو یہ ہبہ کر کے واپس لینے کے حکم میں اور مکروہ نہیں ہے' اور کھانے پینے کی چیزوں کو حفاظت سے رکھنا چاہیے جس طرح آپ نے گھی اور کھجوروں کو دوبارہ اپنے اپنے برتنوں میں رکھنے کا حکم دیا' اور جب کوئی شخص اپنے عذر کی وجہ سے کسی کی دعوت قبول نہ کرے تو اس کے حق میں دعا کر کے اس کی تلافی کردے' اور نماز پڑھنے کے بعد دعا کرنا مشروع ہے' اور کسی حاجت کو پوری کرنے سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے' اور نماز میں دنیا اور آخرت کی خیر طلب کرنی چاہیے اور مال اور اولاد میں کثرت کی دعا اخروی خیر کے منافی نہیں ہے' اور یہ کہ دنیا کے مال میں کمی' قناعت اور زہد کی فضیلت علی العموم نہیں ہے۔ اگر تمام لوگ زاہد اور قانع ہو جائیں تو اسلام کے بہت سے احکام پر عمل نہیں ہو سکیں گے' پھر زکوٰۃ نہیں دی جا سکے گی نہ فطرانہ ادا ہوگا نہ حج اور قربانی ہوگی نہ صدقات اور خیرات ادا کیے جائیں گے' اور مالی عبادات ادا کرنے کا کوئی محل نہیں رہے گا اس لیے بعض لوگوں کے اعتبار سے زہد اور قناعت افضل ہے اور بعض لوگوں کے اعتبار سے مال میں کثرت افضل ہے' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اور امیر کو عوام کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان سے ملاقات کے لیے ان کے گھر میں جانا چاہیے' خواہ گھر والا گھر میں موجود نہ ہو کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم کے گھر گئے

تھے تو ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ ان کے گھر میں موجود نہیں تھے' اور یہ کہ اپنے نفس کے اوپر اپنی اولاد کو ترجیح دینی چاہیے' کیونکہ حضرت ام سلیم نے یہ چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیٹے حضرت انس کے لیے دعا کریں' اور یہ کہ حضرت انس کے زیادہ بیٹوں کا فوت ہو جانا ان کی اولاد میں برکت کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب وہ اولاد کی موت پر صبر کریں گے تو اس سے ان کے اجر وثواب میں اضافہ ہوگا اور یہ اخروی خیر ہے' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہیے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مال اور اولاد کی کثرت کو بیان فرمایا' اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں' کیونکہ ایک نادر امر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ مال اور اولاد کی کثرت ہے' اور ان کے جس باغ کے لیے دعا کی وہ سال میں دوبار پھل دیتا تھا اور کسی باغ کی یہ صفت نہیں تھی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی' ان کا باغ سال میں دوبار پھل دیتا تھا' اور اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ مدینہ میں رہے اور متعدد جہادوں میں شرکت کی پھر بصرہ میں رہائش اختیار کر لی پھر ۹۰ یا ۹۱ھ میں ننانوے سال کی عمر گزار کر بصرہ میں ہی فوت ہو گئے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ غزوات میں شرکت کی تھی' ثابت بنانی نے کہا حضرت انس بن مالک نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال ہے اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دو' پس میں نے اس موئے مبارک کو ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا پس ان کو دفن کر دیا گیا اور وہ بال ان کی زبان کے نیچے تھا۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۷۶' رقم: ۲۷۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اپنی اولاد کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک دنیا میں مطلوب ہے یا آخرت میں

رحمان کے بندوں کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے اپنی ایسی اولاد کے حصول کی دعا کرتے ہیں جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو یعنی ان کی اولاد ایسی ہو جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہوئے دیکھیں جس سے ان کی دنیا اور آخرت میں آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں' ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ ان کی اولاد بہت حسین وجمیل ہو اور بہت مالدار اور دنیاوی فنون میں طاق ہو' بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی اولاد ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کی بہت فرماں بردار اور بہت عبادت گزار ہو۔

امام احمد اور امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترت اور زمانہ جاہلیت میں جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہیں ان سب سے بری حالت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ اس زمانہ میں لوگوں کے نزدیک بتوں کی پرستش سے افضل کوئی دین نہیں تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرقان (قرآن مجید) کو لے کر آئے جس نے حق اور باطل میں اور والد اور اولاد میں تفریق کر دی' حتیٰ کہ ایک شخص اپنی اولاد' اپنے والد اور اپنے بھائی کو کافر سمجھنے لگا' اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں لگے ہوئے قفل کو اسلام سے کھول دیا' اور ان کو یقین ہو گیا کہ اگر ان کی اولاد کفر کے حال میں مر گئی تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جب ان کو یہ یقین ہو کہ ان کی اولاد اور ان کے دوست دوزخ میں داخل ہوں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۹۸' دار احیاء التراث العربی' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۶۶' الدر المنثور ج ۶ ص ۲۵۷)

کثیر بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ اے ابوسعید! اس آنکھوں کی ٹھنڈک کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے یا آخرت کے ساتھ؟ انہوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم! مسلمان شخص کی آنکھوں کی ٹھنڈک صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو' خود کو اور اپنے دوست کو اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہوئے دیکھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۸۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

متقین کا امام بننے کی دعا کریں یا ان کا مقتدی بننے کی

رحمٰن کے مقرب بندوں نے اس دعا کے آخر میں کہا: اور ہمیں متقین کا امام بنادے۔

حضرت ابن عباس نے کہا یعنی ہمیں ائمہ التقویٰ بنادے اور متقی لوگ ہماری اقتداء کریں۔

مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے ہمیں ایسا امام بنادے کہ ہم اپنے سے پہلے متقی مسلمانوں کی اتباع کریں اور ہم اپنے بعد والوں کے امام ہو جائیں۔ امام ابن جریر نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو متقی مسلمان تیری نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں ہمیں ان کا امام بنادے' وہ نیک کاموں میں ہماری اقتداء کریں' کیونکہ انہوں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا ہے کہ ان کو متقی لوگوں کا امام بنادے یہ سوال نہیں کیا کہ متقی لوگوں کو ان کا امام بنادے۔

(جامع البیان جز ۱۹ ص ۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام قشیری نے کہا امامت دعا سے حاصل ہوتی ہے دعویٰ سے حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی امامت اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی تائید اور اس کے احسان سے حاصل ہوتی ہے اور کوئی شخص اپنے امام ہونے کا دعویٰ کرے اس سے امامت حاصل نہیں ہوتی' حضرت عمر دعا کرتے تھے: اے اللہ ہمیں ائمہ متقین سے بنادے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دعا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں ائمہ ھدیٰ بنادے' مکحول دعا کرتے تھے اے اللہ ہمیں متقین کا امام بنادے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے اس آیت اور ان آثار میں یہ دلیل ہے کہ دین میں ریاست اور امامت کو طلب کرنے کی دعا کرنا مستحب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۸۰-۷۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ رحمٰن کے مقبول بندوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مکحول ایسے متقی اور پاک بازوں کے لیے متقین کا امام بننے کی دعا کرنا مستحب ہے' اور مجھ ایسے ناکارہ خلائق اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے کم ہمت اور کم عمل لوگوں کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں متقین کا محبّ' متبع اور مقتدی بنائے رکھے اور متقین کی اقتداء پر ہی خاتمہ کردے۔

احب الصالحین ولست منهم — میں خود نیک تو نہیں ہوں لیکن نیکوں سے محبت کرتا ہوں'

لعل اللہ یرزقنی صلاحا — تاکہ اللہ مجھے بھی نیکی عطا فرمادے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی اور وہاں ان کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے○ (الفرقان: ۷۶-۷۵)

رحمان کے مقبول بندوں کی جزاء

یعنی رحمٰن کے یہ مقبول بندے جنت میں بلند درجے کو حاصل کریں گے' غرفہ بلند و بالا عمارت کو کہتے ہیں' دنیا کی کسی بلند ترین عمارت کو دیکھ کر بھی جنت کے پرشکوہ محلات کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو یہ بلند درجات ان کے صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوں گے' اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں مشقت

برداشت کرنے میں جو صبر کیا تھا' اور یا مشرکین کی پہنچائی ہوئی اذیتوں کو برداشت کرنے میں جو صبر کیا تھا' یا اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوات کے تقاضوں کو روکنے میں جو صبر کیا تھا' اس صبر کی جزاء میں ان کو جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے اور جنت میں فرشتے ان کو سلام کریں گے۔ یا وہ خود ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا ان کا رب ان کو سلام بھیجے گا' اور ایک قول یہ ہے کہ سلام سے مراد یہ ہے کہ وہ آفات اور مصائب سے سلامت رہیں گے اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا O (الفرقان: ۷۷)

رحمٰن کے مردود بندوں کی سزا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یہ خبر دی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے اور تم نے اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ کو نہ پکارا' اور تم مسلسل اس کی تکذیب کرتے رہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں تو پھر ان میں اور جانوروں' درختوں اور پتھروں میں کیا فرق ہے۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اھل مکہ کی طرف رسول بھیج کر انہیں اپنی توحید اور اپنی عبادت کی دعوت دی اور انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی اور اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا' اب یہ تکذیب ان کو لازم رہے گی اور ان کو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دی جائے۔ ابن جریج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ عذاب ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو اہل مکہ کو جنگ بدر کے دن دیا گیا ان کے ستر افراد کو قتل کیا گیا اور ستر افراد کو قید کیا گیا اور اس عذاب کے ساتھ آخرت کا عذاب بھی اس کے ساتھ متصل اور لازم ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی بندوں کی طرف توجہ اور التفات فرماتا ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں' اس سے دعا کرتے ہیں اور اس کو پکارتے ہیں' اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں اس کے آگے سر اطاعت خم کرتے ہیں اور اسی کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکاتے ہیں' اور اس کے نام کی مالا جپتے ہیں اور جو اس کو یاد نہیں کرتے' نہ اس کو پکارتے ہیں نہ اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں' بھلا اس بے نیاز ذات کو ایسے لاتعلق رہنے والوں' منحرف اور سرکش لوگوں کی طرف التفات اور توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے!

سورۃ الفرقان کے اختتامی کلمات

سورۃ الفرقان ۲۰ شعبان ۱۴۲۲ھ / ۷ نومبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ کو شروع کی تھی اور آج آٹھ رمضان ۱۴۲۲ھ / ۲۵ نومبر ۲۰۰۱ء بروز اتوار کو بعد نماز ظہر اس کی تفسیر ختم ہوگئی اس طرح صرف اٹھارہ روز میں سورۃ الفرقان کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ فالحمدللہ رب العالمین.

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا اور بے انداز شکر ہے اور اس کا بے حد کرم ہے کہ اس نے اس ناکارہ' کم علم' کم فہم اور کم سواد شخص کو یہ حوصلہ اور یہ ہمت عطا فرمائی کہ اس نے گوناگوں عوارض اور مسائل کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر کے اس سفر کو جاری رکھا اور اس کام کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ بعض مخالفین اور معاندین کی تحریریں میرے علم میں آتی رہتی ہیں لیکن میں ان کے جواب اور جواب الجواب اور پھر اس کے جواب کے چکر میں پڑ کر اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا' ان میں جو کوئی معقول شبہ ہوتا ہے اس کا

جواب میری بعد کی کسی تحریر میں مناسب مقام پر آ جاتا ہے' افسوس اور رنج کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں کسی سنجیدہ انداز سے تنقید نہیں کی جاتی بلکہ تنقید کرنے والوں کی تحریر میں جارحیت اور سب وشتم اور بدگمانی اور اتہام اور الزام تراشی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے' ایک اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلک کے اجارہ دار وہی لوگ ہیں جنہوں نے کوئی علمی اور تحقیقی کام نہیں کیا جو اپنے عوام کا سرمایہ صرف نمود ونمائش اور غیر تعمیری کاموں میں صرف کرتے ہیں' لیکن حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا دائرہ اب سمٹتا جا رہا ہے اور جیسے جیسے علم اور آ گہی کی روشنی پھیلتی جا رہی ہے ایسے لوگ گمنامی کے غار میں گرتے جا رہے ہیں' اور آنے والا دوران ہی کا ہے جن کے پاس اسلام کی تعلیمات کے متعلق ٹھوس مواد اور قابل ذکر اور لائق شمار علمی لٹریچر ہوگا۔

اس تفسیر کی تحریر کے دوران کچھ حقائق سامنے آتے رہتے ہیں جس کی وضاحت کے لیے اور ان امور میں اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے میں سورت کے اختتامی کلمات میں کچھ لکھ دیتا ہوں۔ اب میری عمر چونسٹھ سال کی ہو چکی ہے' کچھ عمر کے تقاضے سے کمزوری ہے' کچھ مختلف بیماریوں کی وجہ سے ناتوانی ہے' کون جانے کب رشتہ حیات منقطع ہو جائے' یہ کام مکمل ہو سکے یا نہ ہو سکے' بہر حال جب تک رمق حیات باقی ہے میں ان شاء اللہ العزیز تفسیر لکھنے کے اس سفر کو جاری رکھوں گا' اللہ تعالیٰ نے ہی اس تفسیر کو شروع کرانے کی توفیق دی تھی اور وہی اس کو مکمل کرانے والا ہے!

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے' اور تا قیامت اس کو مقبول اور اثر آفرین رکھے اور محض اپنے فضل سے اور اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت سے میری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے اور میری اس کتاب کے ناشر' اس کے مصحح اور اس کے کمپوزر اور دیگر معاونین کی مغفرت فرمائے' اور ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا' عذاب اور پریشانی سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور سعادت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر امتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

سُوۡرَةُ الشُّعَرَآءِ

(۲۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الشعرآء

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الشعراء ہے اور اس لفظ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ (الشعراء: ۲۲۴) اور شعراء کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو گم راہ ہوں۔

اس سورت میں مکہ کے ان کفار کا رد فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے الشعراء کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے اور اس کا اسی سورت میں ذکر ہے۔

اس سورت کا نام طسم بھی ہے لیکن زیادہ مشہور الشعراء ہے۔ احادیث اور آثار میں ان دونوں ناموں کا ذکر ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورہ (طسم) الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سورۃ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے سوئے آخری پانچ آیتوں کے ان ہی میں سے والشعراء یتبعھم الغاون بھی ہے یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۷ ہے یہ سورت سورہ نمل سے پہلے اور سورہ واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الفرقان سے سورۃ الشعرآء کی مناسبت

سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء دونوں سورتوں کی ابتداء قرآن مجید کی تعظیم سے ہوئی ہے سورۃ الفرقان کی ابتداء میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان: ۱) وہ بہت برکت والا ہے جس نے الفرقان (قرآن مجید) کو اپنے عبد (مکرم) پر نازل کیا۔

اور سورۃ الشعراء کی ابتداء میں ہے:

طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ (الشعراء: ۲-۱) طاسین میم ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں

اور سورۃ الفرقان کی انتہاء کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح پر ہوئی ہے اور اسی طرح سورۃ الشعراء میں بھی ہے' سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں مومنوں کے متعلق فرمایا:

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا. (الفرقان: ۷۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزاء میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی۔

اور کافروں کے متعلق فرمایا:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ○ (الفرقان: ۷۷)

آپ کہیے اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے' پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا۔

اور سورۃ الشعراء میں کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح کے متعلق فرمایا:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ○ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ○ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○ (الشعراء: ۲۲۷-۲۲۴)

اور شعراء کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو گم راہ ہیں ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شعراء ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ○ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے ○ سوا ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا' اور ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا' اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں ○

سورۃ الفرقان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا' اور اس سورت میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے' اس کے علاوہ سورۃ الفرقان میں حضرت نوح' عاد' ثمود اور اصحاب الرس کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا اور اس سورت میں ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' ان کے علاوہ بعض دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا بھی اس سورت میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ الشعرآء کے مقاصد اور مسائل

(۱) اس سورت میں قرآن مجید کی تعظیم اور تکریم بیان کی گئی ہے' اس کی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ چیلنج کیا گیا اور یہ بتایا گیا ہے اس کی نظیر کوئی نہیں لا سکتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو جو قرآن مجید کی دعوت دیتے تھے اور وہ اس سے اعراض کرتے تھے اور جواب میں دل آزار باتیں کہتے تھے۔ ان پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

(۲) کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ ان کی ہٹ دھرمی اور فضول اعتراضات سے ملول اور پریشان نہ ہوں' آپ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے ان کے زمانہ میں بھی مشرکین ان پر ایسے ہی اعتراضات کرتے تھے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت آیت: ۶۸-۱۰ میں بیان کی گئی ہے۔ ۱۰۴-۶۹ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پیش کرنے کا ذکر ہے' اس کے ضمن میں مشرکین کے انجام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲۲-۱۰۵ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کی طرف سے جو جواب دیا گیا اس کا اور ان کے انجام کا ذکر ہے' ۱۴۰-۱۲۳ میں حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کو جو دعوت دی تھی اور ان کی قوم نے جو متکبرانہ جواب دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں

جو ان پر عذاب نازل ہوا اس کا ذکر فرمایا ہے' ۱۵۹-۱۴۱ میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم ثمود کا جواب اور ان کے انجام کا ذکر ہے' ۱۷۵-۱۶۰ میں حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کے جواب اور اس کے انجام کا ذکر ہے۔ ۱۹۱-۱۷۶ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم مدین کے جواب اور ان کے انجام کا ذکر ہے اور ۲۲۷-۱۹۲ تک ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کے لیے بہ طور تمہید انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) یہ فرمایا ہے کہ تم پچھلی قوموں کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نشانی اور معجزہ کو طلب کر رہے ہو کیا تمہارے لیے اس قرآن کی صورت میں جو نشانی اور معجزہ ہے وہ کافی نہیں ہے۔

(۵) یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی ہے اور کفار کا اس کو جنات اور کاہنوں کا کلام قرار دینا یا اس کو محض شعر و شاعری قرار دینا باطل ہے۔

سورۃ الشعرآء کی فضیلت

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پر عمل کرو' اس کے حلال کو حلال قرار دو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو' اس کی اقتداء کرو اور اس کی کسی چیز کا انکار نہ کرو' اور اس کی آیات متشابہات کو اللہ کی طرف لوٹا دو اور میرے بعد جو علماء راسخین ہیں ان کی طرف' اور تورات اور انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ' اور ان مصاحف پر جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیے گئے' اور قرآن اور اس کی سورتیں تم پر وسعت کریں گی کیونکہ یہ شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ سنو! اس کی ہر آیت قیامت کے دن نور ہوگی' اور مجھے ذکر اول سے سورۃ البقرہ دی گئی ہے اور مجھے طٰہٰ اور طواسین (وہ سورتیں جن کے شروع میں طٰسٓمٓ ہے) اور الحوامیم (وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰمٓ ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الواح سے دی گئیں اور فاتحۃ الکتاب مجھے عرش کے نیچے سے دی گئی۔

(المستدرک ج ا ص ۵۶۸ قدیم' المستدرک جدید رقم: ۲۰۸۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۷۸)

علامہ ذہبی نے اس حدیث کی سند پر تعقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں عبید اللہ ہے امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کو ترک کر دو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات کے بدلہ میں السبع الطّوال (شروع کی سات لمبی سورتیں) عطا فرمائیں۔ اور انجیل کی جگہ مئین (جن سورتوں میں سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں) عطا فرمائیں اور الزبور کی جگہ الطّواسین عطا فرمائیں اور الحوامیم اور الطّواسین کی وجہ سے مجھ کو فضیلت دی مجھ سے پہلے ان کو کسی نبی نے نہیں پڑھا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۲۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۸۱)

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الشعراء کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں' الہ العالمین مجھے اس سورت کے ترجمہ میں غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھنا حق بات کو مجھ پر آشکار کرنا اور اس کی اتباع عطا فرمانا اور باطل سے بھی مجھے آگاہ کرنا اور اس سے اجتناب عطا فرمانا۔ آمین!

بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۲۷ نومبر ۲۰۰۱ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

آیاتہا ۲۲۷ رکوعاتہا ۱۱ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | (۲۶) سورۃ الشعراء مکیۃ (۴۷)

سورۃ الشعراء مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس کی دو سو ستائیس آیات، گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

طاسین میم ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ (اے رسول مکرم!) شاید آپ اس غم میں جان دے دیں گے

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ اگر ہم چاہتے تو ان کے اوپر آسمان سے ایسی نشانی نازل

اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ

کر دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہتیں ○ اور جب بھی ان کے پاس رحمٰن کی طرف

مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ

سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے یہ اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ○ سو انہوں نے

كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ

تکذیب کی پس ان کے پاس عنقریب اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○ کیا انہوں

يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾

نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں ○

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ بے شک

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾ ع

آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو اپنے کلام کی بلندی اور اپنی شان کی عظمت پر خود دلالت کرتا ہے، وہ رحمٰن ہے جو اپنی معصیت کرنے والوں پر گرفت کرنے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، اور رحیم ہے جو اس سے محبت کرنے والوں کے

دلوں کو ان کاموں کی توفیق سے زندہ رکھتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین میم O یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں O (الشعراء: ۲-۱)

طٰسٓمٓ کے محامل

علی بن طلحہ الوالبی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ طٰسٓمٓ قسم ہے' اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' قتادہ نے کہا یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' مجاہد نے کہا یہ اس سورت کا اسم ہے' محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی بلندی' اپنی قوت اور اپنی سلطنت کی قسم کھائی ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۲-۲۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الکتاب المبین کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں' اس کا معنی یہ ہے: یہ سورت' اس روشن کتاب کی آیتوں کا مجموعہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سورت کے مخاطب کفار مکہ ہیں تو اس سورت کی آیات ان کے لیے ان احکام کو کیسے بیان کرنے والی ہوں گی جن پر عمل کرنا ان کے لیے لازم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قرآن کی کسی ایک سورت کی نظیر لانے کا ان کو چیلنج دیا گیا اور جب وہ ایک بڑے عرصہ تک اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے عاجز رہے تو یہ واضح ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت ثابت ہو گئی اور چونکہ یہ کلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اس لیے آپ کی رسالت بھی ثابت ہو گئی' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے بیان کیے ہوئے تمام احکام پر ایمان لائے اور ان پر عمل کرے۔

الکتاب المبین کا معنی ہے واضح اور روشن بیان کرنے والی کتاب' قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کو ماننے کا حکم دیا ہے اور شیطان اور بتوں کو ماننے اور ان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے' اور اس حکم کو قرآن مجید نے وضاحت سے آسان اور سادہ دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے' اسی طرح نماز پڑھنے' روزہ رکھنے' زکوٰۃ ادا کرنے حسب استطاعت حج کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' والدین' رشتہ داروں' پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے' عفت اور پاک دامنی کا حکم دیا ہے' شراب پینے' جوا کھیلنے' سود کھانے' چوری' ڈاکا' زنا' لوگوں کی حق تلفی کرنے اور ناجائز مال کھانے سے منع فرمایا ہے' یہ احکام اس کتاب میں بہت آسان اور سادہ طریقے سے بیان کر دیے ہیں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کتاب میں کیا احکام ہیں کس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کس کام کے کرنے سے منع کیا ہے' اور اس کتاب نے جو احکام دیے ہیں ان کے معقول' درست اور قابل عمل ہونے کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور یہ احکام ایسے نہیں ہیں کہ ان کو شعر و شاعری' جنات کی بتائی ہوئی جھوٹی سچی باتیں یا جادو کہا جا سکے' یہ انسان کے عمل کرنے کے لیے کھلے کھلے احکام ہیں' ان میں کوئی پہیلی یا بجھارت نہیں ہے' اور ہر انصاف پسند شخص یہ تسلیم کرے گا اور مانے گا کہ دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی ان ہی احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے تو اب اس بات کی صداقت میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) شاید آپ اس غم میں جان دے دیں گے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O (الشعراء: ۳)

کفار کے ایمان نہ لانے سے شدت غم میں گھلنے سے آپ کو منع فرمانا

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: باخع کا معنی ہے شدت غم سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا۔ اگر کوئی شخص انتہائی ناگواری کے ساتھ کسی چیز کو مان لے یا اس کا اقرار کر لے تو اس کو بھی باخع کہتے ہیں۔ اس آیت میں آپ کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ آپ کفار کے ایمان نہ لانے پر غم اور افسوس کرنا چھوڑ دیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۴۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس مضمون کی مزید آیات حسب ذیل ہیں:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکھف: ۶)

پس اگر یہ لوگ (کفار مکہ) اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۔ (فاطر: ۸)

پس ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

کفار مکہ کے ایمان نہ لانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج اور قلق ہوتا تھا' ان آیتوں میں اس کا اظہار کیا گیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے' ان کے گھروں پر جا جا کر دستک دیتے اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے' وہ آپ کے پیچھے خاک اڑاتے تھے' آوازے کستے تھے' آپ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے' طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے لیکن ان میں سے کوئی چیز آپ کو ایمان کی دعوت دینے سے نہیں روکتی تھی۔ آپ مسلسل کوشش کرتے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو بہت سخت رنج اور قلق ہوتا تھا اور بعض اوقات آپ کی حالت دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ آپ شدت غم سے ان کے پیچھے جان ہار جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفقت اور محبت سے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ اس قدر غم نہ کریں' ان کو مومن بنانا آپ کے ذمہ نہیں لگایا گیا۔ آپ کے ذمہ صرف ان تک پیغام پہنچانا ہے سو آپ نے اللہ کا نام ان تک بہت خوش اسلوبی اور جاں فشانی سے پہنچا دیا ہے' اب اگر وہ ایمان نہیں لائے تو یہ ان کا نصیب اور مقدر ہے' آپ نے اپنا مشن پورا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم چاہتے تو ان کے اوپر آسمان سے ایسی نشانی نازل کر دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہتیں ○ (الشعراء: ۴)

اختیاری ایمان اور اختیاری اطاعت کا مطلوب ہونا اور جبری ایمان اور جبری اطاعت کا نامطلوب ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر متعدد معجزات اور نشانیاں دکھائیں اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید پیش کیا مگر انہوں نے ان نشانیوں کو قبول نہیں کیا اور فرمائشی معجزات طلب کرتے رہے مثلاً وہ کہتے تھے کہ آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں' یا آپ کا سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں! اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس قسم کی نشانیاں نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے' وہ چاہتا تو آسمان کے اوپر سے کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتا جس سے اضطراری طور پر ان کی گردنیں جھک جاتیں اور یہ جبراً مسلمان ہو جاتے لیکن ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ فرماتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب ایمان لے آتے' کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ

مؤمن ہو جائیں! (یونس: ۹۹)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ اس قسم کا جبری ایمان اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مصلحت کے خلاف ہے' پھر اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ لوگوں کو جبراً مومن بنائے' وہ انہیں ابتداءً مومن پیدا کر سکتا ہے وہ چاہتا تو لوگوں کو فرشتوں کی طرح بنا دیتا ان میں اختیار اور ارادہ نہ رکھتا وہ اضطراری طور پر اس کی عبادت کرتے رہتے لیکن وہ چاہتا تھا ایک ایسی مخلوق بنائے جس میں خیر اور شر کی دونوں قوتیں ہوں' اس لیے اس نے ہدایت دینے کے لیے نبی پیدا کیے اور گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا' اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رکھ دیں ایک وہ قوت ہے جو اس کو نیکی کی طرف ابھارتی ہے اور ایک وہ طاقت ہے جو اس کو برائی کی طرف ابھارتی ہے۔ پھر دنیا میں ایسی چیزیں پیدا کیں جن میں سے بعض نیکی کی اور بعض برائی کی ترغیب دیتی ہیں اور انسان کو عقل اور شعور دے دیا' اور اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلالت کرنے والی نشانیاں رکھ دیں اور خود انسان کے اندر بھی اس کی ذات کی معرفت کی نشانیاں پیدا کر دیں' اور ان نشانیوں کی طرف متوجہ کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور علماء ربانیین کو پیدا کیا اور انسان کو اختیار اور ارادہ دیا تا کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے نبی کی ہدایت کو قبول کرے اور علماء ربانیین کی رہنمائی سے اسلام کو قبول کرے یا اس کائنات کی نشانیوں سے یا خود اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کا عرفان حاصل کرے' اور قبول حق کے راستہ سے منحرف کرنے کے لیے جو شیطانی قوتیں اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں اور عبادت و ریاضت سے روکنے کے لیے دنیاوی لذتوں اور شہوتوں کی ترغیبات سامنے آئیں ان سب کو آہنی ارادہ سے رد کر دے اور اپنے اختیار اور پختہ عزم سے ایمان پر قائم رہے اور اعمال صالحہ پر جما رہے' سو ایسا ایمان اور ایسے اعمال صالحہ اس کو مطلوب ہیں ان ہی پر انعام و اکرام عطا کرنے کے لیے اس نے جنت بنائی ہے اور ان سے اعراض اور ان کا انکار کرنے والوں کے لیے اس نے دوزخ بنائی ہے یعنی اختیاری اطاعت یا اختیاری معصیت کے لیے اس نے جزاء اور سزاء کا سلسلہ قائم کیا ہے' ورنہ جبری اطاعت پر کسی انعام کی ضرورت تھی نہ کسی سزا کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آئی ہے یہ اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ○ سو انہوں نے تکذیب کی پس ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

(الشعراء: ۶-۵)

کفار کا بہ تدریج سرکشی میں بڑھنا

یعنی اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین کے پاس جو بھی ایسی نشانی لے کر آتے ہیں جو آپ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتی ہے اور اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو دلائل قدرت پھیلائے ہوئے ہیں ان کو یاد دلانے اور ان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے آپ جو بھی اقدام کرتے ہیں یہ اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں اور اس سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور آپ کے ارشادات میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اور اے نبی مکرم چونکہ انہوں نے اللہ کی آیتوں سے اور آپ کے لائے ہوئے پیغام سے اعراض اور اس کا انکار کیا ہے تو ان کے پاس عنقریب اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جن کا یہ انکار کرتے تھے اور ان سے اعراض کرتے تھے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہے کہ ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے عنقریب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا۔

ان آیتوں میں پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی یہ صفت بیان کی کہ وہ اعراض کرتے ہیں' پھر یہ صفت بیان کی کہ وہ تکذیب کرتے ہیں پھر یہ صفت بیان کی کہ وہ مذاق اڑاتے ہیں' اور ان میں ہر بعد والی صفت پہلی صفت سے زیادہ قبیح اور اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی کا موجب ہے' اور جو شخص گم راہی اور بدبختی میں آگے بڑھتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے پہلے وہ حق اور صدق سے اعراض کرتا ہے' پھر صراحت کے ساتھ اس کی تکذیب کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے پھر اس کی تکذیب بڑھتی رہتی ہے اور حق کے ساتھ اس کی مخالفت زیادہ ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ حق کا مذاق اڑانے پر تل جاتا ہے' اور کفار مکہ نے اپنے کفر میں یہی روش اختیار کی پہلے انہوں نے آپ کی دعوت سے اعراض کیا اور پیٹھ موڑی' پھر آپ کی دعوت کو جھٹلایا اور کھل کر مخالفت کی' پھر سر عام آپ کا مذاق اڑایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں O بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۹-۷)

زوج کریم کا معنی

اس آیت میں فرمایا: کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں۔ زوج سے مراد زمین کی پیداوار کے جوڑے ہیں اور کریم ہر اس چیز کی صفت ہے جو اپنی جنس اور اپنے باب میں پسندیدہ ہو اور قابل تعریف ہو' اور زمین میں جو زوج کریم ہے اس سے مراد زمین کی وہ پیداوار ہے جس کے منافع بہت زیادہ ہوں' کیونکہ زمین کی پیداوار دو قسم کی ہیں ایک وہ ہیں جو نفع آور ہوں اور دوسری قسم وہ ہیں جو نقصان دہ ہوں' کھجور کا جو درخت اچھا اور زیادہ پھل دے اس کو عرب نخلة کریمة کہتے ہیں اس طرح جو اونٹنی زیادہ دودھ دے اس کو وہ ناقة کریمة کہتے ہیں۔ شعبی نے کہا لوگ بھی زمین کی پیداوار سے ہیں جو جنت میں داخل ہوگا وہ کریم ہے اور جو دوزخ میں داخل ہوگا وہ لیئم ہے یعنی ملامت کیا ہوا۔

زوج کریم کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے مراد زمین کی ہر قسم کی پیداوار ہے' خواہ وہ فائدہ مند ہو یا نقصان دہ اور اس کی صفت کریم اس لیے بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ رکھا ہے۔ زمین کی بعض پیداوار ہمیں بہ ظاہر نقصان دہ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ان میں بھی فوائد ہوتے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔

پھر بتایا کہ زمین کی اس پیداوار میں ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانی ہے یعنی جو اس میں غور و فکر کرے اور ان میں سے اکثر اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی عقل سلیم سے کام نہیں لیتے اور ان میں صحیح غور و فکر نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا: آپ کا رب ہی بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے' اس میں عزیز یعنی غالب کے لفظ کو رحیم پر مقدم فرمایا کیونکہ اگر پہلے رحیم کے لفظ کو ذکر فرماتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ وہ لوگوں پر اس لیے رحم فرماتا ہے کہ وہ کافروں اور فاسقوں کو سزا دینے سے قاصر اور عاجز ہے' اس لیے پہلے غالب کا ذکر فرمایا کہ وہ غالب اور قاہر ہے اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ کا کفر اور سرکشی اس کی مقتضی ہے کہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس عذاب کو موخر کر دیا ہے تاکہ ان میں سے جو ایمان لانا چاہیں وہ ایمان لا سکیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ آپ ظالم قوم کے پاس جائیے O جو کہ فرعون

فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ ؕ

کی قوم ہے، کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں ○ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ○

وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے ○

وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا

اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○ فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوگا! سو تم دونوں ہماری

بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ

نشانیاں لے کر جاؤ، بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے ○ لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾ ؕ قَالَ

دونوں رب العٰلمین کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں ○ کہ تو بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر دے ○ فرعون نے کہا

اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ ۙ

کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی، اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس نہیں بسر کیے تھے ○

وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ

اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ناشکروں میں سے تھے ○ موسیٰ نے کہا

فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا

میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا ○ سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو

خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۱﴾

میں تمہارے پاس سے چلا گیا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا ○

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۲﴾ ؕ قَالَ

اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے! ○ فرعون نے کہا

فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

رب العلمین کی کیا تعریف ہے؟ ○ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمینوں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا

اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو! ○ فرعون نے اپنے گرد بیٹھنے والوں سے کہا

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ

کیا تم غور سے سن رہے ہو! ○ (موسیٰ نے) کہا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے ○ فرعون نے کہا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ

(اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے ○ موسیٰ نے (پھر) کہا

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ

وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ○ فرعون نے کہا:

لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا ○

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ

موسیٰ نے کہا خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! ○ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

چیز لے آؤ! ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک کھلم کھلا اژدہا بن گیا ○

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ آپ ظالم قوم کے پاس جائیے ○ جو کہ فرعون کی قوم ہے کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں! ○ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ○ اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی، سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے ○ اور ان کا مجھ پر ایک

قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے O (الشعراء: ۱۴-۱۰)

گزشتہ رسولوں کے واقعات سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں بیان کیا گیا ہے وہ سورتیں یہ ہیں: البقرۃ' الاعراف' یونس' ہود' طٰہٰ' الشعراء' النمل' القصص' المومن' السجدۃ اور النازعات وغیرہ اور ان سورتوں میں مختلف اسالیب کے ساتھ اس قصہ کو مختلف حکمتوں سے بیان فرمایا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معرکہ کو یہاں اس طور سے بیان فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت رنج اور تکلیف ہوتی تھی کہ آپ نے بار بار کفار قریش کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر قرآن کریم میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ ان کو سنائے اور اپنے رسول ہونے پر علمی' عقلی اور حسی نشانیاں اور معجزات پیش کیے اور اس پیغام کو قبول نہ کرنے کی صورت میں عذاب الٰہی سے متعدد بار ڈرایا لیکن کفار قریش پر اس پیہم تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا' وہ بدستور اپنے انکار پر جمے رہے اور آپ کی مخالفت پر ڈٹے رہے' اس صورت حال سے آپ کو اس قدر رنج ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں گھل گھل کر اپنی جان دے دیں گے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ کو پیغام حق سنانے کی راہ میں کفار کی مخالفت کا جو سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے' پھر حضرت موسیٰ' حضرت ابراہیم' حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات سنائے اور یہ بتایا کہ ان رسولوں نے جب پیغام حق سنایا تو ان کو کتنی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس کے باوجود ان رسولوں کی امتوں سے بہت کم افراد ایمان لائے اور اکثر لوگ اپنے انکار اور تکذیب پر ڈٹے رہے' سو اگر آپ کی قوم کے اکثر افراد بھی آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور آپ پر ایمان نہیں لا رہے تو اس پر رنج اور افسوس نہ کریں۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنانے کی حکمت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہایت موزوں ہے کیونکہ متعدد وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے زیادہ قوی تھے' زیادہ اثر ورسوخ والے تھے' اور حضرت موسیٰ کو نقصان پہنچانے پر قادر تھے' حتیٰ کہ ان کے خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی جس طرح آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی' اور جیسے آپ کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے ایسے ہی حضرت موسیٰ کے متعدد معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود فرعون اور اس کی قوم کے قبطی ایمان نہیں لائے اور جس طرح فرعون کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا' اور حضرت موسیٰ کو کامیاب اور سرخ رو فرمایا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے متعدد غزوات میں کفار مکہ کو ذلیل وخوار کیا اور آپ کو فتح اور نصرت عطا فرمائی اور بالآخر پورا مکہ بلکہ پورا جزیرہ عرب آپ کے تابع اور آپ کا مطیع ہو گیا' اس لیے آپ ان وقتی مخالفتوں سے نہ گھبرائیں بالآخر کامیابی اور غلبہ آپ ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا زیادہ قوی ہونا

ہم نے یہ لکھا ہے کہ کئی وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے زیادہ قوی تھے کیونکہ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور اس کی قوم اس کو بادشاہ سے بڑھ کر خدا مانتی تھی۔ اس کے برخلاف آپ کے مخالف کفار مکہ

تھے جو مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے مکہ کا کوئی بادشاہ اور فرماں روا نہ تھا' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ بنو ہاشم تھا' اور بہت معزز قبیلہ تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا اور بنو اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم نے غلام بنایا ہوا تھا' اور بنو اسرائیل مصر میں محکومی اور پس ماندگی کی زندگی گزار رہے تھے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے برسر اقتدار قوم کے ایک فرد کو قتل کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے انتقام اور ظلم سے بچنے کے لیے مدین ہجرت کر گئے تھے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام نبوت پر فائز کیا اور فرعون کے دربار میں جانے کا حکم دیا۔ یہ بہت کٹھن اور جاں گداز حالات تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وقت کے ایک بادشاہ کے خلاف پیغام حق سنانے اور فرعون کے دعویٰ ربوبیت کے خلاف اللہ تعالیٰ کی توحید کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت موسیٰ کی زبردست مخالفت کی گئی لیکن آپ توحید کا پیغام سنانے سے دست کش نہ ہوئے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام تر بے سروسامانی کے باوجود کامیاب ہوئے اور فرعون اپنے جاہ و حشم کے باوجود ناکام رہا۔ سو آپ بھی کفار مکہ کی مخالفت سے نہ گھبرائیں اور ان کی دل آزار باتوں سے ملول خاطر نہ ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا تھا اس طرح آپ کو بھی کفار مکہ کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ہارون کے لیے رسالت کا سوال کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جا کر پیغام حق سنانے کا حکم دیا اور ان کے متعلق فرمایا کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں! یعنی فرعون اور اس کی قوم کے حال پر تعجب کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور آخرت میں اس کے عذاب سے کس قدر بے خوف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ندا اور اس کے کلام کو سنا' امام ابوالحسن اشعری کے مذہب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو سنا جو آواز اور الفاظ کی مشابہت سے منزہ ہے اور ابومنصور ماتریدی کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا وہ کلام سنا جو آواز اور الفاظ کی جنس سے تھا۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے' اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے' یعنی حضرت موسیٰ نے یہ کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھوٹا قرار دیں گے اس سے مجھے رنج اور افسوس ہو گا اور آپ کا پیغام پہنچانے کے لیے جس روانی سے بات کرنی چاہیے وہ مجھے حاصل نہیں ہے۔ میرے بھائی ہارون میری بہ نسبت زیادہ فصیح اللسان ہیں سو آپ ان کو بھی منصب نبوت عطا فرمائیں۔ سورۂ طٰہٰ میں اس مضمون کو اس طرح فرمایا تھا:

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ○ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ○ — اور میرے اہل میں سے میرا ایک وزیر (مددگار) بنا دے○

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۙ○ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ○ — میرے بھائی ہارون کو○ اور ان سے تو میری کمر کو مضبوط کر دے○

(طٰہٰ: ۳۲-۲۹) اور ان کو میرا شریک کار بنا دے۔

حضرت موسیٰ نے اپنے بجائے حضرت ہارون کی رسالت کا سوال کیا تھا یا اپنی مدد کے لیے؟

سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں بہ ظاہر تعارض ہے' کیونکہ سورۃ الشعراء: ۱۳ کا یہ معنی ہے کہ تو رسالت کو حضرت ہارون کے ذمہ لگا دے یعنی ان کو رسول بنا دے اور سورۂ طٰہٰ: ۳۰ کا یہ معنی ہے: کہ حضرت ہارون کو میرا مددگار بنا دے' اسی طرح سورۂ قصص میں فرمایا:

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ — اور میرا بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے تو

رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ اس کو بھی مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ (القصص:۳۴)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں:

سورۃ الشعراء: ۱۳ کا یہ معنی ہے کہ تو جبریل کو میرے بھائی کے پاس وحی دے کر بھیج دے تا کہ وہ میری مدد اور معاونت کریں' اور اس آیت میں صراحۃً یہ نہیں فرمایا تا کہ وہ میری مدد کریں' جیسا کہ سورۃ طٰہٰ: ۳۰ اور سورۃ القصص: ۳۴ میں فرمایا ہے کیونکہ ان سورتوں میں صراحۃً رسالت کا ذکر کر دینے سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی تھی کہ ان کی مدد کے لیے حضرت ہارون کو رسول بنا دیا جائے اس لیے سورۃ الشعراء: ۱۳ کا یہ معنی نہیں ہے کہ تو میرے بجائے حضرت ہارون کو رسول بنا دے' اور جب ایک جگہ کسی سبب اور علت کا ذکر کر دیا جائے تو دوسری جگہ اس کو حذف کرنا جائز ہے اور اس حذف پر قرینہ دوسری جگہ اس سبب کا ذکر ہوتا ہے کلام عرب میں اس کی بہت نظائر ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس تعارض کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ممکن ہے کہ ابتداءً حضرت موسیٰ کی درخواست یہی رہی ہو کہ آپ کے بجائے حضرت ہارون کو اس منصب پر مامور کیا جائے اور بعد میں آپ نے محسوس کیا ہو کہ مرضی الٰہی آپ ہی کو مامور کرنے کی ہے تو پھر یہ درخواست کی ہو کہ انہیں آپ کا وزیر اور مددگار بنایا جائے' یہ شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ ان کو وزیر بنانے کی درخواست نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ عرض کر رہے ہیں کہ فارسل الی ھارون آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں' اور سورہ طٰہٰ میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک وزیر مقرر فرما دیجئے' میرے بھائی ہارون کو' نیز سورہ قصص میں وہ یہ عرض کرتے ہیں کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ زبان آور ہیں لہٰذا آپ انہیں مددگار کے طور پر میرے ساتھ بھیجئے تا کہ وہ میری تصدیق کریں' اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ موخر الذکر دونوں درخواستیں بعد کی تھیں اور پہلی بات وہی تھی جو حضرت موسیٰ سے اس سورے میں نقل ہوئی ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۸۲' مطبوعہ لاہور' مارچ ۱۹۸۳)

ہمارے نزدیک سید ابو الاعلیٰ مودودی کا جواب صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس جواب سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف تھی اللہ تعالیٰ انہیں نبی بنانا چاہتا تھا اور وہ نبی بننا نہیں چاہتے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ تو میرے بجائے میرے بھائی ہارون کو نبی بنا دے' ثانیاً اس لیے کہ اس جواب کی بنا محض امکان' مفروضے اور اٹکل پچو پر ہے کسی تاریخی واقعہ کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ پہلے فلاں واقعہ ہوا اور پھر فلاں واقعہ ہوا بغیر تاریخی شہادت کے صحیح نہیں ہے' اور ثالثاً اس لیے کہ سورۃ طٰہٰ کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۴۵ ہے اور سورۃ الشعراء کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۴۷ ہے (التحریر والتنویر لابن عاشور) نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے سورہ طٰہٰ نازل ہوئی پھر الواقعہ اور اس کے بعد سورۃ الشعراء نازل ہوئی (روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۰۶) پہلے اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ نازل کی اور اس میں بتا دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اس لیے رسول بنانے کی دعا کی تا کہ وہ ان کے وزیر اور مددگار ہوں اور اس کے بعد سورۃ الشعراء نازل کی جس میں اس دعا کے سبب کو حذف کر دیا کیونکہ پہلے اس کا ذکر فرما چکا تھا۔ اس لیے وہی جواب صحیح ہے جس کا علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت موسیٰ کی طرف ذنب کی نسبت کی توجیہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اسرائیلی اور ایک قبطی میں لڑائی ہو رہی تھی‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کو بچانے کے لیے قبطی کو تادیباً ایک گھونسا مار دیا تھا وہ شخص اتفاقاً گھونسا لگنے سے مر گیا‘ حضرت موسیٰ نے اس کو قتل کرنے کے ارادہ سے اس کو گھونسا نہیں مارا تھا نہ عادۃً کوئی شخص ایک گھونسے سے مرتا ہے۔ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ قوم فرعون کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی ہے اور وہ اس قبطی کے انتقام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ مصر کو چھوڑ کر مدین کی طرف چلے گئے‘ آٹھ دس سال بعد اچانک اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں اور انہیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ ان لوگوں نے تو ان کے خلاف ایک قبطی کو قتل کرنے کے سلسلہ میں پہلے ہی ایک الزام قائم کیا ہوا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں توحید کا پیغام سنانے سے پہلے وہ ان سے اس قتل کے سلسلہ میں باز پرس کرنا شروع کر دیں اور ان سے بدلہ لینے کے لیے ان کو قتل کرنے کی کارروائی شروع کر دیں۔

منکرین عصمت نبوت اس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود گناہ کرنے کا اعتراف کیا ہے ولھم علی ذنب ان کا مجھ پر ایک گناہ ہے‘ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوتے ہیں‘ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کا محمل یہ ہے کہ ان کے زعم میں میرا ایک گناہ ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ فی الواقع میں نے گناہ کیا ہے‘ رہا یہ کہ کیا قتل کرنا گناہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا تھا‘ آپ نے اس کو تادیباً ایک گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الٰہی سے مر گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہوگا! سو تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ‘ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے○ لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم دونوں رب العالمین کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں○ کہ تو بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر دے○ فرعون نے کہا کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے○ اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ناشکروں میں سے تھے○ موسیٰ نے کہا میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا○ سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے چلا گیا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا○ اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے○ (الشعراء: ۲۲-۱۵)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناشکری کا الزام لگانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کا سوال کیا تھا‘ ایک یہ کہ ان سے فرعون کے شر کو دور کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ حضرت ہارون کو بھی رسول بنا دیا جائے‘ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سوال کو یہ فرما کر پورا کیا ہرگز ایسا نہیں ہوگا‘ یعنی فرعون تمہارے خلاف کوئی شرارت نہیں کر سکے گا‘ اور دوسرے سوال کو یہ فرما کر پورا کیا لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول ہیں۔

جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون فرعون کے دربار میں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے لیے گئے‘ امام رازی نے کہا وہ ایک سال تک دروازے پر منتظر رہے اور ان کو دربار میں جانے کی اجازت نہیں ملی‘ حتیٰ کہ دربان نے کہا کہ دربار کے باہر ایک شخص کھڑا ہوا ہے جس کا زعم یہ ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا اس کو بلاؤ‘ ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے دل لگی

کریں' جب ان دونوں نے پیغام حق سنایا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا' اس نے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گنوائیں' پھر اپنے زعم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناشکری اور احسان ناسپاسی کا ذکر کیا۔ اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے یہ کہا کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے' اور اس نے اپنے خیال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو ناشکری بیان کی وہ یہ تھی اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے' اور تم ناشکروں میں سے تھے۔ فرعون نے کہا تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تیس سال رہے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں قبطی کو گھونسا مارا تھا' اس کے بعد وہاں سے ہجرت کر گئے تھے اور صحیح مدت کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔

فرعون نے کہا اور تم ناشکروں میں سے تھے' اس قول کے کئی محمل ہیں' ایک محمل یہ ہے کہ جس وقت تم نے اس قبطی کو قتل کیا اس وقت تم میرے احسانات کو فراموش کرنے والے تھے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم ان لوگوں میں سے تھے جن کی عادت کفران نعمت ہے' اور جس شخص کی یہ عادت ہو اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی نعمت کے خواص کو قتل کر ڈالے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ تم فرعون اور اس کی ربوبیت کا کفر کرنے والے تھے یا ان لوگوں میں سے تھے جو فرعون اور اس کی ربوبیت کا کفر کرنے والے تھے۔

حضرت موسیٰ کا ناشکری کے الزام کا جواب دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اعتراض یا اس کے الزام کے جواب میں فرمایا: میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا' یعنی اس وقت مجھ پر وحی نہیں آتی تھی اور اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میرے اس فعل کا کیا انجام ہوگا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ طور تادیب اس کو ایک گھونسا مارا تھا اور آپ کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ ایک گھونسے سے مر جائے گا' اور جو شخص کسی پر ظلم اور زیادتی کر رہا ہو اس کو تادیباً مار کر دوسرے شخص کو ظلم سے بچانا مستحسن کام ہے' بلکہ بعض اوقات یہ واجب ہو جاتا ہے' وہ قبطی اس اسرائیلی پر ظلم اور زیادتی کر رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو گھونسا مار کر اسرائیلی کو اس کے ظلم سے بچایا' مگر وہ قبطی اس ضرب سے مر گیا' ان کا قصد اس کو قتل کرنا نہیں تھا نہ ان کے پاس کوئی آلۂ قتل تھا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ انہوں نے عمداً فرعون کے احسانات کا کفر کرنے کے لیے اس قبطی کو قتل نہیں کیا تھا' اس لیے فرعون کا حضرت موسیٰ کو ناشکروں میں سے قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرمایا: سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے چلا گیا' اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی جب میں نے اس قبطی کو گھونسا مارا تھا اس وقت میں اس سے بے خبر تھا کہ میرا یہ گھونسا جان لیوا ثابت ہوگا' میرا یہ فعل زیادہ سے زیادہ سہو کے حکم میں تھا اور میں اس فعل کی وجہ سے مصر سے نکل جانے کا مستحق نہ تھا۔ اس کے باوجود جب میں نے سنا کہ تمہارے درباری مجھے قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں تو پھر میں مصر چھوڑ کر مدین کی طرف چلا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وضاحت سے یہ بتایا کہ نہ میں نے کوئی ناشکری کی اور نہ تمہارا مجھ پر کوئی احسان ہے بلکہ درحقیقت تم نے میرے ساتھ بدسلوکی کی کیونکہ جو فعل مجھ سے سہواً سرزد ہوا تم نے اس کی وجہ سے میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔

علم کے کمال کے بعد منصب نبوت عطا فرمانا

اس کے بعد فرمایا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب

یہ تھا کہ تم نے تو میرے ساتھ بدسلوکی کی لیکن میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا بایں طور کہ مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔

اس آیت میں حکم سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں' ابن سائب نے کہا اس سے مراد نبوت ہے' اور مقاتل نے کہا اس سے مراد فہم اور علم ہے۔ (زاد المسیر ج ٦ ص ١٣٠) امام رازی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد فہم اور علم ہے' کیونکہ نبوت کا ذکر تو اس کے بعد اس قول میں مذکور ہے اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا اور معطوف' معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے' پس حکم سے مراد علم اور فہم ہے' اور علم میں عقل اور رائے بھی داخل ہے اور اگر علم سے مراد توحید کا علم لیا جائے تو وہ زیادہ قریب ہے' کیونکہ اس وقت تک کسی کو منصبِ نبوت پر فائز کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی عقل' رائے اور توحید کا علم کامل نہ ہو جائے۔

فرعون کے اس احسان کا جواب کہ اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی

فرعون نے حضرت موسیٰ پر یہ احسان جتایا تھا: کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی' اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کے ہاتھوں میں تربیت اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے بنو اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا' گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اگر تو ہم پر اور ہمارے آباء واجداد پر یہ ظلم نہ کرتا کہ بنو اسرائیل کو غلام بناتا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا' تو میں تیری پرورش کرنے سے مستغنی ہوتا' سو تیری پرورش مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔

(۲) تو نے میری پرورش ضرور کی تھی لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا تھا' تو تیری پرورش کا احسان اس ظلم کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

(۳) حسن بصری نے کہا اس کی تقریر یہ ہے کہ تو نے بنو اسرائیل کو غلام بنایا اور ان کے مال ومتاع پر قبضہ کر لیا اور میری پرورش کے لیے تو نے اسی مال کو خرچ کیا تو اس میں تیرا مجھ پر کیا احسان ہے۔

(۴) میری جن لوگوں نے پرورش کی ہے' وہ وہی لوگ ہیں جن کو تو نے غلام بنا رکھا تھا' تو تیرا مجھ پر کیا احسان ہے! کیونکہ میری پرورش میری ماں نے کی تھی اور ان لوگوں نے جن کو تو نے غلام بنا رکھا تھا' تو نے میرے ساتھ یہی کیا تھا کہ مجھ کو قتل نہیں کیا تھا اور کسی شخص کا کسی کو قتل نہ کرنا اس پر احسان نہیں ہے۔

(۵) تیرا یہ دعویٰ ہے کہ بنو اسرائیل تیرے غلام ہیں اور مولیٰ اپنے غلاموں کے کھانے پینے اور ان کی ضروریات پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اس کی ذمہ داری اور اس کا فرض ہے تو اس میں تیرا مجھ پر کیا احسان ہے۔

کافر اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو آیا وہ شکر کا مستحق ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کافر کسی شخص کے ساتھ کوئی نیکی یا حسن سلوک کرے تو اس کے کفر کے باوجود اس کی وہ نیکی باقی رہے گی یا اس کے کفر کی وجہ سے وہ نیکی زائل ہو جائے گی۔ بعض علماء نے کہا کہ کافر لوگوں کے ساتھ جو نیکی کرتا ہے وہ لوگوں سے اس نیکی پر شکر کا مستحق نہیں ہوتا' بلکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی توہین کی جائے اور وہ اپنی نیکی کی وجہ سے اس کا مستحق ہو کہ اس کا شکر ادا کیا جائے' اور شکر کا معنی یہ ہے کہ انعام کرنے والے کی تعظیم کی جائے

اور وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کا مستحق ہوگا کہ اس کی توہین کی جائے تو لازم آئے گا کہ وہ تعظیم کا بھی مستحق ہو اور توہین کا بھی مستحق ہو اور استحقاق میں دو ضدوں کا جمع کرنا محال ہے اور بعض دوسرے علماء نے یہ کہا کہ کفر کی وجہ سے کسی نعمت پر کافر کے شکر کا استحقاق باطل نہیں ہوتا' بلکہ کفر کی وجہ سے اس نعمت پر دنیا میں تعریف اور تحسین اور آخرت میں اس نعمت پر اجر و ثواب باطل ہو جاتا ہے' اور قرآن مجید کی اس آیت سے اس دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے' نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ماں باپ مشرک بھی ہوں تو اسلام میں ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ط (العنکبوت: ۸)

اور ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی ہے ہاں! اگر وہ یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ اس کو شریک کرلو جس کا تم کو علم نہیں ہے تو تم ان کا کہنا نہ مانو۔

اور اس مسئلہ میں حسب ذیل احادیث بھی ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قتیلہ بنت عبدالعزی نے اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر کے پاس کوئی ھدیہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر نے قتیلہ کو زمانہ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی۔ انہوں نے اپنے ھدیہ میں پنیر اور گھی بھیجا۔ حضرت اسماء نے ان کے ھدیہ کو قبول کرنے اور ان کے گھر میں آنے سے انکار کر دیا' پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ان کو گھر میں آنے دے اور ان کے ہدیہ کو قبول کرے' اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ط (الممتحنۃ: ۸)

جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ ان کے ساتھ تمہیں نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف پر مبنی سلوک کرنے سے منع نہیں فرماتا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۵' ۳۴۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۷۴)

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ مدینہ میں ہم سے ملنے کے لئے ہماری والدہ آئیں وہ مشرکہ تھیں یہ وہ زمانہ تھا جب قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح تھی' ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری والدہ رغبت سے ہمارے پاس آتی ہے' کیا ہم اس کے ساتھ صلہ رحم کریں' آپ نے فرمایا: ہاں! اس کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۷۳' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا رب العالمین کی کیا تعریف ہے؟ ○ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو تو! ○ فرعون نے اپنے گرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو! ○ (موسیٰ نے) کہا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے ○ فرعون نے کہا: (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے ○ موسیٰ نے (پھر) کہا وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ○ فرعون نے کہا: اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا ○ موسیٰ نے کہا خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! ○ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک کھلم کھلا اژدہا بن گیا ○ اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا ○ (الشعراء: ۳۳-۲۳)

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے متعلق حضرت موسیٰ اور فرعون کا مباحثہ

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی پرورش کا احسان رکھنا چاہتا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ ان کی پرورش میں اس کا کوئی احسان نہیں ہے تو اس نے بات کا رخ موڑنے کے لیے کہا بتاؤ رب العالمین کی کیا تعریف ہے' کیونکہ وہ خود اپنے لیے رب ہونے کا مدعی تھا' جب کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو تعریف میں اس چیز کے اجزاء اور اس کی جنس اور فصل بیان کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اجزاء اور جنس اور فصل سے پاک ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کے ساتھ تعریف کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آتیں' کیونکہ تعریف سے یہی مقصد ہوتا ہے کہ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ دوسروں سے مکمل طور پر ممتاز ہو جائے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف میں فرمایا وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اور یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث اور فانی ہے۔ کوئی چیز بھی پہلے موجود نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی' خود فرعون بھی پہلے موجود نہ تھا سو وہ بھی حادث ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہو' اس کائنات میں نظم اور ضبط کا تسلسل اور ہر چیز کا ان گنت حکمتوں پر مبنی ہونا زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ ممکن اور حادث نہیں ہے ورنہ وہ ان ہی کی طرح ہوتا لہٰذا وہ واجب اور قدیم ہے۔

چونکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ بتاؤ رب العالمین کیا ہے؟ یعنی اس کی ماہیت کیا ہے؟ اور حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں رب العالمین کی وہ صفات بیان کیں جن میں وہ یکتا اور منفرد ہے جن سے وہ دوسروں سے ممتاز ہے تو فرعون نے اپنے درباریوں کی طرف رخ کر کے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے رب العالمین کی ماہیت اور حقیقت پوچھی تھی اور یہ اس کی صفات بیان کر رہے ہیں! اس جاہل کو یہ پتا نہیں تھا کہ ماہیت اس چیز کی ہوتی ہے جس کے اجزاء ہوں اور جنس اور فصل ہو اور اللہ تعالیٰ جنس اور فصل سے اور اجزاء حقیقیہ سے پاک اور منزہ ہے' اجزاء کسی مرکب چیز کے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ واحد ہے' جو اجزاء سے بنا ہو وہ حادث ہوتا ہے اور اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے سب اس کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف صرف ان صفات سے کی جا سکتی ہے جن صفات میں وہ منفرد ہے اور سب سے ممتاز ہے' سو وہ تعریف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' پھر مزید وضاحت کے لیے حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے' اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا کہ تو بھی حادث اور مخلوق ہے اور تیرے باپ دادا بھی حادث اور مخلوق تھے' کیونکہ تیرے وجود سے پہلے تیرا عدم تھا اور تیرے باپ دادا کے وجود سے پہلے ان کا عدم تھا اور جس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہو وہ حادث ہوتا ہے سو تو بھی حادث اور مخلوق ہے اور تیرے باپ دادا بھی حادث اور مخلوق تھے اور جو حادث اور مخلوق ہو وہ خدا ہو سکتا ہے نہ خالق ہو سکتا ہے۔ خدا اور خالق وہ ہے جس نے تجھ کو اور تیرے باپ دادا کو پیدا کیا۔ حضرت موسیٰ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی عام صفات سے استدلال کیا تھا اب اس کی خاص صفات سے استدلال کیا' کیونکہ انسان آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کے احوال کی بہ نسبت اپنے اور اپنے باپ دادا کے احوال بہتر طریقہ سے پہچانتا ہے' فرعون حضرت موسیٰ کی اس دلیل کا بھی حسب سابق کوئی جواب نہ دے سکا تو جھنجھلا کر یہ کہنے لگا (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے ○ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور اسلوب سے رب العالمین کی تعریف کی اور کہا وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' اگر تم عقل

رکھتے ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رب العالمین وہ ہے جو سورج اور چاند ستاروں کو ایک مقرر وقت اور ایک مقرر جہت سے طلوع کرتا ہے اور ایک مقرر وقت اور مقرر جہت میں غروب کرتا ہے جو اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے' جب تو نہ تھا تب بھی سورج اسی طرح طلوع اور غروب ہوتا تھا اور جب تیرے باپ دادا نہ تھے تب بھی یہ نظام کائنات اسی طرح چل رہا تھا' سو اس کائنات کا رب تو ہے نہ تیرے باپ دادا۔ اس کائنات کا رب وہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ فرعون جب حضرت موسیٰ کے دلائل سے عاجز آ گیا تو دھمکیاں دینے پر اتر آیا اور اس نے کہا:

آیا فرعون موحد تھا' مشرک تھا یا دہریہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرعون نے کہا: اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

دنیا میں یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی ظالم اور جابر شخص دلائل کا جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو پھر وہ ظلم اور جبر کرنے اور دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے' فرعون نے بھی جب یہ دیکھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے دلائل کا جواب نہیں دے سکتا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں اور کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو قید خانے میں ڈال دوں گا۔

قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تھا اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ دار تھا اور بعض آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ مانتا تھا کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے' پہلے ہم وہ آیات پیش کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ (القصص: ٣٨)

فرعون نے کہا اے قوم کے سردارو! میں اپنے سوا تمہارا کوئی اور معبود نہیں جانتا!

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ (النزعت: ٢٤)

پھر، (فرعون نے) کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ (الشعراء: ٢٩)

(فرعون نے) کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

اور درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو مانتا تھا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ١٠٢)

(موسیٰ نے) کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ معجزات آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی نازل کیے ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول برحق تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کو یقین تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ رسالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

فَلَوْلَاۤ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ (الزخرف: ٥٣)

(اگر یہ نبی ہیں تو) ان کے اوپر سونے کے کنگن کیوں نہیں گرائے گئے یا ان کے ساتھ صف بہ صف فرشتے ہی آ جاتے۔

یعنی فرعون کے نزدیک حضرت موسیٰ کے اللہ کے رسول ہونے کے دعویٰ کے صادق ہونے کا معیار یہ تھا کہ فرشتے ان کے

رسول اللہ ہونے کی تصدیق کرتے' اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا' تا کہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ (الاعراف: ۱۲۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قبطیوں کے نزدیک فرعون کئی خداؤں کی پرستش کرتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ستاروں کی پرستش کرتا ہو' یا بتوں کی پرستش کرتا ہو اور وہ یہ بھی مانتا ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا کوئی رب ہے' اور چونکہ وہ مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا تو اس بادشاہی کے غرور میں وہ اپنی رعایا سے سجدہ کراتا ہو اور اپنے آپ کو خدا کہلواتا ہو۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

شاید کہ فرعون دھریہ تھا یا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص کسی علاقہ کا بادشاہ ہو جائے' یا اپنی طاقت اور اپنے زور سے کسی علاقہ پر قبضہ کرلے وہ اس علاقے کے لوگوں کی عبادت کا مستحق ہوتا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ص ۱۷۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے:

فرعون کسی صانع اور پیدا کرنے والے کو نہیں مانتا تھا بلکہ وہ پیدا کرنے والے کا بالکلیہ منکر تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۳۶۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سورۃ الاعراف: ۱۲۷ میں فرعون کے خداؤں کا ذکر ہے اور سورۃ الزخرف: ۵۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں پر یقین رکھتا تھا' اور بنی اسرائیل: ۱۰۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اس کو مانتا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا کوئی رب ہے' ان آیات کی روشنی میں حافظ ابن کثیر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرعون صانع اور پیدا کرنے والے کا منکر تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا فرعون کو یہ علم تھا کہ اس جہان کا کوئی رب ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے یا اس کو یہ علم نہیں تھا' بعض نے کہا اس کو یہ علم تھا کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا تھا' تو خوب جانتا ہے کہ یہ معجزات آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی نازل کیے ہیں (بنی اسرائیل: ۱۰۲) اور بعض نے یہ کہا کہ چونکہ اس نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ رب العالمین کی کیا تعریف ہے؟ (الشعراء: ۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ وہ رب العالمین کے وجود کا معترف تھا' اور اس نے جو اپنی قوم سے یہ کہا تھا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں (النّٰزعٰت: ۲۴) یہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے کہا تھا کیونکہ وہ اپنی قوم کو بہت حقیر سمجھتا تھا' اور یہ اس کا اعتقاد نہیں تھا اور وہ یہ کیسے اعتقاد کرسکتا تھا کہ وہ اس جہان کا رب ہے' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ پہلے موجود نہیں تھا پھر موجود ہوا' اور اس جہان پر ہزاروں برس گزر چکے تھے جب اس کا وجود نہیں تھا اور بعد میں بھی اس کے قبضہ میں صرف مصر کا ملک تھا' اور بعض علماء نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل تھا اس کے باوجود وہ اپنے دل میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا خالق ہے بلکہ وہ دہریہ تھا اور پیدا کرنے والے کا منکر تھا' اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ افلاک واجب الوجود ہیں' اور تمام حوادث افلاک کی حرکات سے وجود میں آتے ہیں' اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص زمین کے کسی علاقے کا مالک ہو جائے یا کسی علاقے پر اپنی طاقت سے قبضہ کرلے وہ اس علاقے کے لوگوں کی عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے اور وہ ان کا رب ہوتا ہے' اس لیے اس نے الوہیت اور ربوبیت کو اپنے ساتھ خاص کرلیا

اور کہا کہ "مجھے اپنے سوا تمہارے کسی اور معبود کا علم نہیں ہے۔ (القصص: ۳۸) اور بعض علماء نے یہ کہا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کا یہ اعتقاد ہے کہ رب سبحانہ کا بعض ذوات میں حلول ہے اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ خود اس میں بھی رب سبحانہ کا حلول ہے اسی لیے وہ اپنے آپ کو الٰہ کہتا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی الوہیت کا بھی مدعی تھا اور دوسروں کی الوہیت کا بھی مدعی تھا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں (الاعراف: ۱۲۷) اور یہ تمام اقوال بعید ہیں۔

اور جس چیز پر میرا ظن غالب ہے اور جو اکثر آیتوں کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون اللہ عزوجل کو پہچانتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہی اس جہان کا خالق ہے مگر اس کی حکومت کا غرور اس پر غالب آ گیا اس لیے اس نے اپنے علم اور اپنے اعتقاد کے خلاف اپنی قوم کے سامنے اظہار کیا اور اس کے ملک میں جن لوگوں پر جہالت کا غلبہ تھا اور جن کی عقل ناقص تھی انہوں نے اس قول پر یقین کر لیا اور یہ بعید نہیں ہے کہ کچھ لوگ ایسی خرافات پر یقین کر لیں اور یہ نہ جان سکیں کہ یہ باتیں بدیہیات کے خلاف ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے واجب' قدیم اور واحد ہونے کے دلائل کی مزید وضاحت

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ رب العالمین کی کیا تعریف ہے' اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے اور جو واجب اور قدیم ہو اس کی حقیقت کا ادراک کرنا کسی انسان کے لیے محال ہے' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اس کی صفات مختصہ سے کی کہ وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' فرعون نے یہ سن کر حضرت موسیٰ کا مذاق اڑایا اور اپنے اہل دربار سے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو! اس کا مطلب یہ تھا کہ دیکھو میں رب العالمین کی تعریف اور ماہیت پوچھ رہا ہوں اور یہ اس کی صفات کو بیان کر رہے ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی جہالت کو دیکھا تو اسلوب تبدیل کیا پہلے اللہ تعالیٰ کی عام صفات سے استدلال کیا تھا اب اس کی خاص صفت سے استدلال کیا کہ وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے' کیونکہ انسان تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کی بہ نسبت اپنے آپ کو اور اپنے باپ دادا کو اور ان کے احوال کو بہتر طور پر جانتا ہے' اس کو معلوم تھا کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے نہ تھا اور تمام دنیا اسی طرح تھی' انسان پیدا ہو رہے تھے' پروان چڑھ رہے تھے' اور مر رہے تھے' تمام حیوانوں اور تمام درختوں کا یہی حال تھا' سارا نظام اسی طرح چل رہا تھا' جب کہ وہ اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ایک مکھی بھی نہیں اڑا سکتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ اس کو پرورش کرتا رہا' سن بلوغ اور پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا' اس کے باپ دادا مر گئے وہ ان کے بعد تخت نشین ہو گیا اور وہ بھی ایک دن مر جائے گا اور یہ نظام یونہی چلتا رہے گا تو وہ اس کائنات اور اس کے نظام کا خالق کیسے ہو سکتا ہے! وہ جب بیدار ہوتا ہے تب بھی اس دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے اور جب وہ سو جاتا ہے اور دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے پھر بھی یہ نظام اسی طرح چلتا رہتا ہے تو وہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس کے نظام کا خالق نہیں ہو سکتا اس کا خالق ضرور ایسا ہے جو پیدا ہونے' مرنے' سونے' جاگنے اور دیگر تغیرات سے منزہ ہو جو واجب اور قدیم ہو اور ہر چیز سے مستغنی ہو اور واحد ہو' کیونکہ واجب اور قدیم میں تعدد نہیں ہو سکتا' نیز آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں اور خود فرعون اور اس کے باپ دادا کے احوال کو دیکھو۔ ان کے نظام میں وحدت ہے سورج ہمیشہ ایک سمت سے نکلتا ہے اور ایک سمت میں غروب ہوتا ہے' یہی حال چاند اور ستاروں کا ہے' درختوں' حیوانوں' انسانوں اور خود اپنے اور اپنے باپ دادا میں غور کرو ان کے پیدا

ہونے، پرورش پانے اور مرنے میں غور کرو کیا سب کچھ نہج واحد اور طریقہ واحدہ پر نہیں ہے، اگر اس نظام کے متعدد ناظم ہوتے کیا تب بھی ان میں اسی طرح یکسانیت ہو سکتی تھی! تو ضرور ان کا خالق واحد ہے، وہ واجب بھی ہے، قدیم بھی ہے اور واحد بھی ہے، فرعون اس معقول دلیل کا جواب نہ دے سکا تو اس نے کہا (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون (دیوانہ) ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بھی آسان دلیل پیش کی کہ وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو، یعنی اگر تم عقل رکھتے ہو تو بتاؤ کہ اگر فرعون اپنے رب ہونے کے دعویٰ میں سچا ہے تو وہ سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب میں کوئی تغیر کر سکتا ہے کیا وہ سورج کو چاند کی جگہ سے اور چاند کو سورج کی جگہ سے طلوع کر سکتا ہے؟ کیا وہ دن اور رات کے توارد میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے، مثلاً دن ایک گھنٹہ کا یا ایک ہفتہ کا ہو جائے یا رات میں ایسی کمی بیشی ہو جائے، کیا وہ زرعی پیداوار کے نظام کو بدل سکتا ہے مثلاً زمین سے غلہ پیدا ہونے کے بجائے آسمان سے غلہ برسنے لگے، آسمان سے بارش نازل ہونے کے بجائے ہر جگہ زمین سے پانی ابلنے لگے کیا وہ انسانوں اور حیوانوں کے طبعی تقاضوں کو بدل سکتا ہے کہ ان سے بھوک، پیاس اور جنسی خواہشات کو ختم کر دے، اور جب وہ یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تو کیوں نہیں مان لیتا کہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب وہ نہیں ہے بلکہ کوئی اور ذات ہے جس نے مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا نظام بنایا ہے جس کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی اور فرق نہیں ہوا وہ واجب، قدیم اور واحد ہے، وہی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، وہی تیرے اور تجھ سے پہلے تیرے باپ دادا کا رب ہے اور وہی مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے۔ فرعون جب حضرت موسیٰ کے ان دلائل کا جواب نہ دے سکا تو دھمکیوں پر اتر آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

مباحثہ میں اشتعال میں نہ آنا اور مخاطب کی فہم کے لحاظ سے دلائل کے اسالیب کو تبدیل کرنا

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مباحثہ میں بہت بدتمیزی اور بدزبانی کی، پہلے ان کا مذاق اڑایا اور اہل دربار سے کہا ان کی باتیں سن رہے ہو، پھر کہا یہ شخص ضرور مجنون ہے، پھر کہا میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر لوں گا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی کسی بدزبانی کا بدکلامی سے جواب نہیں دیا، بلکہ تحمل، وقار، سنجیدگی اور شائستگی کے ساتھ اپنے موقف پر دلائل پیش فرماتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ مباحثہ میں فریق مخالف کی بدزبانی سے طیش میں نہیں آنا چاہیے بلکہ تحمل اور وقار کے ساتھ بحث جاری رکھنی چاہیے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مباحثہ میں جب فریق مخالف ایک طریقہ سے بات نہ سمجھ سکے تو اسلوب بدل کر دلائل پیش کرنا چاہییں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مباحثہ میں مختلف انداز اور اطوار سے دلائل پیش فرماتے رہے۔

فرعون نے یہ دھمکی دی کہ میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر لوں گا اور یہ نہیں کہا کہ میں تم کو ضرور قید کر لوں گا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ وہ قیدیوں سے کس طرح کا سلوک کرتا ہے کیونکہ وہ جس کو قید کرتا تھا اس کو نہایت گہرے اور اندھے کنویں میں ڈال دیتا تھا، جس کو وہاں کچھ دکھائی دیتا تھا نہ سنائی دیتا تھا، اور یہ قتل کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید سزا تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰ نے کہا: خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! ○ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکا یک کھلم کھلا اژدہا بن گیا ○ اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا ○

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کرنا تھا اور اسی پر مباحثہ ہو رہا تھا پھر انہوں نے اس بحث کے اخیر میں اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات کیوں پیش کرنے شروع کر دیئے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طریقہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ثابت کر رہے تھے کیونکہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صادق اور برحق رسول ہیں تو پھر ان کا یہ دعویٰ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا رب ہے اور وہ واجب' قدیم اور واحد ہے۔

اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر جو دلائل پیش کیے تھے وہ علمی اور عقلی تھے جن کے متعلق یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ فرعون کے درباریوں اور عوام کی سمجھ میں نہ آئیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب اسلوب بدل کر حسی دلائل پیش کیے جن کا سب لوگ مشاہدہ کر رہے تھے' کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لاٹھی کو زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھی کھلم کھلا اژدہا بن گئی' دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ اژدہا ایک میل لمبا تھا' وہ فرعون کی طرف لپکا اور اس کے جبڑوں میں فرعون کا سر آیا چاہتا تھا اور وہ کہنے لگا: اے موسیٰ! آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں پھر فرعون نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر کہا: اے موسیٰ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم اس اژدہے کو پکڑ لو حضرت موسیٰ نے اس اژدہے پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر اسی طرح لاٹھی بن گیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۲۱۵)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھایا اور اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی شعاؤں کی طرح روشن تھا اور لوگوں کی نگاہیں اس سے خیرہ ہو رہی تھیں اور جب دوبارہ بغل میں ہاتھ ڈالا تو وہ پھر پہلے کی طرح ہو گیا اور لوگوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا مشاہدہ کیا اور اس کے مقابلہ میں فرعون کا عاجز ہونا دیکھا تو ان کے سامنے یہ بات آ گئی کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور ان کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تمام جہانوں کا رب صرف اللہ ہے جو واجب' قدیم اور واحد ہے' ماننا نہ ماننا الگ بات ہے۔

ثعبان' حیۃ اور جآن کے معانی

ایک اور بحث اس باب میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا جو عصا اژدہا بن گیا تھا اس کو اس آیت: (الشعراء: ۳۲) میں ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ فرمایا ہے اور ایک جگہ فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (طٰہٰ: ۲۰) فرمایا ہے کہ اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا اور تیسری جگہ فرمایا: تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ (القصص: ۳۱) گویا کہ وہ لہراتا ہوا سانپ ہے۔ جآن اس سانپ کو کہتے ہیں جو صغر کی طرف مائل ہو' اور ثعبان اس سانپ کو کہتے ہیں جو کبر کی طرف مائل ہو' اور الحیۃ سانپ کا اسم جنس ہے' وہ سانپ جب بہت بڑی شکل اختیار کرتا تو اس کو ثعبان (اژدہے) سے تعبیر فرمایا' اور جب اس سے چھوٹی شکل اختیار کرتا تو اس کو جآن سے تعبیر فرمایا۔ ثعبان کے لغوی معنی ہیں اژدہا' حیۃ کے معنی ہیں سانپ' اور سانپ کے لہراتے ہوئے پھن کو جآن کہتے ہیں۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے ○ یہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو

مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ

تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے' سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○ انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھیراؤ

أَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِينَ ﴿۳۶﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿۳۷﴾

اور (مختلف) شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والوں کو بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے کر آئیں ○

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ

سو ایک مقرر دن کے وعدہ پر تمام جادوگر اکٹھے کیے گئے ○ اور عوام سے کہا گیا

أَنْتُمْ مُّجْتَمِعُونَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغٰلِبِينَ ﴿۴۰﴾

آیا تم بھی اکٹھے ہو گے ؟ ○ اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں ○

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا

سو جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو

نَحْنُ الْغٰلِبِينَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۲﴾

انعام ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا ہاں اس صورت میں تم میرے خواص اور مقربین سے ہو جاؤ گے ○

قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُّلْقُونَ ﴿۴۳﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

موسیٰ نے ان سے کہا تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو ○ تو انہوں نے اپنی رسیاں

وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُونَ ﴿۴۴﴾ فَأَلْقٰى

اور اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! یقیناً ہم ہی غالب ہیں ○ پس

مُوسٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۴۵﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ

موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ان کی شعبدہ بازیوں کو نگلنے لگا ○ سو اسی وقت تمام جادوگر

سٰجِدِينَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ ﴿۴۸﴾

سجدے میں گر گئے ○ انہوں نے کہا ہم رب العٰلمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ

فرعون نے کہا تم مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے! یقیناً وہی تمہارا وہ بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں

السِّحْرَ ج فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ ط لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

جادو سکھایا ہے، سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا، میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی)

خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۴۹ ج قَالُوْا لَا ضَيْرَ ز اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

مخالف جانب سے کاٹ ڈالوں گا، اور میں ضرور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا○ انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں، ہم اپنے رب

مُنْقَلِبُوْنَ ۵۰ ج اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ

کی طرف لوٹنے والے ہیں○ بے شک ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے کیونکہ ہم سب سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۵۱ ع ط

پہلے ایمان لانے والے ہیں○

ع ۴ ۱۸ ۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے○ یہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو!○ انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہراؤ اور (مختلف) شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والوں کو بھیج دو!○ جو تمہارے پاس ہر بڑے جادوگر کو لے آئیں○

(الشعراء: ۳۷-۳۴)

فرعون کا حضرت موسیٰ سے مرعوبیت اور ان کے برحق ہونے کے تاثر کو زائل کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں لاٹھی کو اژدہا بنا دیا جس کے خوف سے فرعون کا پیشاب خطا ہو گیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا واسطہ دے کر فریاد کی کہ مجھ کو اس سے بچاؤ تو تمام دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت چھا گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں، اور فرعون کو بھی یہ اندازہ ہو گیا کہ اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے اہل دربار کے اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے تین باتیں کہیں ایک یہ کہ یہ شخص حق پر نہیں ہے بلکہ یہ کوئی بہت بڑا اور ماہر جادوگر ہے اور اس نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو کا کرشمہ ہے، دوسری بات یہ کہی کہ یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتا ہے یہ اس لیے کہا کہ اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا دشمن خیال کریں اور ان سے متنفر ہوں اور تیسری بات ان کی دل جوئی کے لیے کہی کہ اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ان باتوں سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل دربار کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برحق ہونے کا جو تاثر پیدا ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے، اور ان سے مشورہ طلب کیا تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ فرعون ان کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ رہا ہے اور ان کے دلوں میں اگر فرعون سے دوری پیدا ہوئی ہے تو وہ اپنائیت کے جذبہ میں ڈھل جائے۔ اہل دربار فرعون کی ان باتوں سے رام ہو گئے اور انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے تمام شہروں سے جادوگروں کو اکٹھا کیا جائے، ان کا خیال یہ تھا کہ جب بہت سارے جادوگر مل کر اکیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کریں گے تو حضرت موسیٰ مغلوب ہو جائیں گے اور ان کے عیش و آرام کے دن اسی طرح گزرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ایک مقرر دن کے وعدہ پر تمام جادوگر اکٹھے کئے گئے ○ اور عوام سے کہا گیا کہ آیا تم بھی اکٹھے ہو گے؟ ○ اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں! ○ سو جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو انعام ملے گا ○ فرعون نے کہا ہاں! اس صورت میں تم میرے خواص اور مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○ (الشعراء: ۴۲-۳۸)

فرعون اور اس کے حواریوں کی اپنی کامیابی کے متعلق خوش فہمی

مقرر دن سے مراد ہے ان کی زینت (جشن) کا دن' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ سال کی پہلی تاریخ تھی اور وہ ان کی عید کا دن تھا اور وہی یوم نیروز ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۶۶' دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور مقابلہ کا وقت دن روشن ہونے کے بعد طے ہوا تھا۔

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ (طٰہٰ: ۵۹)

تمہارے ساتھ زینت (جشن) کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ جب دن روشن ہو جائے تو سب لوگ جمع ہو جائیں۔

فرعون کے اہل دربار نے اس مقابلہ کو موخر کرنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ تمام جادوگر جمع ہو جائیں' اور سب لوگوں کے سامنے یہ مقابلہ ہو۔ فرعون نے ان کے اس مشورہ کو مان لیا اس کا خیال تھا کہ سب جادوگر مل کر اکیلے حضرت موسیٰ پر غالب آ جائیں گے اور سب کے سامنے حضرت موسیٰ کو شکست ہو جائے گی اور اس کی خدائی برقرار رہے گی' اور وہ یہ بھول گیا کہ حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر اس پر کیسی ہیبت طاری ہوئی تھی اور اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے کیونکہ اپنی خدائی کو ثابت کرنے کی محبت نے اس کو ہر خطرہ سے غافل کر دیا تھا:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کی محبت تم کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۹۰۸' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۱۷)

پھر اس نے یہ ارادہ کیا کہ ان کی عید کے دن یہ مقابلہ منعقد کیا جائے تاکہ تمام لوگ حضرت موسیٰ کی اس کے زعم میں شکست کا مشاہدہ کر لیں' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کا غلبہ تمام لوگوں کے سامنے ظاہر ہو' اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خاص کرم تھا کہ خود فرعون نے ایسی بات کہی جو حضرت موسیٰ کے موافق اور ان کی منشاء کے مطابق تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں۔ بہ ظاہر سیاق کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی اعلان کرنے والوں نے کہی تھی کیونکہ بھرے دربار میں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں فرعون کی پسپائی دیکھی تھی وہ فرعون کی خدائی کے عقیدہ سے متزلزل ہو گئے تھے یہی حال ان عوام کا تھا جن تک اس واقعہ کی خبر پہنچی تھی اس لیے اعلان کرنے والوں نے کہا اگر جادوگر موسیٰ پر غالب آئے تو شاید ہم جادوگروں کی اتباع میں فرعون کی خدائی کے عقیدہ پر برقرار رہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرعون اور اس کے حواریوں نے حضرت موسیٰ پر طنز کرتے ہوئے کہا ہو اگر یہ اور ہارون غالب آ گئے تو شاید ہم ان کی اتباع کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے ان سے کہا تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو ○ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! یقیناً ہم ہی غالب ہیں ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ان کی شعبدہ بازیوں کو نگلنے لگا ○ تو اسی وقت تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے ○ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○ (الشعراء: ۴۸-۴۳)

اس کی توجیہات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہلے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالنے کا حکم دیا

جب حضرت موسیٰ اور جادوگر مقابلہ کے لیے جمع ہوئے تو ضروری تھا کہ مقابلہ کی ابتدا دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک کرتا' جادوگروں نے تواضع کی اور کہا اے موسیٰ یا آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔ (طٰہٰ: ۶۵) جب انہوں نے تواضع کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تواضع سے کام لیا اور فرمایا: تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جادوگروں کا لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈالنا' جادو تھا اور کفر تھا' تو حضرت موسیٰ کے لیے کس طرح جائز ہو گیا کہ وہ ان کو جادو کرنے اور کفر کرنے کا حکم دیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ وہ ایمان لے آئیں اور ان کا ایمان لانا اس پر موقوف تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور مقابلہ میں شکست کھا کر حق کا اعتراف کرلیں' اس لیے امام رازی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کی تاویل یہ کی ہے کہ اگر تم برحق ہو تو ڈالو جو ڈالنا چاہتے ہو' اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس قرآن کی کسی سورت کو مثل بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ: ۲۳) اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ظاہر کیا کہ ان کے نزدیک ان کے جادو کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور حضرت موسیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے' سو وہ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کریں' ایک اور جواب یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی اپنا عصا ڈال دیتے تو تمام جادوگر اور عوام اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے اور یہ مقابلہ منعقد نہ ہوتا اور نہ حضرت موسیٰ کا جادوگروں پر غلبہ ظاہر ہوتا اور نہ جادوگروں کے ایمان لانے کا واقعہ ہوتا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ پہلے جادوگر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کا ممنوع ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب ہیں۔ جادوگروں نے یہ قسم اس لیے کھائی تھی کہ ان کو اپنے اوپر مکمل بھروسا تھا اور ان کو پختہ یقین تھا کہ اس مقابلہ میں وہی کامیاب ہوں گے' کیونکہ وہ اپنی طرف سے جادو کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے' انہوں نے فرعون کی قسم کھائی' یہ قسم افعال جاہلیت میں سے ہے اسلام میں غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے باپ دادا اور اپنی ماؤں کی قسمیں نہ کھاؤ اور نہ ان کی قسم کھاؤ جن کو اللہ کا شریک قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ اور تم صرف سچی قسمیں کھاؤ۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۴۸)

غیر اللہ کی قسم کھانے کی مکمل تحقیق تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۳۰-۸۲۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جادوگروں نے یہ دیکھا کہ ان کے پاس لاٹھیاں اور رسیاں بہت زیادہ ہیں اس کے برخلاف حضرت موسیٰ کے پاس صرف ایک لاٹھی ہے اس لیے ان کو یقین تھا کہ ان ہی کو غلبہ ہوگا اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ بعض اوقات کم تعداد میں حق پرست زیادہ تعداد میں مخالفین پر غالب آجاتے ہیں جیسے ایک ماچس کی تیلی جلاؤ یا ایک بلب روشن کرو تو وہ پورے کمرے کے اندھیرے کو ختم کر دیتا ہے۔

سانپوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی توجیہات

سورہ طٰہٰ میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کے جادو کے اثر

سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں بھاگ رہی ہیں تو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا' ہم نے فرمایا تم خوف نہ کرو بے شک تم ہی غالب اور برتر رہو گے۔ (طٰہٰ: ۶۸-۶۶)

انسان کی طبیعت میں جو سانپوں سے توحش اور تنفر رکھا گیا ہے اس کے اثر سے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے تھے' اور اس خوف کا تعلق وہم سے تھا' دل سے نہیں تھا' اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سحر کے ضرر کو اپنے قہر کا لباس پہنا دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قہر سے خوف زدہ ہوئے تھے نہ ان مصنوعی' جعلی اور وہمی سانپوں سے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور ماتریدی نے التاویلات النجمیہ میں لکھا ہے انسان کی جبلت میں خوف بشریت ہے خواہ وہ نبی ہو' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس خوف کو نکال لے' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا آپ نہ ڈریں آپ ہی اعلیٰ ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا اس سے اعلیٰ درجہ ہے کہ آپ خالق کے بجائے مخلوق سے ڈریں' اور اس کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ مخلوق سے نہیں خالق سے خوف زدہ ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کا عصا اژدہا بن کر جادوگروں کے جادو کو نگل گیا ہے لہٰذا ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کا عصا اللہ تعالیٰ کی صفت قہر کا مظہر ہو گیا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفت قہر سے ڈرے تھے نہ کہ لاٹھی اور اژدہے سے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نہ ڈریں آپ ہی اعلیٰ ہیں' یعنی آپ کا درجہ ہمارے نزدیک اس لاٹھی سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس لاٹھی کو آپ نے اپنے لیے بنایا ہے اور آپ میرے رسول اور میرے کلیم ہیں اور آپ کو میں نے اپنے لیے بنایا ہے' اور اگر یہ لاٹھی میری صفت قہر کی مظہر ہے تو آپ میری صفت لطف کے بھی مظہر ہیں اور میری صفت قہر کے بھی مظہر ہیں۔

(روح البیان ج ۵ ص ۴۸۰-۴۷۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بعض علماء کا سحر کو صرف تخیل اور مسمریزم قرار دینا اور واقع میں اس کی حقیقت کا انکار کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اس وقت تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہر فن میں تبحر اور مہارت حاصل کرنا مفید اور سود مند ہوتا ہے' کیونکہ ان جادوگروں نے جادو میں تبحر اور مہارت کی وجہ سے یہ پہچان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو لاٹھی کو اژدہا بنا دیا ہے یہ جادو نہیں ہے' بلکہ معجزہ ہے کیونکہ جادو صرف شعبدہ بازی' ملمع کاری' ہاتھ کی صفائی اور نظر بندی ہے' اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَسَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف: ۱۱۶) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا یعنی نظر بندی کر دی۔ اگر واقع میں جادو کے ذریعہ ایک چیز کی حقیقت کا دوسری چیز کی حقیقت سے بدل جانا ممکن ہوتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدہا بن جانا بھی جادو کے قبیل سے قرار دیتے اور اس کو معجزہ نہ قرار دیتے جو جادو کے دائرہ سے خارج ہے' اور اس کا مشاہدہ کر کے سجدہ میں نہ جا گرتے اور ایمان کی دولت سے سرفراز نہ ہوتے۔ علامہ شعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے ابن العربی سے نقل کیا کہ سَحر کا لفظ وقت سَحَر سے ماخوذ ہے اور سحر کے وقت میں ضوء اور ظلمت اور روشنی اور اندھیرا مختلط ہوتے ہیں اس وقت نہ مکمل رات ہوتی ہے کیونکہ صبح کی روشنی ہوتی ہے اور نہ مکمل دن ہوتا ہے کیونکہ سورج طلوع نہیں ہوتا' اسی طرح جادوگر جو کارروائی کرتے ہیں وہ واقع میں باطل محض ہوتی ہے اور جو کچھ آنکھوں کو دکھاتے ہیں وہ واقع میں موجود نہیں ہوتا اس کا وجود صرف دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے' علامہ شعرانی نے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد کہا یہ بہت نفیس کلام ہے ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں سنی۔ (الکبریت الاحمر ص ۱۸-۱۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ) (روح البیان ج ۶ ص ۳۵۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اسی طرح امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے:

الاعراف: ۱۱۶ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سحر اور جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض شعبدہ بازی اور نظر بندی ہے' قاضی نے کہا اگر سحر برحق ہوتا تو وہ ان کے دلوں پر سحر کرتے نہ کہ ان کی آنکھوں پر' اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے ان کو عجیب و غریب امر دکھائے جب کہ واقع میں ایسا نہ تھا' علامہ واحدی نے کہا بلکہ انہوں نے ان کی آنکھوں پر سحر کر دیا یعنی ان کی آنکھوں کو صحیح ادراک کرنے سے پلٹ دیا' اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے لاٹھیوں اور رسیوں کو کھوکھلا کر کے ان کے اندر پارہ رکھ دیا تھا اور سورج کی گرمی سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں حرکت کرنے لگیں جس سے دیکھنے والوں نے یہ سمجھا کہ سانپ رینگ رہے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

جادوگروں نے اس چیز کا خیال ڈالا جو حقیقت کے خلاف تھا۔

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ ھ نے لکھا ہے اس سے سحر کا باطل کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نصوص سے ثابت ہے اس لیے اس عبارت کو ترک کرنا اولیٰ تھا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۴۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

خدائی نشان سے حقیقی تغیر واقع ہوتا ہے اور جادو محض نظر اور نفس کو متاثر کر کے اشیاء میں ایک خاص طرح کا تغیر محسوس کراتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۶۸' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' فروری ۱۹۸۲ ھ)

اسی طرح شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

جادو خواہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس سے کسی شے کی حقیت و ماہیت نہیں بدلتی۔ بس دیکھنے والوں کی آنکھوں اور ان کی قوت متخیلہ پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے آدمی ایک شے کو اس شکل میں دیکھنے لگتا ہے جس شکل میں ساحر اس کو دکھانا چاہتا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۳ ص ۳۴۶' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' ۱۴۰۹ ھ)

یہ تمام اقوال صحیح نہیں ہیں' جادو کی کئی اقسام ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم جادو کی تعریف اور اس کی اقسام ذکر کریں گے اور جادو کا واقع میں موثر ہونا دلائل سے واضح کرینگے۔ رہا یہ اعتراض کہ الاعراف: ۱۱۶ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے تخییل اور نظر بندی کی تھی اور واقع میں لاٹھیوں کو سانپ نہیں بنایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا عمل یہی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کے ذریعے سے اشیاء کی حقیقت نہیں بدلتی' اب ہم سحر کی تعریف سحر اور کرامت میں فرق' سحر کے وقوع پر دلائل اور سحر پر اعتراضات کے جوابات اور سحر کی اقسام بیان کر رہے ہیں۔

سحر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ ھ سحر کا لغوی معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ فعل جس کا ماخذ غامض اور دقیق ہو اور اس کا سبب مخفی ہو اس کو سحر کہتے ہیں۔

(القاموس المحیط ج ۲ ص ۶۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ ھ لکھتے ہیں:

انسان اس وقت تک سحر میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی شر (فسق و فجور) کے ساتھ مناسبت نہ ہو۔ اہل

سنت کا مذہب یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے' اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب انسان جادو کے مخصوص کلمات بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے وہ اس وقت غیر معمولی امور پیدا کر دیتا ہے' یا وہ ایسے بعض اجسام یا قوی امتزاج سے چیزیں بناتا ہے جن کو ساحر ہی جانتا ہے کیونکہ بعض زہر قاتل ہوتے ہیں اور بعض زہریلی اشیاء بیمار کر دیتی ہیں یا نقصان پہنچاتی ہیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۴۷' مکتبۃ دار الایمان' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

سحر کا اطلاق چند معانی پر کیا جاتا ہے۔

(۱) دھوکا دہی' نظر بندی (مسمریزم یا ہپناٹائز کرنا) قرآن مجید میں ہے:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ . (الاعراف:۱۱٦) فرعون کے جادوگروں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی (ان کو ہپناٹائز کر دیا)۔

(۲) شیطان کے تقرب اور اس کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرنا' قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ . (البقرۃ:۱۰۲) لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے۔

(۳) سحر اس فعل کا نام ہے جس کی قوت اور تاثیر سے اشیاء کی صورتیں اور حقیقتیں بدل جاتی ہیں سو ساحر انسان کو گدھا بنا دیتا ہے۔ محصلین کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (یہ علامہ راغب کی اپنی رائے ہے جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے)

(۴) جس کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہو قرآن مجید میں ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ . (سبا:۴۳) یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

یعنی اس کلام کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہے۔

سَحَر اور سحرۃ اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی ظلمت دن کی ضوء اور روشنی سے مختلط ہوتی ہے۔ (اسی طرح سحر کی حقیقت بھی مبہم اور مشتبہ ہوتی ہے۔) (المفردات ج ۱ ص ۲۹۹-۲۹۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

سحر سے مراد وہ کام ہے جس کو حاصل کرنے میں شیطان سے مدد حاصل کی جاتی ہے' اور وہی انسان اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے جو شر اور نفس کے خبث میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ کسی سے تعاون حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ دونوں میں مناسبت ہو' اور اسی قید سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے' اور بعض حیرت ناک اور تعجب خیز کام جو شعبدہ بازی سے آلات' دوائیوں اور ہاتھ کی صفائی اور کرتبوں سے کیے جاتے ہیں وہ مذموم نہیں ہیں ان کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے' یا اس وجہ سے کہ ان کا ماخذ غامض اور دقیق ہوتا ہے اور ان کا سبب مخفی ہوتا ہے۔ (انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۲ ص ۳۴۷' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

سحر وہ غیر معمولی اور خلاف عادت کام ہے' جس کو حاصل کرنے میں برے کام کر کے شیطان کے تقرب سے مدد حاصل کی جاتی ہے خواہ وہ برے کام زبان سے کیے جائیں جیسے وہ منتر جن میں شرکیہ الفاظ ہوں اور شیطان کی تعریف کی جائے یا وہ برے کام دیگر اعضاء سے کیے جائیں جیسے ستاروں کی عبادت کرنا' اور کسی کا نقصان کرنا اور دیگر فسق و فجور کے کام' یا وہ برے کام

اعتقاد سے کیے جائیں مثلاً ان کاموں کو اچھا اعتقاد کرنا جن سے شیطان کا تقرب اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے' اور وہی شخص سحر کر سکتا ہے جو شر اور نفس کی خباثت میں شیطان کے مناسب ہو' کیونکہ تعاون اور مدد کے لیے مناسبت شرط ہے' پس جس طرح سے فرشتے صرف نیک انسانوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور ان ہی پر فیضان کرتے ہیں جو دائمی عبادت کرنے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں فرشتوں کے مشابہ ہوں' اسی طرح شیاطین بھی ان ہی فساق اور فجار کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو قول' فعل اور اعتقاد کی خباثت اور نجاست میں شیاطین کے مشابہ ہوں اور ہماری اس تعریف سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی جز ۱ ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سحر اور کرامت میں فرق

علامہ عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری نے سحر اور کرامت میں حسب ذیل وجوہ سے فرق بیان کیا ہے:

(۱) سحر خبیث اور فاسق شخص سے ظاہر ہوتا ہے اور کرامت اس نیک مسلمان سے ظاہر ہوتی ہے جو دائماً عبادت کرتا ہو اور برے کاموں سے بچتا ہو۔

(۲) سحر چند مخصوص برے کاموں کا نام ہے' اور کرامت کے مخصوص اعمال نہیں ہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور دائماً شریعت کی اتباع سے ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) سحر صرف تعلیم اور تعلم سے حاصل ہوتا ہے اور کرامت اس طرح نہیں ہے بلکہ کرامت وہبی ہوتی ہے اور محض اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔

(۴) سحر طلب کرنے والوں کے مطالب کے موافق نہیں ہوتا بلکہ معین اور محدود مطالب کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت طلب کرنے والوں کے مطالب کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اس کے مخصوص مطالب نہیں ہیں۔

(۵) سحر مخصوص وقتوں' مخصوص جگہوں اور مخصوص شرائط سے ہوتا ہے' اور کرامت کے لیے کسی وقت' کسی جگہ اور کوئی شرط ضروری نہیں ہے۔

(۶) ساحر کو کبھی دوسرا ساحر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے چیلنج کرتا ہے اور کرامت میں ایک ولی دوسرے ولی کو چیلنج نہیں کرتا۔

(۷) سحر بغیر کوشش اور سخت جدوجہد کے حاصل نہیں ہوتا' اور کرامت خواہ ہزار بار حاصل ہو اس کے لیے کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

(۸) ساحر فاسقوں کے کام کرتا ہے اور ناپاک رہتا ہے' بعض اوقات غسل جنابت بھی نہیں کرتا' استنجاء نہیں کرتا' ناپاک کپڑے نہیں دھوتا' کیونکہ ناپاکی اور نجاست کی جادو کے ظہور میں بہت تاثیر ہوتی ہے یہ اس کی ظاہری نجاست ہے اور اس کی باطنی نجاست کفر ہے اس کے برخلاف ولی کا ظاہر اور باطن پاک اور صاف ہوتا ہے۔

(۹) ساحر خلاف شرع کاموں کا حکم دیتا ہے اور ولی شریعت کے موافق کاموں کا حکم دیتا ہے۔

ہم نے سحر اور کرامت میں جو فرق بیان کیے ہیں ان ہی سے سحر اور معجزہ میں بھی فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۱۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سحر کے واقع ہونے کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

سحر ایک خلاف عادت کام ہے جو کسی شریر اور فاسق شخص سے اعمال مخصوصہ کے ذریعہ صادر ہوتا ہے' اور یہ اہل حق کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ (البقرہ:۱۰۲)

لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے' اور وہ علم جو ھاروت اور ماروت دو فرشتوں پر بابل میں نازل کیا گیا اور وہ (فرشتے) کسی کو اس وقت تک وہ علم نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں' سو تم کفر نہ کرو' پس لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ وہ خاوند اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتے' اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ جادو حقیقۃً ثابت ہے اور وہ محض نظر بندی اور ملمع کاری نہیں ہے اور موثر اور خالق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ (الفلق:۴)

(اور میں) گرہ (باندھ کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی پناہ مانگتا ہوں)

اس آیت میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر منتر پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے ہیں اور گرہ باندھتے جاتے ہیں عموماً جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے یہ عمل کیا جاتا ہے۔ اگر جادو ایک ثابت شدہ حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کا کیوں حکم دیتا۔

اور جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ الفلق اس وقت نازل ہوئی جب لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا حتیٰ کہ آپ تین دن بیمار رہے۔

اس طرح روایت ہے کہ ایک باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جادو کیا' اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر جادو کیا گیا پھر لوہا گرم کر کے ان کے ہاتھ پر داغ لگایا گیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جادو کرنا ممکن ہوتا تو کفار تمام انبیاء اور صالحین پر جادو کر دیتے تاکہ ان کو ملک عظیم حاصل ہوتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (المائدہ:۶۷)

اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (طٰہٰ:۶۹)

اور ساحر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

اور کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ عیب لگاتے تھے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے' حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ وہ جھوٹے تھے۔

ہم پہلے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ جادو ہر دور اور زمانے میں نہیں پایا گیا اور نہ ہر خطہ اور ہر جگہ میں پایا گیا ہے۔

ہم دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محفوظ ہیں کہ لوگ ان کو ہلاک کر دیں یا آپ کی نبوت میں خلل ڈالیں' اور اس بات سے محفوظ نہیں ہیں کہ لوگ آپ کو ضرر پہنچائیں یا آپ کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچائیں' اور کفار نے جو کہا تھا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ مجنون ہیں اور جادو سے آپ کی عقل زائل کر دی گئی ہے کیونکہ آپ نے ان کے دین کو ترک کر دیا تھا۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ○ (طٰہٰ: ۶۶) موسیٰ کو یہ خیال آنے لگا کہ ان کے جادو کے زور سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے' وہ محض تخییل اور ملمع کاری ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کا سحر ہی تخییل (مسمریزم) ہو اور ان کے سحر کا مسمریزم ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ فی نفسہٖ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۸۱-۷۹' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

یہ علامہ تفتازانی کی عبارت ہے ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کی روایت صحیح نہیں ہے' اس کی تحقیق بنی اسرائیل: ۴۷ میں گزر چکی ہے۔

سحر کی اقسام اور اس کے وقوع میں مذاہب

علامہ ابن حجر ھیتمی شافعی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں' سحر کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) ستارہ پرستوں' افلاک پرستوں اور ان کو فاعل مختار ماننے والوں کا سحر۔

(۲) اصحاب الاوھام اور اصحاب نفوس قویہ کا سحر۔

(۳) ارواح ارضیہ مثلاً جنات سے استعانت کرنے والوں کا سحر۔

(۴) تخییلات' آنکھوں پر اثر ڈالنا کیونکہ آنکھ مشاہدہ میں خطا کرتی ہے' کشتی میں سوار شخص کو کنارے پر کھڑے ہوئے درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارش میں برسنے والے قطرات خطوط دکھائی دیتے ہیں (اس کو مسمریزم بھی کہا جاسکتا ہے)

(۵) عجیب وغریب کام جو مختلف شعبدوں سے ظاہر ہوتے ہیں' ان کے اسباب مخفی ہوتے ہیں جن کا عام لوگوں کو پتا نہیں چلتا۔

(۶) ایسی دواؤں سے جادو کرنا جو حواس کو معطل اور عقل کو زائل کر دیتی ہیں۔

(۷) کسی کے دل کو تابع کر لینا وہ یہ ہے کہ انسان یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اسم اعظم معلوم ہے اور جن اس کا تابع ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے' پس جو شخص ناسمجھ ہوگا وہ اس کے دعویٰ کو سچا گمان کرے گا اور وہ مرعوب اور خوفزدہ ہو جائے گا' پھر جادوگر اس پر قادر ہوگا کہ اس میں جو فعل چاہے وہ کرے۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ ساحر کے ہاتھ سے ایسے خلاف عادت کاموں کا ظہور ہوتا ہے جو عام انسانوں کی طاقت میں نہیں ہوتے وہ لوگوں کو بیمار کر دیتے ہیں۔ شوہر اور اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں' عقل کو زائل کر دیتے ہیں۔ اعضا کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں' علماء نے کہا ہے کہ ساحر سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر پتلا کر لے کہ وہ سرکنڈے پر کھڑا ہو جائے' باریک دھاگے پر چلنے لگے' ہوا میں اڑنے لگے' پانی پر چلنے لگے اور کتے پر سواری کرے اور سحر ان کاموں کی علت ہے نہ موجب ہے' ان کاموں کو سحر کے وقت اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جیسا کہ وہ کھانے اور پینے کے بعد انسان کے اندر سیری پیدا کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۴۶-۴۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور معتزلہ نے سحر کی پہلی تین قسموں کا انکار کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ان قسموں کے معتقد کو کافر قرار دیا ہے' اور رہے اہل سنت تو انہوں نے سحر کی تمام اقسام کو جائز قرار دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ساحر کو اس پر قدرت ہوتی ہے کہ وہ ہوا میں

اڑے اور انسان کو گدھا بنا دے اور گدھے کو انسان بنا دے اور اس کے علاوہ دیگر شعبدوں پر بھی اس کو قدرت ہوتی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جب ساحر کلمات معینہ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا کر دیتا ہے اور اس پر یہ آیت دلیل ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (البقرہ: ۱۰۲) اور جادوگر اللہ کے اذن کے بغیر اپنے جادو سے کسی کو نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں۔

(الزواجر ج ۲ ص ۱۴۷-۱۲۷ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس عبارت کو نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۰۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

علماء دیوبند بھی جمہور اہل سنت کی طرح اللہ تعالیٰ کے اذن سے جادو کے مؤثر ہونے کے قائل ہیں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ الاعراف: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں' شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبا لیں گے اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھاتے مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی' آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

(حاشیہ عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود حسن دیوبندی ص ۲۱۸ مطبوعہ سعودی عربیہ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ الاعراف: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا جادو ایک قسم کی نظر بندی تھی اور تخییل تھی جس سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں حالانکہ وہ واقع میں اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ سانپ نہیں بنے تھے یہ ایک قسم کا مسمریزم تھا جس کا اثر انسانی خیال اور نظر کو مغلوب کر دیتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر صرف اسی قسم میں منحصر ہے سحر کے ذریعہ انقلاب ماہیت نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی شرعی یا عقلی دلیل اس کی نفی پر قائم نہیں ہے بلکہ سحر کی مختلف اقسام واقعات سے ثابت ہیں۔ کہیں تو صرف ہاتھ کی چالاکی ہوتی ہے جس کے ذریعہ دیکھنے والوں کو مغالطہ لگ جاتا ہے' کہیں صرف تخییل اور نظر بندی ہوتی ہے جیسے مسمریزم ہے اور اگر کہیں قلب ماہیت بھی ہو جاتا ہو کہ انسان کا پتھر بن جائے تو یہ بھی کسی شرعی یا عقلی دلیل کے خلاف نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۱ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۴ھ)

سحر اور ساحر کا شرعی حکم ہم نے الاعراف: ۱۱۶ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے' اسی طرح سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا شرعی حکم بھی ہم نے وہاں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۶۰-۲۵۹)

فرعون کے ساحروں کا ایمان لانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

رب العالمین کے بعد انہوں نے کہا جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے تو یہ خدشہ تھا کہ فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں اس لیے انہوں نے وضاحت سے کہا ہم

رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ غور کا مقام ہے کہ صبح کو وہ کافر جادوگر تھے اور شام کو وہ مومن اور شہید تھے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی عمل سے دھوکا نہ کھائے' ہوسکتا ہے اس وقت وہ جو نیک عمل کر رہا ہے بعد میں اس کو میسر نہ ہوں' اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا تم مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے! یقیناً وہی تمہارا وہ بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے' عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا' میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی) مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا' اور ضرور میں تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا○ انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں' ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں○ بے شک ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے' کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں○ (الشعراء: ۵۱-۴۹)

فرعون کا اپنے عوام کو حضرت موسیٰ سے متنفر کرنے کے لیے جادوگروں پر الزام تراشی کرنا

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ تمام جادوگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایمان لے آئے تو اس نے سوچا کہ اب لوگ یہی کہیں گے کہ جادوگروں کی اتنی بڑی اکثریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی ہے تو ضرور اس کی وجہ یہ ہے کہ جادوگروں پر یہ منکشف ہوگیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت برحق ہے' اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ اس تمام کائنات کا صرف ایک خدا ہے اور اس کے علاوہ فرعون' افلاک' سیارے اور اس کائنات کی ہر چیز اللہ بلند و برتر کی مخلوق ہے سو ان کا یہ کہنا بھی برحق ہے' اس لیے فرعون نے سوچا کہ اب کسی طریقہ سے عوام کو حضرت موسیٰ اور ان جادوگروں سے متنفر اور برگشتہ کرنا چاہیے ورنہ مصر میں اس کی خدائی کا بھرم قائم نہیں رہے گا اور اس کی الوہیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا سو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں سے عوام کو متنفر کرنے کے لیے حسب ذیل نکات اٹھائے۔

(۱) اس نے جادوگروں سے کہا تم میری اجازت سے پہلے (حضرت) موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ اس قول سے اس نے یہ وہم ڈالا کہ اس قدر سرعت کے ساتھ تمہارا (حضرت) موسیٰ پر ایمان لانا یہ بتاتا ہے کہ تم پہلے سے ان کی طرف مائل تھے' اور اس بات میں جادوگروں پر یہ تہمت لگائی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے جادو کے مقابلہ میں اپنے مکمل فن اور مہارت کا اظہار نہیں کیا اور عمداً جلدی شکست کھا گئے۔

(۲) پھر کہا یقیناً وہی تمہارا بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اس قول میں اس نے جادوگروں پر یہ الزام لگایا کہ درحقیقت تم موسیٰ ہی کے شاگرد ہو اور تمہاری آپس میں یہ سازش اور ملی بھگت تھی کہ معمولی مقابلہ کر کے تم ہار جاؤ' اس لیے تمہارا یہ مقابلہ دراصل نورا کشتی تھی ورنہ ان جادوگروں کے پاس بھی ایسی قوت تھی جیسی موسیٰ کے پاس ہے' اس طرح اس نے عوام کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

(۳) پھر اس نے کہا عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اپنے اس قول سے اس نے ساحروں کو شدید وعید سنائی اور بہت بڑی دھمکی دی۔

(۴) نیز فرعون نے کہا میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی) مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر اور میں ضرور تم سب کو صلیب (سولی) پر لٹکا دوں گا۔

صلیب کا معنی

صلیب کا معنی ہے چوبی (لسان العرب ج ا ص ۵۲۸) اور تصلیب کا معنی ہے کسی شخص کے دونوں ہاتھوں کو T کی شکل میں

پھیلا کراس کولٹکا دینا' روایت ہے کہ فرعون نے ان کو درختوں کے تنوں پر لٹکا دیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے (روح البیان ج ۶ ص ۲۵۳ داراحیاء التراث العربی بیروت) نیز لکھا ہے کہ قتل کے لیے انسان کولٹکا دینا' ایک قول ہے اس کی پشت کولکڑی پر باندھ دینا' اس نے ایک لمبے عرصہ تک ان کو اس لکڑی کے ساتھ باندھے رکھا تھا اور فرعون وہ پہلا شخص تھا جس نے کسی کو سولی پر چڑھایا تھا۔ (روح البیان ج ۵ ص ۴۸۴-۴۸۳) نیز اُردو کی لغات میں مرقوم ہے: سولی کا معنی ہے ایک چوبی (لکڑی کا) آلہ جس میں مجرموں کو ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک کر لٹکا دیتے تھے' (فیروز اللغات اُردو ص ۸۲۱) صلیب اس شکل + کی لکڑی جس پر عیسائیوں کو لٹکا کر ہلاک کرتے تھے (فیروز اللغات ص ۸۶۵) امام رازی نے لکھا ہے کہ کسی شخص کو ہلاک کرنے کے لیے اس سے قوی اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اہل معرفت پر مصائب کا آسان ہونا' اور مصائب برداشت کرنے پر انہیں مراتب سے نوازنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جادوگروں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں! ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جادوگروں نے جو فرعون سے کہا ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنے مستغرق ہو چکے تھے کہ وہ ہر حادثہ اور ہر مصیبت میں اللہ سے واصل ہونے اور اس کی ذات کا ارادہ کرتے تھے' وہ ثواب کی رغبت میں ایمان لائے تھے اور نہ عذاب کے خوف سے' ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا اور اس کی معرفت کے انوار میں ڈوب جانا تھا۔

(۲) انہوں نے کہا ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے' اس کا محمل یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے جو انہوں نے کفر کیا تھا اور جادو کیا تھا ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کے کتنے بڑے مرتبہ پر کیوں نہ پہنچ جائے' وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنے سے مستغنی نہیں ہوتا' اور انسان کو کبھی اپنی نیکیوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور چاہے وہ کتنا پہنچا ہوا بزرگ اور عبادت گزار کیوں نہ ہو اس کو اپنے آپ کو قصوروار قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرنی چاہیے' کوئی بھی شخص قرب الٰہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر تو نہیں انہوں نے بھی یہ دعا کی تھی:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○ اور جس چیز کی میں امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری (اجتہادی یا بہ ظاہر) خطاؤں کو بخش دے گا۔ (الشعراء: ۸۲)

فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو سولی پر چڑھا کر شہید کر دیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو حق کا اظہار کرنا چاہیے اور ظالموں کے ظلم اور ان کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کر کے کلمہ حق سنا دینا چاہیے۔ جیسا کہ ان ایمان لانے والے جادوگروں نے کیا۔ ابن عطا نے کہا جو شخص حق کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس پر حق کی راہ میں ہر مصیبت اور ہر بلا آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' اور حضرت اسماء بنت عمیس ان کے قریب تھیں۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا' پھر آپ نے فرمایا: اے اسماء! یہ جعفر بن ابی طالب تھے جو حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ تھے' وہ یہاں سے گزرے تو انہوں نے مجھ کو سلام کیا۔ میں نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور جعفر نے بتایا کہ ان کا فلاں' فلاں دن مشرکین سے مقابلہ ہوا تو میرے جسم کے سامنے کے

حصہ میں تہتر زخم اور گھاؤ لگے۔ پھر میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے جھنڈا پکڑ لیا میرا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تو میں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا پھر میرا وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے ان دو ہاتھوں کے بدلے میں یہ دو پر عطا فرمائے جن کے ساتھ میں حضرت جبریل اور میکائیل کے ساتھ جنت میں اڑتا ہوں' اور جہاں چاہتا ہوں اتر جاتا ہوں' اور جنت کے پھلوں سے جو چاہتا ہوں کھاتا ہوں' حضرت اسماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو جو خیر عطا کی ہے وہ ان کو مبارک ہو' لیکن مجھے خوف ہے کہ لوگ اس خبر میں میری تصدیق نہیں کریں گے' تو یا رسول اللہ! آپ منبر پر چڑھ کر لوگوں کو یہ خبر سنا دیجیے سو آپ منبر پر چڑھے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا: اے لوگو! جعفر بن ابی طالب جبریل اور میکائیل کے ساتھ گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دو ہاتھوں کے بدلے میں ان کو دو پر عطا فرمائے' جن کے ساتھ وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں' انہوں نے مجھے سلام کیا اور یہ بتایا کہ ان کا معاملہ کس طرح ہوا جب ان کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا تھا' اس دن کے بعد سے مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا اور ان کا نام جعفر طیار پڑ گیا کہ وہ جنت میں اڑنے والے ہیں۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۳۲' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶-۲۷۵)

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا کہ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی اور آپ نے اسلام کی تبلیغ فرمائی اس طرح جب ولی کامل شریعت محمدیہ پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے اور اس کے دل میں قرآن کے معانی اور اس کے اسرار کو القاء کرتا ہے اور اس کی زبان سے وہی بات جاری فرماتا ہے جو حق اور صواب ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے مخلوق کی ہدایت کا کام لیتا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت عطا کیا گیا تھا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شیخ اکبر قدس سرہ کے اس کلام کا محمل یہ ہے کہ مسلمان کو جن احکام شرعیہ کا علم ہے جب وہ ان پر عمل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ میں انوار معرفت ڈال دیتا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ان احکام شرعیہ پر عمل کیا جن کا اس کو علم تھا تو اللہ اس کو ان علوم کا وارث کر دیتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔

(حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۳۲۰' ج ۱۰ ص ۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۰۳' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۶۵' رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

جادوگروں کا اول المومنین ہونا

اس کے بعد فرمایا: کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

ان کے اول المومنین ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ اس میدان میں جو لوگ حاضر ہوئے تھے ان میں وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جادوگروں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے' یا فرعون کی رعایا میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے' یا اس زمانے کے لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ اور فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکال کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا پیچھا کیا

فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

جائے گا○ پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا○ کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت

قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

کم تعداد میں ہے○ اور بے شک وہ ضرور ہم کو غضب میں لانے والے ہیں○ اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں○

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾

سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا○ اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ مسکنوں سے○

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾

یہ واقعہ اسی طرح ہوا' اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا○ سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا○

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً پکڑ لیے گئے○ موسیٰ نے کہا

كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ

ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا○ تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ

بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ وَ

اپنا عصا سمندر پر ماریں' تو یکایک سمندر پھٹ گیا پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا○ اور

اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾

دوسروں کو اس جگہ ہم قریب لے آئے○ اور موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دے دی○

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

ایمان لانے والے نہ تھے O اور بے شک آپ کا رب ہی بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکال کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا پیچھا کیا جائے گا O پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا O کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت کم تعداد میں ہے O اور بے شک وہ ضرور ہم کو غضب میں لانے والے ہیں O اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں O سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا O اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ مسکنوں سے O

(الشعراء: ۵۸-۵۲)

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب

اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے نبیوں کی تصدیق اور تعظیم کرتے ہیں' ان کو نجات عطا فرماتا ہے اور جو کافر اس کے رسولوں کی تکذیب اور توہین کرتے ہیں ان کو ہلاک کر دیتا ہے تو اس سنتِ الٰہیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو نجات عطا فرمائی' اور اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا بیان فرمایا ہے' اور الشعراء: ۵۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ راتوں رات میرے بندوں کو مصر سے نکال کر لے جائیں' اور بنی اسرائیل چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے والے تھے اس لیے ان کو فرمایا ''میرے بندوں'' اور یہ بتایا کہ آپ سب کا پیچھا کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو بحر قلزم (عرب اور افریقہ کا درمیانی سمندر) کی طرف نکال کر لے جائیں' وہاں آپ کے اوپر جو میرے احکام پہنچیں آپ ان پر عمل کریں' یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب آپ متعدد سال مصر میں فرعونیوں کے درمیان ٹھہر چکے تھے' اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی مسلسل دعوت دیتے رہے تھے' اور ان کے سامنے معجزات پیش کرتے رہے تھے' لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تکبر اور سرکشی سے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے' بنی اسرائیل نے اپنی کسی تقریب میں شرکت کے لیے قبطیوں سے زیورات عاریۃً لیے ہوئے تھے' نیز فرعونیوں نے اپنے کام کاج اور خدمت کے لیے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا' اس لیے حضرت موسیٰ نے بتایا کہ جب ان کو پتا چلے گا کہ تم مصر سے جا رہے ہو تو وہ تمہارا تعاقب کریں گے۔

شرذمہ اور حذرون کے معنی

صبح کو جب فرعون اٹھا اور اس کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل راتوں رات مصر سے نکل رہے ہیں تو اس نے ان کے تعاقب کا ارادہ کیا اور اس نے مختلف شہروں میں اپنے ہرکارے بھیجے کہ بنی اسرائیل ہاتھ سے جا رہے ہیں لہٰذا ان کو پکڑنے کی فوراً کوشش کی جائے' مفسرین نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل کی کل تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی اور فرعون کا لشکر دگنا تگنا یا اس سے بھی زائد تھا' کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے متعلق کہا یہ شرذمہ قلیلہ ہے' یعنی بہت کم تعداد کی جماعت ہے' اس نے کہا ان کا بھاگنا ہمارے لیے سخت غیظ و غضب کا باعث ہے اس لیے ان کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں بہت محتاط اور مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔ الشعراء: ۵۶ میں حذرون ہے' بعض قراءات میں حاذرون ہے' حذر کا معنی دشمن کے شر سے خائف اور خبردار رہنا' زجاج نے کہا اس کا معنی ہے مستعد اور بیدار دماغ' فراء نے کہا اس کا معنی ہے خوف کے سبب سے کسی چیز سے اجتناب

کرنا' پرہیز کرنا اور احتیاط کرنا' جیسے ذیابیطس کا مریض میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کرتا ہے تاکہ شوگر نہ بڑھے اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض فالج اور دماغ کی شریان پھٹنے کے خطرے سے نمک سے پرہیز کرتا ہے اور جس کا کلسٹرول بڑھا ہوا ہو وہ چکنائی سے پرہیز کرتا ہے' واضح رہے کہ چکنائی کی زیادتی سے کمر کا درد بھی زیادہ ہوتا ہے۔ غرض فرعون نے کہا ہم حٰذرون ہیں یعنی ہمیں احتیاط کرنی چاہیے اور مستعد رہنا چاہیے اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔ باغات سے مراد وہ درخت ہیں جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر اگے ہوئے تھے اور چشموں سے مراد دریائے نیل سے نکلنے والی نہریں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ واقعہ اسی طرح ہوا' اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایاO سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیاO پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً پکڑ لیے گئےO موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گاO (الشعراء: ۶۲-۵۹)

بنی اسرائیل کو کس سرزمین کا وارث بنایا گیا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو فرعونیوں کی کس چیز کا وارث بنایا تھا؟ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا اس سے پہلے آیتوں میں ذکر ہے' یعنی باغات' چشمے' خزانے اور عمدہ رہائشی مکان' حسن بصری وغیرہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنے کے بعد بنو اسرائیل کو مصر میں آباد کر دیا' ایک قول یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے قبطیوں سے عاریتاً زیورات لیے تھے جن کو وہ مصر سے جاتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اس وراثت سے وہ زیورات مراد ہیں' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' قوم فرعون کو دی ہوئی نعمتوں کے وارث بنانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ. (الدخان: ۲۸) ہم نے ان کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا۔

سورۃ الدخان کی اس آیت میں ہر چند کہ قوم کا لفظ عام ہے لیکن جب سورۃ الشعراء میں بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی تصریح آ گئی ہے تو سورۃ الدخان میں قوم سے مراد بنی اسرائیل ہی ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

پہلی دو آیتوں کا معنی یہ ہے کہ دن چڑھنے کے بعد فرعون اور اس کی قوم نے بنو اسرائیل کا تعاقب کیا لیکن ہم نے ان کو سمندر میں غرق کر دیا اور بنو اسرائیل کو ان کے شہروں کا وارث کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

واضح رہے کہ فرعون کے شہروں سے مراد سرزمین مصر کے شہر ہیں سو علامہ قرطبی کی تفسیر کا معنی یہ ہوا کہ بنو اسرائیل کو مصر کے شہروں کا وارث بنا دیا لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' کیونکہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا' اور ان کے انکار کرنے کے بعد ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا' اس کے بعد وہ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے' جہاں پر بیت المقدس ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی ارض مقدسہ میں ہی ہے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو موت کے وقت ارض مقدسہ کے اتنا قریب کر دے جتنا ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو راستے کی ایک جانب سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اور حافظ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح

میں لکھتے ہیں:

ابن التین نے کہا ارض مقدسہ شام ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کا سوال کیا تھا کیونکہ بیت المقدس ارض مقدسہ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدسہ کے قریب دفن ہونے کی اس لیے دعا کی تھی کہ ان کا مطلوب ان انبیاء علیہم السلام کا قرب تھا جو بیت المقدس میں مدفون تھے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہونے سے روک دیا تھا' اور ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں چھوڑ دیا' حتیٰ کہ ان کو موت نے فنا کر دیا۔ پس ارض مقدسہ میں حضرت یوشع کے ساتھ صرف ان کی اولاد داخل ہوسکی تھی اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہوسکا تھا جنہوں نے پہلے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے انکار کیا تھا' اور ارض مقدسہ کے فتح ہونے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے' اور چونکہ جبارین کا ارض مقدسہ پر غلبہ تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکا' اس لیے انہوں نے چاہا کہ وہ ارض مقدسہ کے قرب میں مدفون ہو جائیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۴۹' ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر' ۱۳۴۹ھ) اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بنو اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد مصر میں نہیں گئے بلکہ چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے رہے۔ اس کے بعد ارض مقدسہ میں گئے جہاں بیت المقدس ہے اور وہ فلسطین میں ہے نہ کہ مصر میں' سو علامہ قرطبی اور بعض دیگر مفسرین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کے شہروں کا وارث کر دیا تھا' بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین کا وارث کر دیا تھا۔

امام عبد الرزاق' امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر' امام ابن عساکر اور امام ابن ابی حاتم نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو جس سرزمین کا وارث کیا تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ

اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔ (الاعراف: ۱۳۷)

اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں وہ شام ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے! مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں' آپ نے دعا کی اے اللہ ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے' مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں' آپ نے فرمایا وہاں زلزلے آئیں گے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۶۴۲)

امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ' امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سندوں کے ساتھ حسن بصری اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ الاعراف: ۱۳۷ میں جس سرزمین کا ذکر ہے اس سے مراد شام ہے۔

(تفسیر امام عبد الرزاق ج ۱ ص ۳۲۱' جامع البیان جز ۹ ص ۵۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۵۱)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو سلام الاسود نے کہا شام میں برکت دگنی چوگنی ہوتی ہے۔

مکحول نے ایک شخص سے کہا تم شام میں کیوں نہیں رہتے وہاں برکت دگنی چوگنی ہوتی ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ نے کہا مجھ سے عبید بن یعلیٰ نے کہا وہ بیت المقدس کے رہنے والے تھے وہ اس وقت عسقلان میں تھے اور فلسطین سے دمشق میں آ گئے تھے۔ انہوں نے کہا شام کی تمام برکتیں دمشق میں ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ا ص ۱۸۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی نے امام ابوالشیخ سے روایت کیا ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔

(در منثور ج ۳ ص ۴۷۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بہرحال ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جس سرزمین کا بنو اسرائیل کو وارث بنایا گیا وہ مصر نہیں ہے بلکہ وہ فلسطین ہے کیونکہ الاعراف: ۱۳۷ میں فرمایا ہم نے بنی اسرائیل کو اس زمین کا وارث بنایا ہے جس کے اردگرد برکتیں ہیں' اور بنی اسرائیل: ۱ میں فرمایا ہے: مسجد اقصیٰ کے اردگرد برکتیں ہیں' اور مسجد اقصیٰ ارض مقدسہ میں ہے اور وہ فلسطین میں ہے۔ ہم نے الاعراف: ۱۳۷ میں بھی اس سرزمین کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے ہیں جس کا بنو اسرائیل کو وارث بنایا گیا تھا لیکن ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔ فلسطین کبھی شام کا ایک صوبہ تھا لیکن آج کل یہ ایک الگ ملک ہے' جس کا بیشتر حصہ اسرائیل کے تحت ہے اور کچھ اردن کا حصہ ہے' اور مسجد اقصیٰ اسی حصہ میں بیت المقدس کے شہر میں ہے' احادیث میں جو شام کو برکت والا شہر قرار دیا ہے وہ بنو اسرائیل کو فلسطین کا وارث بنانے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ پہلے فلسطین شام ہی کا ایک صوبہ تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا: موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔

حضرت موسیٰ نے از خود کہا میرے ساتھ میرا رب ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللہ مع الذین اتقوا (الاعراف: ۱۲۹) بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو متقی ہیں۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید المتقین ہیں' سو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سب سے زیادہ ہے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پہلے اپنا ذکر کیا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ (الشعراء: ۶۲) اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ کا ذکر کیا پھر اپنا اور کہا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبۃ: ۴۰) بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے' اور ان دونوں مقاموں میں کتنا فرق ہے حضرت موسیٰ کی نظر پہلے اپنی طرف ہے اور پھر اللہ کی طرف ہے اور آپ کی نظر پہلے اللہ کی طرف ہے پھر اپنی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں تو یکایک سمندر پھٹ گیا پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا ○ اور دوسرے کو اس جگہ ہم قریب لے آئے ○ اور موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دے دی ○ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (الشعراء: ۶۸-۶۳)

سمندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو اس سے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور بلاشبہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم معجزہ ہے' امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر پر پہنچے تو آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ سمندر میں اتر جائیں تو حضرت یوشع بن نون کے سوا

سب نے انکار کردیا' انہوں نے اپنی سواری پر ضرب لگائی اور سمندر میں اتر گئے اور دوسرے پار پہنچ کر واپس آ گئے' بنواسرائیل نے سمندر میں اترنے سے انکار کر دیا' پھر حضرت موسیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ پھٹ جائے اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا' تب آپ سے کہا گیا کہ آپ سمندر پر اپنا عصا ماریئے تب سمندر پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے' اور بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ایک راستے سے گزرنے لگا' ان بارہ راستوں کو ممتاز کرنے کے لیے ان کے درمیان دیواریں تھیں اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی مانند الگ تھا' تو بنواسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمیں اپنے قبیلہ والوں کا حال معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان دیواروں کے درمیان کھڑکیاں اور روشن دان بنا دیئے' وہ سمندر پار کرتے ہوئے ان کھڑکیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے' اور عطا ابن السائب سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل اور آل فرعون کے درمیان حضرت جبریل کھڑے ہوئے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ تمہاری پیچھے والی جماعت اگلی جماعت سے مل جائے' اور قبطیوں سے کہتے تھے کہ تم آ کر ان سے مل جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا اور اس کے نتیجے میں جو اثرات ظاہر ہوئے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسب ذیل وجوہ سے معجزات ہیں:

(١) لاٹھی مارنے سے سمندر کے پانی کا پھٹ جانا فی نفسہٖ معجزہ ہے۔

(٢) اس پانی کا متعدد اطراف سے خشک ہو کر پہاڑ کی طرح بلند ہو جانا اور بارہ دیواریں بن جانا بھی معجزہ ہے۔

(٣) بعض روایات میں ہے کہ جب فرعون حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کر رہا تھا اور وہ ان کے قریب پہنچنے والا تھا تو اس زور کی آندھی آئی کہ مکمل اندھیرا چھا گیا اور راستہ کا پتا نہ چلنے کی وجہ سے اس کو رکنا پڑا اور اس وقفہ میں بنواسرائیل بحر قلزم کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

(٤) پانی کی خشک شدہ بارہ دیواروں میں اس طرح کھڑکیاں اور روشن دان بن جانا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں یہ بھی معجزہ ہے۔

(٥) پانی میں بنے ہوئے ان خشک راستوں کا اس وقت تک باقی رہنا کہ بنواسرائیل سمندر کو عبور کر لیں اور جب فرعون اور اس کا لشکر ان راستوں پر پہنچا تو ان خشک راستوں کا مٹ کر پھر پانی بن جانا اور عین سمندر کے وسط میں فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہو جانا یہ الگ معجزہ ہے۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور دوسروں کو ہم قریب لے آئے یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو حضرت موسیٰ اور بنواسرائیل کے قریب لے آئے' فرعون کا حضرت موسیٰ کو ہلاک کرنے کے لیے ان کا تعاقب کرنا کفر ہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو ہم نے قریب کیا' سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب پہنچنا اس کی ہلاکت اور سزا کا سبب تھا سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت نہیں ہے بلکہ کفر کی سزا دینے کی نسبت ہے۔

فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے کیونکہ فرعون کی قوم میں سے صرف چند افراد ایمان لائے تھے' ایک آل فرعون سے مومن تھا جس کا نام حزقیل تھا' دوسری اس کی بیٹی آسیہ تھی جو فرعون کی بیوی تھی اور تیسری مریم نام کی ایک بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت یوسف

علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ ھ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۰۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مہمان نوازی کی اور اس سے فرمایا کہ اپنی کوئی حاجت بیان کرو' اس نے کہا مجھے سواری کے لیے اونٹنی چاہیے اور دودھ پینے کے لیے بکریاں چاہییں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو بنو اسرائیل کی بڑھیا سے بھی کم ہمت نکلا! آپ کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھ بنو اسرائیل کو لے جانے کا ارادہ کیا تو ان کو راستہ نہیں ملا۔ حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے؟ تو بنی اسرائیل کے علماء نے کہا جب یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک یوسف علیہ السلام کی نعش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں' حضرت موسیٰ نے پوچھا تم میں سے حضرت یوسف کی قبر کا پتا کس کو معلوم ہے' بنی اسرائیل کے علماء نے کہا ان کی قبر کا پتا صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو معلوم ہے' حضرت موسیٰ نے اس کو بلایا اور فرمایا تم حضرت یوسف کی قبر کی رہنمائی کرو۔ اس نے کہا میں اس وقت تک ان کی قبر کا پتا آپ کو نہیں بتاؤں گی جب تک کہ آپ میری فرمائش نہ پوری کریں' حضرت موسیٰ نے پوچھا تمہاری فرمائش کیا ہے؟ اس نے کہا میری فرمائش یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں رہوں۔ حضرت موسیٰ نے اس کی فرمائش کو ناپسند کیا۔ حتیٰ کہ آپ کو وحی سے بتایا گیا کہ اس کی فرمائش پوری کر دیں' آپ نے اس کی فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا' وہ ان کو سمندر کی ایک کھاڑی کی طرف لے گئی اور کہا اس جگہ سے پانی ہٹاؤ' وہاں سے پانی ہٹایا تو اس نے کہا اس جگہ کھدائی کرو۔ جب وہاں سے کھدائی کی تو حضرت یوسف کی نعش مل گئی اور جب انہوں نے حضرت یوسف کی نعش کو نکال لیا تو پھر گمشدہ راستہ ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۵-۴۰۴' طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۲۳' طبع جدید' صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۰۱)

تبیان القرآن ج ۵ ص ۸۷۲-۸۷۰ میں اس مضمون کی دیگر احادیث متعدد حوالوں کے ساتھ ذکر کی ہیں' اور اس حدیث کے فوائد اور اس سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے' کیونکہ آپ نے کفار مکہ کو بہت معجزات دکھائے اور ان کے ایمان کی بہت کوشش کی اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے' اس وجہ سے آپ کو بہت رنج اور قلق ہوتا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو بہت معجزات دکھائے وہ ایسے معجزات تھے جن سے عقل بہت حیران اور مبہوت ہو جاتی ہے اس کے باوجود فرعون کی قوم سے صرف تین نفر ایمان لائے اور اکثر ایمان نہیں لائے سو اگر آپ پر بھی کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس پر زیادہ ملول خاطر نہ ہوں۔

حضرت موسیٰ فرعون اور بنی اسرائیل کا مفصل قصہ الاعراف: ۱۴۵-۱۰۳ میں بیان کیا گیا ہے اور وہاں ہم نے اس کی سیر حاصل تفسیر کی ہے۔ سو ان آیات کی تفسیر میں سورۃ الاعراف کی ان آیتوں کی تفسیر کو بھی پڑھ لیا جائے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر (بھی) پڑھیے ○ جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس

تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

کی عبادت کرتے ہو؟ ○ انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے جم کر بیٹھے رہتے ہیں ○

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ

ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ ○ یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی

يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

پہنچاتے ہیں ○ انہوں نے کہا (نہیں!) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ○ ابراہیم نے کہا

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہے تھے؟ ○ تم اور تمہارے باپ دادا؟ ○

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

بے شک وہ (سب) میرے دشمن ہیں (کوئی برحق معبود نہیں) سوا رب العلمین کے ○ جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی

يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ

مجھے ہدایت دیتا ہے ○ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ○ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں

فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ

تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے ○ وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا ○ اور جس سے مجھے امید ہے کہ

اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا

وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا ○ اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما

وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے ○ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ ○

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے ○ اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ

الضَّآلِّیْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ

گمراہوں میں سے تھا ○ اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا ○ جس دن نہ مال نفع دے گا

وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

اور نہ اولاد ○ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا ○ اور متقین کے لیے جنت

لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿٩١﴾ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا

قریب کر دی جائے گی ○ اور گمراہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کیا جائے گا ○ اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ

جن کی تم عبادت کرتے تھے؟ ○ اللہ کو چھوڑ کر، کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں

یَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ

یا وہ تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ ○ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے ○ اور ابلیس کا سارا

اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ

لشکر بھی ○ وہ دوزخ میں (ایک دوسرے سے) لڑتے ہوئے کہیں گے ○ اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی

مُّبِیْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾

میں تھے ○ جب کہ (اے بتو) ہم تم کو رب العلمین کے مساوی قرار دیتے تھے ○ اور ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا ○

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً

سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے ○ اور نہ کوئی سچا دوست ○ اگر کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ

فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

لوٹنا ہوتا تو ہم پکے مومن بن جاتے ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ ع

ایمان لانے والے نہ تھے ○ بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر بھی پڑھیے ○ جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ○ انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے جم کر بیٹھے رہتے ہیں ○ ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ ○ یا وہ تمہیں نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں ○ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ○ ابراہیم نے کہا اچھا یہ بتاؤ! تم کن کی عبادت کرتے ہو؟ ○ تم اور تمہارے باپ دادا ○ بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں' (کوئی برحق معبود نہیں) سوا رب العالمین کے ○

(الشعراء: ٧٧-٦٩)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے گئے ہیں ان میں سے یہ دوسرا قصہ ہے جس میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان واقعات کا جو انہیں اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کے سلسلے میں پیش آئے۔

اس سورت کی ابتداء میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ میں بے انتہا کوشش کرنے کے باوجود کفار مکہ کے ایمان نہ لانے سے بے حد رنج اور صدمہ ہوتا تھا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ لگتا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان دے دیں گے۔ (الشعراء: ٣)

تو اس سورت میں آپ کی تسلی دینے کے لیے پہلے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی سالوں تک فرعون کو تبلیغ کی اور بڑے بڑے معجزات دکھائے' اس کے باوجود فرعون کی قوم سے صرف تین نفر مسلمان ہوئے' تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو کہ آپ کے ساتھ جو سانحہ پیش آیا ہے وہ کوئی نیا نہیں ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس صدمہ سے دوچار ہو چکے ہیں' پھر آپ کی مزید تسلی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا کہ تبلیغ دین کے خاطر خواہ اثرات مرتب نہ ہونے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے اپنے عرفی باپ آزر کو اور اپنی قوم کو بتوں کی عبادت کرنے پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا لیکن ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے' ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان ہی تبلیغی کاوشوں کا بیان فرمایا ہے۔ الشعراء: ٦٩ میں فرمایا: اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر بھی تلاوت کیجیے: تلاوت کا معنی ہے ایک کے بعد دوسرے جملے کو پے بہ پے پڑھنا' اور قرأت کا معنی ہے مطلقاً پڑھنا۔

قوم کا معنی اور مصداق

الشعراء: ٧٠ میں فرمایا: جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ عرفی باپ سے مراد آزر ہیں' یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اور عرب کے عرف میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا جیسا کہ ہم الانعام: ٧٤ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں' دیکھیے تبیان القرآن ج ٣ ص ٣٥٩-٣٥٤)

قوم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں: قوم اصل میں صرف مردوں کی جماعت کو

کہتے ہیں جس میں عورتیں نہ ہوں' قرآن مجید میں جب عموماً قوم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے مردوں اور عورتوں دونوں کا ارادہ کیا جاتا ہے اور قوم کی حقیقت صرف مردوں کے لیے ہے قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ . (النساء:۳۴) مرد عورتوں پر قوام (حاکم یا منتظم) ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۴۱ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۷ھ)

قوم کا لفظ صرف مردوں کے لیے ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ . (الحجرات:۱۱)

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے' ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

اس آیت میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد مرد ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں بالعموم قوم کا لفظ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے آیا ہے جیسے ہر نبی نے کہا یا قوم اس سے مردوں اور عورتوں کی جماعت مراد ہے' قوم کا لفظ اسم جمع ہے اس کے لیے مذکر اور مونث دونوں قسم کے صیغے لائے جاتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ (الانعام:۶۶) اور كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ (الشعراء:۱۰۵) اس کی جمع اقوام آتی ہے۔

امام ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لفظ قوم' قام کا مصدر ہے' پھر اس کا غالب اطلاق مردوں پر ہے نہ کہ عورتوں پر' حدیث میں ہے:

ان نسانی الشیطان شیئا من صلوتی فلیسبح القوم ولیصفق النساء . اگر شیطان مجھے نماز میں سے کچھ بھلا دے تو قوم کو سبحان اللہ کہنا چاہیے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۱)

اس حدیث میں قوم سے مراد مرد ہیں کیونکہ قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ مرد عورتوں کے قوام ہیں' کیونکہ عورتوں کے معاملات کا مرد انتظام کرتے ہیں' عورتیں انتظام نہیں کرتیں۔

علامہ محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

قوم کا معنی ہے مردوں اور عورتوں دونوں کی جماعت' کیونکہ ہر آدمی کی قوم اس کا گروہ اور اس کا خاندان ہے یا یہ لفظ مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو شامل نہیں ہے کیونکہ الحجرات:۱۱ میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے' اسی طرح سنن ابوداؤد:۴۷۱۷ میں بھی قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے' اگر قوم کا لفظ عورتوں کو بھی شامل ہوتا تو پھر قوم کو ذکر کر کے عورتوں کو الگ سے ذکر نہ کیا جاتا' ابوالعباس سے مروی ہے النفر' القوم اور الرھط' یہ سب اسم جمع ہیں اور اسی لفظ سے ان کا واحد نہیں آتا' اور بسا اوقات اس کے معنی میں تبعاً عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں' (جوہری) کیونکہ ہر نبی کی قوم مرد اور عورتیں دونوں ہیں۔ (تاریخ العروس ج ۹ ص ۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اُردو کی لغت میں قوم کا معنی اس طرح لکھا ہے: آدمیوں کا گروہ' فرقہ' خاندان' نسل' ذات

(فیروز اللغات ص ۹۶۵ فیروز سنز لاہور)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ قوم کا معنی ہر نبی کی امت دعوت ہے' یعنی جن لوگوں کی طرف سے کسی نبی کو مبعوث کیا گیا کیونکہ ہر نبی نے اپنی امت کو یا قوم کہہ کر خطاب کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (البقرہ: ۵۴)

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (الاعراف: ۵۹)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (الاعراف: ۶۵)

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ھود کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو' تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (الاعراف: ۷۳)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف: ۸۰)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (الاعراف: ۸۵)

اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ان آیات سے واضح ہوگیا کہ قرآن مجید نے ہر نبی کی امت کو اس کی قوم فرمایا ہے' سو تمام یہودی ایک قوم ہیں' تمام عیسائی ایک قوم ہیں اور تمام مسلمان ایک قوم ہیں' ان میں سید' مغل اور پٹھان الگ الگ قومیں نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں' اسی طرح تمام کلمہ گو اور تمام اہل اسلام ایک قوم ہیں' ان میں تفریق کرنا' لغت اور اطلاقات قرآن کے اعتبار سے درست نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت ایک قوم ہے۔

شیخ حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء اور علامہ محمد اقبال متوفی ۱۹۳۸ء کے درمیان یہ بحث تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے یا قوم دین سے بنتی ہے' شیخ حسین احمد مدنی یہ کہتے تھے کہ قوم وطن سے بنتی ہے اور ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں لہٰذا ہندو اور مسلمان چونکہ ایک ملک میں رہتے ہیں اس لیے وہ سب ایک قوم ہیں لہٰذا انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام کانگریسی اور نیشنلسٹ علماء کا یہی موقف تھا یہ لوگ پاکستان کا مطالبہ کرنے کے خلاف تھے اور علامہ محمد اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ قوم دین سے بنتی ہے اگر قوم وطن سے بنتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کرتے۔ آپ نے دین اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور جب قوم دین سے بنتی ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کا دین الگ الگ ہے لہٰذا یہ ایک قوم نہیں بلکہ الگ الگ قومیں ہیں۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

(بانگ درا ص ۱۲۹، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء)

ان کی یہ رباعی بھی بہت مشہور ہے:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بہ مصطفیٰ بہ خویش رساں کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز حصہ اُردو ص ۴۹، کلیات اقبال ص ۳۳۶)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

عجم کو ابھی تک دین کے اسرار کا پتا نہیں چل سکا
ورنہ دیوبند سے حسین احمد کا ظاہر ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے
وہ بر سر منبر یہ کہتے ہیں کہ قوم وطن سے بنتی ہے
وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کس قدر بے خبر ہیں
اپنے آپ کو مصطفیٰ تک پہنچاؤ کہ وہی سراپا دین ہیں
اور اگر تم ان تک نہ پہنچ سکو تو یہ سراسر بولہبی ہے

صنم کا معنی

الشعراء: ۷۱ میں ہے: انہوں نے کہا ہم اصنام کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے دن بھر معتکف رہتے ہیں۔
اصنام، صنم کی جمع ہے، صنم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:
صنم اس مجسمہ کو کہتے ہیں جو چاندی یا پیتل یا لکڑی سے بنایا گیا ہو۔ کفار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ (الانعام: ۷۴) اور جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟

بعض حکماء نے کہا ہر وہ چیز جس کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جائے وہ صنم ہے، بلکہ ہر وہ چیز جس کی مشغولیت اللہ سے غافل کردے وہ صنم ہے، اس معنی پر یہ آیت محمول ہے:

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ (ابراہیم: ۳۵) مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے دور رکھ۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر قوی معرفت تھی اور آپ اللہ کی حکمتوں پر جتنا مطلع تھے اس کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کو یہ خطرہ ہوتا کہ آپ ان بتوں کی عبادت کریں گے جن کی آپ کی قوم

عبادت کرتی تھی، پس گویا کہ آپ نے یہ دعا کی کہ مجھے ان چیزوں میں مشغول ہونے سے باز رکھ جو مجھے تجھ سے غافل کر دیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۷۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

انہوں نے کہا ہم دن بھر ان کے لیے معتکف رہتے ہیں۔

العکوف کا معنی ہے کسی چیز کی تعظیم کی نیت سے اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے پاس لازم رہنا، اور شریعت میں اعتکاف کا معنی ہے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو مسجد میں ٹھہرا لینا، کفار بتوں کی تعظیم کے لیے بتوں کے پاس جم کر بیٹھ جاتے تھے۔

نظل، ظل سے بنا ہے، اس کا معنی ہے دن بھر کسی کام میں مصروف رہنا، وہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ دن کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ وہ دن رات ان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لیے اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ ان کے پاس ٹھہرے اور جمے رہتے ہیں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ ہم بتوں کی عبادت پر جمے رہتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن سے غار میں پیدا ہوئے تھے، جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔ اسی طرح عقل مند لوگوں کو چاہیے کہ جب وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوں تو وہاں کے لوگوں کا مذہب معلوم کریں، اگر ان کا مذہب صحیح ہو تو ان کی موافقت کریں اور اگر ان کا مذہب باطل ہو تو ان کا رد کریں، جب حضرت ابراہیم نے شہر والوں سے پوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے دن بھر معتکف رہتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم نے ان کا رد کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بتوں کی عبادت کا رد فرمانا

الشعراء: ۷۳-۷۲ میں فرمایا: ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص اپنے غیر کی عبادت کرتا ہے اس کا غالب حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کا اپنے معبود سے سوال کرتا ہے تاکہ اس کا معبود جب اس کے سوال کو سنے تو جان لے کہ اس کی کیا ضروریات ہیں پھر اس کو نفع پہنچائے یا اس سے ضرر کو دور کرے، اور جب حال یہ ہے کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور نہ ان کو تمہاری ضروریات اور حاجات کا علم ہوتا ہے پھر وہ کیسے تمہاری حاجت روائی کریں گے یا تم کو نفع پہنچائیں گے یا کس طرح تم سے ضرر کو دور کر سکیں گے، اور جب وہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں تو تم سے ضرر اور نقصان کو دور کر سکتے ہیں تو پھر ایسے گونگے، بہرے اور کسی کام نہ آسکنے والے پتھر کے بے جان مجسموں کی عبادت کو تم کس وجہ سے جائز قرار دیتے ہو۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قوی دلیل قائم کی تو ان کے عرفی باپ اور ان کی قوم سے کوئی بات نہ بن سکی جس سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت کا توڑ کر سکتے اور بتوں کی عبادت پر ان کے اعتراض کو دور کر سکتے تب انہوں نے یہ کہا:

فرمایا: انہوں نے کہا (نہیں!) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے O ابراہیم نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہے تھے؟ O تم اور تمہارے باپ دادا؟ O بے شک وہ (سب) میرے دشمن ہیں۔ کوئی برحق معبود

نہیں سوا رب العالمین کے!O (الشعراء: ۷۷-۷۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس بتوں کی عبادت کرنے پر سوائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کے اور کوئی سند نہیں تھی' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلائل کے مقابلہ میں محض تقلید سودمند نہیں ہے اور تقلید کرنا باطل ہے' مگر عقائد میں تقلید کرنا ممنوع ہے اور مسائل شرعیہ فرعیہ میں تقلید کرنا جائز ہے' اور عوام جو خود براہ راست کتاب وسنت سے مسائل اخذ نہیں کر سکتے ان پر علماء اور اہل فتویٰ کی تقلید کرنا واجب ہے۔

بتوں کو دشمن فرمانے کی توجیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو دشمن فرمایا حالانکہ دشمن ہونا تو کسی جاندار اور صاحب عقل کی صفت ہے جو کسی کا کچھ بگاڑ سکے کسی کو ضرر اور نقصان پہنچا سکے۔ بے جان پتھر کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا O (مریم: ۸۲)

ہرگز نہیں! (بت کافروں کے لیے ہرگز باعث عزت نہیں ہوں گے) وہ عنقریب کفار کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ کفار دنیا میں جن بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو زندہ کر دے گا حتیٰ کہ وہ کفار کو اس کی عبادت کرنے پر ڈانٹیں گے اور ان کی عبادت سے اپنی برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے اس اعتبار سے یہ بت آخرت میں کفار کے دشمن بن جائیں گے۔ اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر دشمن کا اطلاق فرمایا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے ان بتوں کی تعظیم اور ان کی عبادت کی اور ان سے نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے کی امید رکھی تو کفار نے اپنے اعتقاد میں ان کو زندہ اور عقل والا قرار دے دیا اور جب واقع میں ان بتوں نے کفار کو دنیا میں نفع پہنچایا نہ آخرت میں' اور دنیا میں ان سے ضرر دور کیا نہ آخرت میں تو انجام کار وہ بت کفار کے دشمن ثابت ہوئے کہ کفار کی اتنی تعظیم اور عبادت کے باوجود دنیا اور آخرت میں ان کے کسی کام نہ آ سکے۔

بتوں کو کفار کا دشمن کہنے کے بجائے اپنا دشمن کہنے کی توجیہ

ایک اور اعتراض اس مقام پر یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سیاق وسباق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہ ظاہر یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ بت ان کفار کے یا اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہیں حالانکہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ میرے دشمن ہیں۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تعریضاً کہا ہے یعنی حقیقت میں وہ کفار کے دشمن تھے لیکن فرمایا کہ وہ میرے دشمن ہیں تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحۃً ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اشارہ دوسرے کی طرف ہو۔

اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو کفار کی جگہ پر رکھ کر غور کیا کہ اگر میں بہ فرض محال ان بتوں کی عبادت کرتا اور وہ دنیا اور آخرت میں مجھے نقصان پہنچاتے تو میں ان کو اپنا دشمن قرار دیتا اور ان کی عبادت کرنے سے اجتناب کر لیتا اور اس کی عبادت کرتا جو مجھے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچاتا اور ضرر سے بچاتا اور وہ صرف رب العالمین ہے' تو میں ان کو وہ نصیحت کرتا جو نصیحت میں اپنے نفس کے ساتھ کرتا سو اگر وہ غور کریں گے تو انہیں یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم ان کو وہ نصیحت کر رہے ہیں جو نصیحت وہ اپنے آپ کو کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے ○ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ○ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے ○ وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا ○ اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (ظاہری) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا ○ اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے ○ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ ○ اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے ○ اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا ○ اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کریں ○ جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد ○ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا ○ (الشعراء: ۸۹-۷۸)

پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کرنا پھر اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کرنا

اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطلہ سے اپنے نفس کو مستثنیٰ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان فرمائی تھیں جن کی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے' اور یہ بتایا تھا کہ بت نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے' سو ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مطالب اور ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کا حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے سوال فرمایا تھا' ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ہدایت دینے کی نعمت کا ذکر کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ (الاعلیٰ: ۳-۱)

اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجیے جو سب سے بلند ہے ○ جس نے پیدا کیا پھر درست کیا ○ اور جس نے اندازہ مقرر فرمایا پھر ہدایت دی۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ پہلے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پھر ہدایت دی' اس اسلوب پر حضرت ابراہیم نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا پھر اس کے ہدایت دینے کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام تمام دنیاوی اور دینی نعمتوں اور منافع کو شامل ہے۔ خلق کرنے میں دنیا کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا اور ہدایت دینے میں دین کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیدا کرنے کی صفت کا صیغہ ماضی سے ذکر کیا اور ہدایت دینے کی صفت کا مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماضی میں دفعۃً واحدۃً پیدا کر دیا اور اس کو دنیا اور دین کی بھلائیوں اور نیکیوں کی طرف ہر لحظہ اور ہر لمحہ ہدایت دے رہا ہے اور مستقبل میں دیتا رہے گا۔

کھلانے پلانے کی نعمت میں لپٹی ہوئی بے شمار نعمتیں

اس کے بعد فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے (الشعرا: ۷۹) اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد حضرت ابراہیم نے اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کیا' کھلانے اور پلانے کی نعمت کے دامن میں وہ تمام نعمتیں لپٹی اور سمٹی ہوئی ہیں جن پر کھانا اور پینا موقوف ہے مثلاً وہ طعام اور مشروب کا مالک ہوگا تو کھائے اور پیے گا' اگر وہ طعام اور مشروب کا مالک ہو لیکن کوئی دشمن اس کو

کھانے پینے نہ دے تو وہ کھا پی نہیں سکتا، طعام کا مالک بھی ہو، کوئی منع کرنے والا بھی نہ ہو لیکن کسی مرض کی وجہ سے کھا نہ سکتا ہو مثلاً اس کے منہ میں زخم ہوں، یا اس کے منہ میں کینسر ہوں تو وہ کھا پی نہیں سکتا، سو اس کی کتنی بڑی نعمت ہے اس نے کھانے پینے کے لیے زمین میں اناج اور پھل پیدا کیے، آسمان سے پانی نازل کیا، زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی، سورج کی حرارت سے اناج اور پھلوں کو پکایا، ہواؤں سے دانے اور بھوسے کو الگ کیا، پھر رزق کے حصول کے لیے انسان کو صحت اور قوت کے اسباب فراہم کیے، کھانے پینے کے وقت کسی مانع سے محفوظ رکھا، کھانے پینے کے لیے منہ کو مرض سے محفوظ رکھا اس غذا کو ہضم کرنے کے لیے اور اس کو جسم کا جزو بنانے کے لیے، معدہ، جگر، آنتوں اور دیگر اندرونی اعضاء کو امراض سے سلامت رکھا، صحیح و سالم ہاتھ بنائے کہ نوالہ ہاتھوں سے منہ تک لے جاسکے، اگر وہ ٹنڈا ہوتا، اس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوتے تو وہ کیسے کھاتا اور پیتا اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے، پھر اس نے کھانے اور پینے کے لیے اناج اور پھلوں کی متعدد اجناس پیدا کیں گندم، جو اور مکئی ہے، چنا ہے، چاول ہے اور مختلف اقسام کے پھل ہیں اگر کسی کے مزاج اور صحت کے گندم موافق نہیں تو وہ جو اور مکئی کھالے وہ بھی موافق نہیں تو وہ بیسن کی روٹی کھالے، وہ بھی راس نہیں آتا تو چاول کھالے اور جس کو اناج کی کوئی قسم موافق نہیں آتی وہ پھل کھالے، گوشت کھانے کے لیے طرح طرح کے حیوانات پیدا کیے، غریب آدمی مرغ اور بکری کا گوشت نہیں کھا سکتا وہ گائے کا گوشت کھالے جس کو گائے کا گوشت نقصان دیتا ہو وہ بکری کا گوشت کھالے، مرغ کھالے، مچھلی کھالے، سبزیاں کھالے، دالیں کھالے، اس نے امیر اور غریب ہر طبقہ کے لیے، صحت اور مرض کے اعتبار سے ہر قسم کے انسانوں کے لیے غذا کی اجناس فراہم کیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کرنے کی اس عظیم اور ہمہ گیر نعمت کا ذکر فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے کے اسرار

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا ذکر کیا ہے فرمایا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وصال کے روزے (سحر و افطار کے بغیر مسلسل روزے) نہ رکھو، صحابہ نے کہا آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں! آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں، بے شک میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں، یا فرمایا میں اپنے رب کے پاس رات کو ہوتا ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۷۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۷۰، عالم الکتب، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۷۱۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۷۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں بے شک مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۲۶۶)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کھانے اور پینے کا ذکر ہے اس کی تشریح میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حسی کھانا ہے جو منہ سے کھایا جاتا ہے، دنیاوی کھانے کے اعتبار سے آپ نے وصال کے روزے رکھے تھے اور یہ کھانا آپ کو جنت سے لا کر کھلایا اور پلایا جاتا تھا، اور اس کی تشریح میں دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معرفت کی غذا کھلاتا تھا اور آپ کے قلب پر دعا اور مناجات، خضوع، خشوع اور سوز و گداز کی لذت کا فیضان کرتا تھا اور آپ کی آنکھوں کو اپنے قرب کی ٹھنڈک عطا کرتا تھا اور اپنی محبت کی راحت عطا کرتا تھا اور اپنے روح پرور جمال سے آپ کی روح کو شاد کام اور نفس کو تازگی عطا فرماتا تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کے محتاج نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ وصال کے روزے رکھنے اور مسلسل کھانے پینے کو ترک کرنے کی وجہ سے آپ کی جسمانی حالت میں کوئی ضعف اور تغیر رونما نہیں ہوا۔ آپ بہ ظاہر صرف اس لیے کھاتے پیتے تھے کہ آپ کی ضعیف امت کے لیے کھانا پینا سنت ہو جائے اور ان کو کھانے پینے کے آداب اور طریقہ کا علم ہو جائے اور جن چیزوں کو آپ کھانے پینے کے لیے اختیار کریں ان چیزوں کا کھانا پینا کار ثواب ہو جائے اور ان چیزوں کا دوسری چیزوں پر مرتبہ بڑھ جائے۔

بعض روایات میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تو یہ بھوک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ اس لیے تھا کہ آپ کمال لطافت کی وجہ سے عالم ملکوت سے واصل نہ ہو جائیں' بلکہ آپ مخلوق کی رشد و ہدایت اور لوگوں کی رہنمائی کے لیے اسی عالم ناسوت میں برقرار رہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی امت کی تعلیم مقصود ہو کہ اگر ان کو کچھ کھانے پینے کے لیے نہ ملے اور بھوک کی شدت ہو تو وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیں' اور جس طرح کھانا پینا ان کے لیے سنت ہے اور آپ نے انہیں کھانے پینے کے آداب بتائے اسی طرح بھوکا رہنا بھی ان کے لیے سنت ہو جائے اور اس کے آداب بھی انہیں معلوم ہو جائیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے کپڑا اٹھا کر اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱' تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۱۷۱)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

شیخ آفندی قدس سرہ نے کہا ہے کہ آپ کی امت کے بعض افراد سے منقول ہے کہ وہ کئی کئی سال بغیر کھائے پیے گزار دیتے تھے کیونکہ ان کو عالم قدس سے واصل ہونے کی شدید قوت تھی اور وہ بشری حجابات سے مجرد ہو چکے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے بہت اولیٰ اور اقویٰ ہیں۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عام لوگوں کی بیماری کے اسباب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (ابراہیم نے کہا) اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ (الشعراء: ۸۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور جب میں بیمار ہوتا ہوں' یہ نہیں کہا جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے' کیونکہ صحت اس وقت قائم رہتی ہے جب جسم کی تمام اخلاط اعتدال پر رہیں اور جب بعض اخلاط بعض پر غالب ہو جائیں یا کھانے پینے میں بے اعتدالی کی وجہ سے ان میں تنافر اور تعفن پیدا ہو جائے تو انسان میں مرض پیدا ہو جاتا ہے' مثلاً زیادہ میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں کے کھانے' آرام طلبی اور جفاکشی نہ کرنے کی وجہ سے شوگر ہو جاتی ہے۔ بسیار خوری کی وجہ سے بدہضمی اور معدہ کا ضعف ہو جاتا ہے اور معدہ کے منہ پر ورم آ جاتا ہے' زیادہ تیزابی' ترش اور مرچیں اور مصالحہ دار چٹ پٹی اشیاء کھانے کی وجہ سے معدہ کا السر ہو جاتا ہے۔ تمبا کو کھانے اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے عموماً گلا خراب ہو جاتا ہے' کھانسی ہو جاتی ہے' خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں فالج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے' زیادہ سگریٹ نوشی (چین سموکنگ) سے جگر کا سائز کم ہو جاتا ہے اور سروس ہو جاتا ہے' اور مرغن اشیاء زیادہ کھانے' تن آسانی اور محنت کے کام نہ کرنے کی وجہ سے انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کولیسٹرول بڑھنے کی وجہ سے کمر کا درد ہو جاتا ہے' اور زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے آخر عمر میں پروسٹیٹ گلینڈ کا حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور پیشاب کرنے میں تکلیف ہوتی ہے' اور زیادہ گرم اشیاء اور انڈے اور چاول زیادہ مقدار میں کھانے کی وجہ سے گردوں کا درد ہو جاتا ہے اور پتھری ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر

کے بیج اور پالک زیادہ کھانے کی وجہ سے پتے میں پتھری ہو جاتی ہے' جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی کے نتیجہ میں آتشک اور سوزاک ایسے امراض ہو جاتے ہیں۔ ہم جنس پرستی سے ایڈز کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی کی کثرت سے کینسر ہو جاتا ہے' اوران اخلاق سوز حرکات کی وجہ سے آدمی کا سکون غارت ہو جاتا ہے' راتوں کو نیند نہیں آتی' جس کے نتیجے میں پہلے انسومینا پھر مالیخولیا ہو جاتا ہے پھر لوگوں کو سکون بخش اور خواب آور گولیاں لینی پڑتی ہیں۔ بعض لوگ پیتھوڈین کے انجکشن لگواتے ہیں اور بعض چرس اور ہیروئن کی پناہ لیتے ہیں اور پھر انسان دن بہ دن تباہی کے غار میں گرتا چلا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر بیماری' مرض اور مصیبت انسان کی اپنی آوردہ اور پیدا کردہ ہے جب انسان اسلام کے احکام اور فطرت کے اصولوں سے روگردانی کرتا ہے تو وہ امراض اور مصائب کا شکار ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰)

تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو اللہ درگزر فرما لیتا ہے۔

جو انسان فطرت سے بغاوت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے وہ ان مہلک بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور امن اور سکون کے ساتھ زندگی گزار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان ہی کے لیے امن اور سلامتی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہا کہ بیمار میں ہوتا ہوں اور یہ نہیں کہا کہ اللہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ اللہ نے تو انسان کو صحیح سالم بدن دیا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے اس قول سے یہ تنبیہ فرمائی کہ انسان بے اعتدالی اور بے راہ روی سے خود اپنے آپ کو بیمار کر لیتا ہے۔

نبی علیہ السلام اور نیک لوگوں کی بیماری کے اسباب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے نیک لوگ بھی بعض اوقات بیمار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے' حضرت ابراہیم نے اپنی بیماری کا ذکر کیا' حضرت موسیٰ نے اپنی تھکاوٹ کا ذکر کیا خود ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے' سر میں درد ہوا اور آپ کو عام لوگوں کی بہ نسبت دگنا بخار آتا تھا' کیا ان حضرات کی بیماری بھی خود پیدا کردہ تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی بیماری کے متعلق کوئی بد باطن شخص ہی ایسا فاسد گمان کر سکتا ہے ان پر جو بیماریاں آتی ہیں وہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہیں اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ کا سبب ہیں' اور امت کے لیے تعلیم ہے تاکہ دوا اور علاج کرنا ان کی سنت ہو جائے' بیمار کی خدمت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مکمل ہو جائے اور امت کو معلوم ہو جائے کہ بیماری کی حالت میں نماز اور دوسری عبادات کس طرح ادا کی جائیں' اور یہ معلوم ہو کہ اگر مرض بہت بڑھ جائے اور تکلیف زیادہ ہو تو صبر اور سکون سے کام لیا جائے۔ بے قراری' آہ وزاری اور شکوہ و شکایت اور واویلا نہ کیا جائے۔ ہم نے عام لوگوں کی بیماری کے اسباب بیان کیے ہیں کہ ان کے امراض بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی بیماری ان کے حق میں امتحان بلکہ انعام ہوتی ہے۔

اب بجا طور پر یہ سوال ہوگا کہ جب انبیاء علیہم السلام خود اپنی بیماری کا سبب نہیں ہوتے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیوں فرمایا میں بیمار ہوتا ہوں اور وہ شفاء دیتا ہے اس کا جواب آئندہ سطور میں آ رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

عیب کی نسبت اپنی طرف اور حُسن کی نسبت اللہ کی طرف کرنا

ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حُسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی جائے جیسا کہ قرآن مجید کی تعلیم ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (النساء: ٧٩)

(اے انسان!) تجھے جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب کشتی کو توڑا اور اس میں نقص اور عیب ڈالا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی اور کہا:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا ۔ (الکہف: ٧٩)

رہی کشتی تو وہ ان مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے سو میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا۔

اور جب یتیم بچوں کا خزانہ محفوظ کرنے کے لیے اس ٹوٹی ہوئی دیوار کو جوڑا جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا تو کہا:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ (الکہف: ٨٢)

رہی دیوار تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ یہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

ظاہر میں کشتی توڑنا اور دیوار جوڑنا دونوں حضرت خضر علیہ السلام کے کام تھے اور حقیقت میں یہ دونوں کام اللہ کے فعل تھے لیکن حضرت خضر نے ادب کو ملحوظ رکھ کر توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ کی طرف کی۔

اور اسی نہج پر یہ آیت ہے: جنات نے کہا:

اَنَّا لَا نَدْرِىْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ (الجن: ١٠)

ہم نہیں جانتے کہ (آسمانوں کو محفوظ کر کے) زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی (ہدایت) کا ارادہ کیا ہے۔

جنات نے جب شر کا ذکر کیا تو اس کے فاعل کو مجہول رکھا اور جب بھلائی اور ہدایت کا ذکر کیا تو اس کو ان کے رب کا ارادہ کہا۔

میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء وہ دیتا ہے۔ بیماری نقص اور عیب ہے اس کی اپنی طرف نسبت کی اور شفاء دینا حُسن اور کمال ہے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور یہی حُسن ادب کا مقتضیٰ ہے۔

مرض اور شفاء کے متعلق عارفین کے اقوال

علامہ اسماعیل حقی حنفی بروسوی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: جب میں گناہ کر کے بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے توبہ سے شفاء دے دیتا ہے' اور شبلی رحمہ اللہ نے کہا کہ بیماری غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء اللہ عز وجل کی تجلیات کے مشاہدہ سے ہوتی ہے' اور بحر میں لکھا ہے کہ بیماری دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء دنیا سے قطع تعلق سے ہوتی ہے اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک پر جذب کی کیفیت مستحکم ہوتی ہے تو وہ تمام مخلوق سے تعلق منقطع کر کے صرف ایک اللہ کا ہو جاتا

ہے۔(روح البیان ج۶ ص ۳۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان اپنے نفس' اپنے والدین' اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے قطع تعلق کر لے ان کی ذمہ داریاں پوری نہ کرے اور ان کے حقوق ادا نہ کرے کیونکہ یہ اسلام کے احکام کے خلاف ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے تمام متعلقین کی ذمہ داریاں پوری کرتا رہے اور ان کے حقوق ادا کرتا رہے' لیکن ان کے حقوق کو ادا کرنا ان کے ساتھ تعلق کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی وجہ سے ہو اور کسی لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے۔

حضرت ابوجحیفہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا' حضرت سلمان حضرت ابوالدرداء کی ملاقات کے لیے گئے تو انہوں نے حضرت ابوالدرداء کی بیوی حضرت ام الدرداء کو برے حال اور میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے بھائی ابوالدرداء نے دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھا' جب حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے حضرت سلمان کے لیے کھانا رکھا اور کہا کھائیں۔ انہوں نے کہا آپ بھی کھائیں۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا میں روزے سے ہوں! حضرت سلمان نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ تم نہ کھاؤ! پھر حضرت ابوالدرداء نے بھی کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نماز پڑھنے لگے' حضرت سلمان نے کہا جاؤ سو جاؤ تو وہ سو گئے' پھر تھوڑی دیر بعد نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے' حضرت سلمان نے پھر کہا ابھی سو جاؤ' جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو حضرت سلمان نے کہا اب کھڑے ہو جاؤ' پھر دونوں نے نماز پڑھی' پھر ان سے حضرت سلمان نے کہا تمہارے رب کا تم پر حق ہے' اور تمہارے نفس کا تم پر حق ہے' اور تمہاری اہلیہ کا تم پر حق ہے۔ سو تم ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو' پھر حضرت ابوالدرداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۹۸' المعجم الکبیر ج ۲۲' رقم الحدیث: ۲۸۵' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۷۶' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۸' سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۷۶)

بعض عارفین نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب میں محبت کی ابتداء میں بیمار ہوتا ہوں اور اللہ سے ملاقات کے شوق کا مریض ہوتا ہوں پھر جب اس سے واصل ہوتا ہوں تو اس کے وصال کا حسن اور اس کے جمال کا کشف مجھ کو شفاء دے دیتا ہے۔

دوا اور علاج کے متعلق احادیث

بعض اصفیاء سے منقول ہے کہ وہ بیمار پڑ گئے اور کمزور ہو گئے' ان کا رنگ پیلا ہو گیا ان سے کہا گیا کیا ہم آپ کے لیے کسی طبیب کو بلائیں جو آپ کے اس مرض کا علاج کرے' انہوں نے کہا طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے پھر یہ شعر پڑھا:

کیف اشکو الی طبیبی مابی
والذی بی اصابنی من طبیبی

میں اپنی حالت کی طبیب سے کیسے شکایت کروں
کیوں کہ میں اپنے طبیب ہی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچا ہوں

(روح البیان ج۶ ص ۳۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بعض صوفیا علاج سے منع کرتے ہیں اور اس کو توکل اور تسلیم و رضا کے خلاف قرار دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ بندہ کو جس حال میں رکھے اس حال میں راضی رہنا چاہیے اور دوا اور علاج نہیں کرنا چاہیے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے ورنہ بندہ کو دعا بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دعا میں بندہ اپنے حال میں تغیر کو طلب کرتا ہے' اور یہ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کے خلاف ہے' اور بیماری میں علاج نہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بھی خلاف ہے اور آپ کے احکام کے بھی خلاف ہے۔

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ ادھر' ادھر سے دیہاتی آ رہے تھے انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا ہم دواؤں سے علاج کیا کریں؟ آپ نے فرمایا دوا استعمال کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کے علاج کے لیے دوا بھی پیدا کی ہے' سوا ایک بیماری کے' وہ بڑھاپا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج کیا ہے اور اس زمانہ میں علاج کے جو طریقے معروف تھے ان پر عمل فرمایا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حجرے میں داخل ہوئے اور آپ کا درد بہت شدید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی انڈیلو جن کا منہ کھولا نہ گیا ہو۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کروں آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھا دیا گیا' پھر ہم نے آپ کے اوپر مشکوں سے پانی انڈیلنا شروع کیا حتیٰ کہ آپ نے ہماری طرف اشارہ کر کے فرمایا بس کرو' پھر آپ لوگوں کی طرف چلے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

جدید طبی تحقیق بھی یہی ہے کہ جب بہت تیز بخار ہو تو مریض کو برف سے ٹھنڈک پہنچائی جائے۔

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تھے تو کس دوا سے آپ کا علاج کیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں بچا۔ حضرت علی ڈھال میں پانی لے کر آتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون کو دھو کر صاف کرتی تھیں' پھر ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ سے آپ کے زخم کو بھر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی (رگ کٹوا کر خون نکلوانا) اور رگ کاٹنے والے کو اس کی اجرت دی' اور ناک میں دوا ڈلوائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیماریوں کا علاج بھی بتایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۵)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بخار جہنم کی گرمی کی شدت سے ہے' اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی بیماریوں کے لیے دوائیں تجویز فرمائی ہیں جن کی تفصیل کتب صحاح ستہ میں ہے۔

پرہیز کے متعلق احادیث

بعض لوگ پرہیز کے بھی بہت مخالف ہیں اور پرہیز خود کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں' میں نے بہت سے شوگر کے مریضوں کو مٹھائی کھاتے ہوئے دیکھا وہ کہتے ہیں صاحب! میٹھی اور نشاستہ والی چیزوں کو نہ کھانا کفران نعمت ہے' ہم اللہ کی نعمتوں کو ترک نہیں کر سکتے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو پرہیز کرایا ہے۔

ام المنذر بنت قیس الانصاریہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے' اور حضرت علی پر نقاہت اور کمزوری تھی۔ ہمارے ہاں کچی کھجوروں کا خوشہ لٹکا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس میں سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے' یہ کھجوریں نہ کھاؤ کیونکہ تم کمزور ہو' حتیٰ کہ حضرت علی رک گئے' میں نے جو اور چقندر کا سالن بنایا ہوا تھا' میں آپ کے پاس وہ لے کر آئی' آپ نے فرمایا اے علی! اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لیے فائدہ مند ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳' المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۱۷' المستدرک ج ۴ ص ۲۰۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۴۴۸)

حضرت محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل اپنے بندہ کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو (نقصان دہ) کھانے اور پینے کی چیزوں سے پرہیز کراتے ہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۴۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حق میں موت کا نعمت ہونا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا ○ (الشعراء: ۸۱)

یعنی دنیا میں جب میری اجل (مدت حیات) پوری ہو جائے گی تو وہ میری روح قبض فرمائے گا' پھر دوبارہ مجھے زندہ فرمائے گا' تاکہ مجھے میرے اعمال کی جزاء عطا فرمائے' موت دینے اور روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ ارباب کمال کے لیے موت بھی نعمت ہے کیونکہ دنیا کے رنج والم سے خلاصی اور حیات ابدیہ کے حصول کے لیے موت وسیلہ ہے۔

امام ثعلبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے موت دے گا اور اپنے فضل سے زندہ فرمائے گا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موت سے مراد جہل اور معصیت ہے' اور زندہ کرنے سے مراد علم اور اطاعت ہے۔ یا مارنے سے مراد گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور زندہ کرنے سے مراد گناہوں سے بچانا ہے یا مارنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور زندہ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے وصال ہے۔

حقائق سلمی میں لکھا ہوا ہے کہ مارنے سے مراد ہے کسی شخص کو انانیت میں مبتلا کرنا' اور زندہ کرنے سے مراد ہے اس کو ہدایت عطا کرنا۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۶-۳۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) جو مجھے اپنے خوف سے مارتا ہے اور اپنی امید سے زندہ کرتا ہے۔

(۲) جو مجھے طمع سے مارتا ہے اور قناعت سے زندہ کرتا ہے۔

ان کے علاوہ اور وہ اقوال ذکر کیے ہیں جن کو ہم روح البیان کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خطا کا ذکر کر کے مغفرت طلب کی' اس کی توجیہات

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گاO (الشعراء: ۸۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یوں کہا مجھے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا' یوں نہیں کہا میری خطاؤں کو معاف فرمادے۔ اس کی وجہ ادب ہے اور یہ بتانا ہے کہ بندہ کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے' اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر متنبہ فرمانا ہے' کیونکہ کریم سے جب کوئی امید رکھی جائے تو وہ اس کو پورا کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مغفور اور معصوم ہیں پھر انہوں نے اپنی خطا کا کیوں ذکر کیا اور ان کی مغفرت کیوں طلب کی اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ظاہری خطاؤں پر معافی طلب کی' مفسرین نے کہا ہے کہ ظاہری خطاؤں سے مراد وہ تین باتیں ہیں جو بہ ظاہر جھوٹ تھیں لیکن حقیقت میں جھوٹ نہ تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کے بتوں کو خود توڑ دیا اور جب قوم نے اس کے متعلق پوچھا تو حضرت ابراہیم نے کہا:

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا. (الانبیاء: ۶۳) — بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔

یہ بہ ظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم کا منشا یہ تھا کہ اس بڑے بت کی پرستش کو باطل کرنے اور اس کو ذلیل وخوار کرنے اور اس کے عجز کو ظاہر کرنے کے سبب سے میں نے اس کو توڑ ڈالا' کیونکہ اگر یہ واقعی خدا ہوتا تو مجھے ان بتوں کے توڑنے سے روک دیتا اور جب یہ ان بتوں کو ضرر پہنچنے سے نہیں بچا سکا تو معلوم ہوا کہ یہ خدا نہیں ہے اور اس کی پرستش کرنا جائز نہیں ہے۔ پس ان کا یہ کلام بہ ظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہ تھا۔

دوسری بات یہ تھی کہ جب قوم ان کو میلے میں لے جانے کے لیے آئی تو انہوں نے کہا:

اِنِّیْ سَقِیْمٌ. (الصّٰفّٰت: ۸۹) — میں بیمار ہوں۔

حالانکہ حضرت ابراہیم بیمار نہ تھے' حضرت ابراہیم نے بہ ظاہر یہ کہا تھا کہ میں بیمار ہوں لیکن ان کی مراد یہ تھی کہ میری قوم روحانی بیمار ہے کہ وہ گمراہی اور بت پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے آپ نے بیماری کا صراحۃً اسناد اپنی طرف کیا لیکن اشارۃً آپ کا اسناد اپنی قوم کی طرف تھا سو یہ کلام بہ طور تعریض ہے بہ ظاہر یہ جھوٹ ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

اور تیسری بات یہ تھی کہ حضرت سارہ آپ کی بیوی تھیں لیکن جب ظالم بادشاہ کے کارندوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے کہا یہ میری بہن ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۸۴' ۳۳۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

آپ کا یہ کلام بھی بہ ظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا۔

آپ کی یہ تینوں باتیں تبلیغی مقاصد سے تھیں اور برحق تھیں لیکن چونکہ ان کا ظاہر جھوٹ تھا اس لیے آپ نے اپنے بلند

مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے ان کو بھی خطا قرار دیا اور یہ طمع کی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کی اس ظاہری خطا کو بھی معاف فرما دے اور ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم اور مغفور تھے لیکن آپ نے اپنی عبودیت اور بندگی کا اظہار کرنے کے لیے اس پر معافی طلب کی۔

(۲) حضرت ابراہیم نے اپنی باتوں کو خطا قرار دے کر ان پر معافی چاہی اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کے سامنے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کر کے اس سے مغفرت طلب کرے حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان رشتہ داروں سے میل جول رکھتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب میری خطا کو قیامت کے دن بخش دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴ المستدرک ج ۲ ص ۴۰۵ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۲۴ صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۹)

ابن جدعان کافر تھا اور اس نے قیامت کا اقرار نہیں کیا تھا کیونکہ جو قیامت کا اقرار کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی خطا کی مغفرت کا طالب ہوتا ہے اور منکر قیامت کو اس کا عمل نفع نہیں دیتا۔ اس کا پورا نام عبداللہ بن جدعان تھا۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عم زاد تھا یہ ابتداء میں فقیر تھا پھر اس کو خزانہ مل گیا تو یہ غنی ہو گیا یہ اس خزانے سے نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اپنی خطا کا ذکر کرے اور اللہ سے اس کی مغفرت طلب کرے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے اس کا پسندیدہ عمل کیا اور اپنی (ظاہری) خطا کا ذکر کر کے اس سے مغفرت طلب کی۔

(۳) اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں اور ڈریں اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت کو طلب کریں اور طلب مغفرت میں ان کی اقتداء کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے امام ہو جائیں جس طرح عباد الرحمٰن نے یہ دعا کی تھی:

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ۔ (الفرقان: ۷۴) اور ہم کو متقین (اللہ سے ڈرنے والوں) کا امام بنا دے۔

(۴) مغفرت کی دعا کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقبولانِ بارگاہِ الوہیت کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں اور وہ اپنے انتہائی بلند مرتبہ کے پیش نظر عام نیکیوں کو بھی گناہ قرار دیتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خطا سے ہماری طرح کے گناہ مراد نہیں ہیں بلکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مراد ہیں جو ان کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔

(۵) اس کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم جس مرتبہ کے نبی تھے اور اللہ کے پسندیدہ بندے تھے اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی ہر ساعت اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر میں گزرے لیکن بشری تقاضوں سے وہ سوتے بھی تھے کھاتے پیتے بھی تھے قضاء حاجت اور طہارت بھی کرتے تھے۔ لوگوں سے تبلیغی امور میں باتیں بھی کرتے تھے اپنی زوجہ کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔ حصول رزق کے لیے کسب معاش بھی کرتے تھے ہر چند کہ یہ امور بھی فی نفسہا عبادت ہیں اور نیکی میں شمار ہوتے ہیں لیکن ان امور میں مشغولیت کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کر سکتے تھے تو آپ اپنی بلند نظر کے اعتبار سے اس کو بھی خطا قرار

دیتے اور اس پر بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے کہ میری اس تقصیر طاعت پر قیامت کے دن مجھے معاف کردینا۔

(٦) طلب مغفرت کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (ابراہیم: ٣٤) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے' اور جس زبان سے وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا وہ بھی نعمت ہے پھر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہوگا اور یوں عمر تمام ہو جائے گی اور اس کی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہ ہو سکے گا' تو غیر متناہی نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہوگا پس انسان کی قدرت اور استطاعت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کر سکے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فطری تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن مغفرت طلب کی۔

مؤخر الذکر دونوں وجہوں کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذنب کے اطلاق کی بحث میں ذکر کیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اس کے لیے استغفار فرمایئے' کہاں کمی اور کہاں غفلت نعمہائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقتاً غیر متناہی بالفعل ہیں کما حققہ المفتی ابن السعود فی ارشاد العقل السلیم' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو نہ گن سکو گے۔ جب اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا کون شکر ادا کر سکتا ہے تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔

از دست وزباں کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدرآید

شکر میں ایسی کمی ہرگز بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمہ بشریت ہے نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لحہ ہر آن ہر لحہ میں متزاید ہیں خصوصاً خاصوں پر خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ٩ ص ٧٥' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ' کراچی)

(٧) اس کا ساتواں جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعلیم دین اور تکمیل دین کے لیے جو بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام کیے ان کو خطا سے تعبیر فرمایا اور خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کا ارتکاب گناہ نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تصریح کی ہے کہ خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی گناہ نہیں ہوتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے' اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی! پھر یہ (مکروہ تنزیہی) اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ رد المحتار میں ابوالسعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی ہے۔ پھر علماء اس کی تعبیر نفی باس سے کرتے ہیں اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا اور اس لیے کہ گناہ گار بنانے والی چیز واجب الترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا' اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا' جیسا کہ تلویح میں ہے اس

کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے بحمد اللہ تعالیٰ یہ سات دلائل ہیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض ابناء زمانہ نے رسالہ شرب الدخان میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بتا کر فاحش غلطی اور خطاء عظیم کی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۲۵۰ (طبع جدید) مطبوعہ رضاء فاؤنڈیشن لاہور' اپریل ۱۹۹۶)

اعلیٰ حضرت نے تلویح کا جو حوالہ دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ مکروہ تنزیہی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

انہ لا یعاقب فاعلہ لکن یثاب تارکہ ادنی ثواب. — مکروہ تنزیہی کے مرتکب کو عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کے ترک کرنے والے کو ادنیٰ درجہ کا ثواب ہوگا۔

(توضیح تلویح ص ۲۳' مطبوعہ مطبع نور محمد اصح المطابع' کراچی)

ہم نے جو ساتواں جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس خطا کا ذکر کیا ہے اس سے مراد مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہے اس جواب علامہ القمولی نے بھی ذکر کیا ہے' وہ فرماتے ہیں:

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خطا کو ترک اولیٰ پر محمول کیا جائے اور انبیاء کے حق میں ترک اولیٰ جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذنب کے اطلاق کی بحث میں یہ جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ہے جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا' جو برتاؤ گوارہ کرے گا۔ ہرگز شہریوں سے پسند نہیں کرے گا' شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے' اس لیے وارد ہوا حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷' (طبع قدیم) مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے لیے میری خطا معاف فرما اس کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں فرمایا میرے لیے میری خطا کو بخش دے گا۔ اس مقام پر میرے لیے کیوں فرمایا اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) جب باپ اپنے بیٹے کو معاف کرتا ہے یا مالک اپنے نوکر کو یا خاوند اپنی بیوی کو معاف کرتا ہے تو عموماً وہ حصول ثواب کے لیے معاف کر دیتا ہے یا عذاب سے بچنے کے لیے یا دنیا میں اپنے حلم اور صبر کی تعریف اور تحسین کے لیے یا پھر اس لیے کہ اس قصور وار کے معافی مانگنے سے اس کا دل پگھل جاتا ہے تو اپنے دل سے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے معاف کرتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ جو قصور وار بندہ کو معاف فرماتا ہے تو اس کا مقصود کسی چیز کو حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کسی چیز کو زائل کرنا' اللہ سبحانہ جب کسی قصور وار بندے کو معاف فرماتا ہے تو صرف اور صرف اس بندے کی وجہ سے معاف فرماتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور جس چیز کی میں امید رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن میرے لیے میری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

(٢) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی کہ اس نے مجھے پیدا کیا پھر یہ کہا کہ مجھے امید ہے کہ وہ میرے لیے میری خطا کو معاف فرمادے گا' اس میں یہ بتایا کہ جب اس نے مجھے پیدا کیا تو پیدا ہونے سے پہلے مجھے پیدا ہونے کی خواہش تھی نہ پیدا ہونے کی احتیاج تھی تو اس نے مجھے پیدا کر دیا اور پیدا ہونے کے بعد جب کہ مجھے مغفرت کی خواہش بھی ہے اور مغفرت کی احتیاج بھی ہے تو اب میں اس بات کے زیادہ لائق ہوں کہ تو مجھے معاف فرمادے۔

(٣) بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جارہا تھا تو ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا آپ کو کوئی حاجت ہو تو مجھ سے بیان کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحر توحید میں اس قدر زیادہ مستغرق تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی واسطے اور وسیلہ کی طرف نظر نہیں کرتے تھے گویا کہ انہوں نے کہا میں صرف تیرا بندہ ہوں اور محض تیرا بندہ ہونے کی وجہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور صرف تیرا محتاج ہوں اور صرف تجھ سے رابطہ رکھتا ہوں تو صرف میرے لیے میری خطا کو معاف کردے' نہ یہ کہ تو کسی شفاعت کرنے والے کی وجہ سے مجھے معاف فرما۔

دوسرے نبیوں کو مانگنے سے عطا فرمانا اور ہمارے نبی کو بے مانگے عطا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ (طٰہٰ: ٢٥) اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الانشراح: ١) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ (الاعراف: ١٤٣) اے میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا میں تیری طرف دیکھوں گا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ. (الفرقان: ٤٥) کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ (الشعراء: ٨٧) جس دن لوگوں کو (محشر میں) جمع کیا جائے گا مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ (التحریم: ٨) جس دن اللہ نہ اس عظیم نبی کو شرمندہ کرے گا اور نہ اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

اور زیر تفسیر آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے:

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ (الشعراء: ٨٢) اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ○ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ○ (الفتح: ۲-۱)

بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ○ تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت مکمل کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔

ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کے متعلق مصنف کا موقف

بعض اکابر علماء نے اس آیت میں ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے:

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

هر آئینه ما حکم کردیم برائے تو بفتح ظاهر عاقبت فتح آنست که بیا مرزد ترا خدا آنچه که سابق گزشت از گناه تو و آنچه پس مانده۔

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تا کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ پیچھے ہوا۔

شاہ عبد القادر متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے والد ماجد شاہ نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان۔

(انوار جمال مصطفیٰ ص ۷۱، مطبوعہ شبیر برادرز اُردو بازار لاہور)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کے نسبت کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

پس مے آیند عیسی را پس مے گوید عیسی من نیستم اهل ایں کار ولیکن بیائید محمدرا صلی الله علیه وسلم که بنده ایست که آمر زیده است مر اورا هر چه پیش گزشته از گنا هان وے وهرچه پس آمده۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۸۶، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو)

علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ء اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس بیایند برعیسی علیه السلام پس بگوید برائے شفاعت نیستم لیکن برشما لازم است که بروید بر محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم او بنده ایست که آمر زیده است خدائے تعالیٰ مراورا ازگناهان پیشین وپسیں او۔ (تحقیق الفتویٰ ص ۳۲۱-۳۲۰، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۳۹۹ھ)

اور مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔

(تفہیم البخاری ج ۱۰ ص ۴۸، الجدہ پرنٹرز)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی ایک کتاب میں محمد: ۱۹ کے ترجمہ میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

قال الرضا یہ بھی ابوالشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات' مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے۔

(ذیل المدعا لاحسن الوعاء (فضائل دعا) ص ۲۶ 'مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز' کراچی)

امام بغوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا ذکر عار دلانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے انعامات کے اظہار کے لیے فرمایا' نیز یہ بتانے کے لیے کہ کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ (معالم التنزیل)

امام احمد رضا بریلوی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ذنوب انبیاء علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقت گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام نہایت دور اور منزہ ومبرا ہیں۔ (تعلیقات رضا ص ۲۵ 'مطبوعہ رضا اکیڈمی' بمبئی' ۱۴۱۸ھ)

اس عبارت میں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے انبیاء علیہم السلام کی زلات پر صورت گناہ کا اطلاق فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی زلات پر خصوصاً سید الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ ظاہر خلاف اولیٰ افعال پر حقیقۃً یا صورۃً گناہ کا اطلاق کرنا غیر مستحسن ہے' اس لیے کہ علماء تو جانتے ہیں کہ یہ اطلاق سہو' خلاف اولیٰ یا حسنات الابرار سیئات المقربین کے اعتبار سے ہے' لیکن جب اُردو خواں عوام ذنب کا ترجمہ گناہ پڑھیں گے تو وہ ان باریکیوں تک نہیں پہنچ سکیں گے وہ تو صاف اور سیدھے سادے طور پر یہی سمجھیں گے کہ نبی سے بھی گناہ صادر ہوتے رہتے ہیں اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کے لیے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں نیکی پر کیسے آمادہ کیا جا سکے گا' اسی طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں یہ تراجم پہنچیں گے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے ان مسلم علماء کے تراجم اور ان کی عبارات کافی نہیں ہوں گی!

ہماری رائے یہ ہے کہ ان اکابر علماء کی توجہ اس پہلو کی طرف مبذول نہیں ہوئی ورنہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گناہ یا صورۃً گناہ کا لفظ نہ لکھتے اور یقیناً ان اکابر علماء کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت اور محبت اور تعظیم وتکریم بہت زیادہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا مطلوب اور حکم کا معنی

سابقہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور اس کے بعد اپنے مطالب کے حصول کے لیے دعا کی' اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے مطلوب کی دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنی چاہیے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اپنے مطالب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اے میرے رب مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے۔

حکم سے مراد علم شریعت ہے یا ایسا علم جس کے ذریعہ وہ زمین میں اللہ کی خلافت قائم کر سکیں اور مخلوق کی رہنمائی کر سکیں' اور یہ کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا علم نہ ہو یا وہ علم کے تقاضوں پر عامل نہ ہو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا اور نہ اس کے علم کو حکم اور حکمت کہا جاتا ہے۔ نیز فرمایا اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے' یعنی مجھے ایسے علوم اور ایسے اعمال اور اخلاق کی توفیق دے جو مجھے عبادت وریاضت میں ایسے کاملین اور راسخین کے گروہ میں شامل کر دیں جو تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے منزہ ہوں یا جنت میں مجھے ان کے ساتھ مجتمع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمالی چنانچہ ان کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (البقرہ: ۱۳۰)

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں (بھی) برگزیدہ کیا اور بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں۔

اور یہ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطالب میں سے پہلا مطلوب ہے۔

بعد والوں کی ثناء کے حصول کی دعا کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے دوسرے مطلوب کے لیے فرمایا: اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ' ان کی اس دعا کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی آیت میں اخروی کمال کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں کمال دنیا کے حصول کے لیے دعا کی اس دعا میں یہ طلب کیا کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی مدح اور ثنا کریں اور ان کی تعظیم و تکریم کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو ایسی عزت اور فضیلت عطا فرمائے جس کا اثر قیامت تک باقی رہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی کیونکہ یہود' عیسائی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول عام عطا فرمائے اور تمام لوگوں کی زبانوں پر ان کے لیے ذکر خیر جاری ہو' اور زبانوں پر ذکر خیر کو اس لیے طلب کیا کہ لوگوں کا اپنی زبانوں سے آپ کا ذکر خیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کا آپ سے محبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں (بندے) سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو' پھر جبریل اس سے محبت کرتے ہیں پھر جبریل آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو' تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں' پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۶۸۵' عالم الکتب' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۷' ج ۳ ص ۴۱۳ طبع قدیم)

(۴) جب لوگ اپنی زبانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کریں گے تو ان فضائل اور کمالات کو سن کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان اوصاف سے متصف ہونے اور ان اخلاق سے متخلق ہونے کی رغبت ہوگی۔

(۵) اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے جس کا اس آیت میں بھی ذکر ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے' جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کرے' بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے' اور میں عنقریب تمہیں اپنی ابتداء کی خبر دوں گا میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو اس نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا ان سے ایک نور نکلا جس نے ان کے لیے شام کے محلات روشن کر دیئے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸-۱۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۵' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۵۹)

جنت کی دعا کا مطلوب ہونا اور شہر مدینہ سے جنت کا زیادہ محبوب ہونا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے ○

(الشعراء: ۸۵)

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا مطلوب ہے' اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سعادت کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں آخرت کی سعادت کے حصول کی دعا کی ہے۔

جس شخص کو اپنے کسی مورث (رشتہ دار) کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ مل جائے اس کو وارث کہتے ہیں۔ اس آیت میں جنتیوں کو جنت کا وارث فرمایا ہے کیونکہ جو مومن نیک عمل کرتا ہے اس کو اس کے کسی استحقاق کے بغیر محض اللہ کے فضل سے جنت مل جاتی ہے جس طرح کسی وارث کو بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے رشتہ دار کی موت سے اس کا ترکہ مل جاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کے حصول کی دعا کرنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور اس دعا کو ترک کرنا تکبر ہے' بعض غالی اور ان پڑھ صوفی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں چاہیے ہمیں تو مولیٰ کی رضا چاہیے' بعض کہتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں مدینہ نہیں چاہیے' یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف رغبت دلائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الفردوس کے سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔ سو جنت کے حصول کی دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول راضی ہوں گے اور اس کا سوال نہ کرنے یا جنت کی تنقیص کرنے سے اللہ اور اس کے رسول ناراض ہوں گے۔ سو اللہ کی رضا جنت کی دعا کرنے میں ہے نہ کہ جنت کی دعا کو ترک کرنے میں' باقی رہا مدینہ کا مطلوب ہونا سو اس کی طلب برحق ہے اور اللہ کی رضا کا مطلوب ہونا بھی برحق ہے لیکن یہ اس کو کب مستلزم ہے کہ پھر جنت کو طلب نہ کیا جائے اور اس کے حصول کی دعا نہ کی جائے۔ نیز جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے' اور مدینہ صرف اس لیے محبوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کا شہر ہے اور آپ کا اصل مسکن تو دنیا اور آخرت میں جنت ہی ہے' سو شہر مدینہ کی نسبت وہ جگہ زیادہ محبوب ہونی چاہیے جو آپ کا اصل مسکن ہے اور وہ جنت ہے لہٰذا شہر مدینہ کی بہ نسبت جنت زیادہ محبوب ہونی چاہیے کیونکہ آپ اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور یہ واضح ہے کہ پورا شہر مدینہ جنت نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم کی آزر کے لیے دعا کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چوتھی دعا یہ کی: اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا○

(الشعراء: ۸۶)

اس دعا پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرفی باپ آزر کافر تھا' اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز

نہیں ہے' بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مغفرت ایمان لانے پر موقوف ہے۔ اس لیے زندہ کافروں اور مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا دراصل ان کے ایمان لانے کی دعا کرنا ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ آزر کے لیے مغفرت کی دعا کر کے حقیقت میں یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس تاویل سے تو ہر زندہ مشرک اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کی جا سکتی ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر نے حضرت ابراہیم سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا' حضرت ابراہیم نے اس کے وعدہ پر اعتماد کر کے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی اور جب وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ (التوبۃ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ان سے کر لیا' اور جب ابراہیم پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے۔

امام رازی نے اس کا ایک یہ جواب دیا ہے کہ آزر باطنی طور پر حضرت ابراہیم کے دین پر تھا اور ظاہراً نمرود کے دین پر تھا کیونکہ وہ اس سے ڈرتا تھا' تو حضرت ابراہیم نے اس اعتبار سے اس کے لیے دعا کی ہے اور جب حضرت ابراہیم پر یہ ظاہر ہوا کہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۱۷' داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً حضرت ابراہیم پر ایمان لا چکا تھا اور نمرود کے ڈر اور خوف سے اس پر ایمان کا اظہار کرتا تھا اور حضرت ابراہیم پر اس کا خلاف کیسے ظاہر ہوا' اس مفروضہ پر کوئی دلیل نہیں ہے' اس لیے صحیح جواب وہی ہے جو التوبۃ: ۱۱۴ سے ظاہر ہوتا ہے۔

قیامت کے دن حضرت ابراہیم کی آزر سے ملاقات کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کو قیامت کے دن اس حال میں دیکھیں گے کہ اس کا چہرہ غبار سے آلودہ ہوگا اور اس پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۸' مطبوعہ دار ارقم' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے (عرفی) باپ سے ملاقات ہوگی تو حضرت ابراہیم کہیں گے کہ اے میرے رب تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن شرمندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۹' مطبوعہ دار ارقم' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ آزر سے ملیں گے آزر کے چہرے پر سیاہی اور گرد و غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرو' اس کے (عرفی) باپ کہیں گے آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا' حضرت ابراہیم (اللہ تعالیٰ سے) عرض کریں گے: اے میرے رب تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھے شرمندہ نہیں کرے گا' اور اس سے بڑی میری اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا باپ (تیری رحمت سے) بہت دور ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے' پھر کہا جائے گا اے ابراہیم دیکھو! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا زیادہ بالوں والا نر بجو ہوگا (یعنی آزر کو مسخ کر کے بجو بنا دیا جائے گا) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۰' مطبوعہ دارارقم' بیروت)

قیامت کے دن آزر کی شفاعت کرنے پر اشکال اور اس کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پھر اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اس سے متنفر ہوں' اور چونکہ اس کی صورت حضرت ابراہیم کے مشابہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اس صورت کے حامل کو دوزخ میں ڈالا جائے اس لیے اس کی صورت کو مسخ کر کے زیادہ بالوں والے نر بجو کی شکل بنا دی اور اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے نہایت نرمی اور عاجزی سے اس کو ایمان لانے کی طرف ترغیب دی' مگر اس نے تکبر کیا اور کفر پر اصرار کیا' اس لیے قیامت کے دن اس کو ذلت میں مبتلا کیا گیا اور اس کو مسخ کر کے بجو بنا دیا گیا۔

محدث اسماعیلی نے اس حدیث کی صحت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کا کیوں سوال کیا' علاوہ ازیں قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کی مغفرت کے لیے سوال کرنا اس آیت کے بھی خلاف ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (التوبۃ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا' جب ان پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم نے کس وقت اس سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں ہی اس سے بے زاری کا اظہار کیا تھا جب وہ حالت شرک میں مر گیا تھا' یہ قول امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' ایک روایت میں ہے جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔ ایک اور روایت میں ہے جب تک وہ زندہ رہا' حضرت ابراہیم اس کے لیے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار کو ترک کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے قیامت کے دن بیزار ہوئے جب اس کی شکل مسخ کر دی گئی اور وہ اس سے مایوس ہو گئے' یہ قول بھی امام ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے' سعید بن جبیر نے کہا قیامت کے دن حضرت ابراہیم اس کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے اے میرے رب! میرا والد' میرا والد' جب تیسری بار اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہیں گے تو اس کی طرف ان کی نظر پڑے گی تو وہ بجو ہوگا' پھر وہ اس سے بے زار ہو جائیں گے' اور ان دونوں قولوں میں اس طرح سے تطبیق ہو سکتی ہے کہ جب وہ دنیا میں شرک پر مر گیا تو حضرت ابراہیم اس سے بیزار ہو گئے' پھر جب قیامت کے دن اس کو دیکھا تو ان پر پھر نرمی اور شفقت غالب آ گئی اور انہوں نے اس کی مغفرت کا سوال کیا' پھر جب اس کو مسخ شدہ بجو کی شکل میں دیکھا تو پھر اس سے دائمی طور پر بیزار ہو گئے' دوسری تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ کفر پر مرا ہے' کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ دل میں ایمان لایا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے ایمان پر مطلع نہ ہوئے ہوں' اس لیے قیامت کے دن اس کی

سفارش کی حتیٰ کہ قیامت کے دن جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کفر پر مرا تھا تو اس سے بے زار ہو گئے۔

آزر کو دوزخ میں ڈالنے پر خلف وعد اور خلف وعید کے اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے یہ اعتراض کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے عرفی باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو ان کو رسوا کر دیا کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ (آل عمران:۱۹۲) ''اے ہمارے رب! بے شک تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو رسوا کر دیا'' اور باپ کی رسوائی بیٹے کی رسوائی ہے۔ پس خلف وعد لازم آ گیا اور یہ محال ہے اور اگر اس کو دوزخ میں نہیں ڈالا تو خلف وعید لازم آ گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان اللہ حرمھما علی الکافرین (الاعراف: ۵۰) ''اللہ نے جنت کے پانی اور جنت کے رزق کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آزر کو اس کی اصل صورت میں دوزخ میں ڈالا گیا ہوتا تو حضرت ابراہیم کے لیے باعث رسوائی تھا' اور جب وہ بڑے بالوں والے نر بجو کی شکل میں دوزخ میں ڈالا گیا تو آزر رسوا ہوا نہ حضرت ابراہیم' لہٰذا خلف وعد لازم آیا نہ خلف وعید' دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر کے دوزخ میں ڈالے جانے سے حضرت ابراہیم اس وقت رسوا ہوتے جب انہوں نے اس کے لیے دعا کی ہوتی اور اس کے باوجود اس کو دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور جب انہوں نے اس کے لیے دعا نہیں کی اور وہ اس سے بیزار ہو گئے تو پھر وہ رسوا یا شرمندہ نہیں ہوئے اور کوئی خرابی یعنی خلف وعد یا خلف وعید لازم نہیں آیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۹ - ۴۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے آزر کی جو سفارش کی اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس عہد کے خلاف نہیں کرے گا پھر انہوں نے کیوں آزر کی سفارش کی؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جب انہوں نے آزر کو دیکھا تو ان پر شفقت اور رحمت غالب آ گئی اور وہ اس کے لیے سوال کیے بغیر نہ رہ سکے۔ (التوشیح علی الجامع الصحیح ج ۴ ص ۲۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

وضو کے بعد حضرت ابراہیم کی اس دعا کو پڑھنے کا ثواب

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن مردویہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ فرض نماز کے لیے وضو کرے اور پورا پورا وضو کرے پھر اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے ارادہ کے لیے نکلے اور نکلتے وقت یہ پڑھے بسم اللہ الذی خلقنی فھو یھدین (اللہ کے نام سے: جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی ہدایت دیتا ہے) تو اللہ اس کو صحیح بات کی ہدایت دے گا' اور امام ابن مردویہ کی روایت میں ہے اس کو صحیح کاموں کی ہدایت دے گا' پھر پڑھے والذی ھو یطعمنی ویسقین (جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے طعام سے کھلائے گا اور جنت کے مشروب سے پلائے گا' پھر پڑھے: واذا مرضت فھو یشفین (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دیتا ہے اور اس کی بیماری کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے' پھر پڑھے والذی یمیتنی ثم یحیین (اور جو میری روح قبض کرے گا' پھر مجھ کو زندہ کرے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک بختوں کی حیات کے ساتھ زندہ کرے گا اور اس کو شہداء کی موت کے ساتھ موت دے گا' پھر پڑھے والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین (اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام خطاؤں کو بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں' پھر پڑھے رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین (اے میرے رب مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے) تو اللہ اس کو صحیح فیصلہ کی قوت عطا فرماتا ہے اور اس کو گزرے

ہوئے یا موجودہ نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے' پھر پڑھے واجعل لی لسان صدق فی الاخرین (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ) تو ایک سفید ورق میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں صادقین میں سے ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو سچ بولنے کی توفیق دیتا ہے' اس کے بعد پڑھے واجعلنی من ورثة جنة النعیم (اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محلات بنا دیتا ہے' اور حسن بصری اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھتے تھے واغفرلوالدی کما ربیانی صغیرا (میرے ماں باپ کو بخش دے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی) (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس دعا کو نقل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۱۹' ص ۱۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قیامت کے دن پردہ رکھنے کی دعا کی تلقین

حضرت ابراہیم نے پانچویں دعا یہ کی کہ: اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے' مجھے شرمندہ نہ کرنا (الشعراء: ۸۷) یعنی مجھ سے ایسے جو کام سرزد ہو گئے جو خلاف اولیٰ تھے ان پر مجھے عتاب نہ فرمانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب نہیں فرمائے گا اور ان کو شرمندہ نہیں کرے گا اس کے باوجود انہوں نے اظہار عبودیت کے لیے یہ دعا کی اور دوسروں کو اس دعا کی ترغیب دینے کے لیے۔

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ٥ (یٰسین: ۵۹) اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اس دن کافر' مومن سے اور گنہگار اطاعت گزار سے الگ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔ اس دن بدکاروں کو نیکوں سے الگ کر دیا جائے گا اس دنیا میں تو سب لوگ مل جل کر رہتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پیر بدکاروں کی صف میں ہو اور مرید نیکوکاروں کی صف میں ہو' اور استاذ بدکاروں کی صف میں ہو اور شاگرد نیکوں کی صف میں کھڑا ہو' جن لوگوں کو دنیا میں عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب قیامت کے دن وہ بدکاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے تو ان کی شرمندگی کا کیا عالم ہو گا وہ ان سے آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔ الٰہ العلمین ہمیں اس دن کی شرمندگی اور رسوائی سے بچانا جس طرح دنیا میں ہم پر پردہ رکھا ہے آخرت میں بھی پردہ رکھنا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں اسی دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسروں کو تلقین کرنے کے لیے یہ دعا کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں مجھے شرمندہ نہ کرنا یعنی میرا پردہ رکھنا اور میرے عیوب اور خطائیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا' اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ہے کہ میرے عیوب اور خطاؤں پر پردہ رکھنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان دعاؤں کو ترک نہیں کرتے تھے:

اللھم انی اسئلک العافیة فی الدنیا والاخرہ' اللھم انی اسئلک العفو و العافیة فی دینی ودنیای واھلی ومالی' اللھم استر عوراتی وآمن روعاتی' اللھم احفظنی من بین یدی ومن

اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل اور مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے' ان سے مجھے محفوظ رکھ' اے

خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي واعوذبک بعظمتک ان اغتال من تحتي قال يعني الخسف.

اللہ! میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر (کے شر) سے مجھ کو محفوظ رکھ اور اس سے میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے کسی شر میں مبتلا کیا جاؤں' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا آپ کی مراد تھی زمین میں دھنسنے سے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۱' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۵۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۴۰' ۲۳۹' ج ۱۵ ص ۱۸۰' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۲۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۹۹۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً بھی مسلمانوں کو پردہ رکھنے کی دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب خوف سے ہمارے کلیجے منہ کو آنے لگیں تو کوئی ایسی چیز ہے؟ کہ ہم پڑھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا ہاں! تم یہ دعا کیا کرو:

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا.

اے اللہ ہمارے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا ہمیں خوف ہے ان سے ہم کو محفوظ رکھ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مونہوں پر سخت آندھی بھیجی' پھر اللہ عزوجل نے اس آندھی کے ذریعہ ان کو شکست دے دی۔

(مسند احمد ج ۳' ص ۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۱۴)

آخرت میں مسلمانوں کے مال کی نفع رسانی

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد ○ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا○ (الشعراء: ۸۹-۸۸)

یعنی مسلمانوں کے علاوہ اس دن کسی کا مال اس کو نفع نہیں دے گا خواہ وہ اس مال کو نیکی اور اچھائی کے راستوں میں خرچ کرتا رہا ہو' اور نہ اس کی اولاد اس کو نفع دے گی خواہ اس کی اولاد نیک' پرہیزگار اور عبادت گزار ہو۔

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان نہ لایا تو اس کا مال اس کی اولاد اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے یا وہ اپنے مال اور اپنی اولاد کا فدیہ دے کر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا' ورنہ مومن جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے وہ مال اس کو آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (البقرہ: ۲۷۱)

اگر تم علی الاعلان صدقہ اور خیرات کرو تو وہ بھی اچھا ہے' اور اگر تم چھپا کر فقراء کو صدقہ دو تو وہ بھی اچھا ہے' اللہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ

اور تم جو بھی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے تو اس کا فائدہ تمہارے لیے ہے' اور تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرو

اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ○(البقرہ:۲۷۲) گے‘اور تم جو بھی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے تم کو اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح مال کی نفع رسانی کے متعلق احادیث ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کرنے سے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۷‘سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۵‘سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سے صدقہ کرنے کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے‘ آپ نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تم کفایت سے خرچ کرنا چاہتے ہو اور تم کو فقر کا ڈر ہو اور تم کو خوش حالی کی امید ہو‘ اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری جان حلقوم تک پہنچ جائے اور تم کہو یہ چیز فلاں کے لیے ہے اور یہ چیز فلاں کے لیے ہے اور اب تو وہ فلاں کی ہو ہی گئی ہے (تمہارے مرنے کے بعد بہ طور وراثت)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۹‘صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۲‘سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۵‘سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کے طعام کو خرچ کرے جب کہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے جو کچھ وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتی ہے‘ اور اس کے خاوند کو بھی اس مال کے کمانے کا اجر ملتا ہے‘ اور اس مال کے رکھنے والے کو بھی اس کا اجر ملتا ہے اور بعض کو اجر عطا کرنے سے دوسرے بعض کا اجر کم نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۵‘صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۴‘سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۵‘سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷۲‘سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۴‘السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اس کے پاس بہ قدر ضرورت مال باقی رہے (یعنی سارا مال صدقہ میں نہ دے دے) اور پہلے ان پر خرچ کرے جس کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶‘مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۷)

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فتن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم میں سے کس کو سب سے زیادہ یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے یاد ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا‘ حضرت عمر نے کہا بے شک تم اس کی صلاحیت رکھتے ہو‘ تو بتاؤ آپ نے کیا فرمایا تھا؟ میں نے کہا آپ نے فرمایا تھا کوئی شخص اپنی بیوی‘ اپنی اولاد اور اپنے پڑوسی کی وجہ سے جس فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے‘ تو اس کی نماز‘ اس کا صدقہ اور خیرات کرنا‘ اس کا نیک باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا‘ ان کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۵‘صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۴)

آخرت میں مسلمانوں کی اولاد کی نفع رسانی

آخرت میں اولاد کی نفع رسانی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے باقی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے (۳) اس کی نیک اولاد جو

اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل فرمادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۳۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۲)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خواتین نے یہ عرض کیا کہ ہمیں وعظ کرنے کے لیے آپ ایک دن مقرر فرما دیجئے، تو آپ نے ان کو وعظ فرمایا، اور یہ فرمایا کہ جس عورت کے بھی تین بچے فوت ہو جائیں وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے ایک عورت نے کہا اور اگر دو ہوں تو! آپ نے فرمایا دو بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں ہوگا جس کے تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ دوزخ میں داخل ہو مگر قسم کو پورا کرنے کے لیے۔ امام بخاری نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم: ۷۱) اور تم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ناتمام (کچے) بچے کے ماں باپ کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو وہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا، تب اس سے کہا جائے گا اے ناتمام بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے، تو وہ اپنے ماں باپ کو اپنی ناف سے باندھ کر گھسیٹے گا حتیٰ کہ ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۸)

ابن ماجہ کی سند میں مندل بن علی العنزی نام کا راوی ضعیف ہے۔

قلب سلیم کی تعریف، اس کی علامات اور اس کا مصداق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا○ (الشعراء: ۸۹)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما اموالکم و اولادکم فتنۃ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور اولاد محض فتنہ ہیں۔ سو جو شخص اموال اور اولاد کے فتنہ سے سلامت رہا وہ قیامت کے دن شرمندگی سے سلامت رہے گا۔ اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

کفار یہ کہتے تھے کہ ہمارے اموال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہیں اور وہ اپنے اموال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کے اموال اور ان کی اولاد قیامت کے دن ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے، کیونکہ دنیا میں ان کے دل کفر اور شرک اور فسق و فجور سے سلامت نہیں رہے اور رہے مسلمان تو ان کو ان کے اموال کا صدقہ اور خیرات کرنا نفع دے گا، اور مسلمانوں کو ان کی اولاد بھی نفع دے گی کیونکہ مسلمان شخص کا بیٹا اگر اس سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اس کے لیے ذخیرہ اور اجر بن جاتا ہے، اور اگر مسلمان کے بعد اس کا بیٹا فوت ہو تو وہ اس کے لیے دعاء خیر کرتا ہے اور اس کے نیک اعمال کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اور اس کی شفاعت متوقع ہوتی ہے۔

قلب سلیم کا مصداق یہ ہے کہ اس کا قلب جہل اور اخلاق رذیلہ سے سلامت رہے کیونکہ جس طرح بدن کی صحت کا

سلامت رہنا اس کے مزاج کے معتدل ہونے پر موقوف ہے اور بدن کا مریض ہونا اس کے مزاج کے غیر معتدل ہونے سے عبارت ہے اسی طرح قلب کا سلامت رہنا علم اور اخلاق فاضلہ کے حصول اور جہل اور اخلاق رذیلہ سے خالی ہونے پر موقوف ہے۔

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا سوا اس شخص کے جو اللہ کے پاس ایمان اور اسلام کے ساتھ حاضر ہوا' بلکہ فرمایا جو اس کے پاس قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا کیونکہ ایمان وہی لاتا ہے جس کا قلب سلامت ہو اور جس کا قلب بیمار ہو وہ ایمان سے محروم رہتا ہے' اسی طرح اعمال صالحہ بھی قلب کی سلامتی پر موقوف ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں' جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے' پس جو شخص مشتبہات سے اجتناب کرتا ہے وہ اپنے دین اور اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے' اور جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہیں کرتا' وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے نزدیک بکریاں چراتا ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ اس کی بکریاں اس شاہی چراگاہ سے چرلیں' سنو! ہر بادشاہ کی خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی خاص چراگاہ اس کی حدود ہیں' سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے' وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور وہ فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے' سنو وہ دل ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۵۸' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۴)

قلب سلیم کی علامات یہ ہیں (۱) اس قلب میں خوف خدا ہو (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب' آپ کے قرابت دار' اولیاء اللہ اور علماء دین کی محبت ہو۔ (۴) دنیا سے دلچسپی کم اور آخرت کی طرف رغبت زیادہ ہو (۵) بے حیائی کے کاموں اور دیگر گناہوں سے نفرت ہو (۶) کینہ' حسد اور بغض سے خالی ہو (۷) عبادات سے محبت ہو (۸) ہر مسلمان کی خیر خواہی کا جذبہ ہو (۹) ایثار اور اخلاص ہو (۱۰) جب کسی شخص کے ساتھ نیکی کرے تو اس سے بدلہ کی توقع نہ کرے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ قلب سلیم کی تعریف میں لکھتے ہیں:

سلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا ہو' سو قلب سلیم والا وہ شخص ہے جو خوف خدا سے ڈسا ہوا ہو' یعنی جس طرح سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا شخص بے چین' مضطرب اور بے کل رہتا ہے وہ بھی خوف خدا سے بے کل اور بے چین رہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ پہلے گمراہی سے سلامت ہو' پھر بدعت سے' پھر غفلت سے پھر غیبت سے' پھر دنیاوی عیش و آرام اور دنیاوی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے یہ تمام چیزیں آفتیں ہیں اکابران سے سلامت رہتے ہیں اور اصاغران کی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قلب سلیم وہ ہے جو اپنے نفس کی محبت اور اس کی طرف توجہ اور ارادہ سے بھی سلامت ہو۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۴۰۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور متقین کے لیے جنت قریب کردی جائے گی ○ اور گمراہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کیا جائے گا ○ اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے ○ اللہ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں یا تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ ○ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ' دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے ○ اور ابلیس کا (سارا) لشکر بھی ○ وہ دوزخ

میں لڑتے ہوئے کہیں گے ○ اللہ کی قسم! بے شک ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○ جب کہ (اے بتو!) ہم تم کو رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے ○ اور ہمیں صرف مجرموں نے گم راہ کر دیا ○ سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے ○ اور نہ کوئی سچا دوست ○ اگر کاش دنیا میں ہمیں دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم پکے مومن بن جاتے ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

(الشعراء:۱۰۴-۹۰)

جنت اور دوزخ کی صفات

ازلفت کا معنی ہے قریب کر دی گئی حالانکہ جنت ابھی قریب نہیں کی گئی قیامت کے دن قریب کی جائے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا تحقق اور وقوع مستقبل میں یقینی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے' کیونکہ ماضی میں جو کام ہو چکا اس کا متحقق ہونا بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہوتا ہے۔

اور متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر اور شرک سے مجتنب ہوں اور وہ مسلمان جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہوں' اور متقین کا اعلیٰ درجہ وہ مسلمان ہیں جو گناہ صغیرہ' خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی مجتنب ہوں۔ الشعراء: ۹۰ میں جنت کا ذکر ہے اور الشعراء: ۹۱ میں دوزخ کا ذکر ہے اور جنت اور دوزخ کے متعلق یہ حدیثیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ میں بحث ہوئی۔ دوزخ نے کہا مجھے متکبر اور جابر لوگ دیے گئے ہیں جنت نے کہا میرے لیے کیا ہے مجھ میں تو کمزور' ردی اور پس ماندہ لوگ داخل ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تم میری رحمت ہو' میں اپنے بندوں میں سے جس پر رحم کرنا چاہوں گا تمہارے ساتھ اس پر رحم کروں گا' اور دوزخ سے فرمایا تم میرا عذاب ہو' میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب دینا چاہوں گا تمہارے ساتھ اس کو عذاب دوں گا' اور تم میں سے ہر ایک کے لیے بھرنا اور پر کرنا ہے' رہی دوزخ تو وہ اس وقت تک پر نہیں ہوگی جب تک کہ اللہ اس میں اپنا پیر نہیں رکھ دے گا' پھر وہ کہے گی: بس! بس! بس! اس وقت بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ' دوسرے بعض حصہ سے مل جائے گا' پس اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا' رہی جنت تو اللہ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو جبریل سے فرمایا: جاؤ جنت کی طرف دیکھو' وہ گئے اور انہوں نے جنت کی طرف دیکھا اور جنتیوں کے لیے اس میں جو نعمتیں رکھی ہیں ان کو دیکھا پھر وہ آئے اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت اور جلال کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا' پھر جنت کے اوپر مصائب اور مشقتیں ڈال دی گئیں' پھر جبریل سے فرمایا: اے جبریل اب جاؤ اور جنت کی طرف دیکھو' انہوں نے جا کر جنت کو دیکھا' پھر آئے اور کہا اے میرے رب تیری عزت اور جلال کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ اب تو اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کی طرف دیکھو' جبریل گئے اور انہوں نے دوزخ کو دیکھا پھر کہا: اے میرے رب تیری عزت کی قسم! دوزخ کو سن کر تو کوئی شخص بھی اس میں داخل نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر شہوتیں ڈال دیں' پھر فرمایا: اے جبریل جاؤ دوزخ کی طرف دیکھو' وہ گئے اور انہوں نے دوزخ کو دیکھ کر کہا: اے میرے رب تیری عزت کی قسم! اب تو کوئی شخص بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۷۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۹۸)

جنت اور دوزخ کس جگہ پر واقع ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہنم غاوین کے لیے ظاہر کی گئی ہے' غاوین سے مراد کافر اور مشرک ہیں۔ کفار کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ان پر دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا' تاکہ دوزخ کا خوف اور غم ان پر طاری ہو جائے' اسی طرح جنتیوں کو بھی پہلے جنت دکھا دی جائے گی تاکہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ان پر فرح اور سرور کی کیفیت طاری ہو جائے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جنت کے متعلق فرمایا اس کو قریب کر دیا گیا ہے اور دوزخ کے متعلق فرمایا اس کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی اس کو دکھایا گیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جنت اہل محشر کے قریب ہوگی اور دوزخ کو دور سے دکھایا جائے گا' ابن کمال نے یہ کہا ہے کہ جنت کی جگہ ارض محشر سے بہت دور ہے اس لیے فرمایا اس کو متقین کے قریب کر دیا گیا اور دوزخ کی جگہ ارض محشر کے قریب ہے اس لیے فرمایا اس کو ظاہر کیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ یہ مشہور قول پر مبنی ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں ہے' اور قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا جائے گا تو اس کی گولائی کو ختم کر کے اس کو پھیلا دیا جائے گا' کیونکہ قرب اور بعد کا معاملہ اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے۔

اور یہ امر واضح رہے کہ جنت کا آسمان میں ہونا ان امور میں سے ہے جن پر اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس میں ان کا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے' لیکن دوزخ کے زمین کے نیچے ہونے میں توقف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتمام الدرایہ میں کہا ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ کے متعلق ہم توقف کرتے ہیں۔ دوزخ کس جگہ پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اس باب میں مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس پر مجھے اعتماد ہو اور ایک قول یہ ہے کہ دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ علامہ سیوطی کا کلام ختم ہوا۔

زمین کو پھیلا کر اس کی گولائی کو ختم کر دینا یہ بعض کا قول ہے۔ امام قرطبی نے التذکرہ میں بہ کثرت احادیث کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک اور زمین کو پیدا کرے گا جو چاندی کی ہوگی اور سفید ہوگی جس پر کوئی ناحق خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی ظلم کیا گیا ہوگا' اور ارض محشر سے دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے کے متعلق اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور وہ پل صراط دوزخ کی پشت پر رکھا ہوا ہے جیسا کہ اس کی احادیث میں تصریح ہے' پس پہلے دوزخ تک پہنچنا ہوگا پھر پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور یہ دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے میں واضح ہے' پھر اس آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو اس کی اصل جگہ سے ارض محشر کے قریب منتقل کیا جائے گا کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے اور جنت متقین کے قریب کر دی گئی اور احادیث میں جنت کو منتقل کرنے کا ذکر نہیں ہے' ہاں احادیث میں دوزخ کو نقل کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ التذکرہ میں ہے' امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کے ساتھ ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کو اس کی اصل جگہ سے لایا جائے گا۔

بہر حال اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت کے دن جنت کو متقین کے لیے ارض محشر کے قریب لایا جائے گا اور دوزخ کو دکھایا جائے گا۔ اور علامہ قرطبی نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ دوزخ کی پشت پر پل صراط کو بچھا دیا جائے گا سو پہلے دوزخ سے گزر ہوگا اور پھر جنت تک رسائی ہوگی۔ (روح المعانی جز ۱۹ص ۱۵۲-۱۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے' اور اس سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں' اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

اور دوزخ کے متعلق کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ کہاں پر ہے۔

مشرکین' ان کے باطل معبودوں اور ان کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کی دوزخ میں حالت زار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے؟ ○ اللہ کو چھوڑ کر' کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا وہ تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ ○ (الشعراء: ۹۳-۹۲)

یعنی جب تم دنیا میں تھے تو کس کی دائماً عبادت کرتے تھے؟ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کے متعلق تمہارا یہ زعم تھا کہ اس میدان حشر میں تمہاری شفاعت کریں گے' تم جس دوزخ کو اور اس میں عذاب کو دیکھ رہے ہو کیا وہ تم سے اس عذاب کو دور کر سکتے ہیں' یہ سوال ان سے جواب طلب کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی زجر و توبیخ اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے تھا۔ اس لیے فرمایا:

پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیئے جائیں گے ○ اور ابلیس کا سارا لشکر بھی ○ (الشعراء: ۹۵-۹۴)

اس آیت میں کبکبوا کا لفظ ہے' کب کا معنی ہے کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا' اور اکب کا معنی ہے کسی چیز کو اوندھے منہ اس کے کام پر گرا دینا' کبکبة کا معنی ہے کسی چیز کو لڑھکا کر کسی گڑھے یا غار میں گرا دینا' اور کبکبوا فیھا کا معنی ہے ان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۴۳' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

زجاج نے کہا ہے کہ کبکبة کا معنی ہے کسی کو بار بار اوندھے منہ گرانا' یعنی ان کو بار بار دوزخ میں اوندھے منہ گرایا جائے گا حتیٰ کہ وہ دوزخ کی گہرائی میں پہنچ جائیں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو اور غاوون کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ اس آیت کے کئی محمل ہیں:

(۱) ان سے مراد ہے مشرکین عرب اور غاوون سے مراد ہے عام مشرکین۔

(۲) ان سے مراد ہے پیروی کرنے والے مشرکین اور غاوون سے مراد ہے' وہ سردار جن کی عام مشرکین پیروی کرتے تھے۔

(۳) ان سے مراد وہ بت ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے اور غاوون سے مراد وہ مشرکین ہیں جنہوں نے ان بتوں کی عبادت کی تھی' سو پہلے بتوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' اس کے بعد ان کی پرستش کرنے والوں کو تاکہ بتوں کی پرستش کرنے والے اول میں ہی ان سے مایوس ہو جائیں کہ جن کی شفاعت کی ہمیں توقع تھی کہ وہ ہماری شفاعت کر کے ہم کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لیں گے وہ تو خود اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے گئے ہیں' ہم کو کیا چھڑائیں گے!

نیز فرمایا اور ابلیس کا سارا لشکر بھی۔ ابلیس کے سارے لشکر سے مراد جن اور انس میں سے اس کے پیروکار ہیں' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد شیاطین ہیں' کیونکہ شیاطین نے ہی مشرکین کو بتوں کی عبادت کرنے پر اکسایا تھا' اور اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین جن کے بہکانے اور ورغلانے میں آ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے آج وہ بہکانے والے' وہ بت اور ان کی پرستش کرنے والے سب دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔

دوزخ میں مشرکین اور بتوں کا ایک دوسرے کو مطعون کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں (ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے) کہیں گے ○ اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○ جب کہ (اے بتو!) ہم تم کو رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے ○ اور ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا ○ (الشعراء: ۹۹-۹۶)

سابقہ آیتوں سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین' ان کے معبود بت اور اس عبادت کی ترغیب دینے والے شیاطین سب جہنم میں اوندھے منہ گرا دیے گئے' پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کے جواب میں فرمایا پھر وہ سب آپس میں لڑنے لگے:

اور بتوں کی پرستش کرنے والوں نے بتوں سے کہا بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب ہم تمہاری عبادت کرتے تھے' اس طرح وہ بت پرستی پر اپنی ندامت کا اظہار اور بتوں کی عبادت کرنے میں اپنی رائے کی غلطی کا اعتراف کریں گے اور ہدایت کو اختیار نہ کرنے پر اپنی حسرت کا اظہار کریں گے اور اس دن بتوں سے اظہار برأت کرنا اور ان کی مذمت کرنا ان کے لیے سود مند نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ○ (الزخرف: ۳۹)

اور جب کہ تم ظلم کر چکے ہو تو یہ بات تم کو ہرگز نفع نہیں دے گی کہ تم سب عذاب میں مشترک ہو۔

اس وقت مشرک کہیں گے کہ ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا تھا۔ اس آیت میں مجرموں سے مراد کون ہیں اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) کیونکہ اس سے پہلے مشرکین کا بتوں اور شیاطین سے جھگڑے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں سے مراد وہی بت اور شیاطین ہیں۔

(۲) اس سے مراد ان کے بڑے بڑے سردار ہیں جن کی وہ عقائد میں پیروی کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ○ (الاحزاب: ۶۷)

اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے بڑوں اور اپنے سرداروں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

(۳) اس سے مراد ان کے اگلے باپ دادا ہیں۔

(۴) اس سے مراد وہ جن اور انس ہیں جنہوں نے ان کو بتوں کی عبادت کرنے پر اکسایا۔

(۵) ابن جریج نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے اور قابیل ہے جس نے سب سے پہلے قتل کیا تھا اور معصیت کی بنیاد رکھی تھی۔

اس دن مشرکین حیران ہوں گے کہ اپنے کفر اور شرک کا سبب کس کو قرار دیں' کبھی وہ اس کا سبب ابلیس کو قرار دیں گے' کبھی اگلے باپ دادا کو اور کبھی اپنے بڑوں اور سرداروں کو اور کبھی اپنے دوسرے دوستوں کو' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکین آپس میں لڑ رہے ہوں' اور کہہ رہے ہوں کہ تم میری گمراہی کا سبب ہو اور اگر تم نہ ہوتے تو میں مومن ہوتا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا فرمائے اور وہ بت ان سے کہیں کہ ہم تو جمادات تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے بری تھے تم نے ہم کو اپنا معبود بنا لیا اور ہم کو اس ہلاکت میں مبتلا کر دیا۔

صدیق اور حمیم کا معنی

اس کے بعد مشرکین کہیں گے: سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے O اور نہ کوئی سچا دوست O
(الشعراء: ۱۰۱-۱۰۰)

جب مشرکین اور کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مومنوں کی شفاعت کر رہے ہیں اور ان کو دوزخ اور عذاب سے نجات دلا رہے ہیں تو اس وقت وہ حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

صدیق کا معنی ہے دوست' اس کی جمع اصدقاء ہے' علامہ راغب نے کہا ہے کہ صداقة کا معنی ہے دوستی میں صدق اعتقاد' اور یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۵' مکہ مکرمہ) حمیم کا معنی ہے نہایت گرم پانی اور گہرا دوست' اصل میں حمیم سخت گرم پانی کو کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے اس قریبی دوست کو بھی حمیم کہا جاتا ہے جو اپنے دوست کی حمایت میں گرم ہو جائے' اگر حمیم گرم پانی کے معنی میں ہو تو اس کی جمع حمائم ہے اور اگر گہرے دوست کے معنی میں ہو تو اس کی جمع احماء ہے۔ حمیم بہ معنی گرم پانی اس آیت میں ہے:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا. (محمد: ۱۵) اور (کافروں کو دوزخ میں) گرم پانی پلایا جائے گا۔

اور دوست کے معنی میں اس آیت میں ہے:

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا O (المعارج: ۱۰) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۷۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

مومنوں کی مغفرت اور اس پر کفار کی حسرت کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن پل صراط سے گزریں گے' اور صراط ایک پھسلواں جگہ ہے۔ لوگ اس سے پھسل کر دوزخ کی آگ میں گریں گے اور دوزخ کی آگ ان کو پکڑ لے گی' اور جس طرح برف باری کے ایام میں برف گرتی ہے اسی طرح دوزخ کی آگ ان پر گرے گی' اور وہ بہت زور سے چنگھاڑ رہی ہوگی' وہ اسی حال میں ہوں گے کہ ان کے پاس رحمان کی جانب سے ایک ندا آئے گی: اے میرے بندو! تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے تھے' پھر وہ ان کو ایسی آواز کے ساتھ جواب دے گا کہ تمام مخلوق میں سے کسی نے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی' اے میرے بندو! مجھ پر حق ہے کہ میں آج تم کو اپنے سوا کسی کے سپرد نہ کروں۔ میں نے تم کو معاف کر دیا اور تم سے راضی ہو گیا' پھر اس وقت ملائکہ شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے' پس لوگ اس جگہ سے نجات حاصل کریں گے اور جو لوگ ان کے نیچے دوزخ میں ہوں گے وہ کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست' اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ان کو اور غاوون (بتوں) کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان سے کہا جائے گا اب تم آخر دن تک دوزخ میں رہو۔

امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے

شک میری امت کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔ جب وہ ارض محشر میں کھڑے ہوں گے تو اللہ کی طرف سے ایک منادی آئے گا' اور ندا کرے گا جن لوگوں نے ناحق خون بہایا ہے وہ الگ کھڑے ہو جائیں' وہ دوسروں سے الگ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے' ان کے پاس خون بہ رہا ہو گا' ان کو بلانے والا ان سے کہے گا اس خون کو ان کے جسموں میں لوٹاؤ' پھر ان سے کہے گا دوزخ کی طرف اکٹھے ہو جاؤ' پھر جس وقت ان کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا' ایک منادی ندا کرے گا یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے' پھر ان کو ایک جگہ کھڑا کیا جائے گا جہاں وہ دوزخ کی تپش محسوس کریں گے' حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حساب سے فراغت ہو جائے گی' پھر ان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ ان کو' ان کے متبوعین کو اور ابلیس کو اور اس کے لشکر کو۔

امام ابوالشیخ' امام ابن مردویہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آیا کوئی ایسا دن ہو گا جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے کوئی مستغنی نہیں کر سکے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تین مقامات پر' میزان کے پاس' نور اور ظلمت کے پاس۔ اور پل صراط کے پاس' جس کو اللہ سلامت رکھنا چاہے گا اس کو پل صراط سے گزار دے گا' اور جس کو چاہے گا اس کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! پل صراط کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک راستہ ہے' جو استرے کی مثل ہے' لوگ اس سے گزریں گے اور ملائکہ دائیں بائیں صف باندھے کھڑے ہوں گے' اس پر درخت سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے (ہک) ہوں گے اور وہ فرشتے دعا کر رہے ہوں گے' اے رب! سلامت رکھ' سلامت رکھ اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو سلامت رکھے گا اور جس کو چاہے گا اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۷۹-۲۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مومنوں کے دوستوں کا قیامت کے دن کام آنا اور کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی جنت میں یہ کہے گا کہ میرا فلاں دوست کہاں ہے؟ اور اس کا وہ دوست دوزخ میں ہو گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے دوست کو جنت میں بھیج دو' پھر جو لوگ دوزخ میں باقی ہوں گے وہ کہیں گے' ہمیں کیا ہوا کہ ہمارے لیے شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۷۲' الوسیط ج ۳ ص ۳۵۷)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں یہ روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک بندے کا حساب لیا جائے گا اس کی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوں گی' اور اس کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہو گی' جس سے وہ اپنے قرض خواہوں کو راضی کر دے' اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے میرے بندے تیری صرف ایک نیکی رہ گئی ہے اگر وہ ہوتی تو میں تجھے جنت میں داخل کر دیتا' تم دیکھو اور لوگوں میں تلاش کرو شاید کوئی شخص تم کو ایک نیکی دے دے' وہ آ کر میدان حشر کی صفوں میں تلاش کرے گا' اپنے باپ' اپنی ماں اور اپنے دوستوں میں سے ہر ایک سے کہے گا' ان میں سے کوئی بھی اس کو ایک نیکی نہیں دے گا' اور ان میں سے ہر ایک یہ کہے گا آج ہم خود نیکیوں میں سے کسی ایک نیکی تک کے محتاج ہیں' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے میرے بندے! کیا تیرا کوئی وفادار دوست نہیں ہے؟ پھر اس بندے کو اپنا ایک وفادار دوست یاد آئے گا' وہ اس کے پاس جا کر اس سے ایک نیکی کا سوال کرے گا'

وہ اس کو ایک نیکی دے دے گا' وہ پھر اسی جگہ اپنے رب کو اس نیکی کے ملنے کی خبر دے گا' اللہ فرمائے گا میں نے اس نیکی کو اس سے قبول کر لیا' اور اس کے حق سے کسی چیز کی کمی نہیں کی' میں نے اس کو بھی بخش دیا اور تمہیں بھی بخش دیا۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کے نزدیک دوستی کا بہت بڑا اعتبار ہے۔

حسن نے کہا زیادہ سے زیادہ مسلمانوں سے دوستی رکھو کیونکہ قیامت کے دن ان کی شفاعت ہوگی۔

حسن بصری نے کہا جب بھی کوئی جماعت اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے تو ان میں کوئی جنتی بندہ ہوتا ہے جو ان کی شفاعت کرتا ہے' اور مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کی شفاعت قبول کی جانے والی ہے۔ (روح البیان ج ٦ ص ٣٧٣-٣٧٢' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ھ)

علامہ اسماعیل حقی نے جو روایت ذکر کی ہے مجھے اس کی تائید حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

کعب احبار نے بیان کیا دو آدمی دنیا میں دوست تھے' قیامت کے دن ان میں سے ایک دوسرے کے پاس سے گذرا' جس کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لایا جا رہا تھا' پس اس کا بھائی اس سے کہے گا' اللہ کی قسم! تمہاری نجات کے لیے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے! اے میرے بھائی تم وہ نیکی لے لو تم کو اس عذاب سے نجات مل جائے گی اور میں اور تم دونوں اصحاب الاعراف سے ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ١١٠' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے۔

ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مومنوں کے دوست آخرت میں ان کے کام آئیں گے اور کفار اس نعمت سے محروم ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝ (الزخرف: ٦٧) — اس دن سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے۔

اس دن جب کفار دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی شفاعت انبیاء' ملائکہ اور ان کے دنیا کے دوست کر رہے ہیں تو اس وقت وہ حسرت سے کہیں گے' ہماری شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور نہ ہمارا کوئی وفادار دوست ہے' اور جن کو ہم دنیا میں اپنا دوست اور نجات دہندہ سمجھتے تھے آج وہ خود عذاب میں گرفتار ہیں اور نجات کے طالب ہیں اور جن بتوں کو ہم خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے وہ سب ہم سے پہلے جہنم میں جا گرے ہیں۔

مصائب میں گھر کر انسان کا اللہ کی طرف رجوع کرنا اور مصائب دور ہونے کے بعد پھر غافل ہو جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (پھر مشرکین کہیں گے) اگر کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم پکے مومن بن جاتے ۝ (الشعراء: ١٠٢)

ان کا یہ کلام افسوس اور حسرت کے اظہار کے لیے ہے' اور اگر ان کو دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو وہ ضرور دوبارہ ان کاموں کو کرتے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا' کیونکہ جو بندہ ایمان پر کفر کو اختیار کرے اور اللہ اس میں گمراہی کو پیدا کر دے اس کو پھر کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' خواہ ان کو دنیا میں بار بار لوٹایا جائے کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص کے گناہوں کی شامت اعمال سے اس پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے وہ گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس بار اس کو معاف کر دے وہ دوبارہ ایسے برے کام نہیں

کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اور جب وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے تو وہ اس گرفت کو بھول جاتا ہے پھر حسب سابق برائیوں میں مشغول ہو جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتا ہے' پھر جب وہ اپنے پاس سے اس کو نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کر رہا تھا۔

قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُم مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ ○ (الانعام: ۶۴-۶۳)

آپ کہیے وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے نجات دیتا ہے' (جب) تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو اگر تو ہم کو ان تاریکیوں سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو ان تاریکیوں سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے' پھر تم شرک کرنے لگتے ہو ○

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (یونس: ۲۳-۲۲)

وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محو سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں' اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں' تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں' اس وقت وہ دین میں مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر بجا لانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب اللہ نے انہیں بچا لیا تو پھر وہ یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں' اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے۔ دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (اٹھا لو) پھر تم نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے' پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے۔

سو جس طرح ناشکرے انسان اور کفار مصائب میں گھر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مصائب دور ہو جانے کے بعد پھر اس سے منحرف ہو جاتے ہیں اور اپنی روش پر لوٹ جاتے ہیں' اسی طرح کفار قیامت کے دن دوزخ کا عذاب دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اگر ہمیں پھر ایک بار دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم شرک نہیں کریں گے لیکن اللہ کو خوب علم ہے کہ اگر ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا تو یہ پھر اسی طرح شرک کریں گے اور قیامت کے اس عذاب کو بھول جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○

(الشعراء:۱۰۳)

یعنی حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں ان لوگوں کو غور و فکر کرنا چاہیے اور عبرت حاصل کرنی چاہیے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ جان لیں کہ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکیں گے‘ ان کو کسی ضرر سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے اور وہ بالآخر ان سے بیزار ہو جائیں گے تو کیوں نہ دنیا میں ہی ان کی عبادت کرنے سے بری ہو جائیں اور شرک کو ترک کردیں اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں‘ خصوصاً اہل مکہ کو اس میں غور کرنا چاہیے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں۔ اور حضرت ابراہیم کی قوم کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے‘ جس طرح ابتداءً اہل مکہ میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔ روایت ہے کہ اہل بابل میں سے حضرت ابراہیم پر صرف حضرت لوط اور نمرود کی بیٹی ایمان لائی تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۷۳)

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب‘ بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (الشعراء:۱۰۴)

اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے جب چاہے منکرین اور مشرکین پر عذاب بھیج کر ان کو نیست و نابود کرسکتا ہے‘ اور بہت رحیم ہے کہ وہ عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور مشرکین کو رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی مہلت دیتا ہے اور جو اس کی بارگاہ میں توبہ کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے‘ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے قریش کو ایمان لانے کی مہلت دی یا یہ کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے۔

انسان کا نفس اس کو برائی کا حکم کرتا ہے اس لیے وہ اس کو کفر کا حکم دیتا ہے اور کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نفس امارہ کی مخالفت کر کے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اس لیے فرمایا ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ اپنی رحمت سے ان لوگوں کو اپنی راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف پہنچنے کے لیے کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں‘ ہر چند کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے کرم سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لیے ہدایت کے اسباب کو حاصل کرنا ضروری ہے اور انسان اس دنیا میں ہی اللہ کی نافرمانی کرنے پر اپنے نفس کو ملامت کرے اور گناہوں پر توبہ کرے اور ان کا تدارک اور تلافی کرے بجائے اس کے کہ قیامت کے دن کفار کی طرح اپنے برے اعمال پر کف افسوس ملے اور پچھتائے اور یہ تمنا کرے کہ کاش اس کو ایک اور نیکی کرنے کا موقع دیا جائے اور پھر دنیا میں بھیج دیا جائے‘ سو وہ اس دنیا میں ہی اپنے برے کاموں پر خود کو ملامت کرے اور توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت رحیم ہے‘ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے قارئین کو غور سے سننے والا اور عبرت حاصل کرنے والا بنائے‘ اپنی خامیوں کی اصلاح کرنے والا‘ توبہ کرنے والا اور نیک عمل کرنے والا بنائے۔ ہدایت پر مستقیم رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا‘ قبر‘ حشر اور آخرت کے تمام مراحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت‘ آپ کی شفاعت اور آپ کے قرب سے متمتع فرمائے۔ (آمین)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ

نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان کے ہم قبیلہ

نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو تم اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

اور میری اطاعت کرو ○ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف

عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا

رب العلمین پر ہے ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ ان کی قوم نے کہا

أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا

کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پسماندہ لوگوں نے کی ہے ○ نوح نے کہا ان کے کاموں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾

کو جاننے سے مجھے کیا سروکار ہے ○ ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو ○

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا

اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں ○ اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ○ (ان کی

لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ

قوم نے کہا) اے نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کر دیا گیا ○ (نوح نے) عرض

إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي

کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی ○ پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے اور مجھے اور

وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي

ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ○ پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو

الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے ○ بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا ○ بے شک اس میں

لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ○ بے شک آپ کا رب ضرور بہت غالب

النصف

ع ۶ ۱۸ ۱۰

الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۲﴾ ع

بہت رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں اس (تبلیغ دین) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O

(الشعراء: ۱۱۰-۱۰۵)

ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے

یہ اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہے اور یہ تیسرا قصہ ہے۔ اس سے پہلے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے قصے بتائے تھے اور یہ بتایا تھا کہ ان کی قوم ان کا پیغام سن کر کیسی بدتمیزی اور گستاخی کے ساتھ پیش آئی اور ان کے معجزات دیکھنے اور ان کے دلائل سننے کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر جمی رہی اور ایمان نہ لائی۔ سو اگر آپ کی قوم بھی آپ کے پیغام کی تکذیب کرتی ہے اور ایمان نہیں لاتی اور ضد اور عناد سے کام لیتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر جمی رہتی ہے تو آپ غم اور افسوس نہ کریں تمام نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ایسا ہوتا آیا ہے۔

فرمایا: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (الشعراء: ۱۰۵) اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی تو یہ ایک رسول کی تکذیب ہوئی تمام رسولوں کی تکذیب تو نہ ہوئی' پھر یہ کیوں فرمایا انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی' اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے ایک رسول کی تکذیب کی اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ تمام رسولوں کا پیغام ایک ہوتا ہے وہ سب اللہ کو واحد ماننے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں' اور اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں' برے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ کے نہ ماننے پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اس کے ماننے پر آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ تمام رسولوں کا یہی مشن ہوتا ہے اس لیے جس نے ایک رسول کا انکار کیا اس نے گویا سب رسولوں کا انکار کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام رسولوں کی رسالت کے اثبات کا طریقہ ایک ہے۔ سب رسول دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت اور رسالت کو ثابت کرتے ہیں اور اپنی سابقہ پاکیزہ حیات اور اپنے صدق اور امانت کو اپنی رسالت کی دلیل قرار دیتے ہیں' سو جس نے کسی ایک رسول کا انکار کیا تو اس نے سب رسولوں کا انکار کر دیا کیونکہ سب رسولوں کی رسالت کے اثبات کا طریقہ واحد ہے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر رسول تمام رسولوں کی تصدیق کرنے کا حکم دیتا ہے تو جس نے کسی ایک رسول کی تکذیب کی تو اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کر دی' اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ المرسلین میں الف لام جنس کا ہے اور جنس کا الف لام جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے انہوں نے جنس رسالت کی تکذیب کر دی' پانچواں جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے عقائد دھریوں اور برہمنوں کی طرح ہوں اور وہ نبوت کو بالکل نہ مانتے ہوں۔

حضرت نوح کو بھائی کہنے کی توجیہ اور ان کی نبوت پر دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ (الشعراء: ۱۰۶) اس آیت

کے الفاظ ہیں **اذقال لھم اخوھم نوح** ...... جب ان کے بھائی نوح نے کہا' ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کے نسباً بھائی تھے نہ دینی بھائی تھے تو یہاں بھائی سے مراد یہ ہے کہ ان کے قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ ان کا بھائی اس لیے کہا کہ ان کی قوم ان سے متنفر نہ ہو' کہ وہ کوئی اجنبی شخص ہیں بلکہ وہ ان ہی کی قوم کے ایک فرد ہیں' ان ہی کی جنس سے ہیں اور ان ہی کی زبان بولنے والے ہیں اور جن احکام پر عمل کرنے کی وہ دعوت دے رہے ہیں ان پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے' کیونکہ وہ خود بھی ان احکام پر عمل کر رہے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کو بھائی کہنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ہم نے اس پر مفصل بحث ھود: ۵۰ میں کردی ہے' دیکھیے تبیان القرآن ج ۵ ص ۵۶۷-۵۶۳)

حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو ترجیح دے رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت نوح نے کہا: بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ (الشعراء: ۱۰۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے وہ میرے پاس امانت ہے' میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا اور جوں کی توں وحی اور اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیتا ہوں' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں امانت دار مشہور تھے جس طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اپنی قوم میں الصادق الامین کے لقب سے مشہور تھے' اس قول سے حضرت نوح علیہ السلام یہ دلیل قائم کرنا چاہتے تھے کہ جب میں لوگوں کی امانت میں کوئی خیانت نہیں کرتا تو اللہ کے معاملہ میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں کہ اس نے مجھے نبی نہ بنایا ہو اور مجھ پر وحی نازل نہ کی ہو اور میں کہوں اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھ پر وحی نازل کی ہے' سو جس طرح اس آیت سے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس آیت سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرت نوح نے فرمایا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (الشعراء: ۱۰۸)

یعنی جب میرا رسول ہونا دلیل سے ثابت ہو گیا تو پھر تم میری اطاعت کرو' اور اللہ کے عذاب سے ڈرو' کیونکہ اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو تم پر اللہ عذاب نازل فرمائے گا' لہٰذا تم میرے کہنے سے اللہ کو واحد مانو' اور شرک اور بت پرستی کو ترک کر دو۔

مواعظ اور خطابات پر اجرت لینے کا جواز

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (حضرت نوح نے کہا): اور میں اس (تبلیغ دین) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔ (الشعراء: ۱۰۹)

یعنی میں نے اپنی کسی ضرورت یا لالچ کی بنا پر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور تم تک دین کے احکام پہنچانے میں جو میں مشقت اٹھا رہا ہوں اس پر میں تم سے کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں بلکہ اس محنت اور مشقت پر میں صرف اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب ہوں۔

بعض علماء نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تبلیغ دین میں جو مشقت ہوتی ہے اس پر لوگوں سے معاوضہ لینا اور نذرانے وصول کرنا جائز نہیں ہے' چنانچہ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اللہ کے لئے عمل کرتا ہے وہ اس کا اجر غیر اللہ سے طلب نہ کرے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ علماء جو انبیاء کے وارث ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے آداب کے ساتھ متصف ہوں' اور وہ علوم کی اشاعت اور تبلیغ میں لوگوں سے کچھ طلب نہ کریں اور

اپنی تعلیم، تدریس، وعظ اور خطابات سے کوئی نفع حاصل نہ کریں کیونکہ جو علماء اپنے مواعظ اور خطابات کا سننے والے مسلمانوں سے کوئی نذرانہ لیتے ہیں تو ان کے مواعظ سننے والوں کو کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی اور نہ علماء کو وعظ سنا کر نذرانے لینے اور معمولی دنیاوی معاوضہ کے بدلہ میں دین فروخت کرنے سے کوئی برکت حاصل ہوگی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۷۵-۳۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہر چند کہ علامہ اسماعیل حقی نے قرآن اور حدیث کی اجرت لینے میں صرف برکت کی نفی کی ہے جواز کی نفی نہیں کی، تاہم ہمارے نزدیک برکت کی نفی بھی صحیح نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اجرت لینے کی اجازت دی ہے اور اکابر صحابہ کرام دینی خدمات کا معاوضہ لیتے رہے ہیں تو اس معاوضہ کو بے برکت اور بے فیض کہنا کس طرح صحیح ہوگا!

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله.　　جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۷، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ صبح کو کپڑوں کی ایک گٹھڑی لے کر فروخت کرنے کے لیے بازار گئے۔ ان کی حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن جراح سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا بازار! ان دونوں نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا آپ چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں، پھر انہوں نے حضرت ابوبکر کے لیے ہر روز آدھی بکری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۴، مطبوعہ دار صادر بیروت، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا میں نے اپنے لیے بیت المال کو یتیم کے درجہ میں قرار دیا ہے جو مستغنی ہو وہ اجتناب کرے اور جو ضرورت مند ہو وہ کھا لے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷۶، مطبوعہ دار صادر بیروت، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور جن روایات میں قرآن اور حدیث کی تعلیم پر اجرت لینے سے منع کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں، اس کی مکمل تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۰۷۱-۱۰۳۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ کہا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (الشعراء: ۱۱۰)

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ یہ کلام فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے کہا تھا بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اس کے بعد فرمایا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو یعنی جب میری رسالت ثابت ہوگئی تو تم میری اطاعت کرو ورنہ تم اللہ کے عذاب کے مستحق ہوگے، اور دوسری بار جب فرمایا میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، تو دوبارہ فرمایا سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو یعنی جب یہ واضح ہوگیا کہ میرا تمہیں دین پہنچانا محض اخلاص سے ہے اور میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لے رہا تو تم پر میری اطاعت کرنا واجب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے دو مرتبہ اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ دونوں حکموں کے دو مختلف سبب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم نے کہا کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پس ماندہ لوگوں نے کی ہےo نوح نے کہا ان کے کاموں کو جاننے سے مجھے کیا سروکار ہےo ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہوo اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوںo اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوںo

(الشعراء: ۱۱۵-۱۱۱)

جن نیک لوگوں کو معاشرہ میں پست اور بے وقعت سمجھا جاتا ہے اللہ کے نزدیک وہی عزت والے ہیں

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا ہم کیسے آپ پر ایمان لائیں حالانکہ جو لوگ آپ کی پیروی کررہے ہیں وہ بہت پس ماندہ ہیں' ان کے پاس مال و دولت ہے' نہ معاشرہ میں کوئی نمایاں حیثیت ہے' جب آپ کے ساتھ نچلے درجہ کے لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے' قرآن مجید میں ان کے لیے ارذلون کا لفظ ہے اور یہ ارذل کی جمع ہے' اور رذالت کا معنی ہے خست اور گھٹیا پن' جن سے نفرت کی جائے۔ ان کی قوم کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی پیروی نہایت بے وقعت لوگوں نے کی ہے جن کا کوئی وزن اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ کم عقل لوگ ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ جوتیاں گانٹھنے والے اور حجامت کرنے والے لوگ ہیں ان کو کیا خبر کہ کس کی عبادت کرنی چاہیے اور کس کی نہیں' ان کے نزدیک عزت اور وجاہت والے لوگ وہ تھے جن کے پاس مال و دولت ہو معاشرہ میں ان کا اونچا مقام ہو' اور وہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کی مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے' کیونکہ اصل نعمت تو آخرت کی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے خوف' اس کی اطاعت اور اس کے نبی کی محبت اور اس کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے سو عزت اور وجاہت والا وہی ہے جو اس نعمت سے سرفراز ہو اور ارذل اور پس ماندہ وہ ہے جو اس نعمت سے محروم ہو' اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفار قریش آپ کے اصحاب کو ارذل اور گھٹیا کہتے تھے' اور ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں کو متکبر لوگ ارذل اور گھٹیا کہتے رہے ہیں' اور انبیاء علیہم السلام کے زیادہ تر پیروکار وہی ہوتے ہیں جن کو معاشرے میں کم حیثیت' بے وقعت اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے' اسی طرح اولیاء اللہ جو انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی معاشرہ کے اسی طبقہ سے ہوتا ہے جس کو پس ماندہ کہا جاتا ہے' اور بہت کم مالدار لوگوں اور دنیاوی سرداروں کو ولایت کی دولت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات: ۱۳) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور متقی ہے۔

آج ہمارے معاشرہ میں زیادہ عزت والا اس کو سمجھا جاتا ہے جو سرمایہ دار ہو' وزیر ہو' بینک یا کسی اور ادارہ میں بہت بڑا افسر ہو خواہ اس کی دولت' اسمگلنگ' جعلی اشیاء بنانے' سودی کاروبار' نشہ آور اشیاء کی فروخت اور رشوت سے حاصل ہوئی ہو' جو شخص جتنا زیادہ حرام ذرائع سے روزی حاصل کرنے والا ہو وہ اتنا بڑا عزت دار ہے' اور جو زمین کھودنے والا' سڑکیں اور مکان بنانے والا مزدور ہو' محنت مشقت سے دیواروں پر رنگ کرنے والا رنگریز ہو' جوتی کی مرمت کرنے والا موچی ہو جو اپنی محنت مشقت سے رزق حلال کھاتا ہو اس کو نچلے درجہ کا اور گھٹیا ذات کا سمجھا جاتا ہے اور اس کو اشراف میں شمار نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ بڑے بڑے نامور علماء اور فقہاء اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کو ان کے ان ہی پیشوں سے پکارا جاتا تھا۔ امام بزاز کپڑا بیچتے تھے' بزاز کپڑا بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ امام خصاف جوتیوں کی مرمت کرتے تھے' خصاف جوتی مرمت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ امام حداد لوہار تھے' حداد لوہار کو کہتے ہیں۔ امام غزالی کپڑا بنتے تھے اس کو غزالی کہتے ہیں۔ علامہ قدوری مٹی کی ہنڈیا بناتے

تھے اس کو قدوری کہتے ہیں جس کو لوگ کمہار کہتے ہیں۔ آج ان پیشوں کو گھٹیا اور باعث عار سمجھا جاتا ہے اور یہ فقہاء ان ہی پیشوں سے مشہور ہیں اور ان پر فخر کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک یہی لوگ عزت والے ہیں۔

احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہیں اور باطن اللہ کے سپرد ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نوح نے کہا ان کے کاموں کو جاننے سے مجھے کیا سروکار؟ (الشعراء: ۱۱۲) ان کی قوم نے کہا تھا کہ یہ لوگ غور وفکر اور بصیرت سے ایمان نہیں لائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا مجھے ان کے پیشوں سے کوئی سروکار نہیں ہے انہوں نے میرے سامنے اللہ کا شریک قرار دینے سے توبہ کی اور اللہ کی وحدانیت کا اعتراف اور اقرار کیا میرے لیے یہ کافی ہے اور کہا: ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو۔ (الشعراء: ۱۱۳)

یعنی ان کے دل میں اخلاص ہے یا نفاق ہے یہ جاننا اور یہ فیصلہ کرنا میرا منصب نہیں ان کے باطن اور ان کے دل کی تفتیش کرنا میرا کام نہیں ہے، میرا کام صرف ظاہر پر حکم لگانا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور جب وہ ایسا کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا حق اسلام کے، (اور اگر انہوں نے کوئی جرم مخفی رکھا) تو اس کا حساب کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۸۷ عالم الکتب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا اللہ سے ڈریے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر افسوس ہے اگر میں اللہ سے نہیں ڈروں گا تو پھر کون اللہ سے ڈرے گا، پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کی گردن نہ اڑا دوں! آپ نے فرمایا: نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو! حضرت خالد نے کہا کتنے نماز پڑھنے والے ہیں وہ زبان سے جو کچھ پڑھتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھوں اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے باطن کی تفتیش کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۸)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے اسی (۸۰) سے زیادہ منافقوں نے آپ کے سامنے جھوٹے بہانے کرکے عذر پیش کیے تو:

فقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علانیتھم وبایعھم واستغفرلھم ووکل سرائرھم الی اللہ. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۹)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کیے ہوئے بہانوں کو قبول کرلیا اور ان کو بیعت کرلیا اور ان کے لیے استغفار کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کردیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کے دروازہ کے باہر لوگوں کے لڑنے کی آواز سنی، آپ حجرے سے باہر نکل کر ان کے پاس گئے اور فرمایا میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اور بے شک میرے پاس دو لڑنے والے فریق آتے ہیں، پس ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی فریق اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی کے ساتھ پیش کرے اور میں (ظاہر کے اعتبار سے) یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے۔ پس (بالفرض) میں اس کے متعلق کسی مسلمان کے حق کا

فیصلہ کردوں تو دراصل وہ آگ کا ٹکڑا ہے‘ خواہ وہ اس کو لے یا اس کو ترک کردے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۵۸‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۱‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۸۳‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۹‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۰۱‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۷)

عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کی وجہ سے لوگوں پر گرفت ہوتی تھی اور وحی منقطع ہو چکی ہے اور اب ہم تمہاری صرف اس چیز پر گرفت کریں گے جو تمہارے عمل سے ظاہر ہوگی‘ سو جو شخص ہمارے سامنے کسی خیر اور نیکی کو ظاہر کرے گا ہم اس کو مامون رکھیں گے اور اس کو مقرب بنائیں گے‘ اور اس کے باطن کی کوئی چیز ہمارے سپرد نہیں ہے اس کے باطن کا اللہ حساب لے گا‘ اور جس نے ہمارے سامنے کسی برے کام کو ظاہر کیا تو ہم اس کو امن نہیں دیں گے اور اس کی تصدیق نہیں کریں گے خواہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن نیک ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۱‘ مطبوعہ دار ارقم بیروت)

امام عبدالبر نے تمہید میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔ (المقذرہ فی الاحادیث المشتہرہ ج ۱ص ۱۲۴-۱۲۳‘ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۳ھ)

امیر کافروں کی خوشنودی کے لیے غریب مسلمانوں کو نہ اٹھایا جائے

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے متکبرین سے کہا: اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں ○ اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ○ (الشعراء: ۱۱۵-۱۱۴)

اس آیت سے التزامی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متکبرین نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لائیں تو ان بے وقعت اور گھٹیا لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیں کیونکہ ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری توہین ہے‘ تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں ان کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف اللہ کا رسول ہوں جسے مکلفین کو ڈرانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے‘ اور کفر اور شرک اور گناہوں سے منع کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے‘ خواہ وہ امیروں سے ہو یا غریبوں سے‘ سو امیروں کو قریب کرنے کے لیے غریب مسلمانوں کو دھتکارنا میرے لیے کب مناسب ہے بلکہ جس نے میرے پیغام کو قبول کرلیا وہی میرے قریب ہے اور جس نے میرے پیغام کو رد کر دیا وہ مجھ سے بعید ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کفار قریش کے متکبرین نے اسی طرح کہا تھا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند نفوس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ان لوگوں کو اپنے پاس سے دھتکار دیں‘ یہ ہم پر (برابری کی) جرأت نہ کریں‘ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: میں تھا اور ایک مسلمان ھذیل سے تھا‘ اور بلال تھے اور دو مسلمان اور تھے جن کا میں نام نہیں لے رہا‘ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ آیا جو اللہ نے چاہا اور آپ نے اپنے دل سے کوئی بات کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ ○ (الانعام: ۵۲)

اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں‘ درآں حالیکہ وہ اس کی رضا طلب کرتے رہتے ہیں‘ ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرِ مو ان کے ذمہ نہیں ہے۔ پس اگر (بالفرض) آپ

نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔

اس آیت کی مکمل تفصیل اور تحقیق کے لیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۹-۴۸۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کی قوم نے کہا) اے نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کر دیا گیا O (نوح نے) عرض کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی O پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے' اور مجھے اور ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں O پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے O بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ضرور بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۱۲۲-۱۱۶)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے خلاف دعا کی توجیہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متکبرین حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ دے سکے' تو انہوں نے حضرت نوح کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں جیسا کہ ہر وہ شخص کرتا ہے جو دلائل سے عاجز ہو اور لاجواب ہو جائے' انہوں نے یہ دھمکی دی کہ اگر وہ اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو وہ حضرت نوح کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے' تب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنی قوم کے متکبرین کے خلاف دعا کی: اے میرے رب میری قوم نے میری تکذیب کر دی' پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے۔ اس سے حضرت نوح کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کر دی ہے کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔ لیکن ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ قوم کے خلاف دعا کرنے کا اپنی طرف سے عذر پیش کریں کہ وہ اپنی قوم کے خلاف اس لیے دعا نہیں کر رہے کہ قوم نے ان کی تکذیب کی ہے اور ان کو ایذاء پہنچائی ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اے اللہ! میں صرف تیری اور تیرے دین کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کر رہا ہوں کیونکہ انہوں نے تیری وحی اور تیری رسالت کی تکذیب کی ہے۔

حضرت نوح نے دعا کی: تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے' اس سے حضرت نوح کی مراد یہ تھی کہ تو ان کے اوپر عذاب نازل فرما' کیونکہ اس کے بعد حضرت نوح نے یہ دعا کی: اور مجھے اور ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے' بعد ازاں باقی لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا۔

اس آیت میں **الفلک المشحون** کا لفظ ہے' الفلک کا معنی ہے کشتی اور **المشحون** کا معنی ہے بھری ہوئی۔ وہ کشتی انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی تھی' اس کشتی میں ہر قسم کے حیوان تھے اور کھانے پینے اور برتنے کی وہ تمام چیزیں تھیں جن کا تعلق ضروریات زندگی سے ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین کے لوگوں کے لیے رسول بنایا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا اور حضرت نوح کے متبعین کے سوا روئے زمین کے تمام لوگوں کو غرق کر دیا تھا اسی لیے فرمایا ہے ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا یعنی فرعونیوں کو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جو طوفان آیا تھا اس کی تفصیل ہم ھود: ۴۸-۳۷ میں

بیان کر چکے ہیں اس کو جاننے کے لیے سورہ ھود کی ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔
الشعراء: ۱۲۲ میں فرمایا بے شک آپ کا رب ضرور غالب ہے یعنی وہ جن کافروں کو عذاب دینے کا ارادہ کرے ان پر ضرور غالب ہے اور بہت رحم فرمانے والا ہے یعنی جو توبہ کرے اس پر رحم فرماتا ہے یا عذاب کو موخر کر کے کافروں پر بھی اس دنیا میں رحم فرماتا ہے۔

قصہ نوح کے بعض اسرار

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اس آیت کا مکرر ذکر فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے (الشعراء: ۱۲۱) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ایمان والے کم لوگ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے اکثر لوگ اللہ کے نزدیک اسفل اور ارذل ہیں اور جو لوگ اللہ کے نزدیک معظم اور مکرم ہوں وہ بہت کم ہیں اور اللہ کے نزدیک معظم اور مکرم وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور متقی اور پرہیز گار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔

اور بے شک آپ کا رب عزیز اور غالب ہے تو جو اللہ کے نزدیک ارذل' اسفل اور نیچ لوگ ہیں وہ اس کی طرف ہدایت نہیں پاتے' اور وہ بہت رحم فرمانے والا ہے تو جو اس کے نزدیک معزز اور مکرم ہیں وہ اپنی رحمت سے ان کو اپنی طرف ہدایت دینے کے لیے چن لیتا ہے۔

ان آیات میں حضرت نوح سے انسان کے قلب کی طرف اشارہ ہے اور ان کی قوم سے نفس اور اس کی صفات کی طرف اشارہ ہے اور مومنین سے انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ انسان کا جسم اور اس کا قلب اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہیں' اور بھری ہوئی کشتی سے شریعت کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام' اوامر اور نواہی' اور مواعظ' اسرار اور حقائق اور معانی سے بھری ہوئی ہے' جو شریعت کی اس کشتی میں سوار ہو جاتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے۔

اور جو شریعت کی اس کشتی میں سوار نہیں ہوتا وہ مذموم اور برے اخلاق' دنیا کے مال و دولت' دنیاوی عزت' زینت اور نفس کی شہوات کے طوفان کے غلبہ میں غرق ہو جاتا ہے' اور ہر کشتی کو چلانے کے لیے کسی ملاح کی ضرورت ہوتی ہے اور شریعت کی اس کشتی کو چلانے والے علماء راسخین ہیں جو علم شریعت میں ماہر ہوں اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں۔

ہمارے اس دور میں لوگ مروجہ پیروں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان ہی کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اس دور کے اکثر پیر اور گدی نشین شریعت سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں ان کو خود احکام شرعیہ کا علم نہیں ہوتا تو وہ اپنے مریدوں کی کس طرح رہنمائی کریں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ اور ایسے لوگوں کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی ہے:

جاہل پیروں کی بیعت کا حرام ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ بندوں (کے سینوں) سے علم نہیں نکالے گا لیکن علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں بچے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے' ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۶۰۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگالیتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا: المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب اولیائے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم انہوں نے ایک صاحب ریاضت ومجاہدہ کا شہرہ سنا ان کے بڑے بڑے دعاوی سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے، عرض کی مجھے دیدار الٰہی روز ہوتا ہے۔ ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش بچھتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی سمجھ لیتے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فوق السموات والعرش دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے سماوات وارض کا۔ خیر ان بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پڑھو جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان ابلیس یضع عرشه علی البحر. شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے انہوں نے جب یہ سنا تو سمجھے کہ اب تک میں شیطان کو خدا سمجھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا، اسی کو سجدے کرتا رہا، کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ سیدی ابوالحسن جوسقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابوالحسن بن ہیتی رضی اللہ عنہ، کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے آپ نے اپنے ایک مرید کو رمضان شریف میں چلے بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو۔ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے۔ شجر وحجر اور دیوار ودر سجدہ میں ہیں نور پھیلا ہوا ہے۔ میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں ایک لوہے کی سلاخ حلق سے سینے تک ہے جس سے میں سجدہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے روتا ہوں۔ فرمایا اے فرزند وہ سلاخ نہیں وہ تیر ہے جو میں نے تیرے سینے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے، شب قدر وغیرہ کچھ نہیں۔ عرض کی حضور میری تشفی کے لیے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تدریجاً سمیٹو، سمیٹنا شروع کیا، جتنا سمٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل بہ ظلمت ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھیرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور وغل ہونے لگا۔ حضرت مجھے چھوڑیئے میں جاتا ہوں۔ تب ان مرید کی تشفی ہوئی (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت بچھتا ہے۔ شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے، کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں، کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے، سب کی سنیں۔ کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگالیا اور کہا انت انت تو نے کام کیا اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔ ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم کہ جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں

اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین مخفی رہے اور یہ انسان کی شکل بن کر رستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے۔ راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا' السلام علیکم' وعلیکم السلام حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد صاحب نے فرمایا جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات وارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا' کہاں آسمان وزمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا بس یہی پوچھنا تھا تشریف لے جائیے اور شیاطین سے کہا دیکھو اس کی راہ مار دی' اس کو اللہ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں عبادت کس کام کی۔ طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم' وعلیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ انہوں نے فرمایا جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا۔ عالم نے کہا: ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان وزمین داخل کر دے۔ ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ابلیس شیاطین سے بولا' دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے۔ (ملفوظات ص ۲۷۱-۲۶۹' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

اسی کتاب میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:

عرض: جاہل پیر فقیر کا مرید ہونا شیطان کا مرید ہونا ہے۔ ارشاد: بلاشبہ (ملفوظات ص ۲۲۴' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قوم ہود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے O

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس

عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ

(تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے O کیا تم ہر

بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اُونچی جگہ پر لہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ O اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے O

وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ

اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور

اتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو O اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی O

وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾

اور باغوں سے اور چشموں سے O بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے O

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ

انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں O یہ

هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O سو انہوں نے ہود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾

ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا O

ع ۸ / ۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قوم ھود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O (الشعراء: ۱۲۷-۱۲۳)

قوم عاد کا مختصر تعارف

حضرت موسیٰ' حضرت ابراہیم' اور حضرت نوح علیہم السلام کے بعد یہ چوتھا قصہ حضرت ھود علیہ السلام کا ہے۔ عاد' قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام ہے' مقاتل نے کہا ہے کہ عاد اور ثمود ایک دوسرے عم زاد بھائی تھے' عاد حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی اور ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی' عاد اور ثمود دونوں کی ہلاکتوں کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ تھا' بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ عاد اور ثمود دونوں بھائی تھے اور ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے' عاد اور اس کے فرزندوں کا مسکن یمن میں تھا اور ثمود اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز اور شام کے درمیان میں تھا۔ ان سب کی زبان اور لغت عربی تھی' یہ سب ختم ہو گئے اب ان کی نسل باقی نہیں ہے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کے قبیلہ کا نام عاد بن عوص بن سام بن نوح تھا' یہ عرب تھے اور احقاف میں رہتے تھے' یہ پہاڑوں

کے درمیان ریگستان ہے' یہ جگہ یمن میں عمان اور حضر موت کے درمیان ہے' یہ لوگ مضبوط ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے'
صحیح ابن حبان میں انبیاء اور مرسلین کے ذکر میں ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے ابوذر! چار نبی عرب ہیں: ہود' صالح' شعیب اور تمہارے نبی' (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۱) ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عربی زبان میں کلام کیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم ہیں اور یہ قول حق کے زیادہ قریب ہے' مقصود یہ ہے کہ اس عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے یہ وہ پہلی قوم ہے جس نے طوفان نوح کے بعد بت پرستی کی' ان کے تین بت تھے' صد' صمود اور ھر۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۹-۱۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس رکوع میں ۱۲۷-۱۲۳ تک کی آیات وہی ہیں جو اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں گذر چکی ہیں۔ ان کی دوبارہ تفسیر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے' ان کو وہیں دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ہود نے کہا) کیا تم ہر اونچی جگہ پر لھو و لعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟○ اور اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے!○ اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ (الشعراء: ۱۳۱-۱۲۸)

قوم عاد کے عبث لھو و لعب کے متعلق اقوال

اس آیت میں ریع کا لفظ ہے' ریع کا معنی ہے ٹیلا' ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے' (المفردات ج ۲ ص ۲۷۴)
اور اس میں تعبثون کا لفظ ہے۔ یہ عبث سے بنا ہے اس کا معنی ہے کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا۔ جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اس کو عبث کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶) اور اس میں آیۃ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے علامت' نشانی اور یادگار۔ قوم عاد ہر اونچی جگہ پر جو ایک یادگار تعمیر کرتے تھے اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے' اس لیے اس کو عبث فرمایا۔

(۲) سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے' اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے۔

(۳) ضحاک نے وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۳۶-۱۳۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ان اقوال کے علاوہ امام رازی نے دو قول اور ذکر کیے ہیں:

(۴) وہ اونچی جگہوں پر عمارتیں بناتے تا کہ اس سے ان کا غنی اور خوشحال ہونا ظاہر ہو اور وہ ان عمارتوں پر فخر کرتے تھے۔ اس لیے ان کے اس کام کو عبث فرمایا۔

(۵) وہ لوگ جب سفر پر جاتے تھے تو اپنا راستہ تلاش کرنے میں ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرتے تھے' اور انہوں نے اس کے لیے راستوں میں بلند علامتیں اور نشانیاں بنا دی تھیں' حالانکہ ان کو اس کی ضرورت نہ تھی وہ ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرتے تھے۔

ہم نے امام راغب سے نقل کیا ہے کہ عبث کا معنی ہے۔ جس کام کی کوئی صحیح غرض نہ ہو' اسی طرح لہو کا معنی ہے وہ چیز یا وہ کام جو انسان کو اس کے مقصود' مشن' اور اہم کام سے غافل کر دے وہ لہو ہے۔ (المفردات: ج ۲ ص ۵۸۶)
مفسرین نے قوم عاد کے عبث کاموں اور لہو و لعب میں چھتوں پر کبوتروں کے کابک بنانے اور کبوتر بازی کا بھی ذکر کیا

ہے، ہم پہلے لہو ولعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔ پھر لہو ولعب کی تعریف' جائز کھیلوں کی ضرورت' ناجائز کھیلوں کے نقصانات' فقہی جزئیات اور دیگر مناسب امور بیان کریں گے۔

لہو ولعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ' ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے تیر کا بنانے والا جو اس کے بنانے میں خیر اور ثواب کی نیت رکھتا ہو' تیر پھینکنے والا' اور اس کی امداد کرنے والا' تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو' اور تیر اندازی کرنا سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر وہ چیز جس سے مسلمان لہو کرتا ہے (کھیلتا ہے) وہ باطل ہے (بے فائدہ اور لغو کام ہے) ماسوا اس کا کمان سے تیر پھینکنا' اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا۔ اور اپنی بیوی سے دل لگی کرنا کیونکہ یہ برحق کام ہیں۔

سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۲۲' ۲۱۰۱۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۴۹' ج ۹ ص ۲۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸-۱۴۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۲' المستدرک ج ۲ ص ۹۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۸' ۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے مویشیوں اور بچوں کو باہر نہ نکالو' حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی غائب ہو جائے' کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد شیاطین کھیلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی غائب ہو جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۶)

حضرت یزید بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی چیز مذاق سے لے نہ سنجیدگی سے یا دل لگی اور کھیل کے طور پر لے نہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اپنے بھائی کی لاٹھی لی ہے وہ اس کو واپس کر دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۰۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۰' المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۶۳۰' المستدرک ج ۳ ص ۶۳۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دد سے ہوں نہ دد مجھ سے ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۰۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۱۵)

علامہ ابن اثیر الجزری نے کہا دد کا معنی ہے لھو ولعب یعنی میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا شغل ہے (النہایہ ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۲) ابو محمد یحییٰ بن محمد نے کہا دد کا معنی ہے باطل (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۵)

حضرت شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی چڑیا کو بے فائدہ (بغیر کھانے کی غرض کے) قتل کیا وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی کہ فلاں شخص نے مجھے عبث قتل کیا اور مجھے کسی فائدہ کے لیے قتل نہیں کیا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۷' ۴۳۶۰)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ نے کہا جو شخص کسی کھیل کے مہروں (مثلاً لوڈو کی گوٹوں) کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۲' المستدرک ج ۱ ص ۵۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۸)

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نردشیر (چوسر یا شطرنج کے مہروں) کے ساتھ کھیلا پس گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ لیا۔ (کیرم' اسنوکر' اور لوڈو وغیرہ بھی

اس میں داخل ہیں) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا (جیسے کتوں، ریچھ، مینڈھوں اور مرغوں کو لڑایا جاتا ہے۔)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۰۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۲۳، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۹۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲)

حضرت معاویہ بن بہز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے ہلاکت ہو، پھر اس کے لیے ہلاکت ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۵، مسند احمد ج ۵ ص ۷، ۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۰۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا جس سے وہ کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا شیطان، شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۶۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۵، الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۰۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۷۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۳، ۱۹)

محدثین کے نزدیک لہو کی تعریف

علامہ مجدالدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

جس کام میں انسان اس قدر مشغول ہو جائے کہ اس کام کے علاوہ دوسرے کاموں سے غافل ہو جائے تو اس کام کو لھو و لعب کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۴ ص ۲۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ لہو باطل ہے جس کی مشغولیت انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مطلقاً کسی فعل میں مشغول ہونا خواہ اس فعل کی اجازت ہو یا وہ فعل ممنوع ہو، لہو ہے، مثلاً کوئی شخص نفل نماز میں مشغول ہو یا تلاوت میں مشغول ہو یا ذکر میں یا قرآن کے معانی کے اندر غور وفکر کرنے میں حتیٰ کہ فرض نماز کا وقت عمداً نکل جائے تو وہ بھی لہو ہے اور جب مرغوب اشیاء میں اشتغال کا یہ حکم ہے تو اس سے کم درجہ کی چیزوں میں اشتغال کا کیا حال ہوگا۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷، ۳۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام میں اشتغال اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل نہ کرے تو وہ لہو نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جس طرح تیر اندازی اور گھوڑے کو تربیت دینے میں اشتغال لہو باطل نہیں ہے بلکہ برحق امور میں سے ہے اسی طرح ہر وہ کام جو حق میں معاونت کرتا ہو خواہ علم ہو یا عمل جبکہ وہ امور مباحہ میں سے ہو تو اس میں اشتغال لہو باطل نہیں ہے اور برحق امور میں سے ہے، جیسا کہ کسی شخص کا گھوڑوں اور اونٹوں میں بغیر شرط باندھے مقابلہ کرانا، یا کسی شخص کا بدن کی قوت بحال رکھنے یا

قوت حاصل کرنے کے لیے دوڑنا' بھاگنا (اور دوسری ورزشیں کرنا)' یا دماغ کی تازگی کے لیے آلات موسیقی کے بغیر حمد' نعت اور حکیمانہ اشعار سننا۔ (مرقات ج ۷ ص ۳۱۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

جسمانی صحت کے حصول کے لیے جائز کھیلوں اور ورزشوں کا جواز

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو تو ان کا کھیلنا جائز ہے' مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں' بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آ کر نکل جاتا ہے اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا! بعض دفعہ کسی کھیل میں ہار جیت پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے' یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں' بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا اس کی وجہ سے ان لوگوں کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس (خون میں شکر کا ہونا) ہائی بلڈ پریشر' دل کی بیماریوں' معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں' ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ سواری کا مقابلہ کرایا' پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا' آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا۔ اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقت ور جسم' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکتا ہے اور حقوق العباد کی ادائیگی اور خلق خدا کی خدمت تندرست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جا سکتی ہے' اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلہ کی قید ہے خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو' کشتیوں کا ہو یا پرندوں' خچروں' گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو' اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے' کیونکہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے' حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے پاس سے گذرے جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہے تھے' آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶۸)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے اور ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرانا بھی جائز ہے البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا ناجائز ہے۔ ان احادیث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۶۴۲ - ۶۳۸ اور تبیان القرآن ج ۳ ص ۳۰۹ - ۳۰۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

لہو باطل (غیر شرعی شغل) کے نقصانات

(۱) لہو باطل سے بندہ اور اللہ کے درمیان بہ تدریج ربط کم ہوتا جاتا ہے اور بندہ کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔

(۲) لہو باطل سے بندہ شیطان کے پھندوں میں پھنستا چلا جاتا ہے اور رحمٰن سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

(۳) لہو باطل کی تمام انواع اور اقسام' مکروہ تنزیہی ہیں یا مکروہ تحریمی ہیں یا حرام ہیں' مثلاً فلم' آرٹ اور شوبز۔

(۴) اس میں ناجائز طریقہ سے مال خرچ ہوتا ہے' اور انسان دیکھتے دیکھتے امارت سے افلاس کے گڑھے میں جا گرتا ہے جیسے ریس' جوئے اور سٹے میں عموماً ایسا ہوتا ہے اور لکھ پتی اور کروڑ پتی انسانوں کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔

(۵) مسلمان کا بلا فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتا ہے اور تارک فرائض ہو جاتا ہے۔

(۶) بعض اوقات کھیلوں میں ہار جیت میں اختلاف اور نزاع پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کینہ' حسد' اور بغض پیدا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ لڑائی اور جدال اور قتال کی نوبت آ جاتی ہے۔

(۷) انسان کی شہرت اور عزت داغ دار ہو جاتی ہے' کتنے کھلاڑی جو لوگوں کے آئیڈیل اور ہیرو تھے سٹہ کھیلنے کی وجہ سے ذلیل و خوار اور قابل نفرت ہو گئے ہیں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

(۸) اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور شیطان کھیلنے والے کے دل میں نفاق' سازشوں اور دھوکا دہی کو مزین کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو پکا فریبی' چالباز' اور منافق بنا دیتا ہے۔

(۹) دنیا میں اس کی شخصیت گمراہ اور حقیر ہو جاتی ہے' اور آخرت میں وہ دردناک عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

(۱۰) کھیلوں میں جیت کے لیے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے کی وجہ سے اور ناجائز پیسہ حاصل کرنے کے سبب سے انسان اپنے سینکڑوں دشمن بنا لیتا ہے۔

لہو باطل اور کبوتر بازی کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں سے کھیلتا ہو اور کبوتر اڑاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے' کیونکہ اس میں شدت غفلت ہے' ظاہر یہ ہے کہ وہ شخص عام طور پر کبوتر بازی میں مشغول رہتا ہو اور دوسرے امور کی طرف کم توجہ دیتا ہو' پھر وہ شخص لھو ولعب پر اصرار کرنے والا ہو' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا شغل ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۰۲)

اور کبوتر باز کا غالب حال یہ ہے کہ وہ چھتوں پر گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کی خواتین کو تاڑتا ہے اور یہ فسق ہے اور جو شخص اپنے گھر میں کابک میں کبوتروں کو رکھے تاکہ ان سے انس اور محبت کرے اور ان کو عادۃً اڑاتا نہ ہو تو وہ شخص نیک ہے اور اس کی شہادت مقبول ہو گی کیونکہ گھروں میں کبوتروں کو بند رکھنا مباح ہے' لوگ کبوتروں کے لیے برج بناتے ہیں اور اس کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اور جو شخص گانے گاتا ہو اور اس پر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے' اسی طرح نوحہ کرنے والی عورت کی بھی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کے فسق پر اصرار کرتے ہیں' اور نیک لوگوں کے نزدیک ان کی عزت اور وقار نہیں ہے' اور ان سے ساز بجانا اور جھوٹ بولنا بعید نہیں ہے۔ اس لیے ان کی گواہی قبول نہیں ہو گی۔

(المبسوط ج ۱۶ ص ۱۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جن کاموں سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی

علامہ حسن بن منصور اوز جندی متوفی ۵۹۲ ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں کے ساتھ کھیلتا ہو اور ان کو اڑاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ان کے ساتھ اس کی مشغولیت زیادہ ہوگی اور اس کی غفلت شدید ہوگی' اور اس سے یہ خطرہ ہے کہ اس کی نظر مسلمانوں کی خواتین پر پڑے گی' لیکن اگر وہ کبوتر کو انس کے لیے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کو اڑائے نہیں تو پھر اس کی گواہی کو قبول کرنا جائز ہے' کیونکہ جس کے پاس کبوتروں کا برج (چھت پر گنبد) ہو تو وہ فاسق نہیں ہوتا' اور جو شخص شرط لگا کر شطرنج کھیلے (یعنی اگر وہ ہار گیا تو وہ اتنی رقم دے گا) یا کسی اور چیز کے ساتھ جوا کھیلے تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ جوا کھیلنا گناہ کبیرہ ہے' اور اگر بغیر شرط اور جوئے کے شطرنج کھیلے تو اگر وہ دائماً شطرنج کھیلتا ہو حتیٰ کہ وہ کھیل اس کو نمازوں سے غافل کر دے یا وہ کھیل کے دوران جھوٹی قسمیں کھائے تو اس کی گواہی کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص تھوڑی مقدار میں کوئی کھیل کھیلے جو اس کو فرائض سے غافل نہ کرے تو اس کی عدالت (گواہی دینے کی اہلیت) ساقط نہیں ہوگی۔ اور بیوی اور تیر کمان اور گھوڑے کے ساتھ کھیلنے سے اس وقت تک عدالت ساقط نہیں ہوگی جب تک کہ یہ مشغولیت اس کو فرائض سے غافل نہ کر دے' اور اگر آلاتِ لھو سے کھیلنا اس کے فرائض سے مانع نہ ہو لیکن لوگوں کے نزدیک وہ کھیل مذموم ہو جیسے مزامیر اور طنابیر (بانسریاں اور ستار) اور اگر وہ لوگوں کے نزدیک مذموم نہ ہوں' جیسے گا گا کر اونٹوں کو ہانکنے والے' جیسے سرکنڈے کی بانسری بجانا' اس سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی ماسوا اس کے کہ وہ بہت زیادہ گائے بجائے اور لوگ اس کی دھن پر رقص کریں اور اصل (امام محمد کی مبسوط) میں مذکور ہے کہ جو شخص گا گا کر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ معصیت کا اظہار کر رہا ہے' اس طرح جو شخص شرابیوں کی مجلس میں بیٹھے خواہ وہ شراب نہ پیے اور اس کو نشہ نہ آئے' اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی' اور نوحہ کرنے والوں مردوں اور عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی' اور نہ ان لوگوں کی جو سود خوری میں مشہور اور معروف ہوں' اور جو نیک شخص فحش اشعار پڑھے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی کیونکہ وہ دوسروں کے اشعار نقل کرتا ہے' اور جو شخص ترنم سے اشعار پڑھے اس کی عدالت بھی ساقط نہیں ہوگی' اور جو شخص فرائض واجب ہونے کے بعد ان کو تاخیر سے ادا کرے تو اگر ان فرائض کا وقت معین ہے جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج تو امام محمد کی روایت کے مطابق اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی' اور امام محمد بن مقاتل نے اسی پر فتویٰ دیا ہے' اور بعض علماء نے کہا اگر اس نے زکوٰۃ اور حج کو بغیر عذر کے مؤخر کر دیا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' اور فقیہ ابو اللیث نے اسی پر فتویٰ دیا ہے' امام ابو یوسف نے امالی میں لکھا ہے کہ حج فوراً واجب ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی تاخیر سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی۔ اور جس شخص نے جمعہ سے اعراض کرتے ہوئے بغیر عذر کے تین مسلسل جمعہ نہیں پڑھے تو وہ فاسق ہے اور اس کی عدالت ساقط ہوگئی۔ یہ شمس الائمہ سرخسی کا قول ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس شخص نے ایک جمعہ بھی بلا عذر ترک کر دیا اس کا یہی حکم ہے اور شمس الائمہ حلوانی کا اسی پر فتویٰ ہے' اور اگر اس نے کسی عذر یا مرض یا بعد مسافت کی وجہ سے یا کسی تاویل سے جمعہ کو ترک کیا' مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے' اور اگر کسی نماز کی جماعت کو ترک کیا اور اس کو گناہ نہیں جانا' جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' اور اگر اس نے کسی تاویل سے باجماعت نماز نہیں پڑھی مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' اور جو شخص اپنی اولاد کو اپنی بیوی کو اور پڑوسیوں کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی ایک قول یہ ہے کہ اگر عادۃً ایسا کرتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہوگی اور اگر کبھی کبھی ایسا کرتا ہو تو عدالت ساقط نہیں ہوگی' اور جو شخص

صرف شلوار پہن کر بازار میں چلتا ہو یا راستہ میں کھاتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال حیا اور آداب کے خلاف ہیں اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' فاسق جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اتنا عرصہ نہ گذر جائے جس میں اس کی توبہ کا اثر ظاہر ہو جائے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الھندیہ ج ۲ ص ۴۶۰' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مخنث کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ نوحہ کرنے والی کی اور نہ گانے والی کی کیونکہ یہ دونوں حرام کی مرتکب ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی آوازوں (کو سننے) سے منع فرمایا ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۸ مسند احمد ج ۳ ص ۶۵) اور نہ اس شخص کی شہادت قبول ہوگی جو دائماً سرور حاصل کرنے کے لیے شراب پیتا ہو' اور نہ اس شخص کی جو پرندے اڑاتا ہو' کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور نہ اس شخص کی جو مجمع لگا کر گاتا ہو کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے (بہ شرطیکہ ان اشعار میں کسی زندہ اور معین مرد یا عورت کے محاسن بیان کیے ہوں یا شراب نوشی کی ترغیب کا مضمون ہو یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو ہو یا اس میں نوحہ ہو' فتح القدیر ج ۷ ص ۳۸۴-۳۸۳ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) اور نہ اس شخص کی گواہی قبول ہوگی جو کسی ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے جس پر حد واجب ہو اور نہ اس شخص کی جو شطرنج میں اشتغال کی وجہ سے نماز ترک کردے' اور نہ اس کی جو سود کھانے میں مشہور ہو' اور نہ اس شخص کی جو راستہ میں پیشاب کرتا ہو یا کھاتا پیتا ہو اور نہ اس شخص کی جو اصحاب رسول کو سب وشتم کرے اور نہ رافضیوں کی۔ (ھدایہ اخیرین ص ۱۶۳-۱۶۲ ملخصاً' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے قاضی خاں اور فتح القدیر کی ذکر کردہ تمام صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے' طوالت کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کو ترک کر رہے ہیں جو دیکھنا چاہتا ہو اصل کتاب میں دیکھ لے۔

(ردالمحتار ج ۱۱ ص ۱۸۴-۱۷۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفیاء کا سماع' رقص اور دھمال کرنا

الیتیمہ میں مذکور ہے کہ شمس الائمۃ الحلوانی سے پوچھا گیا کہ جو لوگ اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں وہ مخصوص قسم کا لباس پہنتے ہیں اور لھو اور رقص میں مشغول رہتے ہیں' اور اپنے لیے معرفت کے ایک مرتبہ کے مدعی ہوتے ہیں تو علامہ الحلوانی نے کہا ان لوگوں نے اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھا' ان سے پوچھا اگر وہ غیر شرعی کام کریں تو کیا ان کو شہر بدر کیا جائے گا؟ تاکہ عام لوگوں پر ان کے فتنہ کا اثر نہ ہو تو انہوں نے کہا تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا اور خبیث کو طیب سے الگ کرنا ضروری ہے' اسی طرح تاتارخانیہ میں مذکور ہے' سماع اور اشعار کا تکرار اور رقص جس کو ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفی کرتے ہیں حرام ہے اس کا قصد کرنا اور اس کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے' وہ اور غنا (گانا) اور مزامیر (ساز) برابر ہیں۔ ان کو بناوٹی صوفیوں نے جائز کہا ہے۔ اور متقدم مشائخ کے افعال سے استدلال کرتے ہیں۔ الحلوانی نے کہا میرے نزدیک متقدمین مشائخ کے افعال ایسے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں ایسا شعر پڑھا جاتا تھا جو ان کے حال کے موافق ہوتا تھا' تو جس کا دل نرم ہوتا تھا' اس کے دل پر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ وہ غیر اختیاری طور پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اس سے اس کے ارادہ اور اختیار کے بغیر کچھ حرکات صادر ہوتی تھیں' ان کے جواز کے متعلق کچھ استبعاد نہیں ہے اور ان افعال پر گرفت نہیں ہوگی' اور ان مشائخ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس قسم کے افعال کرتے تھے جس قسم کے افعال ہمارے زمانے کے فاسقین کرتے ہیں' اور جن لوگوں کو احکام شرع کا کوئی علم نہیں ہے' استدلال صرف دین دار لوگوں کے افعال سے کیا جاتا ہے' اسی طرح جواہر الفتاویٰ میں مذکور ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ شادی کے علاوہ دیگر مواقع پر فسق کے بغیر عورتیں ڈھول بجائیں تو کیا آپ اسے مکروہ کہتے ہیں' انہوں نے کہا میں اس کو مکروہ نہیں کہتا لیکن جس گانے میں لعب فاحش (بہت زیادہ ساز) ہوں میں اس کو مکروہ کہتا ہوں' عید کے دن دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۲' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر لہو یعنی عبث اور لعب (لغو اور فضول کام) مکروہ ہے اس عبارت کا اطلاق نفس فعل کو بھی شامل ہے اور اس کے سننے کو بھی' مثلاً رقص کرنا' مذاق اڑانا' تالی بجانا' ستار' سارنگی اور وائلن کے تار بجانا' ہارمونیم اور بانسری بجانا' جھانجھن بجانا اور بگل اور نرسنگھا بجانا (پیانو' گیٹار اور آرکسٹرا بھی اسی حکم میں ہے) یہ تمام افعال مکروہ ہیں کیونکہ یہ افعال کفار کے مشابہ ہیں' اور ڈھول اور بانسری وغیرہ کی آواز سننا حرام ہے اور اگر کسی نے اچانک سن لیا تو وہ معذور ہوگا اور اس پر واجب ہے کہ وہ نہ سننے کی کوشش کرے۔ (ردالمحتار ج ۹ ص ۴۸۲-۴۸۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامی شامی لکھتے ہیں:

آلاتِ لھو بذاتھا حرام نہیں ہیں (کیونکہ قیامت کے صور پر متنبہ کرنے کے لیے بگل بجانا جائز ہے' اسی طرح عید اور شادی کے مواقع پر دف بجانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ) بلکہ لھو ولعب کے قصد سے ناجائز ہیں' خواہ ان کو سننے والا ہو یا ان کو بجانے والا ہو' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اختلاف نیت اور اختلاف مقاصد سے یہ آلات موسیقی کبھی حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام' اور اس قول میں ہمارے سادات صوفیہ کی دلیل ہے جو سماع سے ان ہی امور کا قصد کرتے تھے جن کا ان ہی کو علم تھا' لہٰذا معترض ان پر انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ ان کی برکتوں سے محروم نہ ہو کیونکہ وہ ہمارے بہترین سردار ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد سے ہماری مدد فرمائے' اور ان کی نیک دعاؤں اور برکتوں کو ہم تک پہنچائے۔ اس تمام بحث کو میں نے ملتقی کے حواشی میں لکھا ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ شادی کے مواقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ رمضان میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لیے طبل بجانا بھی حمام کے بگل بجانے کی طرح جائز ہے۔

(ردالمحتار ج ۹ ص ۴۲۷-۴۲۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن مجید پڑھتے وقت' جنازہ میں' وعظ میں اور جہاد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تو تمہارا اس غنا (گانے) کے متعلق کیا گمان ہے جس کو یہ لوگ وجد کہتے ہیں۔

(ملتقی الابحر ج ۴ ص ۲۱۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی شرح میں علامہ محمد بن محمد الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس غنا کو یہ لوگ وجد اور محبت کہتے ہیں یہ مکروہ ہے اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ الجواہر میں مذکور ہے ہمارے زمانہ میں بناوٹی صوفی جو کچھ کرتے ہیں وہ حرام ہے' اس کا قصد کرنا اور ان کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے' اور ان سے پہلے لوگوں نے یہ کام نہیں کیے' اسی طرح جو منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سنے ہیں وہ غنا کی اباحت پر دلالت نہیں کرتا' وہ اشعار حکمت اور وعظ پر مبنی تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تواجد کی حدیث صحیح نہیں ہے' اور نصر ابادی سماع کرتے تھے ان کو ملامت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ سماع غیبت کرنے سے بہتر ہے ان سے کہا گیا ھیھات! بلکہ سماع کی لغزش غیبت سے بدتر

ہے۔ سری سقطی نے کہا وجد کرنے کی شرط یہ ہے کہ وجد کرنے والا حالت وجد میں اس حد پر ہو کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اس کو درد کا احساس نہ ہو۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گنگنانا اور شادی اور دعوت کے موقع پر اشعار پڑھنا جائز ہے۔

(الدرالمنتقی فی شرح الملتقی ج ۴ ص ۲۰۰-۲۱۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

پرندوں اور جانوروں کو پالنے کے متعلق احادیث

ہم نے اس بحث میں یہ بیان کیا ہے کہ کبوتروں اور دوسرے پرندوں کو اڑانا مکروہ تحریمی ہے اور اس مقصد کے بغیر ان کو پالنا اور گھروں میں کابکوں میں بند کر کے رکھنا جائز ہے اسی سیاق میں ہم دوسرے جانوروں کو گھروں میں پالنے اور موذی جانوروں' پرندوں اور حشرات الارض کو مارنے کا شرعی حکم بھی بیان کرنا چاہتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے' حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے **یا ابا عمیر مافعل النغیر** (اے ابوعمیر نغیر نے کیا کیا) نغیر کے ساتھ ابوعمیر کھیلتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۰۳-۶۱۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۳۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰' سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۰۳' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۰)

قاضی عیاض نے کہا نغیر سرخ رنگ کا چڑیا کے برابر ایک پرندہ ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کھیتوں کی حفاظت' مویشیوں کی حفاظت یا شکار کی ضرورت کے سوا کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ (صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ: ۵۶' الرقم المسلسل ۳۹۵۳)

موذی جانوروں اور حشرات الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانوروں میں سے پانچ کل کے کل فاسق ہیں۔ ان کو حرم میں (بھی) قتل کر دیا جائے: کوا' چیل' بچھو' چوہا' کاٹنے والا کتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث ۲۸۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۸۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے۔ اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی۔ آپ اس کو تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے سن کر اس کو یاد کر رہا تھا اور آپ کا منہ اس کی تلاوت سے مرطوب تھا' اچانک ہمارے اوپر ایک سانپ گر پڑا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل کر دو' ہم اس کی طرف جھپٹے تو وہ بھاگ گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۶۸' دار ارقم بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ (گرگٹ یا چھپکلی) کے لیے فرمایا: یہ فویسق (چھوٹا فاسق) ہے اور میں نے نہیں سنا کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۲۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وزغ (گرگٹ یا چھپکلی) کو پہلی ضرب میں قتل کر دیا اس کے لیے اتنی نیکیاں ہیں اور اتنی نیکیاں ہیں اور جس نے اس کو دوسری ضرب میں قتل کیا اس کے لیے اتنی اور اتنی نیکیاں ہیں' پہلی سے کم' اور جس نے اس کو تیسری ضرب میں قتل کیا اس کے لیے اتنی اور اتنی نیکیاں ہیں دوسری سے کم۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۰، الرقم المسلسل: ۵۷۲۸)

پرندوں اور جانوروں کو پالنے اور موذی جانوروں کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء کی عبارات

علامہ محمد بن محمد ابن البزاز الکردری متوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

مختار یہ ہے کہ چیونٹی جب اذیت پہنچانے کی ابتداء کرے تو اس کو ہلاک کرنا جائز ہے' ورنہ اس کو ہلاک کرنا مکروہ ہے' اور اس کو پانی میں ڈالنا مطلقاً مکروہ ہے' جوں کو ہلاک کرنا مکروہ نہیں ہے اس کو اور بچھو کو آگ میں جلانا مکروہ ہے' ٹڈیوں کو ہلاک کرنا جائز ہے' بلی جب ایذاء پہنچائے تو اس کو ہلاک کرنا مکروہ ہے اس کو چھری سے ذبح کر دیا جائے' جس بستی میں کتے ہوں اور بستی والوں کو ان کتوں سے ضرر پہنچے تو بستی والے کتوں کے مالکوں سے کہیں کہ ان کتوں کو قتل کر دیں' اور اگر وہ انکار کریں تو حاکم شہر ان کو قتل کرنے کا حکم دے' گھروں میں کتوں کو چوروں اور دشمنوں سے حفاظت یا شکار کے سوا نہ رکھا جائے' اسی طرح شیر اور چیتے اور باقی درندوں کو' اگر کوئی کتا راستہ سے گذرنے والوں کو کاٹتا ہو اور اگر کوئی شخص کاٹنے کے بعد اس کو قتل کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر کاٹنے سے پہلے اس کو قتل کرے گا تو اس پر تاوان ہے اور ریشم کے کیڑوں کو پالنا بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۷۰' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ مصر' ۱۳۱۰ھ)

ان مسائل کو فتاویٰ عالمگیری میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔

متعدد منزلہ بلڈنگیں اور خوبصورت عمارات' پلازہ اور شاپنگ سنٹر بنانے کا شرعی حکم

پھر فرمایا: اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے! ۵ (الشعراء: ۱۲۹)

یعنی ان کے ظاہر حال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مکانوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں' اس کی مذمت اس لیے فرمائی ہے کہ ان کا یہ فعل اسراف تھا' یا اس میں اظہار تکبر تھا' اس کی مذمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی دلچسپیوں میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ سے اور مرنے سے غافل ہو گئے تھے' یہ بھول گئے تھے کہ یہ دنیا تو سرائے فانی ہے یہاں سے آگے گذر جانا ہے یہ دائمی قیام گاہ نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے ایک بلند گنبد بنا ہوا دیکھا' آپ نے فرمایا یہ کس کا ہے؟ آپ کے اصحاب نے بتایا یہ انصار کے فلاں شخص کا ہے' آپ سن کر خاموش رہے اور اس کو دل میں رکھ لیا' حتیٰ کہ وہ گنبد بنانے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجلس میں آیا' آپ نے اس سے اعراض فرمایا' اس نے کئی بار سلام کیا اور آپ کے اعراض فرمانے کو دیکھا' اس نے آپ کے اصحاب سے (آپ کے توجہ نہ کرنے کی) شکایت کی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں' صحابہ نے اس کو بتایا کہ آپ باہر گئے تھے اور آپ نے تمہارا بنایا ہوا گنبد دیکھا تھا' وہ شخص اسی وقت لوٹ گیا اور اس نے اس گنبد کو منہدم کر دیا' حتیٰ کہ اس عمارت کو پیوند زمین کر دیا' پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ کو وہ گنبد نظر نہیں آیا' آپ نے پوچھا اس گنبد کا کیا ہوا؟' صحابہ نے کہا اس نے ہم سے آپ کے عدم التفات کی شکایت کی تھی' ہم نے اس کو آپ کی ناپسندیدگی کی خبر دی تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا آپ نے فرمایا سنو ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے' سوا اس عمارت کے جس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث کا یہ منشاء نہیں ہے کہ مضبوط' خوبصورت' کثیر المنزلہ اور بلند عمارات کے بنانے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت موجود ہے کہ جس قدر اور جتنی عمارت کی ضرورت ہو اس کو

بنانا جائز ہے' اور بلاضرورت بنانا جائز نہیں ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ چھوٹا سا شہر تھا اس کی بہت قلیل اور مختصر آبادی تھی اس لیے اس دور کے مسلمانوں کے لیے چھوٹے چھوٹے مکان ان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ اب آبادی بہت بڑھ گئی ہے' بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی رہائشی اسکیمیں بنائی گئی ہیں' کئی کئی منزلہ پلازے ہیں۔ پھر بھی وہ رہائشی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ کتنی جگہوں پر ایک ایک فلیٹ میں کئی کئی خاندان رہتے ہیں' ہمارا شہر کراچی تقریباً دو سو مربع کلومیٹر کے رقبہ پر مشتمل ہے اور اس میں ایک کروڑ سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔ کچے مکان اور جھونپڑیاں' اس دور کے موسمی حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا پختہ مکان بنانا اس دور کی ضرورت ہے' اور کم جگہ کو زیادہ افراد کی رہائش کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کثیر المنزلہ عمارات بنائی جائیں جو بہ کثرت فلیٹس پر مشتمل ہوں تب اس دور کی بڑھتی ہوئی آبادی کی کھپت ہو سکتی ہے' اس لیے مضبوط' مستحکم اور بلند و بالا عمارات کو بنانا اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے وہیں شاپنگ سنٹر بنانا' اسی طرح بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے لیے ان ہی علاقوں میں وسیع و عریض اسکول اور کالج بنانا' بیماروں کے لیے اسی مناسبت سے ایسے ہی وسیع و عریض اور بلند و بالا ہسپتال بنانا' تجارتی مارکیٹیں بنانا اور اس نوع کی دیگر تعمیرات کرنا اس دور کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تعمیرات میں حسن کو شامل کرنا' اور خوبصورت بنگلے اور کوٹھیاں بنانا بھی اسلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسلام کے ساتھ ہم آہنگ ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کے جوتے اچھے ہوں! آپ نے فرمایا اللہ جمیل اور حسین ہے وہ جمال اور حسن سے محبت کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان: ۱۴۷' رقم بلاتکرار ۹۱' الرقم المسلسل' ۲۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹)

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ انسان کا اپنی وسعت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا' اچھے جوتے پہننا اور خوبصورت مکان بنانا اسلام میں پسندیدہ ہے' لہٰذا مضبوط' مستحکم' بلند و بالا اور حسین و جمیل عمارات بنانا' اسلام کے عین مطابق ہیں' اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔

اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد (نبوی) کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی' اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی ہوئی تھی' اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں توسیع کی اور اضافہ کیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنیادوں پر اینٹوں اور شاخوں سے مسجد کو وسیع بنایا اور اس کے ستون دوبارہ لکڑیوں کے بنائے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیر میں تبدیلی اور توسیع کی' اس کی دیواریں نقشین پتھروں اور چونے سے بنائیں اس کے ستون بھی نقشین پتھروں سے بنائے اور اس کی چھت ساگوان کی لکڑی سے بنائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۳۹' عالم الکتب بیروت)

اس حدیث سے اس امر پر وافر روشنی پڑتی ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کے اعتبار سے عمارات کی تعمیر کے طور اور طریقے

بدلتے رہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی آبادی کم تھی تو اس وقت کی ضرورت کے لیے ایک چھوٹی سی کچی مسجد کافی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آبادی بڑھ گئی اور دوسرے صوبوں سے بھی نومسلم لوگوں نے مدینہ منورہ کا رخ کیا تو حضرت عمر نے مسجد نبوی کی توسیع بھی کی اور اس کی دیواروں اور ستونوں کو پختہ بھی کیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آبادی مزید بڑھی اور فن تعمیر میں جدید تقاضے در آنے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی عمارت کو بھی تعمیر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور مسجد نبوی کی عمارت کے حسن میں بھی اضافہ کیا نقشین پتھروں سے اس کی دیواریں بنائیں اور ساگوان کی قیمتی لکڑی سے اس کی چھت بنائی' اور یوں جیسے جیسے اسلام کا رقبہ وسیع ہوتا گیا اور مسلمانوں کی دنیا میں تعداد بڑھتی گئی اور دوسری قوموں کی آمیزش سے علوم وفنون میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوتی گئی۔ تو جدید تقاضوں کے مطابق فن تعمیر میں بھی توسیع اور ترقی ہوتی گئی' پہلے تیروں' تلواروں اور نیزوں سے جنگ ہوتی تھی پھر بندوقوں' توپوں اور ٹینکوں کا دور آیا' اس کے بعد جنگی طیاروں' آب دوزوں اور بموں کا دور آیا اور اب دور مار میزائلوں اور ایٹمی ہتھیاروں کا دور ہے جس طرح اب میزائلوں اور ایٹمی ہتھیاروں کا تیروں اور تلواروں سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب تمدنی زندگی میں کچے مکانوں اور جھونپڑیوں سے گذارہ نہیں ہوسکتا' ہمیں اسلامی قواعد وضوابط اور اسلامی ہدایات کی روشنی میں بدلتے ہوئے عالمی حالات اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور زمانہ کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہیے جب ہم خچروں اور بیل گاڑیوں پر سفر کرنے کے بجائے ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں اور چراغ اور موم بتی کو جلانے کے بجائے بجلی کے قمقموں کو روشن کرتے ہیں تو ہمیں دیگر ثقافتی اور تمدنی معاملات میں بھی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا چاہیے۔

کسی کو تادیب اور سرزنش کے لیے زیادہ سزا نہ دی جائے اور دس ڈنڈیوں سے زیادہ نہ مارا جائے

اس کے بعد فرمایا: اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو ٥ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ٥ (الشعراء: ۱۳۰-۱۳۱)

یعنی جب تم کسی کو گرفتار کرتے ہو تو اس کو سزا دینے کے لیے کوڑے مارتے ہو یا تلوار سے قتل کرتے ہو اور جس طرح کسی ظالم اور جابر شخص کے دل میں کوئی نرمی ہوتی ہے نہ ترس ہوتا ہے اسی طرح تمہارا معاملہ ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو ادب سکھانے کے لیے اس کو معمولی سرزنش کرے تو یہ درست ہے' یا کسی ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے کے لیے بہ قدر ظلم اس کو سزا دے تو یہ جائز ہے اور قصاص اور بدلہ لینا بھی جائز ہے لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ماں باپ اور استاد بچوں کو سزا دینے کے لیے ان کو بڑ کے پائپوں اور ڈنڈوں سے بہت سخت مارتے ہیں اور ان کے منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارتے ہیں اسلام میں منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارنا جائز نہیں ہے' اور کسی بچے یا بڑے کو سزا دینے کے لیے دس ڈنڈیوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص چہرے پر نہ مارے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۴۸۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بیوی کا خاوند پر کیا حق

ہے؟ آپ نے فرمایا جو وہ خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے' جو وہ خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے چہرے پر مارے نہ اس کو بدنما کرے اور اس کو صرف گھر میں چھوڑے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۷)

اسی طرح حدود کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی سزائیں دی ہیں اس سے زیادہ کسی کو تادیب یا سرزنش کرنے کے لیے سزا نہ دی جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیوی کے اوپر لاٹھی نہ اٹھاؤ اور ان کے معاملات میں اللہ سے ڈرو۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۶)

اسد بن وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جزی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیوی میری نافرمانی کرتی ہے میں اس کو کس چیز سے سزا دوں؟ آپ نے فرمایا تم اس کو معاف کردو' جب اس نے دوسری یا تیسری بار پوچھا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس کو سزا دو تو اس کو بہ قدر قصور سزا دو اور اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرو۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۱۳۰' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۶)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو دس کوڑوں (درخت کی ٹہنیوں یا ڈنڈیوں) سے زیادہ نہ مارا جائے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کی حدود کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۹۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۱' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۶۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۶۷۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۵۲' المستدرک ج ۴ ص ۳۵۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۲۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۶۰۹' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۵۱۶' ۵۱۵)

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سات سال کی عمر میں بچے کو نماز سکھاؤ اور دس سال کی عمر میں اس کو مار کر نماز پڑھاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۴' المستدرک ج ۱ ص ۲۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۴)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو (زندہ) آگ میں جلا دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس موقع پر ہوتا تو ان لوگوں کو آگ میں نہ جلاتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو' اور میں ان کو قتل کر دیتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام (نوکر) کو مار رہا تھا' تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی! اے ابو مسعود! یہ جان لو! کہ جتنا تم اس پر قادر ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ کو تم پر قدرت ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے' آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم کو دوزخ کی آگ جلاتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۴۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۵۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۹' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۶۸۳' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! میں خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا: ہر روز ستر بار!۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۹۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۶۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے پس وہ اللہ کو یاد کرے تو تم اس سے اپنے ہاتھ اٹھالو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۰' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۴۱۳' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی کے جرم سے درگذر کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ سخی کی لغزش سے اپنا ہاتھ اٹھالیتا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۲۱' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۰۶۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معزز اور باوقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کردو۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۰۹۶۵)

علامہ محمد بن عبدالواحد' ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ لکھتے ہیں:

تعزیر دینے پر صحابہ کا اجماع ہے' تعزیر کا معنی ہے برے کاموں پر ملامت اور سرزنش کرنا تاکہ کوئی شخص اس برائی کا عادی اور خوگر نہ ہوجائے اور پہلی بار سے بڑھ کر برائی اور بے حیائی کے کام نہ کرنے لگے' اس لیے برے کام پر سرزنش کرنا واجب ہے۔ علامہ تمرتاشی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ تعزیر میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے' بلکہ یہ سزا قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے' کیونکہ اس سے مقصد زجر و توبیخ اور سرزنش کرنا ہے' اور لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ صرف ڈانٹ ڈپٹ سن کر اصلاح کر لیتے ہیں' اور بعض لوگ ایک آدھ تھپڑ یا ایک آدھ ڈنڈی سے سدھر جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو قید خانے میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

الشافی میں مذکور ہے کہ تعزیر کے کئی مراتب ہیں' امراء اور اشراف کو صرف قاضی کے پاس لے جانے اور مقدمہ کرنے کی دھمکی کافی ہوتی ہے' اوسط درجہ کے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نچلے درجے کے لوگوں کو قید اور مار دونوں کی ضرورت پڑتی ہے' امام ابویوسف سے منقول ہے کہ سلطان مالی جرمانہ بھی کرسکتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے' اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ اگر قاضی یا والی مناسب سمجھتے تو مالی جرمانہ کرسکتا ہے' جو آدمی جماعت میں حاضر نہیں ہوتا اس پر مشائخ نے مالی جرمانہ کرنے کا امام ابویوسف کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۰-۳۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قید کرنے اور مالی جرمانے کی سزائیں

علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی لکھتے ہیں:

امام ابویوسف کے مذہب میں مالی جرمانے کی سزا دینا جائز ہے' امام مالک کا بھی یہی قول ہے' اور جن علماء نے یہ کہا کہ مالی سزا منسوخ ہوگئی ہے ان کا قول غلط ہے۔

تعزیر کی کم از کم سزا تین ڈنڈیاں ہیں اور زیادہ سے زیادہ انتالیس ڈنڈیاں یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے' اور امام شافعی کے نزدیک تعزیر بہرحال چالیس ڈنڈیوں سے کم ہو' اور امام احمد بن حنبل نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور کہا کہ تعزیر میں دس ڈنڈیوں سے زیادہ نہ ماری جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر نے کسی کو قید کیا ہے یا نہیں اس میں آثار مختلف ہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے ان کا کوئی قید خانہ نہیں تھا اور نہ انہوں نے کسی کو قید کیا ہے۔ اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کے الزام میں قید کر لیا تھا۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک الزام میں دن کے کچھ وقت قید میں رکھا پھر رہا کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قید کیا ہے' ہر چند کہ اس کے لیے کوئی قید خانہ بنا ہوا نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ نام کے ایک آدمی کو ہجو کرنے کی بنا پر قید خانے میں ڈال دیا تھا' اور صابی بن الحارث نام کا ایک شخص بنو تمیم کے چوروں میں سے ایک تھا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قید خانہ میں ڈال دیا تھا جو وہیں مر گیا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں قید خانہ بنایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قید خانہ بنایا تھا۔ (معین الحکام ص ۱۹۵ ملخصاً مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی واولادہ' مصر' ۱۳۹۳ھ)

اگر بروقت حکام سے رابطہ نہ ہو سکے تو مسلمان ازخود ظلم اور برائی کو مٹائے

نیز علامہ کمال الدین ابن ہمام لکھتے ہیں:

علامہ تمر تاشی نے لکھا ہے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہو کر کسی جرم پر تعزیر لگائے' امام ابوجعفر ھندوانی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی مرد کو عورت کے ساتھ دیکھے تو کیا اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا اگر اس کو یہ یقین ہو کہ یہ شخص صرف ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے زنا سے باز آ جائے گا تو وہ اس کو کسی ہتھیار سے مارے' اور اس کو قتل نہ کرے اور اگر اس کو یہ یقین ہو کہ وہ اس کو قتل کرنے کے سوا باز نہیں آئے گا تو اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے' اور اگر عورت خوشی سے اس سے زنا کرا رہی ہو تو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے' اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ہر انسان کو تعزیر جاری کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ محتسب (عامل یا حاکم) نہ ہو۔ منتقی میں اس کی تصریح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کے باب سے ہے' اور شارع علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کا اختیار دیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر زبان سے اس کا رد کرے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان: ۷۸' الرقم بلاتکرار: ۴۹' الرقم المسلسل: ۱۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۰)

البتہ حدود کو حکام کے سوا اور کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ تعزیر جو کسی بندے کے حق کی وجہ سے واجب ہو' مثلاً قذف (زنا کی تہمت) وغیرہ کیونکہ اس کا پہلے حاکم کے سامنے دعویٰ کیا جائے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا' ہاں اگر دونوں فریق کسی شخص کو حاکم بنا لیں تو پھر اس کو تعزیر لگانے کا اختیار ہو گا۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن ہمام نے برائی کو مٹانے کے وجوب کے سلسلہ میں زنا کی مثال دی ہے میری رائے میں یہ مثال صحیح نہیں ہے کیونکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے' اور اس حدیث کا تعلق اس برائی سے ہے جو علی الاعلان کی جا رہی ہو' نیز اگر کوئی چھاپا مار کر زانیوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے تو عادۃً ایسا نہیں ہوتا کہ وہ چھاپا مارنے والوں سے یہ کہیں کہ نہیں ہم ضرور زنا جاری رکھیں گے اور منع کرنے بلکہ قتل کے بغیر باز نہ آئیں بلکہ جب ان کو عین موقع پر پکڑ لیا جائے تو وہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور ان پر مجرمانہ

خاموشی چھا جاتی ہے' اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کو رسوائی سے بچایا جائے اور ان کی اس برائی اور جرم پر پردہ رکھ لیا جائے۔ البتہ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر لوگ کھلے عام شراب پی رہے ہوں یا جوا کھیل رہے ہوں یا بر سر عام سودی کاروبار کر رہے ہوں' ایسا سود جو بالکل کھلا ہوا ہو اور اس میں کوئی اشتباہ نہ ہو' آج کل بینکوں میں جو سودی کاروبار ہوتا ہے وہ P.L.S کی تاویل سے ہوتا ہے جو باطن میں تو سود ہے لیکن اس کا ظاہر سود نہیں ہے مضاربت ہے' یا کوئی شخص کھلم کھلا کسی پر ظلم کر رہا ہو یا کسی کو قتل کر رہا ہو تو جو مسلمان ان برائیوں میں سے کسی برائی کو دیکھے اس پر اس برائی کو حسب مقدور زائل کرنا اور مٹانا واجب ہے۔

ملکی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے اس لیے جب کہیں کھلے عام برائی یا ظلم ہو رہا ہو تو دیکھنے والے کو چاہیے کہ فوراً ایمرجنسی نمبروں پر ٹیلی فون کر کے متعلقہ محکمہ کو مطلع کرے' پھر اگر وہ دیکھے کہ پولیس بروقت نہیں پہنچی اور وہ اس ظلم اور برائی کو اپنی طاقت سے مٹا سکتا ہے تو پھر وہ اس برائی اور ظلم کو مٹائے اور اگر وہ اس مہم کے دوران مارا گیا تو وہ شہید ہوگا۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی فرضیت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر مفصل لکھا ہے: قرآن مجید میں ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭلَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (المائدہ: ۷۹-۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی ہے' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جن کو وہ کرتے تھے' وہ یقیناً بہت برے کام کرتے تھے ○

ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے اور اس کے حسب ذیل مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تو برائی کو ہاتھ سے روکے' اور اگر برائی کو ہاتھ سے روکنے میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو زبان سے برائی کا انکار کرے' اور اگر زبان سے برائی کو روکنے میں بھی جان کا خطرہ ہو تو دل سے اس برائی کا انکار کرے' حضرت عبداللہ بن جریر بجلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جس قوم میں کثرت سے گناہ کیا جائے اور ان کو گناہ سے روکا نہ جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل کرتا ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسرائیل پر جو پہلا نقصان داخل ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی شخص سے ملاقات کر کے کہتا اے شخص! اللہ سے ڈرو اور اس کام کو چھوڑ دو' کیونکہ یہ کام تمہارے لیے جائز نہیں ہے' پھر اگلے دن جب اس سے ملتا تو اس کو منع نہ کرتا' اس کے ساتھ کھاتا پیتا اور اٹھتا بیٹھتا' جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے موافق کر دیئے' اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبانوں سے ان پر لعنت بھیجی' پھر فرمایا خدا کی قسم تم ضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور ظلم کرنے والوں کے ہاتھ پکڑ لینا اور تم اس کو حق کی طرف موڑ دینا' اور اس کو حق پر مجبور کرنا' امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی کو برائی سے روکے تو پھر برے کام کرنے والے کے ساتھ بیٹھے نہ کھائے اور نہ پیے۔

ناگزیر حالات کے سوا نیکی کے حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کیا جائے

قرآن مجید میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ. (المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابو بکر نے ایک خطبہ میں اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو' ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں' تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے' ابو امیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے' دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے' اس وقت تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو' کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہیں' ان ایام میں صبر کرنا انگارے پکڑنے کے مترادف ہے اس وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔

اگر برائی اور ظلم کو روکنا ناگزیر ہو تو مسلمان از خود کارروائی کریں

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حال ہیں ایک حال وہ ہے جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہو' اس حال میں جس شخص کے لیے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے' اور اس کی کئی صورتیں ہیں' ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو تلوار سے مٹائے مثلاً ایک شخص اس کو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا قصد کرے' یا اس کا مال لوٹنے کا قصد کرے' یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے' اور اس کو یقین ہو کہ زبانی منع کرنے سے وہ باز نہیں آئے گا یا بغیر ہتھیار کے اس سے جنگ کی (مثلاً تھپڑ یا مکا مارا) تب بھی باز نہیں آئے گا تب اس پر لازم ہے کہ اس کو قتل کر دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے'' اور جو شخص برائی کر رہا ہے اگر اس کو قتل کیے بغیر اس برائی کو مٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے' اور اگر اس کو ظن غالب ہو کہ بغیر ہتھیار کے بھی اس برائی کو مٹانا ممکن ہے (مثلاً تھپڑ اور مکے مارنے سے) تو پھر اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے مارا یا زبان سے منع کیا تو یہ باز آ جائے گا لیکن بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کیے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکے گی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔

(کسی بھی شخص کے لیے قانونی طور پر از خود کارروائی کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ یہ دیکھے کہ جتنی دیر میں وہ سرکاری حکام سے رابطہ کرے گا اتنی دیر میں کسی بے قصور کو ظلماً قتل کر دیا جائے گا' یا کسی گھر میں ڈاکا پڑ جائے گا' یا کسی شریف آدمی کی عزت لٹ جائے گی اور وہ مسلمان شخص اپنی قوت سے اس برائی یا ظلم کو روک سکتا ہو تو اس پر اس برائی کو مٹانا اور اس ظلم کو روکنا شرعاً فرض ہے اور اگر اس مہم کے دوران اس کی جان چلی گئی تو وہ شہید ہو گا۔ سعیدی غفرلہ)

ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی کا سامان چھین لیا تو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتیٰ کہ تم اس کا سامان چھڑا لو' اور اس آدمی کو واپس کر دو' اسی طرح امام ابو حنیفہ نے فرمایا جو چور مکانوں میں نقب لگا رہا ہو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے' اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہو (مدافعت میں) تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے' بہ شرطیکہ تم ایسی جگہ

پر ہو جہاں لوگ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں' اور ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ جو جماعت زیادتی کرے' اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ (الحجرات: ۹)

اسی طرح حدیث میں ہے: ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹائے۔'' اس لیے جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے خواہ برائی کرنے والے کو قتل کرنا پڑے اور اگر وہ زبان سے منع کرنے سے باز آجائے تو اس کو زبان سے منع کرے' یہ حکم ہر اس برائی کے لیے ہے جو علی الاعلان کی جارہی ہو اور اس پر اصرار کیا جارہا ہو' مثلاً کوئی شخص بھتہ اور جبری ٹیکس وصول کرے' اور جب ہاتھ سے برائی کو مٹانا اور زبان سے منع کرنا دونوں میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس کے لیے سکوت جائز ہے اور اس وقت اس پر لازم ہے کہ اس برائی سے اور ان برائی کرنے والوں سے الگ ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔ تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (المائدہ: ۱۰۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب تک تمہاری بات کو قبول کیا جائے تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' اور جب تمہاری بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو' اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے' خواہش کی پیروی کی جارہی ہے' دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول نہ کریں اور اپنی خواہشات اور آراء کی پیروی کریں تو پھر تمہارے لیے ان کو چھوڑنے کی گنجائش ہے اور تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو' اور جب لوگوں کا یہ حال ہو تو پھر آپ نے برائی پر ٹوکنے کو ترک کرنا مباح کر دیا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خود نیک ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کرلیں تو پھر یہ باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے' اور اس فرض کی ادائیگی میں نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی ایک فرض کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے باقی فرائض اس سے ساقط نہیں ہوتے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو اس سے روزہ اور دیگر عبادات کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی' اسی طرح جو شخص تمام نیکیاں نہ کرے اور کسی برائی سے نہ رکے تو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ہم تمام نیکیوں پر عمل کرلیں حتیٰ کہ کوئی نیکی باقی نہ بچے مگر ہم نے اس پر عمل کرلیا ہو اور تمام برائیوں سے بچیں حتیٰ کہ کوئی برائی نہ بچے مگر ہم اس سے رک چکے ہوں تو کیا اس وقت ہمارے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا نیکیوں کا حکم دو' خواہ تم نے تمام نیکیوں پر عمل نہ کیا ہو اور برائی سے روکو خواہ تم برائی سے نہ رکتے ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کو باقی تمام فرائض کی ادائیگی کے مساوی قرار دیا ہے' جس طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود دیگر فرائض کا ادا کرنا ساقط نہیں ہوتا'

اسی طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔

ہتھیاروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان

علماء امت میں سے صرف ایک جاہل قوم نے یہ کہا ہے کہ باقی جماعت سے قتال نہ کیا جائے اور ہتھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے' انہوں نے کہا جب امر بالمعروف اور نہی المنکر میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے' حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ۔ جو جماعت بغاوت کرے اس سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ (الحجرات:۹)

ان لوگوں نے یہ کہا کہ سلطان کے ظلم اور جور پر انکار نہ کیا جائے' البتہ سلطان کا غیر اگر برائی کرے تو اس کو قول سے منع کیا جائے اور بغیر ہتھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے یہ لوگ بدترین امت ہیں' امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ حق کہا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے

کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے' نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے مداہنت (بے جا نرمی اور دنیاوی مفاد کے لیے نہی عن المنکر کو ترک کرنا) کرنی چاہیے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے' اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے۔

امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملائمت کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ مؤثر ہو' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی' اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے نصیحت کی اور ملامت کی اس نے اس کو شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے' اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل سے ناپسند کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں' مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں' زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الٰہیہ جاری کریں۔ اور علماء پر لازم ہے کہ وہ زبان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں' اور عوام کو چاہیے کہ وہ ہر برائی کو دل سے

برا جانیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے ظلم اور زیادتی ہو وہ اس کو حسب مقدور مٹانے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۴-۳۰ ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو O اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی O اور باغوں سے اور چشموں سے O بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے O انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں O یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O سو انہوں نے ھود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۱۴۰-۱۳۲)

قوم ھود کا تکبر اور اس کا ہلاک ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ہر اونچی جگہ پر لھو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ O اور اس توقع پر مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے O اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو۔ (الشعراء: ۱۳۰-۱۲۸)

اور ان تین باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اونچی جگہ پر مکان بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بلندی اور بڑائی کو پسند کرتے تھے' اور مضبوط مکان بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا کے دلدادہ تھے اور اس میں زیادہ سے زیادہ عرصہ رہنا چاہتے تھے' بلکہ دوام چاہتے تھے اور ان کا شدت سے پکڑنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جابر اور شدید بننا چاہتے تھے اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی تکبر' دوام اور جبر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بندگی کی حدود سے نکل کر ربوبیت کے مدعی تھے' اس لیے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو پھر ان کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات گنوانے کے لیے فرمایا: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو O اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی O اور باغوں سے اور چشموں سے O پہلے ان کے سامنے ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات گنوائے تا کہ ان کو اپنی ناسپاسی اور ناشکری پر ندامت ہو' پھر ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے فرمایا: بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے O کیونکہ انسان یا تو کسی کے انعام اور اکرام کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے یا اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے' حضرت ھود علیہ السلام کے اس حکیمانہ خطاب کے جواب میں انہوں نے کہا: ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں' یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O ان کی مراد یہ تھی کہ آپ خواہ ہمیں وعظ اور نصیحت کریں یا نہ کریں ہم آپ کی بات ماننے والے نہیں ہیں' پھر انہوں نے اپنے موقف پر یہ دلیل قائم کی کہ ہم جس دین اور جس طریقہ پر قائم ہیں یہ ہم سے پہلے لوگوں کا دین اور ان کا طریقہ ہے۔ ہم ان ہی کی تقلید کر رہے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی لوگ اسی طرح زندہ تھے اور مر جاتے تھے ہم بھی اسی طرح جیتے اور مرتے رہیں گے' یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگ اپنی طرف سے من گھڑت باتیں کرتے تھے آپ بھی اسی طرح من گھڑت باتیں کر رہے ہیں' پھر انہوں نے اپنے آپ کو اطمینان اور تسلی دلاتے ہوئے خود فریبی سے کہا اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اور انہوں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حشر اور حساب وکتاب کا انکار کر دیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو انہوں نے ھود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ایک تند وتیز ہوا بھیجی جس نے حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا' ہوا بہت لطیف چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لطیف اور ضعیف چیز کے

ذریعہ اتنی زبردست قوم کو ہلاک کردیا اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا' جس طرح نمرود جیسے ظالم اور جابر بادشاہ کو ایک حقیر مچھر سے ہلاک کردیا۔ سو انسان کو چاہیے کہ اپنی طاقت پر گھمنڈ نہ کرے اور اس عزیز اور غالب سے ڈرتا رہے' جو قادر و قیوم ہے' جس کو کسی کی بڑائی اور تکبر پسند نہیں ہے وہی حقیقت میں جبار اور متکبر ہے اور اس کے سوا کوئی جبار نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا

ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

تم نہیں ڈرتے؟ ○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور

اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

میری اطاعت کرو ○ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر صرف

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ

رب العالمین پر ہے ○ کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے؟ ○ باغوں میں اور

عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

چشموں میں ○ کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں ○ اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں

بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

کو تراش کر گھر بناتے ہو ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو ○

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ○ انہوں نے کہا تم

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ

صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے ○ تم صرف ہماری مثل بشر ہو' اگر تم سچوں میں سے ہو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ

(اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ ○ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے

شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کا ہے O تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا' ورنہ بڑے دن کا عذاب

عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نٰدِمِينَ ﴿۱۵۷﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ إِنَّ فِي

تم کو پکڑ لے گا O پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے O سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا' بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۵۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ہی ضرور

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۹﴾ ع

غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O

ع ۸ ۱۹ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O (الشعراء: ۱۴۵-۱۴۱)

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجنا

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے قبیلہ کا نام ثمود تھا' ان کا جد اعلیٰ ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ ان کی قوم نے حضرت صالح کی تکذیب کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ کسی ایک رسول کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف ہے۔ تمام رسولوں کا ایک ہی مشن ہوتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں' جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا' قرآن مجید میں ہے جب ان کے بھائی صالح نے کہا' حضرت صالح ان کے دینی بھائی نہ تھے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کفر' گناہ کبیرہ' صغیرہ اور ہر قسم کے قابل ملامت کاموں سے مبرا اور منزہ ہوتے ہیں' حضرت صالح علیہ السلام نے کہا میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں تاکہ ان کی امانت اور دیانت کی وجہ سے ان کی قوم ان کی رسالت کی تصدیق کرے' حضرت صالح علیہ السلام کا نسب یہ ہے: صالح بن عبید بن آصف بن کاشح بن حاذر بن ثمود (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۲)

انہوں نے کہا تم کو معلوم ہے کہ میں امانت دار ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی اطاعت کرتا ہوں' سو میں تم سے بھی کہتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو' میں جو تم کو نصیحت کر رہا ہوں سو وہ کسی دنیاوی منفعت کی وجہ سے نہیں کر رہا' میں اپنے اجر کو صرف اللہ عزوجل سے طلب کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت صالح نے کہا) کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے! O باغوں میں اور چشموں میں O کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں O اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش

کر گھر بناتے ہو○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ (الشعراء: ۱۵۰-۱۴۶)

مشکل الفاظ کے معانی

طلع: خوشہ گچھا' گابھا' کھجور کے درخت کا پہلا شگوفہ جو باہر نکلتا ہے اس کو طلع کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ○ (ق:۱۰) اور کھجور کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔

مٹھی بھر کھجوروں کو کہتے ہیں قوس طلاع الکف۔ (المفردات ج۲ص ۳۹۸)

هضیم: کمزور' پتلی اور نرم چیز کو هضیم کہتے ہیں' اس کے معنی توڑنے اور کچلنے کے بھی ہیں' معدہ جو طعام کو کچلتا اور پیستا ہے اس کو بھی اسی اعتبار سے ہضم کرنا کہتے ہیں اور جو چیز نرم ہو وہ جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔

(المفردات ج۲ص ۷۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

تنحتون: نحت کا معنی ہے تراشنا' تنحتون: تم تراشتے ہو۔

فارھین: فرہ اگر یہ کَرُمَ کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے عقل والا ہونا کسی کام کا ماہر ہونا' اور اگر یہ سمع کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے اترانا' مٹک کر چلنا' تکبر اور غرور کرنا' یہاں معنی ہے خوشی سے اتراتے ہوئے' تکبر کرتے ہوئے' یا اس کا معنی ہے تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ (المفردات ج۲ص ۴۹۰' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جسمانی اور روحانی لذتیں

ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم ھود کے اوپر عقلی اور معنوی لذات غالب تھیں کیونکہ وہ سربلندی کو' ہمیشہ باقی رہنے کو' انفرادیت کو اور تکبر کو پسند کرتی تھی' اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر حسی اور ظاہری لذات غالب تھیں کیونکہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کو اور اچھی رہائش کو پسند کرتی تھی اور یہ اھل دنیا کی لذتوں میں سے لذتیں ہیں' اور آخرت کی لذتیں ان تمام لذتوں سے بالاتر ہیں' یہ علوم اور معارف کی قلبی اور روحانی لذتیں ہیں' اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر وفکر کی لذتیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وارفتگی اور آپ کی اطاعت اور اتباع کی لذتیں ہیں' جن میں ہر وقت یہ جی چاہتا ہے کہ انسان آپ کی سنتوں میں جذب ہو جائے اور آپ کے پیکر میں ڈھل جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو○ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے○ انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے○ تم صرف ہماری مثل بشر ہو' اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ○ (الشعراء: ۱۵۴-۱۵۱)

فساد اور شر کی دو قسمیں

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو' یعنی جو لوگ دنیاوی لذتوں سے بہرہ اندوز ہونے میں اور ان کی طلب میں حد سے بڑھ چکے ہیں جن کو صرف کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے کی ہی طلب ہوتی ہے اور اسی میں مصروف رہتے ہیں' اور ان کو اس کا کوئی خیال نہیں آتا کہ اگر زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور جنسی عمل کرنا ہی ہو تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے۔ یہ لوگ اپنی ان خواہشوں کو ہر جائز اور ناجائز طریقے سے پورا کرتے ہیں اور حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں کرتے' اگر اپنی سفلی اور حیوانی خواہش کی تکمیل کے لیے چھیننا اور جھپٹنا پڑے اور اس سے بڑھ کر لڑنا' جھگڑنا' قتل اور خوں ریزی کرنا پڑے تو یہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس طرح وہ زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے؟ اگر یہ کہا جائے کہ جب یہ فرما دیا تھا کہ وہ زمین میں فساد کرتے ہیں تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اصلاح

نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات فساد میں کسی نیکی اور خیر کا بھی پہلو ہوتا ہے' جیسے کوئی آدمی رشوت لیتا ہے' لیکن وہ رشوت لے کر حق دار کو اس کا حق دے دیتا ہے' رشوت لینا اگرچہ ناجائز کام ہے لیکن حق دار کو اس کا حق دلوا دینا بہر حال نیکی ہے ہمارے دفاتر میں ایسا عموماً ہوتا ہے' کسی شخص کے بقایاجات محکمہ میں پھنسے ہوئے ہیں اس کی فائل متعلقہ افسر کے پاس دستخط کے لیے نہیں بھیجی جارہی یا کسی ٹھیکیدار کے بل پھنسے ہوئے ہیں اور کلرک اس کے بل پیش نہیں کرتا' پھر رشوت لے کر یہ کام کر دیتا ہے' بہر حال یہ ناجائز کام ہے لیکن اس میں نیکی اور خیر کا پہلو بھی ہے۔ لیکن اگر کوئی افسر رشوت لے کر کسی بے قصور کو سزا دلوادے یا کوئی کلرک رشوت لے کر کسی حقدار کا حق اپنے کسی عزیز کو دلوادے اور حقدار کو محروم کر دے تو یہ ایسا ناجائز کام ہے جس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے' سو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد ایسا فساد کرتے تھے جس میں اصلاح نیکی اور خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام سے دلیل کا مطالبہ

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو' جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تو ان کی قوم نے جواب دیا: تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے ٥ مسحر اس شخص کو کہتے ہیں جس پر بہت زیادہ جادو کیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی عقل بالکل مغلوب ہو جائے' اور مسحر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے پیٹ کے اوپر کا حصہ بھرا ہوا ہو۔ یعنی تم ان لوگوں میں سے ہو جن کا کام صرف کھانا پینا ہوتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا تم صرف ہماری مثل بشر ہو' ان کا مطلب یہ تھا کہ تم تو ہماری طرح ہو تم نبی کس طرح ہو سکتے ہو؟ ان کا یہ قول اسی طرح تھا جس طرح کفار ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہوتے تو فرشتوں کی جنس سے ہوتے' اور اس قول کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو پھر تمہیں اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرنی چاہیے تھی حضرت صالح علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک (مقررہ) دن تمہارے پانی پینے کا ہے ٥ تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا' ورنہ بڑے دن کا عذاب تم کو پکڑ لے گا ٥ پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے ٥ سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ٥ بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا ہے ٥ (الشعراء: ۱۵۹-۱۵۵)

حضرت صالح کا چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھانا

روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے' تب ان سے حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۲۵' جز ۱۹ ص ۱۷۱-۱۷۰)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہوئے تھے' تو آپ نے مقام حجر میں پہنچ کر فرمایا اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیج دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: ۱۵۸۶۶)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہوتو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ ۵ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ' تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی' حضرت صالح نے ان سے فرمایا یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے' اس کو اللہ کی زمین میں چرنے چگنے کے لیے چھوڑ دو۔ (رقم الحدیث: ۱۵۸۶۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی۔ اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوہ لیتے تھے۔ پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔ (رقم الحدیث: ۱۵۸۶۸)

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو اونٹنی بہ طور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی' حضرت صالح نے ان سے کہا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے' اس کو اللہ کی زمین میں چرنے دو' اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (رقم الحدیث: ۱۵۸۷۳)

حضرت عبداللہ بن زمعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قوم ثمود کے قبیلہ میں ابوزمعہ کی شکل کی طرح کا ایک شخص تھا' وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے اٹھا۔ (رقم الحدیث: ۱۵۸۷۵)

قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے۔ (الشعراء: ۱۵۷)

اس آیت میں ہے **فعقروھا** عقر کا معنی ہے کونچیں کاٹنا' پاؤں کے جو پٹھے پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں' عرب میں یہ دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا مقصود ہوتا تھا تو پہلے اس کی کونچیں کاٹتے تھے تاکہ وہ بھاگ نہ جائے' پھر اس کو نحر کرتے تھے یعنی اس کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارتے تھے یا ذبح کر دیتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ وہ اس اونٹنی کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے' اور قدار اس کے راستے میں ایک چٹان کی جڑ میں چھپا بیٹھا تھا' اور مصدع دوسری جڑ میں چھپا ہوا تھا' وہ اونٹنی مصدع کے پاس سے گذری' اس نے تاک کر اس کو تیر مارا' وہ تیر اس کی پنڈلی کے گوشت میں جا کر پیوست ہو گیا' پھر قدار نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں' وہ اونٹنی گر پڑی وہ چیخ چیخ کر اپنے بچے کو خبردار کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے اس کے سینہ کے بالائی حصے پر وار کر کے اس کو نحر کر دیا' اور اس کا بچہ چیختا ہوا پہاڑوں میں گم ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس آئے تو دیکھا اونٹنی قتل کی جا چکی تھی' وہ رونے لگے اور کہنے لگے تم نے اللہ کی حرمت کو پامال کر دیا' اب تم کو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رب کی نافرمانی کی' اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ اپنے گھر میں تین دن تک عیش کر لیں' یہ اللہ تعالیٰ کی وعید تھی جو جھوٹی نہیں تھی' پھر ایک زبردست چنگھاڑ آئی اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جس قدر لوگ تھے وہ سب ہلاک کر دیے گئے' سوا ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا اس کو اللہ کے حرم نے عذاب سے بچا لیا۔ آپ

سے پوچھا گیا: یارسول اللہ وہ کون شخص تھا آپ نے فرمایا وہ ابورغال تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۷۹)

ابن عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا تو حضرت صالح نے ان سے فرمایا تم پر عذاب آنے والا ہے' انہوں نے پوچھا اس عذاب کی کیا علامت ہے؟ حضرت صالح نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے' پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے' اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟ اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟۔ اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے' پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟ حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا پھر انہوں نے خوشبو لگالی' کفن پہنے اور اپنے گھروں میں ٹھہر گئے۔ پھر حضرت جبریل نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے جسموں سے ان کی روحیں نکل گئیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۸۰)

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی اور ان کو حضرت ہود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد مبعوث کیا گیا تھا' اور وہ دو سو بیس سال زندہ رہے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قوم ثمود کے نادم ہونے کے باوجود ان پر عذاب آنے کی توجیہ

الشعراء: ۱۵۷ میں فرمایا ہے: انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' پھر وہ پچھتائے اور نادم ہوئے' اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جب وہ نادم ہو گئے تھے تو پھر ان پر عذاب کیوں نازل کیا گیا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ ان کی ندامت توبہ کرنے والوں کی ندامت نہ تھی بلکہ وہ ڈرنے والوں اور خوف زدہ لوگوں کی ندامت تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ان کی ندامت توبہ کرنے والوں کی ندامت بھی ہو تو وہ اس وقت نادم ہوئے جب ان کا نادم ہونا سودمند نہ تھا' کیونکہ عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے سے پہلے توبہ مفید ہوتی ہے اور انہوں نے عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے کے بعد توبہ کی تھی' قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝ (النساء: ۱۸)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی' اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم عاد کے سواروں اور پیادوں نے عدن سے لے کر عمان تک کے علاقے کو بھرا ہوا تھا' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا' تو ان کی وراثت کو میری ان دو جوتیوں کے بدلہ میں بھی کون خریدے گا۔ پھر وہ خود کہتے کہ کوئی نہیں خریدے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۸۲)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ان کی ندامت سے ان کو اس لیے فائدہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے ندامت کے باوجود توبہ نہیں کی' بلکہ جب ان کو عذاب کا

یقین ہو گیا تو پھر حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر نادم نہیں تھے بلکہ اس پر نادم تھے کہ انہوں نے اونٹنی کے ساتھ ہی اس کے بچہ کو بھی کیوں قتل نہیں کر دیا اور اس کو نکل کر بھاگنے کا موقع کیوں دیا' لیکن یہ جواب بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O (الشعراء: ۱۵۸)

قوم عاد میں سے مردوں اور عورتوں کو ملا کر دو ہزار آٹھ سو افراد ایمان لائے تھے' ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے' کعب احبار نے کہا حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے بارہ ہزار قبیلے تھے' اور ہر قبیلہ میں عورتوں اور بچوں کے سوا بارہ ہزار مرد تھے' اور قوم عاد ان سے چھ گنا زیادہ تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور اس کے قہر و غلبہ کے آثار اور تقاضے

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O (الشعراء: ۱۵۹)

آپ کا رب ہی غالب ہے' یعنی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی جو تکذیب کی تھی' ان کا انتقام لینے کے لیے وہ بہت غالب ہے' پس اس نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دیا' اس لیے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ بھی اسی عذاب میں نہ گرفتار ہو جائیں جس عذاب میں پچھلی تکذیب کرنے والی اقوام ہلاک ہو گئی تھیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ بہت رحم فرمانے والا ہے' کہ وہ بغیر استحقاق کے عذاب نازل نہیں کرتا' اور استحقاق ثابت ہونے کے بعد بھی توبہ کا موقع فراہم کرنے کے لیے ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

یہ قرآن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس میں انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے قصص بیان کیے گئے تاکہ ہم ان واقعات سے عبرت حاصل کریں' سو جس نے اس قرآن کو چھوڑ دیا اور اس کے احکام پر عمل نہیں کیا اس کو کل آخرت کے دن افسوس اور ندامت ہو گی جب اس کو عذاب کا سامنا ہو گا' سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان مثالوں سے عبرت حاصل کرے اور ایمان لانے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کو اپنے لیے باعث عار نہ بنائے اور نار کو اختیار نہ کرے۔

جو شخص بہ غور سننے والا ہو اور اس کا دل گداز ہو وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی طرف متوجہ اور راغب ہو گا' اور اللہ عزوجل کے جلال اور قہر سے خوف زدہ ہو گا' اور دن اور رات کے اکثر اوقات میں اللہ جل شانہ کو یاد کرے گا اور خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرے گا۔

حکایت ہے کہ دوران سفر شبلی قدس سرہ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اللہ کا بہت ذکر کر رہا تھا' اور وہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا' شبلی نے کہا بغیر علم کے تمہیں اللہ اللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا' کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی اللہ کو مانتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔ (الزخرف: ۸۷)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اس نوجوان نے پھر دس مرتبہ اللہ اللہ کہا اور بے ہوش ہو کر گر گیا اور اس حالت میں اس کی جان نکل گئی' شبلی نے آ کر دیکھا تو اس کا سینہ پھٹ چکا تھا اور اس کے جگر پر اللہ کا لفظ نقش تھا' پھر ایک منادی نے ندا کی اے شبلی! یہ محبین میں سے تھا' اور محبین بہت کم ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے عارفین کے دلوں کو پیدا کیا اور ان کو معرفت اور یقین سے بھر دیا اور ان کی روح میں ذکر حق داخل کر دیا' جس طرح غافلوں کے دلوں میں نسیان کو پیدا کر دیا اور ان کو ایسے کاموں پر اصرار کرنے میں رہنے دیا جس کی

وجہ سے وہ جسمانی اور روحانی عذاب میں مبتلا رہتے ہیں' اوّل الذکر قلوب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں اور ثانی الذکر قلوب اللہ تعالیٰ کے قہر اور غلبہ کے آثار ہیں' پس اللہ کی طرف وہی ہدایت پاتے ہیں جو اس کے قرب اور وصال کے اہل ہوتے ہیں' اور وہی لوگ اس کی راہ سے بھٹکتے ہیں جو اس کے قہر اور غضب کے مستحق ہوتے ہیں تو اس کریم اور رحیم سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اس بڑے دن کے عذاب سے محفوظ رکھے جس دن کوئی مال نفع دے گا نہ اولاد کسی کام آئے گی مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر گیا ہو۔ (روح البیان ج۶ ص ۳۸۶-۳۸۵ ملخصاً' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ

لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کیا تم نہیں ڈرتے؟ ○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو تم اللہ سے ڈرو

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

اور میری اطاعت کرو ○ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ

رب العلمین پر ہے ○ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو! ○ اور تمہارے رب نے

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا

تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو ○ انہوں

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ

نے کہا اے لوط! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو بستی سے نکال دیا گیا ہے ○ لوط نے کہا میں تمہارے

مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

کام کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں ○ اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے ○ سو ہم نے ان

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ

کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی ○ سوا ایک بوڑھی عورت کے جو باقی رہنے والوں میں سے تھی ○ پھر ہم نے دوسروں کو

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

ہلاک کر دیا○اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی، سو جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ان پر کیسی بری بارش تھی○ بے شک

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

اس میں ضرور نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے○ بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع

بہت رحم فرمانے والا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی○ جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے○ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو!○ اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو○ (الشعراء: ۱۶۶-۱۶۰)

حضرت لوط علیہ السلام کی اہل سدوم کی طرف بعثت

انبیاء علیہم السلام کے بیان کیے ہوئے قصص میں سے یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے مراد اہل سدوم اور ان کے متبعین ہیں۔ انہوں نے حضرت لوط، حضرت ابراہیم اور ان سے پہلے تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی تھی، الشعراء ۱۶۱ میں حضرت لوط کو اس قوم کا بھائی فرمایا ہے یہاں بھائی کا معنی ہم قبیلہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض مترجمین نے لکھا ہے کیونکہ حضرت لوط باہر سے اس علاقہ میں آئے تھے، ان کا تعلق ان کے نسب سے تھا نہ ان کے وطن سے تھا، یہاں پر بھائی کا اطلاق صرف مشفق کے معنی میں کیا گیا ہے کیونکہ بھائی، بھائی پر شفیق اور مہربان ہوتا اور حضرت لوط علیہ السلام بھی اس قوم پر مشفق اور مہربان تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن، ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن هاران بن تارخ، هاران حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھائی تھے، اور حضرت لوط، حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔

حسان بن عطیہ نے بیان کیا ہے کہ نبط (عراقیوں کی ایک قوم) کے بادشاہ نے حضرت لوط اور ان کے اہل پر حملہ کر کے ان کو قید کر لیا۔ پھر حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کو چھڑانے کے لیے اس سے جنگ کی، اور حضرت لوط اور ان کے اہل کو چھڑا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دس نبیوں کے سوا تمام انبیاء حضرت یعقوب کی نسل سے ہیں۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت صالح اور حضرت نوح علیہم السلام۔ (اس پر یہ اشکال ہوگا کہ ان میں کئی انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جس نے اپنے

اہل وعیال کے ساتھ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی وہ عثمان (بن عفان) ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۳۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو رسول بنانے کے بعد حضرت سارہ کا جو واقعہ حضرت ھاجر کے ساتھ ہوا اس کے بعد حضرت سارہ کے دل میں اولاد کی خواہش ہوئی' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ارض مقدسہ کی طرف بھیجا اور حضرت لوط علیہ السلام کو المؤتفکات (الٹی ہوئی بستیوں) کی طرف بھیجا' اور حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیاں تھیں۔ سدوم' اموراز' عاموراء اور صبوریاء اور ہر بستی میں ایک لاکھ جنگجو تھے' اور ان کی کل تعداد چار لاکھ تھی' اور ان کا سب سے بڑا شہر سدوم تھا' حضرت لوط علیہ السلام اس بستی میں مبعوث کیے گئے تھے اور یہ شہر بھی المؤتفکات میں سے تھا' یہ شام اور فلسطین کے شہروں سے ایک دن کی مسافت پر تھا' حضرت ابراہیم خلیل الرحمان حضرت لوط بن حاران کے چچا تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط کی قوم کو نصیحت کرتے تھے۔ ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی ہوئی تھی۔ انہوں نے شرم وحیاء کے حجاب پھاڑ دیے تھے اور حرام کاری شروع کر دی تھی۔ اور بہت بڑی بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے' حضرت ابراہیم دراز گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے پاس گئے اور ان کو نصیحت کی' انہوں نے اس نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا' اس کے بعد وہ سدوم کی طرف جاتے اور اس کو دیکھ کر کہتے: اے سدوم اب اللہ کی طرف سے تیرا کون سا دن ہے؟ میں تمہیں ان کاموں سے منع کرتا ہوں تاکہ تم اللہ کے عذاب کے مستحق نہ بنو۔ الحدیث

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۳۸-۲۳۶' (ملخصاً) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام اپنے عم محترم حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے' اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی' پھر وہ مصر چلے گئے' اس کے بعد پھر لوٹ کر شام کی طرف آئے پھر حضرت ابراہیم فلسطین میں ٹھہر گئے' اور حضرت لوط اردن چلے گئے' اس وقت حضرت ابراہیم کی نصف عمر گذر چکی تھی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو اہل سدوم کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا' اہل سدوم کافر تھے اور مردم پرستی میں مبتلا تھے' اور حضرت لوط علیہ السلام ان کو کفر اور بے حیائی کے کاموں سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔ (المنتظم ج ۱ ص ۱۷۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جنسی اعضاء اور جنسی عمل کا ذکر اشارہ اور کنایہ سے کرنے کی تلقین

اس کے بعد ذکر ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اہل سدوم سے کہا: کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو! (الشعراء: ۱۶۵)

اس سے مراد یہ ہے کہ تم مردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے ہو' جنسی خواہش پوری کرنے کو کنایۃً آنے سے تعبیر فرمایا ہے جس طرح اس آیت میں ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ　　تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں' تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح سے چاہو آؤ۔ (البقرہ: ۲۲۳)

یہاں بھی کھیتیوں سے مراد اپنی بیویوں سے جماع کرنا ہے جس کو کنایۃً کھیتیوں میں آنے سے تعبیر فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جنسی خواہش پوری کرنے کو الفاظ میں بیان کرنا ہو تو کھلے کھلے لفظوں میں ذکر کرنے کے بجائے' اشارے اور کنائے میں اس کا ذکر کرنا چاہیے اور شرم وحیاء اور حجاب کو قائم رکھنا چاہیے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تم اولاد آدم میں سے مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو حالانکہ ان کے شہر میں عورتیں بہت زیادہ تھیں، ہم سورۃ الاعراف میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس نے ان کو اس خبیث عمل کی تعلیم دی تھی، اور وہ اس شہر میں آنے والے مسافروں کو پکڑ کر ان کے ساتھ یہ خبیث عمل کیا کرتے تھے۔

عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو!

(الشعراء:۱۶۶)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اشارہ اور کنایہ سے کلام فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے جس عضو کو اس مقصد کے لیے بنایا ہے وہ اس عضو کی بجائے اس کے پچھلے عضو میں دخول کرتے تھے اور عمل معکوس کرتے تھے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا تم عورتوں کی قبل (اندام نہانی) کو چھوڑ کر مردوں اور عورتوں کی پشت میں دخول کرتے ہو (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۳۲۳، دارالفکر بیروت، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۸۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ) علامہ قمولی، علامہ قرطبی، علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔

احادیث میں بھی عورتوں کے ساتھ عمل معکوس کرنے کی مذمت کی گئی ہے:

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوصخرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم لوط مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے سے چالیس سال پہلے عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتی تھی۔

طاؤس سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص عورت کی سرین (پچھلی جانب) میں یہ عمل کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ اس کا کفر ہے۔ قوم لوط نے اس عمل کی ابتداء کی تھی پہلے وہ عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتے تھے، پھر مرد مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے لگے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں کرتا جو اپنی بیوی کی پچھلی جانب میں جماع کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۶۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۲۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۱۴۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۹۸، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۲۹۶)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بے شک اللہ حق بات سے حیا نہیں فرماتا تم عورتوں کی پچھلی جانب میں دخول نہ کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۳، مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۱۴۸، ۲۲۱۹، المنتقیٰ لابن جارود رقم الحدیث: ۷۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۱۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا جو کسی مرد یا عورت کی دبر (مقعد، سرین) میں دخول کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۷۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۳، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۱۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی ریح (ہوا)

خارج ہو تو وہ وضو کرے اور تم عورتوں کی پچھلی جانب میں نہ آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۶ امسند ابویعلی رقم الحدیث: ۲۳۷۸ ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۳ ' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۱۳۰)

عملِ قوم لوط کی سزا

اس کے بعد حضرت لوط نے فرمایا بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرتے ہو' یعنی یوں تو تمام معاملات میں حد سے تجاوز کرتے ہو اور خصوصیت کے ساتھ جنسی عمل میں حد سے تجاوز کرتے ہو۔

عمل قوم لوط کی سزا میں اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس پر حد نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا فاعل اور مفعول دونوں کو رجم (سنگسار' پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) کرنا واجب ہے' خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ' اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے' ان کے نزدیک یہ فعل عین زنا تو نہیں مگر زنا کے مشابہ ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے الاعراف: ۸۰ میں بیان کر دی ہے' دیکھیے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۹-۲۱۷' اور اس فعل کی قدرتی سزا یہ ہے کہ قوم لوط کا عمل کرنے والا ایڈز کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کے خون میں جو سفید خلیے ہوتے ہیں وہ کسی بھی بیماری کے خلاف مزاحمت اور مدافعت کرتے ہیں ایڈز کی بیماری میں یہ سفید خلیے ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کے جسم میں بیماریوں کے خلاف جو مدافعت کا طبعی نظام ہے وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کو جو بھی بیماری ہو وہ ختم نہیں ہوتی اور اس کا ہر مرض لاعلاج ہوتا ہے ابھی تک ایڈز کا صحیح علاج دریافت نہیں ہو سکا۔

قوم لوط کی بری خصلتیں

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین خصلتوں کے سوا قوم لوط کی تمام خصلتیں مٹ چکی ہیں' تلواروں کے غلاف کو گھسیٹنا' ناخنوں کو رنگنا اور شرمگاہ ننگی کرنا۔ (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۲۳)

حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی' کبوتروں سے کھیلنا' غلیل بازی کرنا' سیٹیاں بجانا' مجلس میں کنکر پھینکنا' سر کے بال سیدھے سنوارنا' دنداسہ لگانا' چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا' اچکنوں کو بند کرنا' مردوں سے خواہش پوری کرنا اور دائماً شراب پینا' اور یہ امت ایک اور برائی کا اضافہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غلیل بازی' سیٹی بجانا' کنکر پھینکنا اور دنداسہ چبانا قوم لوط کے برے اخلاق میں سے ہیں۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی' مرد مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے۔ غلیل سے نشانہ لگاتے تھے' مجلس میں کنکر پھینکتے تھے' کبوتر بازی کرتے تھے' دف بجاتے تھے' خمر (انگور کی شراب) پیتے تھے' داڑھی کاٹتے تھے' مونچھیں لمبی رکھتے تھے' سیٹی بجاتے تھے' تالی پیٹتے تھے' ریشم پہنتے تھے اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۲۴)

حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ ؕ (العنکبوت: ۲۹) تم اپنی عام مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

میں نے پوچھا یہ بتائیے وہ کیا برا کام کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ راستہ میں جانے والوں کو کنکر مارتے تھے' اور ان کا مذاق

اڑاتے تھے (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۲۵) (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۸-۲۴۷ ملتقطاً 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے لوط! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو بستی سے نکال دیا گیا ہے O لوط نے کہا میں تمہارے کام کی وجہ سے سخت ناراض ہوں O اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے O سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی O سوا ایک بوڑھی عورت کے جو باقی رہنے والوں میں سے تھی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی' سو جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O (الشعراء: ۱۷۵-۱۶۷)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی زبان درازی اور عذاب کا مستحق ہونا

حضرت لوط علیہ السلام نے اھل سدوم کو ان کے برے اور سخت بے حیائی کے کاموں سے منع کیا تھا اور ان کو اس پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا' انہوں نے اس کے جواب میں حضرت لوط سے کہا کہ اگر آپ ہم کو منع کرنے سے باز نہ آئے تو ہم آپ کا بہت برا حال کر کے ان شہروں سے آپ کو نکال دیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا میں تمہارے ان برے کاموں کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں' اس آیت میں ناراض کے لیے القالین کا لفظ ہے' یہ قالی کی جمع ہے' اس کا معنی ہے بیزار ہونے والا' سخت نفرت کرنے والا' چھوڑنے والا' قلت الناقۃ براکبھا اونٹنی نے اپنے سوار کو گرا دیا یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص نفرت اور بے زاری سے کسی چیز کو پھینک دے' قلی کا معنی پکانا اور بھوننا بھی ہے۔ شوربے والے سالن کو القلیہ کہتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے ساتھ رہنے کو ناپسند کیا اور ان کے قرب سے نجات حاصل کرنے میں رغبت کی اس لئے انہوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا: سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی O یعنی ان کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب نازل ہونے سے پہلے ان کے گھروں سے نکال لیا ماسوا ایک بوڑھی عورت کے جس کا نام والھہ تھا یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی اور ان پر ایمان نہیں لائی تھی' حضرت لوط علیہ السلام کی منکوحہ ہونے کے اعتبار سے اس کو آپ کے اھل میں شامل رکھا گیا۔ اس آیت میں اس کے لیے عجوز کا لفظ ہے۔ عجوز عاجز کا اسم مبالغہ ہے' اس کا معنی ہے بہت زیادہ عاجز' چونکہ بوڑھی عورت کام کاج سے بہت زیادہ عاجز ہوتی ہے' اس لیے اس کو عجوز کہا جاتا ہے' غابرین کے معنی ہے باقی رہنے والے اس کو ان لوگوں میں باقی رکھا گیا جن کو عذاب دیا گیا تھا' کیونکہ یہ بھی قوم کی طرف مائل تھی اور ان کے افعال پر راضی تھی' آسمان سے برسنے والے پتھر اس پر بھی لگے۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نہیں گئی تھی اور ان لوگوں کے ساتھ باقی رہ گئی تھی جن پر عذاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق قرآن مجید میں ایک اور جگہ ذکر ہے:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت اور اس کا عذاب

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ

اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے' یہ دونوں ہمارے نیک بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں' پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت

الدّٰخِلِیْنَ ○ (التحریم: ۱۰)
کی' پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہ کر سکے اور ان (عورتوں) سے کہا جائے گا اے عورتو! تم دونوں بھی دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اس آیت میں حضرت لوط اور حضرت نوح کی بیویوں کی خیانت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام ابوالقاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان عورتوں نے زنا نہیں کیا تھا لیکن حضرت نوح کی بیوی لوگوں کو جا کر یہ بتاتی تھی کہ حضرت نوح مجنوں اور دیوانے ہیں اور حضرت لوط کی بیوی لوگوں کو جا کر بتا دیتی تھی کہ آج حضرت لوط کے پاس مہمان آئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے گھر کی چھت پر چڑھی اس نے اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تو فاسق لوگ اس کے پاس بھاگتے ہوئے آئے اور اس سے پوچھا تمہارے پاس کوئی خبر ہے؟ اس نے کہا ہاں! بے شک اللہ کی قسم ہمارے پاس ایسے حسین و جمیل مہمان آئے ہیں اور ان سے ایسی اچھی خوشبو آ رہی ہے' میں نے ایسے لوگ ساری زندگی نہیں دیکھے۔

اشرف خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۲۲' ج ۵۳ ص ۲۴۵-۲۴۴' ملتقطاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ اس وقت کوئی کام کر رہے تھے' انہوں نے کہا ہم آج رات آپ کے پاس مہمان رہیں گے۔ حضرت لوط ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ حضرت لوط نے راستہ میں ان کی طرف مڑ کر فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ کس طرح کے کام کرتے ہیں! تمام روئے زمین میں ان سے زیادہ برے کام کرنے والا اور کوئی نہیں ہے' حضرت لوط نے یہ بات ان سے تین بار کہی' اور ان فرشتوں سے یہ کہا گیا تھا کہ ان کو اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک کہ تین بار ان کے خلاف شہادت نہ حاصل کر لیں۔ جب وہ فرشتے حضرت لوط کے گھر داخل ہوئے تو وہ کافرہ بوڑھی اپنی قوم کے پاس گئی اور ان کو حضرت لوط کے گھر کے دروازے پر لے آئی' ایک فرشتہ اٹھا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ دروازہ کو بند کر دیا۔ حضرت جبریل نے ان کو عذاب دینے کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کی' اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے دی' پھر حضرت جبریل نے ان کے اوپر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے اور انہوں نے بہت بری حالت میں رات گذاری' پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا:

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَهْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ (ھود: ۸۱)

فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں' یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے' آپ رات کے ایک حصے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں' اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے' البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں' بے شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس بوڑھی عورت نے ایک آواز سنی تو اس نے اس آواز کی طرف مڑ کر دیکھا

تو اس کو ایک پتھر آ کر لگا وہ اس وقت اپنی قوم سے الگ جگہ پر تھی۔ قتادہ نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جبریل نے اس بستی کو درمیان سے پکڑ کر اٹھایا' اور اس کو آسمان کی طرف لے کر چڑھے' حتیٰ کہ آسمان والوں نے اس بستی کے کتوں کی آوازیں سنیں پھر حضرت جبریل نے اس بستی کو پلٹ دیا اس کے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا' پھر ان پر لگاتار پتھر برسائے' قتادہ نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدود کے نفاذ کا رحمت ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے (الشعراء: ۱۷۴) یعنی قوم لوط کو جو عذاب دیا گیا اس میں بعد والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان ہے تاکہ وہ اس قسم کی بدکاری اور ایسے قبیح فعل کے ارتکاب سے باز رہیں تاکہ ان پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو قوم لوط پر آیا تھا' پھر فرمایا اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا' حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے اور ان کی دو بیٹیاں اور ان کے داماد مومن تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۴' روح البیان ج ۶ ص ۳۸۹)

پھر فرمایا بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے کہ وہ اپنے اور اپنے رسول کے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے' اور بہت رحم فرمانے والا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد فرماتا ہے' اور کفار پر بھی بغیر تنبیہ کے عذاب نازل نہیں فرماتا اور ان کو ایمان لانے اور اصلاح کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ اور عذاب کے مستحقین کو عذاب دینا بھی صالحین کے اوپر اس کی رحمت کا کمال ہے' کیونکہ جس کے کسی عضو میں ناسور ہو جائے تو اس عضو کو کاٹ دینا ہی پورے جسم کی صلاح کا ضامن ہے اور یہ جہان بھی ایک جسم کی طرح ہے اور کفار اس جہاں میں اس عضو کی طرح ہیں جس میں ناسور ہو تو ان کفار کو عذاب سے ہلاک کر دینے میں پورے جہان کی سلامتی ہے' اور اگر قہر اور غلبہ میں کوئی فائدہ نہ ہوتا تو حدود کو مشروع نہ کیا جاتا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فصلوں کی زرخیزی اور زرعی پیداوار کی بہتات سے زیادہ نفع حدود کے قائم کرنے میں ہے' کیونکہ اگر نفاذ حدود کے ذریعہ معاصی' فواحش اور جرائم کی روک تھام نہ کی جائے اور منکرات اور فواحش بڑھ جائیں تو پھر زمین میں پانی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ فصلیں ویران ہو جاتی ہیں اور رزق میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! جب تم پانچ چیزوں میں مبتلا ہو تو ان کو پانے سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ جب کسی قوم میں بے حیائی ظاہر ہو اور وہ اس کو کھلم کھلا کرنے لگیں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان سے پہلے گذرے ہوئے نیک لوگوں میں نہیں تھے' اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سالی' شدید محنت اور مشقت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہو جاتی ہے' اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے سے منع کرتے ہیں' ان سے آسمان کی بارش روک دی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش نہ ہوتی' اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول سے کیے ہوئے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اغیار کو مسلط کر دیتا ہے سو ان کی ساری پونجی کو وہ اغیار لوٹ کر لے جاتے ہیں' اور جب تک مسلمانوں کے ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو اختیار نہیں کریں گے' تو اللہ ان کو آپس کی جنگوں میں مبتلا کر دے گا۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں خالد بن یزید ضعیف راوی ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے اور دیگر احادیث اس کی موید ہیں۔) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۳۴-۳۳۲)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ضرور خمر (انگور

کی شراب) کا نام بدل کر اس کو پیتی رہے گی اور اس کے سروں پر آلات موسیقی بجتے رہیں گے اور گانے والیاں گاتی رہیں گی حتیٰ کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۹۵، ج ۱۰ ص ۲۳۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ (قسم کے) کام کرے گی تو اس پر بلائیں اور مصائب نازل ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مال غنیمت کو (ذاتی) دولت بنا لیا جائے گا، اور امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے گا، اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا، اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا، اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، اور اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا اور اپنے باپ کے ساتھ بدی کرے گا، اور مساجد میں شور کیا جائے گا اور رذیل آدمی کو قوم کا سردار بنا دیا جائے گا، اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی، اور خمر (انگوری شراب) پی جائے گی، اور ریشم پہنا جائے گا، اور اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہیں گے تو ان کاموں کے وقت سرخ آندھیوں اور زمین میں دھنسائے جانے اور مسخ کیے جانے کا انتظار کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۳۸۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے لیے زمین میں دھنسنا اور مسخ کیے جانا اور آسمان سے پتھروں کا برسنا بھی ہوگا، ایک مسلمان نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا آپ نے فرمایا جب گانے والیوں اور موسیقی کا ظہور ہوگا اور خمر (انگور کی شراب) پی جائے گی۔ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے۔ اور تقدیر (معلق) کو صرف دعا ٹالتی ہے اور انسان گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۲)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ فواحش، منکرات اور جرائم کے ارتکاب سے بلائیں، اور مصائب آتے ہیں، زمین میں دھنسنے، مسخ کیے جانے اور رزق سے محرومی کے عذاب نازل ہوتے ہیں، اس لیے حدود اور تعزیرات کو مشروع کیا گیا تاکہ ان کے ڈر اور خوف سے لوگ جرائم سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے بچے رہیں۔ اس لیے جرائم پر سزا دینا اور حدود کا نافذ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص ایسی جگہ میں رہے جہاں کوئی قاہر سلطان نہ ہو اور عادل قاضی نہ ہو اور طبیب عالم نہ ہو اور دکانیں اور بازار نہ ہوں اور جاری دریا نہ ہو اس نے اپنے نفس کو، اپنے اھل کو، اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو ضائع کر دیا۔ پس عقل والے پر لازم ہے کہ وہ اپنی سفلی خواہش سے احتراز کرے، اور اپنی بری عادات کو ترک کرے اور تمام حالات میں نرمی کے ساتھ اپنے نفس امارہ سے جہاد کرے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا

اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ

نہیں ڈرتے! ○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور میں

اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا

تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے ○ پیمانہ پورا

الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾

بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ ○ اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو ○

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو ○

وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ

اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا ہے ○ انہوں نے کہا

الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾

تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے ○ اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ

سے گمان کرتے ہیں ○ اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو ○ شعیب نے کہا

رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ

میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ○ سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَ مَا كَانَ

نے پکڑ لیا، بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے، اور ان میں سے

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾

اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے، بہت رحم فرمانے والا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے! O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O (الشعراء: ۱۸۰-۱۷۶)

حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔

حافظ علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ نے حضرت شعیب کا نام اس طرح لکھا ہے:

شعیب بن یوبب بن عنقاء بن مدین۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۵ ص ۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام شعیب بن عینا بن ندیب بن مدین بن ابراہیم ہے' اکثر مؤرخین نے اسی طرح لکھا ہے' اور بعض نے یہ کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں' بلکہ یہ ان بعض لوگوں میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے لیکن یہ حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں ان کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اھل مدین اور اصحاب الایکہ' مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کا گھر تھا اور ایکہ کا علاقہ مدین کے پیچھے تھا۔

علماء نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بیس سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث کیا' یہ قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ اور ان کو ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع کیا' حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا' جب اھل مدین کی سرکشی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی کا عذاب بھیجا' وہ گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ایک بادل بھیجا جس نے سورج سے ان کے اوپر سایہ کرلیا۔ اس سے ان کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوئی' پھر ان میں سے بعض نے بعض کو بلایا حتیٰ کہ سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا ڈالا اور یہی یوم الظلہ (سائبان کے دن) کا عذاب ہے۔

پھر حضرت شعیب نے باقی عمر اصحاب الایکہ کے ساتھ گذاری اور ان کو اللہ سبحانہ کا پیغام سناتے رہے' اور ان کو اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے۔ لیکن ان کی دعوت کا اثر ان پر برعکس ہوا۔ ان کی سرکشی اور گمراہی بڑھتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی گرمی مسلط کردی' اور یہ ہوسکتا ہے کہ دو امتوں پر ایک جیسا عذاب آیا ہو۔

قتادہ نے یہ کہا ہے کہ اھل مدین کو ایک چنگھاڑ نے ہلاک کردیا تھا' اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک مسلسل سخت گرمی مسلط کی گئی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جو ان کو کھا گئی اور یہی یوم الظلۃ کا عذاب ہے۔

(المنتظم ج ۱ ص ۲۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب کا نام شعیب یثرون بن ضیعون بن عنقا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم ہے' ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شعیب بن میکیل ہے اور وہ مدین کی اولاد سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں وہ ان بعض لوگوں کی اولاد سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام

کی طرف ہجرت کی تھی، لیکن وہ حضرت لوط کے نواسے ہیں، اور حضرت لوط کی بیٹی حضرت شعیب کی نانی تھیں، حضرت شعیب نابینا تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے، حضرت شعیب کی قوم نے ان سے کہا:

قالوا یشعیب ما نفقه کثیرا مما تقول وانا لنرک فینا ضعیفا (ھود: ۱۹) انہوں نے کہا اے شعیب! ہم آپ کی اکثر باتوں کو نہیں سمجھتے، اور بے شک ہم آپ کو اپنے درمیان بہت کمزور پاتے ہیں۔

(میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کے نابینا ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ان کی قوم کا منشاء یہ تھا کہ آپ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے اس سے ان کے نابینا ہونے پر روشنی نہیں پڑتی۔ سعیدی غفرلہ)

حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم کو کفر سے اور ناپ اور تول میں کمی کرنے سے ڈراتے تھے، اور جب اس قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یوم الظلۃ کا عذاب نازل کر دیا۔ (اس کی تفصیل امام ابن جوزی کی عبارت میں گزر چکی ہے) اور قتادہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اھل مدین کی طرف اور اصحاب الایکہ کی طرف، اصحاب الایکہ گھنے جنگلوں میں رہنے والے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دینے کا ارادہ کیا تو ان کو سخت گرمی میں مبتلا کر دیا۔ پھر ان پر ایک بادل چھا گیا وہ سب اس کے سائے میں جمع ہو گئے کیونکہ اس میں ان کو ٹھنڈک اور راحت ملی پھر اچانک اس بادل سے ان پر آگ برسنی شروع ہو گئی اور وہ سب جل کر خاکستر ہو گئے، اور یہی عذاب یوم الظلۃ ہے۔ اور رہے اھل مدین تو وہ مدین بن ابراہیم الخلیل کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک زلزلہ اور اس کی چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا تھا۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت شعیب کی قوم نے اللہ کی حد کو معطل کر دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کر دی، انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع کر دی۔ پھر یونہی بار بار ہوتا رہا، حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر ایسی گرمی مسلط کر دی جوان کی برداشت سے باہر تھی، ان کو کہیں سایہ میسر تھا نہ ٹھنڈا پانی مہیا تھا، پھر ان میں سے کسی نے آ کر کہا کہ اس نے ایک جگہ بادل کا سایہ دیکھا ہے وہ سب اس کے ساتھ جا کر وہاں جمع ہو گئے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے بھر دیا اور ان پر آگ برسنے لگی اور یہی یوم الظلۃ (سائبان والے دن) کا عذاب ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ا ص ۸۹-۸۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۰ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اھل مدین، مدین نام کے اس شہر میں رہتے تھے جو حجاز کی اس جانب آباد تھا جہاں اس کی سرحد شام سے ملتی ہے اس کے قریب بحیرہ قوم لوط تھا، (یہ شہر خلیج عقبہ کے شرقی اور غربی ساحلوں پر آباد تھا، اور یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اور اس علاقے کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین تھا، اس شہر میں جو قبیلہ آباد تھا اس کا نام بھی مدین تھا)

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ حدیث درج کی ہے:

اے ابوذر! چار نبی عرب سے ہیں: ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۱)

اھل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے، اور گذرنے والوں کو خوف زدہ کرتے تھے۔ اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے، اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے، اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بد معاملہ تھے۔ ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تھا تو کم دیتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب کو اپنا رسول بنا کر بھیجا حضرت شعیب نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ کو معبود مانو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور ان کو ان کے برے کاموں سے منع کیا اور ان سے فرمایا کہ لوگوں کے مالوں میں کمی کرنا چھوڑ دو، راستے سے گذرنے والوں کو

پریشان نہ کرو ڈاکے نہ ڈالو ان میں سے بعض حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اکثر نے کفر کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف ناک عذاب بھیجا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو جو معجزات دکھائے تھے اور اپنی نبوت اور رسالت پر جو معجزات پیش کیے تھے' وہ ہم تک نہیں پہنچے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۲۶۷-۲۶۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے' پھر اللہ نے ان کی بینائی لوٹا دی اور ان کی طرف یہ وحی کی کہ اے شعیب! تم کس وجہ سے روتے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے! حضرت شعیب نے کہا: اے میرے معبود اور اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے۔ پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو کیا کر رہا ہے' پس اللہ نے وحی کی کہ اے شعیب! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب تم کو میری ملاقات مبارک ہو' اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۵۲۶۲' ج ۲۵ص ۵۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں ان کے سوا اور کوئی قبر نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر حطیم میں ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے بالمقابل ہے۔ وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مکہ میں فوت ہوئے اور ان کی قبریں دارالندوہ اور باب بنی سہم کے درمیان کعبہ کی غربی جانب میں ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۵ص ۵۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت شعیب کا مقام بعثت

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ط ○ (الحجر: ۷۹) اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

جو شاہراہ حجاز کے قافلوں کو شام' فلسطین' یمن' بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گذرتی تھی قرآن مجید اسی کو امام مبین فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی قافلوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی سڑک تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شمال کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھا۔

بعض متاخرین لکھتے ہیں:

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا' یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی' اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی بناء پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقع تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی' کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گذرتے تھے۔

اہل مدین اور اصحاب الایکہ

عکرمہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرسبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والوں) کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا (ہر چند کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول راجح ہے کہ یہ دو الگ الگ امتیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الرس (اندھے کنوئیں والے' الفرقان: ۳۸) فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ۱۰ ص ۳۰۹ - ۳۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی' وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔ بہر حال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے فرمایا) پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ ○ اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو ○ اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو ○ اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا ○ انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے ○ اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں ○ اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو ○ شعیب نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ○ سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا ○ (الشعراء: ۱۹۱-۱۸۱)

قسطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الشعراء: ۱۸۱ میں قسطاس کا لفظ ہے۔ اس لیے ہم قسطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی' اس کے متعلق احادیث اس کے فوائد اور دیگر امور بیان کر رہے ہیں۔ قسطاس کا معنی میزان اور ترازو ہے اور اس کو عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۲۲) یہ لفظ رومی ہے جس کو عربی میں ڈھالا گیا ہے' اور قسط کا معنی ہے عدل اور انصاف کے ساتھ کسی چیز کا حصہ' قرآن مجید میں ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ اجر دے۔ (یونس:۴)

جب انسان کسی کا حصہ دوسرے کو دے دے تو اس کو بھی قسط کہتے ہیں' اور یہ ظلم کے معنی میں ہے' اور قاسطون کا معنی ہے ظلم کرنے والے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ رہے ظلم کرنے والے تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ (الجن:۱۵)

(المفردات ج ۲ ص ۵۲۲-۵۲۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے المقسط' یعنی عادل' قسط یقسط ضرب یضرب کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے ظلم کرنا' اور جب یہ باب افعال سے ہو تو اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے اور اس کا معنی ظلم کو دور کرنا' اور عدل کرنا ہے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اس کی شان کے لائق ہے' وہ قسط یعنی میزان کو جھکاتا ہے اور اس کو اوپر اٹھاتا ہے' یعنی بندوں کے جو اعمال اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں' ان میں سے نیک اعمال کے پلڑے کو وہ جھکاتا ہے اور برے اعمال کے پلڑے کو وہ اوپر اٹھا دیتا ہے' اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ وہ میزان میں بندوں کے رزق کو زیادہ کر کے اس کے پلڑے کو جھکا دیتا ہے اور ان کے رزق کے پلڑے کو رزق میں کمی کر کے اوپر اٹھا دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ناکثین اور قاسطین اور مارقین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ناکثین کا معنی ہے عہد شکنی کرنے والے اس سے مراد اھل جمل ہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر والے' کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خلاف ورزی کی' اور قاسطون کا معنی ہے ظلم کرنے والے اس سے مراد اھل صفین ہیں یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے کیونکہ انہوں نے خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور ان کے خلاف بغاوت کی' اور مارقون کا معنی ہے خارج ہونے والے اور اس سے مراد خوارج ہیں کیونکہ وہ دین سے اس طرح نکل گئے تھے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے' اقسط فی حکمہ کا معنی ہے فلاں شخص نے عدل سے فیصلہ کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اور عدل کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الحجرات:۹)

اور قسط کا معنی ہے ظلم کرنا اور قاسطون کا معنی ہے ظلم کرنے والے اور حق سے تجاوز کرنے والے۔

(لسان العرب ج ۷ ص ۳۷۸' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے کہا ہے کہ قسط کا معنی ہے عدل سے کسی چیز کا حصہ کرنا (التوقیف علی مہمات التعریف ص ۲۷۱) اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ قسط کا معنی ہے معاملات میں عدل کرنا۔

قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقسطین (عدل کرنے والے) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر رحمٰن کی دائیں جانب بیٹھے ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں' جو لوگ اپنے گھر والوں اور جن پر ان کو حاکم بنایا گیا ان میں عدل سے فیصلے کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۲۷)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مسلمان' اور جو شخص حامل قرآن ہو اور اس میں غلو نہ کرتا ہو اور اس کے ساتھ جفا نہ کرتا ہو' اور صاحب اقتدار کی تکریم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانے کے حکم میں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے' جس میں قریش کی ایک جماعت تھی آپ نے اس گھر کے دروازے کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا کیا اس گھر میں صرف قرشی ہیں؟ آپ سے کہا گیا اس میں فلاں شخص ہمارا بھانجا بھی ہے' آپ نے فرمایا کسی قوم کا بھانجا بھی اسی کی قوم میں شمار ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ خلافت اس وقت تک قریش میں رہے گی جب تک ان سے رحم طلب کیا جائے تو یہ رحم کرتے رہیں۔ اور جب تک یہ انصاف سے فیصلے کرتے رہیں اور یہ عدل سے تقسیم کرتے رہیں اور ان میں سے جو شخص اس طرح نہیں کرے گا' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۶' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی بقا میں صرف ایک دن رہ جائے گا' تو اللہ اس دن کو ضرور طویل کردے گا' حتیٰ کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو اس دن بھیجے گا' جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور جس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا' وہ زمین کو عدل اور انصاف سے اس طرح بھردے گا جس طرح زمین پہلے ظلم اور بے انصافی سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸-۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے وہ عدل و انصاف سے فیصلے کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے اور جزیہ کو موقوف کردیں گے اور مال و دولت کو اتنا تقسیم کریں گے کہ پھر اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اس پر گواہ ہو جائیں کہ میں نے نعمان کو اپنے مال سے اتنی اتنی چیزیں ہبہ کردی ہیں۔ آپ نے پوچھا تم نے جتنی چیزیں نعمان کو دی ہیں کیا اپنے باقی بیٹوں کو بھی اتنی چیزیں دی ہیں' انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ' پھر آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ تمہارے تمام بیٹے تمہارے ساتھ نیکی کرنے میں برابر ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم بھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا مجھ کو گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۱)

قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق آثار

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ عراق والوں میں سے کوئی شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے پاس ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں جس کا کوئی سر ہے نہ کوئی دم ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کیا ہے' اس نے کہا ہمارے علاقے میں جھوٹی گواہیاں دینے کا بہت رواج ہوگیا ہے' حضرت عمر نے پوچھا کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ اس نے کہا

ہاں! حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم! عدل کے بغیر اسلام میں کوئی شخص خوشحال نہیں ہو سکتا۔

(مؤطا امام مالک الشہادات: ۴ رقم الحدیث: ۱۴۶۵ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مثالیں بیان کی ہیں اور تمہارے لیے ایک قول کو بار بار دہرایا ہے' تا کہ دل زندہ ہوں' کیونکہ دل سینوں میں مردہ ہیں جب تک اللہ ان کو زندہ نہ کرے' جس نے کسی چیز کا علم حاصل کیا اس کو اس سے نفع پہنچانا چاہیے' بے شک عدل کی کچھ علامتیں ہیں اور عدل کی کچھ خوشخبریاں ہیں۔ عدل کی علامتیں یہ ہیں: حیاء' سخاوت' آسانی اور نرمی' اور عدل کے لیے خوشخبری رحمت ہے' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک دروازہ بنایا ہے' اور ہر دروازے کی ایک چابی بنائی ہے' پس عدل کا دروازہ اعتبار ہے' اور اس کی چابی زھد ہے' اور اس کا اعتبار مال بھیج کر موت کو یاد کرنا اور اس کی تیاری کرنا ہے' اور زہد ہر اس شخص سے حق وصول کرتا ہے جس پر کسی کا حق ہو اور جس شخص کو بہ قدر ضرورت چیزیں مل جائیں ان پر قناعت کرتا ہے اور اگر اس کو بہ قدر ضرورت چیزیں کافی نہ ہوں تو اس کو کوئی چیز مستغنی نہیں کر سکتی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۰ مطبوعہ دار الریان' القاہرہ' ۱۴۰۸ھ)

خرشہ بن الحر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس شہادت دی' حضرت عمر نے کہا میں تم کو نہیں پہچانتا' اور اگر میں تم کو نہیں پہچانتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' تم اس شخص کو لے کر آؤ جو تم کو پہچانتا ہو' قوم میں سے ایک شخص نے کہا میں اس کو پہچانتا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا تم کس وجہ سے اس کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا عدل اور فضل سے' حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ تمہارا قریب ترین پڑوسی ہے' تم جس کو دن رات دیکھتے ہو اور اس کے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے سے واقف ہو؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمر نے پوچھا کیا تمہارا اس سے کبھی روپے پیسے کا لین دین ہوا ہے جس سے معاملات میں اس کی خدا خوفی پر استدلال کیا جا سکے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمر نے پوچھا کیا یہ شخص کبھی سفر میں تمہارا رفیق رہا ہے جس سے اس کے مکارم اخلاق پر استدلال کیا جا سکے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمر نے کہا پھر تم اس شخص کو نہیں پہچانتے۔ پھر گواہی دینے والے شخص سے فرمایا تم اس شخص کو لے کر آؤ' جو تم کو پہچانتا ہو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۲۶-۱۲۵' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

عدل کے متعلق اقوال علماء

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ نے فرمایا:

بندہ کا عدل میں حصہ بالکل ظاہر ہوتا ہے اس میں کوئی خفا نہیں ہے' عدل کے لیے اس کے نفس کی صفات میں سے اس کے لیے جو پہلی چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی شہوت اور اس کا غضب اس کی عقل اور اس کے دین کے تابع ہوں' کیونکہ اگر اس نے اپنی عقل کو اپنی شہوت اور اپنے غضب کے تابع کر دیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور عدل کے لیے دوسری چیز یہ واجب ہے کہ وہ تمام معاملات میں حدود شرع کی رعایت کرے' اور ہر عضو میں اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے ہر عضو کو شریعت کے اذن کے مطابق استعمال کرے اور اپنے اھل وعیال میں اس کا عدل یہ ہے کہ ان کے جائز حقوق کو ادا کرے اور اگر وہ حکومت کے کسی منصب پر فائز ہے تو اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض کو دیانت داری سے ادا کرے۔

(المقصد الاسنی فی شرح معانی اسماء اللہ الحسنی ص ۱۰۱-۹۸' ملخصاً' مطبوعہ قبرص' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن ہمام نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرنا عدل ہے' نہ کہ محض اپنی رائے سے۔

عبدالرحمان بن ناصر الدین سعدی نے کہا حقوق واجبہ کو خرچ کرنا اور مستحقین میں برابر برابر حقوق تقسیم کرنا عدل ہے۔

ابن حزم نے کہا نفس کے حقوق ادا کرنا اور اس سے دوسروں کے حقوق حاصل کرنا عدل ہے۔

علامہ شریف جرجانی نے کہا افراط اور تفریط کے درمیان امر متوسط عدل ہے' اور جو کام دین میں منع ہوں ان سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہنا عدل ہے۔

عدل عقلی اور عدل شرعی

عقلاً عدل یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو اور جو شخص تم سے برائی اور تکلیف کو دور کرے تم بھی اس سے برائی اور تکلیف کو دور کرو' اور شرعاً عدل یہ ہے کہ کسی شخص سے برابر برابر سلوک کرنا' اگر وہ نیکی کرے تو اس کے ساتھ نیکی کی جائے اور اگر وہ برائی کرے تو اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے۔ قرآن مجید میں عدل کا ذکر ہے' حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں سے کہا:

اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ كَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ؕ (ھود: ۳۸)

اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو ایک دن ہم بھی تم پر ہنسیں گے جس طرح تم ہم پر ہنس رہے ہو۔

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۚ (الرحمٰن: ۶۰)

نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے۔

فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۚ (البقرہ: ۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے زیادتی کی ہے۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے۔

عدل اور احسان

عدل اور احسان میں فرق یہ ہے کہ عدل مساوات کا نام ہے کسی نے جس قدر نیکی کی ہو اس کے ساتھ اسی قدر نیکی کی جائے یا جس نے جس قدر زیادتی کی ہو اس کے ساتھ اسی قدر زیادتی کی جائے تو یہ عدل ہے' اور احسان یہ ہے کہ کسی کی نیکی کا اس سے زیادہ نیکی کے ساتھ بدلہ دیا جائے یا کسی کی زیادتی کے بدلہ میں اس سے کم زیادتی کی جائے' یا اس کی زیادتی کو معاف کر دیا جائے' یا اس کی زیادتی کے جواب میں اس کے ساتھ نیکی کی جائے' قرض کی رقم اتنی ہی ادا کی جائے تو عدل ہے اس سے زیادہ ادا کی جائے تو احسان ہے' بہ شرطیکہ قرض خواہ کا مطالبہ نہ ہو' کسی کے جرم پر اس کو سزا دینا عدل ہے اور اس کو معاف کر دینا احسان ہے' اسی طرح مجرم کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی احسان ہے' قصاص لینا عدل ہے اور خون بہا یا دیت لینا احسان ہے اور دیت کو ساقط کر دینا یہ اس سے بھی بڑا احسان ہے۔

عدل اور احسان کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡىُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ۝ (الشوریٰ: ۳۹)

اور جب ان پر زیادتی کی جائے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ (الشوریٰ: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ پر ہے' بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۝

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ہمت کے

(الشوریٰ:۴۳) کاموں سے ہے O

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ O (آل عمران:۱۳۴) اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

احسان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً بدگو تھے نہ تکلفاً' اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگذر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۰۱۶' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے آگے بڑھ کر آپ سے مصافحہ کیا پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے افضل عمل بتائیے آپ نے فرمایا: اے عقبہ جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو' اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸' طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۱۳ ص ۳۴۳' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱' کنز العمال رقم الحدیث:۶۹۲۹)

عدل اور انصاف کے فوائد

(۱) عدل کرنے والا دنیا اور آخرت میں امن سے رہتا ہے اس کی دنیا میں تعریف و تحسین ہوتی ہے اور آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے۔

(۲) عدل و انصاف کرنے کی وجہ سے اس کی حکومت اور سلطنت کو استحکام حاصل ہوتا ہے' اور دشمن کے حملہ کے وقت عوام اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔

(۳) عادل حکمران سے مخلوق راضی رہتی ہے اور ان کی رضا کی وجہ سے اس سے اللہ بھی راضی رہتا ہے۔

(۴) عدل و انصاف کرنے والا پہلے اپنے اعضاء کے ساتھ عدل کرتا ہے اور ان کو گناہوں سے بچاتا ہے' اور اپنے اھل و عیال کے ساتھ عدل کرتا ہے اور ان کو برائی سے اجتناب کرنے اور نیکی کی تلقین کرتا ہے' اور پھر عام مسلمانوں اور معاشرہ میں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔

(۵) عدل اور انصاف سوشلزم' کمیونزم اور کیپٹلزم کا راستہ روکتے ہیں اور اسلامی نظام معیشت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

(۶) عدل اور انصاف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت کی اتباع حاصل ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

(۷) عدل اور انصاف لوگوں کے حقوق' اور ان کی امانتوں کی حفاظت کا ضامن ہے اور اس سے معاشرہ میں بے چینی نہیں پھیلتی۔

(۸) عدل و انصاف قائم کرنا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت میں اخلاص کی علامت ہے۔

(۹) عدل و انصاف کرنے والے کو قیامت کے دن نور کا لباس پہنایا جائے گا۔

(۱۰) عدل و انصاف کرنے والا قیامت کے دن اللہ کی لعنت سے' فرشتوں کی لعنت سے اور لوگوں کی لعنت سے محفوظ رہے گا۔

فساد کی دو قسمیں:

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو۔ (الشعراء: ۱۸۳)
اس آیت میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ پہلے ان کو خصوصیت کے ساتھ ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کو مطلقاً لوگوں کے مالوں میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ خواہ وہ کمی چوری کے ذریعہ کی جائے یا ڈاکے کے ذریعہ یا ناپ اور تول میں کمی کے ذریعہ اور ان کو زمین میں قتل و غارت گری کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اس آیت میں عثی کے بعد فساد کا ذکر فرمایا اور ان دونوں لفظوں کے معنی ہیں فساد کرنا اور حد سے تجاوز کرنا' اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی کام صورۃً فساد ہوتا ہے لیکن حقیقتہً فساد نہیں ہوتا۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ یا جیسے انہوں نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تھا یہ کام بہ ظاہر فساد تھے حقیقت میں اصلاح تھے۔ یا جیسے جراح یا سرجن سرجری کرتا ہے اور کسی عضو کو کاٹ ڈالتا ہے' بہ ظاہر یہ اعضاء کو کاٹنا ہے لیکن اس میں جسم کی فلاح اور اصلاح ہوتی ہے۔ اس طرح بعض کام صورۃً اور ظاہراً فساد ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ اصلاح اور فلاح ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں عثی کے بعد فساد کا ذکر فرمایا کہ تم اس طرح کا فساد نہ کرو جس میں حد سے تجاوز ہو اور اس میں اصلاح اور فلاح کا کوئی پہلو نہ ہو۔

جبلّت کا معنی

الشعراء: ۱۸۴ میں فرمایا: اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلّت (سرشت) کو پیدا کیا۔

الجبلۃ: جبلّت کا معنی ہے کسی انسان کا فطری اور پیدائشی وصف' جبلہ اللہ علی کذا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں ایسا وصف رکھ دیا ہے جس کو وہ ترک نہیں کر سکتا۔ جیسے کوئی انسان فطرۃً سخی ہو یا فطرۃً حیادار ہو۔ اور انسان کی فطرت بدل نہیں سکتی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے جبلہ اللہ علی الکرم' اللہ تعالیٰ نے کرم اور شرافت اس کی فطرت میں رکھی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء: ۱۸۴) اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلّت کو پیدا کیا۔

یعنی کافروں کے جو اوصاف ہیں وہ فطری اور جبلی ہیں' تکبر' عناد اور ہٹ دھرمی ان کی سرشت میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔ (الاسراء: ۸۴) ہر شخص اپنی فطرت اور سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں: طبیعت' خصلت اور عادت میں فرق ہے:

طبیعت' خصلت' خلق اور عادت کا فرق

الطبع: اس لفظ کی اصل یہ ہے طبع السیف تلوار کو ڈھالا گیا' یعنی لوہے سے اس کی مخصوص صورت بنائی گئی اسی طرح دراہم اور دینار کو مخصوص صورتوں میں جو ڈھالا جاتا ہے اس کو بھی طبع کہتے ہیں' اسی طرح انسان کو جس سرشت پر بنایا جائے اس کو طبیعت اور غریزہ کہتے ہیں غرز کا معنی ہے گاڑنا اور ٹھونکنا' گویا اس وصف کو اس میں گاڑ دیا گیا ہے' اور طبیعت اور غریزہ انسان کی

اس قوت کو کہتے ہیں جس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس کو جبلّت 'فطرت اور شیمہ بھی کہتے ہیں الشامہ کے معنی تل ہیں اور شیمہ اس خصلت کو کہتے ہیں جو انسان کے اندر تل کی طرح پیوست ہو۔ جیسے کوئی انسان جبلّی طور پر سخی ہو یا بخیل ہو۔

السجیۃ: سجیہ انسان کی پختہ عادت کو کہتے ہیں۔

خــلـق: خَلق (خ پر زبر) انسان کی جسمانی ساخت کو کہتے ہیں' اس کی شکل وصورت وغیرہ جس کا آنکھوں سے ادراک کیا جاتا ہے' اور خُلق (خ پر پیش) انسان کی ان قوتوں کو کہا جاتا ہے جن کا بصیرت سے ادراک کیا جاتا ہے اور ان کو غور وفکر سے معلوم کیا جاتا ہے' مثلاً کسی شخص کے حسن و جمال کا ادراک بصر سے ہوتا ہے اس کو خلق کہتے ہیں اور اس کی شرافت اور نجابت کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے اس کو خلق کہتے ہیں' اور بعض اوقات قوت غریزہ پر بھی خلق کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان احادیث میں ہے:

جبلّت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہے' خَلق سے' خُلق سے' رزق سے اور مدت حیات سے اور کوئی شخص کسی سے زیادہ کسب کرنے والا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۹۵۳' حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن المسیب ہے' اس کی حاکم اور دار قطنی نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے' اور اس کے باقی راوی ایک سند کے ساتھ ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۷ص ۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کی چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہے' خَلق اور خُلق اور رزق اور اجل (مدت حیات) سے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۵۸۳۰' حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن میتب البجلی ہے اور یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اور حاکم اور دار قطنی نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کرنا' اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کا خُلق (جبلّت) بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا وہ شخص اسی سرشت کی طرف لوٹ جائے گا جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ص ۴۴۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۳۷۲' دار الحدیث قاہرہ' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن زہری کا حضرت ابو الدرداء سے سماع نہیں ہے' مجمع الزوائد ج ۷ص ۱۹۶)

عبداللہ بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگوں نے ایک شخص کے خُلق (جبلّت) کا ذکر کیا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر تم کسی شخص کا سر کاٹ دو تو پھر کیا اس کو جوڑ سکتے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں! حضرت ابن مسعود نے پھر فرمایا اگر تم اس کا ہاتھ کاٹ دو تو؟ لوگوں نے کہا نہیں! حضرت ابن مسعود نے فرمایا اور اگر تم اس کا پیر کاٹ دو تو؟ لوگوں نے کہا نہیں' حضرت ابن مسعود نے فرمایا بے شک تم کسی شخص کے خُلق (جبلّت) کو اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک کہ تم اس کے خَلق (اعضاء اور شکل وصورت) کو نہ بدل دو' پھر حضرت ابن مسعود نے اس حدیث کو سنایا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۸۸۴' حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

خُلق کا زیادہ تر اطلاق جبلّت پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان ایک کام کرتا ہے اور دوسرا کام نہیں کرتا جیسے ایک شخص غضب کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مزاج میں تندی اور تیزی ہوتی ہے اسی وجہ سے ہر شخص اس خُلق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جو اس کی اصل خلقت اور فطرت میں ہوتا ہے جیسے شیر شجاعت کے ساتھ مخصوص ہے' اور خرگوش یا بکری بزدلی کے ساتھ اور لومڑی مکاری کے ساتھ' اور کبھی خلق کا اطلاق اوصاف مکتسبہ پر بھی کیا جاتا ہے' انسان بعض کاموں کو کرنے کا عادی اور خوگر ہوجاتا ہے اور گویا کہ وہ کام اس کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں' جیسا کہ حسن اخلاق کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

حسنِ اخلاق کے متعلق احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو' اور جب تم کسی گناہ کے بعد کوئی نیک کام کرلو گے تو وہ اس گناہ کو مٹادے گا' اور لوگوں کے ساتھ حسن خُلق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے سامنے اس کے بندوں میں سے ایک ایسے بندہ کو پیش کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تو نے مجھے اپنا مال عطا کیا تھا' اور میں لوگوں سے خرید وفروخت کرتا تھا' اور میرا خُلق (طریقہ) یہ تھا کہ میں لوگوں سے درگذر کرتا تھا' میں امیر آدمی کے لیے آسانی کرتا تھا اور غریب آدمی کو مہلت دیتا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری بہ نسبت درگذر نے کا زیادہ مستحق ہوں' (پھر فرشتوں سے فرمایا) میرے اس بندے سے درگذر کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنین میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا خلق سب سے اچھا ہے' اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کا اپنی بیویوں کے ساتھ خلق سب سے بہتر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۲' ۲۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۱۱' المستدرک ج ۱ ص ۳)

حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے وسط میں اس شخص کے گھر کا ضامن ہوں جو اپنا موقف برحق ہونے کے باوجود جھگڑے کو ترک کردے اور اس شخص کے لیے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں کہ وہ خواہ مذاق کررہا ہو' جھوٹ نہ بولے اور اس شخص کے لیے جنت کے سب سے بلند درجہ میں گھر کا ضامن ہوں جس کا خُلق سب سے اچھا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۰۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے روزہ دار شب زندہ دار کا اجروثواب پالیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۸' المستدرک ج ۱ ص ۶۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح (نیک) اخلاق کو پورا کردوں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ میری مجلس کے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے' اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ میری مجلس سے دور وہ لوگ ہوں گے جو تکلف سے

زیادہ باتیں کرتے ہوں گے اور فصاحت و بلاغت بگھارتے ہوں گے اور اپنے فضائل کا اظہار کر کے تکبر کرتے ہوں گے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ڈر اور حسن خلق کی وجہ سے اور آپ سے پوچھا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' منہ اور شرم گاہ کی وجہ سے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۶، المستدرک ج ۴ ص ۳۲۴، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۹۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (مجھ کو رخصت کرتے وقت) جب میرا پاؤں رکاب میں تھا تو سب سے آخر میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی' اس میں فرمایا: اے معاذ بن جبل لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۰۳، رقم الحدیث: ۱۶۷۱، مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بری باتوں کے کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا' ایک دن آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجا' میں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ حالانکہ میرے دل میں یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے تو میں چلا جاؤں گا۔ حضرت انس نے کہا میں چلا گیا حتیٰ کہ میں بچوں کے پاس سے گذرا جو بازار میں کھیل رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آ کر مجھے گدی سے پکڑا۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے انیس وہاں جاؤ جہاں جانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے' میں نے کہا: جی ہاں! یارسول اللہ! میں جا رہا ہوں۔ حضرت انس نے کہا: اللہ کی قسم! میں سات سال یا نو سال آپ کی خدمت میں رہا' مجھے علم نہیں کہ آپ نے کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۳)

وہ افعال جو حسن اخلاق کا مصداق ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اس کو مارنے کے لیے جھپٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو' کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا السام علیکم (تم پر موت آئے) حضرت عائشہ نے کہا تم پر موت آئے' اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ہو۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رک جاؤ' تم نرمی کو لازم رکھو اور تم موجب عار باتوں اور بدکلامی سے اجتناب کرو۔ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا' آپ نے فرمایا میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی اور ان کے متعلق میری دعا قبول ہوگی اور میرے متعلق ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی وہاں لے جاتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آگئے' ایک وادی جس میں بہت زیادہ درخت تھے وہاں سب کو نیند آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے' اور لوگ منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے' اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی' اور ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے' اور اس وقت وہ اعرابی آپ کے پاس کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس اعرابی نے مجھ پر تلوار سونت لی' میں بیدار ہوا تو وہ برہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑا تھا اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا! میں نے تین بار کہا: اللہ! آپ نے اس کو سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لے کر آئی' سہل نے کہا تم کو معلوم ہے کہ وہ کیسی چادر تھی اس کے دونوں کناروں پر بیل بوٹے کڑھے ہوئے تھے' اس عورت نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کو یہ چادر پہناؤں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس چادر کو پہن لیا' صحابہ میں سے ایک شخص نے اس چادر کو دیکھا اس نے کہا یا رسول اللہ یہ چادر کتنی خوبصورت ہے! آپ یہ چادر مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اچھا! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے تو آپ کے اصحاب نے اس شخص کو ملامت کی اور کہا تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ جب تم کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے یہ چادر لی ہے' پھر تم نے آپ سے اس چادر کا سوال کر لیا اور تم کو معلوم ہے کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے تو آپ منع نہیں فرماتے۔ اس شخص نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو پہن لیا تو میں اس چادر میں برکت کی توقع رکھتا تھا' تاکہ میں اس چادر میں کفن دیا جاؤں' پھر وہ اس کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ کے پاس الاقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا' اس نے کہا میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے تم (اس کی) سفارش کرو' تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ نبیوں میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے' ان کی قوم نے ان کو زدوکوب کیا اور ان کا چہرہ خون آلود کر دیا' اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ اے میرے رب! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث' ۱۷۹۲)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام

کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ آپ گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۶۱)

عمرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے۔ انہوں نے کہا آپ بشر میں سے ایک بشر تھے۔ کپڑے صاف کر لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنے کام کرتے تھے۔

(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۴۸، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۳۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے، اور اپنے کپڑے سی لیتے تھے۔ اور گھر میں اس طرح کام کرتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی شخص کام کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۹۲، مصنف ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، آپ کے اوپر ایک نجرانی چادر تھی جس کے کنارے سخت موٹے تھے ایک اعرابی نے اس چادر کو پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچا میں نے دیکھا کہ اس چادر کو سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گئے تھے، پھر اس اعرابی نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا، آپ ہنسے پھر آپ نے اس کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی، اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو سوا اس کے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے، اور جب بھی کسی شخص نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمات اور اس کی حدود کو کسی نے پامال کیا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دو کاموں کے درمیان اختیار نہیں دیا گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اس کام کو اختیار کرتے جو آسان ہوتا۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر کوئی کام گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کام سے دور ہوتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز میں بھی کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا ماسوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث، ۲۴۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ پر جنگ اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا تھا، آپ نے فرمایا میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں، وہ اٹھائی ہیں، اور سب سے زیادہ تکلیف یوم عقبہ (جس دن آپ نے طائف کی گھاٹیوں میں جا کر تبلیغ کی تھی) کو اٹھائی تھی، اس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یا لیل بن عبد کلال پر پیش کیا میں جو کچھ چاہتا تھا اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں انتہائی افسردگی کے ساتھ چل پڑا، میں اس وقت قرن الثعالب میں تھا اور میرا غم ابھی دور نہیں ہوا تھا، میں نے سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہاں پر حضرت جبریل تھے انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا

بے شک اللہ نے سن لیا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کیا پیغام سنایا اور انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے' تاکہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں' پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا' پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ جو چاہیں! اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۰۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹' الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۷' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان کے ساتھ اپنا منہ لگایا ہو اور آپ نے اس کے پاس سے اپنا سر ہٹا لیا ہو' حتیٰ کہ وہ خود اپنا سر ہٹاتا تھا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ہو حتیٰ کہ وہ خود اپنا ہاتھ چھڑاتا تھا' اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے حتیٰ کہ وہ خود آپ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتا تھا' اور آپ کسی شخص سے اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ پھیر لیتا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی حاجت پیش کی۔ آپ نے فرمایا: اے ام فلاں! تم مدینہ کی گلیوں میں سے کسی گلی میں بھی بیٹھ جاؤ میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری کر دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۹۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کرتے تھے۔ جنازہ کے ساتھ جاتے تھے' خادم کی دعوت کو قبول کر لیتے تھے' اور دراز گوش پر سوار ہو جاتے تھے' میں نے خود جنگ خیبر کے دن دیکھا آپ دراز گوش پر سوار تھے اس کی لگام خشک گھاس کی تھی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش کی ننگی پشت پر سوار ہوتے تھے' اور مملوک (خادم) کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے' اور زمین پر سوتے تھے اور زمین پر بیٹھ جاتے تھے' اور زمین پر (بیٹھ کر) کھاتے تھے' اور فرماتے تھے اگر مجھے بکری کے ایک پائے کو کھانے کی بھی دعوت دی گئی تو میں چلا جاؤں گا' اور اگر مجھے بکری کی ایک دستی کی بھی دعوت دی گئی تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۷۴' اس حدیث کی سند میں رواد بن الجراح اور حسن بن عمارہ ضعیف راوی ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح بھی کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ وعظ فرماتے تو ہم دل میں کہتے کہ اب آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو، سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۷۷ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۲)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم وحیاء ہوتی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶ حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے ان میں سے ایک سند صحیح ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا، اور وہ اسرافیل ہیں اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے، انہوں نے کہا السلام علیک یا محمد! میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لانے والا ہوں، مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں، اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں، میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا، پس اس وقت نبی علیہ السلام نے کہا اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۳۰۹ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبداللہ البابلتی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۱۱)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو، کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۸۲ المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۷۱، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چار زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۹۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرشی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۴۲۳۰)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۶۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۲)

خصلت اور عادت کا معنی اور آیا عادت کا بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

عادت کا لفظ عاد یعود سے بنا ہے' آدمی جب کسی فعل کو بار بار کرتا ہے یا کسی فعل کو بار بار قبول کرتا ہے تو اس کو عادت کہتے ہیں' عادت مخلوق کا فعل ہے اور سجیت اور جبلّت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' یہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی سجیت اور جبلّت کے خلاف کوئی کام کرے کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کو تبدیل نہیں کرسکتا' لیکن بعض اوقات عادت اس قدر قوی اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ سجیت اور جبلّت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور پھر اس کو طبیعت ثانیہ کہتے ہیں۔

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل نہیں کرسکتا' اس لیے انسان کی سرشت اور جبلّت اگر نیک ہے تو وہ نیک رہے گی اور اگر بد ہے تو وہ بد رہے گی' حدیث میں ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حسین شکل دی اور نیک فطرت دی اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (کشف الخفاء ج ا ص ۱۷۷) اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خَلق (شکل وصورت) اور خُلق (سجیت اور جبلّت) سے فارغ ہو چکا ہے اور خالق کے فعل کو تبدیل کرنا مخلوق کی طاقت میں نہیں ہے۔

(الذریعہ ص ۱۱۵-۱۱۴' مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ اخلاق میں تغیر اور تبدل نہیں ہوسکتا' اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ ہے کہ: خُلق باطن کی صورت ہے جیسا کہ خَلق ظاہر کی صورت ہے' اور انسان ظاہر کی صورت کو نہیں بدل سکتا' مثلاً جس کا قد چھوٹا ہو وہ اپنا قد بڑا نہیں کرسکتا' اور جس کا قد بڑا ہو وہ اپنا قد چھوٹا نہیں کرسکتا اور جس کی شکل وصورت قبیح ہو وہ اپنی شکل وصورت حسین نہیں بنا سکتا' پس جس طرح وہ اپنی ظاہری صورت کو تبدیل نہیں کرسکتا اسی طرح وہ اپنی باطنی صورت کو بھی تبدیل نہیں کرسکتا' اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن اخلاق تب حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی شہوت اور غضب کو منقطع کرے اور شہوت اور غضب تب منقطع ہوگا جب انسان کی طبیعت اور اس کا مزاج بدل جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ طویل مجاہدہ اور کڑی ریاضت کرنے کے باوجود بھی شہوت اور غضب کو منقطع نہیں کر پاتے لہٰذا اپنے اخلاق کو تبدیل کرنے کی کوشش محض عبث اور تضیع اوقات ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاق تغیر اور تبدل کو قبول نہ کرسکیں تو وعظ اور نصیحت اور تادیب اور وصیت سب باطل ہو جائیں گی اور قرآن اور حدیث میں جو نیک کام کرنے کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے وہ سب عبث ہو جائیں گی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق حسین بناؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اور نیک اخلاق کے ساتھ پیش آؤ' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ا ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اگر خلق کو تبدیل کرنا ممکن نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کیوں دیتے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی طبیعت اور خلق میں تغیر ہو جاتا ہے جنگلی جانوروں کی طبیعت میں انسانوں سے وحشت ہے وہ ان سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں لیکن انسان ان کو مانوس کر لیتا ہے' شیر' ہاتھی' ریچھ اور بندروں کو سدھا لیتا ہے۔ کتے کی طبیعت میں گوشت کھانے کی حرص ہے لیکن انسان تعلیم اور تادیب سے شکاری کتے کی فطرت اور طبیعت بدل دیتا ہے وہ مالک کے لیے شکار کرتا ہے اور خود نہیں کھاتا تو جب جانوروں کی طبیعت بدل جاتی ہے تو انسان کی طبیعت کیوں نہیں بدل سکتی۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ وعظ فرماتے تو ہم دل میں کہتے کہ اب آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہوجاتی تو میں دیکھتا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو، سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۷۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۲)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم وحیاء ہوتی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶، حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے ان میں سے ایک سند صحیح ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا، اور وہ اسرافیل ہیں اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے، انہوں نے کہا السلام علیک یا محمد! میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لانے والا ہوں، مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں، اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہوجائیں، میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا، پس اس وقت نبی علیہ السلام نے کہا اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۳۰۹ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبداللہ البابلتی، ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۱۱)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو، کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۸۲، المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چار زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۹۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرشی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۴۲۳۰)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۶۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۲)

خصلت اور عادت کا معنی اور آیا عادت کا بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

عادت کا لفظ عاد یعود سے بنا ہے' آدمی جب کسی فعل کو بار بار کرتا ہے یا کسی فعل کو بار بار قبول کرتا ہے تو اس کو عادت کہتے ہیں' عادت مخلوق کا فعل ہے اور سجیت اور جبلّت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' یہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی سجیت اور جبلّت کے خلاف کوئی کام کرے کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کو تبدیل نہیں کرسکتا' لیکن بعض اوقات عادت اس قدر قوی اور پختہ ہوجاتی ہے کہ وہ سجیت اور جبلّت کے قائم مقام ہوجاتی ہے اور پھر اس کو طبیعت ثانیہ کہتے ہیں۔

ہم نے پہلے بتادیا ہے کو کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل نہیں کرسکتا' اس لیے انسان کی سرشت اور جبلّت اگر نیک ہے تو وہ نیک رہے گی اور اگر بد ہے تو وہ بد رہے گی' حدیث میں ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حسین شکل دی اور نیک فطرت دی اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (کشف الخفاء ج ا ص ۱۷۷) اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خَلق (شکل وصورت) اور خُلق (سجیت اور جبلّت) سے فارغ ہوچکا ہے اور خالق کے فعل کو تبدیل کرنا مخلوق کی طاقت میں نہیں ہے۔

(الذریعہ ص ۱۱۵-۱۱۴' مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ اخلاق میں تغیر اور تبدل نہیں ہوسکتا' اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ ہے کہ: خُلق باطن کی صورت ہے جیسا کہ خَلق ظاہر کی صورت ہے' اور انسان ظاہر کی صورت کو نہیں بدل سکتا' مثلاً جس کا قد چھوٹا ہو وہ اپنا قد بڑا نہیں کرسکتا' اور جس کا قد بڑا ہو وہ اپنا قد چھوٹا نہیں کرسکتا اور جس کی شکل وصورت قبیح ہو وہ اپنی شکل وصورت حسین نہیں بنا سکتا' پس جس طرح وہ اپنی ظاہری صورت کو تبدیل نہیں کرسکتا اسی طرح وہ اپنی باطنی صورت کو بھی تبدیل نہیں کرسکتا' اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن اخلاق تب حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی شہوت اور غضب کو منقطع کرے اور شہوت اور غضب تب منقطع ہوگا جب انسان کی طبیعت اور اس کا مزاج بدل جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ طویل مجاہدہ اور کڑی ریاضت کرنے کے باوجود بھی شہوت اور غضب کو منقطع نہیں کرپاتے لہٰذا اپنے اخلاق کو تبدیل کرنے کی کوشش محض عبث اور تضیع اوقات ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاق تغیر اور تبدل کو قبول نہ کرسکیں تو وعظ اور نصیحت اور تادیب اور وصیت سب باطل ہوجائیں گی اور قرآن اور حدیث میں جو نیک کام کرنے کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے وہ سب عبث ہوجائیں گی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق حسین بناؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اور نیک اخلاق کے ساتھ پیش آؤ' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ا ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اگر خُلق کو تبدیل کرنا ممکن نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کیوں دیتے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی طبیعت اور خُلق میں تغیر ہوجاتا ہے جنگلی جانوروں کی طبیعت میں انسانوں سے وحشت ہے وہ ان سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں لیکن انسان ان کو مانوس کرلیتا ہے' شیر' ہاتھی' ریچھ اور بندروں کو سدھالیتا ہے۔ کتے کی طبیعت میں گوشت کھانے کی حرص ہے لیکن انسان تعلیم اور تادیب سے شکاری کتے کی فطرت اور طبیعت بدل دیتا ہے وہ مالک کے لیے شکار کرتا ہے اور خود نہیں کھاتا تو جب جانوروں کی طبیعت بدل جاتی ہے تو انسان کی طبیعت کیوں نہیں بدل سکتی۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

لوگوں کی جبلتیں مختلف ہوتی ہیں' بعض لوگوں کی جبلت کسی چیز کو جلدی قبول کرتی ہے' اور بعض لوگوں کی جبلت کسی چیز کو دیر سے قبول کرتی ہے' اور بعض لوگوں کی جبلت متوسط ہوتی ہے' اور ہر ایک میں کسی اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے خواہ وہ صلاحیت بہت کم ہو' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ خلق اور جبلت میں بالکل تغیر نہیں ہو سکتا' ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوت ختم نہیں ہو سکتی مثلاً کسی شخص کی جبلت میں برے کاموں کی قوت ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ سرے سے وہ قوت ختم ہو جائے اور اس کے بجائے اس میں نیکی کی قوت ہو جائے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وعظ اور نصیحت سے اس کی برائی کی قوت میں کمی ہو جائے اور یہ صحیح ہے' کیونکہ کھجور کی گٹھلی میں کھجور کو پیدا کرنے کی طاقت ہے اس کی پیداوار میں کمی تو ہو سکتی ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کھجور کی گٹھلی سے سیب پیدا ہو جائے' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ خلق اور جبلت میں تغیر اور تبدل ہو سکتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت ہے' فرض کیجیے کہ اس کی جبلت میں بدی ہے' تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس بدی کو بروئے کار لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس بدی کو بروئے کار نہ لائے' اسی طرح فرض کریں کہ اس کی جبلت میں نیکی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس نیکی کو بروئے کار لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قوت سے اس نیکی کو بروئے کار نہ لائے' کسی شخص کے پاس کھجور کی گٹھلی ہو تو وہ چاہے تو اس سے کھجور کا درخت اگائے اور چاہے تو اس کو یونہی چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ گل سڑ جائے' اور یہ قول بھی صحیح ہے۔

(الذریعہ ص ۱۱۶' مطبوعہ منشورات الرضی' ایران' ۱۴۱۴ھ)

اصحاب الایکہ کا اپنے انکار پر اصرار اور ان پر عذاب کا نزول

اس کے بعد فرمایا: انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O (الشعراء: ۱۸۵)

یعنی جن لوگوں پر پہلے جادو کیا گیا تھا' تم بھی ان ہی میں سے ہو۔ پھر کہا اور تم صرف ہماری طرح بشر ہو اور ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O (الشعراء: ۱۸۶) ان کا گمان یہ تھا کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرشتہ ہو اور جب کہ تم فرشتہ نہیں ہو تو تمہارا رسالت کا دعویٰ جھوٹا ہے' اس کے بعد انہوں نے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو O (الشعراء: ۱۸۷) انہوں نے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہی۔

شعیب نے کہا! میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O (الشعراء: ۱۸۸) یعنی تم جو کفر کرتے ہو اور انواع واقسام کے گناہ کرتے ہو ان کو میرا رب خوب جانتا ہے اور اس کفر کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو اور وہ عذاب اپنے مقرر وقت پر ضرور آئے گا۔

روایت ہے کہ جب اصحاب الایکہ اپنے انکار اور تکبر میں حد سے گذر گئے تو اللہ سبحانہ نے ان پر سات مسلسل سخت گرمی کے دن بھیج دیئے حتیٰ کہ ان کے کنویں میں پانی جوش سے ابلنے لگا' اور ان کے لیے سخت گرمی کے باعث سانس لینا دشوار ہو گیا' اور ان سب نے جنگلوں کا رخ کیا اور درختوں کے نیچے لیٹ گئے' یکا یک ایک سیاہ رنگ کا ابر ظاہر ہوا اور اس کے نیچے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ وہ سب ایک دوسرے کو آوازیں دے کر اس ابر کے نیچے جمع ہو گئے اور جب تمام لوگ اس بادل کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو اچانک اس ابر سے آگ برسنے لگی' اور اس نے ان سب لوگوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا O (الشعراء: ۱۸۹) یعنی انہوں نے اپنے شبہات کے زائل ہونے اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل واضح ہونے کے باوجود اپنی تکذیب پر اصرار کیا تو ان کو یوم الظلة کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' الظلة سایا کرنے والے بادل کو

کہتے ہیں اور سائبان کو بھی کہتے ہیں' انہوں نے یہی کہا تھا کہ ان کے اوپر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دیا جائے گویا وہ آسمان کی جانب سے کسی عذاب کے نازل ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے' تو ان پر آسمان کی طرف سے ہی عذاب نازل کر دیا گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف بھیجا گیا تھا اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ' اصحاب مدین کو چنگھاڑ اور زلزلہ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا اور اصحاب الایکہ کو یوم الظلۃ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ اس کے بعد فرمایا:

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے O (الشعراء: ۱۹۰)

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانی ہے اور اکثر اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے' بلکہ کل اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے کیونکہ ان میں سے کسی شخص کا بھی ایمان لانا منقول نہیں ہے (علامہ اسماعیل حقی کا یہ لکھنا قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت کے خلاف ہے) اس کے برخلاف اصحاب مدین میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۹۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دونوں امتوں میں سے نو سو نفر حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۷)

اس کے بعد فرمایا:

اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O (الشعراء: ۱۹۱)

آپ کا رب غالب ہے یعنی ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے غلبہ کے آثار سے یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرماتا ہے۔

سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص کی تنقیح

سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے سات قصے بیان کیے گئے ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ ان میں آخری قصہ ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش تکذیب کرتے تھے ان کو بتایا کہ جس قوم نے بھی اپنے نبی کی تکذیب کی اس پر آسمانی عذاب نازل ہوا سو قریش کو بھی اس عذاب سے ڈرنا چاہیے اور آپ کی تکذیب کو ترک کر دینا چاہیے اور ان واقعات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر قریش آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ غم اور افسوس نہ کریں ہر زمانہ میں ہر نبی کے ساتھ اس طرح ہوتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان سات نبیوں کے قصص بیان فرمائے۔ سات سے کم یا سات سے زیادہ نبیوں کے واقعات کیوں بیان نہیں فرمائے اور ان سات مخصوص نبیوں کی کیا وجہ تخصیص ہے اور کیا وجہ ترجیح ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم پر یہ وجہ تخصیص اور ترجیح منکشف نہیں ہو سکی۔ نیز ان انبیاء میں سے پہلے حضرت موسیٰ کا پھر حضرت ابراہیم کا' پھر حضرت نوح کا' پھر حضرت ہود کا' پھر حضرت صالح کا' پھر حضرت لوط کا' اور پھر آخر میں حضرت شعیب علیہم السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ترتیب اس طرح نہیں ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں پھر حضرت ہود ہیں' پھر حضرت صالح ہیں' پھر حضرت ابراہیم ہیں پھر حضرت لوط ہیں' پھر حضرت شعیب ہیں اور پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام ہیں۔ سو ان کے واقعات کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم پر اس کی حکمت اور اس کی وجہ منکشف نہیں ہو سکی۔

مستقبل میں عذاب سے نجات کا مدار

سورۃ الشعراء میں گذرے ہوئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ذکر سے مستقبل کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ کفر اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب ہوتا ہے' اس لیے دل کو کفر اور گناہوں کے ارادہ اور گناہوں کی لذت اور محبت سے خالی کرنا

ضروری ہے اور دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق اور ان پر ایمان کا حصول ضروری ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا جذبہ لازمی ہے' اور انسان پر واجب ہے کہ وہ ان چیزوں اور ان تعلقات سے کنارہ کش رہے جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور ان کی اطاعت کی راہ میں مزاحم ہوتی ہیں۔ اس پر اخلاص اور نجات موقوف ہے اور یہ چیز اس وقت حاصل ہوگی جب وہ تمام احکام شریعت پر عمل کرے گا اور ہر قسم کے گناہوں سے بچے گا' اور وعظ ونصیحت اور خیر خواہی کی باتوں کو قبول کرے گا اور کسی صاحب دل اور صاحب نظر کی مجلس میں بیٹھے گا اور اس کے سلوک اور وظائف پر عمل کرے گا پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر' آپ کے اصحاب کے طریقہ پر اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات' ان کے اخلاق اور ان کے زہد وتقویٰ پر عمل کرے گا' اور ہمیشہ شب بیداری اور تہجد گذاری کرے گا اور تمام مامورات شرعیہ پر دائماً عمل کرے گا' اور تمام ممنوعات شرعیہ سے لازماً مجتنب رہے گا' اور اپنے آپ کو تسلیم ورضا کے قالب میں اس طرح ڈھال لے گا کہ اس پر جب بھی مصیبت بلاء اور مرض کا نزول ہو تو وہ اس سے گھبرائے گا نہیں اور جب بھی اس پر تنگی رزق اور حوادث روزگار کا ورود ہو تو وہ اس سے تنگ نہ ہو' اور دنیا کے مناصب اور دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں کے چھن جانے سے اس کو احساس محرومی نہ ہو بلکہ فرحت اور خوشی ہو تو اس وقت اس کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رحمت کے یہ آثار ہیں کہ اس کے دل میں اللہ کے حکم کی تعظیم ہو' اور اس کے تمام اعضا ساری زندگی اس کے حکم پر عمل پیرا رہیں' اور اگر اس کا حال اس کے برعکس ہو تو اس کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے اور اس پر غضبناک ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو تو اللہ تعالیٰ قاہر اور غالب ہے اور اپنا انتقام لینے پر ہر طرح سے قادر ہے' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھے اور اپنے قہر وغضب اور اپنے انتقام سے اپنی پناہ میں رکھے (آمین)

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى

اور بے شک یہ (قرآن) رب العلمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے ○ جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں ○ آپ

قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ

کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں ○ صاف صاف عربی زبان میں ○ اور بے شک

لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿١٩٧﴾

اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے ○ کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ○

وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيۡهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٩٩﴾

اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے ○ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ○

كَذٰلِكَ سَلَكۡنٰهُ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ حَتّٰى

اسی طرح ہم نے منکروں کے دلوں میں ان کے انکار کو داخل کر دیا ہے ○ وہ اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ

يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا

کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ○ ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○ اس وقت وہ یہ کہیں

هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن

گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ ○ کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ ○ اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو

مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم

کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں ○ پھر اس کے بعد ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ○ تو وہ سامان ان کے کس

مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾

کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی! ○ ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے

ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا

(بھیجے گئے) تھے ○ ان کو یاد کرانے کے لیے اور ہم (ان پر) ظلم کرنے والے نہ تھے ○ اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں نازل ہوئے ○ اور

يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا

نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ○ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں ○ سو

تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنذِرْ

(اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا ○ اور آپ

عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرایئے ○ اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

کے بازو جھکا کر رکھیے ○ پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں ○

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَ

اور بہت غالب اور بے حد رحم کرنے والے پر توکل کیجئے ○ جو آپ کو آپ کے قیام کے وقت دیکھتا ہے ○ اور

مع عند المتقدمین ۱۲

تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو○ بے شک وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے○ کیا میں تمہیں ان کی

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ

خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں○ وہ ہر تہمت باندھنے والے گنہ گار پر نازل ہوتے ہیں○ وہ سنی سنائی

السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ

باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں○ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں○ کیا آپ نے نہیں دیکھا

اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا

کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں○ اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے○ سوا ان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْ

لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

ع ۱۱ ۱۵

ہونے کے بعد بدلہ لیا' اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی لوٹنے کی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے○ جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں○ آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہوجائیں○ صاف صاف عربی زبان میں○ اور بے شک اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے○ (الشعراء: ۱۹۶-۱۹۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے احوال اور ان کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے تھے اور ان کی قوموں نے جو ان کی نبوت کا انکار کیا تھا اور اس انکار کے نتیجہ میں ان پر جو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا اس کا ذکر فرمایا تھا' اور اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے ہیں' کیونکہ ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کے واقعات بیان فرمائے' جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قصص اور واقعات کو کسی سے نہیں سنا تھا کیونکہ قریش مکہ جانتے تھے کہ آپ اہل علم اور اھل تاریخ کی مجلس میں نہیں بیٹھے تھے اس کے باوجود آپ نے ان کے واقعات بالکل درست بیان فرمادیے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات سے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا۔ اور آپ پر وحی کا نزول آپ کی نبوت کی دلیل ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہ واقعات سابقہ کتابوں میں مذکور ہیں اور آپ نے سابقہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں کیونکہ آپ اُمی تھے اس کے باوجود آپ نے یہ واقعات اسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیے اور

یہ تبھی ہوسکتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہو اور نزول وحی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

حضرت جبریل کو الروح الامین فرمانے کی وجہ

اس آیت میں قرآن مجید کو اتارنے کے لیے تنزیل کا لفظ استعمال فرمایا ہے' اور بعض آیات میں انزال کا لفظ ذکر فرمایا ہے' تنزیل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا اور انزال عام ہے دفعۃً نازل کرنا' یا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا' نیز تفعیل کا وزن کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید تیئس سال میں متعدد بار نازل ہوا ہے' اور اس کے ساتھ رب العالمین کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تنزیل مخلوق کی تربیت اور اس کی پرورش کے لیے ہوئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس کو الروح الامین (جبریل) نے نازل کیا ہے۔ (الشعراء: ۱۹۳)

حضرت جبریل کو امین فرمایا کیونکہ وحی کی امانت ان کے سپرد کی گئی تا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی کو پہنچائیں' اور ان کو روح اس لیے فرمایا کہ وہ مکلفین کے دلوں کی زندگی کا سبب ہیں جس طرح روح بدن کی زندگی کا سبب ہوتی ہے' کیونکہ دل علم اور معرفت کے نور سے زندہ ہوتے ہیں اور بے علمی اور جہالت سے مردہ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردہ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ۔ (النمل: ۸۰) بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔

کفار اس لیے مردہ تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے خالی تھے اور اس کی ذات اور صفات کو کما حقہ نہیں پہچانتے تھے' پس حضرت جبریل کو الروح فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ وہ وحی لانے پر مامور ہیں اور وحی سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت ہوتی ہے اور اس معرفت سے دل زندہ ہوتے ہیں اور روح زندگی کا سبب ہے اس لیے حضرت جبریل کو الروح فرمایا۔

حضرت جبریل کو الروح فرمانے کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت جبریل کا جسم لطیف ہے اور روحانی ہے اسی طرح فرشتے بھی روحانی ہیں وہ روح سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ ہوا کی طرح لطیف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اجسام لطیفہ ہیں اور وہ اپنی لطافت کی وجہ سے روح کے حکم میں ہیں۔ اس لیے ان کو ارواح قرار دیا گیا اور حضرت جبریل کی لطافت باقی فرشتوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ حضرت جبریل کی تمام فرشتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح نبی کی اپنی امت پر فضیلت ہوتی ہے سو غایت لطافت کی وجہ سے ان کو الروح فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی کیفیت

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو الفاظ عربیہ کا لباس پہنایا اور ان الفاظ عربیہ کو حضرت جبریل پر نازل فرمایا اور ان کو ان الفاظ پر امین بنایا تا کہ وہ اس کے حقائق میں تصرف نہ کریں پھر حضرت جبریل نے ان الفاظ کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا جیسا کہ فرمایا:

آپ کے قلب کے اوپر تا کہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں ○ (الشعراء: ۱۹۴)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم' جبریل نے اس قرآن کی آپ کے سامنے تلاوت کی حتیٰ کہ آپ نے اس کو اپنے دل میں یاد کر لیا' کیونکہ دل ہی کسی چیز کو یاد رکھنے اور اس کے ثبوت کا محل ہے اور وحی اور الہام کا معدن اور منبع ہے اور انسان کے جسم میں صرف دل ہی خطاب اور فیض کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اللہ کے کلام کو اپنے دل میں جذب کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت تمام انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی تھی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۔ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ (اس کو) نہیں بھولیں گے۔

اور باقی انبیاء کی کتابیں الواح (تختیوں) اور صحائف کی صورتوں میں نازل کی گئی تھیں ان کے دلوں پر نازل نہیں کی گئی تھیں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس وقت نازل کی گئی جب آپ کو وحی کی سخت پیاس تھی پھر وہ وحی آپ کی فہم اور آپ کی سماعت میں آ گئی اور یہ بلندی سے پستی کی طرف نزول ہے اور خواص کا مرتبہ ہے کیونکہ عوام پہلے کسی کلام کو سنتے ہیں پھر وہ ان کی فہم میں آتا ہے پھر اس کے بعد وہ اس کو دل میں یاد رکھتے ہیں اور یہ پستی سے بلندی کی جانب ترقی ہے اور یہ مریدین اور اہل سلوک کا درجہ ہے' سو خواص اور عوام میں کس قدر فرق ہے۔

الفتاویٰ النرینیہ میں مرقوم ہے کہ السید سے سوال کیا گیا کہ حضرت جبریل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار نازل ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ مشہور قول یہ ہے کہ وہ آپ پر چوبیس ہزار بار نازل ہوئے۔ اور مشکوۃ الانوار میں مذکور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل ستائیس ہزار بار نازل ہوئے اور باقی انبیاء علیہم السلام پر تین ہزار بار سے زیادہ نازل نہیں ہوئے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۹۴)

نیز فرمایا تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ ہر چند کہ آپ نیک اعمال پر ثواب کی بشارت دینے والے بھی ہیں اور برے اعمال پر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف عذاب سے ڈرانے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ثواب کے حصول کی بہ نسبت عذاب سے بچنا زیادہ اہم اور اس پر مقدم ہے۔ رذائل سے خالی ہونا فضائل سے متصف ہونے پر مقدم ہوتا ہے جیسے بیمار اور کمزور آدمی پہلے بیماری کو دور کرتا ہے پھر قوت بخش غذائیں کھاتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے قرآن مجید کے علاوہ دیگر احکام کے متعلق بھی آپ پر وحی نازل کی ہے

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے خواہ اس میں تاخیر ہو۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ کام جو تم کو جنت کے قریب کرے گا اور دوزخ سے دور کرے گا میں تم کو اس کا حکم دے چکا ہوں اور ہر وہ کام جو تم کو دوزخ کے قریب اور جنت سے دور کرے گا میں تم کو اس کام سے منع کر چکا ہوں' اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے رزق کو مکمل نہیں کرلے گا اس کو موت نہیں آئے گی پس تم اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقہ سے طلب کرو اور حصول رزق کی تاخیر تم کو اللہ کی معصیت پر نہ ابھارے کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۳۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ ھ)

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں آپ کے قلب سے مراد آپ کی روح ہے اور قلب کا روح پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کو آپ کی روح پر نازل کیا گیا ہے کیونکہ روح ہی مدرک اور مکلف ہے نہ کہ جسد' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جہتیں تھیں آپ کی ایک جہت ملکی تھی اور اس جہت سے آپ فیض قبول کرتے تھے اور آپ کی دوسری جہت بشری تھی

اور اس جہت سے آپ مخلوق کو فیض دیتے تھے' اس لیے قرآن مجید کو آپ کی روح پر نازل کیا گیا کیونکہ آپ کی روح ہی صفات ملکیہ سے متصف ہے جن صفات کی وجہ سے آپ الروح الامین سے فیض (روحی) کو قبول کرتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت جبریل الفاظ قرآنیہ کو لے کر نازل ہوتے تھے' اس سے پہلے قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت العزت کی طرف نازل ہوا۔ یا جب جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید کو نازل کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو لوح سے محفوظ کر لیتے تھے یا ان کی طرف قرآن مجید کی وحی کی جاتی اور وہ اس کو لے کر نازل ہو جاتے' یا جیسا کہ بعض متقدین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل اللہ سبحانہ سے قرآن مجید سنتے پھر بغیر کسی تغیر کے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر القا کرتے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے معانی نازل کرتے تھے پھر آپ معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کرتے تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: بلسان عربی مبین (الشعراء: ۱۹۵) جبریل نے اس قرآن کو صاف صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر وحی متلو اور وحی غیر متلو میں اور قرآن اور حدیث میں کوئی فرق نہ رہتا۔

اسی طرح بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ الروح الامین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہو کیونکہ آپ کی روح انتہائی مقدس اور فی نفسہا اس قدر کامل تھی کہ وہ خود بغیر کسی واسطے کے معانی کا ادراک کرتی تھی۔ یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ الروح الامین سے مراد حضرت جبریل ہیں اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ قرآن مجید آپ پر حضرت جبریل نے نازل کیا ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ. (البقرہ: ۹۷)

آپ کہیے جو شخص جبریل کا دشمن ہے (وہ اپنے غیظ میں جل جائے) کیونکہ جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے اذن سے نازل کیا ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت جبریل پر معانی القاء کیے گئے اور انہوں نے ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کیا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ بھی اللہ عزوجل نے نازل کیے ہیں اور ان میں حضرت جبریل کا کوئی دخل نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (یوسف: ۲)

بے شک ہم نے اس قرآن عربی کو نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو جبریل سے سنتے تھے اور اپنی خداداد قوتوں سے اس کو یاد کر لیتے تھے اور یہ اس طرح نہیں تھا جس طرح عام بشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے تھے اور پھر اس کو یاد کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت آپ پر سخت دہشت طاری ہوتی تھی اور شدید سردی میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے حتیٰ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی اور کبھی یہ گمان کیا جاتا کہ آپ اونگھ رہے ہیں۔

حضرت الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی کبھی مجھ پر وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے' اور وہ مجھ پر

بہت سخت ہوتی ہے' پس وحی مجھ سے منقطع ہوتی ہے اور میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں' اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا ہے' پس وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا ہے اور میں اس کے کلام کو یاد کرتا رہتا ہوں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے انتہائی سرد دن میں دیکھا کہ آپ سے جب وحی کا نزول منقطع ہوا تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۶۶)

اور اسی کے موافق صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے' اچانک آپ اونگھنے لگے' پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ مسکرا رہے تھے' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم. انا اعطیناک الکوثر O فصل لربک وانحر O ان شانئک ھو الابتر O

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث' ۹۰۴)

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آپ پر تمام قرآن مجید بیداری میں نازل ہوا ہے۔ اب ان پر یہ اشکال ہوا کہ یہ سورت الکوثر تو آپ پر اونگھنے کی حالت میں نازل ہوئی ہے پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ دراصل پہلے آپ پر یہ سورت بیداری میں نازل ہوئی تھی پھر دوبارہ آپ پر یہ سورت اونگھ یا نیند میں نازل ہوئی۔ ہمارے نزدیک اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے قرآن کریم کو یاد کرتے تھے اور آپ کی نیند قرآن مجید کو یاد کرنے سے مانع نہیں تھی کیونکہ حدیث صحیح میں ہے:

قالت عائشة فقلت یا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة! ان عینی تنامان ولا ینام قلبی.

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

علامہ اصفہانی نے اپنی تفسیر کے شروع میں کہا ہے کہ اھل السنّت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نازل کیا گیا ہے اور انزال کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اس کا معنی ہے قرأت کا اظہار کرنا اور بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا جبریل علیہ السلام پر انزال کیا اور وہ اس وقت آسمان میں تھے' اور ان کو قرأت کی تعلیم دی۔ پھر حضرت جبریل نے نیچے زمین پر اتر کر اس کو پہنچایا اور اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صورت بشریہ سے خالی ہو کر صورت ملکیہ کی طرف منتقل ہو جائیں' اور جبریل علیہ السلام سے وحی کو وصول کر لیں' اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت جبریل اپنی صورت اصلیہ سے خالی ہو کر صورت بشریہ میں منتقل ہو جائیں اور دونوں میں سے پہلی صورت زیادہ دشوار ہے' اور علامہ الطیبی نے کہا ہو سکتا ہے کہ آپ پر نزول قرآن اس طرح ہوا ہو کہ فرشتہ روحانی طور پر قرآن مجید کو حاصل کرے' یا لوح محفوظ سے قرآن مجید کو یاد کر لے پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر دے۔

اور علامہ القطب نے کشاف کے حواشی میں لکھا ہے کہ انزال کا معنی ہے کسی چیز کو بلندی سے نیچے کی طرف حرکت دینا' اور یہ معنی کلام میں متحقق نہیں ہو سکتا' سو یہ معنی مجازی میں مستعمل ہے' پس جس شخص کے نزدیک قرآن مجید ایک معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو پھر انزال کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات اور حروف کو پیدا کرے جو اس معنی پر دلالت کریں

اوران کو لوح محفوظ میں ثابت فرمادے۔اور جس شخص کے نزدیک قرآن مجید وہ الفاظ ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو پھر قرآن مجید کے انزال کا معنی یہ ہے کہ وہ محض ان الفاظ کو لوح محفوظ میں ثابت فرمادے۔اور یہ معنی انزال کے مجازی معنی کے مناسب ہے۔

پھر اس آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ الروح الامین نے تمام قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف پر نازل کیا ہے اور یہ اس حدیث کے منافی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں لے جایا گیا تو اس کی انتہاء سدرۃ المنتہیٰ پر تھی اور وہ چھٹے آسمان میں ہے۔زمین سے جو چیزیں اوپر چڑھتی ہیں ان کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے پس ان کو کھینچ لیا جاتا ہے' اور اوپر سے جو چیزیں نیچے اترتی ہیں ان کی انتہاء بھی اسی پر ہوتی ہے پس ان کو کھینچ لیا جاتا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔آپ کو پانچ نمازیں دی گئیں اور آپ کو سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں اور آپ کی امت میں سے جس نے شرک نہ کیا ہو اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر آپ کو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ سورۃ البقرہ کی آخری آیات دوبارہ حضرت جبریل کی وساطت سے نازل کی گئی ہوں' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ الشعراء کی زیر تفسیر آیت میں جو فرمایا ہے کہ اس قرآن کو الروح الامین نے نازل کیا ہے' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تمام قرآن مجید کو الروح الامین نے نازل کیا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے اکثر اور غالب حصے کو جبریل امین نے نازل کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے اور اکثر احادیث میں یہ ہے کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے اور اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور پورا درخت ساتویں آسمان میں ہے۔(السدرۃ کا معنی ہے بیری کا درخت)

اس آیت کی جو یہ توجیہ کی گئی ہے کہ حضرت جبریل نے قرآن مجید کی اکثر آیات نازل کی ہیں اس کی تائید میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات حضرت اسرافیل علیہ السلام نے نازل کی ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ بات بالکل ثابت نہیں ہے' اتقان میں مذکور ہے کہ امام احمد نے اپنی تاریخ میں از داؤد بن ابی ھند از شعبی روایت کیا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی گئی' اور آپ کی نبوت کے ابتدائی تین سال میں حضرت اسرافیل آپ کے ساتھ رہے وہ آپ کو مختلف چیزوں اور باتوں کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت اسرافیل کی زبان سے آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا' اور پھر جب تین سال گذر گئے تو پھر آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام مقارن ہوئے' پھر ان کی زبان سے دس سال تک آپ پر قرآن مجید نازل ہوتا رہا' یہ حدیث اس بات کے صریح مخالف ہے کہ آپ پر حضرت اسرافیل نے بھی وحی نازل کی ہے' اور یہ حدیث اس کے بھی مخالف ہے کہ اول امر سے لے کر آخر تک آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام وحی نازل کرتے رہے ہیں' اور یہی صحیح ہے' ہاں قرآن مجید کے علاوہ دیگر امور میں حضرت جبریل کے علاوہ دوسرے فرشتوں نے بھی آپ پر وحی نازل کی ہے اور کئی مرتبہ قرآن مجید کے نزول کی تقویت کے لیے حضرت جبریل کے ساتھ دوسرے فرشتے بھی نازل ہوتے تھے۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر چند کہ قرآن مجید کو حضرت جبریل ہی نازل کرتے تھے لیکن وہ ہمیشہ آپ کے قلب پر قرآن مجید کو نازل نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنا' اکثر اور اغلب کے اعتبار سے ہے کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ کے چودھویں باب میں لکھا ہے کہ جو فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا تھا اس کی دو قسمیں ہیں کبھی وہ آپ کے قلب پر وحی نازل کرتا تھا اور کبھی وہ آپ کے پاس جسمانی صورت میں آتا تھا اور جو وحی لے کر آتا تھا اس کو آپ کے کان میں القاء کر دیتا جس کو آپ سنتے تھے اور کبھی وہ اس کو آپ کی بصر پر القا کر دیتا جس کو آپ دیکھتے تھے اور آپ کو دیکھنے سے جو وحی حاصل ہوتی تھی وہ اس کے بالکل مساوی تھی جو آپ کو سننے سے حاصل ہوتی تھی' لیکن یہ صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ حضرت جبریل نے آپ کے قلب پر نازل کیا ہے' البتہ بعض دیگر امور کے متعلق آپ پر وحی مذکورہ دوسرے طریقہ سے بھی نازل ہو جاتی تھی جیسا کہ احادیث میں ہے بعض اوقات فرشتہ آپ کے پاس جسمانی شکل میں بھی آتا تھا۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۸۸-۱۸۲ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی تحقیق اور غیر عربی الفاظ کا جواب

اس کے بعد فرمایا: صاف صاف عربی زبان میں O (الشعراء: ۱۹۵)

یعنی قرآن مجید کو ایسی صاف صاف عربی زبان میں نازل کیا گیا جس میں الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت بالکل واضح تھی اور اس میں کوئی خفاء اور اشتباہ نہ تھا تاکہ عرب کے رہنے والے اور قریش مکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں جس کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے' اس آیت سے عربی زبان کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اہل جنت کے لیے عربی زبان کو اختیار کیا گیا ہے اور اہل نار کے لیے عجمی زبان کو' سفیان نے کہا قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے سے پہلے لوگ سریانی زبان میں کلام کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد عربی زبان میں کلام کریں گے۔

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن بریدہ روایت کرتے ہیں کہ لسان عربی سے مراد لسان جرھم ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۴۷)

مجاہد نے کہا قرآن مجید لسان قریش پر نازل ہوا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۴۸)

یحییٰ ابن الضریس بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان الثوری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عربی زبان کے سوا اور کسی زبان میں وحی نازل نہیں ہوئی' پھر ہر نبی نے اس کا ترجمہ اپنی قوم کی زبان میں کیا اور قیامت کے دن لوگوں کی زبان سریانی ہوگی اور جو جنت میں داخل ہوگا وہ عربی زبان میں کلام کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا صاف صاف عربی زبان میں ہونا کس طرح درست ہوگا' جب کہ اس میں دوسری لغات بھی ہیں مثلاً اس میں سجیل کا لفظ ہے جس کا معنی پتھر اور کیچڑ ہے اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں صُر کا لفظ ہے فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ (البقرہ: ۲۶۰) یعنی ان کو کاٹ کر ان کے ٹکڑے کر دو اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ہے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (ص: ۳) اور نہ ہی وہ وقت بھاگنے کا تھا' یہ سریانی زبان کا لفظ ہے' اور کفلین کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں دو حصے' اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے' اور تنور کا لفظ ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور ان کو اپنے عرف اور محاورہ میں پہچانتے ہیں' اس لیے یہ الفاظ عربی زبان کے حکم میں ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ لغات متداخلہ میں سے ہوں یہ الفاظ دوسری زبانوں میں بھی مستعمل

ہوں اور عربی زبان میں بھی مستعمل ہوں۔

عربی زبان کی فضیلت

فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ عربی زبان کو تمام زبانوں پر فضیلت ہے، پس جس شخص نے عربی زبان خود سیکھی یا کسی دوسرے کو سکھائی تو اس کو اجر ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۹۵، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کی محبت ایمان ہے اور جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۶۴، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی الہیثم بن جماز متروک ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین وجہوں سے عربوں سے محبت رکھو، کیونکہ میں عربی ہوں اور قرآن عربی ہے اور اھل جنت کا کلام عربی ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۴۱، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں العلاء بن عمر الحنفی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۶۶۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر وحی عربی زبان میں نازل کی پھر بعد میں وہ نبی اس وحی کو اپنی قوم کی زبان میں بیان فرماتا۔

(امام ابو القاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ فرماتے ہیں اس حدیث کو زہری سے صرف سلیمان بن ارقم نے روایت کیا ہے اور عباس بن الفضل اس میں متفرد ہے۔ المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۹۵ رقم الحدیث: ۴۶۳۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ اور حافظ الہیثمی نے کہا سلیمان بن ارقم ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۶۰۳)

عربی زبان کی تاریخ

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی، جب انہوں نے شجر ممنوع سے کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ان سے سلب کرلیا پھر وہ سریانی زبان میں کلام کرنے لگے، پھر جب انہوں نے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ نے وہ زبان ان کو لوٹادی، سریانی زبان ارض سوریہ کی طرف منسوب ہے اور یہ ایک جزیرہ کی زبان ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی زبان اور غرق سے پہلے ان کی قوم کی بھی یہی زبان تھی، اور وہ عربی زبان کے مشابہ تھی لیکن اس میں تحریف ہوچکی تھی، اور ان کی کشتی میں سوار لوگوں کی بھی ایک کے سوا یہی زبان تھی۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کو یہ عربی زبان الہام کی گئی تھی۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، ذہبی نے کہا مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۴۴، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۱۵، طبع جدید، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۳۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: **قرانا عربیا لقوم یعلمون** (فصلت: ۳) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ زبان الہام کی گئی تھی۔ یہ حدیث

صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔
(المستدرک ج ۲ ص ۴۳۹، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۴۱، طبع جدید)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لسان عربی سے مراد جرہم کی لسان ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے ذہبی نے بھی کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۳۹، المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۴۲، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

محمد بن سلام نے از یونس از ابو عمرو روایت کیا کہ تمام عرب حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں سوائے حمیر اور جرہم کی بقایا نسل کے اور حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ عرب میں وہ بھی ہیں جو حضرت اسماعیل کی اولاد نہیں ہیں، جیسے عاد اور ثمود، اور طسم اور جدیس اور امیم اور جرہم اور عمالیق اور ان کے علاوہ دوسری امتیں جو حضرت خلیل علیہ السلام سے پہلے تھیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور ان کے زمانہ میں حجاز کے عرب ان کی اولاد سے تھے، اور یمن کے عرب حمیر ہیں اور مشہور یہ ہے کہ وہ قحطان سے ہیں اور ان کا نام مہزم ہے اور وہ ابن ھود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ قحطان حضرت ھود ہیں اور امام ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ یمن کے عرب حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں، اور مطلقاً لغت عرب ان سے پہلے ہے اور یہ ان لغات میں سے ایک ہے جن کا حضرت آدم علیہ السلام کو علم تھا، اور وہ اس زبان میں اور دوسری زبانوں میں کلام کرتے تھے، اور وہ زیادہ تر سریانی زبان بولتے تھے اور بعض مؤرخین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ عربی زبان ہی سب سے پہلی زبان ہے اور باقی زبانیں اس کے بعد حادث ہوئی ہیں توقیفاً یا اصطلاحاً۔ اور عربی لغت کے اولین لغت ہونے پر انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ عربی زبان میں ہے، لیکن یہ دلیل کمزور ہے، اور عربی زبان سب سے افضل زبان ہے حتیٰ کہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جو شخص عربی جیسی صرت بول سکتا ہو اس کے لیے بلاضرورت کوئی اور زبان بولنا مکروہ ہے۔
(روح المعانی جز ۱۲ ص ۲۶۰-۲۵۸، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سابقہ آسمانی کتابوں میں قرآن مجید کے مذکور ہونے کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک اس (قرآن) کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے O (الشعراء: ۱۹۶)

اس آیت میں کتابوں کے لیے زُبُر کا لفظ ہے اور زُبُر کا لفظ جمع ہے اور اس کا واحد زبور ہے جیسے رُسُل کا لفظ رسول کی جمع ہے۔ یعنی سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اس نبی پر نازل فرمائے گا جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوگا، اور اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انبیاء سابقین کی کتابوں میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آپ کے فضائل ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

(الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے مضامین اور معانی اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں بھی مذکور ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کا بیان اور دیگر مواعظ اور قصص سابقہ کتب میں بھی مذکور ہیں، ماسوا ان امور کے جن کا تعلق صرف اس امت کے ساتھ ہے، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی مذمت اور حد قذف، اور جیسے حضرت زید بن حارثہ کی بیوی کی طلاق کے بعد ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ اور یہ

بتانا کہ منہ بولے بیٹے پر وہ احکام لاگو نہیں ہوتے جو حقیقی بیٹے کے احکام ہیں اور جیسے اس واقعہ کا حکم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج کی رضا کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی تھی' اسی طرح کی اور دوسری آیات جن کا تعلق خصوصیت سے آپ کے ساتھ ہے یا آپ کی امت کے ساتھ ہے۔

آیا قرآن مجید کو غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کو فارسی' ترکی' ہندی اور دوسری زبانوں میں بھی پڑھنا جائز ہے' کیونکہ سابقہ آسمانی کتابیں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں مثلاً عبرانی یا سریانی زبان میں تھیں اور ان زبانوں میں قرآن مجید کی آیات یا اس کے مضامین مذکور تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو غیر عربی زبان میں پڑھنا جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ امام اعظم نے صرف فارسی زبان میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہے' کیونکہ عربی زبان کے بعد سب سے افضل زبان فارسی ہے' کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ اھل جنت کی زبان عربی اور فارسی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ فارسی زبان میں اس وقت قرآن مجید پڑھنا جائز ہے جب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہو جیسے سورۃ الاخلاص اور جب اس میں کوئی اور مضمون ہو تو پھر قرآن مجید کو فارسی میں پڑھنا جائز نہیں ہے' اور امام اعظم سے ایک اور روایت یہ ہے کہ جب نمازی عربی میں قرآن کریم پڑھنے سے عاجز ہو تو پھر اس کے لیے فارسی میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' اور جس مضمون کو اس نے پڑھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا اس کی تنزیہ ہو' لیکن جب پڑھنے والا عربی اچھی طرح پڑھ سکتا ہو اور وہ غیر نماز میں پڑھے یا نماز میں پڑھے تو اس کے لئے غیر عربیہ میں قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے' یا وہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو لیکن جس مضمون کو وہ پڑھ رہا ہو وہ امر یا نہی ہو تو پھر اس کے لیے غیر عربیہ میں پڑھنا جائز نہیں ہے' اور ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے' اور پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس قول کی مخالفت کی تھی پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور ثقہ محققین کی ایک جماعت سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مطلقاً غیر عربیہ میں قرآن پڑھنے کی اجازت سے رجوع کر لیا' اور علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے **النعمة القدسيه فی احکام قراء ة القرآن**' اسی طرح اس میں فارسی میں قرآن مجید لکھنے کی بھی تحقیق کی ہے' اور امام ابوحنیفہ کا اس مسئلہ میں رجوع اس لیے ہے کہ سورۃ الشعراء کی آیت: ۱۹۶ سے اس مسئلہ پر استدلال کرنا ضعیف ہے۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۸۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

غیر عربی میں قرآن مجید پڑھنے کی مزید تحقیق

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ اور اس کے شارح علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور نماز کو بغیر عربی زبان کے شروع کرنا صحیح ہے خواہ کوئی زبان ہو اور علامہ البردعی نے فارسی زبان کی تخصیص کی ہے کیونکہ اس کی فضیلت حدیث میں ہے: اھل جنت کی زبان عربی اور فارسی فصیح ہے' (ملاعلی قاری نے کہا یہ حدیث موضوع ہے' الاسرار المرفوعة رقم: ۳۵۸' اسی طرح امام ابن جوزی اور حافظ سیوطی نے کہا ہے' الموضوعات ج ۲ ص ۴۱' اللآلی المصنوعة ج ۱ ص ۴۴۲) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ شرط عائد کی کہ وہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو' اور خطبہ اور نماز کے تمام اذکار میں بھی یہی اختلاف ہے کہ ان کو غیر عربی میں پڑھنا کراہت تنزیہ کے ساتھ صحیح ہے۔ اور اگر وہ عربی میں قرآن پڑھنے سے عاجز ہے تو اس کا نماز میں غیر عربی میں قرأت کرنا اجماعاً جائز ہے۔ قرأت میں عجز کی قید لگائی ہے' کیونکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے

صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا' اور اسی پر فتویٰ ہے' میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے نماز کے شروع کرنے کا حکم بھی نماز میں قرأت کرنے کی مثل لکھا ہے لیکن سلف نے اس طرح نہیں کہا اور نہ اس قول کی تقویت میں کوئی سند ہے' بلکہ تاتارخانیہ میں نماز کے شروع کرنے کو تلبیہ کی مثل کہا ہے پس ظاہر یہ ہے کہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے نہ کہ امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اس کو یاد رکھنا کیونکہ اکثر فقہاء پر یہ چیز مخفی ہے حتیٰ کہ علامہ شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ پر بھی ان کی تمام کتابوں میں۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۱۶۲-۱۶۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابویوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ نماز میں عربی میں قرأت کرنا شرط ہے ہاں اگر کوئی عاجز ہو تو وہ فارسی میں قرأت کرسکتا ہے' پہلے امام ابوحنیفہ بغیر عجز کے بھی فارسی میں قرأت کرنے کو جائز کہتے تھے' پھر انہوں نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا' کیونکہ نماز میں قرآن کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن کی تعریف ہے وہ الفاظ عربیہ جو منظم ہیں اور نازل شدہ ہیں اور مصاحف میں مکتوب ہیں۔ اور ہماری طرف نقل متواتر سے نقل کیے گئے ہیں' اور جو عجمی زبان میں پڑھا گیا ہو یا لکھا گیا ہو اس کو مجازاً قرآن کہا جاتا ہے' اسی لیے اس سے قرآن کے نام کی نفی کرنا صحیح ہے۔ اس دلیل کی قوت کی وجہ سے امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور فارسی میں نماز شروع کرنے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی دلیل قوی ہے کیونکہ نماز کو شروع کرنے سے مطلوب ذکر اور تعظیم ہے اور یہ کسی بھی لفظ سے اور کسی بھی زبان سے حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ عربی اچھی طرح پڑھ سکتا ہو یا نہیں اس لیے غیر عربی میں بلا عذر نماز شروع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۶۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ علاءالدین حصکفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے نماز میں فارسی میں قرآن پڑھا یا تورات یا انجیل پڑھی اگر اس نے قصہ پڑھا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر پڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر اس نے عربی میں قرأت پر قدرت کے باوجود فارسی میں قرآن پڑھا یا تورات پڑھی تو اگر اس نے قصہ پڑھا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ اگر اس نے فارسی میں قرآن کے کسی قصہ یا امر یا نہی کو پڑھا تو محض اس کے پڑھنے سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس وقت وہ اس قرآن کے ساتھ کلام کررہا ہے جو غیر قرآن ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس نے فارسی میں قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا اس کی شرک اور ولد وغیرہ سے تنزیہ ہے تو اس صورت میں اس کی نماز اس وقت فاسد ہوگی جب وہ اسی پڑھنے پر اقتصار کرے اور عربی میں قرأت نہ کرے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۶۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آیا ترجمہ قرآن پر قرآن مجید کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں

کشف الاسرار میں مذکور ہے کہ اگر قرآن کا مصداق وہ ہے جس کو بہ طور معجزہ نازل کیا گیا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترجمہ قرآن' قرآن نہیں ہے اور اگر قرآن مجید کا مصداق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پھر اس کی قرأت ممکن ہی نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کا مصداق وہ معنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے تعبیر کیا جائے خواہ وہ کسی لغت میں ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ناموں کا اختلاف لغات کے اختلاف

سے ہوتا ہے اور جس طرح قرآن مجید کا نام تورات نہیں رکھا جا سکتا اسی طرح تورات کا نام قرآن مجید نہیں رکھا جا سکتا۔ پس ناموں کے اختلاف میں ان کی عبارات اور الفاظ کی خصوصیت کا دخل ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ان کے نام اس معنی کے اشتراک کی وجہ سے ہیں اور اس میں بحث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۴) اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں بناتے تو یہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔

یہ آیت اس معنی کو مستلزم ہے کہ اگر یہ قرآن عجمی زبان میں ہوتا تب بھی اس کا نام قرآن ہی ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبارت اور الفاظ کی خصوصیت کا اس کا نام قرآن رکھنے میں کوئی دخل نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ اگر قرآن کا لفظ نکرہ ہو تو پھر اس کا لغوی معنی سے منقول ہونا ثابت نہیں ہے اور اگر قرآن کا لفظ معرفہ ہو یعنی القرآن تو پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور اس کی عبارت عربی ہو اور یہی عرف شرعی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس کا نام رکھنے میں اس کے الفاظ اور اس کی عبارت کی خصوصیت کا دخل ہے' اور جو آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں قرآن مجید کا پڑھنا فرض ہے وہ یہ ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (المزمل: ۲۰) جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہے تم اتنا ہی قرآن پڑھو۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا نام قرآن رکھنا جائز نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ص ۱۹۰-۱۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ○ اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے ○ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ○ (الشعراء: ۱۹۹-۱۹۷)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

الشعراء: ۱۹۷ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق اور اس کے ثبوت پر دوسری دلیل قائم کی ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ علماء بنی اسرائیل کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آئی تھی' اور انہوں نے یہ نشاندہی کی کہ تورات اور انجیل کی فلاں فلاں آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور آپ کی نعت بیان کی گئی ہے' اور مشرکین مکہ یہود کے پاس جاتے رہتے تھے اور ان کو یہ واقعہ معلوم تھا' اور اس واقعہ میں آپ کی نبوت کے صدق پر واضح دلالت ہے' کیونکہ آسمانی کتابوں کا آپ کی نبوت پر متفق ہونا آپ کی نبوت کے صدق پر قطعی دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام' علماء بنی اسرائیل میں سے تھے' اور ان میں سب سے افضل مانے جاتے تھے' وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کے اوپر ایمان لے آئے تھے' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ○ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۳۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۹)

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطیہ نے کہا یہ بنی اسرائیل کے پانچ علماء تھے: حضرت اسد' حضرت اسید' حضرت ابن یامین' حضرت ثعلبہ اور حضرت عبد اللہ بن سلام۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' رقم الحدیث: ۱۵۹۵۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

قتادہ نے کہا اس آیت سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں' جو تورات اور انجیل میں یہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۷)

قرآن مجید میں جو لفظ علماء ہے یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جس کو یہود و نصاریٰ کی کتابوں کا علم ہو' خواہ وہ اسلام لایا ہو یا اسلام نہ لایا ہو' اور اہل کتاب کی شہادت مشرکین پر اس لیے حجت ہے کہ وہ اپنے دینی معاملات میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے کیونکہ ان کے متعلق ان کا ظن غالب یہ تھا کہ ان کو دین کا علم ہے۔

اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں ہے کیا اس پر ایمان لانے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت سلمان فارسی اور حضرت عدی بن ابی حاتم' یہود و نصاریٰ کے ثقہ اور معتمد علماء میں سے ہیں اور وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں' اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے' روایت ہے کہ اہل مکہ نے مدینہ کے یہودیوں کے پاس ایک وفد بھیجا اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی بعثت کے متعلق سوال کیا' تو علماء یہود نے کہا وہ اس زمانہ کے نبی ہیں اور ہم کو تورات میں ان کی نعت اور صفت معلوم ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے ۞ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ۞ (الشعراء: ۱۹۹-۱۹۸)

کفار مکہ کا عناد اور ہٹ دھرمی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دو دلیلوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا بیان کر دیا اس کے بعد یہ فرمایا کہ ان کفار اور معاندین کے لیے دلائل اور براھین سودمند نہیں ہیں' کیونکہ ہم نے یہ قرآن اس شخص پر نازل کیا ہے جو ان کا ہم زبان ہے اور ان کی طرح عربی بولتا ہے' جس کی زبان اور اس کے کلام کو یہ سنتے اور سمجھتے ہیں اور جانتے اور پہچانتے ہیں اور یہ کلام معجز ہے اور اس کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور مزید یہ کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کی پیش گوئی اور بشارت موجود ہے' اس کے باوجود مکہ کے کفار اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کیا' وہ اس کو کبھی شعر کہتے ہیں' کبھی جادو کہتے ہیں اور کبھی گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ محض خیالی باتیں اور من گھڑت اقوال ہیں تو اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی زبان اچھی طرح بولنے والا نہ ہوتا تب بھی یہ اس کا کفر کرتے اور اپنے انکار اور کفر پر اس کے عجمی ہونے کو دلیل اور عذر بنا لیتے اور کہتے اس عجمی شخص پر ایمان لانا ہمارے لیے باعث عار ہے اور تکبر کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے' حالانکہ ایک عجمی شخص کا ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے تمام دنیاء عرب عاجز تھی اپنے معجز ہونے میں بہت زیادہ واضح اور جلی تھا لیکن یہ لوگ محض تکبر کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے۔

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مطیع نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یحییٰ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو عجم یعنی گونگا فرماتے تھے۔

مجاہد نے کہا جس طرح عجم کے حیوانوں پر قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے' اسی طرح یہ کفار بھی قرآن مجید پر ایمان نہیں لا رہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۲۱' ۲۸۲۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح ہم نے منکروں کے دلوں میں انکار کو داخل کر دیا ہے ۞ وہ اس وقت تک اس پر ایمان

نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ○ ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○ اس وقت وہ یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ ○ کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ ○ اچھا یہ بتائیے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں ○ پھر اس کے بعد ان پر وہی عذاب آجائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ○ تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی! ○ ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے ○ ان کو یاد کرانے کے لیے' اور ہم (ان پر) ظلم کرنے والے نہ تھے ○ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں نازل ہوئے ○ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ○ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں ○ (الشعراء: ۲۱۲-۲۰۰)

کفار کی ہٹ دھرمیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے اور دلائل اور معجزات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو آپ غم اور افسوس نہ کریں ان کے تکبر اور عناد کی سزا دینے کے لیے ہم نے ان کے دلوں میں کفر اور عناد کو داخل کر دیا ہے اور جب ہم نے ان کے دلوں میں انکار کو داخل کر دیا ہے تو پھر ان کو مومن بنانے کے لیے ان پر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی' اب ان پر اسی وقت اثر ہوگا جب یہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اسی طرح ہم نے منکروں کے دل میں شرک کو داخل کر دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۸۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے ان کے دلوں میں سخت دلی کو داخل کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۹۰)

حضرت انس نے کہا **قلوب المجرمین** سے مراد ہے **قلوب المشرکین** اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا **قلوب المجرمین** سے مراد ہے **قلوب الکفار**۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۵۹۱' ۱۵۵۹۲)

قتادہ نے کہا جب انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ وہ اس پر ایمان نہ لائیں' سدی نے کہا وہ اس پیغام پر ایمان نہیں لائیں گے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ان کے کفر اور شرک پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گمراہی کو پیدا کر دیا اور ان کو ایمان لانے سے روک دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۹۵' ۱۵۹۹۴)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے ہم نے اسی طرح مشرکین قریش کے دلوں میں قرآن کو داخل کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کے معانی کو اور اس کے معجزہ ہونے کو پہچان لیا پھر بھی وہ اپنے عناد' ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ اس دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ○ (الشعراء: ۲۰۱)

اس عذاب کو دیکھنے کے بعد وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو نفع نہیں دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا ○ (الشعراء: ۲۰۲)

ان پر وہ عذاب یا دنیا میں اچانک آئے گا یعنی وہ دنیا میں اپنی رنگ رلیوں اور کفر اور شرک میں مگن ہوں گے اور اسی حالت میں اچانک ان پر وہ عذاب آجائے گا یا آخرت میں بغیر کسی تیاری کے اچانک ان پر وہ عذاب آجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اس وقت وہ یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ O (الشعراء: ۲۰۳)

اللہ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت

یعنی اس عذاب میں کچھ تاخیر کر دی جائے تا کہ ہم ایمان لے آئیں اور نبیوں کی تصدیق کریں۔

اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا آپ کب تک ہم کو عذاب سے ڈراتے رہیں گے! اور جس عذاب سے آپ ڈرا رہے ہیں وہ کب آئے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا:

کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ O (الشعراء: ۲۰۴)

کبھی وہ کفار یوں کہتے تھے:

وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ O (الانفال: ۳۲)

اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی آپ ہی کی طرف سے (منزل) ہے تو پھر تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا تو ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا تھا:

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ O (ھود: ۳۲)

انہوں نے کہا اے نوح تم نے ہم سے بحث کی ہے اور بہت زیادہ بحث کی ہے‘ سو اب تم جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہو وہ لے ہی آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

اور جب ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو اس دردناک عذاب سے کچھ مہلت دی جائے اور ہم سے اس عذاب کو مؤخر کر دیا جائے اور ان کی ان دونوں باتوں میں کس قدر تنافی اور تضاد ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اور امام ابو منصور ماتریدی نے التاویلات النجمیہ میں کہا ہے ان کا عذاب کو طلب کرنا اور عذاب کی دعا مانگنا دراصل یہ بھی ان پر ہمارے عذاب کی علامات میں سے ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی عیادت کی جو کمزور ہو کر بالکل چوزہ ہو چکا تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اللہ سے کسی چیز کی دعا کرتے تھے یا اس سے کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا: اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی عذاب دینا چاہتا ہے تو مجھے وہ عذاب دنیا میں ہی دے دے! آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم آخرت کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتے تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی: اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما‘ اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا‘ پھر آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اس کو شفاء ہو گئی۔

اس فانی زندگی پر مغرور نہ ہونے کی تلقین

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں O پھر اس کے بعد بھی ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا O تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی! O (الشعراء: ۲۰۷-۲۰۵)

الشعراء: ۲۰۵ کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے مدت العمر جو عیش و عشرت اور ناز و نعم کا سامان جمع کیا

تھا تو وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے جب ان پر اچانک عذاب آ گیا' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے جوان کی مدت عمر تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا' اور ان کو ان کی زندگی خوشحالی کے ساتھ گذارنے کے لیے ساز و سامان عطا کیا اس سے انہوں نے کیا فائدہ اٹھایا کیونکہ انہوں نے اپنے شرک سے توبہ نہیں کی' تو عذاب کی اس تاخیر نے ان کو ناکامی اور نامرادی کے سوا اور کیا دیا! اور ان کو کیا نفع پہنچایا بلکہ جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہوئی انہوں نے زیادہ کفر کیا اور بت پرستی کی اور دیگر بڑے بڑے گناہ بھی' جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوئے اور اگر ان کی عمر میں یہ اضافہ نہ کیا جاتا تو وہ یہ گناہ نہ کرتے اور زیادہ عذاب کے مستحق نہ ہوتے تو اس ڈھیل دینے اور عذاب کو مؤخر کرنے سے بجائے فائدہ کے ان کو الٹا نقصان ہوا۔

یزید بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک ہر جمعہ کو اپنے خطبہ میں یہ ضرور کہتے تھے کہ اهل دنیا' دنیا میں خوف اور پریشانی کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں' اور ان کو کسی گھر میں امن اور چین حاصل نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے' اسی طرح ان کی نعمتیں اور ان کے عیش و آرام کا سامان بھی باقی نہیں رہے گا اور وہ اچانک ٹوٹ پڑنے والے مصائب سے مامون نہیں ہوں گے اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہے گی جس سے وہ مسرور ہو سکیں پھر وہ ان آیتوں کی تلاوت کرتے' ترجمہ: اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں ○ پھر اس کے بعد ان پر وہ عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ○ تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی۔

عبدالرحمان بن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس سے مراد کفار ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٥٩٩٩' ١٥٩٩٨' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہر صبح جب اپنے تخت پر بیٹھتے تھے تو وعظ اور نصیحت کے لیے اس آیت کو پڑھتے تھے۔

یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ کہتے تھے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ غافل وہ شخص ہے جو اپنی فانی زندگی پر مغرور رہا' اپنی پسندیدہ چیزوں کی لذتوں میں کھویا رہا اور اپنی عادتوں کے مطابق زندگی گذارتا رہا۔

ھارون رشید نے ایک شخص کو قید کر لیا اس قیدی نے اپنے محافظ سے کہا: امیر المؤمنین سے کہنا تمہارا ہر دن جو تمہاری نعمتوں اور لذتوں میں گذر رہا ہے وہ میری قید اور مشقت کے ایام کو کم کر رہا ہے' اور موت عنقریب آنے والی ہے' پل صراط پر ہماری ملاقات ہوگی جہاں حکم کرنے والا صرف اللہ ہوگا' ھارون رشید نے جب یہ پیغام سنا تو وہ بیہوش ہو کر گر گیا اور جب ہوش میں آیا تو اس نے اس قیدی کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ (روح البیان ج ٦ ص ٣٩٨-٣٩٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ھ)

جرم کے بغیر بھی عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے

اس کے بعد فرمایا: ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے ○ ان کو یاد کرانے کے لیے اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے ○ (الشعراء: ٢٠٩-٢٠٨)

اس آیت میں جمع کے صیغے کے ساتھ منذرون فرمایا ہے اور اس سے مراد ہر بستی میں بھیجے جانے والے نبی اور ان کے متبعین ہیں جو لوگوں کو عذاب سے ڈرانے میں اپنے نبی کی مدد کرتے تھے' پھر فرمایا ان کو یاد کرانے کے لیے' یعنی ان کو وعظ اور نصیحت سنانے کے لیے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے' اور فرمایا اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی ایسے شخص کو ہلاک کر دیا جس نے ظلم نہ کیا ہو' اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر ہم کسی بستی کو اس میں ڈرانے والوں کو بھیجنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا' جب کہ ہم کسی بستی کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں اور اس وقت اس پر عذاب بھیجتے ہیں

جب ہم اس بستی میں عذاب سے ڈرانے والوں کو بھیج دیں اور وہ لوگ پھر بھی کفر و شرک اور برے کاموں کو نہ چھوڑیں۔ ہر چند کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ڈرانے والے کو نہ بھیجے اور اس کے بغیر کسی بستی پر عذاب بھیج کر اس کو ہلاک کر دے تو یہ بھی اس کا ظلم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا مالک ہے اور مالک اپنی مملوک میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ظلم سے اپنی کمال نزاھت اور براءت کو ظاہر کرنے کے لیے اس طرح فرمایا' اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے' آپ مجھے کوئی حدیث سنائیے تا کہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے' انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی ان پر رحمت ان کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے' اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دو' تو اللہ اس کو اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ۔ اور تم یہ یقین رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی' اور جو چیز تم سے ٹل گئی وہ تم کو پہنچنے والی نہ تھی' اور اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مرے تو تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ گے' ابن الدیلمی نے کہا پھر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حدیث روایت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۷' الشریعۃ للآجری ص ۱۸۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۹۴۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۴)

انسان کو خیر اور شر کا اختیار عطا فرمانا

امام ابو منصور ماتریدی نے التاویلات النجمیہ میں کہا ہے کہ اس آیت میں جس قریہ (بستی) کا ذکر ہے اس قریہ سے مراد انسان کا جسم ہے اور قریہ میں رہنے والوں سے مراد نفس' قلب اور روح ہے' اور ان کو ہلاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی اس کے احکام اور اس کی ممنوعات کے تقاضوں پر عمل کرنے کو ترک کر دیتے ہیں' اس کے دیے ہوئے حکم کو بجا نہیں لاتے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس کو ترک نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کے دلوں میں اور ان کی روحوں میں جو نیکی کی صلاحیت پیدا کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے' اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ بستی والوں کو اس بستی میں ڈرانے والوں کو بھیجنے کے بعد اس بستی کو ہلاک کرتا ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں نیکی کا الہام کرتا ہے اور اس کے ضمیر میں برائی پر ملامت کرنے کو پیدا کرتا ہے' اور اس کا دل اور اس کا ضمیر اس کو برائی پر جھنجھوڑتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام یاد دلاتے ہیں اور جب وہ اپنے ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا اور مسلسل ایسا ہی کرتا ہے تو پھر اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کوئی آواز نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں جو نیکی کی صلاحیت رکھی تھی وہ فاسد اور ضائع ہو جاتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس: ۸-۷)

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست بنانے کی ۝ پھر نفس کو بدکاری کی اور اس سے بچنے کی سمجھ دینے کی۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝

(البلد: ۲۰-۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں بنائے) ۝ ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ۝ سو وہ (خیر کی) گھاٹی (راہ) میں داخل نہیں ہوا ۝ اور وہ کیا سمجھا کہ (خیر کی) گھاٹی (راہ) کیا ہے! ۝ کسی (لونڈی یا غلام) کی گردن کو آزاد کرنا ۝ بھوک والے دن کھانا کھلانا ۝ کسی یتیم رشتہ دار کو ۝ یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو ۝ پھر وہ کامل مومنین میں سے ہو جاتا جو ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ۝ یہی لوگ دائیں طرف والے (نیک بخت) ہیں ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں طرف والے (بد بخت) ہیں ۝ ان پر چاروں طرف سے گھری ہوئی آگ ہوگی۔

اور فرمایا: ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے' کہ عذاب کو عذاب کی جگہ پر نہ رکھتے یا رحمت کو رحمت کی جگہ نہ رکھتے' یا غیر مستحق کو عذاب دیتے یا کفار' مرتدین اور منافقین کو ثواب عطا فرماتے' اور صحیح یہ ہے کہ نیک لوگوں کو ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بدکاروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

اس پر دلائل کہ شیاطین قرآن کو نازل نہیں کر سکتے

اس کے بعد فرمایا: اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں نازل ہوئے ۝ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۝ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں ۝ (الشعراء: ۲۱۲-۲۱۰)

یعنی اس قرآن کو شیاطین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا' بلکہ اس کو آپ پر الروح الامین نے نازل کیا ہے' اور نہ شیاطین کے لیے یہ لائق ہے کہ وہ اس کو آپ پر نازل کریں اور نہ وہ اس کی صلاحیت اور استطاعت رکھتے ہیں کیونکہ آسمان کی جس جگہ سے قرآن مجید نازل ہوتا ہے وہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتے اور شیاطین کو قرآن سننے کی جگہ تک پہنچنے سے معزول کر دیا گیا ہے وہ وہاں تک پہنچنے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ مشرکین قریش یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہیں' ان کے پاس کوئی جن ہے جس کا وہ کلام سنتے ہیں اور پھر اس کلام کو نقل کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے' اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں ہر کاہن کے ساتھ کوئی جن ہوتا تھا جو آسمان کے دروازوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سنتا تھا' اور سچی اور جھوٹی باتیں اس کاہن کے کانوں میں ڈال دیتا تھا' اور پھر کاہن وہ باتیں مشرکوں کو بتاتا تھا' اس وجہ سے مشرکین نے یہ گمان کیا کہ قرآن مجید کی وحی بھی اسی جنس سے ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا قرار دیا اور فرمایا: اس قرآن کو شیاطین نے نازل نہیں کیا بلکہ اس کو الروح الامین نے نازل کیا ہے' اور نہ ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ آسمان سے قرآن کو سن کر اس کو نازل کر سکیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد ان کا آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جانا ممنوع ہو گیا کیونکہ ان کے اوپر آگ کے گولے مارے جاتے ہیں۔

شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے اس کی توجیہ اور بحث ونظر

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ شیاطین فرشتوں کا کلام سننے سے اس لیے معزول ہیں کہ فرشتوں اور شیاطین کی صفات میں کوئی مشارکت نہیں ہے اور شیاطین میں انوار حق کے فیضان کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور ان کے اندر علوم ربانیہ اور معارف نورانیہ کی صورتیں مرتسم اور نقش نہیں ہو سکتیں' شیاطین کے نفوس خبیثہ' ظلمانیہ اور شریرہ ہیں' وہ صرف اسی چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو از قبیل فنون شر ہو اور اس میں بالکل خیر نہ ہو اور قرآن مجید تو حقائق اور مغیبات پر مشتمل ہے ماسوا ملائکہ اور کوئی اس کو آسمانوں سے قبول نہیں کر سکتا۔

ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ شیاطین میں قرآن مجید کو نازل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ اس کو برداشت کرنے کی قوت ہے' اور نہ اس کو سمجھنے کی وسعت ہے' کیونکہ وہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور قرآن مجید نور قدیم ہے اور آگ نور قدیم کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب دوزخ کی آگ کے پاس سے مومن کا گذر ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے:

جزیا مومن فقد اطفأ نورک لھبی — اے مومن جلدی سے گذر جا کیونکہ تیرا نور میرے شعلے کو بجھا رہا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۲۵۸' حافظ الھیثمی نے کہا اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۴۴۶)

اور جب آگ حاملین قرآن کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتی اور ان سے کلام سننے کی استطاعت نہیں رکھتی تو آگ سے بنے ہوئے شیاطین قرآن مجید کو نازل کرنے کی کب طاقت رکھتے ہیں' اور اگر وہ اس کلام کو سن بھی لیں تو وہ اس کو سمجھنے سے محروم ہیں اور اس کلام کی فہم ہی اس پر عمل کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہوئے ہیں۔

اس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین فرشتوں کے کلام کو بالکل نہیں سن سکتے اور وہ قرآن مجید کو مطلق نہیں سن سکتے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے' ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اب وہ جب آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں تو فرشتے ان پر آگ کے گولے پھینک کر ان کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے اس کو سخت محافظوں اور سخت آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا ۝ اور ہم پہلے باتیں سننے کے لیے آسمان میں (جگہ جگہ) بیٹھ جایا کرتے تھے اور اب جو بھی کان لگا کر سنتا ہے وہ اپنے تعاقب اور گھات میں آگ کے شعلے کو پاتا ہے۔

اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جن اور شیاطین قرآن مجید کو نہیں سن سکتے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ (الجن: ۱)

آپ کہیے کہ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (یہ قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔

بعض اکابرین نے کہا ہے کہ شیاطین فرشتوں کا کلام سننے سے محروم ہیں کیونکہ ان کے کانوں' ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں' وہ قرآن مجید کو سننے سے غافل ہیں اور حقیقت میں سننے والا وہ ہوتا ہے جس کے

پاس قلبی، عقلی، غیبی اور روحی سماعت ہو وہ ہر لحہ کائنات کی تمام حرکات اور آوازوں میں حق سبحانہ کے خطاب کو سنتا ہے جس سے اس کی روح کو سرور اور ذوق وشوق حاصل ہوتا ہے پس جس شخص کو اللہ کے کلام کی فہم حاصل ہو جائے اور وہ شریعت، حقیقت اور اللہ کی امانت کا بار اٹھانے کی صلاحیت حاصل کر لے اس کو آفرین ہو اور مبارک ہو اور اس کے علاوہ جو لوگ اس مرتبہ سے معزول ہیں ان پر افسوس، اور حسرت ہے، سوا اے سننے والو! اللہ کے کلام کو سمجھو اور اس کی حقیقت کو پانے کی کوشش کرو کیونکہ علم حقیقت میں وہ ہے جو سینوں میں ہے نہ وہ جو محض ظن اور اندازوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا○ اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرائیے○ اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھیے○ پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں○ اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجئے○ جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے○ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو○ بے شک وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے○ کیا میں تمہیں ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں○ وہ ہر تہمت باندھنے والے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں○ وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں○

(الشعراء: ٢٢٣-٢١٣)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کی توجیہ

الشعراء: ٢١٣، میں فرمایا سو تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا۔

اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، لیکن درحقیقت یہ خطاب آپ کے متبعین اور آپ کی امت کی طرف متوجہ ہے، کیونکہ آپ تو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد شرک اور ہر قسم کے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں خواہ ان گناہوں کا صدور سہواً ہو یا عمداً صورۃً ہو یا حقیقتاً، اس لیے اس آیت میں تعریضاً خطاب ہے صراحۃً آپ کی طرف نسبت کی گئی ہے اور مراد آپ کی امت ہے اور اس پیرایہ خطاب میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ اگر بہ فرض محال آپ نے بھی اللہ کے غیر کی عبادت کی تو آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے تو ماوشما اور عام لوگوں کی کیا حیثیت ہے کہ اگر انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی تو وہ کیونکر اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچ سکیں گے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ حقیقت میں آپ کے غیر سے خطاب ہے کیونکہ حکیم کا یہ اسلوب اور طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی قوم سے خطاب کو مؤکد کرنا چاہتا ہے تو ظاہر میں اس خطاب کو اس قوم کے رئیس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے ہر چند کہ اس خطاب سے مقصود اس رئیس کے متبعین ہوتے ہیں اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کرنے میں آپ کی امت آپ کی پیروی اور آپ کی اتباع کرے اور اس میں بھی ان کو آپ کی اقتداء کرنے کا شرف حاصل ہو اس وجہ سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کو خطاب فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ٥٣٥، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید کا کفر کرتے تھے، کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو ورنہ تم بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گے، اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے

کیونکہ آپ معصوم اور مختار ہیں لیکن آپ کو بھی غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کے ساتھ خطاب کیا گیا کیونکہ اس سے مقصود آپ کا غیر ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے بعد فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے۔

تا کہ آپ کے رشتہ دار آپ کے نسب اور آپ کی قرابت پر تکیہ کر کے نیک عمل اور برے کام سے اجتناب کو ترک نہ کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عشیرة کا معنی اور صلہ رحم میں الاقرب فالاقرب کی ترجیح

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے۔ (الشعراء: ۲۱۴)

یعنی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اس عذاب سے ڈرائیے جو شرک کرنے اور کبیرہ گناہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اس آیت میں قریبی رشتہ داروں کے لیے عشیرة کا لفظ ہے اور عشیرہ کا لفظ عشرہ سے بنا ہے اور عشرہ (دس کا عدد) عدد کامل ہے اس لیے یہ لفظ کسی شخص کے ان رشتہ داروں کی جماعت کا نام بن گیا جو کثیر تعداد میں ہوں خواہ وہ اس کے قریب ہوں یا اس کے معاون ہوں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۳۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں قریبی رشتہ داروں سے مراد بنو ہاشم ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے میں ان سے ابتداء کرنا اسی طرح اولیٰ ہے جس طرح نیکی اور صلہ رحم میں ان سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحم کرنے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری نیکی اور صلہ رحم کا کون زیادہ مستحق ہے آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون فرمایا تمہارا باپ! ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہارا باپ پھر تمہارے زیادہ قریب زیادہ قریب!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۴۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۶ مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۹۱۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کی سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے پیٹھ پھیرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۲ مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۹۱۷)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو اس کو اس میں بھی صدقہ کا اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۵ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۰۵)

جس طرح قریب کے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم ہے اور قریب کے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنے اور صلہ رحم کرنے کا حکم ہے اسی طرح جو کفار قریب ہوں ان کے خلاف پہلے جہاد کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ اے ایمان والو! ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب

الْكُفَّارِ. (التوبۃ:١٢٣) ہیں۔

اس آیت میں کفار سے جہاد کرنے کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ الاول فالاول اور الاقرب فالاقرب کے موافق کفار کے خلاف جہاد کیا جائے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جزیرہ عرب کے مشرکین سے قتال کیا' جب آپ مکہ' طائف' یمامہ' حجر' خیبر' یمن اور حضر موت وغیرہ کے خلاف جہاد سے فارغ ہوگئے تو پھر آپ نے اھل کتاب سے جہاد کا آغاز کیا' اور نو ہجری میں عیسائیوں سے جہاد کرنے کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو جزیرہ عرب کے قریب ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال کیا' اور پھر ایران کے مجوسیوں کے خلاف جہاد کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قرابت داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی' وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء: ٢١٤) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے' اور آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یاصباحاہ (دشمن کے حملہ کے وقت ان الفاظ سے تنبیہ کی جاتی تھی' ان کے کفر و شرک کی وجہ سے آپ کو ان پر عذاب کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے ان الفاظ کے ساتھ تنبیہ کر کے قوم کو آواز دی) تو مکہ کے سب لوگ آپ کے گرد جمع ہوگئے' آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے تو کیا تم سب میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اس لیے ہم آپ کی تصدیق کریں گے' آپ نے فرمایا تو میں تم کو اس بات سے ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے سامنے بہت سخت عذاب ہے' تب ابولہب نے کہا تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا! پھر وہ کھڑا ہو گیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: تبت یدا ابی لھب و تب (تبت: ١) ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔''

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٩٧١' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٣٦٣' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١٠٨١٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٨' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٥٥٠' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ١٨٢-١٨١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: ٢١٤) تو آپ نے فرمایا:

اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو خرید لو (عذاب سے بچاؤ) میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا! (یعنی اگر تم اپنے کفر اور شرک پر قائم رہے تو میں تم کو عذاب سے ذرہ برابر بھی نہیں بچا سکتا) اے بنو عبد مناف! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا! اے صفیہ! رسول اللہ کی پھوپھی! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا! اے فاطمہ! بنت محمد! میرے مال سے جس چیز کا چاہے سوال کرو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٧١' ٢٧٥٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٦' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣٦٤٧' ٣٦٤٦' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٥٤٦' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٨٤' مسند احمد ج ٢ ص ٣٣٣)

ایک اور حدیث کا متن اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء: ٢١٤) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ہر عام اور خاص کو بلایا جب وہ سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی کعب بن لوی! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ' اے بنی مرہ بن کعب! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ

سے بچاؤ' اے بنی عبد شمس! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنی عبد مناف! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنی ہاشم! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنو عبدالمطلب! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ' اے فاطمہ! تم اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ' البتہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا رشتہ ہے اور میں عنقریب اس کی تراوٹ تم کو پہنچاؤں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۴۴' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۳۷۷)

رِحم کی تراوٹ سے فائدہ پہنچانا

صحیح مسلم کی حدیث کے آخر میں ہے میرا تمہارے ساتھ رحم کا رشتہ ہے میں عنقریب اس کی تراوٹ تم کو پہنچاؤں گا' اس جملہ کی شرح میں قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ' علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ' علامہ سنوسی متوفی ۸۹۵ھ اور جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ رحم کو آگ کی حرارت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے یعنی میں تمہارے ساتھ صلہ رحم کروں گا اور تم کو فائدہ پہنچاؤں گا' مومنوں کو اکرام کروں گا اور کافروں کو ہدایت دوں گا۔

(اکمال المعلم وفوائد مسلم ج ا ص ۵۹۳-۵۹۲' المفہم ج ۷ ص ۳۸۴' مکمل اکمال الاکمال ج ا ص ۶۲۳' صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۸۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' الدیباج ج ۲ ص ۲۶۷)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے:

اگر اللہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا' اور اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند کہ مسلمانوں کو اپنی شفاعت سے نفع پہنچائیں گے' کیونکہ آپ شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی لیکن آپ نے یہاں مطلق نفع رسانی سے منع فرمایا تاکہ انہیں عذاب سے ڈرائیں کہ وہ صرف شفاعت پر تکیہ نہ کرلیں اور ان کو آخرت کے لیے کوشش کی ترغیب دیں اور فرمایا میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے۔ میں عنقریب صلہ رحم کروں گا' یعنی میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ قرابت کی وجہ سے نیکی اور احسان کروں گا۔

(المرقات ج ۱۰' ص ۱۰۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ مجھ پر تمہارے رحم اور قرابت کا حق ہے میں اس کی تری سے اس کو تر کروں گا اور صلہ احسان کا پانی چھڑکوں گا۔ اس حدیث میں بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس امت کے گنہ گاروں کے لیے بھی ہوگی چہ جائیکہ اپنے اقرباء اور خویشان کے لیے' اور احادیث سے ان کے حق میں شفاعت ثابت ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خوف باقی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴' ص ۳۷۲-۳۷۱' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا: سنو! میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دوں جو تم کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج مجھے ان چیزوں کا علم دیا ہے' (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے اپنے بندے کو جو کچھ مال دیا ہے وہ حلال ہے' میں نے اپنے تمام بندوں کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ باطل سے دور رہنے والے تھے' بے شک ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو دین سے پھیر دیا' اور جو

چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں' وہ انہوں نے ان پر حرام کر دیں' اور ان کو میرے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیا جب کہ میں نے اس شرک پر کوئی دلیل نازل نہیں کی' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا' اور اہل کتاب کے چند باقی ماندہ لوگوں کے سوا تمام عرب اور عجم کے لوگوں سے ناراض ہوا' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تم کو آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور تمہارے سبب سے (دوسروں کی) آزمائش کے لیے' میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جس کو پانی نہیں دھو سکتا' تم اس کو نیند اور بیداری میں پڑھو گے' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش کے جلانے کا حکم دیا میں نے کہا اے میرے رب! وہ تو میرا سر پھاڑ دیں گے' اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑ دیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو اس طرح نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا ہے' تم ان سے جہاد کرو ہم تمہاری مدد کریں گے' تم خرچ کرو' ہم تم پر خرچ کریں گے' تم ایک لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے' اپنے اطاعت گذاروں کو لے کر اپنے نافرمانوں کے ساتھ جنگ کرو' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تین قسم کے لوگ جنتی ہیں' سلطان عادل جو نیکی کی توفیق دیا گیا ہو اور صدقہ کرنے والا ہو' جو شخص رحم دل ہو اور اپنے تمام قرابت داروں اور عام مسلمانوں کے لیے رقیق القلب ہو' اور جو شخص پاک دامن ہو اور عیال دار ہونے کے باوجود سوال کرنے سے گریز کرتا ہو' اور پانچ قسم کے لوگ دوزخی ہیں' وہ ضعیف لوگ جن کے پاس عقل نہ ہو جو تمہارے ماتحت ہوں اور اپنے اہل اور مال کے لیے کوئی سعی نہ کریں' وہ خائن جس کی طمع پوشیدہ نہ ہو جو معمولی سی چیز میں بھی خیانت کرے' وہ دھوکہ باز جو ہر صبح اور ہر شام کو تمہارے ساتھ' تمہارے اہل اور تمہارے مال کے ساتھ دھوکہ کرے' اور اللہ تعالیٰ نے بخل یا جھوٹ' بدخو اور فحش کلام کرنے والے کا بھی ذکر کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۸۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۶' ۱۶۲' المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۹۹۴' ۹۸۷' سنن کبریٰ ج ۹ ص ۶۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اقربین کی دعوت کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اپنی سند کے ساتھ امام احمد سے روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **وانذر عشیرتک الاقربین** (الشعراء: ۲۱۴) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا سو تیس نفر جمع ہو گئے' انہوں نے طعام کھایا اور مشروب پیا' آپ نے ان سے فرمایا تم میں سے جو بھی میرے دین اور میرے وعدوں کو پورا کرنے کا ضامن ہوگا' وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا' اور میرے اہل میں میرا جانشین ہوگا' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ تو سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ حضرت علی نے کہا آپ نے پھر یہ کلام اپنے اہل بیت پر پیش کیا تو حضرت علی نے کہا میں!

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶-۳۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کی دعوت کی انہوں نے اونٹ کا گوشت کھایا اور پانی پیا' وہ سب کھا پی کر سیر ہو گئے اور وہ طعام اسی طرح باقی بچا رہا گویا کہ کسی نے اس کو چھوا ہے نہ پانی پیا ہے پھر آپ نے شہد منگایا ان سب نے اس کو پیا حتیٰ کہ وہ سب سیر ہو گئے' اور وہ شہد اسی طرح بچا رہا گویا اس کو کسی نے نہیں چھوا۔ آپ نے فرمایا اے بنو عبدالمطلب مجھے خصوصیت کے ساتھ تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے اور عموم کے ساتھ عام لوگوں کی طرف' بے شک تم لوگوں نے میری نبوت پر ابھی یہ دلیل دیکھ لی ہے (کھانا کھائے جانے کے بعد اس کا جوں کا توں باقی رہنا) تم میں سے کون میرے ہاتھ پر بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی اور میرا صاحب ہو جائے' حضرت علی نے کہا یہ سن کر کوئی شخص بھی آپ کی طرف کھڑا نہیں ہوا' پھر میں آپ کی طرف کھڑا ہوا اور میں قوم میں سب سے چھوٹا تھا' آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ

پھر آپ نے یہ سوال تین بار دھرایا' ہر مرتبہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوتا اور آپ فرماتے بیٹھ جاؤ' حتیٰ کہ تیسری بار آپ نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا یعنی مجھے بیعت کر لیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۱۴۳' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۰۲)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایا ایک مرتبہ کوہ صفا پر چڑھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور ایک بار آپ نے سب کی دعوت کی اور ان کو ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا' ان احادیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں کسی کے کام نہیں آ سکتے جب آپ اپنے قریبی رشتہ داروں سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتے تو کسی اور سے اللہ کے عذاب کو کیسے دور کر سکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے جو آپ پر ایمان نہیں لایا اور موت تک کفر اور شرک پر قائم رہا آپ اس کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کریں گے لیکن جو آپ پر ایمان لے آیا اور اس سے عمل میں کچھ تقصیر ہو گئی تو آپ ایسے عام مسلمانوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے تو اپنے خواص اور اقربین کی شفاعت کیوں نہیں فرمائیں گے' اس کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت میں نفع پہنچانا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر فرما رہے تھے: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت آپ کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی' بیشک میری قرابت دنیا اور آخرت میں مجھ سے ملی ہوئی ہے اور اے لوگو! جب تم حوض پر آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا پیشوا ہوں گا۔ (الحدیث)

(مسند احمد ج ۳' ص ۱۸' دار الفکر طبع قدیم' اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۱۰۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا' پھر جو ان سے زیادہ قریب ہوں' اور پھر جو ان سے قریب ہوں' پھر انصار کی شفاعت کروں گا' پھر ان کی جو مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی' پھر اہل یمن کی' پھر باقی عرب کی' پھر اعاجم کی۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۵۵۰' الکامل لابن عدی ج ۲' ص ۷۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۱' ۳۸۰' الفردوس بماثور الخطاب' رقم الحدیث ۲۹' اس حدیث کی سند میں حفص بن ابی داؤد متروک ہے اور لیث بن سلیم ضعیف ہے اللآلی المصنوعہ ج ۲' ص ۳۷۴)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرما دیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب ۲۴۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری اولاد کو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۶۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے میرے اہل

بیت کے متعلق یہ وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اقرار کیا میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔

(المستدرک ج ۳' ص ۱۵۰' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' الکامل لابن عدی ج ۵' ص ۱۷۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی' پھر حضرت علی نے صفہ میں عقیل' حضرت حسین اور حضرت عباس سے حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ لیا۔ پھر حضرت علی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر سبب (نکاح) اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۳' ص ۱۴۲' المعجم الکبیر ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۳۳' ۲۶۳۴' ۲۶۳۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۴' السنن الکبریٰ ج ۷' ص ۱۱۴' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۲۵۸' مجمع الزوائد ج ۴' ص ۲۷۱' ۲۷۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۳۰۹)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے جس عورت کے ساتھ بھی نکاح کروں اور میں اپنی امت میں سے جس شخص کو بھی نکاح کا رشتہ دوں میرے ساتھ جنت میں ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۵۸' مجمع الزوائد ج ۱۰' ص ۱۷' المستدرک ج ۳' ص ۱۳۷' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۰۱۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۷' اسی سے متقارب روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے المعجم الاوسط ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا میں جس کو بھی نکاح کا رشتہ دوں اور جس سے بھی نکاح کروں وہ اہل جنت سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی میرے اہل بیت کے ساتھ کوئی نیکی کی تو میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔ (کامل ابن عدی ج ۵' ص ۱۸۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی نیکی کی اور اس نے اس کو دنیا میں اس کا صلہ نہیں دیا تو کل جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو مجھ پر اس نیکی کا صلہ دینا واجب ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۶۹' مجمع الزوائد ج ۹' ص ۱۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۳)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا' اور آپ کی وجہ سے غضب ناک ہوتا تھا' آپ نے فرمایا ہاں! اب وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳' ۶۲۰۸' ۶۵۷۲' صحیح مسلم ایمان ۳۵۷' (۲۰۹) ۵۰۰' مسند احمد ج ۱' ص ۲۰۶' رقم الحدیث: ۱۷۶۳' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۸۳۳)

نفع رسانی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ

موخر الذکر پانچ حدیثوں کے علاوہ باقی مذکور الصدر تمام احادیث کو علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی نے بھی بیان کیا ہے (رسائل ابن عابدین ج ۱' ص ۴۰۵) ان احادیث کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے جو یہ احادیث ذکر کی ہیں ان کے یہ بات [illegible] نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کو بھی اللہ سے مطلقاً نفع

یا نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا مالک بنائے گا کہ آپ اپنے اقارب کو نفع پہنچائیں بلکہ آپ شفاعت عامہ اور شفاعت خاصہ کے ذریعہ تمام امت کو نفع پہنچائیں گے' سو آپ صرف اسی چیز کے مالک ہوں گے جس کو آپ کا مولیٰ عزوجل مالک کرے گا' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے: میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل مستغنی نہیں کروں گا' اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے یہ عزت اور مقام نہیں دے گا یا جب تک مجھے منصب شفاعت نہیں دے گا یا جب تک میری وجہ سے مغفرت کرنے کا مرتبہ مجھے نہیں دے گا' اس وقت تک میں تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑاؤں گا۔ اور چونکہ یہ مقام اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا تھا اور نیک اعمال پر برانگیختہ کرنے کا تھا اس لیے آپ نے یہ قیود ذکر نہیں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے رحم کے حق کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے اور میں عنقریب اس کی تراوٹ تمہیں پہنچاؤں گا' یعنی تم کو نفع پہنچاؤں گا اور یہ احادیث میں تطبیق کا بہت عمدہ طریقہ ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قیامت کے دن میرے اولیاء' متقی ہوں گے (الادب المفرد) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا اولی' اللہ ہے اور صالح مؤمنین ہیں۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۶۶ (۲۱۵) ۵۰۸' مسند احمد ج ۴' ص ۲۰۳' مسند ابوعوانہ ج ۱' رقم الحدیث: ۹۶) سو یہ احادیث آپ کے رحم اور اقارب کو نفع پہنچانے کے خلاف نہیں ہیں' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے اپنے عمل میں دیر کردی تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم الذکر ۳۸' (۶۲۹۹) ۲۶۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۴۷)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا' اس کا نسب اس کو بلند درجات تک پہنچانے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اس لیے یہ حدیث نجات کے منافی نہیں ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا باب بہت وسیع ہے' اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی پامالی پر بہت غیور ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد ہیں اور وہ صرف اسی چیز کے مالک ہیں جس کا آپ کے مولیٰ نے آپ کو مالک بنا دیا ہے اور آپ کی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۱' ص ۶۰۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

اس پر دلیل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے

عباس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ بے شک مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے' نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۹۷' ۱۶۱۰' صحیح مسلم الحج ۱۲۴۸ (۱۲۷۰) ۳۰۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۶۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۳۷' الموطا رقم الحدیث: ۸۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶' طبع قدیم' رقم الحدیث: ۹۹ طبع جدید دار الفکر بیروت)

تمام شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جو لوگ ثواب کی نیت سے اور اخلاص کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں حجر اسود ان کے حق میں گواہی دے گا اور جو لوگ دکھاوے اور ریا کاری کے لیے حجر اسود کو بوسہ دیں گے حجر اسود ان کے خلاف گواہی دے گا سو حجر اسود نفع بھی پہنچائے گا اور ضرر بھی' اور حضرت عمر نے حجر اسود کو مخاطب کر کے جو یہ کہا کہ تو ایک پتھر ہے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان تو اس کا معنی یہ ہے کہ تو بالذات نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا اور بالعرض نفع اور ضرر پہنچاتا ہے (فتح الباری' عمدۃ القاری' شرح النواوی' فیض الباری' فتح الملہم وغیرھا) سو جس طرح حجر اسود سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی پر محمول ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نفع اور ضرر کی نفی ذاتی پر محمول ہے' اور جس طرح حجر اسود اللہ کی عطا سے نفع اور ضرر

پہنچاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی عطا سے نفع اور ضرر پہنچاتے ہیں۔

نسب پر اعتماد کرنے کے بجائے عمل کی کوشش کی جائے

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ التاویلات النجمیہ میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وانذر عشیرتک الاقربین اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ (المومنون:۱۰۱)

پس جب اس دن (صور پھونک دیا جائے گا) تو نہ آپس کے رشتے ہوں گے نہ آپس میں سوال کرنا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن ہر نسب منقطع ہو جائے گا ماسوا میرے نسب کے (المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲) پس آپ کا نسب ایمان اور تقویٰ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ہر مومن متقی میری آل ہے (المعجم الصغیر ج ا ص ۱۱۵) نیز آپ نے فرمایا: سنو آل ابی فلاں میرے اولیاء نہیں ہیں میرا ولی اللہ ہے اور صالح المومنین ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵) اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس کا دل نور ایمان سے روشن ہوا وہ اپنے رشتہ داروں کے چراغ سے روشن نہیں ہوا خواہ وہ رشتہ دار اس کا والد ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اولیاء اللہ کی اقتداء میں یہی رمز ہے' یہی وجہ ہے کہ انسان خود کھانا کھائے تو اس کا پیٹ بھرتا ہے اور اس کے والد کے کھانے سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا' سو آپ نے اپنے رشتہ داروں کو اس بات سے ڈرایا اگر ان میں اصل ایمان نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ ان کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا:

خطا کاروں کے لیے استغفار اور منکروں سے برأت

اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھیے ○ (الشعراء: ۲۱۵)

اس آیت میں بازو کے لیے جناح کا لفظ ہے' جناح کے معنی ہیں بازو اور پرندہ کا پر' کسی چیز کے پہلو اور جانب کو بھی جناح کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ . (الانعام: ۳۸)　　اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں کے ساتھ اڑتا ہو۔

جناحا السفینۃ کا معنی ہے کشتی کی دو جانبیں اور جناحا العسکر کا معنی ہے لشکر کی دو طرفیں۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ . (طٰہٰ: ۲۲)　　اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو کے ساتھ ملائیے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ . (بنی اسرائیل: ۲۴)　　اور ماں باپ پر رحمت کے لیے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا۔

اس آیت میں جناح کے لفظ میں استعارہ ہے کیونکہ ذلت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ذلت ہے جو انسان کا مرتبہ پست کرتی ہے جیسے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنا' اور دوسری وہ ذلت ہے جو انسان کا مرتبہ بلند کرتی ہے جیسے اللہ کے سامنے سر جھکانا' یہاں جناح کے لفظ میں استعارہ ہے کیونکہ ماں باپ کے سامنے ذلت اختیار کرنے سے انسان کا مرتبہ بلند ہوتا ہے' انسان جب ماں باپ پر رحم کرنے کے لیے ذلت اور عاجزی اختیار کرے گا تو یہ ذلت اس کو اڑا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے گی اور اس کا مرتبہ اللہ کے نزدیک بلند کر دے گی۔

اور زیر تفسیر آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مومنوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان کو عفو اور درگذر کے دامن میں چھپالیں' ان کی تقصیرات سے صرف نظر کریں اور ان کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئیں ان کی خطاؤں کو معاف کریں

اور ان کے لیے استغفار اور شفاعت کریں۔ اس کے بعد فرمایا:

پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔ (الشعراء: ۲۱۶)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ کے بعض اقارب نے آپ کی مخالفت اور عداوت کا دروازہ کھول دیا اور آپ پر طعن و تشنیع کی زبان دراز کردی اور آپ کی اطاعت اور اتباع کرنے سے انکار کر دیا' پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے غالب اور رحیم ہونے کا معنی

اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجیے (الشعراء: ۲۱۷)

بہت غالب سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے محبت کرنے والے کو رسوا نہیں کرتا اور عداوت کرنے والے کو سربلند نہیں کرتا اور وہ اپنے دشمنوں کو سرنگوں اور مغلوب کرنے پر قادر ہے' اور بے حد رحم فرمانے والے سے مراد یہ ہے جو اس پر بھروسہ کرے اور اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے وہ اس کو ناکام اور نامراد نہیں کرتا جو اپنے چاہنے والوں اور اپنے دوستوں کو فتح اور نصرت سے نوازتا ہے' اور توکل کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اس کے ماسوا سے اعراض کرے اور ایسا شخص وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خواص اور کاملین میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان کے متبعین میں سے بنا دے۔

توکل کی تحقیق

توکل کا معنی ہے کسی چیز کے حصول کے اسباب فراہم کر کے اس کے حصول کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۹۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۹۲)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بہت سے علماء نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ انسان جس کام کا مالک ہو اور اس کے نفع اور ضرر پر قادر ہو اس کام کو اللہ پر چھوڑ دے یہ توکل ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ انسان پر کوئی ایسی مصیبت ٹوٹ پڑے جس کو وہ اللہ کی نافرمانی کر کے دور کر سکتا ہو اور وہ اللہ کی نافرمانی کر کے اس مصیبت کو دور نہ کرے تو یہ توکل ہے' مثلاً وہ جھوٹی گواہی پیش کر کے کسی الزام سے بچ سکتا ہو لیکن وہ اللہ پر بھروسہ کر کے ایسا نہ کرے تو یہ توکل ہے اور بعض علماء نے کہا یہ توکل کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔

بعض عارفین سے منقول ہے کہ اللہ پر توکل کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) انسان کسی چیز کے سبب کو حاصل کر کے اس کو طلب کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اس چیز سے مخلوق کو نفع پہنچائے گا۔

(۲) انسان کسی چیز کے حصول کے اسباب سے صرف نظر کرے نہ اس چیز کو طلب کرے نہ اس چیز کی حرص کرے اور اپنے آپ کو فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں مشغول رکھے۔

(۳) انسان کسی چیز کو طلب نہ کرے اور اس کے حصول کے لیے کوئی کوشش نہ کرے' اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اور اس کی تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے ہر چیز کے حصول کو ایک وقت مقرر کے لیے مقدر کر دیا ہے پس متوکل وہ شخص ہے جس نے غور وفکر کرنے اور اشیاء کے اسباب کو تلاش کرنے سے اپنے نفس کو آرام اور راحت کے ساتھ رکھا ہوا ہے اور وہ اس کا منتظر ہے کہ تقدیر سے اس کے لیے کیا چیز ظاہر ہوتی ہے' اور اس کو یہ یقین ہے کہ طلب کرنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا' اور توکل اس کو منع نہیں کرے گا' اور جب وہ اپنے آپ کو

اسباب کی غلامی سے نکال لے گا اور وہ اپنے توکل میں اللہ تعالیٰ کے حق کے سوا اور کسی چیز کا لحاظ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مہم میں کافی ہوگا۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۰۶-۲۰۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حق توکل کا معنی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ بھوکے صبح کرتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۴)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی التوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

حق توکل کا معنی یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کام کو کرنے والا نہیں ہے اور مخلوق میں سے جو چیز بھی موجود ہے اس کو وہی رزق دیتا ہے وہی عطا کرتا ہے' وہی منع کرتا ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے' وہی غنی کرتا ہے اور وہی فقیر کرتا ہے' اور جو چیز بھی موجود ہے اس کا وجود اللہ تعالیٰ سے ہی ہے' پھر وہ اچھے طریقہ سے اپنے مطلوب کی طلب میں کوشش کرے' اس کو پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے' کیونکہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں پھر وہ اپنی روزی اور رزق کو تلاش کرتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی نے کہا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ توکل کا معنی ہے بدن سے کسب اور کوشش کو ترک کرنا اور دل سے تدبیر کو ترک کرنا اور انسان زمین پر اس طرح پڑا رہے جیسے زمین پر کوئی کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہو یا گوشت کی بوٹی پڑی ہو اور یہ جاہلوں کا گمان ہے' اور ایسا توکل کرنا شریعت میں حرام ہے' اور شریعت نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو جو شخص حرام کام کرے گا وہ کیسے تعریف اور تحسین کا مستحق ہوگا اور توکل کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے عمل کو بروئے کار لائے اور سعی اور جدوجہد کرے۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۶ ص ۳۶۳-۳۶۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

آیا اسباب کو ترک کرنا توکل میں داخل ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار نفر بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگواتے ہوں گے نہ دم کرتے ہوں گے اور نہ بدفالی نکالتے ہوں گے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۲' صحیح مسلم' کتاب الایمان ۳۷۱' رقم بلا تکرار ۲۱۸' الرقم المسلسل ۵۱۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبداللہ المازری نے کہا اس حدیث سے استدلال کر کے بعض علماء نے کہا کہ دوا اور علاج کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء اس کے خلاف ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت احادیث میں دواؤں کے اور کھانے پینے کے فوائد بیان کیے ہیں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دواؤں سے علاج کیا ہے اور آپ کے دوا کرنے اور دم کرنے سے شفاء کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہ کثرت احادیث منقول ہیں اور احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض صحابہ نے بچھو کے کاٹے ہوئے پر دم کرنے کی اجرت لی' اور جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو پھر اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ حق توکل کے منافی وہ لوگ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبیعت سے نفع دیتی ہیں اور وہ شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض نہیں کرتے۔

قاضی عیاض نے کہا اکثر شارحین حدیث نے اس تاویل کو اختیار کیا ہے لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان لوگوں کی زائد فضیلت کا ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے' اور اگر یہ تاویل درست ہوتی تو پھر یہ لوگ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص نہ ہوتے کیونکہ تمام مومنوں کا یہی عقیدہ ہے اور جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے' اور علماء اور اصحاب المعانی نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے اور علامہ ابوسلیمان خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور اس کی تقدیر اور اس کی نازل کی ہوئی بیماری پر راضی رہتے ہوئے علاج اور دم کرانے اور دیگر اسباب کو ترک کر دیتے ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا یہ مؤمنین کاملین کے بلند درجات میں سے ہے اور بہت علماء کا یہ مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ اس حدیث کا ظاہر معنی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ داغ لگوانے' دم کرانے اور طب کی باقی انواع میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب حق توکل کے منافی ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہر معنی وہی ہے جس کو علامہ خطابی نے اختیار کیا ہے اور حق توکل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اسباب کو ترک کر دیں اور رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرنا تو وہ بیان جواز کے لیے ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو داغ لگوانے سے منع بھی فرمایا ہے۔ (پہلے زمانہ میں درد کی جگہ پر لوہے کو گرم کر کے داغ لگا دیتے تھے اور یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے)۔

توکل کی حقیقت میں متقدمین اور متاخرین علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ توکل کے اسم کا وہ ہر شخص مستحق ہے جس کے دل میں غیر اللہ کا خوف بالکل نہ ہو اس کو کسی درندہ کا خوف ہو نہ کسی دشمن کا حتیٰ کہ وہ اللہ کی ضمانت پر اعتماد کرتے ہوئے رزق کے طلب کرنے کو بھی چھوڑ دے۔

اور ایک جماعت نے کہا توکل کی تعریف یہ ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ اس کی تقدیر نافذ ہوگی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرنے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا خصوصاً کھانے پینے میں اور دشمنوں سے حفاظت کے معاملہ میں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت ہے۔

قاضی عیاض نے کہا اول الذکر بعض متصوفہ اور اصحاب علم القلوب والاشارات کا مذہب ہے اور ثانی الذکر عامۃ الفقہاء کا مذہب ہے' اور صوفیاء میں سے محققین نے توکل کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے لیکن جب انسان صرف اسباب پر قناعت کرے اور مطمئن ہو جائے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت کے مطابق اسباب کو اختیار کرے اور اس کا یہ یقین ہو کہ یہ اسباب کسی نفع کے حصول یا ضرر کو دفع کرنے میں مستقل اور موثر نہیں ہیں اور نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہی ظاہر ہوگا۔ یہ تمام کلام قاضی عیاض کا ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۶۰۴-۶۰۱' مطبوعہ دارالوفاء بیروت' ۱۴۱۰ھ' صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۱۰۰-۱۰۹۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

توکل کی تعریف میں صوفیا کے اقوال

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا متوکل کی تین علامتیں ہیں وہ خود سے سوال نہیں کرتا' کسی کی دی ہوئی چیز کو رد نہیں کرتا اور کسی کی دی ہوئی چیز کو جمع نہیں کرتا۔

بایزید سے پوچھا گیا کہ توکل کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے پوچھا تمہارے نزدیک توکل کی کیا تعریف ہے؟ سائل نے

کہا ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ اگر تمہارے دائیں اور بائیں درندے اور اژدھے ہوں تو تمہارے دل میں خوف نہ پیدا ہو' بایزید نے کہا ہاں یہ بھی درست ہے لیکن اگر اہل جنت کو جنت میں ثواب ہو رہا ہو اور اہل دوزخ کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہو اور تم ان میں تمیز کر رہے ہو تو تم متوکلین میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبداللہ نے کہا توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں کہ توکل کا محل قلب ہے اور اس کی ظاہری حرکت قلب کے توکل کے منافی نہ ہو' اور اس کے نزدیک تقدیر اللہ کی طرف سے ہو' اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر کوئی چیز آسان ہے تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور آپ سے پوچھا کہ اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں یا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴)

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دیہات میں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی' انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک اعرابی جا رہا تھا اس نے کہا اے ابراہیم! ہمارے نزدیک توکل یہ ہے کہ جب تم کسی شہر میں جاؤ تو شہر والوں سے تمہاری یہ امید نہ ہو کہ وہ تمہیں کھانا کھلائیں گے بلکہ اللہ پر توکل ہو۔ ابوتراب نخشبی نے کہا کہ توکل یہ ہے کہ تم اپنے بدن کو عبادت میں مشغول رکھو اور اپنے دل کو اللہ کی یاد میں مستغرق رکھو اور قدر ضروری پر مطمئن رہو۔ اگر تم کو کچھ دیا جائے تو شکر کرو اور نہ دیا جائے تو صبر کرو۔

حمدون قصار سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا اگر تمہارے پاس دس ہزار روپے ہوں اور تم پر ایک روپے کا قرض ہو تو تم موت سے بے خوف نہ ہو' ہو سکتا ہے کہ تم پر وہ قرض رہ جائے اور تمہارے اوپر دس ہزار روپے قرض ہو اور تمہارے پاس اس کی ادائیگی کے لیے رقم نہ ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو کہ وہ تمہارے قرض کی ادائیگی کی سبیل کر دے گا۔

استاذ ابوعلی دقاق یہ کہتے تھے کہ متوکل کے تین درجات ہیں: التوکل' پھر تسلیم' پھر تفویض' اللہ کے وعدہ پر مطمئن ہونا توکل ہے' اور اس کے علم پر قناعت کرنا تسلیم ہے اور اس کے حکم پر راضی رہنا تفویض ہے' توکل ابتداء ہے' تسلیم متوسط ہے اور تفویض انتہاء ہے' نیز استاذ ابوعلی دقاق کہتے تھے کہ توکل مومنین کی صفت ہے' تسلیم اولیاء کی صفت ہے اور تفویض موحدین کی صفت ہے' یا توکل عوام کی صفت ہے اور تسلیم خواص کی صفت ہے اور تفویض خواص الخواص کی صفت ہے' نیز وہ کہتے تھے کہ توکل عام انبیاء کی صفت ہے اور تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے اور تفویض ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

(الرسالۃ القشیریہ ص ۲۰۴-۲۰۰' ملخصاً و ملتقطاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کی عبادات کی تفتیش کرنا

اس کے بعد فرمایا: جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے ٥ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ٥ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸)

ان دو آیتوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر پہلے تہجد کی نماز واجب تھی پھر بعد میں قیام اللیل منسوخ ہو گیا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو تہجد کے لیے قیام فرماتے پھر اپنے اصحاب کے گھروں میں دیکھتے کہ آیا وہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد قیام اللیل کو ترک کر چکے ہیں یا نفلی طور پر پڑھ رہے

ہیں' کیونکہ آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کے اصحاب عبادت میں کوشش کرتے رہیں' پھر جب آپ ان کے گھروں میں دیکھتے تو ان کے قرآن پڑھنے کی آوازیں آ رہی ہوتی تھیں سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو اس وقت دیکھتے ہیں جب آپ آدھی رات کو خود نماز میں قیام کرتے ہیں اور ہم آپ کو اس وقت بھی دیکھتے ہیں جب آپ سجدہ کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کی تفتیش کے لیے گھومتے ہیں۔

تہجد کی نماز کی فضیلت اور اہمیت

اس سے تہجد کی نماز کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا رمضان کے مہینہ کے بعد اللہ کے مہینہ محرم کے روزے سب سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل تہجد کی نماز ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۳' ۱۶۱۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جب کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے' اور ہر گرہ میں یہ باندھتا ہے کہ تمہاری رات بہت لمبی ہے سو جاؤ' اگر وہ بیدار ہو اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وضو کرے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے' پھر وہ تر و تازگی اور پاکیزگی کے ساتھ صبح کرتا ہے ورنہ نحوست اور سستی کے ساتھ صبح کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۶)

عبد اللہ بن ابی قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رات کے قیام کو ترک نہ کرو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے قیام کو ترک نہیں کرتے تھے اور جب آپ بیمار ہوتے یا تھکے ہوئے ہوتے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب درد یا کسی اور وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز قضا ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم' صلوٰۃ المسافرین: ۱۴۰' الرقم المسلسل ۱۷۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۴۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان شخص اللہ تعالیٰ سے اس ساعت میں سوال کرے گا' خواہ وہ دنیا کی کسی خیر کا سوال کرے یا آخرت کی' تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا کر دے گا' اور یہ عطا پوری رات رہتی ہے۔

(صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین: ۱۶۶' رقم بلا تکرار: ۷۵۷' الرقم المسلسل: ۱۷۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں؟ صحیح مسلم کی دوسری روایت (رقم المسلسل: ۱۷۴۲) میں ہے وہ فجر روشن ہونے تک یونہی فرماتا رہتا ہے' ترمذی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴، ۴۷۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو بیدار ہو کر نماز پڑھے اور اپنی اہلیہ کو بیدار کرے کہ وہ نماز پڑھے' اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے' اور اپنے شوہر کو بیدار کرے تاکہ وہ نماز پڑھے اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۹، طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۸' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۹۹۸' امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابو مالک اشعری سے روایت کیا ہے المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۸۰' حافظ زین نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۹ ص ۲۶۷' دارالحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ' حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجیے کہ جب میں اسے کرلوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں' آپ نے فرمایا تم بلند آواز سے سلام کرو' کھانا کھلاؤ' رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز پڑھو' پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۶۰' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۹۹۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۳' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۳۴۹' دارالحدیث' قاہرہ ۱۴۱۶ھ' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' احمد عبدالرحمان البناء نے کہا اس حدیث کو امام ترمذی' امام ابن حبان اور امام حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے' بلوغ الامانی جز ۴ ص ۲۳۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ تہجد کی نماز کس وقت پڑھنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا بقیہ رات کے درمیان یا آدھی رات میں' اور اس کو پڑھنے والے کم ہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۴۷' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۱۰۰۰' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۱۶ ص ۲۱' دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' احمد عبدالرحمان نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے بلوغ الامانی جز ۴ ص ۲۳۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر مبارک سوج جاتے تھے' آپ سے کہا گیا (حضرت عائشہ کی روایت میں ہے یا رسول اللہ آپ اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرمادی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۶' ۴۸۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۰۰' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۱۱۴' دارالحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۳' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۷۵۹' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

انبیاء علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ اور بندہ کے شکر اور اللہ کے شکر کا معنی

احمد عبدالرحمان البنا' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث میں جو بعض انبیاء علیہم السلام کے بعض ذنوب کا ذکر وارد ہوا ہے' جیسے:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ (جنت کی رہائش سے) بے راہ ہو گئے۔

اور اس قسم کی دوسری آیات ہیں، سو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم قرآن اور سنت کے علاوہ ان کی طرف ذنوب کی نسبت کریں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان آیات کی تاویل ترک اولیٰ سے کریں، اور ان کے ان افعال کو ذنوب سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ترک اولیٰ بھی ذنب کے حکم میں ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہیں، اسی وجہ سے جب بعض صحابہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ عبادت کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی ہے جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے، نیز اس آیت میں بعد کے ذنوب کی بھی مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ بعد کے افعال کا تو ابھی آپ سے صدور بھی نہیں ہوا تھا اور جو کام ابھی ہوا ہی نہ ہو اس کو ذنب نہیں کہا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے مقصود ہے کہ آپ کو آخرت کے شدت خوف سے مامون رکھا جائے اور آپ کو تسلی دی جائے، کیونکہ آپ نے فرمایا مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰) سو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بہ فرض محال اگر آپ سے کوئی گناہ واقع بھی ہوتا تو وہ بخشا ہوا ہوتا اور آپ کے ذنب کو فرض کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقع بھی ہوا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کیا میں اپنی تہجد کی نماز کو ترک کر دوں، پھر میں زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہیں رہوں گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بہ طور شکر تہجد کی نماز پڑھنے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے تو میں تہجد کی نماز کو کیسے ترک کر سکتا ہوں! قاضی عیاض نے کہا شکر کا معنی ہے محسن کے احسان کو جاننا اور اس کو بیان کرنا اور نیک کام کو شکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ نیک کام احسان کرنے والے کی حمد و ثنا کو متضمن ہوتا ہے، اور بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرے، اس کی حمد و ثنا کرے اور اس کی عبادت دائماً کرے، اور اللہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی عبادات کی جزا دے اور ان کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے اور اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے جو شکور اور شاکر ہے اس کا یہی معنی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جو بہت شدید خوف ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علم ہوتا ہے اور ان کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استحقاق کے بغیر ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس لیے وہ اس کی عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں تاکہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کا شکر ادا کر سکیں، ورنہ اس کا کما حقہٗ شکر کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

(بلوغ الامانی (شرح مسند احمد بن حنبل) جز ۴ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کی تحقیق

جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت ہو تو بعض علماء نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے والد گرامی مولانا شاہ نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ سورۃ الفتح: ۲-۱ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلادے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تجھ کو خدا زبردست مدد۔ (انوار جمال مصطفیٰ ص ۷۱، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

اور زیر بحث حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں آپ نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے لوگوں نے کہا آپ تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اگلی پچھلی خطا معاف کی فرمایا افلا اکون عبدا شکوراً۔

(سرور القلوب بذکر المحبوب ص ۲۳۸ مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے۔ (ذیل المدعا لاحسن الوعاء (فضائل دعا) ص ۲۶ مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت معالم التنزیل کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:

ذنوب انبیاء علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقۃً گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام دور اور منزہ و مبرا ہیں۔

(تعلیقات رضا ص ۲۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۸ھ)

مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

(تفہیم البخاری ج ۱ ص ۴۸ الجدہ پرنٹرز)

ہمارے نزدیک ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے سہواً اور عمداً حقیقتاً اور صورۃً معصوم ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کے افعال پر جو ذنب کا اطلاق کیا گیا ہے وہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے اور حقیقت میں آپ کا ہر کام اولیٰ ہے ہمارے بعض اکابرین نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ان بزرگوں کا علمی تسامح ہے کیونکہ جب اردو خواں لوگ ذنب کا ترجمہ گناہ پڑھیں گے اور نبی کے افعال پر گناہ کا اطلاق دیکھیں گے تو ان کے ذہن مشوش ہوں گے وہ ذنب کی تاویلات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ یہاں آپ کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ نبی سے بھی گناہ صادر ہوجاتا ہے اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کے لیے بھی گناہ ثابت ہوجائیں تو انہیں نیکی پر کس طرح آمادہ کیا جاسکے گا اسی طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں یہ تراجم پہنچیں گے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) گنہگار ثابت کرنے کے لیے ان تراجم کو پیش کریں گے بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (الفتح: ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

کیا اس ترجمہ سے عام لوگوں کے ذہن مشوش نہیں ہوں گے اور ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا وہم پیدا نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے پر تو امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) اور اعین (آنکھیں) کے جو الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے اس میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہاتھ چہرہ اور آنکھیں ہیں لیکن وہ جسمانیت سے پاک ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے اس کی یہ صفات اس کی شان کے لائق ہیں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

اللہ کی کوئی ضد (ممانع اور مخالف) نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ند (مشابہ) ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی بلاکیف صفات ہیں اور یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول میں اس کی صفات کو باطل کرنا ہے اور یہ

قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے دو صفات بلا کیف ہیں۔ (الفقہ الاکبر مع شرحہ لعلی القاری ص ۳۷-۳۶' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ)

اور متاخرین نے ان صفات کی تاویلات کی ہیں:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

مخالفین اسلام نے قرآن اور حدیث کی ان نصوص سے استدلال کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جسمیت ثابت ہوتی ہے اور اس کی صورت اور اس کے اعضاء ثابت ہوتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہات پر دلائل قائم ہیں اس لیے ان نصوص کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ ہے کہ وہ زیادہ سلامتی والے طریقہ کو پسند کرتے ہیں یا ان نصوص کی تاویلات صحیحہ کی جائیں جیسا کہ متاخرین علماء کا مختار ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے' اور کمزور مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھا جاسکے۔ (شرح العقائد النسفی ص ۴۴ ملخصاً' مطبوعہ کراچی)

ان تاویلات کی مثال حسب ذیل ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ (البقرہ: ۱۱۵) تم جہاں کہیں بھی (قبلہ کی طرف) منہ کرو' تو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

یعنی وہیں اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے یا وہیں اللہ کی ذات ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت محمد ابن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے' کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم البر والصلۃ: ۱۱۵' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۶۱۲' الرقم المسلسل: ۶۵۳۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴' تاریخ دمشق الکبیر ج ۷ ص ۷۷' رقم الحدیث: ۱۹۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی ۸۷۰ھ نے لکھا ہے اس حدیث میں صورت سے مراد اس کی صفت ہے یعنی علم اور قدرت میں سے کسی صفت پر حضرت آدم کو پیدا کیا' اسی طرح قرآن مجید میں ید اللہ (الفتح: ۱۰) ہے اس سے مراد اللہ کی قدرت ہے۔

(حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد ص ۴۷' مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید میں جو ذنب کا لفظ ہے اس کا ترجمہ گناہ کرنے میں اور ید اللہ کا ترجمہ اللہ کا ہاتھ کرنے میں بہت فرق ہے کیونکہ تمام اھل اسلام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور جب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا تو عام مسلمانوں کے ذہن مشوش ہوں گے اس کے برخلاف جب ید اللہ کا ترجمہ اللہ کے ہاتھ کیا جائے گا تو اس سے کسی مسلمان کو تشویش نہیں ہوگی کیونکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کے ہاتھ کا معنی یہ ہے کہ اس کے شایان شان ہاتھ ہے جس کی مخلوق میں کوئی مثل نہیں ہے اور یہ معنی امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین کے نزدیک ہے اور متاخرین کے نزدیک اس کا معنی اللہ کی قدرت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت قیام اور ساجدین میں دیکھنے کے دیگر محامل

الَّذِیۡ یَرٰىکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ۙ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے ○ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ○

اس آیت کی تفسیر میں دیگر محامل یہ ہیں:

(۲) جب آپ مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے قیام' رکوع' سجود اور قعود میں تصرف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے ساتھ قیام کرتے ہوئے اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۱۴۰)

(۳) مقاتل وغیرہ نے کہا اللہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں اور جب آپ مسلمانوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اللہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کی نظر نمازیوں میں گردش کرتی ہے کیونکہ آپ پس پشت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۳۸۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۰۳۰' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سامنے متوجہ رہتا ہوں! پس اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور بے شک میں تم کو اپنے پس پشت بھی ضرور دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۲' مسند ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۳۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۷۵-۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) ضحاک نے کہا جب آپ اپنے بستر سے کھڑے ہوتے ہیں یا اپنی مجلس سے کھڑے ہوتے ہیں' تو وہ آپ کو دیکھتا ہے' قتادہ نے کہا جو آپ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے تمام حالات میں دیکھتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۲۸)

(۵) اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ دینی معاملات اور دینی مہمات کو سر کرنے کے لیے قیام کرتے ہیں یا سجدہ کرنے والوں میں تصرف کرتے ہیں۔

(۶) ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور جس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کار نبوت کو سرانجام دینے میں قیام کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو تبلیغی امور میں قیام کرتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے۔ (جامع البیان' رقم الحدیث: ۲۰۳۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں احادیث

اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا تھا اور اس تفسیر میں اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے اس تفسیر کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے تمام آباء

کرام انبیاء تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباء کرام میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۰۲۹ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کو امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بھی روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ارقم الحدیث: ۱۷، الطبقات الکبریٰ ج اص ۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وتقلبک فی الساجدین کی تفسیر میں فرماتے ہیں آپ نے فرمایا میں ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ میں نبی ہوگیا۔ (یعنی آپ کے آباء کرام میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۲۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۴۲، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۱۲۴۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان کی سندوں کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں، سوائے شعیب بن بشر کے اور وہ بھی ثقہ ہے، تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ص ۲۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں، میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۶۰، ۸۸۴۳، دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد ج ۲ص ۴۱۷، طبع قدیم مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج اص ۱۷۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۰۵)

قرن کا معنی ہے کسی ایک زمانے کے تمام لوگوں کا ایک طبقہ، بعض علماء نے اس زمانے کی تحدید سو سال کے ساتھ کی ہے، بعض نے ستر سال کے ساتھ کی ہے اور صحیح یہ ہے کہ جب کسی ایک زمانہ کے تمام لوگ ہلاک ہوجائیں اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے تو وہ زمانہ ایک قرن ہے۔ (التوشیح ج ۳ص ۳۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کو چن لیا، اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵، الطبقات الکبریٰ ج اص ۱۸، مسند احمد ج ۴ص ۱۰۷، البدایہ والنہایہ ج ۲ص ۲۰۱، ۱۴۱۸ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے دو حصے کیے اور مجھے ان میں سے سب سے اچھے حصے میں رکھا۔ پھر اس نصف کے تین حصے کیے اور مجھے اس تیسرے حصہ میں رکھا جو سب سے خیر، اچھا اور سب افضل تھا، پھر لوگوں میں سے عرب کو چن لیا، پھر عرب میں سے قریش کو چن لیا، پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا، پھر بنو ہاشم میں سے حضرت عبد المطلب کو چن لیا، پھر حضرت عبد المطلب کی اولاد میں سے مجھ کو چن لیا، (اس حدیث میں خیر کا لفظ ہے اور مومن اور کافر میں مومن خیر ہے سو آپ کے تمام آباء مومن ہیں)

(الطبقات الکبریٰ ج اص ۱۸، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۳۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۲۲)

یہ حدیث آپ کے تمام آباء کے ایمان پر عمومی اور حضرت عبد المطلب کے ایمان پر خصوصی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ پر میرے باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا: میں حضرت آدم کی پشت میں تھا، اور جب

مجھے کشتی میں سوار کرایا گیا تو میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں تھا۔ اور جب مجھے (آگ میں) پھینکا گیا تو میں حضرت ابراہیم کی پشت میں تھا' میرے والدین کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے' اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ معزز پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا' میری صفت مھدی ہے' اور جب بھی دو شاخیں ملیں میں سب سے خیر (اچھی) شاخوں میں تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق اور اسلام کا عہد لیا' اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر پھیلایا اور ہر نبی نے میری صفت بیان کی اور زمین میرے نور سے چمک اٹھی اور بادل میرے چہرے سے برستا ہے اور مجھے اپنی کتاب کا علم دیا اور آسمانوں میں میرے شرف کو زیادہ کیا اور اپنے ناموں میں سے میرا نام بنایا پس عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں' الحدیث۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ عزوجل کے سامنے ایک نور تھے' یہ نور تسبیح کرتا تھا' اور فرشتے اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے' جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھ دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ نے حضرت آدم کی پشت میں اس نور کو زمین کی طرف اتارا' پھر کشتی میں یہ نور حضرت نوح کی پشت میں رکھ دیا گیا اور حضرت ابراہیم کی پشت میں یہ نور آگ میں ڈالا گیا' اور اللہ مجھے ہمیشہ مکرم پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا' حتیٰ کہ مجھے میرے ان والدین سے نکالا جو کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں اور بدکاری سے نہیں پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم سے لے کر حتیٰ کہ میں اپنی والدہ سے پیدا ہوا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کسی چیز نے نہیں چھوا۔ (المطالب العالیہ ج ۴ ص ۱۷۷' رقم الحدیث: ۴۲۵۷' ۴۲۵۶' مکہ مکرمہ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے اس وقت آپ کہاں تھے؟ آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں' پھر آپ نے فرمایا: میں ان کی پشت میں تھا' ان کو زمین پر اتارا گیا اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا' میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا' اور اپنے باپ ابراہیم کی پشت میں مجھے آگ میں ڈالا گیا' اور میرے ماں باپ کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری میں جمع نہیں ہوئے' اور اللہ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا' جب کہ وہ صاف اور مہذب تھے' جب بھی دو شاخیں باہم ملیں تو میں ان سے بہتر شاخوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق لیا اور مجھ کو اسلام کی ہدایت دی' اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر بیان کیا۔ اور میری تمام صفات کو مشرق اور مغرب میں بیان کر دیا' اور مجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا' اور اپنے اسماء میں میرا ذکر بلند کیا' اور اپنے اسماء میں سے میرا اسم بنایا' سو عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں' اور مجھے حوض کے نزدیک کیا اور مجھے کوثر عطا کیا' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اپنی امت کے سب سے بہتر قرن میں نکالا' اور میری امت بہت حمد کرنے والی ہے اور نیکی کا حکم دینے والی ہے اور برائی سے روکنے والی ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۹۹ - ۲۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے' پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے' پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے' آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کردیا' وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۰' ص ۲۸۳' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوعمران احمد بن ابی الحسن نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے' جس میں چند مجہول راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان کو زندہ کردیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کردی۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اھل ہیں کہ وہ آپ کو جس وصف سے چاہے اپنے فضل سے خاص کرے اور اپنے کرم سے آپ کو جس نعمت سے چاہے نواز دے۔ صلوٰات اللہ علیہ وآلہ وسلم (الروض الانف ج ۱ ص ۲۹۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

والدین کریمین کے ایمان پر امام فخر الدین رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہ تھے' اس کے متعدد دلائل ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۙ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی' سو اسی تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے' اور اس وقت یہ قطعی طور پر ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وتقلبک فی السجدین کی اور بھی تفسیریں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے اصحاب کے گھروں میں تفتیش کرتے تھے کہ وہ اپنے گھروں میں کیا کررہے ہیں کیونکہ آپ کو اس پر شدید حرص تھی کہ وہ اس کے بعد بھی رات کو عبادت کرتے رہیں آپ نے دیکھا کہ ان کے گھروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ اس اعتبار سے وتقلبک فی الساجدین کا معنی ہے کہ اللہ آپ کے قیام کو دیکھتا ہے اور ساجدین میں آپ کے طواف کرنے اور گھومنے کو دیکھتا ہے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آپ کا حال مخفی نہیں ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور ساجدین کے دینی مسائل اور معاملات میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کا چوتھا معنی ہے جب آپ اپنی نظر کو حرکت دے کر اپنے پیچھے سے نمازیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے اپنا اپنا رکوع اور سجود پورا پورا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

پس ہر چند کہ اس آیت میں ان چاروں تفسیروں کا بھی احتمال ہے' مگر ہم نے جس تفسیر کا ذکر کیا ہے اس کا بھی اس تفسیر میں احتمال ہے اور ہر تفسیر کے متعلق احادیث وارد ہیں اور ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے' پس اس آیت کو ان تمام تفسیروں پر محمول کرنا واجب ہے' اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہ تھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مشرک نہ تھے اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما المشرکون نجس (التوبۃ: ۲۸) مشرکین نجس کے سوا اور کچھ نہیں' یعنی پاک بالکل نہیں پس اس سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔ (اسرار التنزیل وانوار التاویل ص ۲۶۸-۲۶۷' مطبوعہ دار الکتب والوثائق بغداد عراق' ۱۹۹۰ء)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل

حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے' پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے' پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے' آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۰' ص ۲۸۴' مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر احمد بن علی الخطیب نے کتاب ''السابق واللاحق'' میں اور ابو حفص عمر بن شاہین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا حج ہمارے ساتھ کیا۔ آپ میرے ساتھ الحجون گھاٹی میں گذرے' اس وقت آپ رو رہے تھے اور غمگین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی' آپ وہاں اترے اور فرمایا: اے حمیرا ٹھہر جاؤ' میں اونٹ کی ایک جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گئی' آپ کافی دیر وہاں ٹھہرے رہے' پھر خوشی خوشی مسکراتے ہوئے واپس آئے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں! آپ یہاں پر غم اور افسردگی کی کیفیت میں اترے تھے' حتیٰ کہ یا رسول اللہ! آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی' پھر آپ اس حال میں میرے پاس واپس آئے کہ آپ خوشی خوشی مسکرا رہے تھے۔ یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں اپنی ماں آمنہ کی قبر کے پاس سے گذرا میں نے اپنے رب اللہ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ کر دے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا' تو وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کی موت کو پھر لوٹا دیا۔ یہ خطیب کی عبارت ہے اور علامہ سہیلی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور والدہ دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے۔ اس حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا' علامہ قرطبی فرماتے ہیں الحمد للہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' کیونکہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کرنے سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے' کیونکہ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ والدہ کو زندہ کرنے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے' اس طرح امام ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں اس کو ناسخ قرار دیا ہے (رقم الحدیث: ۶۳۰) اور استغفار کی اجازت نہ دینے کو منسوخ قرار دیا ہے' (رقم الحدیث: ۶۳۶' ص ۲۸۳) اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا دوزخ میں! جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۸)

بہ ظاہر یہ حدیث والدین کو زندہ کرنے کی حدیث کے معارض ہے لیکن اس حدیث میں میرے باپ سے مراد میرا چچا ہے یعنی ابو طالب پھر کوئی اعتراض نہیں ہے' ایک اور اعتراض یہ ہے کہ والدین کو زندہ کرنے کے بیان والی حدیث موضوع ہے' قرآن مجید اور اجماع کے مخالف ہے' کیونکہ جو کفر پر مرا' اس کی حیات لوٹانے کے بعد اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی نفع نہیں ہوگا' بلکہ اگر وہ موت کے فرشتوں کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے تو اس کو ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا چہ جائیکہ زندہ کیے جانے کے بعد اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی فائدہ ہوا!

قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (النساء: ۱۸)

اور ان لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کر لی' اور نہ ان لوگوں کی توبہ (مقبول) ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

اور کتب تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ نے کیا کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ (البقرہ: ۱۱۹)

اور آپ سے دوزخیوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

یہ روایت محمد بن کعب قرظی اور ابو عاصم سے منقول ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۹' ۱۵۵۸)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حافظ ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے کہا ہے کہ یہ استدلال مخدوش ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خصائص آپ کے وصال تک متواتر اور مسلسل ثابت ہوتے رہے ہیں لہٰذا آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا بھی آپ کے ان خصائص میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف کیا ہے۔

نیز آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا عقلاً اور شرعاً ممتنع نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے' اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا اور جب یہ امور ثابت ہیں تو آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے اور پھر ان کے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟ جب کہ اس میں آپ کی زیادہ کرامت اور فضیلت ہے اور جب کہ اس مسئلہ میں حدیث بھی وارد ہے۔

اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ جو شخص کفر پر مرجائے اس کی توبہ مفید نہیں ہوتی تو اس کا یہ اعتراض اس حدیث سے مردود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا تھا' امام طحاوی نے کہا یہ حدیث ثابت ہے پس

اگر سورج کا لوٹایا جانا مفید نہ ہوتا تو اس کو نہ لوٹایا جاتا' پس اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان کے ایمان لانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کے لیے مفید تھا اور بے شک ظاہر قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اور ان کے اسلام کو قبول کر لیا تھا حالانکہ وہ عذاب کی علامات نمودار ہونے کے بعد ایمان لائے تھے اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی تھی' اور سورۃ البقرہ: ۱۱۹ کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیب کو زیادہ جاننے والا ہے۔

(التذکرۃ ج ۱ ص ۳۷-۳۵' موضحاً' مطبوعہ دار البخاری' ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی کے دلائل بہت قوی ہیں البتہ انہوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے ہاتھ پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا سو یہ ثابت نہیں ہے۔

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ سہیلی کے دلائل

علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں'' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳) اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ کو ایذاء پہنچائیں کیونکہ آپ نے فرمایا ہے مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ وہ حدیث یہ ہے:

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر کہنے لگے: یہ ابو جہل کا بیٹا ہے' یہ ابو جہل کا بیٹا ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔

(تاریخ دمشق الکبیر جز ۴۳ ص ۱۹۵-۱۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۴۱۷)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ (الاحزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں' ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور حضرت عکرمہ کے والد کو کافر کہنا حضرت عکرمہ کے لیے باعث اذیت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنا آپ کے لیے کس قدر باعث ایذاء ہوگا! اس کے بعد علامہ سہیلی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کے متعلق دو حدیثیں لکھی ہیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کرے۔

(الروض الانف ج ۱ ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ ابی مالکی کے دلائل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں' جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دلجوئی کی وجہ سے فرمایا تھا تاکہ اس شخص کو تسلی ہو' (اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں باپ کا اطلاق چچا پر ہو اور اس سے مراد ابو

طالب ہوں) اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ سہیلی کا پورا کلام ذکر کیا ہے جس کو ہم نقل کر چکے ہیں اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ نووی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے والدین اہل فترت میں سے تھے اور اہل فترت پر عذاب نہیں ہوتا' کیونکہ اہل فترت ان دو رسولوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں جن کی طرف پہلے رسول کو بھیجا نہ گیا ہو اور دوسرے رسول کو انہوں نے پایا نہ ہو' جیسے وہ عرب جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث نہیں کیے گئے اور نہ انہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہو' اور اس تعریف کے اعتبار سے فترت ہر ان لوگوں کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہوں' جیسے حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کے لوگ' اور حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے درمیان کے لوگ' اور ان کے درمیان آٹھ سو سال ہیں' اور حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور ان کے درمیان چھ سو تیس سال ہیں' لیکن فقہاء جب فترت میں کلام کرتے ہیں تو اس سے مراد ان لوگوں کو لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے لوگ ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۶۱۷ - ۶۱۶ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی مالکی کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نہ بھی تسلیم کیا جائے' پھر بھی آپ اہل فترت میں سے ہیں اور العیاذ باللہ اہل دوزخ میں سے نہیں ہیں۔

نیز علامہ ابی نے لکھا ہے کہ اہل فترت کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دین میں تبدیلی کی اور اپنی طرف سے چیزوں کو حلال اور حرام کیا ان دونوں قسم کے اہل فترت کو عذاب ہوگا اور تیسری قسم کے اہل فترت وہ ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا نہ کسی نبی کی شریعت میں تغیر اور تبدل کیا اور نہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کیا اور نہ کسی دین کو اختراع کیا' وہ ساری عمر غفلت اور جاہلیت میں رہے' ان کو بالکل عذاب نہیں ہوگا' اور آپ کے والدین کریمین اہل فترت کی اسی تیسری قسم میں سے تھے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۶۲۱ - ۶۲۰ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں حافظ سیوطی کے رسائل

متقدمین کی کتب حدیث میں' احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۳ھ کی مسند احمد بن حنبل ہے اس میں ۲۸۱۹۹' کل مرفوعہ وموقوفہ احادیث ہیں (مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ) اور متاخرین کی کتب حدیث میں احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی جمع الجوامع ہے اس میں ۲۹۰۲۵ احادیث مرفوعہ ہیں' ۱۵۳۰۳ آثار صحابہ ہیں' ۱۲۵۷ احادیث موضوعہ وضعیفہ ہیں اور اس میں درج شدہ کل احادیث کی تعداد ۴۵۵۸۵ ہے (مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ) اور مطبوعہ کتب حدیث میں یہ احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے' اور حدیث کی سب سے زیادہ خدمت بھی حافظ سیوطی نے کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا رنگ بھی سب سے زیادہ ان کی تصانیف میں جھلکتا ہے' اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر انعام بھی بہت زیادہ ہے' علامہ عبدالوہاب الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے لکھا ہے کہ حافظ سیوطی کو بیداری میں پچھتر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔

(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵ - ۵۴ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے' ان کے ایمان لانے اور ان کے غیر معذب اور جنتی ہونے کے متعلق حافظ سیوطی کے حسب ذیل رسائل ہیں:

(۱) المقامة السندسيه فى النسبة المصطفويه، مطبوعہ مجلس دائرہ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ
(۲) تنزيه الانبياء عن تشبيه الاغبياء، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ
(۳) السبيل الجلية فى الآباء العلية، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ
(۴) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ
(۵) نشر العلمين المنيفين فى احياء الابوين الشريفين، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ
(۶) الدرج المنيفه فى الآباء الشريفه، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ
(۷) التعظيم والمنة فى ان ابوى رسول الله فى الجنة، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۶ھ

المقامة السندسية فى النسبة المصطفوية کا خلاصہ

(آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا)

یہ اس موضوع پر حافظ سیوطی کا پہلا رسالہ ہے اور اس کے بیس صفحات ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لیے آپ کے نسب کو طاہر رکھا ہے، اور آپ کے آباء کو ہر قسم کے میل کی آلودگی سے محفوظ رکھا ہے اور آپ کے آباء واجداد میں سے ہر اب اور جد کو ان کے زمانہ کا سب سے بہتر فرد بنایا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: میں ہر زمانہ میں بنو آدم کے سب سے افضل لوگوں سے بھیجا گیا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ میں، میں ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہ اعتبار نسب کے تم سب سے افضل ہوں اور بہ اعتبار سسرال اور خاندانی شرافت اور محاسن کے بھی تم سب سے افضل ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا، جب بھی دو شاخیں آپس میں ملیں تو میں سب سے بہتر شاخ میں ہوتا تھا تو میں خود بھی تم سے افضل ہوں اور میرے باپ بھی تم سے افضل ہیں۔

تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس نبی کو بھی جو معجزہ دیا گیا یا جو خصوصیت دی گئی اس کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ قبر کے مردوں کو زندہ کرتے تھے، پس ضروری ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس کی مثل ہو، ہر چند کہ بکری کے گوشت نے آپ سے کلام کر کے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے، اور کھجور کے تنے نے بھی آپ سے کلام کیا اور یہ بھی مردوں کو زندہ کرنے کی مثالیں ہیں، لیکن اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے والدین کو زندہ کیا، اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

آپ کے والدین کا اھل فترت سے ہونا اور غیر معذب ہونا

اور آپ کے والدین اھل فترت میں سے ہیں اور اھل فترت کے متعلق صحیح اور حسن احادیث وارد ہیں اور ان کے غیر معذب ہونے کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یقیناً یہ کہہ دیتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری

علامہ سہیلی کی عبارت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوزخی کہنا آپ کے لیے باعث ایذاء ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا کفر ہے' علامہ سہیلی کی پوری عبارت اور اس حدیث کی توجیہ ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

السبیل الجلیۃ فی الآباء العلیہ کا خلاصہ

یہ اس موضوع پر تیسرا رسالہ ہے' رسالہ ۷ اصفحات مشتمل ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کے سلسلہ میں دلائل کے چار سُبُل (طریقے) بیان کیے ہیں:

آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی سو وہ غیر معذب ہیں

پہلی سبیل (پہلا طریقہ) یہ ہے کہ آپ کے والدین کو زمانہ جاہلیت میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور امام غزالی نے مستصفیٰ میں' اور امام رازی نے محصول میں اور قاضی ابو بکر الباقلانی نے تقریب میں اور متعدد ائمہ اصول نے اپنی کتابوں میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ مکلف نہیں ہے اور یہ اصول اس آیت سے مستنبط ہے:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ○ (الانعام: ۱۳۱) یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس بستی والے غافل ہوں۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص نجات یافتہ ہے' اور چونکہ آپ کے والدین بھی اسلام کی دعوت سے غافل تھے سو وہ نجات یافتہ ہیں۔

آپ کے والدین اصحابِ فترت سے ہیں اس لیے وہ نجات یافتہ ہیں

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین اصحاب فترت میں سے ہیں اور اصحاب فترت کے متعلق متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور جو امتحان میں کامیاب ہوگا اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے تین مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اھل فترت کو اور کم عقل کو اور بہرے اور گونگے اور بوڑھوں کو جمع فرمائے گا' جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ' وہ کہیں گے کیوں؟ ہمارے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا! آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی' پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا' پھر جس کے متعلق اللہ چاہے گا وہ اس رسول کی اطاعت کرے گا' پھر حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۵) ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں' جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۷۲۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۲۱۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ص ۲۰۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس آیت سے یہ سمجھا تھا کہ اس آیت میں رسول سے مراد عام ہے' خواہ وہ رسول دنیا میں بھیجا جائے یا قیامت کے دن' جب اھل فترت سے کہے گا دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

حافظ ابن حجر نے کہا آپ کے والدین کے متعلق گمان یہ ہے کہ وہ سب زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے اور قیامت کے دن جب ان سے بہ طور امتحان کہا جائے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ تو وہ اس امتحان میں کامیاب ہوں گے اور قیامت کے

دن رسول کی اطاعت کر کے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی' اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو یہ توفیق دے گا کہ وہ قیامت کے دن رسول کی اطاعت کریں گے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابوسعد نے ''شرف نبوت'' میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا' اور امام ابن جریر نے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں سے یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کیا جائے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳) اور ان میں سے بعض احادیث بعض کو مضبوط کرتی ہیں کیونکہ حدیث ضعیف جب متعدد اسانید سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے' حافظ سیوطی کا منشاء یہ ہے کہ ان احادیث کی بناء پر والدین کریمین بغیر امتحان کے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ بھی آپ کے اہل بیت سے ہیں اور اصحاب فترت کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دوزخ سے نجات ہوگی۔

آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا اور اس کے مخالف احادیث کی تاویل

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور اس طریقہ کی طرف اکثر ائمہ دین اور حفاظ حدیث نے میلان کیا ہے۔ اس حدیث کا علامہ السہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے' ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں ضعیف ہے' اور بہت ائمہ اور حفاظ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف کی وہ قسم ہے جس کا فضائل اور مناقب میں ذکر کرنا جائز ہے' ان حفاظ میں سے حافظ ابوبکر خطیب بغدادی ہیں' ابوالقاسم بن عساکر' حافظ ابن شاہین' حافظ سہیلی' امام قرطبی' محب الدین طبری' علامہ ناصر الدین اور فتح الدین وغیرہ ہیں۔

اور جب ان طریقوں سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے والدین نجات یافتہ اور جنتی ہیں تو جو احادیث ان کے خلاف ہیں وہ ان سے پہلے کی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(بنو اسرائیل: ۱۵)

تو اب اس آیت پر عقیدہ ہوگا نہ کہ پہلی احادیث پر تو جن احادیث سے والدین کریمین کا جنتی ہونا ثابت ہے ان پر عقیدہ ہوگا نہ کہ ان کی مخالف احادیث پر۔

آپ کے والدین ملت ابراہیم پر تھے

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ: آپ کے والدین کریمین ملت ابراہیم پر تھے' جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں تھے اور ان کی مثل دوسرے' ابن الجوزی نے ''التلقیح'' میں اس عنوان کا ایک باب قائم کیا ہے ''وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے کنارہ کش رہے تھے'' ان میں ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں زید مذکور بھی ہیں اور قس بن ساعدہ ہیں اور ورقہ بن نوفل ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہم ہیں' سو آپ کے والدین بھی اسی جماعت میں سے ہیں' اس طریقہ کی طرف امام فخر الدین رازی نے میلان کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء توحید پر قائم ہیں' اور اپنی تفسیر صغیر اسرار التنزیل میں اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) میں انہوں نے

اس کو بیان کیا ہے (ہم اس کو باحوالہ بیان کر چکے ہیں' سعیدی غفرلہ)

امام رازی کے موقف پر مجھے عام دلائل بھی حاصل ہوئے اور خاص دلائل بھی' عام دلائل دو مقدموں سے مرکب ہیں اول مقدمہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کے اجداد میں سے ہر جد اپنے زمانہ میں سب سے خیر اور افضل تھے' کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ میں قرناً فقرناً بنو آدم کے خیر قرون (ہر زمانہ کے سب سے بہترین لوگوں) سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ کے لوگوں میں' میں ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ روئے زمین کبھی سات یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں رہی۔ ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۱۶۲ جدید' ج ۵ ص ۹۶ قدیم) اور مومن اور مشرک میں مومن خیر ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ کے بہترین لوگوں سے ہیں اور اس زمانہ میں مومن بھی ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کے والدین مومن ہوں۔

اور دلیل خاص یہ ہے کہ امام محمد بن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء مومن تھے۔

مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ (مسلک اوّل آپ کے والدین کا اصحاب فترت سے ہونا)

اس موضوع پر یہ چوتھا رسالہ ہے اور یہ سب سے ضخیم رسالہ ہے' اس کے چھپن (۵۶) صفحات ہیں۔

مسلک اول یہ ہے کہ آپ کے والدین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور جو لوگ بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ نجات یافتہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنو اسرائیل: ۱۵) اس پر مفصل دلائل گذر چکے ہیں' اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس مسلک کے اعتبار سے آپ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔ حافظ سیوطی نے ۱۵ صفحات تک اس مسلک پر دلائل پیش کیے ہیں۔

مسلک ثانی آپ کے والدین کا دین ابراہیم پر ہونا

آپ کے والدین سے شرک بالکل ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسا کہ عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرھم تھے اس کی تفصیل امام رازی نے اسرار التنزیل میں الشعراء: ۱۹-۱۸ میں کی ہے۔

آپ کے تمام آباء کے مومن ہونے کے متعلق احادیث

احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک آپ کے تمام آباء مومن تھے اور اس پر یہ دلیل ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر زمانہ میں اولادِ آدم کے بہترین لوگوں میں مبعوث کیا گیا ہوں حتیٰ کہ اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے جس میں' میں ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷)

اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی لوگوں میں دو فرقے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر فرقہ میں رکھا' پس مجھے اپنے والدین سے اس حال میں نکالا گیا کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی کوئی چیز نہیں پہنچی تھی اور میں نکاح سے نکالا گیا ہوں' اور حضرت آدم سے لے کر میرے ماں باپ تک میں زنا سے نہیں نکالا گیا پس میں خود اور میرے آباء واجداد تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۴' حافظ ابن کثیر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کے بہت شواہد ہیں پھر حافظ ابن کثیر نے ان شواہد کا

ذکر کیا البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۸' دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۲۹ رقم الحدیث: ۵۵۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ماں باپ کبھی زنا پر جمع نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا جو صاف اور مہذب تھے اور جب بھی دو شاخیں ملیں' میں ان میں سے افضل اور بہتر شاخوں میں تھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۵۷' رقم الحدیث: ۱۵' الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۹۳)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو اختیار کیا اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵)

امام المحب الطبری نے ذخائر العقبیٰ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب میں بہترین مضر ہیں' اور مضر میں بہترین بنو عبد مناف ہیں اور بنو عبد مناف میں بہترین بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں بہترین بنو عبد المطلب ہیں اور اللہ کی قسم اللہ نے تخلیق آدم سے لے کر جب بھی دو گروہ پیدا کیے تو مجھے ان میں سب سے بہتر میں رکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو فضیلت دی اور ان میں جس مخلوق کو چاہا رکھا' اور سات زمینوں کو پیدا کیا اور ان میں اوپر والی زمین کو فضیلت دی اور اس میں جس مخلوق کو چاہا رکھا' مخلوق کو پیدا کیا تو اس میں بنو آدم کو سب مخلوق پر فضیلت دی اور بنو آدم میں سے عرب کو چن لیا' اور عرب میں سے مضر کو چن لیا۔ اور مضر میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے چن لیا' پس میں بہترین لوگوں میں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں سو جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۵۹-۵۸' رقم الحدیث: ۱۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶۵' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۱۵' المستدرک ج ۴ ص ۷۳' قدیم' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۲-۱۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱۱' دار الفکر ۱۴۱۸ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے' مجھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پس میرا اپنے ماں باپ سے ظہور ہوا تو مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کسی چیز نے نہیں چھوا تھا اور میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا اور میں بدکاری کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا' حتیٰ کہ حضرت آدم سے لے کر میں اپنے ماں باپ تک پہنچا پس میں بھی تم سے خیر اور بہتر ہوں اور میرے باپ بھی تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۵-۱۷۴' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۰۸' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۳۰-۲۹' رقم الحدیث: ۵۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو کھنگالا تو میں نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

تیسری آیت یہ ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ٭ (ابراہیم: ۴۰) اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی۔

امام ابن المنذر نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر تھے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

حضرت عبدالمطلب کے ایمان کی بحث

سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، آپ نے دیکھا وہاں ابو جہل بن ھشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے کہا اے میرے چچا! آپ لا الہ الا اللہ پڑھیے یہ وہ کلمہ ہے جس کی وجہ سے میں اللہ کے پاس آپ کے حق میں شہادت دوں گا، تو ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس کے سامنے یہ کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، حتیٰ کہ ابو طالب نے آخر میں ان سے کہا وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور اس نے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک اللہ مجھے تمہارے لیے استغفار سے منع نہ کر دے پھر سورۃ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (التوبۃ: ۱۱۳)

نبی اور مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، اس کے بعد جب ان پر ان کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جائے۔

یہ حدیث حضرت عبدالمطلب کے مومن ہونے کے منافی ہے، کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ ابو طالب نے وفات کے وقت کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

حافظ سیوطی نے اس کے معارضہ میں یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر آباء پر فخر کرنے سے منع فرمایا ہے اس کے باوجود آپ نے عبدالمطلب کے بیٹے ہونے پر فخر فرمایا ہے، اس سے واضح ہوا کہ عبدالمطلب کافر نہیں تھے، مومن تھے۔
(محصلہ مسالک الحنفاء ص ۳۳)

کافر آباء پر فخر کرنے سے ممانعت کی احادیث یہ ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں نے اپنے نسب کا ذکر کیا، ان میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان تھا، پس کافر نے اپنے نو آباء واجداد کا ذکر کیا، اور مسلمان نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں، اور ان کے ماسوا (کافر باپ دادا) سے بری ہوں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور ان دونوں کو آواز دے کر فرمایا: اے اپنے باپ دادا کی طرف نسبت کرنے والو! تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہے، پھر فرمایا: اے کافر! تو نے اپنے نو کافر باپ دادا کی طرف نسبت کا ذکر کیا اور تو ان میں کا دسواں دوزخ میں ہے، اور تو اے مسلم! تو نے صرف اپنے دو مسلم آباء پر اقتصار کیا اور ان کے ماسوا سے براءت کا اظہار کیا سو تو اھل اسلام سے ہے اور ان کے ماسوا سے بری ہے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۸، رقم الحدیث: ۵۱۳۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ان باپ دادا پر فخر نہ کرو جو زمانہ جاہلیت میں مرچکے ہیں کیونکہ اگر اس کی ناک میں سیاہ کیڑا رینگتا رہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے ان باپ دادا پر فخر کرے جو زمانہ جاہلیت میں مرچکے ہیں۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۵۱۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے عیوب کو اور (جاہلیت کے) باپ دادا پر فخر کرنے کی خصلت کو دور کردیا ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے، مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے لوگ ان پر فخر کرنے سے باز آجائیں، وہ جہنم کے کوئلوں میں سے کوئلہ ہیں، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیاہ کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۵۱۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالمطلب کے نسب پر فخر کیا اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا: کیا تم غزوہ حنین کے دن بھاگ گئے تھے، انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، لیکن آپ کے اصحاب سے کچھ نوجوان نکلے، جو بے سروسامان تھے ان کے پاس کسی قسم کا سامان نہیں تھا وہ البتہ میدان چھوڑ گئے تھے، ان کا ہوازن اور بنونصر کے بہترین تیراندازوں سے مقابلہ ہوا وہ اس قدر ماہر تیرانداز تھے کہ ان کا کوئی تیر بہ مشکل خطا ہوتا تھا، اس وقت مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے آپ سفید خچر پر سوار تھے، اور آپ کے عم زاد حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اس خچر کو ہنکا رہے تھے آپ نے سواری سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی پھر یہ شعر پڑھا:

انا النبی لا کذب — میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے

انا ابن عبدالمطلب — میں (حضرت) عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۰۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۴، سنن للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۵، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۰۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۸۹۵، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۲۷)

جس حدیث سے مخالفین نے استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح بخاری کی روایت ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری کی روایت ہے، لیکن یہ حدیث اس پر راجح ہے اولاً اس لیے کہ وہ سعید بن مسیب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور سعید بن مسیب تابعی ہیں اس لیے وہ حدیث مرسل ہے، اور یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور وہ صحابی ہیں، سو یہ حدیث متصل ہے، ثانیاً اس حدیث میں ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ اور ابوطالب کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے اور وہ کفار تھے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال ہے، ثالثاً اس حدیث میں یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ ابوجہل وغیرہ کے نزدیک عبدالمطلب کا دین توحید کے خلاف تھا لیکن نفس الامر اور واقع میں ان کا دین توحید کے خلاف نہیں تھا اور اس تاویل پر قرینہ وہ دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء مومن ہیں۔ یہ جوابات اس ناکارہ کے ذہن میں آئے ورنہ حافظ سیوطی نے فرمایا: ملت عبدالمطلب سے استدلال کر کے ابوجہل کا ابوطالب کو ایمان سے منع کرنا ایک قوی مصادم ہے اور اس حدیث کی کوئی قریب تاویل نہیں ہے۔ سو عبدالمطلب کے ایمان میں توقف کرنا چاہیے۔ (مسالک الحنفاء ص ۳۴)

نیز ایک حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے تلووں کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھے جائیں گے جن سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ والوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے والدین دوزخ میں نہیں ہیں' کیونکہ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کا عذاب ابو طالب سے بھی کم ہوتا کیونکہ ابو طالب کی بہ نسبت ان کا نسب آپ سے زیادہ قریب ہے' اور ان کا عذر بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ایمان پیش کیا اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پیش کرنے پر انکار کیا' اس کے برخلاف ابو طالب نے آپ کی بعثت کا زمانہ پایا۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے انکار کیا' اس کے باوجود ان کو سب سے کم عذاب ہوگا تو پھر والدین کریمین کو تو بالکل عذاب نہیں ہوگا۔ (مسالک الحنفاء ص ۴۸-۴۷)

نیز والدین کریمین کے ایمان کے سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پاتا اور میں عشاء کی نماز میں ہوتا اور اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جا چکی ہوتی اور ان میں سے کوئی ایک مجھے یا محمد کہہ کر پکارتا تو میں لبیک کہہ کر ان کی پکار کا جواب دیتا۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۱۹۵ رقم الحدیث: ۷۸۸۱' امام بیہقی نے کہا اس کی سند میں یاسین بن معاذ ضعیف راوی ہے)

اسی حدیث کو حافظ سیوطی نے شعب الایمان کے حوالے سے مسالک الحنفاء ص ۵۶ پر درج کیا ہے اور اسی صفحہ پر مسالک الحنفاء ختم ہو گیا۔

نشر العلمين المنيفين في احياء الابوين الشريفين کا خلاصہ
(والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی تقویت اور ترجیح کی وجوہ)

یہ اس موضوع پر پانچواں رسالہ ہے' یہ رسالہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن شاہین اور حافظ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ نے والدین کریمین کو ان کی قبروں میں زندہ کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی جو احادیث روایت کی ہیں ان کی سندوں پر جو موضوع اور مجہول ہونے کے اعتراضات ہوتے ہیں اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور اس حدیث کی ترجیح اور تقویت کی وجوہ بیان کی ہیں' حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق متعدد رسائل تحریر کیے ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کے کیا مسالک ہیں اور ان مسالک پر ان کے کیا دلائل ہیں اور جو احادیث بہ ظاہر اس کے خلاف ہیں ان کے کیا جوابات ہیں اور آپ کے والدین کے ایمان کو اختیار کرنے کی میرے نزدیک حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین معاذ اللہ کافر یا مشرک تھے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوگا اور آپ کو ایذاء پہنچانا حرام ہے قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ‏ بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ○ ہیں' ان پر اللہ دنیا میں اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب: ۵۷)

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی سے کسی نے پوچھا جو شخص یہ کہے کہ آپ کے آباء دوزخ میں ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا وہ شخص ملعون ہے اور مذکور الصدر آیت سے استدلال کیا' اور قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے کاتب نے آپ کے والدین کو کافر کہا تو انہوں نے اس کو معزول کر دیا۔

(۲) جب یہ بیان کیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن اور جنتی ہیں تو اس سے مومنین خوش ہوں گے' اور جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہو اس میں مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے قول کو ترک کر کے دوسرے امام کے قول پر عمل کریں' جیسے فقہاء احناف مفقود الخبر کے مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں' حالانکہ وہ صرف اپنی سہولت کے لیے ایسا کرتے ہیں تو جو شخص ان علماء کا معتقد ہو جو والدین کریمین کے ایمان کے قائل نہیں ہیں تو ان کے لیے زیادہ لائق ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ان علماء کی پیروی کریں جو والدین کریمین کے ایمان کے قائل ہیں کیونکہ اول الذکر صورت میں وہ اپنے نفس کی سہولت کے لیے دوسرے ائمہ کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے اور ثانی الذکر صورت میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی تعظیم اور آپ کی فرحت اور سرور کے لیے دوسرے علماء کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے' اور اس میں آپ کے شرف اور فضیلت اور آپ کے معجزہ اور آپ کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے' اور آپ کے والدین کے ایمان کو ماننے میں کوئی نقصان نہیں ہے' اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے اور نہ کسی کے ذمہ کوئی چیز واجب ہوتی ہے' اس کے برخلاف جب وہ آپ کے والدین کے کفر کا قائل ہوگا تو اس میں آپ کے والدین کی اہانت ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کو ماننا آپ کے تقرب کا ذریعہ ہے' آپ کی رضا اور آپ کی شفاعت کے حصول کا ذریعہ ہے' اور اس کے ثبوت کے دلائل کو تلاش کرنے کی مشقت اجر عظیم کے حصول کا سبب ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی سند کی تحقیق

حافظ ابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ نے آپ کی والدہ کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث اس سند کے ساتھ روایت کی ہے:

محمد بن الحسن بن زیاد' ابوعروہ محمد بن یحییٰ الزہری' عبد الوہاب بن موسیٰ الزہری' عبد الرحمان بن ابی الزناد' ہشام بن عروہ از عروہ از عائشہ (الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۴)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ النقاش غیر ثقہ ہے اور محمد بن یحییٰ مجہول ہے' حافظ سیوطی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے محمد بن یحییٰ کا میزان اور المغنی میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ کے متعلق امام دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے اور الازدی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے' پس وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا موضوع کے تحت درج کرنا صحیح نہیں ہے' اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں امام ابن جوزی کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا محمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ معروف ہے' تاریخ مصر میں اس کا عمدہ ذکر ہے' اس میں مذکور ہے کہ محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبد العزیز بن عبد الرحمن بن عوف ابو عبد اللہ ہے' اس کا لقب ابو غزیہ ہے' وہ مدنی ہے اور مصر میں آ کر رہنے لگا اور وہ اس کی کنیتیں ہیں' اس سے اسحاق بن ابراہیم الکباسی اور زکریا بن یحییٰ البغوی اور سھل بن سوادۃ الغافقی اور محمد بن

عبداللہ بن حکیم اور محمد بن فیروز نے روایت کی ہے اور وہ دس محرم ۲۵۸ ہجری میں فوت ہو گیا۔

اور رہا محمد بن یحییٰ اگر یہ نقاش ہے جیسا کہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے تو یہ قرأت کے علماء اور ائمہ تفسیر میں سے ہے امام ذہبی نے کہا وہ اپنے زمانہ میں قراء کا استاذ تھا اور ضعف کے باوجود اس کی تعریف کی ہے۔

حافظ سیوطی نے اس حدیث کے روایت کی تعدیل میں طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں موضوع نہیں ہیں اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے پھر حافظ سیوطی نے بہت سی ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کو ابن الجوزی نے موضوع کہا ہے اور وہ واقع میں صحیح، حسن یا ضعیف ہیں۔

الدرج المنیفه فی الأباء الشریفه کا خلاصہ

اس موضوع پر یہ چھٹا رسالہ ہے اور یہ رسالہ ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں احادیث اور آثار کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین آخرت میں نجات یافتہ ہیں اور اس کے تین طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور انہوں نے آپ کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور آپ اصحاب فترت سے ہیں پھر قرآن اور حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اصحاب فترت غیر معذب ہیں ان دلائل کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے' اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔ محب طبری نے کتاب ذخائر العقبیٰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت ابی لہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ کی لکڑیوں کے گٹھے والے کی بیٹی ہو' اس سے آپ ناراض ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے قرابت داروں کو اذیت پہنچاتے ہیں' جس نے میرے قرابت داروں کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور اس طرح کے آثار بہت ہیں۔

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین ملت ابراہیم پر ہیں۔ اس کی تفصیل بھی کئی مرتبہ گذر چکی ہے۔ حافظ سیوطی کے ان تمام رسائل میں احادیث' آثار اور دلائل کا تکرار بہت زیادہ ہے اور ہم نے بلا تکرار خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے بت پرستی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھنا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اس دعا میں کیوں داخل نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ مکہ میں پیدا ہونے والی اولاد کے لیے یہ دعا کی تھی' (اس روایت کا یہ جملہ محل اشکال ہے) اور حضرت عبدالمطلب میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے متعلق احسن قول یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی' شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ نور کا ظہور ہوا تھا' اور اس نور کی برکت سے ان کو اپنے بیٹے کی نذر الہام کی گئی تھی اور اسی نور کی برکت سے انہوں نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس بیت کا رب ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو برے کاموں سے منع کرتے تھے اور نیک کاموں کا حکم دیتے تھے' وہ اپنی وصیت میں یہ کہتے تھے کہ دنیا سے کوئی ظالم اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ اس سے اس کے ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے' ان سے کہا گیا کہ کئی ظالم ظلم کا بدلہ لیے جانے سے پہلے دنیا سے چلے جاتے ہیں تو انہوں

نے سوچ کر کہا اللہ کی قسم اس جہان کے بعد ایک اور جہان ہے جہاں نیک شخص کو اس کی نیکیوں کی جزا دی جائے گی اور برے شخص کو اس کی برائیوں پر سزا دی جائے گی' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ان کو اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچا تھا' کیونکہ اگر ان تک صحیح دین پہنچا ہوتا تو وہ بغیر غور و فکر کیے ہوئے جنت اور دوزخ کی خبر اور رسولوں کا پیغام پہنچا دیتے' حضرت عبدالمطلب کے متعلق ایک قول ابن سید الناس کا ہے ان کی سیرت میں ہے کہ ان کو بھی زندہ کیا گیا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے لیکن اس قول کو صرف شیعہ نے اختیار کیا ہے۔ امام رازی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب ملت ابراہیم پر تھے۔ (الدرج المنیفہ ص ۱۴)

التعظیم و المنہ فی ان ابوی رسول اللہ فی الجنۃ کا خلاصہ

(والدین کریمین کو قبر میں زندہ کرنے کے متعلق پہلی حدیث)

اس موضوع پر یہ حافظ سیوطی کا ساتواں رسالہ ہے اور اس کے ۴۹ صفحات ہیں۔ اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین جنت میں ہیں' اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے زیادہ تر بحث اس حدیث سے کی ہے جس کو امام ابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ نے ان دو حدیثوں کے لیے ناسخ قرار دیا ہے جو بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان لانے کے خلاف ہیں۔ پہلے ہم امام ابن شاہین کی ذکر کردہ منسوخ اور ناسخ احادیث کو بیان کریں گے پھر اس کے بعد باقی ابحاث کا ذکر کریں گے۔

امام ابن شاہین اپنی پوری سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپ ایک قبر کے پاس آ کر بیٹھ گئے لوگ بھی آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے پھر آپ روتے ہوئے کھڑے ہوئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں میں سب سے زیادہ جرأت والے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ کو کس چیز نے رلایا' آپ نے فرمایا یہ میری والدہ کی قبر ہے' میں نے اپنے رب عزوجل سے اس کی زیارت کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت دی گئی' پھر میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی پس اپنی والدہ کو یاد کر کے رو رہا ہوں اور اس دن سے زیادہ آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(الناسخ المنسوخ ص ۲۸۳' رقم الحدیث: ۶۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

نیز امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ملیکہ کے دو بیٹے آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہماری والدہ مہمانوں کی ضیافت کرتی تھیں اور وہ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئی تھیں سو ہماری والدہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے' وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور ان کو اس خبر سے بہت رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا پھر فرمایا سنو! میری ماں بھی تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے' ایک منافق نے کہا جس طرح ملیکہ کے دونوں بیٹے اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے یہ بھی اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے' پھر انصار کے ایک جوان نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے والدین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تا کہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا۔ امام ابن شاہین نے کہا یہ حدیث' حدیث سابق کے خلاف ہے' کیونکہ اس میں والدہ کے لیے استغفار کی اجازت کے سوال کا ذکر ہے اور اس میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوال نہیں کیا۔

(الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۴' رقم الحدیث: ۶۳۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۹-۳۹۸' رقم الحدیث: ۳۷۸۶ عالم الکتب' مسند البزار ج ۱ ص ۲۵۱' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۸۱-۸۰' رقم الحدیث: ۱۰۰۱۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۶۵-۳۶۴' قدیم' رقم الحدیث: ۳۳۸۵' جدید' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۶۲)

پھر امام ابن شاہین نے ان دونوں حدیثوں کی ناسخ حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

حدثنا محمد بن الحسن بن زیاد نا احمد بن یحیٰی نا ابو عروہ محمد بن یحیٰی الزہری نا عبد الوہاب بن موسیٰ الزہری از عبد الرحمان بن ابی الزناد از ہشام بن عروہ از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر افسردہ اور غمزدہ اترے' جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے' میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر غمزدہ اترے تھے پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔

(الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۵-۲۸۴' رقم الحدیث: ۶۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس حدیث کے متن پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی التوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

بے شک یہ حدیث موضوع ہے اور جس شخص نے اس حدیث کو وضع کیا ہے وہ بہت کم فہم اور بے علم ہے' کیونکہ اگر اس کو علم ہوتا تو وہ جان لیتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا اس کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا بلکہ اگر وہ موت کے وقت عذاب کو دیکھ لے پھر بھی اس کو ایمان نفع نہیں دیتا' اور اس حدیث کو رد کرنے کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرہ: ۲۱۷)

تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ کفر کی حالت میں مر جائے تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں اور وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(علامہ ابن جوزی کا اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ والدین کریمین مرتد تھے نہ کافر' ان سے کفر اور شرک بالکل ثابت نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے وہ ملت ابراہیم پر تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اصحاب فترت تھے اور اصحاب فترت غیر معذب ہیں' اس کے بعد علامہ ابن جوزی اس حدیث کے رد پر دوسری دلیل لکھتے ہیں:) یہ حدیث' اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لیے استغفار کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی' علامہ قرطبی نے اس کے جواب میں فرمایا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ استغفار سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے' اور رہا یہ کہ موت کے بعد ایمان لانا غیر مفید ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۶۲-۱۶۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالتِ کفر میں مر گئے ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے' وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے' ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

اس کے باوجود صحیح حدیث میں ہے کہ موت کے بعد ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی گئی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰۱' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷)' اسی طرح ابو طالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹) سو جس طرح آپ کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی ہے اسی طرح آپ کی

خصوصیت کی وجہ سے آپ کے والدین کریمین کو موت کے بعد زندہ کر کے انہیں آپ کے اوپر ایمان لانے کے ساتھ مشرف کیا گیا' جب کہ ابولہب اور ابوطالب کی بہ نسبت آپ کے والدین کریمین کی آپ کے ساتھ قرابت بہت زیادہ ہے۔

اس حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

اس کے بعد علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیے ہیں:

محمد بن حسن بن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے' اور احمد بن یحییٰ اور محمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں اور ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام الابواء میں فوت ہوئیں تھیں اور وہیں پر دفن ہوئی ہیں اور ان کی قبر مقام حجون میں نہیں ہے۔

(کتاب الموضوعات ج ا ص ۲۸۴-۲۸۳' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

میں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب موحدہ تھیں اور وہ ملت ابراہیم خلیل اللہ پر تھیں' اور انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی طرح دوسرے لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی تھی' اور ان کو زندہ کرنے کے متعلق جو حدیث ہے وہ موضوع نہیں ہے جیسا کہ بعض حفاظ کا ادعا ہے۔

محمد بن حسن بن زیاد نقاش پر ابن جوزی کی جرح کا جواب حافظ ذہبی سے

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن حسن بن محمد بن زیاد' ابوبکر نقاش' استاذ القراء اور مفسر ہیں' وہ ضعیف راوی ہیں' ابوعمر الدانی نے ان کی تحسین کی ہے برقانی نے کہا ان کی حدیث منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۱۱۵' رقم: ۷۲۸۸-۴۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ذہبی نے محمد بن حسن بن محمد بن زیاد کو ضعیف راوی کہا ہے' وضاع نہیں کہا اور نہ اس کی روایت کو موضوع کہا ہے انہوں نے کہا ان کی روایت منکر ہے۔ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جو حدیث صحیح کے خلاف ہو۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر مقام الابواء میں ہے اور اس حدیث میں ہے کہ ان کی قبر مقام حجون میں ہے سو یہ روایت حدیث صحیح کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر قرار پائی اور حدیث منکر ضعیف کی اقسام میں سے ہے' اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے' موضوع نہیں ہے اور حدیث ضعیف فضائل اور مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔

محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ پر جرح کا جواب حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی سے

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن یحییٰ ابوغزیہ المدنی موسیٰ بن وردان سے روایت کرتے ہیں' الدارقطنی نے کہا یہ متروک ہیں اور الازدی نے کہا ضعیف ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۳۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ذہبی نے یہی لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ ضعیف راوی ہیں' اور ہم نے بھی ان کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کے متعلق یہی کچھ لکھا ہے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۴۲۰' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہے محمد بن یحییٰ تو وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ وہ معروف ہیں' ابوسعید بن یونس نے تاریخ مصر میں ان کا عمدہ تذکرہ لکھا ہے' امام دارقطنی نے ان پر وضع کی تہمت لگائی ہے اور وہ ابوغزیہ محمد بن یحییٰ الزہری ہیں' اپنے مقام پر ان کا ذکر آئے گا' اور رہے احمد بن یحییٰ تو اس سند کے سب سے قریب احمد بن یحییٰ بن زکیر ہیں اور وہ مصری ہیں۔ اور ابن الجوزی نے اپنے شیخ محمد بن ناصر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کیونکہ حضرت آمنہ کی قبر ابواء میں ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے اور اس ابوغزیہ نے یہ کہا کہ وہ الحجون میں ہے' اور مجھے ابوغزیہ کی اس حدیث کا حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ایک اور شاہد ملا ہے۔

(لسان المیزان ج ۴ ص ۹۲-۹۱' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حافظ عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہوگیا علامہ ابن جوزی کا محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے وہ معروف ہیں اور ابن جوزی اور ان کے استاذ محمد بن ناصر کا اس حدیث کو موضوع کہنا غلط ہے یہ حدیث ضعیف ہے اور فضائل میں معتبر ہے' نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن عساکر نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

الحسین بن علی بن محمد بن اسحاق المجلسی' حدثنا ابو طالب' عمر بن الربیع الخشاب حدثنا علی بن ایوب الکعبی حدثنا محمد بن یحییٰ الزھری ابو غزیہ حدثنی مالک عن ابی الزناد عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ. امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

(لسان المیزان ج ۴ ص ۳۰۵' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث صرف امام ابن شاہین کی سند سے مروی نہیں ہے' امام ابن عساکر کی سند سے بھی مروی ہے اور امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور منکر ضعیف کی اقسام سے ہے اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اور اس کی سند کا ضعیف ہونا ہمیں مضر نہیں ہے' فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث میں حفاظ حدیث کا اختلاف

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کے متعلق جو حدیث ہے' بعض ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور بعض ائمہ نے اس کو فقط ضعیف کہا ہے' جن ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے ان میں امام دارقطنی' امام جوزقانی' امام ابن ناصر' علامہ ابن جوزی اور علامہ ابن دحیہ ہیں' اور جن حفاظ حدیث نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث فقط ضعیف ہے اور موضوع نہیں ہے ان میں حافظ ابن شاہین' خطیب بغدادی' حافظ ابن عساکر' علامہ سہیلی' علامہ ابوعبداللہ قرطبی' ان کے استاذ علامہ ابوالعباس قرطبی' محب طبری' ابن سید الناس' علامہ ابی مالکی' علامہ سنوسی مالکی وغیرہم ہیں' امام ابن شاہین نے اس حدیث کو اس حدیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے جس میں حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی ہے اور ان کے لیے استغفار سے منع کیا ہے' اگر ان کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہوتی تو وہ اس سے منسوخ ہونے پر استدلال نہ کرتے۔ اور جن وجوہات کی بناء پر بعض حفاظ حدیث نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے جب ہم نے ان پر غور کیا تو وہ تمام وجوہ غیر مؤثر ثابت ہوئیں جیسا کہ ہم علامہ ابن جوزی کے دلائل کا تجزیہ کرکے واضح کرچکے ہیں' اس مسئلہ میں متاخرین میں سے حافظ شمس الدین بن ناصر الدین

محدث دمشق نے بھی میری موافقت کی ہے انہوں نے اپنی کتاب مورد الصادی فی مولد الھادی میں یہ اشعار لکھے ہیں۔
(ان اشعار کا اردو میں خلاصہ یہ ہے:) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل بالائے فضل کی بنا پر آپ کو حیات عطا کی اور آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو آپ پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا، پس وہ زندہ کیے جانے کے بعد آپ پر اسلام لائے اور اللہ اس پر قادر ہے ہر چند کہ اس مسئلہ کے اثبات میں حدیث ضعیف ہے۔ (التعظیم والمنۃ ص ۱۷ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۷ھ)

اصحاب کہف کو زندہ کیے جانے سے والدین کریمین کو زندہ کیے جانے پر استدلال

اس سے پہلے امام ابن شاہین کی روایت سے یہ گذر چکا ہے کہ آپ نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث والدین کریمین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آپ کے والدین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے، نیز اس حدیث میں ہے کہ جب آپ سے ایک انصاری نے پوچھا کہ آپ کے والدین کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تا کہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ جب آپ اپنے رب سے اپنے والدین کی مغفرت کے متعلق سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ جواب عطا فرمائے گا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اصحاب کے نزدیک آپ کے والدین کی مغفرت ممکن تھی اور آپ کی خصوصیات میں سے تھی جبھی انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ابو طالب کے متعلق کیا امید رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اپنے رب سے ہر خیر کی توقع رکھتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۸۷۱)

جب آپ کی ابو طالب کے متعلق یہ توقع تھی حالانکہ اس نے آپ کی نبوت کا زمانہ پایا اور آپ نے اس پر اسلام کو پیش کیا اور اس نے انکار کر دیا تو آپ کے والدین جنہوں نے آپ کے زمانہ نبوت کو نہیں پایا ان کے متعلق آپ کا ان کی مغفرت کی دعا کرنا زیادہ متوقع ہے۔ (التعظیم والمنۃ ص ۷-۶)

والدین کریمین کو زندہ کیے جانے کی اور اس کے خلاف احادیث میں تطبیق

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ والدین کریمین کے ایمان لانے پر مجھے واضح دلیل یہ ملی ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اصحاب الکھف امام مہدی کے مددگار ہوں گے، امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اصحاب کہف اپنی موت کے بعد پھر زندہ کیے جائیں گے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے ایک عمر لکھ دی ہو پھر ان کی عمر پوری ہونے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا ہو پھر ان کو وفات کے بعد زندہ کر کے بقیہ زندگی عطا فرمائی ہو اور وہ اس زندگی میں آپ پر ایمان لے آئے ہوں پھر ان کی زندگی پوری ہونے کے بعد پھر ان پر وفات طاری کر دی ہو جیسا کہ اصحاب کہف کے ساتھ ہوا اور دو موتوں کے درمیان جوان کو حیات عطا فرمائی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ہو۔

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب، اور حضرت آمنہ بنت وھب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اسلام لائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے، اور آپ کے جد کریم حضرت عبد المطلب کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے، اور یہ امام احمد کی اس روایت کے

خلاف ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے' پھر جب اس نے پوچھا کہ آپ کے گذرے ہوئے گھر والے کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہو' ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تدریجاً کمالات اور فضائل عطا کیے جاتے تھے' ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ کے والدین کو یہ مقام حاصل نہ ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کر کے یہ مقام عطا فرمایا ہو۔ (تاہم صحیح یہ ہے کہ آپ کے والدین غیر معذب تھے کیونکہ وہ اھل فترت میں سے تھے) (التعظیم والمنۃ ص ۹-۸)

حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے پر دلیل

حافظ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ام سلمہ بنت رھم کی ماں سے روایت کیا ہے کہ جس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ فوت ہوئیں اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پانچ سال تھی' تو حضرت آمنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر چند اشعار کہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

فانت مبعوث الی الانام	من عندذی الجلال والاکرام
آپ لوگوں کی طرف مبعوث ہونے والے ہیں۔	رب ذوالجلال والاکرام کی جانب سے
دین ابیک ابر ابراھام	فالله انھاک عن الاصنام
اپنے نیک باپ ابراہیم کے دین پر ہیں	پس اللہ نے آپ کو بت پرستی سے منع کیا ہے۔

(التعظیم والمنۃ ص ۱۸' مطبوعہ حیدرآباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

جب حضرت آمنہ مومنہ تھیں تو آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت کیوں نہیں ملی اور آپ نے ان کو دوزخی کیوں فرمایا!

حافظ سیوطی فرماتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے' جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد پہلے کا واقعہ ہے جب آپ کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ آپ کے والدین اھل جنت سے ہیں' اس کی نظیر یہ ہے کہ آپ نے پہلے تبع کے متعلق فرمایا تھا میں نہیں جانتا وہ مومن تھا یا نہیں (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۱) پھر اس کے متعلق فرمایا تبع کو برا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۳' ۶۳۲) آپ نے ان کے متعلق پہلے سوال نہیں کیا تھا اور جاہلیت کے لوگوں کے متعلق عام قاعدہ ہے کہ وہ دوزخی ہیں اس اعتبار سے آپ نے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے اور بعد میں آپ کو بذریعہ وحی ان کے جنتی ہونے کے متعلق بتایا گیا' اور آپ کو آپ کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس سے ان کا کفر لازم نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے جو مسلمان مقروض مرجاتا تھا آپ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے' کیونکہ آپ کے استغفار کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فی الفور مغفرت ہوجائے اور مقروض کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کردیا جائے' اسی طرح آپ کی والدہ کو بھی برزخ میں جنت سے روک لیا گیا تھا' اس کی وجہ کفر کے علاوہ دوسرے امور تھے' اس وجہ سے پہلے آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ بعد میں آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت دے دی' اور ان دونوں حدیثوں کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت آمنہ موحدہ تھیں لیکن ابھی تک ان کو قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا علم نہیں تھا اور نہ اس پر ایمان تھا' اور یہ اسلام کا بہت بڑا اصول ہے' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا حتیٰ کہ وہ قیامت اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تمام اصول اور مبادی پر ایمان لائیں' اس لیے ان کے زندہ کرنے کے معاملہ کو حجۃ الوداع تک مؤخر کیا گیا حتیٰ کہ شریعت مکمل ہوگئی اور یہ آیت نازل ہوگئی الیوم اکملت لکم دینکم' پھر حضرت آمنہ کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ کی مکمل شریعت پر ایمان لائیں۔ (التعظیم والمنۃ ص ۲۱-۲۰' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

تمام انبیاء کی امہات کے ایمان سے حضرت آمنہ کے ایمان پر استدلال

حافظ سیوطی فرماتے ہیں میں نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امہات پر غور کیا تو وہ سب مومنات ہیں تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی مومنہ ہوں' اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم ہیں اور وہ نص قرآن سے صدیقہ ہیں۔

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ (المائدہ: ۷۵) اور عیسیٰ کی ماں صدیقہ ہیں۔

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ ہیں ان کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے' فرشتوں نے ان سے کہا:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ (ھود: ۷۳) کیا آپ اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہیں! اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔

اور حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون کی ماں کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے:

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰى . (القصص: ۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔

اور حضرت شیث کی ماں حضرت حواء ام البشر ہیں۔ اور احادیث اور آثار میں وارد ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجر مومنہ تھیں۔ اور حضرت یعقوب اور ان کی اولاد کی ماں مومنہ تھیں' اور حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت شمویل' حضرت شمعون' حضرت ذوالکفل علیہم السلام کی والدہ مومنہ تھیں اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی والدہ مومنہ تھیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح: ۲۸) حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت نوح سے حضرت آدم تک ان کے آباء میں سے کسی نے کفر نہیں کیا۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دس کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام بنو اسرائیل سے تھے' حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور حضرت محمد علیہ وعلیہم السلام' ان سب کے آباء مومن تھے ان میں سے کوئی کافر نہ تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا پس جس نے ان کے ساتھ کفر کیا اس نے کفر کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۷ ص ۱۲۱' ج ۵۳ ص ۲۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پس بنو اسرائیل کے تمام انبیاء کی مائیں مومنات ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد امتوں میں کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا' اور رہے دس انبیاء تو حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی ماں کا ایمان ثابت ہے' اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی ماں کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ دونوں نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی ہے' اب حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب کی ماؤں کا ذکر رہ گیا اور ان کے ایمان کا ثبوت کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی مومنات ہیں' اور جب سب انبیاء علیہم السلام کی مائیں مومنات ہیں تو سید الانبیاء اور افضل الانبیاء کی ماں مومنہ کیوں نہیں ہوں گی! (التعظیم والمنۃ ص ۲۲-۲۱' دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف سے حضرت آمنہ کے غیر معذب ہونے پر استدلال

حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ مرنے کے بعد ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا تو اس نے کہا میں نے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں دیکھی سوا اس کے' کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰۱' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷) اور ثویبہ ابولہب کی باندی تھی' ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا' اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا' اور اس وجہ سے ابولہب کو دوزخ کے عذاب سے تخفیف ملی اور اس کی انگلی سے اس کو پلایا گیا' حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھتا تھا' اور آپ کو اس سے سخت تکلیفیں پہنچی ہیں اور اس کے عذاب سے صرف اس وجہ سے تخفیف کی گئی کہ اس نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا تو تمہارا اس خاتون کے متعلق کیا گمان ہے' جنہوں نے نو مہینے آپ کو پیٹ میں رکھا' کئی دنوں تک اپنا دودھ پلایا اور کئی سال آپ کی پرورش کی اور وہ آپ کی ماں تھیں!

(التعظیم والمنۃ ص ۲۳' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ' دکن' ۱۳۱۷ھ)

ابوین کریمین کے معذب ہونے کی احادیث کے منسوخ ہونے کی نظائر اور اطفال مشرکین کے ایمان سے استدلال

امام ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے' پھر میں نے آپ سے اس کے بعد سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ ہی کو علم ہے وہ کیسے اعمال کرنے والے تھے' پھر میں نے اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ (الانعام: ۱۶۴) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

آپ نے فرمایا وہ فطرت (اسلام) پر ہیں اور وہ جنت میں ہیں۔

(الاستذکار ج ۸ ص ۴۰۱' رقم الحدیث: ۱۲۰۹۹' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۱۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے بچوں کے متعلق پہلے آپ نے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں' اس کے بعد جب فرمایا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور وہ جنتی ہیں۔ تو اس سے وہ پہلی احادیث منسوخ ہو گئیں' اس طرح والدین کریمین کے متعلق جو پہلے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں وہ حجۃ الوداع کے موقع پر انہیں زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث سے منسوخ ہو گئیں۔

(التعظیم والمنۃ ص ۲۵-۲۴' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ' مطبوعہ حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

اطفال مشرکین کے متعلق مزید احادیث یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو دوزخ میں ان کی چیخ و پکار سناؤں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸' الاستذکار رقم الحدیث: ۲۰۹۹' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ وہ کیا کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مومنین کی اولاد کہاں ہوگی؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بلا عمل؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے‘ وہ کیا عمل کرنے والے تھے‘ اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور مشرکین کی اولاد! فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کیا کرنے والے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۲)

الاسود بن سریع بیان کرتے ہیں آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت میں کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نبی جنت میں ہوں گے اور شہید جنت میں ہوں گے اور بچے جنت میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ اضافہ ہے اور جس کو زندہ درگور کیا گیا وہ جنت میں ہوگا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۳۸‘ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۲۴۶۸‘ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۶۸‘ الاستذکار رقم الحدیث: ۱۲۰۹۸‘ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۹)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب اور اس کی تعبیر کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے وہ طویل شخص جو باغ میں تھا وہ حضرت ابراہیم تھے‘ اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرت پر پیدا ہوئے تھے آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۵‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین کے بچے جنت میں ہوں گے‘ اور وہ احادیث جو اس کے خلاف ہیں وہ اس سے پہلے کی ہیں اور وہ اس حدیث سے منسوخ ہوگئیں۔

زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر قائم رہنے والے دوسرے لوگ

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں: امام بزار نے اور امام حاکم نے سند کی صحت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ورقہ بن نوفل کو برا نہ کہو‘ کیونکہ میں نے اس کے لیے ایک جنت یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۵۱‘ ۲۷۵۰‘ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹‘ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۱۶‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۰۷۶)

امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق سوال کیا‘ آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ! وہ زمانہ جاہلیت میں قبلہ کی طرف منہ کرتا تھا‘ اور کہتا تھا میرا دین ابراہیم کا دین ہے اور میرا خدا ابراہیم کا خدا ہے اور سجدہ کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اس ایک امت میں حشر کیا جائے گا جو میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۱ ص ۳۶۲‘ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۱۳‘ رقم الحدیث: ۴۶۷۳‘ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۸۶۰)

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قس بن ساعدہ عکاظ کے بازار میں اپنی قوم کو خطبہ دے رہے تھے انہوں نے اپنے خطبہ میں مکہ کی طرف اشارہ کر کے کہا اس طرف سے تمہارے پاس حق آئے گا‘ اور کہا وہ لوی بن غالب کے نسب سے ایک شخص ہوگا جو تمہیں کلمہ اخلاص اور ابدی نجات اور نعمتوں کی دعوت دے گا‘ تم اس کی دعوت کو قبول کرنا‘ اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کرتا۔

امام ابونعیم نے عمرو بن عبسہ سلمی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ میری قوم باطل پر ہے اور وہ پتھروں کی عبادت کرتے ہیں۔

امام خرائطی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ اوس بن حارثہ دعوت حق کا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرتے تھے' اور انہوں نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی۔

حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا اللہ قس پر رحم فرمائے (المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۶۵ رقم الحدیث: ۶۶۳) نیز آپ نے فرمایا وہ ہمارے باپ اسماعیل بن ابراہیم کے دین پر تھے۔ یہ سب لوگ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر تھے اور موحد تھے اور یہ سب غیر معذب اور جنتی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی اس طرح ہیں۔ (التعظیم والمنۃ ص ۴۵-۴۴' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

حافظ سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات میں جو سات رسائل لکھے ہیں ان کی تلخیص یہاں پر ختم ہوگئی۔

والدین کریمین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری کے دلائل

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی' آپ خود بھی روئے اور آپ نے اپنے گرد کے مسلمانوں کو بھی رُلایا' اور فرمایا میں نے اپنی والدہ کے استغفار کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے یہ اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی' سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو' یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(صحیح مسلم' الجنائز: ۱۰۵' رقم الحدیث بلاتکرار ۹۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۴۳' الترغیب ج ۴ ص ۳۵۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۷۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۶)

امام ابن جوزی نے کتاب الوفا میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد اپنی والدہ (حضرت) آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس رہے جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو وہ آپ کو اپنے ماموؤں کے پاس بنی عدی بن النجار کے پاس مدینہ میں لے گئیں۔ آپ ان کی زیارت کے لیے گئیں۔ پھر آپ مکہ روانہ ہوئیں' جب آپ مقام الابواء پر پہنچیں تو آپ فوت ہوگئیں آپ کی قبر وہیں پر ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مقام الابواء میں آپ کی قبر کی زیارت کی' پھر آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی تو مجھے اجازت دے دی' اور میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى. (التوبۃ: ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں۔

علامہ ابن حجر مکی نے بہت عجیب بات کہی کہ شاید حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ دینے کی حکمت یہ تھی کہ آپ پر نعمت کو مکمل کیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد آپ کے لیے حضرت آمنہ کو زندہ کیا' تاکہ آپ پر ایمان لا کر حضرت آمنہ اکابر مومنین سے ہو جائیں' یا ان کے زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے تک ان کے لیے استغفار کی اجازت کو مؤخر کیا تاکہ وہ اس وقت استغفار کامل کی مستحق ہو جائیں۔ (علامہ ابن حجر مکی کی عبارت ختم ہوئی) اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے مطلقاً استغفار کی مستحق نہیں تھی۔ پھر جمہور کا موقف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر مرے (الع

باللہ) اور جو احادیث ان کے متعلق وارد ہیں ان میں صحیح ترین حدیث یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے' اور علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ آپ کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث صحیح ہے' اور جن علماء نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ان میں امام قرطبی ہیں' اور الحافظ محمد بن ناصر الدین ہیں' سو اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے معارض ہو سکے' علاوہ ازیں حفاظ نے اس حدیث کی سند پر طعن کیا ہے' اور ان کے ایمان لانے کے جواز سے یہ چیز مانع ہے کہ موت کے بعد ایمان لانا اجماعاً غیر مقبول ہے' جیسا کہ اس پر کتاب اور سنت میں دلائل ہیں' اور مکلف سے جو ایمان مطلوب ہے وہ ایمان غیبی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ. (الانعام: ۲۸) اور اگر ان (کافروں) کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو وہ پھر دنیا میں وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کے والدین اہل فترت میں سے تھے (یعنی اس دور کے لوگوں میں سے تھے جس کے لیے کسی نبی کی بعثت نہیں تھی اور وہ کسی حکم شرعی کے مکلف نہیں تھے) اور اہل فترت پر عذاب نہیں ہوتا' سو صحیح مسلم کی اس حدیث سے ان کا بھی رد ہو جاتا ہے۔ حافظ سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق تین رسالے لکھے ہیں اور ان میں جانبین کے دلائل کا ذکر کیا ہے۔ جو اس مسئلہ کی تفصیل جاننا چاہتا ہو اس کو ان رسائل کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(مرقات ج ۴ ص ۱۱۳' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ہم کو حافظ سیوطی کے سات رسائل دستیاب ہوئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر دلائل دے گئے ہیں سابقہ اوراق میں ہم نے ان کا ترجمہ اور خلاصہ پیش کیا ہے۔

ملا علی قاری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

ملا علی قاری کی نصیحت کے مطابق نہ صرف ہم نے ان رسائل کا مطالعہ کیا بلکہ ان رسائل کا خلاصہ عام قارئین کے لیے بھی پیش کر دیا' کیونکہ عام مسلمان تو الگ رہے خواص اور علماء کی دسترس میں بھی یہ رسائل نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری اور دیگر مفکرین کی قوی ترین دلیل صحیح مسلم کی حدیث ۱۰۵ ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو آپ کو اس کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو آپ کو اس کی اجازت دی گئی۔

ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں کہ استغفار کی اجازت نہ دینے کا واقعہ پہلے کا ہے' اور آپ کے والدین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا بعد کا واقعہ ہے' جو حجۃ الوداع کے موقع کا ہے اور اسی وجہ سے امام ابن شاہین اور دیگر ائمہ اور محققین نے اس حدیث کو صحیح مسلم کی حدیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے' ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اپنی والدہ کے لیے استغفار سے اس لیے منع فرمایا کہ اگر غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جائے تو اس کے متعلق گناہ کا وہم ہوتا ہے تو آپ کو حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ وہ گنہگار تھیں اس لیے آپ نے ان کے لیے استغفار کیا اور یہ وجہ نہیں کہ وہ معاذ اللہ مشرکہ تھیں' کیونکہ قبل از بعثت ان کا شرک بالکل ثابت نہیں وہ اصحاب فترت میں سے تھیں بلکہ وہ ملت ابراہیم پر تھیں' اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی آپ کے ایمان پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی اور کافروں کی قبر کی زیارت کی آپ کو اجازت نہیں ہے بلکہ ان کی قبروں پر کھڑے ہونے کی بھی آپ کو اجازت نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (التوبۃ: ۸۴)

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی ہرگز نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں' انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور فسق کی حالت میں مر گئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا معاذ اللہ کافرہ نہیں تھیں ورنہ ان کی قبر پر کھڑے ہونے کی اور ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت نہ دی جاتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت آمنہ پہلے ہی مومنہ تھیں تو پھر حجۃ الوداع کے موقع پر ان کو قبر میں زندہ کرنے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف توحید پر ایمان لائی تھیں اور زندہ کیے جانے کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی مکمل شریعت پر ایمان لائیں۔

ملا علی قاری نے یہ تو لکھا ہے کہ مسلم کی اس حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ اہل فترت سے تھیں' ہم پوچھتے ہیں کیا حضرت آمنہ اہل فترت سے نہیں تھیں! کیا انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ پایا تھا! اور جب انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا تو ان کو معذب ماننا کیا قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف نہیں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ہم رسول بھیج دیں۔

اور علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اصحاب فترت غیر مکلف اور غیر معذب ہیں۔

ملا علی قاری کے افکار پر ان کے استاذ ابن حجر مکی کا تبصرہ

علامہ عبد العزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

اسانید ضعیفہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور آپ کی والدہ کو زندہ کر دیا۔ اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے' اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ آپ کے والدین نے ملت ابراہیم پر وفات پائی' اور ان کو زندہ کرنا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اس لیے تھا کہ ان کو یہ کرامت بھی حاصل ہو' اور محقق جلال الدین سیوطی نے ان کے ایمان کے اثبات میں چھ رسالے لکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے ایک رسالہ میں ان کا کفر ثابت کیا ہے۔ پھر ان کے استاذ علامہ ابن حجر مکی نے خواب میں دیکھا کہ ملا علی قاری چھت سے گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی' اور کہا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی توہین کی سزا ہے' پھر جس طرح انہوں نے خواب دیکھا تھا ویسا ہی ہو گیا' جو اس مسئلہ پر بصیرت حاصل کرنا چاہے وہ علامہ سیوطی کے رسائل کا مطالعہ کرے۔ (نبراس ص ۵۲۶' شاہ عبد الحق اکیڈمی بندیال' ۱۳۹۷ھ)

ملا علی قاری پر علامہ آلوسی کا تبصرہ

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸)

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنین کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے اور بہ کثرت اجلہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے' اور مجھے اس شخص کے اوپر کفر کا خطرہ ہے جو والدین کریمین کو کافر کہتا ہے' ملا علی قاری اور ان جیسے لوگوں کی ناک کو خاک میں لتھیڑتے ہوئے' لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آیت اس مذہب پر دلیل قطعی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے ایسا دیکھنا مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور عارفین کے نزدیک اللہ تعالیٰ موجود اور معدوم خارجی دونوں کو دیکھتا ہے اس لیے یہ نہ کہا جائے کہ جب آپ

ساجدین کی پشتوں میں اپنے وجود خارجی کے ساتھ نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے دیکھتا تھا! اور انہوں نے کہا کہ معدوم کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی مثال ایسے ہے جیسے ہم خواب میں قیامت وغیرہ کو دیکھیں (میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کوئی مثال نہیں ہے' سعیدی غفرلہ) اور بہ کثرت علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا تعلق معدوم کے ساتھ نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ جو آپ کو ساجدین کی پشتوں میں دیکھ رہا تھا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ والدین کریمین کے ایمان پر حافظ سیوطی کے تین رسائل ہیں' علامہ عبدالعزیز پرھاروی نے لکھا ہے کہ چھ رسائل ہیں لیکن درحقیقت یہ سات رسائل ہیں جن کا خلاصہ ہم نے یہاں ذکر کر دیا ہے اس کے خلاصہ میں ہم نے مکرر دلائل اور مکرر عبارت کو حذف کر دیا ہے اور دور از کار ابحاث بھی حذف کر دی ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث اس تفسیر میں تین جگہ پر کی ہے پہلی بار البقرہ: ۱۱۹ میں یہ بحث کی ہے۔ یہ بحث تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۴۳-۵۴۰ میں ہے' اور دوسری بار الانعام: ۷۵' میں یہ بحث کی ہے یہ بحث تبیان القرآن ج ۳ ص ۵۷۴-۵۵۳ میں ہے اور تیسری مرتبہ یہاں (الشعراء: ۲۱۹) میں یہ بحث کی ہے۔ اور یہاں پر سب سے زیادہ مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے' نبراس کے محشی نے لکھا ہے کہ ملا علی قاری نے مرنے سے پہلے والدین کریمین کے ایمان کے انکار سے رجوع کر لیا تھا' اس مسئلہ میں جن لوگوں کو بھی لغزش ہوئی ان سب کے متعلق ہم یہی حسن ظن رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین

اب ہم اس سورت کی بقیہ آیتوں کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

وہ دلائل اور وجوہات جن کی بناء پر قرآن مجید شیطان کا نازل کیا ہوا نہیں ہے

الشعراء: ۱۹۲' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے○ مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اس کتاب کے نزول کو تو روک نہیں سکتے تھے' تو انہوں نے لوگوں کو اس کتاب سے برگشتہ اور متنفر کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ کتاب شیاطین کی نازل کی ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوئے○ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں○ اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں○ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں○ (الشعراء: ۲۱۴-۲۱۰) جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کے مضامین سنے تھے اور وہ شیاطین کی باتوں اور ان کے وسوسوں سے بھی واقف تھے' وہ واضح طور پر جانتے تھے کہ قرآن شیطانوں کا نازل کیا ہوا نہیں ہو سکتا' شیاطین تو شر اور برائی کو پھیلاتے ہیں وہ تو ہر غلط اور ناجائز طریقہ سے زبان' پیٹ اور شرمگاہ کے تقاضوں کو پورا کرنے پر ابھارتے ہیں اور قرآن خیر اور نیکی کو فروغ دیتا ہے اور ہر قسم کے غلط اور ناجائز کاموں سے روکتا ہے اور عفت' پاکیزگی اور پاک دامنی کی تعلیم دیتا ہے' شیطان شرک کا داعی ہے' قرآن توحید کا پیغام دیتا ہے' شیطان کہتا ہے بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست اس دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے' اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں تمہیں اس زندگی میں کیے ہوئے تمام کاموں کا حساب دینا ہوگا اور اس حساب کے نتیجہ میں تمہاری اچھی یا بری ثواب اور نعمتوں کی یا عذاب اور مصیبتوں کی دائمی زندگی ہوگی' سو مضامین قرآن اور وساوس شیاطین میں آسمان و زمین سے زیادہ کا فرق ہے تو قرآن شیاطین کا نازل کیا ہوا کیسے ہو سکتا ہے! پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی سیرت کی شیاطین کی تعلیم اور تلقین سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے

ان پر شیاطین کیسے نازل ہو سکتے ہیں' آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ: آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کریں اگر بہ فرض محال آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے O اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی (اللہ کے عذاب سے) ڈرایئے O اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھیے O پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہارے کاموں سے بے زار ہوں O اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجئے O جو آپ کو (آپ کی نمازوں میں) قیام کے وقت دیکھتا ہے O اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو O بے شک وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O (الشعراء: ۲۲۰-۲۱۳)

سو جس شخص کی پوری زندگی ان احکام پر عمل سے عبارت ہو' جس کی سیرت خدا خوفی اور نیک چلنی ہو' جو اپنوں اور بے گانوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہو جو راتوں کو اٹھ کر نمازوں میں قیام کرتا ہو اور اپنے اصحاب کو بھی شب زندہ داری اور تہجد گذاری کی تلقین کرتا ہو اس پر شیاطین کیسے نازل ہو سکتے ہیں' ان کی شیطانی کاموں کے ساتھ کیا مشابہت اور کیا مناسبت ہے' پھر بتایا کہ شیطان کس قسم کے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں فرمایا: کیا میں تمہیں ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں O وہ ہر تہمت باندھنے والے گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں O وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں O اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں O (الشعراء: ۲۲۶-۲۲۲)

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ شیاطین کس قسم کے بدکار' گنہگار اور بدکار لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ پاک طینت اور پاک دامن لوگوں پر نازل نہیں ہوتے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو صاف اور شفاف ہے اور پاکیزہ زندگی ہے تو شیاطین آپ پر کیسے نازل ہو سکتے ہیں اور نہ قرآن مجید کے مضامین شیاطین کا موضوع ہیں' کفار مکہ کا یہ کہنا ہر اعتبار سے باطل اور غلط ہے کہ اس قرآن مجید کو شیاطین نے نازل کیا ہے قرآن مجید تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نشانیاں بیان کی ہیں جن پر شیطان اُترتے ہیں' کہ وہ تہمت باندھنے والے گنہگار ہیں' وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور جھوٹے ہیں' اور شاعروں کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں اور شاعر ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں' اب ہم ان اوصاف کے معانی اور ان کے متعلق احادیث پیش کریں گے فنقول و باللہ التوفیق!

افّاک اور اثیم کے معنی

الشعراء: ۲۲۲-۲۲۱ میں فرمایا: کیا میں تم کو ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں' وہ ہر افّاک اثیم پر نازل ہوتے ہیں۔

افّاک کا لفظ افک سے بنا ہے' علامہ راغب اصفہانی افک کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کا منہ اس کی اصل جانب سے پھیر دیا گیا ہو اس کو افک کہتے ہیں' جھوٹ اور بہتان میں بھی کسی چیز کو اس کی اصل صورت سے پھیر دیا جاتا ہے اس لئے اس کو افک کہتے ہیں' وہ ہوائیں جو مخالف جانب اور الٹی چل رہی ہوں ان کو موتفکہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى O (النجم: ۵۳) اور (قوم لوط کی) اوندھے منہ گری ہوئی بستیوں کو اٹھا کر پھینک دیا۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ O (الحاقۃ: ۹) فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور جن کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں انہوں نے بھی خطائیں کیں۔

اور افاک مبالغہ کا صیغہ ہے جو شخص بہت زیادہ بہتان تراشتا ہو اور جھوٹ بولتا ہو اس کو افاک کہتے ہیں۔
(المفردات ج ۱ ص ۲۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اثم ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب سے مانع ہوں' جو افعال گناہِ کبیرہ ہوں ان کو بھی اثم کہا جاتا ہے۔ اثم کا مقابل بِر ہے' (نیکی) حدیث میں ہے البر وہ کام ہے جس پر دل مطمئن ہو' اور الاثم وہ کام ہے جو تمہارے دل میں خلش اور کھٹک پیدا کرے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸-۲۲۷' سنن الداری رقم الحدیث: ۲۵۳۳) اثم کا لفظ عدوان سے زیادہ عام ہے۔
(المفردات ج ۱ ص ۱۲-۱۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

کاہن کا معنی' کاہن کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

قتادہ نے کہا اس آیت میں افاک اثیم سے مراد کاہن ہیں۔

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ کاہن کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو زمانہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور معرفت اسرار کا مدعی ہوتا ہے' شق اور سطیح نام کے عرب میں کاہن تھے' بعض کاہنوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے تابع جنات ہوتے ہیں' جو ان کو غیب کی خبریں آ کر بتاتے ہیں' اور بعض کاہنوں کا یہ زعم ہوتا ہے کہ جو شخص ان سے سوال کرتا ہے وہ اس کے فعل یا اس کے حال سے اس کے متعلق ہونے والے مستقبل کے امور کو جان لیتے ہیں' ان کو عرّاف کہتے ہیں ان کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ کسی چوری ہو جانے والی چیز یا کسی گمشدہ چیز کو جان لیتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی' یا جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا' یا جس شخص نے اپنی بیوی سے اس کی سرین میں جماع (عمل معکوس) کیا وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۹)

یہ حدیث کاہن عراف اور نجومی سب کو شامل ہے۔ (النہایہ ج ۴ ص ۱۸۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت' فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۴۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں ہے' لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ بعض اوقات ہمیں کوئی بات بتاتے ہیں اور وہ سچ نکلتی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچی بات وہ ہے جو ان کے پاس جن پہنچاتا ہے' جن ان کے کان میں وہ بات ڈال دیتا ہے' جس کے ساتھ وہ کئی جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲-۵۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۷۷' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۳۶)

کاہنوں کی اقسام

امام مازری نے یہ کہا ہے کہ کاہن وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مشرکین یہ زعم رکھتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں

کوئی چیز ڈالی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ غیب کو جان لیتے ہیں اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے اس کو شارع علیہ السلام نے کاذب قرار دیا ہے اور اس کی تصدیق سے منع فرمایا ہے۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں کاہنوں کی چار قسمیں ہیں:

(۱) کاہن کے پاس کوئی نیک انسان ہو جو جن کا دوست ہو اور وہ جن اس کو بتائے کہ اس نے آسمان سے کون سی خبر چرا کر سنی ہے' اور یہ قسم اس وقت سے باطل ہو گئی جب سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے' جنات نے کہا:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور ہم نے آسمان کو چھو کر دیکھا تو اسے شدید محافظوں اور سخت شعلوں سے بھرا ہوا پایا ۝ اور ہم اس سے پہلے باتیں سننے کے لیے آسمان پر مختلف جگہوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے' پس اب جو بھی چپکے سے سننا چاہتا ہے تو وہ ایک شعلہ اپنے تعاقب میں پاتا ہے۔

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰-۷)

اور (ہم نے آسمان کو) ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ہے ۝ وہ عالم بالا کی باتوں کو کان لگا کر نہیں سن سکتے' ان کو ہر جانب سے مارا جاتا ہے ۝ دور بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ۝ مگر جو ایک آدھ بات اچک لے تو فوراً اس کے تعاقب میں دہکتا ہوا شعلہ چل پڑتا ہے۔

(۲) جنات زمین کے اطراف میں گھوم پھر کر قریب اور بعید کے حالات کا مشاہدہ کر کے اپنے دوستوں کو اس کی خبریں پہنچا دیتے ہیں۔

(۳) وہ تخمین اور اندازوں سے اور اٹکل پچو سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں ایسی قوت دراکہ رکھتا ہے جس سے وہ مستقبل کے امور کے متعلق قیاس اور اندازے سے باتیں بتاتے ہیں جو کبھی اتفاقاً سچ نکلتی ہیں اور اکثر جھوٹ ہوتی ہیں۔

(۴) کاہن کی ایک قسم عراف ہے' یہ وہ شخص ہے جو علامات' اسباب اور مقدمات سے ان کے نتائج اور مسببات پر استدلال کر کے آئندہ کی باتیں بتاتا ہے اور امور مستقبلہ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے' یہ لوگ ستاروں اور دیگر اسباب سے استفادہ کرتے ہیں' علامہ ھروی نے کہا عراف نجومی کو کہتے ہیں جو غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے' حالانکہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

نجومیوں سے سوال کرنے کی ممانعت

نافع بعض ازواج مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی عراف کے پاس جا کر اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰)

جہاں تک نمازوں کے قبول نہ ہونے کا تعلق ہے' تو اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نیکیاں صرف کفر سے باطل ہوتی ہیں اور یہاں نمازیں قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں سے راضی نہیں ہوتا اور ان کا اجر زیادہ نہیں کرتا' ورنہ اس سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور اس کے ذمہ نمازیں نہیں رہتیں۔ باقی یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں تو اس طرح اور بھی احادیث ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے شراب پی اس

کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۸۶۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مونچھیں کم کرنے' ناخن تراشنے' بغل کے بال نوچنے اور زیر ناف بال صاف کرنے میں ہمارے لئے چالیس روز کی حد مقرر کی گئی ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص (نطفہ کی صورت میں) چالیس دن اپنی ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے' پھر وہ علقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے پھر چالیس روز بعد وہ مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) بن جاتا ہے پھر چالیس روز بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے میں چالیس روز کی کوئی خصوصیت ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۵۴-۱۵۲' دارالوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شہاب ثاقب کے متعلق حدیث اور اس کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری نوجوان نے مجھے بتایا کہ ایک رات ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا جس سے روشنی ہوگئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جب اس طرح کا ستارہ پھینکا جائے تو تم اس کو زمانہ جاہلیت میں کیا کہتے تھے؟ آپ کے اصحاب نے کہا اس کی حقیقت کو اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا آج رات کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ستاروں کو کسی کی موت کی وجہ سے پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے' لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر ان کے قریب کے آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں' حتیٰ کہ آسمان دنیا تک ان کے سبحان اللہ کہنے کی آواز پہنچتی ہے' پھر حاملین عرش کے قریب والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فیصلہ کیا تو وہ ان کو اس کی خبر دیتے ہیں' پھر بعض آسمان والے دوسرے بعض کو اس کی خبر دیتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک اس کی خبر پہنچ جاتی ہے' پھر جنات یہ خبر کان لگا کر سنتے ہیں اور اپنے دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں' پھر جو خبر بعینہٖ وہی ہو وہ برحق ہے لیکن جنات اس میں کچھ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۷۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۸ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاملین عرش اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب فرشتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے امور کو سب سے پہلے ان پر منکشف فرماتا ہے پھر ان کے واسطے سے باقی آسمانوں کے فرشتوں کو درجہ بہ درجہ مطلع فرماتا ہے۔

امام مازری نے کہا رہا علم نجوم تو بہ کثرت فلاسفہ نے یہ کہا ہے کہ ہر فلک اپنے ماتحت افلاک میں تاثیر کرتا ہے حتیٰ کہ آسمان دنیا تمام حیوانات میں' معدنیات میں اور نباتات میں تاثیر کرتا ہے اور اس تاثیر میں اللہ عزوجل کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ قول اسلام سے خروج ہے۔

اور جس نے یہ کہا کہ ہر چیز میں فاعل اور موثر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی طبعی قوتیں رکھی ہیں جو تاثیر کرتی ہیں جیسے آگ میں جلانے کی تاثیر رکھی ہے اور سورج کی حرارت میں نباتات کو تیار کرنے کی تاثیر رکھی ہے اس طرح بعض دواؤں میں بعض بیماریوں سے شفاء کی تاثیر رکھی ہے اور زہر میں ہلاکت کی تاثیر رکھی ہے۔ اسی طرح بعض ستاروں کا جب کسی برج میں اتصال یا انفصال ہوتا ہے تو اس سے بعض تاثیرات صادر ہوتی ہیں تو اس سے یہ کہا جائے گا یہ ستاروں کی

تاثیر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ چیز بعض امور مستقبلہ کے لیے علامات ہیں جیسے گہرے اور گھنے بادلوں کا آنا بارش کی علامت ہے۔ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق بھی احادیث وارد ہیں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۶۲-۱۵۹ ملخصاً مطبوعہ دارالوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض مالکی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق احادیث اوران کی تشریح

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور آسمان پر رات کی بارش کے آثار تھے' جب آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا: صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں نے صبح کی بعض مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور بعض کفر کرنے والے تھے' جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور ستاروں کا کفر کرنے والے تھے اور جنہوں نے کہا فلاں' فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرا کفر کرنے والے تھے اور ستاروں پر ایمان لانے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۲۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

یہ احادیث تغلیظ پر محمول ہیں' کیونکہ عرب یہ گمان کرتے تھے کہ بارش ستاروں کی تاثیر سے ہوتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں گردانتے تھے' لیکن جو شخص بارش نازل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے اور ستاروں کو علامات قرار دے جیسے رات اور دن اوقات کی علامات ہیں تو اس میں گنجائش ہے' جیسے حضرت ابوہریرہ نے کہا ہمیں اللہ نے پانی پلایا ہے اور ستاروں نے پانی نہیں پلایا' اور جو شخص ستاروں کو موثر مانے وہ کافر ہے۔(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۳۳۱' مطبوعہ دارالوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی' علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(البحر المحیط ج ۱۰ ص ۹۴' عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۸۳' روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۳۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے بارش کو نازل کرنے میں ستاروں کو موثر حقیقی جانا اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے اور ستارے بارش نازل ہونے کی علامت اور اس کا وقت ہیں اور اس کو وہ سبب عادی جانتا ہو جیسا کہ وہ یوں کہے کہ فلاں وقت ہم پر بارش نازل ہوئی ہے تو یہ کفر نہیں ہے تاہم یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس قسم کا کلام کافر اور دہریے کرتے ہیں اور یہ زمانہ جاہلیت کے اقوال کے مشابہ ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۶۸۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ربیع نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی رکھی ہے نہ کسی کی موت اور نہ کسی کا رزق' نجومی اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھتے ہیں اور ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں۔(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن (نجومی) کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی یا جس شخص نے اپنی عورت کی پچھلی طرف مباشرت کی وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۴ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۹)

علم نجوم کا لغوی معنیٰ

ان احادیث میں چونکہ ستاروں کی تاثیر کا ذکر آ گیا ہے اس لئے ہم یہاں علم نجوم اور علم جفر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ان کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں' علم نجوم کا لغوی معنی یہ ہے:

سیاروں کی تاثیرات یعنی سعادت ونحوست اور واقعات آئندہ کی حسب گردش پیش گوئی یا معاملاتِ تقدیر اور اچھے برے موسم کی خبر دینے کا علم۔ (اُردو لغت ج ۱۳ص ۵۱۹'اردو لغت بورڈ کراچی' جون ۱۹۹۱ء)

علم نجوم کے اصول اور مبادی

علم نجوم کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ عالم تحت القمر یا ارسطاطالیسی ''عالم الکون و الفساد'' میں جتنی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان سب کا اجرام سماوی کے مخصوص طبائع اور حرکات سے قریبی تعلق ہے۔ انسان' جو عالم اصغر ہونے کی حیثیت سے پورے عالم اکبر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے' بالخصوص ستاروں کی تاثیرات کے تابع ہے' اس میں خواہ ہم بطلمیوس کی پیروی میں واضح طور پر اس عملی نظریے کو تسلیم کریں کہ اجرام فلکی سے نکلی ہوئی شعاعوں سے ایسی قوتیں یا اثرات خارج ہوتے ہیں جو معمول (قابل) کی طبیعت کو عامل (فاعل) کی طبیعت کے مطابق بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہم خیال ہونے کی غرض سے اجرام سماوی کو آئندہ ہونے والے واقعات کا اصل فاعل نہ مانتے ہوئے محض ان واقعات کی نشانیاں (دلائل) تصور کریں۔ ستاروں کا اثر ان کی انفرادی نوعیت پر' نیز زمین یا دوسرے ستاروں کے لحاظ سے ان کے مقام پر منحصر ہے' لہٰذا عالم کون وفساد کے واقعات اور انسانی زندگی کے نشیب وفراز ہمیشہ لاتعداد اور نہایت متنوع بلکہ متناقض سماوی اثرات کے نہایت ہی پیچیدہ اور متغیرہ امتزاج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو جاننا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ نظر میں رکھ کر دیکھنا منجم کا محنت طلب کام ہے۔

آخر میں جغرافیائی عنصر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ روئے زمین کی ہر اقلیم ایک خاص برج اور ایک خاص سیارے کی تاثیر کے تابع ہے' لہٰذا مختلف ملکوں کے افراد کے لیے افلاک کی حالت سے ایک ہی جیسی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ نجومی کا یہ ''ساز وسامان'' ایک خاص وضع قطع کا ہے۔ اس کا استعمال بھی اس سے کچھ کم پیچیدہ نہیں۔ مسلمان منجمین کا فن تین بڑے نظاموں میں محدود قرار دیا جا سکتا ہے: (۱) نظام مسائل (استفسارات یا سوالات) جس کی غرض وغایت ایسے سوالوں کا جواب دینا ہے جو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ہوں' یعنی جب سائل کسی غیر حاضر شخص کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے' یا اسے کسی چور کا سراغ لگانا مقصود ہو' یا کسی کھوئی ہوئی چیز کا پانا مطلوب ہو۔ یہ نجوم کا سب سے زیادہ آسان اور عام شعبہ ہے (۲) نظام اختیارات (Electiones) یعنی کسی نہ کسی کام کے سرانجام دینے کا سعد وقت۔ اس وقت کے تعین کے لیے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ چاند اس وقت کس برج میں ہے۔ جو احکامی ہندی طریقوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ بارہ برجوں کے بجائے چاند کی ۲۸ منزلوں کا شمار کرتے ہیں۔ (۳) نظام سہام الموالید (Genethliological System)' یا مسلم مصنفین کی اصطلاح میں' جس نظام کی بنیاد تحاویل السنین (Revolutiones Annorum) پر ہے' یعنی ان اصطلاحی یا وضعی سالوں یا ان کے حصوں پر جو کسی فرد کی پیدائش' یا کسی حکومت' فرقے' یا مذہب یا کسی شہر کی تاسیس وغیرہ سے شروع کر کے اب تک گذر چکے ہوں یا گذرے ہوئے سمجھے جائیں۔ اس نظام کا بنیادی اصول دوسرے نظاموں سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ ٹھیک پیدائش کے وقت کرۂ سماوی کی خاص صورتحال اٹل طور پر نوزائیدہ کی قسمت کی ہمیشہ کے لیے حد بندی کر

دیتی ہے اور اس کے بعد اس کی زندگی بنیادی طور پر کرۂ سماوی کی آئندہ پیش آنے والی تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوتی۔ یہ بطلمیوس کا نظام ہے‘ جس میں اختیارات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے اور جو کچھ ہے اس کی حیثیت مضمرات کی ہے۔ اس کے ہاں نظام مسائل کے لیے ایک لفظ تک نہیں‘ نیز اس نظام میں دوسرے دو نظاموں کی نسبت فنی دقتیں زیادہ ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ‘ ج ۱-۱۴‘ ص ۳۰۷-۳۰۵ ملخصاً‘ دانش گاہ پنجاب لاہور)

علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ آفندی قسطنطنی التوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ ان قواعد کا علم ہے جس سے تشکلات فلکیہ یعنی افلاک اور کواکب کی اوضاع مخصوصہ مثلاً مقارنت‘ اور مقابلت‘ وغیرہ سے دنیا کے حوادث ان کے مرنے اور جینے‘ بننے اور بگڑنے اور دیگر احوال کی معرفت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ستاروں پر ایمان لایا وہ کافر ہو گیا لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نجومی کا اعتقاد یہ ہو کہ ستارے عالم کی تدبیر میں مستقل ہیں۔

علم نجوم کی توجیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہو کہ بعض حوادث بعض دوسرے حوادث کا سبب ہوں‘ لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سیارے نحوست (اور اسی طرح سعادت) کے لیے عادۃً اسباب اور علت ہیں‘ نہ اس پر کوئی حسی دلیل ہے نہ سمعی اور نہ عقلی‘ حسی دلیل کا نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور عقلی دلیل اس لئے نہیں ہے کہ سیاروں کے متعلق ان کے اقوال متضاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عناصر سے مرکب نہیں ہیں بلکہ ان کی طبیعت خاصہ ہے پھر کہتے ہیں کہ زحل سرد خشک ہے اور مشتری گرم تر ہے اس طرح انہوں نے عناصر کے خواص کو کواکب کے لیے ثابت کیا۔ اور شرعاً اس لئے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ستاروں کے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا یا منجم کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

دیگر احادیث اس طرح ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص عراف یا ساحر یا کاہن کے پاس گیا‘ اس سے سوال کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۴۰۸‘ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۹‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۲‘ عالم الکتب)

خصوصیت کے ساتھ نجومیوں کے متعلق یہ حدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا اس نے جادو سے اقتباس کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۶‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۰‘ دار الفکر)

کشاف اصطلاحات الفنون میں مذکور ہے کہ اس علم کا موضوع ستارے ہیں اس حیثیت سے کہ ستاروں سے اس جہان کے احوال اور مسائل معلوم ہوں‘ جیسے ان کا یہ قول ہے کہ جب سورج اس مخصوص جگہ پر ہو تو وہ اس جہان میں فلاں چیز کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اصحاب علم نجوم کا یہ زعم ہے کہ وہ سیاروں کی قوتوں کی معرفت سے اس جہان کی چیزوں کو پیدا ہونے سے پہلے جان لیتے ہیں۔
علم نجوم کے بطلان پر یہ دلیل کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خود کسی ترکیب' کسی صنعت اور کسی طریقہ سے غیب کا علم حاصل کیا نہ امت کو اس کی تعلیم دی' انبیاء علیہم السلام کو صرف وحی سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہوتا تھا۔
(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۳۱-۱۹۳۰' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ طہران' ۱۳۷۸ھ)

علم نجوم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (امام غزالی' امام بخاری' علامہ طیبی' ملا علی قاری' علامہ شامی امام احمد رضا' علامہ امجد علی' مفتی احمد یار خاں' مفتی وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ وغیرھم کی آراء)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ فرماتے ہیں:
علم نجوم کے احکام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسباب سے حوادث پر استدلال کرتے ہیں لیکن شریعت میں یہ علم مذموم ہے حدیث میں ہے:
حضرت ثوبان رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو بحث نہ کرو' اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۲۷' یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۴۸' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۲۳' ۲۰۲)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بعد اپنی امت پر پانچ چیزوں کا خطرہ ہے۔تقدیر کی تکذیب کرنا اور ستاروں کی تصدیق کرنا۔ (ابو یعلیٰ نے صرف دو کا ذکر کیا ہے)
(مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۴۱۳۵' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۹۲۶)
حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا خطرہ ہے ستاروں سے بارش کو طلب کرنا' سلطان کا ظلم کرنا اور تقدیر کی تکذیب کرنا۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۹۰' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۷۲۴' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔اس کی سند میں یزید رقاشی ضعیف ہے باقی راوی ثقہ ہیں)
حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آخر زمانہ میں مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ ستارے ہیں' تقدیر کو جھٹلانا ہے اور سلطان کا ظلم کرنا ہے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۱۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۲' اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں)
امام غزالی فرماتے ہیں نجوم کے احکام محض ظن' تخمین اور اندازوں پر مبنی ہیں' اور ان کے متعلق کوئی شخص یقین یا ظن غالب سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا' لہٰذا اس پر حکم لگانا جہل پر حکم لگانا ہے' سو نجوم کے احکام اس لئے مذموم ہیں کہ یہ جہل ہیں نہ اس حیثیت سے کہ یہ علم ہیں' یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا (دراصل وہ علم رمل تھا یعنی لکیروں سے زائچہ بنانے کا علم وہ علم نجوم کا علم نہیں تھا) اب یہ علم مٹ چکا ہے' اور کبھی کبھار نجومی کی جو بات سچ نکلتی ہے وہ بہت نادر ہے اور محض اتفاق ہے' کیونکہ وہ کبھی بعض اسباب پر مطلع ہو جاتا ہے اور ان اسباب کے بعد مسبب اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب بہت ساری شروط پائی جائیں جن کے

حقائق پر مطلع ہونا بشر کی قدرت میں نہیں ہے' جیسے انسان کبھی بادل دیکھ کر بارش کا گمان کرتا ہے حالانکہ بارش کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا' اور جس طرح ہواؤں کا رخ دیکھ کر ملاح کشتی کو سلامتی سے لے جانے کا گمان کرتا ہے حالانکہ سلامتی کے اور بھی اسباب ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا اور اس کا اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ. (الملک: ۵) بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین فرمایا ہے۔

قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے' ان ستاروں کو آسمان کی زینت بنایا اور ان کو شیاطین پر رجم کرنے کے لیے بنایا اور ان کو راستوں کی ہدایت کی علامات بنایا' اور جس نے ان ستاروں کا کوئی اور مقصد قرار دیا اس نے خطا کی اور اپنا حصہ ضائع کیا اور جس چیز کا علم نہیں تھا اس میں تکلف کیا۔ رزین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ انبیاء اور فرشتے اس علم سے عاجز نہ تھے۔ (کتاب بدء الخلق' باب: ۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۶۰۲)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام قشیری نے نجومیوں کے مذاہب تفصیل سے ذکر کر کے ان کو باطل کیا ہے' اور لکھا ہے کہ نجومیوں کا صحت کے قریب ترین قول یہ ہے کہ ان حوادث کو ابتداءً اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے پیدا فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ ان حوادث کو اس وقت پیدا فرماتا ہے جب یہ سیارے بروج مخصوصہ میں ہوتے ہیں' اور یہ سیارے اپنی رفتار' اپنے اتصال اور اپنی شعاؤں کے گرنے میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عادت جاریہ ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ نر اور مادہ کے اختلاط کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد پیٹ بھر جاتا ہے' علامہ قشیری نے کہا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جائز ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ اس کے خلاف پر دلیل ہے کیونکہ جو کام بہ طور عادت جاریہ ہو' اس میں استمرار ہوتا ہے اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس میں تکرار ہوتا ہے اور ان کے نزدیک ایک وقت ایک مخصوص طریقہ سے بار بار نہیں ہوتا' کیونکہ ایک سال میں سورج کسی برج کے ایک درجہ میں ہوگا تو دوسرے سال اس برج کے اس درجہ میں نہیں ہوگا' اور قرائن' مقابلات اور کواکب کی طرف نظر کے اعتبار سے احکام مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

(شرح الطیبی ج ۸ ص ۳۳۶-۳۳۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ستاروں کی تاثیرات دائمی یا اکثری نہیں ہیں اس کو آسان اور عام فہم طریقہ سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی خاص صفت کے ساتھ کسی ستارے کا کسی مخصوص برج میں ہونا برکت یا نحوست یا فائدہ یا نقصان کا موجب ہے تو ہمیشہ یا اکثر اوقات میں اس ساعت میں برکت یا نحوست یا فائدہ یا نقصان کے اثرات ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا' اگر بارش کا ہونا' طوفانوں کا اٹھنا اور زلزلوں کا آنا ستاروں کے کسی مخصوص برج میں ہونے کی وجہ سے ہو تو جب بھی وہ ستارہ اس مخصوص برج میں ہو تو یہ آثار صادر ہونے چاہئیں' یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سعادت' نحوست' اور نفع اور نقصان کے آثار جن اوقات میں مرتب ہوتے ہیں ان مخصوص اوقات میں ان کا ترتب دائمی یا اکثری نہیں ہے اور مسبب کا دائمی اور اکثری نہ ہونا سبب کے دائمی اور اکثری نہ ہونے کی دلیل ہے' اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جن اوقات میں ستارے مخصوص برج میں ہوتے ہیں ان اوقات میں دائمی یا اکثری طور پر ان مخصوص حوادث کا صدور نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ جب یہ

ستارے مخصوص برج میں مخصوص صفت کے ساتھ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان مخصوص حوادث کو صادر کر دیتا ہے لہٰذا ستاروں کا مخصوص برج میں ہونا نہ حوادث کے صدور کی علت ہے نہ ان کے صدور کا دائمی یا اکثری سبب ہے'۔

امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الخطیب تبریزی المتوفی ٧٤١ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی ذکر کی ہوئی چیز کے سوا کسی اور چیز کے لیے ستاروں کا علم حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا' نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ٤٦٠٤)

اللہ کی ذکر کی ہوئی چیزوں سے مراد ستاروں سے آسمان کی زینت ان کا رجوم شیاطین (شہاب ثاقب) ہونا اور ان سے راستوں کی ہدایت حاصل کرنا ہے۔ سو جس شخص نے ان کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے ستاروں کا علم حاصل کیا (مثلاً غیب جاننے کے لیے اور آئندہ کی پیش گوئی کے لیے) تو اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ١٠١٤ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس کاہن اور نجومی دونوں کافر ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ پانچ سال تک اپنے بندوں سے بارش کو روک لے اس کے بعد بارش نازل فرمائے تو لوگوں میں سے کافروں کی ایک جماعت یہ کہے گی کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ١٥٢٦' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٤٦٠٥)

ملا علی قاری لکھتے ہیں: اب ان کافروں سے یہ کہا جائے گا کہ پانچ سال تک وہ ستارہ کہاں تھا جس کی وجہ سے ایک سال میں سینکڑوں بار بارشیں ہوتی تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ ستارے دائمی سبب ہیں نہ اکثری سبب ہیں اور نہ بارش کے لیے ان کا مخصوص برج میں ہونا سبب ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور نہ بارش کی علامت ہے' یہ سب کفار کی بے دلیل باتیں اور خرافات ہیں۔ (مرقات المفاتیح ج٩ ص٢٢' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ١٣٩٠ھ)

سید محمد امین ابن عابد بن شامی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاء الدین الحصکفی متوفی ١٠٨٨ھ نے علم نجوم اور علم رمل وغیرہ کو حرام کہا ہے۔ (در مختار ج١ ص١٢٣ ملخصاً)

علامہ شامی فرماتے ہیں علم نجوم کی تعریف ہے: حوادث سفلیہ پر تشکلات فلکیہ سے استدلال کی معرفت جس علم سے حاصل ہو وہ علم نجوم ہے۔

صاحب ہدایہ نے مختارات نوازل میں لکھا ہے کہ فی نفسہٖ علم نجوم اچھا علم ہے مذموم نہیں ہے' ایک علم حسابی ہے اور یہ برحق ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (الرحمٰن: ٥) سورج اور چاند مقررہ حساب سے (گردش کر رہے) ہیں۔

یعنی ان کی رفتار اور ان کا گردش کرنا حساب سے ہے' اور اس کی دوسری قسم استدلال ہے' یعنی وہ ستاروں کی رفتار اور افلاک کی حرکت سے اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر استدلال کرتے ہیں' اور یہ جائز ہے جیسے طبیب نبض کی رفتار سے صحت اور مرض پر استدلال کرتا ہے' اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر استدلال نہ کرے بلکہ خود غیب جاننے کا دعویٰ کرے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا' پھر اگر علم نجوم سے صرف نمازوں کے اوقات اور قبلہ کی سمت پر استدلال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ الخ'

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اتنی مقدار سے زائد علم نجوم حاصل کرنے میں حرج ہے' بلکہ الفصول میں مذکور ہے کہ مطلقاً علم نجوم کو

حاصل کرنا حرام ہے جیسا کہ درمختار میں ہے' اور اس سے مراد علم نجوم کی وہ قسم ہے جس میں ستاروں کی رفتار اور حرکت افلاک سے اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر استدلال کیا جاتا ہے' اسی وجہ سے احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ فی نفسہ علم نجوم مذموم نہیں ہے' اور حضرت عمر نے فرمایا ستاروں سے وہ علم حاصل کرو جس سے تم بحر وبر میں راستوں کی ہدایت حاصل کر سکو' پھر رک جاؤ' حضرت عمر نے اس کے ماسوا کو تین وجوہ سے منع فرمایا ہے: (۱) یہ علم اکثر مخلوق کے لیے مضر ہے' کیونکہ عوام جب یہ علم سیکھیں گے تو وہ ستاروں کو موثر اعتقاد کریں گے۔ (۲) ستاروں کے احکام محض اندازوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ (۳) اس علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے' کیونکہ جو چیز مقدر کر دی گئی ہے وہ بہر حال ہونی ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

علم رمل وہ علم ہے جو قواعد سے لکیروں اور نقطوں کی مختلف اشکال پر مبنی ہے' اور ان شکلوں سے مستقبل میں پیش ہونے والے امور معلوم ہو جاتے ہیں اور تم کو معلوم ہے کہ یہ علم حرام قطعی ہے' اس کی اصل حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اس علم کا سیکھنا اور سکھانا حرام قطعی ہے' کیونکہ اس سے عوام کو یہ وہم ہوگا کہ اس علم کا جاننے والا غیب کے علم میں اللہ کا شریک ہے (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۶۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی فرماتے ہیں حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی یا جس شخص نے اپنی بیوی کی پچھلی طرف میں مباشرت کی تو وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۹) اس حدیث میں کاہن کا لفظ عرّاف اور منجم دونوں کو شامل ہے اور عرب ہر اس شخص کو کاہن کہتے تھے جو علم دقیق کا حامل ہو اور بعض عرب منجم اور طبیب کو بھی کاہن کہتے تھے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۶' ۱۲۴-۱۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

نجوم کے دو ٹکڑے ہیں علم وفن تاثیر اول کی طرف تو قرآن عظیم میں ارشاد ہے: الشمس والقمر بحسبان ○ والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم ○ والقمر قدرنه منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم ○ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون ○ وجعلنا اللیل والنهار ایتین فمحونا ایة اللیل وجعلنا ایة النهار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب وکل شیء فصلنه تفصیلا ○ والسماء ذات البروج ○ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا ○ فلا اقسم بالخنس ○ الجوار الکنس ○ ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار ○ الم تر الیٰ ربک کیف مد الظل ولو شاء لجعله ساکنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا ○ ثم قبضنه الینا قبضا یسیرا ○ الی غیر ذلک من ایات کثیرة اور اس کا فن تاثیر باطل ہے تدبیر عالم سے کواکب کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا نہ ان کے لیے کوئی تاثیر ہے غایت درجہ فلکیہ مثل حرکات نبض علامات ہیں کما قال اللہ تعالی وعلمت وبالنجم هم یهتدون نبض کا اختلاف اعتدال سے طبیعت کے انحراف پر دلیل ہوتا ہے مگر وہ انحراف اس کا اثر نہیں بلکہ یہ اختلاف اس کے سبب سے ہے اس علامت ہی کی وجہ سے کبھی اس کی طرف اکابر نے نظر فرمائی ہے فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم. زمانہ قحط میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ باران کے لیے دعا کرو اور منزل قمر کا لحاظ کر لو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے منقول ہے لاتسافروا والقمر فی العقرب اگرچہ

علماء نے اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ عقرب ایک منزل تھی اور قمر ایک راہزن کا نام تھا کہ اس منزل میں تھا۔ علم تکسیر علم جفر سے جدا دوسرا فن ہے اگرچہ جفر میں بھی تکسیر کا کام پڑتا ہے یہ بھی اکابر سے منقول ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالی و امام فخر الدین رازی و شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و شیخ ابو العباس یونی و شاہ محمد غوث گوالیاری وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اس فن کے مصنف و مجتہد گذرے ہیں اس میں شرف قمر وغیرہ ساعات کا لحاظ اگر اسی علامت کے طور پر ہو جس کی طرف ارشاد فاروقی نے اشارہ فرمایا تو لا باس بہ ہے اور پابندی او ہام منجمین کے طور پر ہو تو ناجائز ان هي الا اسماء سميتموها انتم و آباؤ كم ما انزل الله بها من سلطن ان الحكم الا لله امر ان لا تعبدوا الا اياه ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ۝ طلسم و نیرنجات سراسر ناجائز ہیں نیرنج تو شعبدہ ہے اور شعبدہ حرام كما في الدر المختار وغيره من الاسفار اور طلسم تصاویر سے خالی نہیں اور تصویر حرام اشد الناس عذابا يوم القيمة من قتل نبيا او قتله نبي والمصورون۔ والله تعالى اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲-۱۰، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی، ۱۴۱۲ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

باقی ستارے رہے تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی بھی کچھ اصل ہو کیونکہ شرع نے صرف ان کے اندر مشغول رہنے سے نہی فرمائی ہے۔ ان کی حقیقت کی نفی بالکلیہ نہیں کی ہے اور اسی طرح سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور مشتغلین کی مذمت اور ان تاثیرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر ان سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہات اولیٰ کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں مثلاً شمس و قمر کے حالات مختلف ہونے سے فصلوں کا مختلف ہونا و علیٰ ہذا القیاس، اور بعض باتیں فکر یا تجربہ یا رسد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غالباً ان کی تاثیر دو طریقے سے ہوتی ہے ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جس طرح ہر نوع کے لیے طبائع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں یعنی حرارت و برودت اور رطوبت اور یبوست اور امراض کے دفع کرنے میں انہیں طبائع سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح افلاک اور کواکب کے لیے بھی طبائع خاص اور جدا جدا خواص ہیں مثلاً آفتاب کے لیے حرارت اور چاند کے لیے رطوبت اور جب ان کواکب کا اپنے اپنے محل میں گذر ہوتا ہے، زمین پر ان کی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو کہ عورتوں کے لیے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں ان کا منشاء عورتوں کی طبیعت ہی ہوا کرتی ہے اگرچہ اس کا ادراک ظاہر طور پر نہ ہو سکے اور مرد کے ساتھ جو اوصاف مختص ہیں مثلاً جرأت آواز کا بھاری ہونا اس کا منشا بھی اس کی کیفیت مزاجی ہوا کرتی ہے پس تم اس بات سے انکار مت کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ کے قویٰ زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے۔ اس کی مثال ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کے ساتھ ان عناصر ثلاثہ کا حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے ساتھ جنین کا حال ہوا کرتا ہے پس یہی قوت جہان کو اولاً صورت حیوانیہ بعد ازاں صورت انسانیہ کے قبول کرنے کے قابل بناتی ہے اور اتصالات فلکی کے اعتبار سے ان قویٰ کا حلول کئی طرح پر ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں جب کچھ لوگوں نے اس کے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہو گیا، اور اس کے ذریعہ سے آئندہ واقعات ان کو معلوم ہونے لگے مگر جب مقتضائے الٰہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے متصور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا نظام بھی قائم رہتا ہے اور شروع میں اس نکتہ کو

اس طرح پر تعبیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم عقلی نہیں ہے بلکہ عادت الٰہی اس طرح جاری ہے اور خاص بمنزلہ امارات اور علامت کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں توغل ہو گیا اور ہمہ تن اس میں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اس میں کفر اور خدا تعالیٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا' کیونکہ جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے یہ مینہ برسا ہے بلکہ وہ تو خواہ مخواہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے برسا ہے لہٰذا یہ امر اس کو اس ایمان سے جو نجات کا دارومدار ہے ضرور مانع ہوگا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے ناواقفیت ہے تو اس کی یہ ناواقفیت کچھ مضر نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خود تمام عالم کا مقتضائے حکمت کے موافق انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس ضرور ہوا کہ شرع میں ایسا علم نیست و نابود کر دیا جائے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ جس نے نجوم سیکھا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے اسی قدر اس کا وبال ہوگا۔ اس کا حال توریت و انجیل کا سا حال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ نہایت تشدد کیا ہے جو ان کے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدمی ان کو دیکھ کر قرآن عظیم کی فرمانبرداری ترک کر دے اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہماری رائے ہے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے۔ پس اگر سنت سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہو تو جو سنت سے ثابت ہو وہی بات ٹھیک ہے۔ (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۵' مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ' لاہور)

صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قمر در عقرب' یعنی چاند جب برج عقرب میں ہوتا ہے تو سفر کرنے کو برا جانتے ہیں اور نجومی اسے منحوس بتاتے ہیں اور جب برج اسد میں ہوتا ہے تو کپڑے قطع کرانے اور سلوانے کو برا جانتے ہیں ایسی باتوں کو ہرگز نہ مانا جائے' یہ باتیں خلاف شرع اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔

نجوم کی اس قسم کی باتیں جن میں ستاروں کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع کرے گا تو فلاں بات ہوگی یہ بھی خلاف شرع ہے اس طرح پچھتروں کا حساب کہ فلاں پچھتر سے بارش ہوگی یہ بھی غلط ہے حدیث میں اس پر سختی سے انکار فرمایا۔ (بہار شریعت حصہ ۱۶' ص ۱۵۹' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' ۱۴۱۶ھ)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی فلاں تارہ فلاں برج میں پہنچا لہٰذا بارش ہوئی اس کی تاثیر سے بادل اور برسایا کہنا حرام ہے بلکہ بعض معانی سے کفر ہے' خیال رہے کہ ستاروں کو فاعل مدبر ماننا کفر ہے انہیں بارش کی علامت ماننا اگرچہ کفر نہیں ہے مگر یہ کہنا بہت برا ہے کہ فلاں تارے سے یہ بارش ہوئی کہ اس میں کفار کے عقیدے کا اظہار ہے۔ (اس سے پہلے ص ۲۷۰ پر لکھا ہے:) بہرحال نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا بدترین گناہ ہے۔ (مرءات المناجیح ج ۶ ص ۲۷۴' مطبوعہ گجرات)

مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی متوفی ۱۹۹۳ء رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نجومی اور کاہن وغیرہ سے تو سوال کرنے کی بھی ممانعت ہے' صحیح مسلم میں ہے: جو کاہن (نجومی) کے پاس آئے اور اس سے کچھ دریافت کرے اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں' حضرت ربیع سے ایک روایت ہے کہ قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی نہیں رکھی' نہ ہی اس کا رزق اور نہ ہی اس کی موت اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وہ ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطب والرقی' باب الکہانت' فصل ثالث) مشکوٰۃ میں ایک اور حدیث ہے' حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، جس کسی نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان فرمایا' پس تحقیق اس نے ایک حصہ جادو کا حاصل کیا نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (مشکوٰۃ حوالہ بالا) غرض علم نجوم اور علم رمل سیکھنا ناجائز ہے اور زائچہ بنوانا بھی ناجائز ہے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۳۴-۴۳۳ ملخصاً' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۲۱ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح نجومی ہیں اور ان کے علم کا مبنیٰ یہ ہے کہ حرکات علویہ حوادث کے حدوث کا سبب ہیں اور سبب کا علم مسبب کے علم کو واجب کرتا ہے ان لوگوں کو کسی چیز کے ایک سبب کا پتا چل جاتا ہے لیکن اس چیز کے باقی اسباب' اس کی تمام شروط اور تمام موانع کا علم نہیں ہوتا' مثلاً ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اگر گرمیوں میں سورج سر پر پہنچ جائے تو فلاں علاقے میں انگور منقیٰ بن جائیں گے' لیکن ہوسکتا ہے اس علاقہ میں انگور پیدا نہ ہوئے ہوں یا بارش اور ژالہ باری سے انگور پکنے سے پہلے ہی ضائع ہو گئے ہوں' لہٰذا صرف اس بات کے علم سے کہ گرمیوں میں سورج کی حرارت سے انگور منقیٰ بن جاتے ہیں یہ پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ کسی علاقے میں فلاں مہینے میں انگور منقیٰ بن گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا جس شخص نے عراف کے پاس جاکر کسی چیز کا سوال کیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰) اور عراف کا لفظ کاہن' نجومی اور رمال سب کو شامل ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۱۰۶' مطبوعہ دار الجیل' الریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

پھر ان نجومیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو یہ اس کے نام کا ستارہ معلوم کرتے اور بچہ کا وہ نام رکھتے جو اس ستارے پر دلالت کرتا' پھر وہ بچہ جب بڑا ہو جاتا تو پھر وہ اس ستارے کے احوال سے اس بچے کے احوال کو معلوم کرتے' اور ان کے اختیارات یہ ہوتے تھے کہ اگر انہوں نے کسی سفر پر جانا ہوتا تو اگر چاند کسی مبارک برج میں ہوتا جو ان کے نزدیک سرطان ہے تو وہ سفر پر جاتے اور اگر چاند کسی منحوس برج میں ہوتا اور وہ ان کے نزدیک عقرب ہے تو پھر وہ سفر پر نہ جاتے۔

جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ایک نجومی آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! آپ سفر نہ کریں کیونکہ چاند برج عقرب میں ہے' کیونکہ اگر آپ نے اس حال میں سفر کیا جبکہ چاند برج عقرب میں ہے تو آپ کے اصحاب کو شکست ہو جائے گی۔ حضرت علی نے فرمایا بلکہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سفر کروں گا' اور تمہاری تکذیب کروں گا' سو انہوں نے سفر کیا اور ان کا وہ سفر بابرکت رہا' حتیٰ کہ بہت سے خوارج مارے گئے' اور یہ ان کی بہت بڑی مہم تھی' کیونکہ حضرت علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خوارج سے قتال کیا تھا۔ اور یہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اس حال میں سفر نہ کرو کہ قمر (برج) عقرب میں ہو تو اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے۔

اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کا فن ہے' تو اولاً تو یہ قول بلاعلم ہے' کیونکہ اس قسم کی بات بغیر نقل صحیح کے معلوم نہیں ہوسکتی' اور اس قسم کی کوئی نقل صحیح ثابت نہیں ہے' ثانیاً اگر اس قسم کی کوئی پیش گوئی حضرت ادریس سے ثابت ہو تو وہ ان کا معجزہ ہوگا اور یہ وہ علم ہوگا جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہوگا اور وہ علوم نبوت سے ہے' اور نجومی اپنے تجربہ اور قیاس سے پیش گوئی کرتے ہیں نہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی دی ہوئی خبر سے' ثالثاً نجومیوں کی پیش گوئیاں بہ کثرت جھوٹ ہوتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی خبریں جھوٹ سے معصوم ہوتی ہیں۔ رابعاً ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی ہے اور اس میں جھوٹ ملا دیا ہے' اور ان کی تصدیق کرنے سے منع

فرمایا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تمہیں اہل کتاب کوئی خبر دیں تو تم نہ اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو بلکہ یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا' ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے' ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۵) سو جب ہم کو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں کی تصدیق سے منع کر دیا تو ہم اس چیز کی تصدیق کیسے کر سکتے ہیں' جس کو بغیر کسی ثبوت کے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جن ستاروں کو نجومیوں نے منحوس اور مبارک کہا ہے' اگر آپ اس کا الٹ کر دیں اور مثلاً جب قمر برج سرطان میں ہو تو اس کو منحوس کہیں اور جب وہ برج عقرب میں ہو تو اس کو مبارک کہیں اور اس بنیاد پر پیش گوئی کریں تب بھی بعض اوقات یہ پیش گوئی صحیح ہو گی اور بعض اوقات یہ پیش گوئی غلط ہو گی جس طرح ان کے مفروضات کی بنیاد پر کبھی ان کی پیش گوئی صحیح ہوتی ہے اور کبھی ان کی پیش گوئی غلط ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر غلط ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جس بنیاد پر پیش گوئی کرتے ہیں وہ بنیاد محض ان کی من گھڑت اور خود ساختہ ہے اس کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے اور یہ محض اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۱۱۱-۱۰۹' ملحضاً' مطبوعہ دار الجیل ریاض ۱۴۱۸ھ)

یہ تو شیخ ابن تیمیہ کے زمانے کے نجومیوں پر تبصرہ ہے اور ہمارے زمانہ میں جو نجومی ہیں ان کو تو یہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ برج کس چیز کا نام ہے اور کون سا ستارہ کس برج میں کب ہوتا ہے اور اس کو جاننے کا کیا ذریعہ ہے' اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ کون سا ستارہ مبارک ہے اور کون سا منحوس ہے' اور کس شخص کا کون سا ستارہ ہے اس کا علم کس ماخذ سے ہوا۔

اخبارات میں شائع ہونے والی نجومیوں کی پیش گوئیوں اور غیب کی خبروں پر مصنف کا تبصرہ

علم نجوم کی بحث میں ہم وہ احادیث نقل کر چکے ہیں جن میں نجومیوں سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اخبارات میں ہر ہفتہ اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوتا ہے کہ "یہ ہفتہ کیسا رہے گا" اور اس مضمون میں اس ہفتہ کے متعلق غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ چند خبریں ملاحظہ فرمائیں۔

(حمل ۲۱ مارچ تا ۲۱ اپریل)

دوستوں پر اندھا اعتماد نقصان دہ ثابت ہو گا محتاط رہیں۔ مالی سلسلہ میں دوسرے سے وابستہ توقعات پوری ہو سکیں گی۔ آمدنی و اخراجات کا تناسب یکساں رہے گا۔ بیرون ملک سفر اختیار کرنے کے سلسلے میں مایوسی لاحق ہو سکتی ہے۔ موسمی اثرات یا غذائی بد پرہیزی کے باعث صحت خراب ہونے کا احتمال ہے۔ اس ہفتہ کا موافق عدد ۷ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی تاریخ پیدائش ۲۱ مارچ سے ۲۱ اپریل کے درمیان ہے ان کا برج حمل ہے' اور اس ہفتہ یعنی ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء سے ۱۷ فروری تک برج حمل کی یہ تاثیرات رہیں گی۔

(قوس ۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر)

کاروباری پوزیشن غیر مستحکم رہے گی۔ آمدنی میں کمی کا احتمال ہے جبکہ اخراجات میں اضافہ ہو گا۔ بھائیوں کے ساتھ تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ گھریلو ماحول بہتر رہے گا' رہائش گاہ کی تبدیلی عمل میں آنے کا امکان ہے۔ پرائز بانڈ یا کسی اور انعامی سکیم کے ذریعہ کثیر رقم ہاتھ آ سکتی ہے۔ اس ہفتہ موافق عدد ۱ ہے۔

اس کا بھی یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں کی تاریخ پیدائش ۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر ہے ان کا برج قوس ہے اور اس ہفتہ (۱۰ فروری تا ۱۷ فروری) برج قوس کی یہ تاثیرات رہیں گی۔ (روزنامہ جنگ سنڈے میگزین ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء)

علماء نجوم ستاروں کی تاثیرات کے قائل ہیں بروج کی تاثیرات کے قائل نہیں ہیں' جو ستارے' سیارے ہیں وہ یہ ہیں قمر'

زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ، ان کے نزدیک سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے، آٹھویں آسمان میں ثوابت ہیں۔ یہ وہ ستارے ہیں جو حرکت نہیں کرتے۔ ان ستاروں کے اجتماع سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں مثلاً ترازو، یا شیر کی شکلیں، یہ شکلیں نویں آسمان میں رصد گاہوں کے اندر نظر آتی ہیں۔ اگر شیر کی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد اور ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج میزان اور بچھو کی شکل بن جائے تو اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس، ان بروج کو سیاروں کی منازل بھی کہتے ہیں، علماء نجوم ان سیارگان کی تاثیرات کے قائل ہیں۔ بروج کی تاثیرات کے قائل نہیں ہیں اور ''یہ ہفتہ کیسا رہے گا'' کے تحت لکھنے والوں نے اپنی کم علمی یا بے علمی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بروج کی تاثیرات ہوتی ہیں۔ انہوں نے کسی لغت میں بروج کے نام پڑھ لئے اور اپنی طرف سے مختلف فرضی باتیں گھڑ کر ہر برج کی طرف ہفتہ کے لیے تاثیرات منسوب کر دیں۔ ان کی یہ تمام پیش گوئیاں اور غیب کے دعوے جھوٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیب کا علم وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے اور غیب کی صداقت قطعی ہے اور الہام کے ذریعہ اولیاء کاملین کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور اس کی صداقت ظنی ہے اور اسی نوع سے فراست کا علم ہے۔ بروج اور سیاروں کے ذریعے علم غیب اور مستقبل کی باتوں کے حصول کا کتاب وسنت میں ثبوت نہیں ہے بلکہ احادیث میں ستاروں کو موثر ماننے سے منع فرمایا ہے اور اس کو کفر قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان: ۳۴)

بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بے شک اللہ ہی تمام باتوں کو جاننے والا ہے اور تمام چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء نجوم سے مستقبل کی باتوں کو اور غیب کو معلوم کرنا جائز نہیں اور جو شخص غیب کی باتیں بتائے اور غیب جاننے کا مدعی ہو اس کی تصدیق کفر ہے۔

علم نجوم کی تحقیق سے فارغ ہونے کے بعد ہم علم جفر کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

جفر کا لغوی معنی

علم الجفر ایک علم ہے جس میں اسرار حروف سے بحث ہوتی ہے اور اس کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کی مدد سے آئندہ حالات وواقعات کا پتا لگا سکتے ہیں۔ (المنجد ص ۹۴، مطبوعہ ایران ۱۳۷۹ھ، منجد اردو ص ۱۵۶، مطبوعہ کراچی)

غیب کے حالات معلوم کرنے کا علم۔ (قائد اللغات مطبوعہ لاہور)

ایک علم جس سے غیب کا حال بتایا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔

(فیروز اللغات ص ۴۶۲، مطبوعہ لاہور)

جفر کا اصطلاحی معنی

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ آفندی قسطنطنی الشہیر بالکاتب الچلپی المتوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

علم الجفر والجامعۃ اس علم کو کہتے ہیں جو لوح محفوظ اور تقدیر کا اجمالی علم ہے جو ما کان و مایکون کے تمام کلی اور جزئی امور کو شامل ہے اور جفر قضاء وقدر کی اس لوح کو کہتے ہیں جو عقل کل ہے، اور الجامعہ تقدیر کی اس لوح کو کہتے ہیں جو نفس کل ہے۔

ایک جماعت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جفر کی جلد میں اٹھائیس حروف تہجی لکھے، مخصوص طریقوں اور

معین شرطوں کے ساتھ الفاظ مخصوصہ سے اس چیز کو معلوم کیا جا سکتا ہے جو قضاء اور قدر کی لوح میں ہے' یہ وہ علم ہے جو اہل بیت میں بہ طور وراثت منتقل ہوا ہے' اور ان میں جو اہل بیت کی طرف منسوب ہیں' اور وہ مشائخ کاملین جنہوں نے اس علم کو ان سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات اس علم کو دوسروں سے مکمل طور سے مخفی رکھتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ مہدی منتظر کے سوا کوئی شخص اس کتاب سے واقف نہیں ہو سکتا' یہ علم انبیاء سابقین کی کتابوں میں تھا' جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہم گروہ انبیاء تمہارے پاس نازل شدہ عبارات کو پیش کرتے ہیں' اور اس کی تاویل میرے بعد تمہارے پاس فارقلیط لائیں گے' ابن طلحہ نے کہا کہ جفر اور جامعہ دو عظیم کتابیں ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ان میں سے ایک کا ذکر کیا' اور دوسری وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راز رکھا' اور اس کو مدون کرنے کا حکم دیا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متفرق طریقہ سے لکھا جو اونٹ کی کھال پر لکھی ہوئی تھی۔ یہ حضرت آدم سے منقول تھی۔ اس میں تمام اولین اور آخرین کے واقعات تھے' لوگ اس کے بنانے میں مختلف ہیں۔ امام جعفر صادق اس کو تکسیر صغیر سے کسر کرتے ہیں اور بعض علماء نے اس کا نام الباب الکبیر بالجفر الکبیر رکھا ہے اور الصغیر بالجفر الصغیر رکھا ہے اور بعض اس کو تکسیر متوسط سے بناتے ہیں اور یہی اولیٰ ہے اور اسی پر الخافیۃ القمریہ والشمسیہ کا مدار ہے۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۹۲-۵۹۱' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران' ۱۳۸۷ھ)

علم جفر کا تفصیلی تعارف

جفر: (ایک عددی علم' جس کی مدد سے واقعات' خصوصاً آنے والے واقعات یا ان کی اطلاع حاصل کی جاتی ہے۔ باطنی روایت بعض خاص حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی ......)

خلافت کے لیے بعض حلقوں کی سرتوڑ کوشش کے دوران میں' جو ابتدا ہی سے باہمی اختلافات سے کمزور ہو گئے تھے اور بالخصوص المتوکل کے عہد خلافت میں سخت جبر و تشدد کا شکار بنے رہے' ۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں ایک کشفی اور القائی ادب کا آغاز ہوا۔ یہ ادب مختلف شکلوں میں منظر عام پر آیا' جس پر بحیثیت مجموعی جفر کے اسم کا عام اطلاق ہوتا ہے۔ اکثر اس کے ساتھ اسم ''جامعۃ'' یا صفت ''جامع'' کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت القائی اور مخفی طور پر کشفی ہے اور مؤخر الذکر صورت میں اس کا خلاصہ ایک جدول ہے' جس میں جفر سے قضاء اور جامعۃ سے قدر مراد ہے۔ حاجی خلیفہ (۳: ۶۰۳ بعد) کا بیان ہے کہ ''یہ قضاء و قدر کی لوح پر (نوشتہ) علم کا خلاصہ ہے اور اس میں کلی اور جزوی طور پر وہ تمام امور شامل ہیں جو پیش آ چکے ہیں یا آئندہ پیش آنے والے ہیں۔'' ''جفر' عقل کل پر اور ''جامعۃ'' روح کل پر حاوی ہے' لہٰذا جفر کا رجحان مافوق الفطرت اور کائناتی پیمانے پر رؤیت عالم کی طرف ہے۔ اپنی ابتدائی صورت میں الہامی نوعیت کے ایک ایسے علم باطنی سے ہٹ کر جو ائمہ یعنی حضرت علیؓ کے وارثوں اور جانشینوں سے مخصوص تھا' اب یہ پیش گوئی کے ایک ایسے طریق کار سے منسوب ہونے لگا جس تک ہر حسب و نسب کے معقول آدمی خصوصاً صوفیہ حضرات کی رسائی ہو سکے (دیکھیے علم الحروف) کثیر التعداد مصنفوں نے اس طریق کار کے ارتقا میں حصہ لیا۔ ان میں چار جلیل القدر نام قابل ذکر ہیں: (۱) محی الدین ابو العباس البونی (م ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء) نے اپنی تصنیف شمس المعارف میں' جس کے تین منقح و مہذب متن ہیں: الاصغر' الاوسط اور الاکبر: موخر الذکر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء تا ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں قاہرہ سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب' جو جفر الامام علی بن ابی طالب یا الدرا لمنظم ...... کے نام سے مشہور ہے اور ابن العربی سے منسوب ہے (قب مخطوطہ لائپزگ' عدد ۸۳۳' ورق او (مخطوطہ) پیرس' عدد ۲۶۴۶ و Aleppo-Sbath' ۵۷ و ۳۹۰)' محض شمس المعارف کے تینتیسویں اور چونتیسویں پیراگراف پر مشتمل ہے (قب Hartmann :Eine arab......Apokalypse' ص ۱۰۹ بعد): (۲) محی

الدین ابن العربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء): مفتاح الجفر الجامع (مخطوطہ استانبول حمیدیہ اسمٰعیل افندی عدد ۲۸۰ مخطوطہ پیرس عدد ۲۳۶۹ ورق ۱۴ وغیرہ): (۳) ابن طلحۃ العدوی الراجی (م ۶۵۲ھ/ ۱۲۵۴ء): اسی عنوان سے یا بعنوان الدر المنظم فی السر الاعظم (مخطوطہ پیرس عدد ۲۶۶۳/۴: مخطوطہ استانبول عموجہ حسین پاشا عدد ۳۳۸ وسرائے احمد ثالث عدد ۳۵۰۷ وغیرہ): (۴) عبدالرحمٰن البسطامی (م ۸۵۸ھ/ ۱۴۵۴ء) انہیں عنوانوں سے (مخطوطہ As عدد ۲۸۱۲/۳: مخطوطہ Vatican عدد ۱۲۵۴.V: قب نکاسن Nicholson در JRAS، ۱۸۹۹ء، ص ۹۰۷)

ان میں اور بہت سی ایسی دیگر تصانیف میں قابل عمل طریق کار میں بڑی الجھن درپیش ہوتی ہے۔ مبہم فکر کی کئی دوسری صورتوں کے بے جوڑ عناصر کا اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے، مثلاً حروف ابجد اور اسمائے حسنیٰ کے مخفی خصائص: حساب الجمل: کسی ایسے نام کی عددی قدر کا اظہار جسے پوشیدہ رکھنا مقصود ہو: کسی لفظ کے حروف کی ترتیب کا ردوبدل تاکہ کوئی دوسرا لفظ بن جائے: الکسر و البسط، یعنی کسی متبرک نام کے حروف ترکیبی کا مطلوب کے نام کے حروف کے ساتھ جوڑنا: قاعدہ اتبش کے مطابق (جس میں تطابق حروف کی ایک جدول بنی ہوتی ہے جس میں عبرانی ابجد کا پہلا حرف آخری حرف کے مطابق ہوتا ہے، دوسرا ماقبل آخر کے وقس علی ھذا) کے مطابق کسی لفظ کے ایک حرف کی جگہ کوئی دوسرا حرف لانا: کسی جملے کے الفاظ کے حروف اول کو ملا کر ایک نیا لفظ بنانا: دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ وہ تمام طریقے جو زمانہ قدیم سے باطنی عقائد کی ترجمانی کرتے رہے ہیں۔

(قب Histoire del, ecriture: J. G. Fevrier پیرس ۱۹۴۸ء، ضمیمہ ۳، ص ۵۸۸ تا ۵۹۱)

حروف کی عددی قدروں پر ایسی قیاس آرائیوں کو بعض اہل تصوف نے بھی بڑی اہمیت دی ہے جن میں نہ صرف متبرک ناموں کے حروف ترکیبی کو بلکہ سورۂ فاتحہ میں نہ پائے جانے والے سات حروف تہجی کو بھی خاص تقدس کا درجہ دیا جاتا رہا ہے۔ فرقۂ حروفیہ کے ہاں تو فلاطونی اور یہودیوں کی قدیم باطنی روایات بعض صوفیہ کرام کے قیل وقال سے مل کر ایک ایسا مبہم و پراسرار علم ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں کہ بقول حاجی خلیفہ (۲: ۶۰۳) ''اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے اہل صرف مہدی آخر الزمان ہوں گے۔'' طریق عمل کی یہ بوقلمونی طرق تقسیم میں اختلاف وتباین کے باعث اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض مصنف طویل ترتیب حروف تہجی (الف، باء، تاء، ثاء وغیرہ) اور بعض ابجدی ترتیب (الف، باء، جیم وغیرہ) کی پیروی کرتے ہیں۔ پہلا طریقہ ''الجفر الکبیر'' کہلاتا ہے اور اس میں ایک ہزار مادے ہیں اور دوسرا طریق ''الجفر الصغیر'' کے نام سے موسوم ہے اور یہ صرف سات سو مادوں پر مشتمل ہے۔ ایک اور ''الجفر المتوسط'' بھی ہے، جو حروف شمسی اور حروف قمری پر علیحدہ علیحدہ مبنی ہے۔ مصنفین نے اس آخری طریقے کو ترجیح دی ہے اور یہی عام طور پر تعویذوں وغیرہ میں مستعمل ہے۔

(حاجی خلیفہ، محل مذکور)

حروف کے اس عددی اور خفی پہلو کے ساتھ ساتھ، جو اپنی فنی اور مصنوعی نوعیت کی وجہ سے جفر کو زائجہ (رک بان) کی سطح پر لے آتا ہے، ان کے نجومی پہلو کو واضح کرنا بھی ضروری ہے۔ بقول ابن خلدون (مقدمۃ ۲: ۱۹۱)، ۲: ۲۱۸، قب ص ۱۸۴ وطبع Rosenthal، ص ۲۰۹) شیعیوں نے یعقوب بن اسحٰق الکندی (م بعد از ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء) کی احکام النجوم پر مبنی پیش گوئیوں پر مشتمل ایک کتاب کو جفر کا نام دے رکھا تھا۔ یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کا ذکر ابن الندیم نے بعنوان الاستدلال بالکسوفات علی الحوادث کیا ہے (فہرست، ص ۲۵۹: قب الرسالۃ فی القضاء: علی الکسوف، مخطوطۂ اسکوریال Escurial، عدد ۱۹۱۳، ورق ۴: مخطوطۂ AS، عدد ۴۸۳۲، ورق ۲۷، تفصیل کے لیے قب Memoires sur les Carmathes: De Goeje، بار دوم، لائڈن ۱۸۸۶ء، ص ۱۱۷ ببعد) یہ کتاب، جس میں الکندی نے کسوفات کی بناء پر

عباسی خلافت کے خاتمے تک اس کے عروج وزوال کے متعلق پیش گوئی کی ہے ابن خلدون کے زمانے میں موجود تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ عباسیوں کے اس کتب خانے کے ساتھ ہی ضائع ہوگئی ہوگی جسے ہلاکو نے فتح بغداد اور آخری خلیفہ المعتصم (المستعصم) کے قتل کے بعد دریائے دجلہ کی نذر کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ الجفر الصغیر کے نام سے مغرب جا پہنچا، جہاں بنو عبد المؤمن کے حکمران حسب منشا اسے اپنے تصرف میں لے آئے ہوں گے۔

باب العرافة والزجر والفراسة علی مذهب الفرس (طبع Inostranzev، سینٹ پیٹرز برگ ۱۹۰۷ء، ص ۴) کی رو سے، جو الجاحظ سے غلط طور پر منسوب کی جاتی ہے، جفر کا یہ نجومی پہلو ہندی الاصل ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ الجفر سال بھر کے مبارک اور نامبارک دنوں، ہواؤں کے رخ، قمری منازل کے ظہور اور ڈھلنے کا علم ہے ...... کتاب موسوم بہ الجفر سال بھر کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے، جو موسموں اور قمری منازل کی رو سے مرتب کی گئی ہیں۔ سات قمری منازل کا ہر مجموعہ، جو ربع سال پر مشتمل ہے، ''جفر'' کہلاتا ہے۔ ایرانی اس سے بارشوں، ہواؤں، سفروں اور لڑائیوں وغیرہ کے شگون لیتے ہیں۔ خسروان ایران اور ان کی قوم نے یہ تمام علوم ہندوستان سے سیکھے ......''

جفر کا آخری اور اہم ترین پہلو کشفی یا القائی ہے۔ صحیح معنوں میں اس کا اصلی پہلو یہی تھا جس نے بنوامیہ کے عہد میں اچھی خاصی ترقی کر لی تھی اور جسے بنو عباس کے دور حکومت میں غیبی علم کی کتابوں کی صورت میں، جو کتب الحدثان کے نام سے مشہور تھیں (قب Carmathes: DeGoeja، ص ۱۱۵ بعد، حوالے) بڑی وسعت حاصل ہوئی۔ ان قیاس آرائیوں کا آغاز کتاب دانیال سے ہوا۔ حضرت دانیال سے منسوب پیش گوئیوں کی کتابیں ۶۱ھ/ ۶۸۰ء میں مصر میں پڑھی جانے لگی تھیں۔ (الطبری، ۲: ۳۹۹) (اردو دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۳۱۲-۳۱۰، مطبوعہ دانش گاہ پنجاب، لاہور)

جفر: غیبی حالات سے آگاہ ہونے کا علم، وہ علم جس میں حروف واعداد کے ذریعہ سے غیبی حالات دریافت کرتے ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں مگر مطالب قرآن بیان فرماتے ہیں تو لوگ حیران رہ جاتے ہیں اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں (اقبال نامہ ج ۲ ص ۱۷۶) قدیم کتابوں میں کیمیا، نیرنجات، علم جفر، رمل اور قصص واخبار کو بھی فنون میں شامل کیا گیا ہے۔

(اردو لغت ج ۱۳ ص ۵۱۱، مطبوعہ اردو لغت بورڈ کراچی، ۱۹۹۱ء)

علم جفر کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (اعلیٰ حضرت، مولانا وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ کی آراء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ، قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

جفر بے شک نہایت نفیس جائز فن ہے حضرات اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا علم ہے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے خواص پر اس کا اظہار فرمایا اور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے معرض کتاب میں لائے۔ کتاب مستطاب جفر جامع تصنیف فرمائی۔ علامہ سید شریف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں امام جعفر صادق جفر جامع میں ماکان ومایکون تحریر فرما دیا، سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الدر المکنون والجوہر المصون میں اس علم شریف کا سلسلہ سیدنا آدم وسیدنا شیث وغیرہما انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے قائم کیا اور اس کے طرق واوضاع اور اوان میں بہت غیوب کی خبریں دیں۔ عارف باللہ سیدی امام عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے ایک رسالہ اس کے جواز میں لکھا اس کا انکار نہ کرے گا مگر ناواقف یا گمراہ متعسف (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰-۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرات علم جفر کے متعلق فرماتے ہیں:

علم جفر کی تعریف سنا ت وقت حضور نے ارشاد فرمایا: آپ نے علم زایرجہ کی تعریف نہ لکھی۔ یہ علم جفر ہی کا ایک شعبہ

ہے۔اس میں جواب منظوم عربی زبان بحر طویل اور حروف ل کی روی سے آتا ہے اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا مقطع نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی نہیں آتا میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی اس میں کچھ پڑھا جاتا ہے۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت عطا ہوئی حکم مل گیا ورنہ نہیں میں نے تین روز پڑھا' تیسرے روز خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے اور اس میں ایک بڑا پختہ کنواں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور چھ صحابہ کرام بھی حاضر ہیں جن میں سے میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانا۔ اس کنویں میں سے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پانی بھر رہے ہیں اس میں سے ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا اور اس پر سبز کپڑا چڑھا ہوا تھا جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے ا ھ ذ اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکالا کہ اس کا حاصل کرنا ہذیان فرمایا جاتا ہے۔ اس سے بقاعدہ جفر اذن نکل سکتا تھا۔ ھ کو بطور صدر مؤخر آخر میں رکھا۔ اس کے عدد پانچ ہیں اب وہ اپنی جگہ سے ترقی کر کے دوسرے مرتبہ میں آ گئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی ہے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے یوں اذن سمجھا تا مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا اور لفظ کو ظاہر پر رکھ کر اس فن کو چھوڑ دیا کہ **اھذ** کے معنی ہیں **فضول بک**. (ملفوظات حصہ اول ص ۹۴' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

مولانا وقار الدین رضوی متوفی ۱۹۹۳ء لکھتے ہیں: علم جفر صحیح ہے مگر اس کے جوابات صرف علم پڑھ لینے سے نہیں نکلتے بلکہ اس کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اجازت لینی پڑتی ہے' اگر اجازت مل جاتی ہے تو جوابات صحیح برآمد ہوتے ہیں اور اگر اجازت نہیں ملتی تو جوابات بھی صحیح برآمد نہیں ہوتے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۳۴' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۲۱ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت جعفر کی طرف جفر کو منسوب کیا گیا ہے اور یہ سب جھوٹ ہے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے' اور امام جعفر کی طرف رسائل اخوان الصفا بھی منسوب کئے گئے ہیں اور یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ یہ رسائل امام جعفر کی وفات کے دو سو سال سے زیادہ بعد تصنیف کئے گئے ہیں۔ ان کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی ہے اور یہ رسائل چوتھی صدی ہجری کے درمیان میں بنو بویہ کے عہد میں تصنیف کئے گئے ہیں۔ ان کو قاہرہ میں ایک جماعت نے تصنیف کیا تھا جن کا زعم تھا کہ انہوں نے شریعت اور فلسفہ میں تطبیق دی ہے' سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وہ اصحاب جنہوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے جیسے امام مالک بن انس' سفیان بن عیینہ اور دیگر ائمہ اسلام وہ ان جھوٹی باتوں سے بری ہیں۔ اسی طرح شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی نے امام جعفر صادق سے کچھ باتیں نقل کی ہیں وہ بھی محض جھوٹ ہیں۔ اسی طرح رافضیوں نے بہت سے مذاہب باطلہ امام جعفر کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جن کا جھوٹ ہونا بالکل بدیہی ہے۔

جس شخص نے رفض کی ابتداء کی تھی وہ منافق زندیق تھا اس کا نام عبد اللہ بن سبا تھا اس نے اس قسم کی خرافات وضع کر کے مسلمانوں کے دین کو فاسد کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۱۱۴-۱۱۳' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یہ امور یہود' نصاریٰ' مشرکین' صابئین کے فلسفیوں اور نجومیوں میں پائے جاتے ہیں' جو ایسے امور باطلہ پر مشتمل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نیز شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ نجومی حوادث ارضیہ پر احوال فلکیہ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ صفت کتاب' سنت اور

اجماع امت سے حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے علم نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا اس نے جادو کے علم کا حصہ حاصل کیا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٣٩٠٧) اور حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری قوم کاہنوں کے پاس جاتی ہے' آپ نے فرمایا ان کے پاس نہ جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٥٦٧) اور کاہن کے معنی میں نجومی بھی داخل ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ٣٥ ص ١١٧-١١٦' ١١٢' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ١٤١٨ھ)

نجومی رمال (ہاتھ کی لکیروں سے غیب جاننے کے مدعی) اور علم جفر کے مدعی یہ سب غیب جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگ ان سے غیب کے متعلق سوال کرتے ہیں حالانکہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' یا جس کو اللہ وحی کے ذریعہ امور غیب پر مطلع فرماتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے جو اس کے رسول ہیں' اور یا وہ اولیاء کاملین ہیں جس کو اللہ بہ ذریعہ الہام امور غیب پر مطلع فرماتا ہے' اور ان کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں اور جو شخص ستاروں' ہاتھ کی لکیروں' زائچوں' یا علم جفر کے ذریعہ غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے' اللہ کی کتاب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور علماء سلف کا اجماع اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہم ان کی جہالت' گمراہ کن روش اور ان کے شر اور فساد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو قرآن اور سنت کی تعلیمات پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ (آمین)

علم جفر کی بنیاد پر اخبارات اور رسائل میں غیب کی خبروں اور پیش گوئیوں پر مصنف کا تبصرہ

ہم علم جفر کی تعریف میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس علم کے اسرار سے اسی شخص کو واقفیت حاصل ہوتی ہے جس کو کسی واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل ہو' اور بعض کے نزدیک سوائے امام مہدی کے کسی اور پر یہ علم منکشف نہیں ہوگا' بہر حال اگر کسی پر یہ علم منکشف ہو بھی تو اس کی حیثیت کشف اور کرامت سے زیادہ نہیں ہے' اور جو شخص علم جفر کی بنیاد پر کوئی پیش گوئی کرے اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ظنی ہے' اور جو ظنی الثبوت ہو وہ قطعی الثبوت کے معارض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اپنے غیب پر مطلع نہیں فرماتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص (آل عمران: ١٧٩)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ٢٧-٢٦)

(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ عام لوگوں کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غیب پر مطلع فرمائے یا ان پر غیب کا اظہار فرمائے اور یہ دونوں آیتیں نصوص قطعیہ سے ہیں۔ اب کوئی شخص علم جفر کے جاننے کا دعویٰ کر کے غیب کی خبریں بیان کرے تو اس کا یہ دعویٰ قطعاً مردود ہو گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسائل میں اور اخبارات میں ہر ہفتہ لوگوں کے غیب سے متعلق سوالات اور علم جفر کی بنیاد پر ان کے جوابات چھپتے ہیں۔ ہمارے سامنے ١٠ فروری ٢٠٠٢ء کا روزنامہ جنگ کا سنڈے میگزین ہے۔ اس میں جلی عنوان ہے علم جفر' اور کوئی محمد احمد شاہ بخت ابدالی صاحب ہیں جنہوں نے لوگوں کے جوابات دیئے ہیں اور یہ سوال و جواب غیب کی خبروں پر مبنی ہیں۔ ہم چند سوالات اور ان کے جوابات ذکر کر رہے ہیں ان جوابات میں وظائف کا بھی

ذکر ہے لیکن چونکہ وظائف کے ہم قائل ہیں اور ان کو رد کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے اس لئے ہم نے ان کا ذکر حذف کر دیا ہے:

اسماعیل لاہور

س: ہمارے گھر کے حالات گزشتہ کئی برسوں سے خراب ہیں' کاروبار نہ ہونے کے برابر ہے۔ گھر میں آپس میں اختلافات بہت ہیں۔ بیماری تو جانے کا نام ہی نہیں لیتی۔ آپ بتائیں کیا وجہ ہے؟

ج: بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے کاموں اور کاروبار و آمدنی میں رکاوٹیں' گھریلو لڑائی جھگڑے اور آپس میں اختلافات اور الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

مبین احمد سیالکوٹ

س: کاروبار نفع کے بجائے نقصان میں جا رہا ہے' ہر وقت پریشان رہتا ہوں' حالات کب تک بہتر ہوں گے؟

ج: بدعملیات کی وجہ سے کاروبار و آمدن میں رکاوٹیں' نقصان' گھریلو الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ آپ اس کا اتار اور بندش کرائیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد حالات بہتر ہو جائیں گے۔

عبدالقیوم کراچی

س: میں طویل عرصے سے پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ یہ پریشانیاں کب ختم ہوں گی اور ان تمام پریشانیوں کی وجہ کیا ہے؟

ج: نحوست سیارگان کے اثرات کی وجہ سے کاموں اور کاروبار و آمدنی و ملازمت میں رکاوٹیں' ذہنی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ نحوست ۲۰۰۲ء کے آخر میں دور ہو رہی ہے جس کے بعد ہی تمام پروگراموں کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہوگا۔

کمال احمد حیدر آباد

س: مستقل روزگار کب تک ملے گا؟ نہ ملنے کی کیا وجہ ہے؟

ج: آپ پر نحوست سیارگان کے اثرات ہیں' جس کی وجہ سے کاروبار و آمدنی و ملازمت ملنے میں رکاوٹیں ہیں' ذہنی دباؤ اور مزاج میں چڑچڑاپن ہو رہا ہے۔ یہ نحوست سیارگان ۲۰۰۲ء میں دور ہو رہی ہے' اس کے بعد ہی مستقل روزگار کا امکان ہے۔

(آپ پوچھیں ہم بتائیں' سنڈے میگزین ص ۲۹' روزنامہ جنگ)

کسی مخلوق سے غیب کے متعلق سوال کرنا اور کسی مخلوق کا غیب کے متعلق پوچھے گئے سوالات کا جواب دینا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید اور سنت صحیحہ میں اس کا جواز اور گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے جو شخص مسلمان ہے اور قرآن اور سنت پر اس کا صحیح ایمان ہے اس کو یہ سلسلہ ترک کر دینا چاہیے۔ علم جفر ویسے ہی نظری اور پیچیدہ ہے اور اس کے قائلین کے نزدیک بھی اس سے ہر شخص استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس کا ثبوت محض بعض صوفیاء کی بعض مبہم اور مشکل عبارات سے ہے اور ہم قرآن' سنت اور اجماع پر اعتقاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کے پابند ہیں' اور جب قرآن اور سنت میں یہ واضح تصریح ہے کہ عام لوگوں کو غیب کا علم نہیں دیا جاتا تو ہمیں عام لوگوں سے غیب کے متعلق سوال نہیں کرنے چاہئیں اور نہ عام لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے کی جرأت کرنی چاہیے' یہ درست ہے کہ اولیاء اللہ کو الہام کے ذریعہ غیب کا علم دیا جاتا ہے لیکن اولیاء اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اولیاء اللہ نحوست سیارگان کے اثرات کے قائل نہیں ہوتے۔ اسلام میں کوئی چیز نحس اور نامبارک نہیں ہے' اور بدفالی نکالنا اسلام میں منع ہے اور جو شخص سیاروں کی تاثیرات کا قائل ہو وہ ولی اللہ تو کیا ہوگا' مسلمان بھی نہیں ہے۔

حساب وکتاب اور سائنسی آلات کے ذریعہ پیش گوئیوں کا شرعی حکم

رہا حساب کتاب کے ذریعہ اور آلات کی مدد سے پیش گوئی کرنا یہ ہمارے نزدیک جائز ہے جیسے چاند گرہن اور سورج

(۱) چاند کی عمر ۲۰ گھنٹے سے کم ہو۔

(۲) چاند کی بلندی جب ۸ء۷ ڈگری سے کم ہو۔

(۳) غروب آفتاب اور ماہتاب کے درمیان وقت ۳۵ منٹ سے کم ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں ٥ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ٥ اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے ٥ (الشعراء: ۲۲۶-۲۲۴)

شعر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شعر کی تاریخ

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

شعر کا معنی معروف اور مشہور ہے اور اس کی جمع اشعار ہے، شعر اصل میں بال کو کہتے ہیں، اور بال بہت باریک ہوتا ہے، اور اشعار میں بھی بہت دقیق اور باریک مضمون ہوتا ہے اس لئے ان کو شعر اور شاعری کہتے ہیں۔ شعر کا عرفی معنی ہے، وہ کلام جو موزون اور مقفیٰ ہو، قرآن مجید میں بعض سورتیں موزون اور مقفیٰ ہیں تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ٥ (اللہب: ۱۱۱) اسی طرح یہ سورۃ ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ٥ (الکوثر: ۱۰۸) اسی طرح اور سورتیں بھی ہیں، اور بعض سورتوں کی بعض آیات کے آخری الفاظ بھی ایک وزن پر ہوتے ہیں اس وجہ سے، کفار مکہ قرآن مجید کو شعر اور آپ کو شاعر کہتے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ سارا قرآن مجید کلام موزون اور کلام مقفیٰ مسجع نہیں ہے، اور نہ اس سے ان کا کوئی مقصد پورا ہوتا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے، اور عرب شعر کو جھوٹ سے اور شاعر کو جھوٹے سے تعبیر کرتے تھے حتیٰ کہ وہ جھوٹے کلام کو اشعار کہا کرتے تھے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے شعراء کے متعلق فرمایا کہ ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، اور کیونکہ اشعار جھوٹے کلام پر مشتمل ہوتے ہیں اس وجہ سے عرب کہتے ہیں کہ سب سے اچھا شاعر وہ ہے جو سب سے بڑا جھوٹا ہو۔ (المفردات ج ا ص ۳۴۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں شعر کا معنی علم ہے اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں قصداً کلام کے آخری الفاظ کو ایک وزن اور ایک قافیہ پر لایا گیا ہو اور اگر کسی کلام کا آخر بغیر قصد کے ایک وزن پر ہو تو اس کو شعر نہیں کہا جاتا۔ اس لحاظ سے یہ آیت شعر نہیں ہو گی۔ اَلَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ (الانشراح: ۴-۳) یہ کلام بھی مقفیٰ اور موزوں ہے لیکن یہ شعر نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے آخری الفاظ کو قصداً ایک وزن پر نہیں لایا گیا، اسی طرح دوسری آیات بھی جو موزون اور مقفیٰ ہیں وہ اشعار نہیں ہیں، کیونکہ ان کو موزون اور مقفیٰ لانے کا مقصد نہیں کیا گیا اور منطقیوں کی اصطلاح میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو خیالی باتوں سے بنایا جائے اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کسی چیز پر راغب کیا جائے یا کسی کو کسی چیز سے متنفر کیا جائے۔

(التعریفات ص ۹۲-۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

لغت میں شعر کا معنی جاننا ہے، اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں کلمات کو ایک وزن پر لانے کا قصد کیا گیا ہو اس تعریف کے اعتبار سے قرآن مجید شعر نہیں ہے، مؤرخین نے کہا ہے کہ سب سے پہلا شعر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا تو انہوں نے اس کے غم میں یہ اشعار کہے:

تغیرت البلاد ومن علیھا فوجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی طعم ولون وقل بشاشۃ الوجہ الملیح
وھابیل اذاق الموت فانی علیک الیوم محزون قریح

(تمام شہراور ان کے رہنے والے متغیر ہو گئے' زمین کا چہرہ غبار آلود اور خراب ہو گیا' ہر ذائقہ والی اور رنگ دار چیز متغیر ہو گئی اور چہروں کی بشاشت اور ملاحت کم ہو گئی۔ اے ہابیل تو نے موت کا ذائقہ چکھ لیا اور تجھ پر میری طبیعت غمزدہ اور ملول ہے۔)

قاسم بن سلام بغدادی نے کہا سب سے پہلا شعر حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں سے یعرب بن قحطان نے کہا اور فارسی میں سب سے پہلا شعر بہرام گور نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے مدح اور تعریف میں قصائد کی بنیاد رکھی وہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خراسان' بخارا اور ہرات کے سلطان احمد بن نوح السامانی کا درباری تھا اس کا نام رودکی تھا۔ (دستور العلماء ج ۲ ص ۱۵۸ - ۱۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیک لوگوں کی پیروی کرنے سے آپ کی نبوت کے برحق ہونے پر استدلال

کفار قریش قرآن مجید کو شعر و شاعری کہا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں اور قرآن مجید شعر نہیں ہے کیونکہ شعراء کی پیروی تو جاہل اور گمراہ لوگ کرتے ہیں اور ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جاہل اور گمراہ نہیں ہیں بلکہ وہ تو ہدایت یافتہ نیک' باکردار' اصحاب فہم و فراست ہیں' اور کفار کے شعراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجو کرتے تھے اور اسلام کی مذمت کرتے تھے' اور جاہل عرب ان کی پیروی کرتے تھے اور ان کی کی ہوئی ہجو اور مذمت کو یاد کر لیتے تھے' اور اپنی مجلس میں ان اشعار کو دہراتے تھے اور ہنستے تھے۔

کفار قریش جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے' ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ قرآن مجید کلام موزون اور مقفیٰ ہے بلکہ ان کے نزدیک اشعار میں خیالی باتیں اور جھوٹی باتیں ہوتی ہیں اور ان کے نزدیک جنت اور دوزخ کے مناظر محض افسانے اور خیالی باتیں تھیں اور مرنے کے بعد اٹھنے کا قصہ بھی جھوٹ تھا' قیامت' حساب و کتاب' اور عذاب و ثواب کی کیفیات ان کے نزدیک صرف خیالی باتیں اور جھوٹ تھیں اس وجہ سے وہ قرآن مجید کو شعر و شاعری اور جھوٹ سمجھتے تھے' اور چونکہ شعر و شاعری جھوٹ اور خیالی باتیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں' کیونکہ شاعر کو اگر اپنے ممدوح سے انعام و اکرام کی طمع ہو تو وہ اپنے ممدوح کی مدح اور تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے خواہ اس کا ممدوح کتنا ہی برا اور بے کار شخص ہو اور اگر وہ کسی شخص سے بغض رکھتا ہو تو وہ اس میں زمانے بھر کے کیڑے نکالے گا خواہ وہ کتنا ہی نیک اور اچھا شخص ہو۔

شعراء کا ہر وادی میں بھٹکتے پھرنا

نیز فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی وہ ہر قسم کی صنف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ وہ اشعار میں کسی کی مدح کرتے ہیں کسی کی مذمت کرتے ہیں' کسی کی ہجو کرتے ہیں' ان کے اشعار میں بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں' گالی گلوچ' لعن طعن' افتراء اور بہتان' تکبر اور فخر کا اظہار' حسد' دکھاوا' فضیلت اور دناءت کا بیان' تذلیل' توہین' اخلاق رذیلہ اور انساب میں طعن اور دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔ بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں' ان میں شجاعت اور سخاوت کی ترغیب ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صحابہ کرام اور اہل بیت کی منقبت بھی ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ شعراء ہر وادی میں گشت کرتے ہیں ان کے کلام میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں اور بری باتیں بھی ہوتی ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شعر کلام ہے اس کا اچھا کلام اچھا ہے اور برا کلام برا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۵، کتاب المکاتب باب خبر الواحد یوجب العمل رقم: ۲)

پھر فرمایا: اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

یعنی وہ اپنے اشعار میں سخاوت کی ترغیب دیتے ہیں اور بخل کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سخاوت نہیں کرتے اور بہت کنجوسی کرتے ہیں، وہ پاکیزگی اور پاکبازی کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں اور خود بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں نعت خوان زیادہ تر ایسے ہی ہیں اور نعت گو شعراء کا بھی یہی حال ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں نعتیں کہتے ہیں اور داڑھیاں منڈاتے ہیں اور فرض نمازیں نہیں پڑھتے۔ ڈاکٹر اقبال نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں بہت نظمیں کہیں لیکن وہ برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اسپین گئے لیکن حرمین شریفین نہیں گئے!

اشعار کی مذمت میں احادیث اور ان کا محمل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھر جائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۵، ۲۸۸، سنن کبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص ۲۴۴، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۳۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر سنے جاتے تھے، حضرت عائشہ نے فرمایا اشعار آپ کے نزدیک مبغوض ترین تھے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۴، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۲۹۷)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عشاء کے بعد شعر پڑھا اس کی اس رات کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۶۰۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۹، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں قزعۃ بن سوید باہلی ہے، ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۳۱۶)

یہ احادیث ان شاعروں پر محمول ہیں جو پیشہ ور شاعر ہوں جن کو اگر مال اور پیسہ دیا جائے تو وہ لوگوں کی تعریف اور تحسین میں اشعار کہیں اور اگر ان کو مال اور پیسہ نہ دیا تو وہ لوگوں کی ہجو اور مذمت کریں یا وہ اشعار ملحدانہ ہوں، ان میں اللہ تعالیٰ کا کفر ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید، آپ کے اصحاب اور آپ کے اہل بیت کے خلاف مضامین ہوں، یا وہ اشعار بے حیائی کے مضامین پر مشتمل ہوں ان میں خوبصورت عورتوں، بے ریش لڑکوں، شراب اور فحش کاموں کی ترغیب ہو اور وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں، ان احادیث میں ایسے ہی اشعار کی مذمت فرمائی ہے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ اس آیت میں بھی شعراء سے ایسے ہی شعراء مراد ہیں۔ رہے وہ شعراء جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہتے ہیں، آپ کے اصحاب اور اہل بیت کی منقبت کہتے ہیں اور اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق اشعار کہتے ہیں تو وہ اس آیت اور ان احادیث کا مصداق نہیں ہیں ان کا استثناء اس کے بعد والی آیت میں آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ

کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیا' اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی لوٹنے کی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں ○ (الشعراء: ۲۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لینے کے لیے کفار کی ہجو کرنا

اس آیت میں مومنین صالحین کے اشعار کا استثناء ہے کیونکہ ان کے اشعار اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی حمد وثناء' اس کی اطاعت کی ترغیب' حکمت اور نصیحت' دنیا سے اعراض اور آخرت کی ترغیب پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کا شعر وشاعری میں اشتغال اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے مانع نہیں ہوتا۔

اور فرمایا: انہوں نے اپنے ظلم کا بدلہ لیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار نے اپنے اشعار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور آپ کی مذمت کی تھی تو انہوں نے بھی اس کے بدلہ میں مشرکین کی ہجو اور مذمت کی تھی جیسے حضرت حسان بن ثابت' حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہم کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا دفاع کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے وہ اس منبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرتے تھے' یا انہوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرتے تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب تک حسان فضائل بیان کرتے ہیں یا آپ کی موافقت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ روح القدس سے حسان کی تائید فرماتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۵' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۵۹۱' المستدرک ج ۳ ص ۴۸۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۰۸' مسند احمد ج ۶ ص ۷۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ قریظہ کے دن حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۸۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۲۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے شعر کے متعلق وہ آیتیں نازل کی ہیں جو نازل کی ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مومن اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' ان کے خلاف شعر پڑھ کر تم ان کو تیروں کی طرح زخمی کرتے ہو۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۰۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۶' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث: ۱۵۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کے خلاف اپنے مالوں' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۱۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت

عبداللہ بن رواحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے یہ اشعار پڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ — الیوم نضربکم علی تنزیلہ

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ — ویزھل الخلیل عن خلیلہ

(کفار کے بیٹوں کو آپ کے راستہ سے ہٹا دو' قرآن مجید کے حکم کے مطابق آج ہم کفار پر اس طرح وار کریں گے کہ ان کے سرتن سے الگ ہو جائیں گے اور ان کا دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا۔)

حضرت عمر نے کہا اے ابن رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اس کو چھوڑو! یہ شعر ان کے دلوں میں تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۷' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۸' مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۳۴۴۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۰۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ص ۲۲۸' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو' کیونکہ ان پر اپنی ہجو تیروں کی بوچھاڑ سے زیادہ شاق گذرتی ہے' پھر آپ نے حضرت ابن رواحہ کی طرف پیغام بھیجا کہ کفار قریش کی ہجو کرو' انہوں نے کفار قریش کی ہجو کی' وہ آپ کو پسند نہیں آئی' پھر آپ نے حضرت کعب بن مالک کی طرف پیغام بھیجا' پھر حسان بن ثابت کی طرف پیغام بھیجا' جب حضرت حسان آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اب وقت آ گیا ہے آپ نے اس شیر کی طرف پیغام بھیجا ہے جو اپنی دم سے مارتا ہے' پھر اپنی زبان نکال کر اس کو ہلانے لگے' پھر کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں ان کو اپنی زبان سے اس طرح چیر پھاڑ کر رکھ دوں گا جس طرح چمڑے کو پھاڑتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی نہ کرو' کیونکہ ابوبکر قریش کے نسب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ان میں میرا نسب بھی ہے' تاکہ ابوبکر میرا نسب ان سے الگ کر دیں' حضرت حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے' پھر لوٹ آئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ کا نسب الگ کر دیا گیا ہے' اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں آپ کو ان سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک تم اللہ اور رسول کی طرف سے جواب دیتے رہتے ہو روح القدس تمہاری تائید کرتا رہتا ہے' نیز حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے' حسان نے کفار قریش کی ہجو کر کے مسلمانوں کی شفاء دی (یعنی ان کا دل ٹھنڈا کر دیا) اور کفار کے دلوں کو بیمار کر دیا' حضرت حسان کے وہ اشعار یہ ہیں:

(۱) ھجوت محمداً فاجبت عنہ
وعند اللہ فی ذاک الجزآء

تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے حضور کی طرف سے جواب دیا اور اس کی اصل جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۲) ھجوت محمدا برا حنیفا
رسول اللہ شیمتہ الوفاء

تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جو نیک ہیں اور ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے ہیں' وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفا کرنا ہے۔

(۳) فان ابی و والدتی وعرضی
لعرض محمد منکم وقاء

بلاشبہ میرے ماں باپ اور میری عزت' تم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بچانے کے لیے قربان ہے۔

(۴) ثکلت بنیتی ان لم تروھا

میں خود پر گریہ کروں (یعنی مر جاؤں) اگر تم گھوڑوں کو مقام

تثیر النقع من کنفی کدآء	کداء کی طرف گرد اڑاتے نہ دیکھو۔
(۵) یبارین الاعنة مصعدات علی اکتافها الاسل الظمآء	وہ گھوڑے جو تمہاری طرف دوڑتے ہیں ان کے کندھوں پر پیاسے نیزے ہیں۔
(۶) تظل جیادنا متمطرات تلطمهن بالخمر النساء	ہمارے گھوڑے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ان کی تھوتھنیوں کو عورتیں دوپٹوں سے صاف کریں گی۔
(۷) فان اعرضتموا عنا اعتمرنا وکان الفتح وانکشف الغطاء	اگر تم ہم سے روگردانی کرو تو ہم عمرہ کرلیں گے پردہ اٹھ جائے گا اور فتح حاصل ہو جائے گی۔
(۸) والا فاصبرو الضراب یوم یعز الله فیه من یشاء	ورنہ اس دن کا انتظار کرو جس دن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا عزت دے گا۔
(۹) وقال الله قد ارسلت عبدا یقول الحق لیس به خفاء	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک بندہ کو رسول بنایا ہے جو حق کہتا ہے اور اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔
(۱۰) وقال الله قد یسرت جندا هم الانصار عرضتها اللقاء	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک لشکر بنایا ہے جو انصار ہیں اور ان کا مقصد صرف دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔
(۱۱) یلاقی کل یوم من معد سباب اوقتال او هجاء	وہ لشکر ہر روز مذمت جنگ یا ہجو کرنے کے لیے تیار ہے۔
(۱۲) فمن یهجو رسول الله منکم ویمدحه وینصره سوآء	پس تم میں سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرے تعریف کرے یا آپ کی مدد کرے سب برابر ہے۔
(۱۳) وجبریل رسول الله فینا وروح القدس لیس له کفاء	ہم میں اللہ کے رسول جبریل موجود ہیں وہ روح القدس ہیں جن کا کوئی کفو نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۰ دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۵۱-۵۰ معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۸۸-۴۸۷ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۴۲)

اشعار کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید کی بات کی ہے:

الاکل شیء ماخلا الله باطل	سنو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۶)

حضرت عمرو بن الشرید رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں ایک دن ایک سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں امیہ بن الصلت کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا: سناؤ میں نے ایک شعر سنایا آپ نے فرمایا اور سناؤ حتیٰ کہ میں نے آپ کو ایک سو اشعار سنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شعر کے بعد فرماتے تھے اور سناؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۵ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۰۹ مصنف ابن ابی

شیبہ ج ۸ ص ۶۹۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۹ - ۳۸۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۷۴۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۶، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۸)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت — وفی سبيل الله مالقيت

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی ہے۔ — اور تو نے اللہ کی راہ ہی میں تکلیف اُٹھائی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۶، مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۷۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مدافعت کرتے رہتے ہو جبریل تمہاری تائید کرتے رہتے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسان نے ان کی ہجو کی تو خود بھی شفاء پائی اور مسلمانوں کو بھی شفاء دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۰، مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۷۹۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق کے دن مٹی پلٹ رہے تھے آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہو رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

والله لولا الله ما اهتدينا — ولا تصدقنا ولا صلينا

اللہ کی قسم اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہ پاتے — نہ ہم صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے

فانزلن سكينة علينا — واثبت الاقدام ان لاقينا

سو ہم پر سکون نازل فرما — اور اگر ہمارا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولى قد بغوا علينا — اذا ارادوا فتنة ابينا

بے شک پہلے لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی — جب وہ فتنہ ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

آپ بار بار ابینا ابینا فرماتے اور آواز بلند فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار خندق کھودتے وقت مٹی ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

نحن الذين بايعوا محمدا — على الجهاد ما بقينا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر — جب تک زندہ رہیں جہاد کی بیعت کی ہے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت آمیز ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵)

حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے پاس جنات آتے تھے اور باتیں بتاتے تھے اور ان کو ان کے جن نے تین راتیں مسلسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی پھر حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار سنائے جن میں سے بعض یہ ہیں:

فاشهد ان الله لارب غیره — وانت مامون علی کل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں — اور آپ ہر غیب پر امین ہیں

وانک ادنی المرسلین وسیلة — الی الله یا ابن الاکرمین الا طایب

اور آپ اللہ کی طرف سب سے نزدیک وسیلہ ہیں — اے پاکیزہ اشخاص کے بیٹے

وکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة — سواک بمغن عن سواد بن قارب

اور جس دن آپ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا — اس دن آپ سواد بن قارب کیلئے شفاعت کرنے والے ہو جائیں۔

(الاستیعاب رقم: ۱۱۱۴، البدایہ والنہایہ ج ۲ص ۳۰۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ الاصابہ رقم: ۳۵۹۶، الروض الانف ج اص ۱۴۰، ملتان، الوفاء ج اص ۱۵۳، دلائل النبوة للبیہقی ج ۲ص ۳۱، دلائل النبوة للاصبہانی ج اص ۲۲، مختصر سیرة الرسول لعبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب ص ۶۹، لاہور)

حکیمانہ اشعار کا معدن اور منبع

نور ایمان، اعمال صالحہ کی قوت، اللہ تعالیٰ کے بہ کثرت ذکر اور فرشتوں کی تائید سے غور وفکر کے بعد نیک اور حکیمانہ اشعار کہے جاتے ہیں اور ان کو موزون الفاظ کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے الہام سے حقائق اور دقائق کو اشعار کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے، اور مواعظ حسنہ، دنیا کی مذمت، آخرت کی رغبت، عبادت کے ذوق اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کی حمد ونعت، صحابہ اور اہل بیت کی منقبت اور اسلام کی تعلیم پر مشتمل اشعار کہے جاتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار نہ کہنے کا سبب

چونکہ اشعار میں معانی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں اور ان میں یہ قصد کیا جاتا ہے کہ شعر کے آخری الفاظ ایک وزن اور ایک قافیہ پر ہوں اس لئے انبیاء علیہم السلام کے لائق اور مناسب شعر کہنا نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصود الفاظ نہیں معانی ہوتے ہیں اس لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار نہیں فرمائے، البتہ آپ نے دوسروں کے اشعار پڑھے اور سنے ہیں اور آپ سے اشعار کی صورت میں جو کلام صادر ہوا ہے جیسا کہ ہم نے متعدد حوالوں سے احادیث نقل کی ہیں مثلاً انا النبی لا کذب. انا ابن عبدالمطلب وغیرہ تو ہر چند کہ یہ کلام موزون ہے لیکن یہ اصطلاح میں شعر نہیں ہے کیونکہ اس میں کلام کا ایک وزن پر ہونا اتفاقاً ہے قصداً نہیں ہے، جیسے قرآن مجید کی متعدد آیات موزون ہوتی ہیں جیسے انا اعطینک الکوثر ٥ فصل لربک وانحر ٥ لیکن ان کا ایک وزن پر ہونا اتفاقاً ہے قصداً نہیں ہے اس لئے یہ آیات اصطلاح میں شعر نہیں ہیں۔

اختتام سورت

آج مورخہ ۹ ذوالحجہ، یوم عرفہ بہ روز جمعہ ۱۴۲۲ھ/ ۲۲ فروری ۲۰۰۲ء بعد نماز فجر سورة الشعراء مکمل ہوگئی، الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرادی ہے باقی تفسیر کو بھی محض اپنے کرم سے مکمل کرادیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین و الصلوة و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین و علی آله و اصحابه و ازواجه و علی اولیاء امته و علماء ملته اجمعین.

سُوۡرَۃُ النَّمۡلِ

(۲۷)

بسم الله الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النمل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ النمل ہے کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں النمل کا ذکر ہے:

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل: ١٨)

حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو۔

علامہ ابن عطیہ، علامہ قرطبی اور علامہ سیوطی وغیرہم نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر اڑتالیس (۴۸) ہے۔ یہ سورۃ الشعراء کے بعد اور سورۃ القصص سے پہلے نازل ہوئی ہے، اہل مدینہ اور اہل مکہ کے نزدیک اس کی پچانوے (۹۵) آیتیں ہیں، اور اہل شام، بصرہ اور کوفہ کے نزدیک اس کی چورانوے (۹۴) آیات ہیں، ہمارے مصاحف میں اس کی ترانوے (۹۳) آیات لکھی ہوئی ہیں۔ آیات کا یہ اختلاف ان کے شمار کے اعتبار سے ہے۔

سورۃ النمل اور سورۃ الشعراء کی باہمی مناسبت

اس سورت کی اس سے پہلے والی سورۃ الشعراء سے حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے۔

(۱) اس سے پہلے والی سورۃ میں بھی انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کئے گئے تھے لیکن اس میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ نہیں تھا اس میں ان کا قصہ بھی ہے، سو یہ سورۃ، سابقہ سورۃ کا تتمہ ہے۔

(۲) سابقہ سورۃ میں جن انبیاء علیہم السلام کے قصص اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے اس سورۃ میں ان کے قصص تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سات سے چودہ نمبر آیت تک ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ پینتالیس سے ترپن نمبر آیت تک ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ چون سے اٹھاون نمبر آیت تک ہے۔

(۳) سورۃ الشعراء کی ابتداء میں بھی قرآن مجید کا وصف بیان فرمایا تھا 'تلک ایت الکتاب المبین' اور اس سورۃ کی ابتداء میں بھی قرآن کریم کا وصف بیان فرمایا ہے: تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝

(۴) ان دونوں سورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کفار کی ایذاء رسانیوں سے گھبرائیں نہیں اور نہ پریشان ہوں۔

سورت النمل کے مضامین اور مقاصد

(۱) اس سورۃ کی ابتداء سورۃ البقرہ کی طرح ہے اس میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے اور یہ مومنین کے لیے

رحمت ہے جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

(۲) حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا ابتدائی حصہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو نو واضح معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لایا۔

(۳) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں' ان کو نعمتیں عطا فرمائیں اور ان کے شکر گزار ہونے کا امتحان لیا۔

(۴) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ میں بتایا کہ جن لوگوں نے ان کی نافرمانی کی وہ بالآخر عذاب کا شکار ہوئے اور انہوں نے جو اپنے لئے بلند' مضبوط اور مستحکم مکان بنائے تھے' ان کے کھنڈرات آج بھی تبوک کی راہ گزاروں میں موجود ہیں۔

(۵) قوم لوط کے واقعات کی طرف اشارہ ہے' حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بداخلاقیوں اور بدفعلیوں کی اصلاح کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور ان پر بھی عبرتناک عذاب آ گیا۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید پر دلائل بیان فرمائے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں اور بحر و بر کو پیدا کیا' اور انسان کو یہ الہام کیا کہ وہ زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اس کو جنگلوں اور سمندروں کے راستوں میں ہدایت دی اور اس کو بہت کثیر روزی دی' اور بتایا کہ قیامت اچانک آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور دن اور رات کے بار بار آنے سے بھی اپنی توحید پر استدلال فرمایا۔

(۷) سورۃ کے اخیر میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا' اور بتایا کہ قرب قیامت میں زمین سے ایک جانور نکلے گا (دآبۃ الارض) اور جب صور پھونک دیا جائے گا تو چند نفوس کے سوا تمام آسمانوں اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے اور پہاڑ بادلوں کی طرف اڑ رہے ہوں گے' نیز سورۃ کے اخیر میں یہ بتایا ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں بعض نیکوکار ہیں اور بعض بدکار ہیں' اور ہر شخص کو اپنے اعمال کے اعتبار سے اچھی یا بری جزا ملے گی' اور مشرکین پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کریں اور بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں' اور قرآن مجید نے جس دستور حیات کی ہدایت دی ہے اس پر عمل کریں' اور جس نے ان احکام پر عمل کیا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس میں صرف اس کا اپنا نقصان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں جو امور بیان کئے گئے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تصدیق کرے اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے قرآن کریم کو چراغ ہدایت مان لے۔

سورۃ النمل کے اس تعارف اور اس تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے اس سورۃ کے ترجمہ اور اس کی تفسیر کو اس دعا کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ اے اللہ! مجھ پر حقائق کی حقانیت واضح فرمانا اور مجھے ان کی اتباع نصیب فرمانا اور مجھ پر امورِ باطلہ کے بطلان کو منکشف فرمانا اور مجھے ان سے مجتنب اور دور رکھنا۔ (آمین)

ناکارہ خلائق

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

۱۳ ذوالحج' ۱۴۲۲ھ/ ۲۸ فروری' ۲۰۰۲ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ النمل مکیۃ ۲۷ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۹۳ رکوعاتہا ۷

سورۃ النمل مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس کی ترانوے آیات اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

طاسین یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ یہ ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے ○

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

یقین رکھتے ہیں ○ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ

دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے

وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ

اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور بے شک آپ کو بے انتہا حکمت اور علم والے کی طرف

لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ط

سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ○ جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا بے شک میں نے آگ دیکھی ہے

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷

میں تمہارے پاس ابھی کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی سلگتا ہوا انگارہ تاکہ تم حرارت حاصل کرو ○

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ط

پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کی ندا کی گئی کہ جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ اے موسیٰ! سنو بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں بہت غالب

الْحَكِيمُ ۝٩ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا

بڑی حکمت والا O اور اپنا عصا ڈال دیجئے، پھر جب انہوں نے اس کو اس طرح لہراتا ہوا دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر چل

وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ۝١٠

دیئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈریے مت' بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے O

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝١١

سوا اس کے جس نے ظلم کیا پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کی تو بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہوں O

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي

اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا' آپ نو

تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝١٢

نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جایئے' بے شک وہ نافرمانوں کا گروہ ہے O

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝١٣ وَجَحَدُوا

سو جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آ گئیں تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے O انہوں نے ظلم اور

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تکبر کی وجہ سے ان نشانیوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں کی صداقت) کا اعتراف کر چکے تھے' پس دیکھئے ان

الْمُفْسِدِينَ ۝١٤

فتنہ پرور لوگوں کا کیسا انجام ہوا O

ع ۱۴ / ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معانی

اللہ کے نام سے شروع' اس کا نام عزیز ہے' گنہ گار اپنی سزا میں تخفیف کے لیے اس کے نام کا قصد کرتا ہے' تو اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے' اس کا نام کریم ہے' عبادت گزار اپنی عبادت کے اجر میں اضافہ کے لیے اس کا قصد کرتا ہے تو اس کے اجر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے' اس کا نام جلیل ہے' ولی عزت و کرامت کی طلب کے لیے اس کا قصد کرتا ہے تو اس کا قصد پورا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین' یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں O (النمل: ۱)

طاسین کے اسرار

مفسرین نے کہا ہے کہ طاسین کی ط سے یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے دل طیب ہیں' اور سین سے اس سر (راز) کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں ہے۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ اپنے طالبین کی طلب کی قسم کھاتا ہے کہ ان کے دل اس کے ماسوا کی طلب سے سلامت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ طا سے اس کے قدس کی طہارت کی طرف اشارہ ہے' اور سین سے اس کی سناء (روشنی یا بلندی) کی طرف اشارہ ہے' گویا کہ وہ اپنے قدس کی طہارت اور اپنی عزت کی بلندی کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں اپنے لطف کے کسی امیدوار کی امید کو ضائع اور نامراد نہیں کروں گا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طا سے اس کے فضل اور سین سے اس کی سناء (بلندی) کی طرف اشارہ ہے۔

امام قشیری متوفی ۴۶۵ ھ نے لکھا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ میری پاکیزگی کی وجہ سے میرے اولیاء کے قلوب طیب ہو گئے' اور میرے جمال کے مشاہدہ کی وجہ سے میرے اصفیاء کے اسرار چھپ گئے' میرا ارادہ کرنے والوں کی طلب میرے لطف کے مقابل ہے اور نیک اعمال کرنے والوں کے اعمال میری رحمت کے مشکور ہیں۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۴۰۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

اس سورۃ کو قرآن اور کتاب مبین فرمانے کی وجہ

تلک کے لفظ سے اس سورۃ کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے' جس میں تمام ما کان ومایکون کا بیان ہے' اور ملائکہ اس کو پڑھ کر مستقبل میں ہونے والے امور کا بیان کرتے ہیں۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ تلک کے لفظ سے اس عظیم الشان سورۃ کی طرف اشارہ ہے' اور آیات قرآن سے مراد تمام قرآن کی آیتیں ہیں یا اس سورۃ کی آیتیں ہیں' اس قرآن کو کتاب مبین فرمایا ہے' مبین کا معنی ہے مظہر' یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کے احکام کو' آخرت کے احوال کو جن میں نیکوں کا ثواب اور بروں کا عذاب ہے' اور سابقہ انبیاء اور گزشتہ امتوں کے واقعات کو ظاہر کرنے والی ہے۔

اس سورۃ کو قرآن بھی فرمایا اور کتاب بھی' قرآن کا لفظ قرأت سے بنا ہے جس کا معنی پڑھنا ہے اور کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے جس کا معنی لکھنا ہے' اس کو قرآن اس لئے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور کتاب اس لئے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے' اور قرآن کے لفظ کو کتاب کے لفظ پر اس لئے مقدم فرمایا کہ پہلے اس کو پڑھا جاتا تھا پھر اس کو لکھا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے ○ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ (النمل: ۳-۲)

ہدایت اور بشارت کو مومنوں کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہات

اس کتاب کی صفت میں بیان فرمایا کہ یہ ہدایت اور خوشخبری ہے' بظاہر یوں فرمانا چاہیے تھا کہ یہ ہدایت دینے والی اور خوشخبری دینے والی ہے لیکن اس پیرایہ میں مبالغہ ہے جیسے ہم کسی عالم کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے کہیں کہ وہ شخص تو خود علم ہے یا کسی کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے کہیں کہ وہ شخص تو سراپا سخاوت ہے' اس طرز پر فرمایا یہ کتاب مومنوں کے لیے سراسر ہدایت اور بشارت ہے۔

اس آیت میں ہدایت کو مومنوں کے ساتھ مخصوص کر دیا حالانکہ یہ کتاب تو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ہدایت کے ساتھ بشارت کا بھی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کتاب بشارت تو صرف مومنوں کے لیے ہے کیونکہ کافروں کے کام تو بہرحال قابل بشارت نہیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کتاب کی آیتوں سے فائدہ تو صرف مومنوں نے اٹھایا ہے۔ اس لیے مآل کار یہ کتاب صرف مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ یَّخۡشٰہَا ؕ (النّٰزعٰت: ۴۵) آپ تو صرف ان کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ہدایت کو مومنوں کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے ہدایت میں زیادتی' یعنی زیادہ ہدایت مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَیَزِیۡدُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اہۡتَدَوۡا ہُدًی ؕ (مریم: ۷۶) اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ زیادہ کر دیتا ہے۔

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس ہدایت سے مراد دنیا کی ہدایت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آخرت میں مومنوں کو جنت کا راستہ دکھانا ہے' اور ظاہر ہے کہ یہ ہدایت مومنوں کے ساتھ ہی خاص ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ اعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ یَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ؕ (النساء: ۱۷۵) رہے وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ان کو عنقریب اپنی رحمت میں اور اپنے فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف صراط مستقیم کی ہدایت دے گا۔

اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ اس ہدایت سے مراد ہے کامل ہدایت کہ انسانی حیات کے ہر شعبہ میں اور زندگی میں پیش آنے والے ہر ہر موڑ اور ہر ہر مرحلہ پر انسان کو ہدایت مل جائے اور ہر ہر قدم پر انسان کو صحیح اور غلط کا ادراک حاصل ہو جائے اور کسی بھی معاملہ میں وہ اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم نہ ہو' اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جو خبریں لائے ان کی تصدیق کرے اور جو احکام لائے ان کو مانے اور تصدیق کرے' اور پانچوں وقت کی نماز پڑھ کر اور جب مالک نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کر کے ایمان کے تقاضے کو پورا کرے' اور خصوصیت کے ساتھ آخرت پر یقین رکھے۔

اس سوال کا جواب کہ ایمان والوں کے ذکر کے بعد آخرت پر یقین رکھنے والوں کا ذکر کیوں فرمایا

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے گا' پانچوں وقت کی نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ ادا کرے گا' وہ لامحالہ آخرت پر بھی یقین رکھتا ہوگا' پھر ایمان' نماز اور زکوٰۃ کے بعد آخرت پر یقین رکھنے کا کیوں ذکر فرمایا! اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے شرف کے تین مراتب ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اس کو مبدء فیاض کا علم ہو اور اس پر ایمان ہو' اور آخری مرتبہ یہ ہے کہ اس کو معاد اور آخرت کا علم ہو اور اس پر ایمان ہو اور متوسط مرتبہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں مرتبوں کے ثبوت اور تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے' اور ان احکام میں اہم حکم یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرے' نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے' اور جو ان احکام پر پابندی سے عمل کرے گا وہ باقی احکام پر بھی پابندی سے عمل کرے گا۔ اس لیے اس آیت میں پہلے انسان کے شرف اور کمال کے پہلے مرتبہ کا ذکر فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر

ایمان لانا ہے' پھر متوسط مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور اس کے بعد آخری مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ آخرت پر یقین رکھنا ہے۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے' جیسے تنزل الملائکۃ والروح (القدر: ۴) میں عام فرشتوں کے ذکر کے بعد خصوصیت کی بنا پر حضرت جبریل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح مومنین کا لفظ عام ہے یعنی جو لوگ اللہ کی ذات وصفات' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' اس کی تقدیر اور عقیدۂ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں' پھر عقیدۂ آخرت کی خصوصیت کی وجہ سے اس کا الگ بھی ذکر فرمایا کہ وہ مسلمان آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

اور اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آخرت اور حشر ونشر کے متعلق لوگ دو قسم کے ہیں' ایک وہ ہیں جن کو آخرت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر' حساب وکتاب اور جزا اور سزا پر یقین ہے' اور وہ عذاب کے خوف' ثواب کے شوق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور باقی احکام پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا آخرت پر پورا یقین نہیں ہے' اور برے کاموں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کے لیے ان کے اندر سے کوئی تحریک نہیں اٹھتی۔ وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی رسمی طور پر نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت نہیں ہوتی اور دراصل یہ لوگ قرآن مجید کی ہدایت پر عمل کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی قرآن مجید کی بشارت کا مصداق ہیں۔

اس سوال کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ جو مومنین نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت پر حق الیقین اور کامل ایمان ان ہی مومنوں کا ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کرنے والے ہیں کیونکہ آخرت کا خوف ہی ان کو شہوت اور غضب کے غلبہ کے وقت گناہوں سے باز رکھتا ہے' اور جب سخت سردی کے موسم میں نرم اور گرم بستروں سے نکل کر فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا دشوار ہو اور جب مال کی تنگی کے خوف سے زکوٰۃ کا ادا کرنا نفس پر دشوار ہو تو اس وقت صرف آخرت کا خوف ہی مسلمانوں کو سردی میں بستروں سے اٹھاتا ہے اور مال میں کمی کے خطرہ کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکساتا ہے' سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ نفس پر دشواری کے باوجود نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں دراصل وہی مسلمان آخرت پر کامل یقین رکھنے والے ہیں۔

زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی پھر مکی سورۃ میں اس کے ذکر کی توجیہ

اس جگہ ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ سورۃ النمل مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں دو ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی ہے' (ردالمحتار ج ۳ ص ۱۵۶' داراحیاء التراث العربی بیروت) سو اس آیت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کے ذکر کی کیا توجیہ ہوگی' بعض علماء نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے اس کا معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس اور نفس کی برائی اور بے حیائی کے کاموں سے پاکیزگی اور طہارت ہے اور نیک کاموں اور مکارم اخلاق سے نفس کو مزین کرنا مراد ہے' مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب بھی نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد زکوٰۃ معروف ہوتی ہے یعنی جو شخص مالک نصاب ہو وہ سال گزرنے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ ادا کرے' اس لیے اس سوال کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہے کہ نفس زکوٰۃ' یعنی اللہ کی راہ میں مطلقاً مال خرچ کرنا' اتنی قدر مکہ میں ہی فرض ہوگئی تھی اور زکوٰۃ کی تمام تفصیلات اور اس کی شرائط اور مختلف اجناس کے مختلف نصابوں کا تعین مدینہ منورہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ (النمل: ۵-۴)

جب کفریہ کاموں کو اللہ تعالیٰ نے مزین فرمایا ہے تو پھر ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے؟

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے' کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس سے پہلی آیت میں مومنوں کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ (قرآن) ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے' جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ اور اس آیت میں کافروں کا ذکر فرمایا ہے کہ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس آیت کے ظاہر پر دو اعتراض ہوتے ہیں' ایک اعتراض تو یہ ہے کہ جب کافروں کے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے لیے خوش نما بنا دیا اور مزین کر دیا ہے تو پھر اگر کافروں نے وہ کام کر لیے تو پھر ان کو ملامت اور ان کی مذمت کیوں کی جا رہی ہے اور ان کو ان کاموں پر عذاب کی وعید کیوں سنائی جا رہی ہے' اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ان کے کاموں کو مزین کرنے کی اپنی طرف نسبت کی ہے' اور دوسری آیتوں میں ان کاموں کو مزین کرنے کی شیطان کی طرف نسبت کی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (الانفال: ۴۸)

اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الانعام: ۴۳)

سو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ عاجزی کرتے اور گڑگڑاتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الحجر: ۳۹)

(شیطان نے) کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو مجھے بھی قسم ہے کہ میں ان کے لیے ضرور زمین میں گناہوں کو مزین کر دوں گا' اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندوں کے اعمال کا بھی وہی خالق ہے' اور بندہ جس عمل کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے اس عمل کو پیدا کر دیتا ہے' سو جب کافروں نے شرک' کفر اور دیگر برے اعمال کو اچھا جانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں میں ان کفریہ اعمال کا حسن پیدا کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے تسلسل اور تواتر کے ساتھ کفر اور شرک کیا اور نبیوں اور رسولوں کی تکذیب' تنقیص اور تضحیک کی اور آخرت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان اعمال قبیحہ کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا۔

معتزلہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دراصل ان کاموں کو ان کے لیے شیطان نے مزین کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کاموں کی نسبت مجازاً ہے' اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان کفریہ اور قبیح افعال پر چونکہ فوراً گرفت نہیں کی اور بڑے عرصہ تک ان کو ان کے کفر کے باوجود ڈھیل دیتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس مہلت دینے کو مجازاً اس طرح تعبیر فرمایا کہ اس نے ان

کے لیے ان کاموں کو مزین کر دیا۔

حسن بصری نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نیک کاموں کو مزین فرمایا تھا لیکن انہوں نے اپنے کفر کی وجہ سے ان نیک کاموں کو نہیں کیا' لیکن یہ جواب درست نہیں اول تو اس لیے کہ یہ معنی سیاق اور سباق کے مناسب نہیں ہے۔ دوسرے اس لیے کہ قرآن مجید میں تزیین کا اطلاق زیادہ تر برے کاموں کے لیے آیا ہے' جیسے کہ ان آیات میں ہے:

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔ (البقرہ: ۲۱۲) کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ○ (الانعام: ۱۳۷) اسی طرح مشرکین کے باطل معبودوں نے مشرکین کے لیے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا ہے تا کہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت کی تصدیق نہیں کرتے' ہم نے برے کاموں کو ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا ہے گویا کہ وہ ان کی طبیعت کا مقتضیٰ بن گئے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کا احاطہ تکلیف دہ چیزوں نے کیا ہوا ہے اور دوزخ کا احاطہ پسندیدہ چیزوں نے کیا ہوا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۷۵)

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان افعال کو مزین کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بہ اعتبار تخلیق کے ہے اور شیطان کی طرف اس کی نسبت بہ اعتبار کسب اور اس کے ارادہ کے ہے۔

پھر فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے۔ یعنی دنیا میں ان کو قتل کیا جائے گا اور گرفتار کیا جائے گا جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا' اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں' کیونکہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدا تو وہ دوزخ کے عذاب کی نجات سے محروم ہو گئے' اور جنت اور اس کی نعمتوں کے نہ ملنے کا نقصان اٹھایا۔

دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کے حصول کی دعا کرنے کے متعلق آیات اور احادیث

بعض علماء نے کہا ہے کہ دنیا والے آخرت کے خسارے میں رہتے ہیں اور آخرت والے مولیٰ کی خسارے میں رہتے ہیں اور جو دنیا اور آخرت کسی کی طرف التفات نہ کرے وہ اپنے مولیٰ کو پا لیتا ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۱۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا سے ترک تعلق کر لے اور اس کے دل میں دوزخ کے عذاب کا خوف اور جنت کی نعمتوں کا شوق نہ ہو اور وہ دنیا اور آخرت سے بے پرواہ ہو جائے' اور دنیا کی کسی ذمہ داری کو پورا نہ کرے اور جنگلوں اور غاروں میں جا کر اللہ اللہ کرتا رہے' یہ رہبانیت ہے اور اسلام میں ممنوع ہے اور آخرت سے بے پرواہ ہونا قرآن مجید کی بہ کثرت آیات اور بہت احادیث کے انکار اور ان کی توہین کو مستلزم ہے' انبیاء علیہم السلام دنیا کی چیزوں میں مشغول رہے ہیں وہ کھاتے پیتے تھے' نکاح کرتے تھے' ازواج کے حقوق ادا کرتے تھے' رزق حلال کے حصول کے لیے کسب اور جدوجہد کرتے تھے' دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے اور جنت کے حصول کی دعا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت کثرت سے کرتے ہیں: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی اور خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۴، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۹)

اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کے متعلق ذکر فرمایا ہے وہ یہ دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ (الفرقان: ۶۵)

اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور کر دے، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔

اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جنت کی طلب کی دعا کی:

وَاجْعَلْنِي مِن وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ٥ (الشعراء: ۸۵)

اور مجھ کو نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر سے، عذاب جہنم سے اور فتنہ دجال سے پناہ طلب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد: ۱۳۳، رقم الحدیث بلاتکرار ۵۸۸، الرقم المسلسل: ۱۳۰۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۱۷)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی کی ہے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل و الھرم والمغرم والماثم اللھم ان اعوذ بک من النار وفتنة النار. الحدیث

اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں دوزخ کی آگ اور دوزخ کی آگ کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۵، عالم الکتب، مسند احمد ج ۶ ص ۵۷، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۱، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۳۱، مکتب اسلامی، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۷۸)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب جنت کی دعا تعلیم دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس دعا کی تعلیم دی:

اللھم انی اسئلک الجنة وما قرب الیھا من قول او عمل واعوذبک من النار وما قرب الیھا من قول او عمل.

اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ان باتوں اور ان کاموں کا جو جنت کے قریب کر دیں، اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور ان باتوں اور ان کاموں سے جو دوزخ کے قریب کر دیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۶۴، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۵۳۳، عالم الکتب بیروت، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۹۰۰، دار الحدیث قاہرہ، الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۶۳۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۴۷۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۶۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۲۲-۵۲۱، کتاب الدعا رقم الحدیث: ۱۳۴۷)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دعائیں روایت کی ہیں ان میں یہ دو دعائیں بھی ہیں اور ان

دعاؤں میں آپ نے خود جنت کی طلب کی ہے۔

اللهم ونجنی من النار ومغفرة اللیل والنهار والمنزل الصالح من الجنة آمین' اللهم انی اسئلک خلاصا من النار سالما وادخلنی الجنة. آمین

اے اللہ! مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے' اور رات اور دن کی مغفرت عطا فرما اور جنت کا عمدہ درجہ عطا فرما' (آمین) اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے چھٹکارے کا سوال کرتا ہوں' اور مجھ کو جنت میں داخل فرما دے (آمین)

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱۷۔۳۱۶' رقم الحدیث: ۷۱۷' المعجم الاوسط ج ۴ ص ۳۵۴۔۳۵۳' رقم الحدیث: ۶۲۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ' حافظ الہیثمی نے کہا المعجم الکبیر کی ایک سند کے راوی اور المعجم الاوسط کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۷)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے عبادت کی جائے گی تو وہ اللہ کے لیے نہیں ہوگی یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے ایمان لانے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (الصف: ۱۳-۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں اس تجارت پر رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو ○ اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اور ان پاکیزہ گھروں میں جو جناتِ عدن میں ہوں گے' یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○ اور تمہیں ایک اور نعمت بھی عطا فرمائے گا جس کو تم پسند کرتے ہو' اور وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح و کامرانی ہے' اور ایمان والوں کو بشارت دے دیجیے ○

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ. (التوبۃ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

جنت کی تعریف اور تحسین اور جنت کے مطلوب ہونے پر قرآن اور حدیث میں تصریحات

ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ انسان صرف دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے عبادت کرے اور اللہ کی رضا کے لیے عبادت نہ کرے۔ بے شک بندے کے لیے سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کی رضا ہے' ہم صرف ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جو دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں اور جنت کی طلب سے منع کرتے ہیں اور جنت کی تنقیص اور تحقیر کرتے ہیں' جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ — کہ سب جنتیں ہیں نثارِ مدینہ

طیبہ کے ہوتے خلد بریں کیا کروں حسن — مجھ کو یہی پسند ہے مجھ کو یہی عزیز

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر — سوئے جنت کون جائے درتمہارا چھوڑ کر
ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار — کیا غرض کیوں جاؤں جنت کو مدینہ چھوڑ کر

تیری میری چاہ میں زاہد بس اتنا فرق ہے — تجھ کو جنت چاہیے مجھ کو مدینہ چاہیے

سینکڑوں جنتیں قربان ہوئی جاتی ہیں — مرتبہ دیکھو مدینہ کے بیابانوں کا

تری جنت تری حوریں مبارک ہوں تجھے زاہد — ہمیں تو راس آئی ہے گدائی کوئے جاناں کی

کعبہ ہو یا کہ عرش بریں ہو کہ خلد ہو — سب آ کے جھومتے ہیں مدینہ کے سامنے

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں مدینہ کو چھوڑ کر ہی جنت میں تشریف لے جائیں گے' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں' کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ — میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۶' ۱۱۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۱' ۱۳۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶' سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۴۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۴۳' مکتب اسلامی' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۹۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹-۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۹۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۳۵)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے' دنیا اور آخرت میں آپ کا گھر جنت میں ہے' اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے۔ 'در محبوب کے گھر کی بہت تعریف اور توصیف کی جاتی ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعویدار جنت کی تنقیص کیوں کرتے ہیں' جبکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بے حد تعریف وتوصیف کی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِیْنٌ ۝

اور آگے بڑھنے والے' آگے (ہی) بڑھنے والے ہیں ۝ وہی (اللہ کے) مقرب ہیں ۝ (وہ) نعمتوں والی جنتوں میں ہیں ۝ بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہو گا ۝ اور تھوڑے سے لوگ بعد والوں میں سے ہوں گے ۝ وہ زرین تختوں پر ۝ ایک دوسرے کے سامنے مسند آراء ہوں گے ۝ ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے آتے جاتے رہیں گے ۝ جنتی شراب سے بھرے ہوئے پیالے' جگ اور

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ○ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ○ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ○ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ○ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ○ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ○ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ○ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ○ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ○ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ○ عُرُبًا اَتْرَابًا ○ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (الواقعہ: ۴۰-۱۰)

جام لے کر ○ جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو گا اور نہ ان کی عقل خراب ہو گی ○ اور ان پھلوں کو لے کر جن کو وہ پسند کریں گے ○ اور ان کی پسند کے پرندوں کا گوشت لے کر ○ اور (ان جنتوں میں) بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ○ جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں ○ یہ ان کے (نیک) اعمال کی جزا ہے ○ وہ جنتوں میں کوئی گناہ کی اور بے کار بات نہیں کہیں گے ○ مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز آئے گی ○ اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے ○ وہ بغیر کانٹوں کے بیر کے درختوں میں ہوں گے ○ اور تہ بہ تہ کیلوں میں ○ اور لمبے لمبے سایوں میں ○ اور بہتے ہوئے پانی میں ○ اور بہ کثرت پھلوں میں ○ جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے روکا جائے گا ○ اور (وہ) اونچے اونچے بستروں میں ہوں گے ○ ہم نے ان حوروں کو خصوصیت سے بنایا ہے ○ پس ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے ○ محبت کی جانے والیاں اور ہم عمر ○ (وہ) دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں ○ بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہو گا ○ اور بڑا گروہ بعد والوں میں سے ہو گا ○

جنت کے فضائل اور محاسن میں احادیث بھی بہ کثرت مروی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے' جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے' نہ کسی کان نے سنا ہے' اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' اور اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدۃ: ۱۷)

کوئی نفس نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چھپا رکھا ہے (یہ) ان کے نیک کاموں کی جزاء ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہو گا ان کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گی اور جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے وہ آسمان کے ایک حسین اور چمکدار تارے کی طرح روشن ہوں گے' ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے' ان میں آپس میں نہ بغض ہو گا نہ حسد۔ ہر شخص کے لیے بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی' ان کی پنڈلیوں کا گودا کھال اور ہڈیوں کے پار سے نظر آ رہا ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۸۳)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں چابک کی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱)

اب جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بہت تعریف اور تحسین فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب جس جگہ آرام فرما ہیں وہ بھی جنت ہے اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور اول و آخر آپ کا گھر جنت ہے تو پھر جنت کی تحقیر کرنا اور مدینہ منورہ سے اس کا تقابل کر کے جنت کو مدینہ سے کم بتانا اور جنت کے مقابلہ میں مدینہ منورہ کو افضل اور اپنا مطلوب قرار دینا' قرآن اور حدیث کی ان صریح نصوص کثیرہ کا انکار یا پھر ان سے بے علمی پر مبنی ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہیے اور جو لوگ جنت کی طلب کو اپنی شان اور اپنے مقام کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دوزخ سے نجات کی طلب کرنا اور جنت کے حصول کی طلب کرنا نقصان اور خسارہ ہے۔ اصل چیز مولیٰ کی رضا کو طلب کرنا ہے ان کا اس قسم کی آیات اور احادیث پر کیسے ایمان ہوگا!

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تحسین فرمائی جو یہ دعا کرتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران: ۱۶)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے' سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ (الفرقان: ۶۵)

اور جو لوگ (راتوں کو اٹھ کر) یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور کر دے' بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من فتنۃ النار وعذاب النار.

اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ اور دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۳)

اور تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف دوڑو' جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے' جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے' اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اس زمین میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا کیا گیا' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنائیں! آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں' اللہ نے ان کو فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے' اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو' وہ جنت کا وسط ہے اور سب سے بلند درجہ ہے' اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۰۰)

اللہ کی رضا کا بہت بڑا درجہ ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس نیت سے کرنی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی اطاعت کرے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے عبادت کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، تو اگر وہ اخروی ثواب اور جنت کے حصول کی امید پر اور اس غرض سے عبادت کرے تو یہ بھی صحیح ہے بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ اس میں آخرت کی تصدیق ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اس کی بشارت پر ایمان کا اظہار ہے، لیکن اس سے بھی افضل مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کی طلب کے لیے اس کی عبادت کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے آپ کو فروخت کر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (النساء: ۱۱۴)

ان (منافقوں) کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے، ہاں جس نے صدقہ دینے کا حکم دیا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا، اور جس نے یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا تو عنقریب ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (التوبۃ: ۷۲)

اللہ نے ان ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا جاری ہوتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ مکانوں کا جو دائمی جنتوں میں ہیں، اور اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنات اور مساکن طیبہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب، ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہیں راضی ہوں گے، تو نے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا۔ وہ عرض کریں گے: اس سے افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم پر اپنی رضا حلال کر دی ہے، میں اب تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۸، صحیح مسلم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے، بندہ کو جب یہ علم ہو جائے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی ہے تو اس کو ہر نعمت سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جیسا کہ اس کو جسمانی آرام اور آسائش حاصل ہو لیکن اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مولیٰ اس سے ناراض ہے تو تمام عیش اور آرام مکدر ہو جاتا ہے اور اس کو پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کی طرح چبھتی ہے اور جب اس کو اپنے مولیٰ اور محبوب کی

رضا کا علم ہو تو جسمانی تکالیف اور بھوک و پیاس کا بھی احساس نہیں ہوتا چہ جائیکہ جسمانی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مالک اور مولیٰ اور محبوب بھی اس سے راضی ہے تو اس کی خوشی اور راحت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ کی رضا سے ان کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں سب سے زیادہ اس نعمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ زمخشری نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے' اس میں مقربین کے درجات کی طرف اشارہ ہے ہر چند کہ تمام جنتی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتے ہیں لیکن ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں' ہر فلاح اور سعادت کا سبب اللہ کی رضا ہے۔

(البحر المحیط ج ۵ ص ۴۶۲-۴۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کی رضا اس وقت حاصل ہوگی جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو' اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے کی نمازوں (فجر اور عصر کی نمازوں) سے عاجز نہ ہونا' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ○ (ق: ۳۹)

طلوع شمس سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور غروب سے پہلے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: تم کوئی اور چیز چاہتے ہو جو میں تم کو عطا فرماؤں! وہ عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا!! کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی!!! آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب منکشف کر دے گا' اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۹۶۳' ۱۸۹۵۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اپنے علم غیب سے اور مخلوق پر اپنی قدرت سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دینا جب تیرے علم میں میرے لیے وفات بہتر ہو' اے اللہ! میں تجھ سے غیب میں (جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو) اور شہادت میں (لوگوں کے سامنے) تیرے خوف کا سوال کرتا ہوں' اور میں رضا اور غضب میں کلمہ حق کہنے کا سوال کرتا ہوں' اور فقر اور غنا میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے ختم نہ ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں' اور زائل نہ ہونے والی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سوال کرتا ہوں' اور تقدیر واقع ہونے کے بعد اس پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تجھ سے ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو بغیر کسی ضرر اور گمراہ کرنے والے فتنہ کے حاصل ہو' اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین کر اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے

والا بنادے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۴، مسند احمد ج ۴، ص ۲۶۴)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیدار کرنے اور اس کی ملاقات کے شوق کے حصول کی دعا کی ہے۔

ابو یزید نے کہا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر اللہ جنت میں اپنے چہرے کو حجاب میں کرے تو وہ جنت میں اس طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ میں فریاد کرتے ہیں۔

بعض حکایات میں ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ معروف کرخی کے متعلق کہا گیا کہ یہ معروف کرخی ہیں، جب یہ دنیا سے گئے تو اللہ کی طرف مشتاق تھے تو اللہ عزوجل نے اپنا دیدار ان کے لیے مباح کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو لوگ مجھ سے روگردانی کیے ہوئے ہیں کاش وہ جانتے: کہ مجھ کو ان کا کتنا انتظار ہے اور ان کے لیے کیسی نرمی ہے اور ان کے گناہ ترک کرنے کا مجھ کو کتنا شوق ہے تو وہ میرے اشتیاق میں مر جاتے اور میری محبت میں ان کی رگیں کٹ جاتیں، اے داؤد! یہ تو مجھ سے روگردانی کرنے والوں کے لیے میرا ارادہ ہے تو جو میری طرف بڑھنے والے ہیں ان کے متعلق میرا ارادہ کیسا ہوگا!

استاذ ابو علی الدقاق یہ کہتے تھے: حضرت شعیب علیہ السلام روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی بینائی لوٹا دی، وہ پھر روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے، اللہ عزوجل نے پھر ان کی بینائی لوٹا دی، وہ پھر روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اگر تمہارا یہ رونا جنت کے لیے ہے تو میں تمہارے لیے جنت مباح کر دیتا ہوں، اور اگر تمہارا یہ رونا دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں تمہیں دوزخ سے پناہ دے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ میں تجھ سے ملاقات کے شوق میں رو رہا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی: اسی وجہ سے میں نے اپنے نبی اور اپنے کلیم کو دس سال تمہاری خدمت میں رکھا۔

اور کہا گیا ہے کہ جو اللہ کی طرف مشتاق ہو اس کی طرف ہر چیز مشتاق ہوتی ہے، اور حدیث میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے: علی، عمار اور سلمان۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۳، تاریخ دمشق ج ۵، ص ۲۵۹) (رسالہ قشیریہ ص ۳۶۱-۳۵۹، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

جنت کی تخفیف نہ کی جائے

مذکورہ الصدر احادیث اور اقوال صوفیہ کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے اور یہ بالکل برحق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کوئی معمولی نعمت ہے اور جنت کی تخفیف کی جائے یا العیاذ باللہ جنت کی تحقیر کی جائے، بعض لوگ اللہ کی رضا کو بنیاد بنا کر جنت کی تخفیف اور تنقیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں جنت نہیں چاہیے۔ ہمیں اللہ کی رضا چاہیے اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی رضا اس کا حکم ماننے سے حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی رضا بھی جنت میں حاصل ہوگی اور اس کا دیدار بھی جنت میں ہوگا، اور بعض لوگ مدینہ منورہ کی محبت کو بنیاد بنا کر جنت کی توہین کرتے ہیں اور ان کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بہت زیادہ جنت کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں نے دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین کی ہے کہ ہم عذاب نار سے پناہ مانگیں اور جنت الفردوس کے حصول کی دعا کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ کی رضا اور اس کا دیدار بھی ہمیں جنت میں ہی حاصل ہوگا، اس لیے بھی جنت مقصود ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی قیام گاہ بھی

جنت ہے اور محبوب کا دیار اور اس کا گھر بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس لیے بھی جنت ہمیں مطلوب اور محبوب ہونی چاہیے۔ اے اللہ! ہمیں دوزخ کے اور ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھ اور ہمیں جنت الفردوس عطا فرما' ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں اپنا دیدار عطا فرما! بے شک تیری رضا اور تیرا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے سو ہم سے وہ کام کرا جن سے تو راضی ہو! اور ان کاموں سے بچا جن سے تو ناراض ہو۔ آمین یا رب العلمین بحرمة نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین' قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آله الطاهرین واصحابه الراشدین وعلی اولیاء امته وعلماء ملته وسائر المؤمنین والمسلمین اجمعین۔

اس سورۃ کے قصص انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا بے شک میں نے آگ دیکھی ہے' میں تمہارے پاس ابھی کوئی خبر لاتا ہوں' یا کوئی سلگتا ہوا انگارہ' تاکہ تم حرارت حاصل کرو○ پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کو ندا کی گئی کہ جو آگ (کی تجلی) میں ہے' اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے' اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے○ (النمل: ۸۔۷)

اھل کا معنی

النمل: ۷ میں فرمایا: جب موسیٰ نے اپنے اہل سے فرمایا' علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے ہم نسب ہوں' ہم دین ہوں' ہم پیشہ ہوں' یا اس کے گھر میں یا اس کے شہر میں رہنے والے ہوں' اصل میں کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک گھر میں رہتے ہوں' کسی شخص کی بیوی کو بھی اس کے اہل سے تعبیر کیا جاتا ہے' ایک دین کے ماننے والوں کو بھی اہل کہا جاتا ہے' جیسے اہل اسلام کہا جاتا ہے' اور چونکہ شریعت نے اکثر احکام میں مسلم اور کافر کے درمیان نسب کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۚ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ھود: ۴۶) یہ (آپ کا بیٹا) آپ کے اہل سے نہیں ہے اس کے نیک اعمال نہیں ہیں۔

جب کوئی شخص شادی کرے تو کہا جاتا ہے تاھل' وہ اہل والا ہو گیا۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۷)

ابن ملک نے شرح المشارق میں لکھا ہے: اہل کی تفسیر' بیوی' اولاد' نوکروں' دوستوں اور رشتہ داروں سے کی جاتی ہے یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی اپنے بچوں اور اپنے خدام سے فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا

اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو بزرگی دی اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا' اور ان کو بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے' اور ان کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے تکبر کیا اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے گئے۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ان کا نام صفورا تھا' اس سفر میں آپ راستہ بھول گئے اور رات آ گئی' یہ سردیوں کا موسم تھا' آپ کو دور سے آگ کا شعلہ نظر آیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں نے آگ کا شعلہ دیکھا ہے' قرآن مجید میں انست کا لفظ ہے 'انست' کا لفظ انس سے بنا ہے' جس کا معنی ظہور ہے' انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوتا ہے اور جنات اس کے مقابلہ میں مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں' جس طرح انس کا معنی ظہور ہے اسی طرح جن کا معنی مخفی ہونا ہے۔ انسان ظاہر ہے

اور دکھائی دیتا ہے اور جن مخفی ہے اور دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت موسیٰ کو آگ کا ایک شعلہ سا دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں' ممکن ہے اس روشنی سے راستہ کی سمت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے آؤں جس سے تم لوگ سردی کی اس یخ بستہ رات میں حرارت حاصل کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں جو آگ دیکھی وہ اصل میں کیا چیز تھی

النمل: ۸ میں فرمایا: ان کو ندا کی گئی جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور اس کے پاس ہے وہ برکت والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ انہوں نے فرمایا رب العلمین کا نور درخت میں تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۴۲۵)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں وہ کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد اللہ کا نور ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں' یہ قتادہ اور زجاج کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کلام سے ندا کی جس کو انہوں نے اس مبارک سرزمین میں ایک درخت سے سنا۔ پس وہ درخت اللہ تعالیٰ کے کلام کا محل تھا اور اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا تھا بایں طور کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا فعل تھا نہ کہ درخت کا' اور یہ درخت آگ میں تھا اور اس کے آس پاس فرشتے تھے اس لیے فرمایا اس کو برکت دی گئی جو آگ میں تھا اور جو اس کے آس پاس تھے۔ یہ جبائی کا قول ہے' چوتھا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ آگ کے قریب تھے' اور جو اس کے پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں' اور یہ قول زیادہ قریب ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے قریب ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہے' پانچواں قول صاحب کشاف کا ہے کہ جس کو برکت دی گئی ہے یہ وہ مبارک سرزمین ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (القصص: ۳۰)

پس جب موسیٰ وہاں پہنچے تو اس برکت والی زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت سے ان کو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ رب العلمین ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس' حسن بصری اور محمد بن کعب نے کہا وہ آگ اللہ عزوجل کا نور ہے' اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک عظیم نور کو دیکھا اور اس کو آگ گمان کیا' اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنی آیات اور اپنے کلام کو آگ سے ظاہر فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت میں تھا جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ (الزخرف: ۸۴)

وہ ذات جو آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور زمین میں عبادت کا مستحق ہے۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہیں' اسی طرح اس آگ میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ آگ اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہے' لیکن ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے جس سے فاعل کا علم ہوتا ہے' اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ جس کو آگ میں برکت دی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی قدرت ہے۔

دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو جہت' جانب اور جگہ میں ہونے سے منزہ اور پاک مانتے ہیں اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو بھی جہت اور جگہ سے پاک مانتے ہیں اور حضرت موسیٰ کو یہ کلام درخت کی کسی ایک جانب سے نہیں بلکہ درخت کی ہر جانب سے سنائی دے رہا تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ نے بغیر حروف اور آواز کے اور بغیر کسی سمت کے یہ کلام کیسے سن لیا؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ جس طرح بغیر کسی رنگ کے اور بغیر کسی جہت میں ہونے کے اللہ تعالیٰ کی ذات دکھائی دے سکتی ہے۔ اسی طرح بغیر کسی آواز کے اور بغیر کسی جہت میں ہونے کے اللہ تعالیٰ کا کلام سنائی دے سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ بغیر کسی جسم کے' یا جوہر اور عرض کے اللہ تعالیٰ کی ذات کس طرح متحقق ہے' اور بغیر کسب اور حصول کے اس کا علم کس طرح متحقق ہے' اور بغیر صلابت کے اس کی قدرت کس طرح ہے اور کسی چیز کے شوق اور آرزو کے بغیر اس کا ارادہ کیسے ہے' اور بغیر آواز' الفاظ اور حروف کے وہ کلام کیسے کرتا ہے' اور کسی چیز کے مقابل ہوئے بغیر وہ دیکھتا کیسے ہے۔ زمان اور مکان اور وقت اور جگہ کے بغیر وہ کیوں کر ہے۔

اور اگر یہ سوال ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام کیسے سن لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ہر طرف اور ہر جہت سے یہ کلام سنا ان کو یہ آواز اوپر' نیچے' دائیں' بائیں' آگے اور پیچھے ہر جانب سے آرہی تھی اور ان کا ہر عضو یہ کلام سن رہا تھا۔ ان کا پورا جسم مجسم سماعت ہو گیا تھا اور آخرت میں بھی مومنوں کی یہی صفت ہو گی اور کاملین اور واصلین کے لیے دنیا بھی آخرت کے حکم میں ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سن کر کیسے یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس باب میں امام رازی کی تحقیق

فرمایا: سنو! بات یہی ہے کہ میں ہی اللہ ہوں' بہت غالب' بڑی حکمت والا (النمل: ۹)

یہ اس کی تمہید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر ایک عظیم معجزہ ظاہر کرنے والا ہے اور وہ ایسی چیزوں کو ظہور میں لانے پر قادر ہے جو انسان کی فکر اور اس کے وہم سے بھی بہت دور ہوتی ہیں' جیسے لاٹھی کا اژدھا بن جانا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت موسیٰ کو یہ آواز آئی کہ میں ہی اللہ ہوں تو انہوں نے کیسے یہ یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہ ابلیس یا کسی جن نے یہ آواز دی ہو! اس کے جواب میں امام رازی لکھتے ہیں: اہل سنت کے نزدیک اس سوال کے دو جواب ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کلام سنا جو آواز اور حروف کی مشابہت سے منزہ اور پاک تھا' تو انہوں نے بداهۃً جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۲) ائمہ ماوراء النہر (دریائے آمو کے پار' وسطی ایشیا کی ریاستوں' مثلاً بلخ' بخارا' تاشقند' سمرقند' تاجکستان' ازبکستان' قازقستان اور ترکمانستان کے اکابر علماء) کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے آواز سنی تو انہوں نے حسب ذیل وجوہ سے یہ جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

(۱) جب انہوں نے دیکھا کہ ایک درخت سے اور آگ سے آواز آرہی ہے تو انہوں نے جان لیا کہ اس پر اللہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہو سکتا تو یہ ضرور اللہ کا کلام ہے' لیکن یہ وجہ ضعیف ہے کیونکہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شیطان آگ میں یا

درخت میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ کو آواز دی تھی۔

(ب) وہ آواز اس قدر عظیم تھی کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے اور یہ ضرور اللہ کا کلام ہے۔ یہ وجہ بھی ضعیف ہے کیونکہ ہمیں فرشتوں اور جنات اور شیاطین کی آوازوں کا اندازہ اور علم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی کی آواز اس قدر عظیم ہو آخر حضرت جبریل کی ایک چیخ سے بستیاں الٹ جاتی تھیں۔

(ج) اس ندا کے ساتھ کوئی معجزہ بھی تھا جس سے حضرت موسیٰ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اور ایک ہرے بھرے اور سرسبز درخت میں سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نکل رہے تھے اس کے باوجود وہ درخت جوں کا توں اور صحیح و سالم تھا' اور ذرا بھی نہیں جلا اور یہ بھی معجزہ تھا اور اس یقین کے لیے کافی تھا' کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی کیسے جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اس باب میں مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی قوت ادراک عطا کی ہے جس کی وجہ سے ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ انسان کی آواز ہے یہ کسی چرندے کی آواز ہے' یہ کسی درندہ کی آواز ہے اور یہ کسی پرندہ کی آواز ہے' پھر انسانوں کی آواز میں بھی ہم جان لیتے ہیں یہ فلاں انسان کی آواز ہے اور یہ فلاں انسان کی آواز ہے۔ اسی طرح چرندوں میں بھی ہم کو معلوم ہوتا ہے یہ گائے کی آواز ہے' یہ بکرے کی آواز ہے' اسی طرح درندوں اور پرندوں میں بھی ہم کو ان کا باہمی امتیاز معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو صرف عالم شہادت اور ظاہر کی آوازوں کے ادراک کی قوت دی ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اس سے زائد عالم غیب اور باطن کے ادراک کی قوت عطا کی ہے وہ فرشتوں کے کلام کو سنتے ہیں۔ جنات کے کلام کو سنتے ہیں' شیاطین کے کلام کو سنتے ہیں اور ان کے کلام کے باہمی فرق کو پہچانتے ہیں اس لیے جب ان کے پاس پہلی بار فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو ان کو اس میں بالکل تردد نہیں ہوتا کہ یہ فرشتہ کا کلام ہے جس طرح ہمیں کسی انسان کا کلام سن کر اس کے انسان کے کلام ہونے میں بالکل شک نہیں ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

اسی سے ملتی جلتی بات سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے بھی کہی ہے۔

سورۂ قصص میں ہے کہ ندا ایک درخت سے آ رہی تھی فی البقعة المبارکة من الشجرة اس سے جو صورت معاملہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وادی کے کنارے ایک خطے میں آگ سی لگی ہوئی تھی' مگر نہ کچھ جل رہا تھا نہ کوئی دھواں اٹھ رہا تھا اور اس آگ کے اندر ایک ہرا بھرا درخت کھڑا تھا جس پر سے یکایک یہ ندا آنی شروع ہوئی۔

یہ ایک عجیب معاملہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی مرتبہ نبوت سے سرفراز کیے گئے تو غار حرا کی تنہائی میں یکایک ایک فرشتہ آیا اور اس نے اللہ کا پیغام پہنچانا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ ایک شخص سفر کرتا ہوا ایک جگہ ٹھہرا ہے' دور سے آگ دیکھ کر راستہ پوچھنے یا انگارا چننے کی غرض سے آتا ہے اور یکلخت اللہ رب العالمین کی ہر قیاس و گمان سے بالا ذات اس سے مخاطب ہو جاتی ہے۔ ان مواقع پر درحقیقت ایک ایسی غیر معمولی کیفیت خارج میں بھی اور انبیاء علیہم السلام کے نفس میں بھی موجود ہوتی ہے جس کی بنا پر انہیں اس امر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی جن یا شیطان یا خود ان کے اپنے ذہن کا کوئی کرشمہ نہیں ہے' نہ ان کے حواس کوئی دھوکا کھا رہے ہیں' بلکہ فی الواقع یہ خداوند عالم یا اس کا فرشتہ ہی ہے جو ان سے ہمکلام ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۵۸' مطبوعہ ترجمان القرآن' لاہور ۱۹۸۳ء)

اس عبارت میں سید مودودی نے یہ تصریح کر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس میں ایک ایسی غیر معمولی قوت ہوتی ہے جس سے انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ فی الواقع یہ خداوند عالم یا اس کا فرشتہ ہی ہے جو ان سے ہم کلام ہے' اور اسی چیز کو علماء سلف اور ہم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور نطق کے علاوہ ایک اور قوت مدرکہ عطا فرماتا ہے جس سے وہ غیب کا ادراک کر لیتے ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

ووراء العقل طور اخر تنفتح فیه عین اخری یبصر بها الغیب وما سیکون فی الغیب واموراً اخر العقل معزول عنها کعزل قوة التمییز عن ادراک المعقولات وکعزل قوة الحس عن مدرکات التمییز وکما ان الممیز لو عرضت علیه مدرکات العقل لاباها واستبعدها فکذلک بعض العقلاء ابوا مدرکات النبوة واستبعدوها' وذلک عین الجهل۔

اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے' جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت تمیز' معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات نہیں پا سکتے۔ (اسی طرح عقل' قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور یہ خالص جہالت ہے۔

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمیز کا مرتبہ ہے اور تمیز کے بعد عقل کا مرتبہ ہے' اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے معقولات کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح نبوت کی قوت سے مغیبات کا ادراک ہوتا ہے اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمیز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے زائد ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے' حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام حیوانوں سے خاص ہے نبی عام انسانوں سے خاص ہوتا ہے۔

(المنقذ من الضلال ص ۵۴' مطبوعہ هیئة الاوقاف لاہور ۱۹۷۱ء)

نبی کو ابتداء نبوت میں اپنے نبی ہونے کا علم ہوتا ہے یا نہیں' اس باب میں سید مودودی کا نظریہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ

تفہیم القرآن میں سید مودودی نے یہ تصریح کی ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو اس کو اس کے فرشتہ ہونے اور وحی کے کلام الٰہی ہونے کا یقین ہوتا ہے اور اس پر شرح صدر ہوتا ہے لیکن ان کی آخری کتاب سیرت سرور عالم ہے اور اس میں انہوں نے اس کے خلاف لکھا ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب غار حرا کی تنہائی میں فرشتہ آیا اور آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اور نزول وحی کی اس روایت کا

تجزیہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

نزول وحی کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک اس صورت حال سے سابقہ پیش آیا تھا۔ آپ کو اس سے پہلے کبھی یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ نہ اس کی کوئی خواہش آپ کے دل کے کسی گوشے میں موجود تھی۔ نہ اس کے لیے کوئی تیاری آپ پہلے سے کر رہے تھے اور نہ اس کے متوقع تھے کہ ایک فرشتہ اوپر سے پیغام لے کر آئے گا۔ آپ خلوت میں بیٹھ بیٹھ کر مراقبہ اور عبادت ضرور فرماتے تھے لیکن نبی بنائے جانے کا کوئی تصور آپ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ اس حالت میں جب یکا یک غار حرا کی اس تنہائی میں فرشتہ آیا تو آپ کے اوپر اس پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربے سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی جو لامحالہ ایسے حالات میں ایک بشر پر طاری ہونی چاہیے، قطع نظر اس سے کہ وہ کیسا ہی عظیم الشان بشر ہو۔ یہ گھبراہٹ بسیط نہیں بلکہ مرکب نوعیت کی تھی۔ طرح طرح کے سوالات حضور کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے جنہوں نے طبع مبارک کو سخت خلجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیا واقعی میں نبی ہی بنایا گیا ہوں؟ کہیں مجھے کسی سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا۔ یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟

اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

بے نظیر شخصیت کے مالک ہونے پر بھی وہ ذات عجب وخود پسندی سے اس درجہ خالی تھی کہ جب آپ نبوت کے منصب عظیم پر یکا یک مامور کر دیئے گئے اس وقت بھی کافی دیر تک آپ کو یہ اطمینان نہ ہوتا تھا کہ دنیا کے کروڑوں انسانوں میں سے تنہا ایک میں ہی اس قابل ہوں کہ اس منصب کے لیے رب کائنات کی نگاہ انتخاب میرے اوپر پڑے۔

اور اپنی عبارت کا تسلسل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں کہ میں تمہاری طرف نبی مقرر ہوا ہوں؟ لوگ میری بات کیسے مان لیں گے؟ آج تک جس معاشرے میں عزت کے ساتھ رہا ہوں۔ اب اسی معاشرے کے لوگ میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھے دیوانہ کہیں گے اس جاہلیت کے ماحول سے آخر میں کیسے لڑ سکوں گا؟ غرض اس طرح کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے جو آپ کو پریشان کر رہے ہوں گے۔

اسی وجہ سے جب آپ گھر پہنچے تو کانپ رہے تھے۔ جاتے ہی فرمایا کہ ''مجھے اڑھا دو' مجھے اڑھا دو۔'' گھر والوں نے آپ کو اڑھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب ذرا دل ٹھہرا تو سیدہ خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا:

لقد خشیت علی نفسی ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔''

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۳۶' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۹ء)

اس عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے وحی لانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا معاملہ یا مبعوث ہونے کا علم تو الگ رہا' سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی حضور کو جبریل کا علم ہوا نہ وحی اور قرآن کا نہ اپنے نبی اور صاحب کتاب ہونے کا!

سوال یہ ہے کہ جب حضور کی نبوت کی پہلی بنیاد ہی شک پر رکھی گئی تو بعد میں جا کر کون سی ایسی نئی چیز سامنے آئی تھی جس کے سبب سے یہ شک یقین سے بدل گیا جو جبریل پہلی بار وحی لے کر آیا وہی جبریل اخیر وقت تک وحی لاتا رہا جس قسم کے کلام کو اس نے پہلی بار پیش کیا اسی قسم کا کلام اخیر وقت تک پیش کرتا رہا' کوئی نئی چیز اس دوران رونما نہیں ہوئی۔ وہی حضور تھے' وہی جبریل اور وہی قرآن! پھر کیا سبب ہے کہ پہلی پانچ آیتوں کا قرآن ہونا حضور کے نزدیک مشکوک ہو اور باقی آیتوں کا قرآن

روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰)

شیخ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کی ابتداء میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے وصف نبوت بلکہ ختم نبوت کا مرتبہ حاصل ہو چکا تھا' البتہ نبوت کا ظہور حضور کی جسمانی پیدائش کے چالیس سال بعد ہوا ہے۔

شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت (عالم ارواح میں۔ سعیدی غفرلہ) ختم نبوت کے ثبوت کے بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب انبیاء کے بعد میں مبعوث ہوئے' اس لیے ختم نبوت کا حکم کیا گیا' سو یہ وصف تو خود تاخر کو مقتضی ہے' جواب یہ ہے کہ یہ تاخر مرتبہ ظہور میں ہے' مرتبہ ثبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیل داری کا عہدہ آج مل جائے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہوگا کسی تحصیل میں بھیجے جانے کے بعد۔ ۱۲

(نشر الطیب ص ۷)

اس بحث کے اخیر میں ہم بڑے رنج اور کرب کے ساتھ ابتدائے وحی کی حدیث کی تشریح میں نبوت کے بارے سید مودودی کی یہ عبارت پیش کر رہے ہیں:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے' اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھ جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہیے' اور اس انتظار میں مراقبے کر کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے' تو غار حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعوے کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر سیدھے اپنی قوم کے سامنے پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا اس پر ششدر رہ جاتے ہیں' کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں' لحاف اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں' ذرا دل ٹھہرتا ہے تو بیوی کو چپکے سے بتاتے ہیں کہ آج غار حرا کی تنہائی میں مجھ پر یہ حادثہ گزرا ہے' معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے' مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت نبوت کے کسی امیدوار کی کیفیت سے کس قدر مختلف ہے؟

پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی' اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے؟ اگر ان کے تجربے میں پہلے سے یہ بات آتی ہوئی ہوتی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا جواب ہرگز وہ نہ ہوتا جو حضرت خدیجہ نے دیا۔ وہ کہتیں کہ میاں گھبراتے کیوں ہو' جس چیز کی مدتوں سے تمنا تھی وہ مل گئی' چلو اب پیری کی دکان چمکاؤ' میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔ (سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۳۷ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

نبی بنائے جانے کا پہلے علم ہو یا نہ ہو' اس عبارت کے مطابق سید ابو الاعلیٰ کے نزدیک نبوت تو بہر حال پیری کی دکان چمکانے اور نذرانے سنبھالنے سے عبارت ہے۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنا عصا ڈال دیجیے۔ پھر جب انہوں نے اس کو اس طرح لہراتا ہوا دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈریے مت' بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے ٥ (النمل: ۱۰)

حیۃ' جآن اور ثعبان کے معانی اور ان میں تطبیق

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور جس کا سہارا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیجیے! اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ندا سنتا ہے اور اس کے جمال کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے' اسے ہر اس چیز کو پھینک دینا چاہیے جس کا وہ اللہ کے سوا سہارا لیتا ہو اور اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم کے سوا اور کسی چیز کا سہارا نہ لے۔

اس آیت میں جآن کا لفظ فرمایا ہے جس کا معنی سانپ ہے' اور ایک اور سورۃ میں ثعبان فرمایا ہے جس کا معنی اژدھا ہے:

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الاعراف: ۱۰۷' الشعراء: ۳۲) سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس اچانک وہ صاف صاف اژدھا تھا۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ (طٰہٰ: ۲۰) سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکا یک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

حیۃ اور جآن کے معنی سانپ ہیں وہ چونکہ تیزی سے حرکت کرتا ہوا پھر رہا تھا اس لیے اس کو حیۃ اور جآن فرمایا اور الاعراف اور الشعراء میں اس کو ثعبان فرمایا کیونکہ جسامت میں وہ اژدھے کے برابر تھا' دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ عصا ظاہری طور پر اس وادی میں سانپ کی صورت بن گیا اور فرعون کے دربار میں اس کو خوف زدہ کرنے کے لیے اژدھے کی صورت بن گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے سوا کسی چیز پر تکیہ اور اعتماد کرتا ہے' وہ تکیہ اور سہارا درحقیقت اس کے حق میں سانپ اور اژدھا ہوتا ہے۔

رسولوں کے ڈرنے یا نہ ڈرنے کی تحقیق

پھر جب حضرت موسیٰ نے اس عصا کو اس طرح لہراتے ہوئے دیکھا گویا وہ سانپ ہے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے موسیٰ! ڈریے مت' بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ آپ میرے غیر سے مت ڈریے اور دوسرا یہ ہے کہ آپ مطلقاً مت ڈریے۔

پھر فرمایا: بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

بہ ظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ رسول مطلقاً نہیں ڈرتے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب ان پر وحی کی جائے اور اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہو اس وقت وہ نہیں ڈرتے' کیونکہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مطالعہ میں منہمک اور مستغرق ہوتے ہیں۔ اس لیے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے' اور باقی اوقات میں وہ اللہ سبحانہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آخرت میں انجام بہ خیر ہو گا اس لیے وہ سوء عاقبت (برے انجام) سے نہیں ڈرتے۔

انبیاء علیہم السلام کا اللہ سے ڈرنا

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی آخرت کے خوف سے دنیا میں ڈرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۹۹) کیا پس وہ اللہ کی گرفت اور عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ اللہ کی گرفت اور عذاب سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں

جو نقصان اٹھانے والے ہوں۔

اور ایک اور آیت میں ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر: ٢٨) اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی اللہ سے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور اللہ کی ذات اور صفات اور احکام شرعیہ کے سب سے زیادہ علم والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کی تعریف اور تحسین کرتے ہوئے ان کے اوصاف بیان فرمائے:

وَالَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ۞ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ۞ اِنَّ عَذَابَ رَبِّہِمۡ غَیۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ۞ (المعارج: ٢٦-٢٨) اور وہ حساب کے دن پر یقین رکھتے ہیں ۞ اور وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں ۞ بے شک ان کے رب کا عذاب، بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے ۞

اور ان اوصاف کے ساتھ کامل متصف انبیاء علیہم السلام ہیں لہٰذا وہ سب سے زیادہ اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ سے ڈرنا

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے ام المومنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اکثر اوقات میں کیا دعا فرماتے تھے، حضرت ام المومنین نے فرمایا، آپ اکثر اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے:

یا مقلب القلوب! ثبت قلبی علی دینک اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

پھر آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے، پس وہ جس کے دل کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور جس کے دل کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے پھر راوی نے اس آیت کی تلاوت کی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا. (آل عمران: ٨) اے ہمارے رب! تو ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٢٢، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ ص ٢٠٩، ج ١١ ص ٣٧، مسند احمد ج ٦ ص ٣١٥، ٣٠١، ٢٩٤، السنۃ لابن ابی العاصم رقم الحدیث: ٢٣٢، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٦٩١٩، ٦٩٨٦، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٧٤، ٧٧٥)

آپ کا دنیا میں کثرت سے یہ دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے خوف کی بنا پر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو کسی چیز کا حکم دیتے تو ایسی چیز کا حکم دیتے جس کو وہ (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک ہم آپ کی مثل نہیں ہیں! بے شک اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے غضب کے آثار معلوم ہوئے، پھر آپ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے

زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کوئی مسئلہ معلوم کر رہا تھا اور میں بھی دروازے کی جھری کے پاس کھڑی ہو کر سن رہی تھی اس نے کہا: یا رسول اللہ فجر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور میں جنبی ہوتا ہوں، کیا میں اس حالت میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر بھی نماز کا وقت آ پہنچتا ہے اور میں حالت جنابت میں ہوتا ہوں اور میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے کہا آپ ہماری مثل تو نہیں ہیں؟ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر سب خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں یہ امید رکھتا ہوں کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ ان کاموں کو جانتا ہوں جن سے بچنا چاہیے۔

(صحیح مسلم الصوم: ۷۹، رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۱۱۰، الرقم المسلسل: ۲۵۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۹)

ان احادیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے، اور آپ تمام نبیوں سے افضل اور مکرم ہیں اور جب آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے تو باقی انبیاء علیہم السلام تو بہ طریق اولیٰ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں۔

امام اشعری کے نزدیک انبیاء علیہم السلام آخرت کے برے انجام سے نہیں ڈرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت کے عذاب سے مامون ہونے کی خبر دے دی ہے اگر وہ پھر بھی آخرت کے برے انجام سے خائف ہوں تو لازم آئے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام اشعری کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہم احادیث صریحہ صحیحہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ڈرتے تھے، نیز خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے اور جنت کی بشارت اس کو مستلزم ہے کہ وہ آخرت کے برے انجام اور دوزخ کے عذاب سے مامون ہوں پھر بھی یہ صحابہ کرام اللہ سے ڈرتے رہتے تھے اور آخرت کے عذاب سے فکرمند رہتے تھے، اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کے لیے کما کر لاتا تھا۔ ایک رات وہ آپ کے لیے طعام لے کر آیا، آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ غلام نے کہا کیا وجہ ہے کہ آپ ہر رات مجھ سے سوال کرتے تھے کہ یہ کہاں سے لائے ہو، آج آپ نے سوال نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں بھوک کی شدت کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا تم یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور میں نے منتر پڑھ کر ان کا علاج کیا تھا، انہوں نے مجھ سے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا، آج جب میرا وہاں سے گزر ہوا تو وہاں شادی تھی تو انہوں نے اس میں سے مجھے یہ طعام دیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: افسوس! تم نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے لگے، اور چونکہ خالی پیٹ میں وہ لقمہ کھایا گیا تھا، وہ نکل نہیں رہا تھا، ان سے کہا گیا کہ بغیر پانی پیے یہ لقمہ نہیں نکلے گا، پھر پانی کا پیالہ منگایا گیا، حضرت ابوبکر پانی پیتے رہے اور اس لقمہ کو نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان سے کہا گیا کہ اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے اس ایک لقمہ کی وجہ سے اتنی مشقت اٹھائی۔ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسم کا جو حصہ مال حرام سے بنا ہے وہ دوزخ کا زیادہ مستحق ہے، پس مجھے یہ خوف

ہوا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس لقمہ سے بن جائے گا۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۱۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۵' بیروت' ۱۴۱۸ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۹۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۲۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اگر میں چاہوں تو سب سے زیادہ ملائم لباس پہنوں اور سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب سے اچھی زندگی گزاروں لیکن میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ان کے کاموں پر ملامت کی اور فرمایا:

اذھبتم طیبتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا — تم اپنی عمدہ لذیذ چیزیں اپنی دینوی زندگی میں لے چکے اور تم نے ان سے (خوب) فائدہ اٹھالیا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۷' طبع جدید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو تین صفوں تک ان کے رونے کی آواز پہنچتی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۳۴' طبع جدید)

داؤد بن علی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۱' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۸)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ' سوا ایک شخص کے' تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ سوا ایک شخص کے تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تاحیات لگاتار روزے رکھتے رہے۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر آدھی رات کے وقت نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۹)

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن عمر! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے' اور ان سے یہ سوال کرو کہ میں اپنے صاحبوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر) کے ساتھ دفن کر دیا جاؤں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اُپنے لیے اس جگہ دفن ہونے کا ارادہ رکھتی تھی' لیکن آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب حضرت ابن عمر واپس آئے تو حضرت عمر نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میرے نزدیک اس جگہ مدفون ہونے سے زیادہ اور کوئی اہم چیز نہیں تھی' جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازہ کو ام المومنین کے پاس لے جانا' ان کو سلام عرض کرنا پھر کہنا عمر بن الخطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے' اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ پھر فرمایا میرے نزدیک اس خلافت کا ان مسلمانوں سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے۔ پس میرے بعد جس کو بھی خلیفہ بنا دیا جائے تم سب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا' پھر حضرت عمر نے یہ نام لیے: حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت

عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اس وقت انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہا اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہو' آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسلام لانے میں مقدم ہیں' پھر آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے عدل کیا' پھر ان تمام (خوبیوں) کے بعد آپ کو شہادت ملی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کاش کہ یہ سب برابر سرابر ہو جائے' مجھے عذاب ہو نہ ثواب ہو' الحدیث۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو دیکھا' انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا' کاش میں پیدا نہ کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی' کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا'' کاش میں بھولا بسرا ہوتا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

شرحبیل بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیروں والا کھانا کھلاتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو سرکہ اور زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے۔ (کتاب الزہد لاحمد' ص ۱۶۰' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۷)

حضرت عثمان کے آزاد شدہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں' تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل سے نجات پا گیا' اس کے لیے اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہیں۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۰' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۸۶' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۳۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

مجمع بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کرنے کا حکم دیتے' پھر اس میں جھاڑو دے کر اس کو دھو ڈالتے پھر اس میں نماز پڑھتے اور یہ امید رکھتے کہ قیامت کے دن یہ بیت المال گواہی دے گا کہ انہوں نے بیت المال کے مال کو مسلمانوں سے روکا نہیں۔ (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۳' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۲)

حبہ بن جوین بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس فالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا: تیری بہت اچھی خوشبو ہے اور بہت اچھا رنگ ہے اور بہت اچھا ذائقہ ہے لیکن مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھے تجھے کھانے کی عادت پڑ جائے۔ (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۵)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کی شہادت کے بعد خطبہ دیا کہ تمہارے پاس سے ایک امین شخص چلا گیا' پہلوں میں اس جیسا کوئی امین تھا اور نہ بعد میں کوئی ان جیسا ہوگا' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد کے لیے بھیجتے تھے اور ان کو جھنڈا عطا فرماتے اور وہ ہمیشہ فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹتے تھے۔ انہوں نے اپنے ترکہ میں کوئی سونا' چاندی نہیں چھوڑا سوا سات سو درہم کے جو انہوں نے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے اور ان کے اہل کے لیے کوئی خادم نہیں تھا۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۶)

یزید بن مجحن بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' آپ نے اپنی تلوار منگا کر اس کو میان سے نکالا پھر فرمایا: اس تلوار کو کون خریدے گا' بخدا اگر میرے پاس لباس کو خریدنے کے لیے پیسے ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۴ حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲۵۸ الریاض النضرۃ ج ۳ ص ۲۳۰)

ہارون بن عنزہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ ایک چادر میں کپکپا رہے تھے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! اللہ نے آپ کے لیے اور آپ کے اہل کے لیے بھی اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے' اور آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے مال میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا' میرے پاس صرف میری یہ چادر ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۳)

عصمت کی تحقیق

بعض علماء نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام اس لیے نہیں ڈرتے کہ وہ معصوم ہیں کیونکہ جب ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ان کو گناہوں پر عذاب سے ڈر بھی نہیں ہوگا۔ یہ دلیل اولاً اس لیے صحیح نہیں کہ فرشتے بھی معصوم ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرشتوں کے متعلق ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ (الانبیاء: ۲۸)

اور فرشتے اس کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کے رعب اور جلال سے ڈرنے والے ہیں۔

ثانیاً یہ بات اس لیے بھی غلط ہے کہ کسی شخص کے معصوم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ عصمت کی تعریف یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے' اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ کو اختیار ہوتا ہے' تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے' اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔ ان تعریفوں سے ان لوگوں (شیعہ اور بعض معتزلہ) کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہوں کا صدور محال ہو جاتا ہے' کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلف کرنا صحیح ہوگا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہوگا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے بھی عصمت کی اس تعریف سے اتفاق کیا ہے۔ (نبراس ص ۵۴۴' مطبوعہ لاہور' ۱۳۹۷ ھ)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی ۸۷۰ ھ عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

ھی ملکۃ اجتناب المعاصی مع التمکن فیھا.

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶' مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنو)

علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ نے علامہ مناوی سے عصمت کی یہی تعریف نقل کی ہے اور علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ ھ نے بھی یہی تعریف لکھی ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۹۹' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ ھ' التعریفات ص ۶۵' مطبوعہ مصر' ۱۳۰۶ ھ)

شیعہ اور معتزلہ نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے' شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی برا کام کرنا ممکن نہیں ہے' نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد' صغیرہ نہ کبیرہ۔

(التبیان ج ۱ ص ۱۹' دار احیاء التراث العربی بیروت)

لیکن شیعہ کی یہ تعریف اس لیے غلط ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور نا ممکن اور محال ہو تو پھر ان کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلّف کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ مکلّف اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا کرنا یا نہ کرنا بندہ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہو'اس پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام صرف امر کے مکلّف ہوتے ہیں نہی کے مکلّف نہیں ہوتے' میں کہتا ہوں کہ جب آپ نے ان کو امر کا مکلّف مان لیا تو یہ مان لیا کہ امر پر عمل کرنا یا نہ کرنا ان کے اختیار میں ہے اور جب یہ مان لیا تو آپ نے ان کی گناہوں پر قدرت مان لی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم پر عمل نہ کرنا گناہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عقلاً ممتنع اور محال نہیں ہے ہاں شرعاً ممتنع ہے یعنی انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عادۃً محال ہے کیونکہ نصوص قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہیں کرتے' صغیرہ نہ کبیرہ' اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت اور ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے اگر وہ گناہ کرتے تو ان کی اطاعت اور اتباع واجب نہ ہوتی اس لیے شرعاً ان کا گناہ کرنا ممتنع ہے' اور عقلاً ان کا گناہ کرنا ممتنع نہیں ہے کیونکہ وہ مکلّف ہیں۔ ان کے نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اور تحسین فرمائی ہے اور ان سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے نیک کام کیسے ہوں اور اپنے اختیار سے برے کاموں کو ترک کیا ہو۔

رسولوں کے اللہ سے نہ ڈرنے کا محمل

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر کتاب و سنت سے اور عقل سلیم سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی گرفت اور پکڑ سے بے خوف نہیں ہیں اور ہر چند کہ ان سے گناہوں کا صدور شرعاً ممتنع ہے لیکن عقلاً ان سے گناہوں کا صدور محال نہیں ہے' بلکہ ان سے گناہوں کا صدور ان ممکنات میں سے ہے جن ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق صحیح ہے۔ سو انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ سب اللہ تعالیٰ سے خائف ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو فرمایا:

اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (النمل: ۱۰) بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے دلوں میں یہ علم پیدا کر دیا ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈرتے رہتے ہیں وہ عذاب ان کو کسی وقت بھی نہیں دیا جائے گا' ہر چند کہ وہ عذاب فی نفسہٖ ممکن بالذات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو عذاب نہیں دے گا اور اس نے اپنے رسولوں سے نجات کا وعدہ فرما لیا ہے' اللہ کے رسول' اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے وعدہ کی وجہ سے عذاب سے نہیں ڈرتے اور اس عذاب کے ممکن بالذات ہونے کی بنا پر اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۴۷' ۲۴۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جب رسولوں کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم دیا جائے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے' اور جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تعلق ہے تو وہ اللہ عزوجل سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماسوا سے مامون اور محفوظ رکھتا ہے اور اس سے فرماتا ہے تم میرے غیر سے مت ڈرو' تم میری پناہ میں ہو جو میری پناہ میں ہو وہ میرے غیر سے نہیں ڈرتا۔

علامہ ابو محمد روزبہان بن ابی نصر البقلی الشیرازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: آپ اژدھے سے نہ ڈریں کیونکہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ میری عظمت کی تجلی کا ظہور ہے اور مجھ سے خطاب کے وقت میری عظمت اور جلال کے مشاہدہ سے رسول نہیں ڈرتے' کیونکہ وہ میری ربوبیت کے اسرار کو جانتے ہیں۔ (عرائس البیان ج ۲ ص ۱۱۰' مطبوعہ مطبع منشی نو الکشور لکھنؤ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دینا آیا گناہ تھا یا نہیں!

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الٰہی سے مر گیا تھا' اور فرعونیوں نے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ نے ظلماً ایک شخص کو ہلاک کر دیا ہے اس لیے وہ انتقاماً آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے' اس وجہ سے آپ مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے تھے اور دس سال سے زیادہ عرصہ گزار کر پھر مصر لوٹ رہے تھے' اس لیے اس موقع پر آپ کو اس قبطی کے ہلاک ہونے کا واقعہ یاد آیا تو اللہ تعالیٰ نے تعریضاً فرمایا:
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوا اس کے جس نے ظلم کیا' پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کی تو بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہوں○ (النمل: ۱۱)

قبطی کے قتل کو ظلم فرمانے کی تحقیق

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:
انبیاء علیہم السلام کے جن افعال کو قرآن مجید میں ظلم فرمایا ہے اس سے مراد ترک افضل ہے یا گناہ صغیرہ۔ (صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ صغیرہ نہ کبیرہ' نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد' سہواً نہ عمداً) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لطیف پیرایہ میں تعریض کرنا مقصود ہو' حسن بصری نے کہا خدا کی قسم! حضرت موسیٰ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قبطی کو قتل کر کے ظلم کیا تھا' پھر انہوں۔ نے اس ظلم کو نیکی سے تبدیل کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَہٗ ؕ — اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھ کو معاف فرما پس اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔ (القصص: ۱۶)

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے' وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو ارادۃً قتل نہیں کیا تھا اور نہ عادۃً کوئی شخص ایک گھونسے سے ہلاک ہو جاتا ہے' حضرت موسیٰ نے اس قبطی کو تادیباً گھونسا مارا تھا وہ شخص قضاء الٰہی سے مر گیا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل قتل عمد تھا' نہ ظلم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو ظلم کہنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں غایت تواضع اور انتہائی عجز و انکسار کا اظہار ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا ربنا ظلمنا فرمانا بھی ادب اور تواضع کے لیے تھا اور اس تعلیم کے لیے تھا کہ ان سے اگر کوئی فعل اجتہادی خطا کی بنا پر بھی صادر ہو جائے تو وہ اس کو بھی ظلم اور ذنب قرار دیتے ہیں' حالانکہ عام مسلمانوں کو بھی اجتہادی خطا پر اجر ملتا ہے اور اس کو ظلم اور گناہ نہیں کہا جاتا تو ان کی اجتہادی خطاء کو ظلم کہنا کس طرح جائز ہو گا! اور اس میں ہمارے لیے یہ تعلیم ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہادی خطا پر اس قدر اظہار ندامت اور توبہ اور استغفار کرتے ہیں تو ہمیں اپنی عمداً خطاؤں پر کس قدر زیادہ توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔

عوام اور خواص کے معاصی کا فرق

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس مقام پر لکھتے ہیں:

الفتوحات المکیہ میں مذکور ہے کہ خواص کے معاصی عوام کے معاصی کی طرح نہیں ہیں' کیونکہ عوام کے معاصی ان کی شہوت طبعیہ کی وجہ سے ہوتے ہیں اور خواص کے معاصی تاویل میں خطا کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عارف باللہ میں گناہ پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نزدیک کسی تاویل سے اس فعل کو مزین کر دیتا ہے۔ کیونکہ عارف کی معرفت اس کو بغیر تاویل کے گناہ کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے' کیونکہ عارف باللہ کبھی کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا' پھر جب وہ کسی تاویل سے اس فعل کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس پر منکشف ہوتا ہے کہ اس کی وہ تاویل صحیح نہیں تھی' اور درحقیقت اس فعل کا ارتکاب جائز نہیں تھا' جیسا کہ شجر ممنوع سے کھانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ تاویل کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خاص درخت سے کھانے سے منع فرمایا تھا اگر میں اس نوع کے کسی اور درخت سے اس کا پھل کھا لوں تو یہ جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے' اور بعد میں ان پر یہ منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے تمام درختوں سے کھانے سے منع فرمایا تھا' یا انہوں نے یہ تاویل کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا تنزیہاً تھا اور بعد میں ان پر منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا تحریماً تھا اس لیے انہوں نے بعد میں اس پر توبہ کی اور استغفار کیا اور تاویل میں شبہ کی وجہ سے ان کا یہ فعل گناہ نہیں تھا' جیسے ایک وقت میں کوئی مفتی یا مجتہد یہ سمجھے کہ غیر مسلم بینک سے سود کھانا جائز ہے یا قوالی سننا جائز ہے یا وڈیو بنوانا اور تصویر کھنچوانا جائز ہے اور بعد میں اس پر یہ منکشف ہو کہ یہ تمام امور ناجائز اور گناہ ہیں تو جب اس نے اپنے دلائل کی بنا پر یہ کام کیے تھے تو ان پر مواخذہ نہیں ہوگا خواہ اس کے دلائل غلط ہوں اور خطا پر مبنی ہوں' ہاں اپنے فکر کی غلطی پر مطلع ہونے کے بعد اگر ان کاموں کو کرے گا تو پھر گناہ ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ کسی بندہ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی تاویل کے یا بغیر کسی فعل کی خوشنمائی کے یا بغیر غفلت یا نسیان کے عمداً کوئی گناہ کرے' حضرت بایزید بسطامی سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص جو عارف باللہ ہو اور اہل کشف میں سے ہو آیا وہ اللہ تعالیٰ کی کوئی معصیت کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! یہ اللہ کی تقدیر سے ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہتی ہے' اور جب کسی عارف باللہ سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ قصور کسی تاویل کی بنا پر ہوگا یا تزیین کی بنا پر' اور تزیین کا معنی یہ ہے کہ اس کے نفس نے اس کے لیے اس فعل کو خوشنما بنا دیا اور اس فعل کے ارتکاب کے وقت وہ اس بات سے غافل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل سے منع کیا ہے' یا اس کی نگاہوں سے اس وقت وہ عذاب اوجھل ہو گیا جو عذاب اس فعل پر مرتب ہونا تھا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۱۶' ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ آپ نو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جایئے بے شک وہ نافرمانوں کا گروہ ہے ○ سو جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آ گئیں تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ○ انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان نشانیوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں کی صداقت) کا اعتراف کر چکے تھے۔ پس دیکھیے ان فتنہ پرور لوگوں کا کیسا انجام ہوا ○ (النمل: ۱۴-۱۲)

عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیگر معجزات

برص کے داغ بھی بہت زیادہ سفید ہوتے ہیں مگر ان کو عیب شمار کیا جاتا ہے' اس لیے واضح فرمایا کہ آپ کا ہاتھ بغل میں ڈالنے کے بعد ہر چند کہ بہت سفید ہو کر نکلے گا' مگر وہ برص کی طرح عیب دار نہیں ہوگا۔

اس کے بعد بتایا کہ آپ کی لاٹھی کا ڈالنے کے بعد اژدھا بن جانا اور بغل میں ڈالنے کے بعد آپ کے ہاتھ کا روشن اور سفید ہو جانا' آپ کو دی جانے والی نو نشانیوں اور آپ کے نو معجزات میں سے ہے' باقی سات نشانیاں یہ ہیں' فرعونیوں پر قحط کے سالوں کا مسلط کیا جانا' پھلوں کا کم ہونا' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون اور طوفان۔

پھر بتایا کہ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ فاسق تھے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی حدود سے نکل کر کفر اور بدکاریوں میں داخل ہو چکے تھے' فسق کا معنی ہے خروج۔

پھر بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھلی کھلی نشانیاں دکھائیں تو انہوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا اور کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

پھر بتایا کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی نشانی قرار دینے سے انکار کیا۔

جحود کا معنی ہے کسی چیز کو پہچاننے کے باوجود ہٹ دھرمی سے اس کا انکار کرنا' حالانکہ ان کے دل یہ مانتے تھے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی پکی نشانی ہیں۔

ابواللیث نے کہا ان کے دلوں میں ان نشانیوں کے سچی ہونے کا اس لیے یقین تھا کہ جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا مثلاً ان کا گھر خون سے بھر جاتا ان کے پانی کے برتنوں میں پانی کی جگہ خون ہوتا تو پھر وہ حضرت موسیٰ سے فریاد کرتے کہ اس عذاب کو ان سے دور کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے تو وہ عذاب ان سے دور ہو جاتا۔ اس سے ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا یقین ہو جاتا' اس طرح جب ان پر قحط سالی آتی یا ان کے گھر مینڈکوں اور ٹڈیوں سے بھر جاتے تو اس عذاب سے نجات کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی دعا سے ہی ان سے یہ مصیبت ٹلے گی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو اس عذاب سے نجات مل جاتی لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے پیغام کا مسلسل انکار کیے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور قمیص میں بٹن لگانے کی تحقیق

النمل: ۱۲ میں فرمایا' اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

جیب کے معنی ہیں گریبان' اہل تفسیر نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھلے ہوئے گریبان کی قمیص پہنے ہوئے تھے اس میں نہ آستین تھی نہ گھنڈیاں (بٹن) تھیں' سو انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان کے بٹن کھلے ہوئے ہوتے تھے:

معاویہ بن قرۃ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ میں مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' پس ہم نے آپ سے بیعت کی اس وقت آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے' پھر میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں ڈالا اور میں نے مہر نبوت کو چھوا' عروہ کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی معاویہ اور ان کے بیٹے کو دیکھا تو ان کی قمیصوں کے بٹن کھلے ہوئے ہوتے تھے' خواہ سردی ہو یا گرمی اور وہ کبھی بھی اپنی قمیصوں کے بٹن نہیں لگاتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۵۷۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۳)

قمیص کے بٹن لگانے کے متعلق بھی احادیث ہیں:

حضرت زید بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا اور فرمایا:

اے عثمان قریب ہو! اے عثمان قریب ہو! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل قریب ہونے کے لیے فرماتے رہے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے زانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو کے ساتھ ملا لیے' پھر آپ نے ان کی طرف دیکھا' پھر آسمان کی طرف دیکھا پھر تین بار فرمایا: **سبحان اللہ العظیم** پھر حضرت عثمان کی طرف دیکھا تو ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کے بٹن بند کر دیئے' پھر فرمایا اپنی چادر کو دہرا کر کے اپنے سینہ پر باندھ لو۔ الحدیث (المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۲۱-۲۲۰' رقم الحدیث:۵۱۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے' ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۶۴۱' مطبوعہ دار المامون للتراث' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

امام ابوالشیخ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قمیص نہیں بنائی جس میں گھنڈی (بٹن) ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۲۹۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۷۶۵' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۵۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۱۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سوتی تھی۔ اس کی لمبائی کم تھی اور اس کی آستین چھوٹی تھی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۵۷۷' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۵۵' بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قمیص پہنتے تھے جو ٹخنوں سے اوپر ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۲۹۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

اور حضور کے کرتہ شریف میں گھنڈی لگی تھی یا بٹن اور کرتہ شریف میں چاک کھلے تھے یا نہیں؟ گھنڈی آپ کے کرتہ مبارک میں سامنے تھی یا ادھر ادھر تھی؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

کرتے مبارک میں بٹن ثابت ہیں' چاک دونوں طرف تھے' صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: **وفرجیھا مکفوفین بالدیباج** گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۹۳-۹۲' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے سوال کیا گیا:

حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ شریف کتنا نیچا تھا اور گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا یا دائیں بائیں اور چاک مبارک کھلی تھی یا دوختہ اور بٹن لگے تھے' یا گھنڈی۔ الخ

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قمیص مبارک نیم ساق تک تھا۔ مواہب شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور چادر کی لمبائی پنڈلیوں کے نصف تک تھی' اور کم طول بھی وارد ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سوتی تھی اس کی لمبائی کم اور آستینیں چھوٹی تھیں' گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا' دامن کے چاک کھلے ہونا ثابت ہے کہ اون پر ریشمی کپڑے کی گوٹ تھی اور گوٹ کھلے ہوئے چاکوں پر لگاتے ہیں' اس زمانے میں گھنڈی' تکمے ہوتے تھے جن کو زر وعروہ کہتے ہیں' بٹن ثابت نہیں نہ اون میں کوئی حرج۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۷/۱۰ ص ۱۰۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی ۱۴۱۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان کھلا ہوا ہوتا تھا اور اس میں گھنڈی یا بٹن لگے ہوئے نہیں ہوتے تھے اور آپ نے اسی طرح نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معمول تھا' سنن ابوداؤد' سنن ترمذی اور طبقات ابن سعد میں اسی طرح ہے' البتہ امام طبرانی نے حضرت زید بن ابی اوفی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان کے کسی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے تو آپ نے ان کو بند کر دیا' اس زمانہ میں سیپ' پلاسٹک یا اسٹیل کے بٹن نہیں ہوتے تھے۔ کپڑے کی بٹن نما ابھری ہوئی گول سی چیز ہوتی تھی جس کو کاج کے سوراخ میں ڈال دیتے تھے' اس کو عربی میں زر اور اردو میں گھنڈی کہتے ہیں' ہم نے اس کا ترجمہ بٹن کیا ہے۔

ہر چند کہ نماز اور غیر نماز میں گریبان کا کھلا رکھنا سنت ہے' لیکن چونکہ آپ نے حضرت عثمان کے گریبان کے بٹن بند کر دیئے تھے اس لیے نماز میں قمیص کے بٹن بند کر لینے چاہئیں اور یہ بھی آپ کی سنت ہے۔

دو آیتوں میں تعارض کا جواب

اس سورۃ میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا. (النمل: ۱۳) پس جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آگئیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا. (القصص: ۳۶) پس جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے آئے۔

سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ کی طرف نشانیاں لانے کا اسناد کیا ہے اور سورۃ النمل میں نشانیوں کی طرف آنے کا اسناد کیا ہے۔ النمل میں نشانیوں کی طرف آنے کا اسناد حقیقت ہے اور القصص میں مجاز ہے' اور بعض مفسرین نے اس کے برعکس کہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ القصص میں فرعون کے دربار میں معجزات پیش کرنے کا سیاق ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ان معجزات کے لانے کی نسبت کی ہے اور سورۃ النمل میں اس طرح نہیں ہے' اس لیے اصل کے اعتبار سے فرمایا جب ان کے پاس نشانیاں آگئیں۔

کفار اور مشرکین کو تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے متعلق بتایا کہ انہوں نے کھلے کھلے اور روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ظلم اور تکبر کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا' اس میں کفار مکہ کو تنبیہ کرنا ہے کیونکہ وہ بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ظلم اور تکبر کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا سو جو فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر چکا ہے اس کے لیے کفار مکہ کو ہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔ اس لیے عقل والوں کو چاہیے کہ قوم فرعون کے حال سے نصیحت حاصل کریں اور ان کاموں کو ترک کر دیں جن کاموں کی وجہ سے قوم فرعون کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر

دیا گیا تھا' اور ظلم اور تکبر کو چھوڑ کر عدل اور تواضع کو اختیار کریں اور نفس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے بجائے ضمیر کی پکار پر لبیک کہیں۔

اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فیض کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت اور استعداد کو ضائع کر دیا اور وہ چوپایوں اور درندوں کے پست گڑھے میں گر گئے ان کا انجام یہ ہے کہ وہ آخرت میں شیاطین کے ساتھ دوزخ کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے۔ اللہ کے قرب اور اس کی معرفت کی بلندی میں چڑھنا مشکل ہوتا ہے اور نفس کی پستی میں اترنا آسان ہوتا ہے جیسے کسی پتھر کو آپ اوپر اچھالیں تو اپنی طبیعت کے تقاضے کے خلاف اس کے لیے اوپر جانا مشکل ہوتا ہے اور اپنے طبعی تقاضے کے موافق نیچے آنا اس کے لیے آسان ہوگا' سو یہی حال کافروں کا ہے وہ شرک اور کفر کے خوگر اور عادی ہو چکے ہیں اور کفر ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکا ہے لہٰذا ان کے لیے کفر اور شرک کو چھوڑ کر اسلام اور توحید کی طرف آنا مشکل ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا' اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو

فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ

اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○ اور سلیمان داؤد کے

دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا

وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ

سے عطا کیا گیا ہے' اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے ○ اور سلیمان کے لیے

لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

جنات اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ہر ایک کو الگ الگ منقسم کیا گیا ○

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ

حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا

بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ

ڈالے ○ اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیے اور دعا کی اے میرے رب!

اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ

تو نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ

اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ

کر لے ○ اور انہوں نے پرندوں کی تفتیش کی تو کہا کیا وجہ ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا!

اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ

یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے ○ میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا'

لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ

یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے ○ وہ (ہد ہد) کچھ دیر بعد آ کر بولا

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾

میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں ○

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا

میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا

عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ

بہت بڑا تخت ہے ○ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں

دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

اور شیطان نے ان کے لیے ان کے (ان) کاموں کو خوش نما بنا دیا ہے' سو ان کو

السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ

اللہ کے راستے سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت نہیں پا رہے O یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے، جو آسمانوں

الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے، اور وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو O

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة قَالَ سَنَنْظُرُ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی عرش عظیم کا مالک ہے O سلیمان نے کہا ہم دیکھتے ہیں

اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا

کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو O میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے

فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ

ان کے پاس ڈال دو پھر ان سے پشت پھیر لو اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں O (ملکہ سبا نے) کہا

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ

اے میرے سردارو! بے شک میرے پاس ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے O بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ

اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O یہ کہ تم میرے مقابلہ

مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع

میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ O

السجدة ۷ — ع ۱۷/۲ — ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا' اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے O (النمل: ۱۵)

اس سورۃ میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا دوسرا قصہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا' اور اس آیت سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے قصص تورات میں مذکور ہیں اور قریش مکہ کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات اور انجیل نہیں پڑھیں اور نہ آپ علماء اہل کتاب

کی مجلس یا ان کے مدرسہ میں رہے ہیں۔ اس کے باوجود آپ انبیاء سابقین کے متعلق وہ چیزیں بیان فرماتے ہیں جس کی تصدیق ان کی کتابوں میں تھی اور اس سے یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ کو ان انبیاء سابقین کے متعلق ان باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے حاصل ہوا ہے' اور یہ آیتیں آپ کی بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی آیتیں ہیں' اور مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ بار بار ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتا ہے تاکہ اس کلام کے وحی الٰہی ہونے پر بار بار تنبیہ ہوتی رہے اور قریش کو بار بار یاد دہانی ہوتی رہے اور سننے والوں کے دلوں میں اور ان کے دماغوں میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل تازہ ہوتے رہیں۔ ہم اس آیت کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سوانح بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق.

حضرت داؤد علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کا جالوت کو قتل کرنا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

آپ کا نام: داؤد بن ایشا بن عربد بن ناعر بن سلمون بن بخشون بن غوینا دب بن ارم بن حصرون بن کارص بن یھوذا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام داؤد بن زکریا بن بشوی ہے۔ علیہ السلام

آپ اللہ کے نبی اور اس کی زمین میں اس کے خلیفہ ہیں اور اہل بیت المقدس سے ہیں۔ روایت ہے کہ آپ دمشق کی جانب سے آئے تھے اور آپ نے مرج الصفر میں قصر ام حکیم کے پاس جالوت کو قتل کیا تھا۔

سعید بن عبد العزیز نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي ۔(البقرہ: ۲۴۹)

جب طالوت لشکر لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا بے شک اللہ تم کو ایک دریا کے سبب سے آزمائش میں مبتلا کرنے والا ہے۔ سو جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرے طریقہ صحیحہ پر نہیں ہے' اور جس نے اس میں سے پانی نہیں پیا وہ میرے طریقہ صحیحہ پر ہے۔

یہ وہ دریا ہے جو ام حکیم بنت الحارث بن ہشام کے پل کے پاس ہے اور سعید بن عبد العزیز نے کہا میں نے سنا ہے یہ وہ دریا ہے جس میں حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے غسل کیا تھا۔

متعدد اسانید کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کیا کہ حضرت داؤد کے چار بھائی تھے' اور ان کے والد بہت بوڑھے تھے۔ حضرت داؤد کے بھائی جالوت سے لڑنے کے لیے طالوت کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کے والد گھر میں رہ گئے' اور انہوں نے حضرت داؤد کو بکریاں چرانے کے لیے روک لیا' اس وقت لوگ جالوت سے لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔

حسن نے بیان کیا کہ حضرت داؤد کا قد چھوٹا تھا' نیلی آنکھیں تھیں اور سر کے بال کم تھے' اور ان کا دل پاک اور صاف تھا' جس وقت وہ بکریاں چرا رہے تھے انہوں نے ایک ندا سنی: اے داؤد! تم تو جالوت کو قتل کرنے والے ہو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اپنی بکریاں اپنے رب عزوجل کی امان میں چھوڑ دو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ جا ملو' کیونکہ طالوت نے کہا ہے کہ جو جالوت کو قتل کرے گا وہ اس کو اپنا نصف مال دے دے گا' اور اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دے گا۔ پھر حضرت داؤد نے اپنی بکریاں اپنے رب کی امان میں چھوڑیں اور روانہ ہو گئے اور اپنے والد سے یہ کہا میں اپنے بھائیوں کو دیکھنے جا رہا ہوں کہ ان کا کیا حال ہے اور ان کو اصل واقعہ بتانا پسند نہیں کیا۔

حضرت داؤد اپنے بھائیوں کے لیے زادراہ لے کر روانہ ہوئے' ان کے ساتھ ان کا عصا تھا' اور ان کا توبرا تھا اور پتھر مارنے کا آلہ تھا' جس سے وہ درندوں کو اپنی بکریوں سے دور رکھنے کے لیے پتھر مارتے تھے۔ سفر کے دوران ایک پتھر نے ان کو آواز دی: اے داؤد! مجھے اٹھا کر رکھ لو میں تمہارے لیے جالوت کو قتل کر دوں گا۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو تو اس نے کہا میں وہ پتھر ہوں جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلاں فلاں کو ہلاک کر دیا تھا' اور میں اللہ کے اذن سے جالوت کو قتل کر دوں گا' حضرت داؤد نے اس پتھر کو اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔ حضرت داؤد پھر چل پڑے پھر وہ ایک اور پتھر کے پاس سے گزرے اس نے بھی کہا اے داؤد! مجھے بھی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے' حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت اسحاق کا وہ پتھر ہوں جس سے انہوں نے فلاں فلاں کو قتل کر دیا تھا اور میں اسی طرح اللہ کے اذن سے جالوت کو بھی قتل کر دوں گا' حضرت جالوت نے اس پتھر کو بھی اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا' حضرت داؤد پھر چل پڑے پھر وہ ایک اور پتھر کے پاس سے گزرے اس نے بھی کہا اے داؤد! مجھے بھی اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے' حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت یعقوب کا پتھر ہوں' میں اللہ عزوجل کے اذن سے جالوت کو قتل کر دوں گا۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم اس کو کس طرح قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں آندھی سے مدد لوں گا وہ مجھے اس کے خود پر ماردے گی میں اس کی پیشانی کے اندر گھس کر اس کو قتل کر دوں گا۔ حضرت داؤد نے اس کو بھی اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔

وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت داؤد آگے بڑھے تو انہوں نے تینوں پتھروں کو جوڑ کر ایک پتھر بنا لیا پھر اس کو اپنے گوپھیا (پتھر مارنے کا آلہ اس کو فلاخن بھی کہتے ہیں) میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے فرمایا میرے بندے داؤد کی نصرت اور مدد کرو' پھر حضرت داؤد نے آگے بڑھ کر نعرہ تکبیر لگایا۔ فرشتوں' حاملین عرش اور جنات اور انسانوں کے سوا سب مخلوق نے اس نعرہ کا جواب دیا۔ جالوت اور اس کے لشکر نے جب اس نعرہ کا جواب سنا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ان کے مقابلہ پر جمع کر دیا ہے۔ پھر زبردست آندھی آئی جس سے اندھیرا چھا گیا اور جالوت کا خود گر گیا اور حضرت داؤد نے اس پتھر کو گوپھیے میں ڈال کر تاک کے اس کی پیشانی پر مارا تو وہ تینوں پتھر الگ الگ جا کر لگے ایک پتھر اس کی پیشانی میں گھس گیا اور اس کو ہلاک کر کے زمین پر گرا دیا۔ دوسرا پتھر جالوت کے دائیں جانب کے لشکریوں میں گھس گیا اور ان کو شکست دے دی' اور تیسرا پتھر بائیں جانب کے لشکریوں میں گھس گیا اور ان کو شکست دے دی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے اوپر پہاڑ آ گرے ہیں ان میں افراتفری مچ گئی اور بھگدڑ میں انہوں نے ایک دوسرے کو کچل ڈالا۔ وہ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بری طرح بھاگے اور بہت سارے لشکری ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فتح عطا فرمائی اور طالوت فتح اور کامرانی کے ساتھ بنی اسرائیل کے ساتھ واپس ہوا۔ طالوت نے حسب وعدہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد کر دیا اور ان کو اپنا نصف مال دے دیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۰-۵۸ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۵۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت اور ان کی سیرت کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

بشر بن حزن النصری بیان کرتے ہیں کہ اونٹوں والوں اور بکریوں والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے پر فخر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد کو مبعوث کیا گیا (نبوت دے کر بھیجا گیا) حالانکہ وہ بکریاں چراتے تھے اور حضرت موسیٰ کو بھیجا گیا اور وہ بکریاں چراتے تھے' اور مجھے مبعوث کیا گیا اور میں اس وقت محلہ اجیاد والوں کی

بکریاں چراتا تھا۔(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۱۳۴' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۳۳' ج ۱۹ص ۶۰'مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رمضان کی دوسری تاریخ کو صحیفے نازل کیے گئے' حضرت داؤد علیہ السلام پر چھ رمضان کو زبور نازل کی گئی اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس رمضان کو فرقان نازل کیا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۳۸' ج ۱۹ص ۶۱'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حق یہ ہے کہ لقمان نبی نہ تھے لیکن وہ ثابت قدم بندے تھے' بہت زیادہ غور وفکر کرتے تھے' لوگوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے تھے' وہ اللہ سے محبت کرتے تھے' اللہ ان سے محبت کرتا تھا اور اللہ ان کے لیے حکمت کا ضامن ہو گیا تھا' ایک دن وہ دوپہر کو سوئے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ندا آئی۔ اے لقمان! تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے' تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو گے' لقمان نے بیدار ہو کر اس ندا کے جواب میں کہا اگر میرا رب مجھے اختیار دے گا تو میں قبول کرلوں گا' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ نے ایسا کر دیا تو وہ میری مدد کرے گا اور مجھے تعلیم دے گا اور میری حفاظت کرے گا اور اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا تو میں عافیت کو قبول کروں گا اور امتحان کو قبول نہیں کروں گا' فرشتوں نے آواز سے کہا اور وہ ان کو نہیں دیکھ رہے تھے اے لقمان! کس وجہ سے؟ لقمان نے کہا کیونکہ حاکم سب سے زیادہ سختی اور مشکل میں ہوتا ہے اس کو ہر طرف سے ظلم گھیر لیتا ہے۔ اس کی مدد کی جائے تو وہ نجات پالیتا ہے' اگر وہ خطا کرے تو جنت کے راستہ سے خطا کرتا ہے' اور دنیا کی سرداری سے بہتر ہے کہ وہ دنیا میں ذلت سے ہو' اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو دنیا اس کو فتنہ میں ڈال دیتی ہے اور وہ آخرت میں اجر نہیں پاسکتا۔ فرشتوں کو ان کے حسن کلام سے تعجب ہوا وہ سو گئے پھر ان کو حکمت سے بھر دیا گیا' اور انہوں نے بیدار ہو کر حکمت سے کلام کیا۔ پھر حضرت داؤد کو ندا کی گئی تو انہوں نے خلافت اور حکومت کو قبول کرلیا اور انہوں نے لقمان کی طرح کوئی شرط نہیں عائد کی' اور انہوں نے کئی بار فیصلہ کرنے میں خطا کی' اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا سے درگزر کیا اور ان کو معاف کر دیا اور لقمان ان کو اپنی حکمت اور اپنے علم سے مشورے دیتے تھے۔ حضرت داؤد نے ان سے کہا اے لقمان! تمہارے لیے خوشی ہو کیونکہ تم کو حکمت دی گئی اور تم کو امتحان سے بچا لیا گیا' اور حضرت داؤد کو خلافت دی گئی اور ان کو امتحان اور آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ (لقمان نے حکمت کو طلب کیا' اور حضرت داؤد علیہ السلام نے خلافت اور حکومت کو طلب کیا' اس سے لقمان کی حضرت داؤد پر فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لقمان نے آسان اور بغیر خطرہ اور آزمائش کی راہ پر چلنے کی راہ کو اختیار کیا اور حضرت داؤد نے پرخطر اور آزمائش والی راہ پر سفر کرنے کو اختیار کیا اور کمال اس کا ہے جو پرخطر راہ سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے نہ اس کا جو پرامن راستے سے گزرے' گویا حضرت داؤد نے عزیمت کو اختیار کیا اور لقمان نے رخصت کو اور فضیلت عزیمت پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ رخصت پر عمل کرنے میں)

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۶۲' رقم الحدیث: ۴۱۳۹' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ص ۲۴۴)

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھ تک تیری محبت کو پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے نزدیک میرے نفس اور میرے اہل اور ٹھنڈے پانی

سے زیادہ محبوب بنا دے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۶۲ 'مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں وہ نصف دہر کے روزے رکھتے تھے (وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے) اور بہترین نماز حضرت داؤد کی نماز ہے۔ وہ رات کے نصف اول میں سوتے تھے اور رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ جب رات کا چھٹا حصہ رہ جاتا تو پھر سو جاتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۶۳ البدایہ والنہایہ ج اص ۴۵۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد کے اوپر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا' وہ سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور سواری کے روانہ ہونے سے پہلے پڑھنا ختم کر لیتے تھے اور وہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

دوسری روایت میں سواری پر زین ڈالنے کے حکم کا ذکر ہے اور سواری پر زین ڈالے جانے سے پہلے پڑھنا ختم کر لیتے تھے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۶۵-۶۴' رقم الحدیث: ۴۱۴۱-۴۱۴۰' مصابیح البغوی ج اص ۲۸۸' البدایہ والنہایہ ج اص ۴۵۷)

ثابت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد نے رات اور دن کے اوقات کو اپنے اہل پر تقسیم کر رکھا تھا اور رات اور دن کے اوقات میں سے جب بھی کوئی وقت ہوتو حضرت داؤد کی آل میں سے کوئی نہ کوئی شخص اس وقت نماز پڑھ رہا ہوتا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ○ اے آل داؤد! شکر ادا کرو' میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے کم ہیں۔ (سبا: ۱۳)

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کے شکر کی ادائیگی کا طریقہ

المغیرۃ بن عتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا آج رات تیری مخلوق میں سے کسی نے بھی مجھ سے زیادہ تیرا ذکر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: ہاں! مینڈک نے' اور پھر ان پر یہ آیت نازل فرمائی: اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ (سبا: ۱۳) حضرت داؤد نے عرض کیا: اے میرے رب! میں کیوں کر تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں؟ حالانکہ تو مجھ پر مسلسل انعام فرماتا ہے پھر کہا: اے میرے رب! میں کس طرح تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں؟ حالانکہ تو مجھ کو نعمت عطا فرماتا' پھر اس نعمت پر شکر کی ادائیگی کو بھی تو عطا فرماتا ہے' پھر ایک نعمت کے اوپر اور نعمت کو زیادہ فرماتا ہے' پس اے میرے رب! نعمت بھی تیری طرف سے ہے اور شکر بھی تیری طرف سے ہے' تو پھر میں کیوں کر تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! اب تم نے مجھے اس طرح پہچان لیا جس طرح مجھے پہچاننے کا حق ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سعید مقبری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے مجھے بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں سو تو مجھے اس پر رہ نمائی کر' کہ میں تیرا بہت زیادہ شکر ادا کروں۔ فرمایا تم مجھے بہت زیادہ یاد کرو' جب تم نے مجھے یاد کر لیا تو تم نے میرا شکر ادا کر لیا' اور جب تم نے مجھے بھلا دیا تو تم نے میری ناشکری کی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابوالجلد بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیرا شکر کیوں کر ادا کر سکتا ہوں کیونکہ تیرے شکر کی ادائیگی بھی تو تیری ہی دی ہوئی نعمت ہے' تب ان کے پاس وحی آئی کہ اے داؤد! کیا تم کو یہ علم نہیں کہ تم تک جو بھی نعمت پہنچتی ہے وہ مجھ سے پہنچتی ہے' حضرت داؤد نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! فرمایا پس میں تیری طرف سے اس شکر پر راضی ہوں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۱ البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۶۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کو اس قدر حسین آواز دی گئی تھی کہ اس قدر حسین آواز اور کسی کو نہیں دی گئی تھی' حتیٰ کہ پرندے اور وحشی جانور آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے اور یونہی بھوکے پیاسے مر جاتے تھے اور دریاؤں کی روانی رک جاتی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۲' البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۵۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ مزامیر' برابط اور صنوج (بانسریاں' سارنگیاں اور جھانجھنیں) کی ابتداء حضرت داؤد کی آواز سے ہوئی ہے' وہ اس قدر حسین آواز کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ اس سے پہلے کانوں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی' جن' انسان' پرندے اور چرندے ان کی آواز سننے کے لیے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ بعض بھوکے مر جاتے تھے' حتیٰ کہ ایک دن ابلیس خوف زدہ ہو کر باہر نکلا کیونکہ اس نے دیکھا کہ انسان اور چوپائے حضرت داؤد کی قرأت کے حسن سے بہت متاثر اور بہت مانوس ہو رہے ہیں اس نے اپنے سرداروں کو بلایا اور کہا تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا تم جو چاہتے ہو ہمیں اس کا حکم دو' اس نے کہا ان کو زبور کے سننے سے صرف ایسی چیز روک سکتی ہے جس کی آواز کا حسن داؤد کی آواز کے مشابہ ہو' تب انہوں نے مزامیر' برابط اور صنوج وغیرہ آلات غنا بنائے' جب گمراہ لوگوں اور جنات نے ان آوازوں کو سنا تو وہ ان سازوں کی آوازوں کی طرف منتقل ہو گئے اور اسی طرح چوپائے اور پرندے بھی' اور حضرت داؤد بنو اسرائیل میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کرتے رہے' وہ نبی' حکیم' عابد اور مجتہد تھے اور تمام نبیوں سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے **امابعد** کہا اور قرآن مجید میں جو **فصل الخطاب** ہے (ص: ۳۰) اس سے مراد یہی امابعد کے کلمات ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعائیں

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر صبح اور شام کو تین بار یہ کلمات پڑھتے تھے: اے اللہ! مجھے ہر اس مصیبت سے محفوظ رکھ جو تو نے آج رات آسمان سے زمین کی طرف نازل کی ہے۔ اے اللہ! مجھے ہر اس اچھائی سے حصہ عطا فرما جو تو نے آج رات آسمان سے زمین کی طرف نازل کی ہے۔

سعید نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعا یہ تھی: اے اللہ! مجھے اتنی زیادہ چیزیں نہ دینا کہ میں سرکشی کروں اور نہ اتنی کم دینا کہ میں بھول جاؤں' کیونکہ جو چیز کم ہو اور کافی ہو وہ ان زیادہ چیزوں سے بہتر ہے جو بے پرواہ کر دیں۔ اے اللہ! مجھے ہر دن روزی عطا فرما' اور جب تو دیکھے کہ میں ذکر کرنے والوں کی مجلس کو چھوڑ کر تکبر کرنے والوں کی مجلس میں جا رہا ہوں تو میری ٹانگوں کو توڑ دے' کیونکہ یہ بھی تیری مجھ پر ایک نعمت ہے جس سے تو مجھ پر احسان کرے گا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عطاء بن ابی مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کعب اس ذات کی قسم کھا کر کہتے تھے جس نے حضرت موسیٰ کے لیے سمندر کو چیر دیا تھا' ہم نے تورات میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ داؤد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میرے دین کو درست رکھ جس کو تو نے میری حفاظت بنایا ہے اور میری دنیا کو درست رکھ جس کو تو نے میرا روزگار بنایا ہے' اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں' اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی چھیننے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو واپس لے لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے نہ کسی کا بخت نہ کسی کا نسب۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ص ۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی تو انہوں نے کہا الحمد للہ' سو انہوں نے اللہ کے اذن سے اس کی حمد کی' ان سے ان کے رب نے کہا اے آدم! آپ پر اللہ رحم کرے' ان فرشتوں کی طرف جائیے' ان کی ایک جماعت کی طرف جو بیٹھی ہوئی ہے' اور کہیے السلام علیکم! انہوں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ' حضرت آدم پھر اپنے رب کی طرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کا سلام ہے اور آپ کی اولاد کا آپس میں سلام ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا درآں حالیکہ اس کی دونوں مٹھیاں بند تھیں' ان میں جس مٹھی کو چاہو اختیار کر لو' انہوں نے کہا میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں اور میرے رب کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں' دایاں ہاتھ مبارک ہے' پھر اس ہاتھ کو کھولا تو اس میں حضرت آدم اور ان کی اولاد تھی۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے! پھر اس میں ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے آگے لکھی ہوئی تھی' ان میں ایک شخص ایسا تھا جو سب سے زیادہ روشن تھا' حضرت آدم نے پوچھا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! میں اپنی عمر میں سے اس کو ساٹھ سال دیتا ہوں' فرمایا اس کا تمہیں اختیار ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت آدم کو جنت میں رکھا' پھر ان کو جنت سے اتار کر زمین پر لایا' حضرت آدم اپنی عمر گنتے رہتے تھے' پس جب ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو ان سے حضرت آدم نے کہا تم جلدی آ گئے ہو میری عمر تو ایک ہزار سال لکھی گئی تھی۔ فرشتہ نے کہا کیوں نہیں! لیکن آپ اپنے بیٹے داؤد کو اپنی عمر میں سے ساٹھ سال دے چکے ہیں۔ حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا اور حضرت آدم بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۸' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۰۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۲۱۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۶۷' المستدرک ج ۱ص ۶۴' ج ۴ص ۲۶۳' الاسماء والصفات ج ۲ص ۵۶)

امام ابوالکرم محمد بن محمد شیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت داؤد فوت ہو گئے تو ان کے ملک' ان کے علم اور ان کی نبوت کے حضرت سلیمان وارث ہوئے اور ان کے انیس (۱۹) بیٹے تھے پس ان کو چھوڑ کر حضرت سلیمان' حضرت داؤد کے وارث ہوئے' اور جب حضرت داؤد فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو سال تھی' یہ صحت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' اور ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی۔ حضرت داؤد کی عمر کے متعلق مؤرخین کی متعدد متعارض روایات ہیں لیکن ہمارے نزدیک راجح وہی روایت ہے جو سنن ترمذی میں ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ص ۱۲۸' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق جو احادیث ہم نے پہلے ذکر کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا تو انہوں نے اپنی اولاد میں ایک روشن چہرے والا دیکھا' پوچھا: اے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے۔ پوچھا اے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے رب اس کی عمر زیادہ کر دے۔ فرمایا نہیں' البتہ تم اپنی عمر میں سے کچھ اس کو دے دو' اور حضرت آدم کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ انہوں نے حضرت داؤد کی عمر میں چالیس سال زیادہ کر دیئے' پس جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ حضرت آدم نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں' اور حضرت آدم یہ بھول گئے کہ انہوں نے یہ چالیس سال حضرت داؤد کو دے دیئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ایک ہزار سال اور حضرت داؤد کے ایک سو سال پورے کر دیئے' اس حدیث کو امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام ابن خزیمہ نے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن جریر نے کہا کہ حضرت داؤد کی عمر ستتر (۷۷) سال تھی' ان کا یہ قول غلط اور مردود ہے اور انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور ان کی یہ نقل مقبول ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی تصریح نہیں ہے جو اس کے منافی ہو یا اس کی مقتضی ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۶۴-۴۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم اس سے پہلے سنن ترمذی (رقم: ۳۳۶۸) سے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت آدم نے ان کی عمر میں جو ساٹھ سال کا اضافہ کیا تھا وہ واپس لے لیا' اور سنن ترمذی میں یہ نہیں ہے کہ ان کی عمر ساٹھ سال تھی' حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ کیا پھر بھول گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر سو سال کر دی۔ یہ روایت مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ حافظ ابن کثیر کا اس حدیث کو ترمذی کے حوالے سے بیان کرنا غلط ہے' ہم ترمذی کا مکمل متن بیان کر چکے ہیں اور اب مسند احمد کا مکمل متن بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے جس نے (کسی بات کا) انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ عزوجل نے جب ان کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا۔ پھر حضرت آدم کی اولاد ان کو دکھائی۔ انہوں نے اپنی اولاد میں ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ بہت روشن تھا۔ انہوں نے پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ پوچھا اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا! ساٹھ سال۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! اس کی عمر زیادہ کر دے' فرمایا نہیں! ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی عمر میں سے (کچھ سال دے کر) اس کی عمر زیادہ کر دو' تو حضرت آدم نے اپنی عمر میں سے اس کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھا اور اس پر فرشتوں کو گواہ بنا دیا' پھر جب حضرت آدم کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت آدم نے کہا ابھی تو میری عمر میں سے چالیس سال باقی ہیں' تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی عمر کے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو دے چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس آدم علیہ السلام نے اس بات کا انکار کر دیا۔ تب اللہ عزوجل نے وہ لکھا ہوا وثیقہ نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کے خلاف گواہ پیش کیے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے سو سال پورے کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے بھی ایک ہزار سال پورے کر دیئے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۵۲-۲۵۱' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ص ۱۶۵' رقم الحدیث: ۱۲۹۲۸' مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۲۷۱۰)

یہ حدیث سنن ترمذی (رقم الحدیث: ۳۳۶۸) کی روایت کے تین وجہ سے خلاف ہے' اول اس وجہ سے کہ سنن ترمذی میں ہے

کہ حضرت داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور اس روایت میں ہے کہ ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ ثانی اس لیے کہ سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت آدم نے اپنی عمر میں سے حضرت داؤد کو ساٹھ سال دیئے' اور اس روایت میں ہے کہ حضرت آدم نے حضرت داؤد کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیئے' اور ثالث اس وجہ سے کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد کی عمر کے سو سال پورے کر دیئے گئے اور یہ اضافہ سنن ترمذی میں نہیں ہے' اور سنن ترمذی صحاح ستہ کی کتاب ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور یہ حدیث تین وجہ سے اس کے خلاف ہے۔ سو یہ حدیث منکر ہے۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو حماد بن سلمہ سے علی بن زید نے روایت کیا ہے اور اس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ علی بن زید کے متعلق لکھتے ہیں:

ابن سعد نے کہا یہ نابینا پیدا ہوا تھا' یہ بہت احادیث بیان کرتا تھا' اور اس میں ضعف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا' صالح بن احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے' امام احمد نے کہا یہ لیس بشیء ہے' امام احمد اور یحییٰ بن معین نے کہا یہ ضعیف ہے' دارمی نے کہا یہ قوی نہیں ہے' امام ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ سے نقل کیا کہ یہ ہر شے میں ضعیف ہے اور اس کی روایت اس پائے کی نہیں' دوری نے کہا یہ حجت نہیں۔ الخ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۵-۲۷۴' رقم: ۴۹۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا مختار یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب رقم: ۴۷۵۰' نیز دیکھیے تہذیب الکمال رقم: ۴۰۷۰' التاریخ الکبیر ج ۶ رقم ۲۳۸۹' الجرح والتعدیل ج ۶ رقم: ۱۰۲۱' المیزان ج ۳ رقم: ۵۸۴۴)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں علی بن زید ہے اور اس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۶)

مسند ابو یعلیٰ کے محقق نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۵ ص ۱۰۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور مسند احمد' المعجم الکبیر اور مسند ابو یعلیٰ میں مذکور ہے کہ ان کی عمر سو سال تھی لیکن ان کتابوں کی سند ضعیف ہے اور حافظ ابن کثیر نے ترمذی کی صحیح روایت کے مقابلہ میں ان کتابوں کی روایت پر اعتماد کیا ہے بلکہ ان کتابوں کی روایت کو بھی ترمذی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن کثیر کی بہت شہرت ہے لیکن اس مقام پر حافظ ابن کثیر کو سخت لغزش ہوئی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام میں غیرت بہت زیادہ تھی' جب وہ گھر سے باہر جاتے تو دروازوں کو بند کر کے تالا لگا دیتے تھے' اور ان کے واپس آنے تک ان کے گھر میں کوئی نہیں داخل ہوتا تھا۔ ایک دن وہ حسب معمول دروازہ بند کر کے گئے' ان کی اہلیہ گھر کی طرف دیکھ رہی تھی' ایک شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا' ان کی اہلیہ نے کہا: حضرت داؤد کہیں گے یہ آدمی گھر میں کیسے آ گیا؟ گھر تو بند ہے' اللہ کی قسم! ہم تو حضرت داؤد سے شرمندہ ہوں گے۔ پھر حضرت داؤد آ گئے اور وہ شخص اسی طرح گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ حضرت داؤد نے اس شخص سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جو بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ کوئی حجاب اس کا راستہ روک سکتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا پھر تم ضرور موت کے فرشتہ ہو۔ اللہ کے حکم پر تمہیں خوش آمدید ہو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کی روح قبض کر لی گئی' پھر جب ان کو غسل دیا گیا اور ان کے امور سے فراغت ہو گئی تو دھوپ نکل آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا کہ حضرت داؤد پر سایہ کرو' تو پرندوں نے اپنے پر پھیلا لیے حتیٰ کہ زمین پر اندھیرا

چھا گیا' پھر حضرت سلیمان نے پرندوں سے کہا کہ اپنے پر سمیٹ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بازو پھیلا کر اور سمیٹ کر دکھایا کہ کس طرح پرندوں نے اپنے بازو پھیلائے تھے اور سمیٹے تھے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۹۴۳۲' دار الفکر)

حافظ ابن کثیر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال کی عمر میں فوت ہوئے' اور ان کو بدھ کے دن اچانک موت آئی' اور ابوالسکن الہجری نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اچانک فوت ہوئے' حضرت داؤد اچانک فوت ہوئے اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان اچانک فوت ہوئے۔ اس کو حافظ ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۴۰)

امام ابن اثیر متوفی ۶۳۰ ھ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت داؤد کی عمر سو سال تھی اور یہ حدیث صحیح میں ہے ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور ان کے انیس بیٹے تھے اور صرف حضرت سلیمان ان کے وارث ہوئے۔ (الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۱۲۹)

بعض لوگوں سے روایت ہے کہ جس وقت ملک الموت آیا اس وقت حضرت داؤد محراب (چوبارہ) سے اتر رہے تھے۔ حضرت داؤد نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں محراب سے اتر جاؤں یا محراب کی طرف چڑھ جاؤں۔ ملک الموت نے کہا اے اللہ کے نبی! سال اور مہینے پورے ہو چکے ہیں۔ پھر حضرت داؤد وہیں سیڑھی کے ایک ڈنڈے پر سجدہ میں گر گئے اور سجدہ کی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۴۰) (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۶۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

مختصر تاریخ دمشق علامہ ابن منظور متوفی ۷۱۱ ھ نے مرتب کی ہے جس میں انہوں نے تاریخ دمشق الکبیر کی تلخیص کی ہے' مگر مذکور الصدر روایات تاریخ دمشق الکبیر میں نہیں ہیں' اور غالباً حافظ ابن کثیر کے سامنے اصل تاریخ دمشق نہیں تھی کیونکہ یہ کتاب تو ابھی چند سال پہلے چھپی ہے' ہم نے دونوں کتابوں کا تقابل کیا ہے۔ علامہ ابن منظور نے اس مختصر میں کئی روایات اپنی طرف سے بھی داخل کر دی ہیں جو اصل کتاب میں نہیں ہیں۔ (امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے حضرت داؤد کی عمر سو سال لکھی ہے لیکن سنن ترمذی میں تصریح ہے کہ ان کی عمر چالیس سال تھی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب اور انبیاء مبعوثین کی ترتیب

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب اس طرح ہے: سلیمان بن داؤد بن ایشی بن عوید بن ناعر بن سلمون بن یخشون بن عمینا ذب بن ارم بن خضرون بن فارص بن یھوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ابوالربیع نبی اللہ بن نبی اللہ (علیہم السلام)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام بھی دمشق میں آئے تھے۔

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس تھے' پھر حضرت نوح' پھر حضرت ابراہیم' پھر حضرت اسماعیل' پھر حضرت اسحاق' پھر حضرت یعقوب' پھر حضرت یوسف' پھر حضرت لوط۔ (اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے) پھر حضرت ہود' پھر حضرت صالح' پھر حضرت شعیب' پھر حضرت موسیٰ' پھر حضرت ہارون' پھر حضرت الیاس' پھر حضرت الیسع' پھر حضرت یونس' پھر حضرت ایوب' پھر حضرت داؤد' پھر حضرت سلیمان' پھر حضرت زکریا' پھر حضرت یحییٰ' پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم' پھر سیدنا حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم کو مبعوث کیا گیا۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴' ص ۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں ہے: البقرہ ۱۰۲' النساء: ۱۶۳' الانعام: ۸۴' الانبیاء: ۸۱-

۷۸' النمل: ۴۴-۱۵' سبا: ۱۲' ص: ۴۰-۳۰

البقرۃ' النساء' الانعام اور الانبیاء کی تفسیر گزر چکی ہے۔ النمل: ۴۴-۱۵ کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب اس رکوع میں آ رہی ہے۔ اس لیے ہم یہاں پر ص: ۴۰-۳۰ کا ذکر کر رہے ہیں جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ ھٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ (ص: ۴۰-۳۰)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا۔ وہ کیا ہی اچھے بندے تھے' بے شک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ۝ جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رفتار عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے ۝ سو انہوں نے کہا میں اس خیر (گھوڑوں) کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل رہا' حتیٰ کہ سورج پردہ (مغرب) میں چھپ گیا ۝ ان گھوڑوں کو (دوبارہ) میرے سامنے لاؤ پھر ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ۝ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر جسم ڈال دیا' پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ۝ انہوں نے دعا کی اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے علاوہ کسی اور کے لائق نہ ہو' بے شک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے ۝ سو ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو نرمی سے لے جاتی تھی ۝ اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع فرمان کر دیا جو ہر قسم کی عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے ۝ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ۝ یہ ہماری عطا ہے خواہ آپ (ان کو) کسی پر احسان کر کے دے دیں' یا اپنے پاس روک لیں! آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا ۝ بے شک اس کا ہمارے پاس (بہت) قرب ہے اور اس کے لیے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے ۝

جہاد کے گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز کا قضا ہونا

امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ جب گھوڑوں کے معائنہ میں مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز قضا ہوگئی تو انہوں نے اس کے غم و غصہ میں تمام گھوڑوں کو تلوار سے کاٹ ڈالا۔ (تاریخ دمشق ج ۲۴ ص ۱۷۳)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اکثر متقدمین مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کو دیکھنے کے شوق میں اس قدر مشغول ہوئے حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہوگیا' اس کو حضرت علی بن ابی طالب نے روایت کیا ہے' اور حتمی بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغیر عذر کے عمداً نماز کو ترک نہیں کیا تھا' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں جہاد اور اسباب جہاد کے حصول کے لیے نماز کو موخر یا قضا کر دینا جائز تھا اور گھوڑے بھی اسباب جہاد میں سے ہیں اس لیے وہ گھوڑوں

کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور جب وہ اس پر متوجہ ہوئے کہ ان کے اس اشتغال کی وجہ سے عصر کی نماز کا وقت نکل گیا تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو بلوایا اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلواریں مار کر ان کو قتل کر دیا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر چمکارنے کے لیے ہاتھ پھیرا اور پھر ان کے درمیان گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوہ خندق کے دن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز موخر کر دی تھی کیونکہ یہ پہلے مشروع اور جائز تھا کہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کو موخر کر دیا جائے بعد میں صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا اور پھر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کا موخر کرنا منسوخ ہو گیا' اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن عصر کی نماز کو عمداً موخر نہیں کیا تھا بلکہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے آپ بھول گئے تھے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے عصر کی نماز پڑھنا بھول گئے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے آئے' حضرت عائشہ کے طاقچہ پر ایک پردہ تھا۔ ہوا سے پردہ اڑا تو اس میں حضرت عائشہ کی گڑیاں رکھی ہوئی نظر آئیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اے عائشہ! حضرت عائشہ نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے دیکھا ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا رکھا ہوا تھا جس کے پر بنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا ان گڑیوں کے درمیان میں کیا رکھا ہوا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ گھوڑا ہے! آپ نے پوچھا اس کے اوپر کیا بنا ہوا ہے؟ کہا وہ اس کے دو پر ہیں' آپ نے فرمایا کیا گھوڑے کے پر ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پروں والے گھوڑے تھے! حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ میں نے آپ کی داڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۲)

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد

ص: ۳۴ میں ہے: اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر جسم ڈال دیا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد نبی اللہ نے کہا میں آج رات ستر ازواج کے پاس جاؤں گا ان میں سے ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا' ان کے ساتھی یا کسی فرشتے نے کہا کہیے ان شاء اللہ' وہ بھول گئے اور نہ کہا' پھر ان کی ازواج میں سے صرف ایک کے ہاں ادھورا لڑکا پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی! اور ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۳۷' عالم الکتب' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۶' رقم الحدیث: ۵۱۲۱' ۵۱۲۰' ۵۱۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کے بیان میں مضطرب روایات میں تطبیق

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں اضطراب ہے۔ بعض روایات میں ساٹھ ازواج کا ذکر ہے بعض میں ستر کا بعض میں نوے کا اور صحیح مسلم کے علاوہ صحیح بخاری میں ننانوے اور سو ازواج کا بھی ذکر ہے۔ علامہ نووی نے اس کے

جواب میں لکھا ہے کہ عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور عدد قلیل کے ذکر سے عدد کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۴۹ مطبوعہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کے جواب کو مسترد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ بہت سے علماء کے نزدیک عدد میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی ساٹھ ازواج تھیں اور باقی باندیاں تھیں اور جن روایات میں ساٹھ سے زیادہ ازواج کا ذکر ہے ان میں مجازاً باندیوں پر بھی ازواج کا اطلاق کیا گیا ہے' یا اس کے برعکس ساٹھ باندیاں تھیں اور باقی ازواج تھیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں ازواج نوے سے زیادہ اور سو سے کم تھیں' جس روایت میں نوے کا ذکر ہے اس میں کسر کو حذف کر دیا اور جس روایت میں سو کا ذکر ہے اس میں کسر کو پورا کر دیا اور ساٹھ اور ستر کے ذکر سے کثرت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ عرب کثرت میں مبالغہ کے لیے ساٹھ اور ستر کا عدد ذکر کرتے ہیں' اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار عورتیں تھیں جن میں سے تین سو ازواج تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک ہزار شیشے کے لکڑی پر جڑے ہوئے گھر تھے' تین سو ازواج کے تھے اور سات سو باندیوں کے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۶۷' ۴۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ازواج کے عدد میں اختلاف راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے' ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عدد بیان کیا جو کثرت پر دلالت کرتا ہو اور ہر راوی نے اپنی سمجھ کے اعتبار سے اس کی دوسرے سے مختلف تعبیر کر دی اور اس سے اصل حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' کیونکہ ان کے نزدیک ازواج کے عدد کو محفوظ اور منضبط رکھنے کے ساتھ کوئی دینی اور دنیوی غرض متعلق نہیں تھی۔

حضرت سلیمان سے متعلق ایک حدیث صحیح پر سید مودودی کے اعتراض کے جوابات

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک رات میں ساٹھ ازواج سے جماع کرنے کو عقلاً مستبعد قرار دے کر ان احادیث ہی کا انکار کر دیا! لکھتے ہیں:

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہو گا مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لا کر حضرت سلیمان کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان میں سے کسی میں بیویوں کو تعداد ساٹھ بیان کی گئی ہے' کسی میں ۷۰' کسی میں ۹۰' کسی میں ۹۹ اور کسی میں ۱۰۰' جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا' لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہو گی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے بلکہ آپ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہو گا' اور سامع کو یہ غلطی لاحق ہو گئی کہ اس بات کو حضور خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے' ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشاء اور فجر کے درمیان دس گیارہ

گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ساٹھ ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات بغیر دم لیے فی گھنٹہ چھ بیویوں کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا 11 گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے' کیا یہ عملاً ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضور نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۳۷ 'مطبوعہ لاہور' ۱۹۷۷ء)

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جس انداز سے اس حدیث صحیح کو مسترد کیا ہے اس میں ان کا اسلوب نگارش غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر غلام جیلانی سے چنداں مختلف نہیں ہے حدیث کی جانچ اور پرکھ کا اصول محدثین اور مجتہدین کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کا متن قرآن مجید' سنت مشہورہ اور عقل صریح کے خلاف نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی محال عقلی کو مستلزم نہ ہو' اور اگر ہر شخص کی عقل کو حدیث کی صحت اور عدم صحت کے لیے ترازو مان لیا جائے تو دین کے اکثر اور بیشتر احکام سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس حدیث پر جو اعتراض کیا ہے اس کے جواب میں پہلی گزارش یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں یہ فرض کر لینا صحیح نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر ساٹھ ہی تھیں' کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ذکر کیا جس کو راویوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ساٹھ' ستر یا نوے سے تعبیر کر لیا۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر بارہ گھنٹے کی رات فرض کی جائے اور ساٹھ ازواج ہوں تو ایک گھنٹہ میں پانچ کا حساب آتا ہے اور یہ چنداں مستبعد نہیں ہے' تیسری گزارش یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال مبارکہ کو عام آدمیوں کے افعال پر قیاس کر لینا ہی گمراہی کا اولین سبب ہے' کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی (آصف بن برخیا) نے تین ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے لا کر حاضر کر دیا اور جب سلیمان علیہ السلام کا ایک خاص امتی تین ماہ کے کام کو پلک جھپکنے سے پہلے کر سکتا ہے تو خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اور اختیار کا کیا عالم ہوگا! سید ابو الاعلیٰ مودودی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کارکردگی کے لیے گھنٹوں اور منٹوں کا جو ٹائم ٹیبل بنایا ہے اس کے اعتبار سے کسی نبی کا معجزہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ کسی ولی کی کرامت!!

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اجتہاد میں اصابت رائے

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔ (الانبیاء: ۷۸-۷۹)

(حضرت) داؤد اور (حضرت) سلیمان (علیہما السلام) جب اس کھیت کا فیصلہ کرنے لگے جس کی فصل کو ایک قوم کی بکریوں نے رات میں روند ڈالا تھا' ان کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا' ہم نے (حضرت) سلیمان کو اس فیصلہ کی فہم دے دی تھی اور ہم نے دونوں کو حکومت دی تھی اور علم عطا فرمایا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آ گھسیں اور کھیت کا نقصان کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دیکھ کر بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا یہ فیصلہ کیا بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ کھیت والا اپنے پاس بکریاں رکھے اور ان سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے

کھیت کو دوبارہ اصل حالت پر لانے کے لیے کھیتی باڑی کریں اور جب کھیت پہلی حالت پر واپس آ جائے تو بکریاں ان کے مالکوں کو لوٹا دیں اور کھیت والے اپنا کھیت لے لیں۔ اس میں دونوں کا نقصان نہ ہو گا۔ حضرت داؤد نے یہ فیصلہ سن کر حضرت سلیمان کی تحسین فرمائی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کے استحسان کے مقابلہ میں اپنے قیاس سے رجوع فرما لیا۔

اس آیت سے معلوم ہو کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اصول شرع کے مطابق اپنی رائے دینا اجتہاد ہے اور کبھی ایک مسئلہ میں اجتہاد سے دو حل معلوم ہوتے ہیں۔ ایک حل ظاہر اور دوسرا خفی ہوتا ہے۔ ظاہر کو قیاس اور خفی کو استحسان کہتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد کی دوسری مثال اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں اپنے بچے کو ساتھ لے کر جا رہی تھیں' اتنے میں بھیڑیا آ کر ان میں سے ایک کے بچے کو لے گیا' ایک عورت نے دوسری سے کہا بھیڑیا تمہارے بچہ کو لے گیا ہے' دوسری نے کہا نہیں' تمہارے بچہ کو لے گیا ہے وہ دونوں حضرت داؤد کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئیں' انہوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا' پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو ماجرا سنایا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا چھری لاؤ میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو دے دیتا ہوں' چھوٹی نے کہا نہیں' اللہ تم پر رحم کرے وہ اسی کا بچہ ہے' پھر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں اس بچہ کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا بخدا! (چھری کے لیے) سکین کا لفظ میں نے اسی دن سنا ہے۔ ہم اس سے پہلے "مدیہ" کہتے تھے۔

(صحیح مسلم الاقضیہ: ۲۰' رقم الحدیث بلا تکرار ۱۷۲۰' الرقم المسلسل: ۴۴۱۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۰۰ رقم الحدیث: ۵۱۳۳)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بچے کا بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا' اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت داؤد نے کس قرینہ کی بنا پر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد کے خیال میں وہ بچہ بڑی عورت کے مشابہ ہو اور اس مشابہت کی بنا پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو' یا بچہ بڑی عورت کے ہاتھ میں دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان کا واقعاتی شہادت سے استدلال

حضرت سلیمان نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان دونوں سے کہا کہ میں چھری سے اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ فیصلہ کس پر دشوار ہوتا ہے اور جس عورت پر بچے کے دو ٹکڑے کرنے کا فیصلہ شاق ہو گا وہی عورت حقیقت میں بچہ کی ماں ہو گی اور جب بڑی عورت بچے کے ٹکڑے کرنے پر راضی ہو گئی اور چھوٹی عورت نے بچے کی جان بچانے کے لیے کہا کہ نہیں' یہ اسی کا بچہ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ بچہ حقیقت میں چھوٹی عورت کا ہے اور انہوں نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ درحقیقت اس مسئلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے واقعاتی شہادت اور قرینہ خارجیہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ یہاں اور گواہی نہیں تھی اور علماء نے کہا ہے کہ حکام کو اس قسم کے معاملات میں واقعاتی شہادتوں سے استدلال کرنا چاہیے۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے بعد اسی مقدمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیوں فیصلہ

کیا' اوران کے فیصلہ کو کیوں تبدیل کیا' حالانکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرتا؟ اس کے متعدد جواب ہیں:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو اس فیصلہ پر یقین نہیں تھا۔

(۲) یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فتویٰ تھا' فیصلہ نہیں تھا۔

(۳) ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز ہو کہ جب دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ پہنچے تو وہ پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ کر دے۔

(۴) حضرت سلیمان نے جب حیلہ سے یہ معلوم کرلیا کہ بچہ چھوٹی عورت کا ہے تو انہوں نے بڑی عورت سے اقرار کرالیا اور اقرار حجت ملزمہ ہے' کیونکہ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف خود ہی اقرار کرلیا کہ حق چھوٹی عورت کا ہے تو اب حضرت سلیمان پر فیصلہ تبدیل کرنے کا اعتراض نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہوگئی' لیکن وہ اجتہادی خطا پر برقرار نہیں رہتے اللہ تعالیٰ ان پر حق واضح کر دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا ملک عطا فرمانا جو دوسروں کو نہ دیا گیا ہو

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان نے بیت المقدس بنالیا تو اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان میں سے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری چیز ہمیں مل جائے گی۔ انہوں نے سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عطا فرمادیا' اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا فرمائے جو ان کے بعد اور کسی کے سزاوار نہ ہو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ان کو عطا فرمادیا' اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ جو بھی اپنے گھر سے اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے اور اس کا ارادہ صرف اس مسجد میں نماز پڑھنا ہو تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے ابھی پیدا ہوا ہو' ہمیں امید ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر دی ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۸' مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۶۶۵۵' دار الفکر' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴' ص ۲۱۱' رقم الحدیث: ۵۱۳۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر فرمانا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ (ص: ۳۵)

اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' بے شک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو قبول کر کے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (ص: ۳۶)

سو ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا' وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو نرمی سے لے جاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے شوق کے باوجود گھوڑوں کے ساتھ دلچسپی لینے اور ان

میں مشغولیت کو ترک کر دیا اور ایک تفسیر کے مطابق گھوڑوں کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے سواری بنا دیا جو گھوڑوں کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز تھی' حضرت سلیمان کے پاس لکڑی کا ایک بہت بڑا تخت تھا' اس کے علاوہ ان کی ضرورت کی تمام چیزیں ان کے پاس موجود تھیں' ان کے پاس مکان' محل' خیمے اور ساز و سامان تھا' گھوڑے تھے' انسان اور جن ان کے خدمت گار تھے۔ حیوانات اور پرندے ان کے تابع تھے' اور ہر قسم کی خوبصورت چیزیں ان کے پاس مہیا تھیں' جب وہ کسی سفر پر جانے کا قصد کرتے' کسی سے ملاقات کے لیے' کسی علاقہ میں جہاد کرنے کے لیے یا کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لیے' خواہ وہ کسی ملک میں جانے کا قصد کرتے' تو ضرورت کی ساری چیزیں' انواع و اقسام کا ساز و سامان اور خدام' سب اس تخت پر آ جاتے' پھر آپ ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کے نیچے داخل ہو کر اس تخت کو اوپر اٹھا لیتی۔ پھر جب وہ تخت زمین سے کافی بلندی پر چلا جاتا تو آپ نے جہاں جانا ہوتا ہوا آپ کو بہت تیزی اور سرعت کے ساتھ وہاں پہنچا دیتی۔ آپ صبح کے وقت بیت المقدس سے سفر کرتے اور ہوا آپ کو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر پہنچا دیتی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ (سبا: ۱۲)

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ وہ صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی اور شام کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی' اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا (تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں بنائیں)

بے شک یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بہت عظیم معجزہ تھا' ہوا ان کو صبح کے وقت میں ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ عظیم معجزہ عطا فرمایا کیونکہ حضرت سلیمان کو تخت پر بیٹھ کر جانا پڑتا تھا اور ہمارے نبی جہاں جانا چاہتے تھے وہ جگہ خود آپ کے سامنے آ جاتی تھی۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا و مغاربھا.

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اغراض اور مقاصد کے لیے سفر بھی کیے ہیں اور آپ متعدد علاقوں میں گئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام علاقے آپ کو دکھا دیئے تھے' آپ کا سفر کرنا اور مختلف علاقوں میں جانا محض اس لیے تھا کہ سفر کرنا اور مختلف علاقوں میں جانا ہمارے لیے سنت اور کار ثواب ہو جائے اور اس باب میں آپ کا اسوہ اور نمونہ فراہم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ ۝ (الاحزاب: ۲۱)

بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے' ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرتا ہے۔

حضرت سلیمان کے لیے جنات کو مسخر کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ (ص: ۳۷)

اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع فرمان کر دیا جو ہر قسم کی عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ (سبا: ۱۲)

اور بعض جنات بھی ان کے رب کے حکم سے ان کے سامنے ان کے فرمان کے موافق کام کرتے تھے' اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا' ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسخر کر دیا تھا وہ جو کام چاہتے تھے ان سے کرا لیتے تھے' وہ ان کی اطاعت سے انحراف نہیں کرتے تھے' اگر وہ سرمو بھی ان کی حکم عدولی کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات ایک بہت بڑا جن (نماز میں) مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز توڑ دے' اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قدرت دے دی' میں نے اس کو پکڑ لیا' اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں' پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ (ص: ۳۵)

اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما' جو میرے علاوہ کسی اور کے لائق نہ ہو۔

تو میں نے اس (بہت بڑے جن) کو ناکام اور نامراد لوٹا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۳' ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۴۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۶۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۹' رقم الحدیث: ۵۱۲۲' مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے' ہم نے نماز میں آپ کو تین بار یہ دعا کرتے ہوئے سنا: ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں'' اور آپ نے (نماز میں) اس طرح ہاتھ بڑھایا جیسے کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں' جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو نماز میں ایک دعا کرتے ہوئے سنا ہم نے اس سے پہلے نماز میں آپ سے وہ دعا نہیں سنی' اور ہم نے آپ کو نماز میں اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا' آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس نماز میں میرے چہرے پر آگ کا ایک گولا مارنے کے لیے آیا' میں نے تین بار کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں' وہ تین بار پیچھے نہیں ہٹا' پھر میں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا' اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان نے دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو زنجیروں سے جکڑا ہوا ہوتا اور اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور میں آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا' آپ نے قرأت کی تو آپ پر قرأت مشتبہ ہو گئی' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کاش تم مجھے ابلیس کے ساتھ دیکھتے میں اپنے ہاتھ سے اس کا گلا گھونٹنے لگا اور اس وقت تک اس کا گلا گھونٹتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کے لعاب کی ٹھنڈک اپنی ان دو انگلیوں اور ان کے ساتھ انگوٹھے میں محسوس کی اور اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو یہ صبح کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیل رہے ہوتے' پس

تم میں سے جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو وہ ایسا کرے (یعنی صف اول میں نماز پڑھے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٦٩٩، مسند احمد ج ۴ رقم الحدیث: ١١٧٨٠، دارالفکر بیروت)

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ بے شک شیطان اور اس کا لشکر تم کو اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے۔ (الاعراف: ٢٧)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ عام لوگ شیطان اور اس کی ذریات کو نہیں دیکھ سکتے، پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ تم اس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ بندھا ہوا دیکھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غالب احوال اور عام اوقات میں ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اہل مدینہ کے دیکھنے کا فرمایا ہے وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہے اور وجہ استثناء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو یہ دعا کی تھی کہ اے رب! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو کسی اور کے لائق نہ ہو اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بہت بڑے جن کو باندھنے اور اس کو بھگانے پر قدرت تھی تو آپ کی بھی جنات پر سلطنت ثابت ہوگئی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہ رہی!

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات پر سلطنت یہ تھی کہ وہ ان سے ہر قسم کی خدمت لینے اور کام پر لگانے پر قادر تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنی مقدار پر قادر تھے کہ اس کو باندھ دیتے یا اس کو بھگا دیتے، لہٰذا جن پر آپ کے اس تصرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمومی سلطنت اور ان کے ساتھ اختصاص میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (فتح الباری ج ٧ ص ١٢٦، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ١٤٢٠ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنات پر وہ قوت عطا کر دی تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کی تھی اس کے باوجود آپ نے اس جن کو نہیں باندھا تاکہ جنات پر تصرف کرنے کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انفرادیت اور خصوصیت باقی رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ٢٣٥، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ١٣٥٨ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو یعنی وہ سلطنت صرف آپ میں منحصر ہو اس دعا میں حصر سے مراد حصر حقیقی نہیں تھا حصر اضافی تھا یعنی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی نبی یا ولی یا کسی بھی شخص کو جنات پر ایسی ہمہ گیر سلطنت حاصل نہیں تھی اور یہ حصر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کے اعتبار سے ہے، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں، سید خلق ہیں اور قائد المرسلین ہیں، اور تمام نبیوں اور رسولوں کے کمالات اور ان کے معجزات کے جامع ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کو کوئی سلطنت اور کمال حاصل ہو اور وہ آپ کو حاصل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبوت یا کوئی اور نعمت ہو جس کو بھی جو چیز ملتی ہے وہ آپ ہی کے وسیلہ سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مطلقاً عطا فرماتا ہے اور آپ مطلقاً تقسیم کرتے ہیں ابتداء آفرینش عالم سے جس فرد کو جو چیز ملتی ہے وہ آپ ہی کی تقسیم سے ملتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات اور ان کے احوال و کوائف کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان کی انگوٹھی میں نقش تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۵۱۱۵ ج ۲۴ ص ۱۸۲ مطبوعہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمانی تھا ان کی طرف وہ نگینہ گرایا گیا تو انہوں نے اس کو اٹھا کر اپنی انگوٹھی میں رکھ لیا اس پر یہ عبارت نقش تھی:

انا اللہ لا الہ الا انا محمد عبدی ورسولی. میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے محمد میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۲ رقم الحدیث: ۵۱۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

سلامان بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد کو کتنا بڑا ملک عطا کیا تھا پھر بھی وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۹۶ رقم الحدیث: ۵۱۲۴ مطبوعہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ ملک عطا کیا جو عطا کیا تو انہوں نے اللہ عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۵۱۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا فرمایا تو اس ملک اور سلطنت نے ان میں اللہ کے خوف کے سوا اور کسی چیز کو زیادہ نہیں کیا اور وہ اپنے رب عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۹۷ رقم الحدیث: ۵۱۲۶ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۱۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال ملک اور علم کے درمیان (کسی ایک کے انتخاب کا) اختیار دیا گیا تو حضرت سلیمان نے علم کو اختیار کر لیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۹۷ رقم الحدیث: ۵۱۲۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۸۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ نے حضرت سلیمان سے کہا اے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ جو رات کو زیادہ سوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ وہ فقیر ہو۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۹۸ رقم الحدیث: ۵۱۲۸ المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۲۱)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پہلے شخص جن کے لیے حمام (نہانے کے لیے گرم پانی) بنایا گیا وہ حضرت سلیمان بن داؤد ہیں جب وہ حمام میں داخل ہوئے اور اس کی گرمی محسوس کی تو کہا اوہ! اللہ کے عذاب سے۔ (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۵۱۳۱، ۵۱۳۰، ۵۱۲۹ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۷ الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی بارش کی دعا مانگنے کے لیے لوگوں کو لے کر گئے اچانک دیکھا کہ ان میں ایک چیونٹی بھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس آجاؤ کیونکہ اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۰۷ رقم الحدیث: ۵۱۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سبا: ۱۴)

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا تو سوائے گھن کے کیڑے (دیمک) کے کسی نے ان کی موت پر رہنمائی نہیں کی جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا پس جب وہ (سلیمان) گر پڑے تو اس وقت جنات نے جان لیا کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان جب بھی نماز پڑھتے تھے تو ان کے سامنے ایک درخت اُگ جاتا تھا' وہ اس سے دریافت کرتے کہ تیرا نام کیا ہے تو وہ بتاتا کہ میرا فلاں فلاں نام ہے' پھر وہ اس سے پوچھتے کہ تو کس لیے ہے؟ تو وہ بتاتا کہ میں اس فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہوں' اگر وہ درخت کسی دوا کے لیے پیدا کیا گیا ہوتا تو وہ انہیں بتا دیتا کہ میں اس مرض کی دوا کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ ایک دن حضرت سلیمان نے نماز پڑھی اور ایک درخت ان کے سامنے اُگ گیا' حضرت سلیمان نے اس درخت سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرا نام الخرنوب ہے' یا الخروب کہا' پوچھا تم کس لیے ہو؟ اس نے کہا میں اس گھر کو ویران کرنے کے لیے ہوں۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! جنات کو میری موت سے اندھا کر دے' حتیٰ کہ انسانوں کو یہ گمان نہ ہو کہ جنات غیب کو جانتے ہیں۔ پھر حضرت سلیمان نے ایک عصا تراشا اور اس پر ٹیک لگا کر پورا ایک سال کھڑے رہے' اور جنات کو یہ پتا نہ تھا کہ حضرت سلیمان پر موت آ چکی ہے' پھر دیمک نے اس عصا کو کھا لیا اور وہ عصا ٹوٹ کر گر گیا' اور حضرت سلیمان بھی گر گئے' تب جنات کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان فوت ہو چکے ہیں' تو انہوں اس دیمک کا شکر ادا کیا اور انہوں نے اندازہ کیا کہ وہ دیمک ایک سال سے اس عصا کو کھا رہی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۲' رقم الحدیث: ۵۱۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کو بنانے سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت سلیمان مسجد میں داخل ہوئے اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے قبلہ کی جانب ایک سرسبز درخت تھا' جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو درخت کہنے لگا: کیا آپ مجھ سے یہ نہیں معلوم کریں گے کہ میں کون ہوں' حضرت سلیمان نے فرمایا' تم کون ہو؟ اس نے کہا میں فلاں فلاں درخت ہوں اور فلاں فلاں بیماری کی مجھ میں دوا ہے۔ حضرت سلیمان نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔ اگلے دن پھر اسی کی مثل درخت اُگا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں درخت ہوں اور فلاں فلاں بیماری کی مجھ میں دوا ہے۔ حضرت سلیمان نے اس درخت کو بھی کاٹنے کا حکم دیا' پھر ہر روز جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تو ان کے سامنے ایک درخت اُگا ہوا ہوتا' وہ اس کا نام اور اس کا فائدہ معلوم کرتے اور اس کو کٹوا دیتے اور ایک کتاب میں ان درختوں کے نام اور ان کے فوائد لکھ لیتے۔ جب وہ طب کی ایک کتاب مرتب کر چکے تو ایک دن وہ مسجد میں آئے اور نماز کے بعد پھر اپنے سامنے ایک درخت دیکھا' اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں الخرنوب ہوں' حضرت سلیمان نے پوچھا الخرنوب کس لیے ہوتا ہے؟ اس نے کہا الخرنوب جس گھر میں پیدا ہوتا ہے وہ گھر بہت جلد ویران ہو جاتا ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا اب مجھے علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو کھنڈر بنانے کا اور اس سلطنت کو ختم کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ پھر حضرت سلیمان نے اس درخت سے ایک عصا بنا لیا اور اس پر ٹیک لگانے

لگے اور اسی عصا کو دیمک نے کھالیا تھا۔

حضرت سلیمان ہر سال چالیس روز خصوصی عبادت کرتے تھے اور کئی کئی روز تک اپنے حجرے سے لوگوں سے ملنے کے لیے باہر نہیں آتے تھے' اور ان ایام کو پورا کرتے تھے جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تھا اور جن ایام میں حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ وہ موٹے کپڑے پہنتے تھے' اور روزے رکھتے تھے اور اپنی محراب میں قیام کرتے تھے اور دو آدمیوں کے درمیان صف میں کھڑے ہوتے تھے' اور بعض اوقات اپنے عصا پر ٹیک لگاتے تھے اور وصال کے روزے رکھتے تھے اور جب وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور ان کا ملک ان کو لوٹا دیا تو انہوں نے عبادت میں زیادہ کوشش کی پھر ہر سال اسی (۸۰) دن خصوصی عبادت کرتے تھے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ کیا تو وہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور اپنے عصا پر ٹیک لگا لی' اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو بھیجا اور اس نے ان کی روح اسی حالت میں قبض کر لی اور وہ اسی طرح ایک سال تک ٹیک لگائے رہے' لوگ اسی (۸۰) دن تک ان کا انتظار کرتے رہے اور آپ حجرے سے باہر نہیں آئے۔ لوگوں نے کہا وہ عبادت کرنے میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ پہلے وہ چالیس روز تک عبادت کرتے تھے' پھر انہوں نے اس کی میعاد زیادہ کی اور اسی (۸۰) روز تک عبادت کرنے لگے' اور لگتا ہے کہ اب وہ اسی (۸۰) دن سے بھی زیادہ عبادت کر رہے ہیں اور ان کی موت کا کسی کو علم نہیں ہوا' جنات کو نہ انسانوں کو اور جنات اور شیاطین مختلف قسموں کے کاموں میں مصروف تھے اور ان میں سے کسی کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا علم نہیں ہوا' حتیٰ کہ جس عصا پر وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے اس عصا پر اللہ تعالیٰ نے دیمک کو مسلط کر دیا' دیمک اس عصا کو کھا گئی وہ ٹوٹ کر گر پڑا اور اس کے ساتھ حضرت سلیمان بھی گر پڑے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ (سبا: ۱۴)

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا تو سوائے گھن کے کیڑے (دیمک) کے کسی نے ان کی موت پر رہنمائی نہیں کی جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پس جب (وہ) سلیمان گر پڑے تو اس وقت جنات نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جاننے والے ہوتے تو اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

الزہری وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باون سال زندہ رہے اور ان کی حکومت چالیس سال رہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کی حکومت بیس سال رہی واللہ اعلم بالصواب!

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸۳ - ۴۸۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن اثیر نے بھی حضرت سلیمان کی وفات کا واقعہ اسی طرح لکھا ہے اور انہوں نے حضرت سلیمان کی عمر ترپن (۵۳) سال لکھی ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۱۳۷ - ۱۳۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت سات سو سال چھ ماہ رہی۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا' اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۝ (النمل: ۱۵)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے عظیم علم کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم علم عطا فرمایا اس کے مصداق میں علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا اس سے مراد فہم ہے (۲) اس سے مراد صنعت کیمیا ہے اور یہ قول شاذ ہے (۳) اس سے مراد مقدمات کے فیصلے کرنے کا علم ہے (۴) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت' عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ کا علم ہے (۵) اس سے مراد پرندوں کی بولیاں ہیں (۶) اس سے مراد بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۱۹۸' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت)

یوں تو علم کی یہ تمام اقسام اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں لیکن سب سے عظیم نعمت جس پر شکر کرنا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شان اور ان کے حال کے موافق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات' اس کے متعلق ضروری عقائد اور احکام شرعیہ کا علم ہے۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات افراد کو سات قسم کا علم عطا فرمایا ہے۔ (۱) حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے وہ فرشتوں کی تعظیم اور ان کے سجدہ کے مستحق قرار پائے (۲) حضرت خضر علیہ السلام کو تکوینی امور اور غیب کا علم عطا فرمایا جس کی بنا پر ان کو حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع ایسے تلمیذ میسر ہوئے (۳) حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے ان کی اپنے والدین سے ملاقات ہوئی' ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور ان کو مصر کی بادشاہی حاصل ہوئی (۴) حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے سے زرہ بننے کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے ان کو ریاست اور درجات عظیمہ حاصل ہوئے (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم عطا فرمایا اور یہ علم ملک سبا کی ملکہ بلقیس اور اس کو مومن بنانے اور اس کو اپنا مطیع کرنے کا وسیلہ بنا (۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی والدہ سے بدکاری کی تہمت کو دور کیا اور بہت سے بنی اسرائیل ان کی نبوت پر ایمان لائے (۷) ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون اور کتاب وحکمت کا علم عطا فرمایا اور سب سے زیادہ اپنی ذات وصفات کی معرفت عطا فرمائی' جس کی وجہ سے آپ پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہیں اور آپ کی شریعت تمام شرائع سابقہ کی ناسخ ہے۔

علم کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا علم' اس نے پھر دوبارہ آ کر وہی سوال کیا' آپ نے اس کو وہی جواب دیا' اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے تو آپ سے صرف عمل کے متعلق سوال کیا ہے' آپ نے فرمایا عمل کم ہو یا زیادہ اس کے ساتھ تمہیں علم نفع دے گا اور جہل تم کو نفع نہیں دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ۔

(نوادر الاصول ج ۴ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۲۴۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۶۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۳۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس سے استدلال صحیح ہے۔)

علامہ عبدالرؤف المناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے' اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم افضل الاعمال ہے اور اشرف العلوم ہے'

کیونکہ جب تک صانع (اس دنیا کو بنانے والا) عالم اور قادر کا علم نہ ہو جو رسولوں کو بھیجنے والا ہے اور کتابوں کو نازل کرنے والا ہے اس وقت تک علم فقہ کا تصور ہوگا نہ علم حدیث کا نہ علم تفسیر کا' پس تمام علوم اس علم اصول پر موقوف ہیں اور یہ علم تمام علوم کا رئیس ہے' پس اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا علم' مکلف کے اوپر سب سے پہلا واجب ہے اور مقصود لذاتہ ہے لیکن اس معرفت سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا علم مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کسی بشر کو معلوم نہیں ہے' اور نہ اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے' کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں دکھائی دے گا' اور دنیا میں بیداری میں اس کا دیدار ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا اور خواب میں چند اکابر اولیاء اور علماء کو اس کا دیدار حاصل ہوا ہے' بلکہ ہم صرف اس کے مکلف ہیں کہ ہمیں دلائل سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہو اور ہم کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیزیں واجب ہیں اور کیا چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں' مثلاً علم اور قدرت اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہیں اور جہل اور عجز اس کے لیے محال ہیں' اسی طرح صدق اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور کذب اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے' صفات کمال اور حسن اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور عیب اور نقص اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔

سائل نے آپ سے عمل کے متعلق سوال کیا تھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں علم کا ذکر فرمایا' آپ نے فرمایا سب سے افضل عمل اللہ کا علم ہے' اس نے کہا میں نے تو عمل کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: بے شک علم تمہیں نفع دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ کیونکہ عبادت علم پر موقوف ہے' پس اہم مطلوب اور اعظم مقصود اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ بعض علماء نے کہا عقلمند شخص کو چاہیے کہ اس علم کو حاصل کرے جو اس کے ساتھ برزخ میں بھی رہے نہ کہ وہ علم جو موت کے بعد اس سے الگ اور زائل ہو جائے' اور اس علم کو حاصل کرے جو اس کے ساتھ آخرت میں منتقل ہو اور آخرت میں صرف وہ علم اس کے ساتھ منتقل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے بتائے ہوئے احکام شرعیہ کا علم ہوگا' نیز آپ نے فرمایا کہ جہل تمہیں نفع نہیں دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ' جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے جاہل ہو اور اس کو احکام شرعیہ کا علم نہ ہو تو اس کا کوئی عقیدہ صحیح ہوگا نہ عمل۔

(فیض القدیر ج ۳ ص ۱۱۷۱-۱۱۷۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جہل کی مذمت

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بغیر علم کے عبادت کرتا ہے وہ چکی کے گدھے کی طرح ہے وہ اس کے گرد گھومتا رہتا ہے اور مسافت کو قطع نہیں کرتا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ تفسیر حدیث پڑھے بغیر بے خواندہ' بے اجازت اساتذہ برسر بازار و مسجد وغیرہ بہ طور وعظ ونصائح کے بیان کرتے ہیں' حالانکہ مطلب ومعنی میں کچھ مس نہیں فقط اردو کی کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں' یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے بغیر علم کے قرآن مجید کے متعلق کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۱۰ ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عزوجل **لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم** ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول: **یفرحون باضلالھم الناس وبنسبۃ الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم** خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار** جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' احادیث میں اسے صحیح وغلط وثابت وموضوع کی تمیز نہ ہوگی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار** جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ **رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالی عنہ.** اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا** بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ **الائمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما'** دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض** جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں **رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ** یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا' چھوٹا منہ بڑی بات ہے' پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے' کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ زید کا مشرکین کی مدح وستائش علی الاعلان خصوصاً منبر ذکر شریف پر بیان کرنا خصوصاً انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسند رب العزۃ جل وعلا ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلذلک العرش** جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب جل وعلا غضب فرماتا اور عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے۔ **رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلی والبیھقی فی السنن وانس بن مالک وابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما** اس بیان سے تمام مراتب مسؤلہ سائلین کا جواب ہوگیا زید پر لازم کہ توبہ کرے اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۱۰ ص ۹۶ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اس موضوع پر مزید تحریر فرماتے ہیں:

جاہل عالم کی فضیلت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا جبکہ وہ عالم عالم دین ہو قال اللہ تعالیٰ **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے علم والے اور بے علم۔ جاہل بوجہ جہل اپنی عبادت میں سو گناہ کر لیتا ہے۔ اور مصیبت یہ کہ انہیں گناہ بھی نہیں جانتا اور عالم دین اپنے گناہ میں بھی وہ حصہ خوف وندامت کا رکھتا ہے کہ اسے جلد

نجات بخشتا ہے ولہذا حدیث میں ارشاد ہوا کہ عالم کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اگر وہ لغزش بھی کرے تو اللہ تعالیٰ جب چاہے اسے اٹھالے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۲۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

(پھر فرمایا) صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگالیتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب اولیائے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم انہوں نے ایک صاحب ریاضت و مجاہدہ کا شہرہ سنا ان کے بڑے بڑے دعاوی سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے، عرض کی مجھے دیدار الٰہی روز ہوتا ہے۔ ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش بچھتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی سمجھ لیتے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فوق السموت والعروش دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے سماوات وارض کا۔ خیر ان بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پڑھو جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان ابلیس یضع عرشه علی البحر شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے جب یہ سنا تو سمجھے کہ اب تک میں شیطان کو خدا سمجھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا، اسی کو سجدے کرتا رہا، کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پتا نہ چلا۔ سیدی ابوالحسن جوسقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابوالحسن علی بن ہیتی رضی اللہ عنہ کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے آپ نے اپنے ایک مرید کو رمضان شریف میں چلے بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو؟ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے، شجر و حجر اور دیوار و در سجدہ میں ہیں نور پھیلا ہوا ہے۔ میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں ایک لوہے کی سلاخ حلق سے سینے تک ہے جس سے میں سجدہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے روتا ہوں۔ فرمایا اے فرزند وہ سلاخ نہیں وہ تیر ہے جو میں نے تیرے سینے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے شب قدر وغیرہ کچھ نہیں۔ عرض کی حضور میری تشفی کے لیے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تدریجاً سمیٹو۔ سمیٹنا شروع کیا، جتنا سمیٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل بہ ظلمت ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھیرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور و غل ہونے لگا حضرت مجھے چھوڑیئے میں جاتا ہوں۔ تب ان مرید کی تشفی ہوئی (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت بچھتا ہے، شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے، کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں، کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے سب کی سنیں۔ کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگا لیا اور کہا انت انت تو نے کام کیا، اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔ ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کونسی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین مخفی رہے اور یہ انسان کی شکل بن کر رستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے۔

راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا' السلام علیکم' وعلیکم السلام حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد صاحب نے فرمایا جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات وارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا کہاں آسمان و زمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا بس یہی پوچھنا تھا تشریف لے جایئے اور شیاطین سے کہا دیکھو اس کی راہ ماردی' اس کو اللہ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں عبادت کس کام کی۔طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم' وعلیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔انہوں نے فرمایا جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔اس نے وہی سوال کیا۔فرمایا ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان و زمین داخل کر دے۔ان اللہ علی کل شیء قدیر عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد شیاطین سے بولا' دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے۔

(ملفوظات حصہ سوم ص ۲۷۱-۲۶۹' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اپنے آپ کو عالم کہنے یا جنتی کہنے کی تحقیق

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا جس شخص نے کہا کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور جس شخص نے کہا میں جاہل ہوں وہ بھی جاہل ہے اور جس شخص نے کہا میں جنت میں ہوں' وہ دوزخ میں ہے اور جس نے کہا میں دوزخ میں ہوں وہ بھی دوزخ میں ہے۔

(المعجم الصغیر ج ا ص ۱۲۰' رقم الحدیث: ۶۷۱' احیاء العلوم ج ا ص ۱۲۰' حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن ابی عطاء الثقفی ہے اس کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا' اور کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے' اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے اس کے باوجود یہ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یا کسی صحابی کا اثر نہیں ہے بلکہ تابعی کا قول ہے اور یہ حدیث مقطوع ہے۔مجمع الزوائد ج ا ص ۱۸۶)

ہر چند کہ یہ قول ضعیف ہے' علامہ سیوطی نے اس کو باطل اور موضوع قرار دیا ہے تاہم اپنے آپ کو یا کسی اور کو بغیر کسی قطعی دلیل کے جنتی یا دوزخی کہنا جائز نہیں ہے' جنت اور دوزخ میں ہونے کا علم بغیر وحی کے نہیں ہو سکتا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے یا کسی اور کے متعلق اپنی عقل سے قطعی طور پر شرعاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی ہے' حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب انصار نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھنے کے لیے قرعہ اندازی کی تو حضرت عثمان بن مظعون کو رکھنے کے لیے ہمارے نام قرعہ نکلا' پس حضرت عثمان بن مظعون ہمارے گھر میں رہے' وہ بیمار ہو گئے تو ہم نے ان کا علاج کیا حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے ان کو ان کے کپڑوں میں لپیٹ دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابو السائب! تم پر اللہ کی رحمت ہو' میری تمہارے متعلق شہادت ہے کہ تم کو اللہ نے عزت دی ہے تو مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کس نے بتایا کہ ان کو اللہ نے عزت دی ہے! میں نے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' یا رسول اللہ! میں اپنی عقل سے نہیں جانتی۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے عثمان تو اللہ کی قسم ان کے پاس یقین آچکا ہے' اور میں ان کے لیے نیک توقع رکھتا ہوں اور اللہ کی قسم! میں از خود' اپنی عقل سے نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا (یعنی میں بغیر وحی کے نہیں جانتا اور وحی کے ذریعہ مجھے اپنے جنتی ہونے اور دوسرے مسلمانوں کے جنتی ہونے کا علم الیقین ہے۔) حضرت ام العلاء کہتی ہیں پس اللہ کی قسم میں نے اس کے بعد کبھی کسی کی ایسی تعریف اور ستائش نہیں کی (کہ فلاں شخص جنتی ہے) اور مجھے اپنے اس قول نے غمزدہ کیا۔حضرت ام العلاء کہتی ہیں کہ پھر میں سوگئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان کے لیے ایک چشمہ جاری ہے' میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ خواب سنایا تو آپ نے فرمایا یہ چشمہ ان کا عمل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۰۰۴)

اس سے پہلے ہم نے علم کے متعلق یحیٰی بن ابی کثیر کا قول نقل کیا تھا لیکن اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۴۳۳ رقم الحدیث: ۶۸۴۲، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے، قرآن مجید میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ (یوسف: ۵۵) میں بہت حفاظت کرنے والا اور بہت جاننے والا ہوں۔ اسی طرح حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت معاویہ اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں عالم ہوں۔ حافظ سیوطی نے متعدد شواہد اور دلائل سے اس حدیث کے متن اور سند کو باطل قرار دیا ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۹-۷، مطبوعہ لائل پور)

من عرف نفسه فقد عرف ربه کے حدیث ہونے کی تحقیق

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا:

من عرف نفسه فقد عرف ربه. جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عرف عام میں یہ قول بہ طور حدیث کے مشہور ہے اس لیے ہم یہاں یہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ حدیث ہے یا نہیں!

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ اس قول کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ یہ یحیٰی بن معاذ الرازی کا قول ہے، علامہ نووی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے، اس کی تاویل میں یہ کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کے حادث ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے قدیم ہونے کو پہچان لیا اور جس نے اپنے نفس کے فانی ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے باقی ہونے کو پہچان لیا۔

(المقاصد الحسنۃ ص ۴۱۶، رقم الحدیث: ۱۱۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا یہ غیر ثابت ہے، ابن السمعانی نے کہا یہ یحیٰی بن معاذ الرازی کے کلام سے ہے۔

(الدرر المنتشرہ ص ۲۵۸، رقم الحدیث: ۴۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد طاہر بن علی پٹنی الہندی المتوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه ثابت نہیں ہے، ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے، اور یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہا ہے، مقاصد میں مذکور ہے یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، یہ یحیٰی بن معاذ کا قول ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے، السمعانی نے کہا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، اس کے متعلق حکایت کی جاتی ہے کہ یہ یحیٰی بن معاذ رازی کا قول ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ورنہ اس کا معنی ثابت ہے، اس کا معنی یہ

ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کے جہل کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے علم کو پہچان لیا' اور جس نے اپنے نفس کی فنا کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو پہچان لیا' اور جس نے اپنے نفس کے ضعف اور عجز کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی قوت اور قدرت کو پہچان لیا۔ (الاسرار المرفوعۃ ص ۲۳۸' رقم الحدیث: ۹۳۷' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے اور اس سے پہلے علامہ نووی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے' ابو المظفر بن السمعانی نے القواطع میں کہا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے' اس قول کو یحییٰ بن معاذ الرازی سے نقل کیا جاتا ہے' ابن الفرس نے علامہ نووی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا لیکن صوفیہ کی کتابیں اس قول سے بھری ہوئی ہیں وہ اس کو بہ طور حدیث لکھتے ہیں جیسے شیخ محی الدین بن عربی وغیرہ اور ہمارے شیخ حجازی جو الجامع الصغیر کے شارح ہیں' انہوں نے کہا شیخ محی الدین بن عربی کا بھی حفاظ میں شمار کیا جاتا ہے' اور بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ شیخ محی الدین بن عربی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہر چند کہ بہ طریق روایت ثابت نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہ طریق کشف یہ حدیث صحیح ہے' علامہ سیوطی نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: **القول الاشبہ فی حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** اور علامہ ماوردی کی کتاب ''ادب الدین والدنیا'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے رب کو پہچاننے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ اپنے نفس کو پہچاننے والا ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۲' رقم الحدیث: ۲۵۳۲' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے معانی اور محامل

علامہ العجلونی نے حافظ سیوطی کے جس رسالہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کے ضعف اور اللہ کی طرف محتاج ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی قوت' ربوبیت' کمال مطلق اور صفات علیہ کو پہچان لیا۔ شیخ تاج الدین نے لطائف المنن میں کہا کہ شیخ ابو العباس المرسی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دو تاویلیں ہیں۔ (۱) جس شخص نے اپنے نفس کی ذلت' عجز اور افتقار کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی عزت' قدرت اور غنا کو پہچان لیا پس پہلے اپنے نفس کی معرفت ہوگی پھر اپنے رب کی معرفت ہوگی (۲) جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچان چکا ہے' پس پہلا سالکین کا حال ہے اور دوسرا مجذوبین کا حال ہے۔ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے مخلوق کے ساتھ معاملات میں اپنے نفس کی صفات کو پہچان لیا کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے افعال پر اعتراض کیا جائے اور تمہارے کاموں کی مذمت کی جائے تو تم بھی اللہ کی قضا اور قدر پر اعتراض نہ کرو اور تقدیر پر راضی ہو جاؤ اور اللہ کے ساتھ وہی معاملہ کرو جس کو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

شیخ عز الدین نے کہا مجھ پر اس حدیث کا راز ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس روح لطیف کو اس جسم کثیف میں رکھا ہے' اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربانیت پر کئی وجہ سے دلائل ہیں:

(۱) یہ ہیکل انسانی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے اور اس کا مدبر اور محرک اس کی روح ہے' اس سے ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا بھی مدبر اور محرک ہونا ضروری ہے۔

(۲) جب اس ہیکل انسانی کا مدبر واحد ہے اور وہ اس کی روح ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا مدبر بھی واحد ہے: جیسا

کہ قرآن مجید میں ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا عبادت کے مستحق ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴۲)

آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور بھی عبادت کے مستحق ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک ضرور مالک عرش کی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (المومنون: ۹۱)

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا' نہ اس کے ساتھ کوئی اور عبادت کا مستحق ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ہر معبود دوسرے پر غالب ہونے کی کوشش کرتا اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ اس کے لیے بیان کرتے ہیں۔

(۳) جبکہ یہ جسم صرف روح کے ارادہ اور اس کی تحریک سے حرکت کرتا ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا بھی کوئی محرک ہے جس کے ارادہ اور اس کی قضا اور اس کی تقدیر سے اس جہان کا نظام چل رہا ہے۔

(۴) جبکہ اس جسم کی کوئی چیز روح کے علم اور اس کے شعور کے بغیر حرکت نہیں کرتی تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کی ہر حرکت کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے خواہ وہ چیز زمین میں ہو یا آسمان میں۔

(۵) جبکہ روح جسم کے سب سے زیادہ قریب ہے تو ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس جہان کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

(۶) روح اس جسم کے موجود ہونے سے پہلے تھی اور اس جسم کے معدوم ہونے کے بعد بھی رہے گی تو ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس جہان کو پیدا کرنے سے پہلے بھی تھا اور اس جہان کے فنا ہونے کے بعد بھی رہے گا۔

(۷) روح اس جسم میں کس کیفیت سے ہے اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کیفیت سے پاک اور برتر اور منزہ ہے۔

(۸) روح جسم میں ہر جگہ موجود ہے' لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ جسم میں کس جگہ ہے اور کس کیفیت سے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس جہان میں ہر جگہ موجود ہے لیکن وہ زمان' مکان اور کیفیت سے منزہ ہے۔

(۹) جس طرح روح جسم میں ہے لیکن وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی اور نہ اس کی کوئی مثال اور صورت ہے اسی طرح اللہ اس جہان میں ہے لیکن آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور نہ اس کی کوئی مثال اور صورت ہے۔

(۱۰) جبکہ جسم میں روح ہے لیکن اس کا حواس خمسہ سے ادراک نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ اس جہان میں ہے لیکن اس کا حواس خمسہ سے ادراک نہیں ہوتا۔

یہی معنی اس حدیث کا ہے جس نے اپنے نفس کو ان وجوہ سے پہچان لیا اس نے ان وجوہ سے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اس حدیث کی تفسیر ایک اور طریقہ سے بھی ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی صفات کو پہچان لیا تو وہ جان لے گا کہ اس کے رب کی صفات اس کی صفات کے برعکس ہیں' مثلاً جس نے جان لیا کہ اس کا نفس فانی ہے تو وہ جان لے گا کہ اس کا رب باقی ہے' اور جس نے جان لیا کہ اس کا نفس جفا کرنے والا اور خطا کرنے والا ہے تو وہ جان لے گا کہ اس کا رب وفا کرنے والا اور عطا کرنے والا ہے' اور جس طرح کوئی شخص اپنے نفس (روح) کی حقیقت کو نہیں جان سکتا اسی طرح وہ اپنے رب کی حقیقت

کونہیں جان سکتا گویا کہ اس حدیث میں ایک محال کو دوسرے محال پر معلق کیا ہے پس وہ روح جو تمہارے جسم کے اندر ہے جب تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے تو اپنے رب کی حقیقت کو کیسے جان سکتے ہو۔

علامہ قونوی نے شرح التعرف میں اس کو مزید وضاحت سے لکھا ہے کہ اس حدیث میں محال کو محال پر معلق کیا ہے کیونکہ روح کی حقیقت کی معرفت محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل: ۸۵) آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے' علماء نے روح کی تعریف میں ستر سے زیادہ اقوال ذکر کیے ہیں اور کسی ایک تعریف پر ان کا اتفاق نہیں ہے تو اس حدیث میں اس پر تنبیہ کی ہے کہ جب تم روح کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہو جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ تمہارے سب سے زیادہ قریب ہے تو پھر تم اپنے خالق کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتے ہو' سو اس لیے فرمایا جس نے اپنے نفس کی حقیقت کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی حقیقت کو پہچان لیا یعنی جس طرح اپنے نفس کی حقیقت کو پہچاننا محال ہے اسی طرح اپنے رب کی حقیقت کو پہچاننا محال ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴۱ - ۲۳۸' مطبوعہ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ' لائل پور)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو عظیم علم عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ان دونوں نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (النمل: ۱۵)　　تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

کسی شخص کا اپنے قلب' اپنے فعل یا اپنے قول سے منعم کی تعظیم کا اظہار کرنا اس کا شکر کہلاتا ہے' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے اپنے اس قول سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی اور ان کا اس قول سے اللہ کی تعظیم کرنا دل سے اللہ کی تعظیم کرنے اور اپنے افعال سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو بھی مستلزم ہے اور یہی کامل شکر ہے۔ دل سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمالیہ کا اعتقاد ہو اور زبان سے اس کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کی جائے اور اس کی نعمتوں کا ذکر کیا جائے اور افعال سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ کام کیے جائیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے۔

شکر کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر نعمتیں عطا کی ہیں ان تمام نعمتوں کو ان مقاصد میں صرف کیا جائے جن مقاصد کے لیے وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں مثلاً زبان اس لیے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ثناء کرے' عام مسلمانوں کی خیر خواہی کرے' نیک اور اچھی باتیں کرے اگر وہ اس طرح کرے گا تو وہ زبان کا شکر ادا کرے گا۔ اگر وہ خاموش رہے گا اور اس طرح کا کلام نہیں کرے گا تو وہ زبان کی ناشکری کرے گا اور اگر وہ زبان سے بدکلامی کرے گا' مسلمانوں کی دل آزاری کرے گا' ظالمانہ احکام جاری کرے گا' دین کو نقصان پہنچانے کی باتیں کرے گا تو وہ زبان کا کفر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں نعمت علم کی خصوصیت

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے کہا اللہ نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے' یہ نہیں کہا کہ اس نے اپنے سب بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے اگرچہ ان کو بہت لوگوں سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے' اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تواضع اور انکسار کو اختیار کیا' کیونکہ جب کوئی شخص یہ کہے گا کہ مجھے سب سے زیادہ علم دیا گیا ہے تو اس

میں ایک گونہ افتخار اور تعلی کا پہلو نکلتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کبر اور بڑائی کے شائبہ سے بھی دور رہتے ہیں۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تھیں' حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت پر فتح عطا فرمائی' ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا' ان کو حسن صوت عطا فرمایا' زبور عطا فرمائی' لوہے کو ان کے ہاتھ پر نرم کر دیا اور بہت نعمتیں عطا فرمائیں' اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی' پرندوں کی بولیاں سکھائیں' حکومت عطا فرمائی' جنات کو ان کے تابع کر دیا اور کثیر انعامات کیے لیکن انہوں نے نعمتوں کا شکر ادا کرتے وقت جس نعمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا وہ علم کی نعمت ہے۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطلقاً علم کی نعمت عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے' لیکن ایسا نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم باقی علوم سے اشرف اور اعلیٰ ہے' اس کے بعد احکام شرعیہ کا علم ہے' اور یہ علوم دیگر مومنین کو بھی حاصل ہیں لیکن ہر ایک کا علم اپنے درجہ اور مقام کے اعتبار سے ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہوتے ہیں' ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوتا اور ان کا دل کسی آن اور کسی لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے' اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے' اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے O (النمل: ۱۶)

وراثت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الایراث: الابقاء للشئی کسی چیز کو باقی رکھنا' یورث ای یبقی میراثا کسی چیز کو بہ طور میراث باقی رکھنا' کہا جاتا ہے اور ثہ العشق هما عشق نے اس کو غم کا وارث بنا دیا' اور ثته الحمی ضعفا بخار نے اس کو کمزوری کا وارث بنا دیا۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۴۲' مطبوعہ ایران' ۱۴۱۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الوارث اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اس کا معنی ہے باقی اور دائم' وانت خیر الوارثین الانبیاء: ۸۹' یعنی تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد تو باقی رہنے والا ہے' کہا جاتا ہے ورثت فلانا مالا میں فلاں کے مال کا وارث ہوا' قرآن مجید میں ہے:

فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ. (مریم: ۶-۵)

تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا (بھی) وارث ہو اور یعقوب کی آل کا (بھی) وارث ہو۔

ابن سیدہ نے یہ کہا کہ وہ ان کا اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث ہو اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت زکریا کو یہ خوف تھا کہ ان کے رشتہ دار ان کے مال کے وارث ہو جائیں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے' ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے' اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وورث سلیمان داود (النمل: ۱۶) اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے' الزجاج نے کہا وہ ان کے ملک اور ان کی نبوت کے وارث ہوئے' روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے' ان میں سے صرف حضرت سلیمان ان کی نبوت اور ان کے ملک کے وارث ہوئے اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے:

اللھم متعنی بسمعی و بصری و اجعلھا الوارث منی. اے اللہ میرے کانوں اور میری آنکھوں سے مجھ کو نفع دے اور ان کو میرا وارث بنا دے۔

(المستدرک ج ا ص ۵۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۸)

ابن شمیل نے کہا اس کا معنی ہے میرے کانوں اور میری آنکھوں کو تاحیات صحیح اور سلامت رکھ اور ایک قول یہ ہے کہ جب بڑھاپے میں قویٰ نفسانیہ مضمحل ہو جاتے ہیں تو میری سماعت اور بصارت کو باقی رکھنا پس سماعت اور بصارت تمام قوتوں کے بعد باقی رہیں اور ان کی وارث ہو جائیں۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۲۰۱-۱۹۹، ملخصاً، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران، ۱۴۰۵ھ)

علامہ الحسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

وراثت کی تعریف یہ ہے:

انتقال قنیۃ الیک عن غیرک من غیر عقد ولا مایجری العقد. غیر کی کمائی کا تمہاری طرف بغیر کسی عقد یا قائم مقام عقد کے تمہاری طرف منتقل ہونا۔

اسی وجہ سے میت کی جو کمائی وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے اس کو میراث کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اثبتوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث ابیکم. تم اپنے مشاعر (میدان عرفات) پر ثابت قدم رہو کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم کے وارث ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۱۹، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۱، المستدرک ج ا ص ۴۶)

قرآن مجید میں ہے **وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ** (مریم: ۶) یعنی وہ نبوت، علم اور فضیلت کا وارث ہوگا نہ کہ مال کا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے نزدیک مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے حتیٰ کہ وہ اس میں رغبت کریں، وہ بہت کم مال جمع کرتے ہیں اور اس کے مالک ہوتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳) اور آپ کا ارشاد ہے: علماء انبیاء کے وارث ہیں (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی وارث فرمایا ہے کیونکہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہیں **وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (آل عمران: ۱۸۰) "اللہ ہی کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کی میراث ہے" اور کوئی شخص جب کسی سے علم کا استفادہ کرے تو کہا جاتا ہے میں اس سے وارث ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَرِثُوا الْكِتٰبَ** (الاعراف: ۱۶۹) "بعد کے لوگوں نے ان سے کتاب کو حاصل کیا **وَرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ** (الشوریٰ: ۱۴) "بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے" **ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا** (فاطر: ۳۲) "پھر ہم نے ان لوگوں کو الکتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا" کیونکہ وراثت حقیقیہ یہ ہے کہ انسان کو کوئی ایسی چیز حاصل ہو جس میں اس کے ذمہ نہ کوئی معاوضہ ہو نہ اس میں اس کا کوئی محاسبہ ہو اور جو اس طریقہ سے اس دنیا کو حاصل کرے گا اس سے نہ کوئی حساب لیا جائے گا نہ اس کو کوئی سزا دی جائے گی بلکہ اس کے لیے اس میں معافی اور درگزر ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے: قیامت کے دن اس شخص پر حساب آسان ہوگا جو دنیا میں اپنا حساب کرے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۹) (المفردات ج ۲ ص ۶۷۳-۶۷۲، ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ وراثت کا لغوی معنی ہے کسی کا کسی کے بعد باقی رہنا، اور اصطلاحی معنی ہے کسی چیز کا ایک شخص سے

دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا' خواہ مال کا انتقال ہو یا ملک کا یا علم اور نبوت کا انتقال ہو یا فضائل اور محاسن کا' اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان تمام معانی کے اعتبار سے وراثت کا استعمال کیا گیا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے کیونکہ انبیاء کے نزدیک مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ وہ مال کو جمع کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث کرتے ہیں اور ان کی جو اولاد ان کی وارث ہوتی ہے' وہ علم اور نبوت میں ان کی وارث ہوتی ہے' اور اہل تشیع کے نزدیک چونکہ حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے باغ فدک کی وارثہ تھیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام مال جمع کرتے ہیں اور مال کا وارث بناتے ہیں' اس لیے سنی مفسرین کے نزدیک وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: ۱۶) کا معنی ہے حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے علم' ملک اور نبوت کے وارث ہوئے اور شیعہ مفسرین کے نزدیک اس کا معنی ہے حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث ہوئے۔ سو ہم اس آیت کی تفسیر پہلے سنی مفسرین سے نقل کریں گے پھر شیعہ مفسرین سے نقل کریں گے پھر اس مسئلہ میں سنی ائمہ کی اور شیعہ ائمہ کی روایات احادیث پیش کریں گے پھر اخیر میں شیعہ مفسرین کے دلائل کے جوابات کا ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق

سنی مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان' حضرت داؤد کی نبوت اور علم کے وارث تھے نہ کہ مال کے

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی کس چیز کے وارث ہوئے' اس کے متعلق علامہ علی بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

اس میں تین قول ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا حضرت سلیمان' حضرت داؤد کی نبوت اور ان کے ملک کے وارث ہوئے' کلبی نے کہا حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے' اور صرف حضرت سلیمان کو ان کی وراثت کے ساتھ خاص کیا گیا کیونکہ یہ نبوت اور ملک کی وراثت تھی اگر یہ مال کی وراثت ہوتی تو اس وراثت میں ان کی تمام اولاد برابر کی شریک ہوتی۔

(۲) ربیع نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی جنات اور ہواؤں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔

(۳) ضحاک نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی زندگی میں حضرت سلیمان کو بنی اسرائیل پر خلیفہ بنا دیا تھا' اور اس وراثت سے مراد ان کی یہی ولایت ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ علماء دین میں انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی التوفی ۵۱۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان حضرت داؤد کی نبوت' ان کے علم اور ان کے ملک کے وارث ہوئے' نہ کہ ان کی باقی اولاد' حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے' حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کا ملک عطا کیا گیا اور ہواؤں اور جنات کی تسخیر ان کو زیادہ دی گئی' مقاتل نے کہا حضرت سلیمان کا ملک حضرت داؤد کے ملک سے زیادہ تھا اور وہ ان سے اچھا فیصلہ کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد حضرت سلیمان سے زیادہ عبادت گزار تھے اور حضرت سلیمان ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ اس میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر یہاں مال کی وراثت مراد ہوتی تو پھر اس کے بعد یایھا الناس علمنا منطق الطیر کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب اس سے مراد نبوت اور ملک کی وراثت ہو تو یہ کلام عمدہ ہے کیونکہ پرندوں کی بولی کا سکھانا بھی علوم نبوت کے ساتھ مربوط اور متصل ہو گا جبکہ مال کے وارث کا پرندوں کی بولی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے' اسی طرح واوتینا من کل شیء ''ہمیں ہر چیز سے دیا گیا'' یہ بھی ملک کی وراثت کے ساتھ مربوط ہو گا اور مال کے وارث کا اس کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے' اسی طرح اس کے بعد فرمایا ان ھذا لھو الفضل المبین ''اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے'' اس فضل کا تعلق بھی علم اور نبوت کی وراثت سے ظاہر ہے اور مال کے وارث کا فضیلت والا ہونا ظاہر نہیں ہے کیونکہ مال کا وارث تو کامل شخص بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی' نیک بھی اور بدکار بھی' اسی طرح اس کے بعد جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر کیا گیا اس کا ربط اور تعلق بھی اسی صورت میں ظاہر ہو گا جب اس وراثت سے مراد علم' نبوت اور ملک کی وراثت ہو نہ کہ مال کی وراثت مراد ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ' حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ' ان سب نے یہی لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام' علم' نبوت اور ملک میں حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے' کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے اور مال کی وراثت میں یہ سب برابر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے شریک تھے' اور اس آیت میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت' ان کے علم اور ان کے ملک کے وارث تھے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۱۵۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۵۳' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۹۴' دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' روح البیان ج ۶ ص ۴۲۰' دار احیاء التراث العربی' ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۵۵' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

شیعہ مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان' حضرت داؤد کے مال کے وارث تھے نہ کہ نبوت اور علم کے

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے' اب اس میں اختلاف ہے کہ وہ کس چیز کے وارث ہوئے' ہمارے اصحاب نے کہا کہ وہ مال اور علم کے وارث ہوئے اور ہمارے مخالفین نے کہا وہ علم کے وارث ہوئے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے' اور میراث کی حقیقت یہ ہے کہ گزرنے والے کی موت کے بعد اس کا ترکہ اس کے رشتہ داروں میں سے کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیا جائے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اعیان (ٹھوس مادی چیزوں مثلاً مال و دولت' زمین اور ساز و سامان وغیرہ) کو منتقل کیا جائے اور میراث کا لفظ جب علم کے معنی میں استعمال کیا جائے گا تو وہ مجاز ہو گا اور انہوں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کے عام کو خاص کرنا جائز ہے اور نہ اس کو منسوخ کرنا جائز ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے اور ان میں سے صرف حضرت سلیمان کو وارث بنایا گیا اگر اس آیت میں مال کی وراثت مراد ہوتی تو اس میں تمام بیٹے شریک ہوتے نہ کہ صرف حضرت سلیمان' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز بھی خبر واحد سے ثابت ہے سو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۸۳-۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

شیعہ مفسرین کے دلائل کے جوابات

شیخ طوسی کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ میراث کا لفظ عام ہے اور اہل سنت نے اس کو علم' نبوت اور ملک کی وراثت کے ساتھ خاص کر لیا ہے' اور قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل علماء شیعہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس وراثت کو مال کے ساتھ خاص کر لیا ہے جبکہ وراثت عام ہے خواہ اس سے مال کا انتقال ہو یا علم' نبوت اور فضائل کا انتقال ہو' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مخصص عقل یا عرف ہو تو عام کی تخصیص جائز ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ (الانبیاء: ۳۵) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔

اس آیت کے عموم میں اللہ تعالیٰ شامل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر موت کا آنا محال ہے' اور اس کا مخصص عقل ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ (النمل: ۱۶) اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ٹینک' طیارے اور میزائل نہیں عطا کیے گئے تھے' اس کے لیے یہاں پر ''ہر چیز'' سے مراد ان کے زمانہ کی تمام چیزیں ہیں اور اس کا مخصص عرف ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا:

اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ (البقرہ: ۴۷) بے شک میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

اور ظاہر ہے بنی اسرائیل کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر فضیلت نہیں دی گئی تھی' سو یہاں بھی عرف اور عقل اس کا مخصص ہے اور مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی۔

اسی طرح قرآن مجید میں یہ آیت ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (المائدہ: ۵۵)

تمہارا ولی صرف اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اس آیت میں تمام ایمان والوں کو مسلمانوں کا ولی فرمایا ہے' لیکن علماء شیعہ نے اس آیت کو حضرت علی کی ولایت اور امامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ خود شیخ طوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی امامت بلا فصل پر واضح دلیل ہے۔

(التبیان ج ۳ ص ۵۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چھٹی صدی کے علماء شیعہ میں سے شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی نے بھی یہی لکھا ہے نیز انہوں نے لکھا ہے:

یہ آیت اس پر نص صریح ہے کہ ایمان والوں سے مراد حضرت علی ہیں اور یہ آیت ان کی امامت پر نص ہے اور اس آیت سے عموم مراد نہیں ہے اور یہ آیت حضرت علی کے ساتھ خاص ہے۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۳۲۶' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۶ھ)

اسی طرح السید محمد حسین الطباطبائی متوفی ۱۲۹۳ھ نے لکھا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (المائدہ: ۵۵) اور فان حزب الله هم الغلبون (المائدہ: ۵۶) یہ دونوں آیتیں عام نہیں ہیں' یہ دونوں آیتیں حضرت علی کے ساتھ خاص ہیں اور یہ چیز سنی اور شیعہ کی بہ کثرت روایات سے ثابت ہے۔

(المیزان ج ۶ ص ۵' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۶۲ھ)

حالانکہ ان دونوں آیتوں میں الذین امنوا اور حزب اللہ کے الفاظ عام ہیں لیکن علماء شیعہ نے روایات کی بنا پر ان کو خاص کرلیا ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (المائدۃ: ٦٧)

اے رسول! آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے (بالفرض) ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا' اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائے گا۔

اس آیت میں لفظ ''ما'' عام ہے یعنی جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا یعنی تمام احکام شرعیہ اور تمام خبریں آپ پر امت کو پہنچانی ضروری ہیں لیکن علماء شیعہ نے اس آیت کو حضرت علی کی خلافت کے ساتھ خاص کرلیا ہے۔

شیخ طوسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ بنائیں' اور آپ اس سے ڈرتے تھے کہ آپ کے اصحاب پر یہ دشوار ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ بہادری سے اللہ کا یہ حکم سنائیں۔

(التبیان ج ۳ ص ۵۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کے متعلق تبلیغ کریں سو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر کہا میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں' اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھ' اور حضرت ابو جعفر اور حضرت ابوعبداللہ سے مشہور روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ بنائیں۔

(مجمع البیان ج ۴ ص ۳۴۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۶ھ)

ان آیات میں قرآن مجید کے لفظ عام کو خاص کرنے کے باوجود شیخ طبرسی اور شیخ طباطبائی نے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: ١٦) کی تفسیر میں لکھا ہے اس سے مراد حضرت سلیمان کو مال کا وارث بنانا ہے اور علم اور نبوت کا وارث بنانا مراد نہیں ہے۔

(مجمع البیان ج ۷ ص ۳۳۴' المیزان ج ۱۵ ص ۳۸۲' مطبوعہ طہران' ۱۳۶۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں کتاب کا وارث بنانے کا ذکر ہے اور وہاں مال کا وارث بنانے کو مراد نہیں لیا جاسکتا:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ (الاعراف: ١٦٩)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ (فاطر: ٣٢)

پھر ہم نے ان لوگوں کو الکتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا۔

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۔ (المومن: ٥٣)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ (الشوریٰ: ١٤)

بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ اس کی طرف سے زبردست شک میں ہیں۔

علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایات ائمہ اہل سنت

ایک طویل حدیث میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم مورث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۷۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص علم کو طلب کرنے کے لیے کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ کی طرف لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر رکھتے ہیں اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں عالم کے لیے مغفرت طلب کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی، اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نہ دینار کا وارث کرتے ہیں نہ درھم کا وہ صرف علم کا وارث کرتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸، مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۲۳، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۹)

علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایاتِ ائمہ شیعہ

شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی المتوفی ۳۲۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو البختری بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، کیونکہ انبیاء نہ درہم کا وارث کرتے ہیں نہ دینار کا، وہ اپنی احادیث میں سے احادیث کا وارث کرتے ہیں، پس جس شخص نے ان سے کسی چیز کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔ الحدیث۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۲، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۸۸ھ)

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ علم میں وراثت ہوتی ہے، اور جب بھی کوئی عالم فوت ہوتا ہے تو وہ علم میں اپنا جیسا چھوڑ جاتا ہے۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ ایران، ۱۳۸۸ھ)

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک روئے زمین پر سب سے پہلے وصی ھبۃ اللہ بن آدم تھے اور جو نبی بھی گزرے ان کا ایک وصی ہوتا تھا، اور تمام انبیاء ایک لاکھ بیس ہزار تھے، ان میں سے پانچ اولوالعزم نبی تھے نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور بے شک علی بن ابی طالب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھے۔ وہ تمام اولیاء کے علم کے وارث ہوئے، اور اپنے سے پہلوں کے علم کے وارث ہوئے، اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سے پہلے انبیاء اور مرسلین کے علم کے وارث تھے۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۴، دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۸۸ھ)

المفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا کہ بے شک سلیمان داؤد کے وارث ہوئے، اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں اور بے شک ہمارے پاس تورات، انجیل اور زبور کا علم ہے۔ الحدیث (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۵-۲۲۴، ایران)

ابو بصیر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک داؤد انبیاء علیہم السلام کے علم کے وارث تھے، اور بے

شک سلیمان داؤد کے وارث تھے' اور بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان کے وارث تھے اور بے شک ہم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور بے شک ہمارے پاس حضرت ابراہیم کے صحائف ہیں اور حضرت موسیٰ کی الواح ہیں۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۴' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۸۸ھ)

ان تمام دلائل سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث بناتے ہیں مال کا وارث نہیں بناتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام کے علم' ان کے فضائل' ان کے ملک اور ان کی نبوت کے وارث تھے' اور اس آیت میں اسی وراثت کا ذکر ہے' ان کے مال کی وراثت کا ذکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے' اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے ○ (النمل: ۱۶)

تحدیث نعمت (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا فخر اور تکبر کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس کی تشہیر کے لیے تھا' اور آپ نے اپنے معجزات کا ذکر کیا تا کہ آپ لوگوں کو اپنے ان معجزات کی وجہ سے اپنی نبوت کی تصدیق کی دعوت دیں' بعض علماء نے کہا آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا کیا نعمتیں دی ہیں تا کہ مومنوں کا اس پر زیادہ ایمان ہو اور منکروں کے خلاف حجت قائم ہو' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ (الضحیٰ: ۱۱) اور آپ بہر حال اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر اور اظہار فرمایا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ حجرے سے باہر آئے اور ان کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننے لگے' ان میں سے بعض نے کہا تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا' ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں' اور دوسرے نے کہا حضرت آدم صفی اللہ ہیں' آپ نے ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب کو سنا کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں' وہ اسی طرح ہیں' اور موسیٰ نجی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں وہ اسی طرح ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور سنو! میں حبیب اللہ ہوں اور فخر نہیں! اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں! اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت قیامت کے دن سب سے پہلے قبول کی جائے گی' اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کو کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ میرے لیے (ان کو) کھول دے گا اور مجھ کو اس میں داخل کر دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں سب سے مکرم ہوں اور فخر نہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۷۰۰۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جمع کے صیغہ کے ساتھ کہا ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے سلاطین اور حکام اپنے آپ کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس میں تکبر اور تجبر نہ تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان کا ارادہ یہ تھا کہ ان کو اور حضرت داؤد علیہ السلام دونوں کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے' کیونکہ امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام دو دن جانوروں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے اور ایک دن انسانوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے ایک دن ایک گائے نے آکر ان کے دروازے کے حلقہ میں اپنا سینگ رکھا پھر اس طرح بولی جس طرح ماں اپنے بچہ سے بولتی ہے اس نے کہا جب میں جوان تھی تو یہ مجھ سے بچے نکلواتے تھے اور مجھ سے اپنے کام لیتے تھے اب جب میں بوڑھی ہو گئی ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں! پھر حضرت داؤد نے کہا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اس کو ذبح نہ کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۱۸۹)

نطق اور منطق کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام لغت خلیل بن احمد الفراھیدی التوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الناطق کے معنی ہیں فصاحت اور بلاغت سے بولنے والا' الکتاب الناطق کے معنی ہیں واضح کتاب' ہر چیز کے کلام کو منطق کہتے ہیں' کمر کے باندھنے کے پٹکے یا پٹی کو منطق' النطاق یا منطقہ کہتے ہیں۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۸۰۷' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں۔

نطق کا معنی ہے وہ الگ الگ اور متمیز آوازیں جن کو انسان ظاہر اور صادر کرتا ہے اور کان ان کو سنتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ۝ (الصافات: ۹۲) تم کو کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں!

نطق کا اطلاق اور استعمال صرف انسان کے لیے کیا جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بالتبع کیا جاتا ہے' الناطق اور الصامت' الناطق سے مراد ہے جس کی آواز ہو اور الصامت سے مراد ہے جس کی آواز نہ ہو' حیوانات کو مطلقاً ناطق نہیں کہا جاتا' منطقی اس قوت کو نطق کہتے ہیں جس سے کلام صادر ہوتا ہے' نیز وہ معقولات کے ادراک کرنے والے کو ناطق کہتے ہیں اور وہ انسان کی تعریف حیوان ناطق کرتے ہیں یعنی ایسا جاندار جو غور وفکر کرتا ہو اور بولتا ہو' ان کے نزدیک نطق دو معنوں میں مشترک ہے' وہ قوت انسانیہ جس سے کلام صادر ہوتا ہے اور وہ کلام جو آواز سے صادر اور ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنطِقُونَ ۝ (الانبیاء: ۶۵) آپ کو معلوم ہے کہ یہ (بت) بولتے نہیں ہیں۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ بت بولنے والوں اور عقل والوں کی جنس سے نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ (النمل: ۱۶) ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اس آیت میں پرندوں کی آوازوں کو اس اعتبار سے نطق فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان ان آوازوں سے ان کی مراد کو سمجھتے تھے سو جس آواز سے کوئی شخص کسی معنی کو سمجھے خواہ وہ بولنے اور باتیں کرنے والا نہ ہو اس آواز کو نطق اور منطق اور اس آواز والے کو ناطق کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے' قیامت کے دن کہا جائے گا:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ط (الجاثیۃ: ۲۹) یہ ہے ہماری کتاب (صحیفہ اعمال) جو تمہارے سامنے سچ سچ بول رہی ہے (تمہارے اعمال کو ظاہر کر رہی ہے۔)

کتاب بھی ناطق ہے لیکن اس کے نطق کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں' جیسے کلام بھی کتاب ہے لیکن اس کا ادراک قوت

سامعہ کرتی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۴۲-۶۴۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

طیر کے معانی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ جانور جو ہوا میں اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہو اس کو طائر کہتے ہیں اور اس کی جمع طیر ہے، جیسے راکب کی جمع رکب ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ. (الانعام: ۳۸) اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہو۔

عرب پرندوں کو اڑا کر فال نکالتے تھے اگر پرندہ دائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس سے نیک شگون لیتے تھے اور اگر وہ بائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس سے برا شگون لیتے تھے، اس کو کہتے تھے تطیر فلان، پھر تطیر کے لفظ کا غالب استعمال بدشگونی میں ہونے لگا، قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط (الاعراف: ۱۳۱) اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی تو وہ (قوم فرعون) اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست کہتے۔

طائر کا اطلاق اعمال نامہ پر بھی کیا گیا ہے جیسے گلے کا ہار گلے کے ساتھ چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کا اعمال نامہ انسان کے گلے کے ساتھ چمٹا ہوا ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط (بنی اسرائیل: ۱۳) ہر انسان کے گلے میں اس کا اعمال نامہ لازم کر دیا گیا ہے۔

گرد و غبار کی طرح چاروں طرف پھیل جانے والی چیز کو مستطیر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ○ (الدھر: ۷) جو لوگ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۰۴-۴۰۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

چیونٹیوں اور بعض پرندوں کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چیونٹی نے انبیاء (سابقین) میں سے کسی نبی کے کاٹا، تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کی بستی کو جلا دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی ایک چیونٹی نے آپ کو کاٹا تھا تو آپ نے چیونٹیوں کی پوری نسل کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۶۶، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۱، سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۶۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا (موٹے سر سفید اور سبز پیٹھ کا ایک پرندہ جو چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے، حدیث میں اس کے لیے صرد کا لفظ ہے، اگر یہ جانور ضرر پہنچائیں تو ضرر سے بچنے کے لیے ان کو مارنا جائز ہے اور محض ان کو ایذا پہنچانے کے لیے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۰۶۷، دار الفکر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جاتے تو دور

جاتے تھے' ایک دن آپ کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھے اور آپ نے دونوں موزے اتار دیئے آپ نے ایک موزہ پہنا تھا کہ ایک پرندہ آکر دوسرے موزے کو اٹھا کر لے گیا' پھر وہ بلندی پر جا کر فضا میں چکر لگانے لگا تو اس میں سے سیاہ رنگ کا موذی سانپ نکلا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کرامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مکرم کیا ہے۔ اے اللہ! میں زمین پر دو پیروں کے ساتھ چلنے والوں کے شر سے اور پیٹ کے بل رینگنے والوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۰' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۷' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۹' سبل الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' آپ کسی کام سے گئے تو ہم نے ایک پرندہ دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے' ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا وہ پرندہ آکر تڑپنے لگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے فرمایا: اس پرندہ کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے پریشان کیا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کرو۔ پھر آپ نے دیکھا کہ ہم نے چیونٹیوں کی ایک بستی کو جلا دیا تھا' آپ نے پوچھا ان کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے کہا ہم نے! آپ نے فرمایا آگ کے رب کے سوا کسی کے لیے آگ سے عذاب دینا جائز نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے' حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے' اے ابو عمیر اس نغیر (بلبل) نے کیا کیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید مرغ میرا دوست ہے اور اللہ کے دشمنوں کا دشمن ہے' اپنے مالک کے گھر کی سات گھروں تک حفاظت کرتا ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۲۹۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۷۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۹۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۲۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سفید مرغ جس کی کلغی شاخ در شاخ ہو میرا دوست ہے اور میرے دوست کا دوست ہے جبریل اس کے گھر کی اور اس کے پڑوس کے سولہ گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔ چار دائیں' چار بائیں' چار آگے اور چار پیچھے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۲۹۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ا ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث ۳۵۲۷۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۹۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرغ نماز کی اذان دیتا ہے' جس نے سفید مرغ رکھا اس کی تین چیزوں سے حفاظت کی جائے گی۔ ہر شیطان کے شر سے' جادوگر سے اور کاہن سے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۱۷۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۲۹۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۸۸)

مرغ کے متعلق ان تینوں احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کبوتروں کو اپنے گھروں میں رکھو کیونکہ یہ جنات کو تمہارے بچوں سے دور رکھتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۹۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مریم بنت عمران نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو ایسا رزق کھلائے جس میں گوشت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹڈی کھلائی۔ حضرت مریم نے دعا کی اے اللہ! اس کو بغیر دودھ پیے زندہ رکھ۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۵۸' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۴۱' رقم الحدیث: ۷۶۳۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۷۸۳۷' ج ۳ ص ۱۳۷' کنز العمال رقم

الحدیث: ۳۵۲۹۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں یزید القیسی کو میں نہیں پہچانتا اس کے باقی راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۹)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں کو پہننے کے لیے منگایا۔ آپ نے ایک موزہ پہنا تھا کہ ایک کوا آیا وہ دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اس نے (اوپر جا کر) اس موزہ کو پھینکا تو اس میں سے ایک سانپ نکلا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ موزوں کو جھاڑے بغیر نہ پہنے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۶۲۰، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں ج ۵ ص ۱۴۰، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۹، سبل الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانہ میں ایک پرندہ پیدا کیا جس کو العنقاء کہا جاتا تھا، حجاز کے شہروں میں اس کی نسل بہت زیادہ ہو گئی وہ بچوں کو جھپٹ کر لے جاتا تھا لوگوں نے اس زمانہ کے نبی حضرت خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی یہ حضرت عیسیٰ کے بعد بنی عبس سے ظاہر ہوئے تھے انہوں نے اس کے خلاف دعا کی تو اس کی نسل منقطع ہو گئی۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۷۳۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۹۶) (یہ حدیث معلل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا۔)

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا پرندوں کی باتیں سمجھنا

شیخ ابو محمد روز بہان بن ابی النصر البقلی الشیرازی المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازیں اور کائنات کی حرکتیں یہ سب اللہ سبحانہ کے انبیاء اور مرسلین اور عارفین اور صدیقین اور محبین کے لیے خطابات ہیں جن کو وہ اپنے مقامات اور احوال کے اعتبار سے سمجھتے ہیں۔ پس انبیاء اور مرسلین محض پرندوں کی بولیوں سے ان کے معانی اور مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اور اس چیز کا ولی کے لیے واقع ہونا بھی ممکن ہے، لیکن اکثر اولیاء پرندوں کی آوازوں سے ان چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں جو ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں الہام کرتا ہے، نہ یہ کہ وہ ان کی لغات کو بعینہٖ جانتے ہیں۔

ابو عثمان المغربی نے کہا جو شخص تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ اس سے ہر چیز سمجھتا ہے، اور ہر چیز سے اس کو سمجھتا ہے سو اس کو پرندوں کی آوازوں سے اور دروازوں کی چرچراہٹ سے بھی اللہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جیسے عام لوگوں کو طبل کی آواز سے قافلہ کی روانگی کا علم ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور اور خواص کو پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازوں سے معانی اور مطالب پر مطلع فرماتا ہے۔

مقاتل نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک پرندہ بولتا ہوا گزرا، انہوں نے اہل مجلس سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ یہ پرندہ جو ابھی گزرا تھا اس نے کیا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ہی بہتر جانتے ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اس پرندہ نے کہا ہے: اے بنی اسرائیل کے بادشاہ! آپ پر سلام ہو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت عطا فرمائی ہے اور آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا ہے، میں اپنے بچوں کے پاس جا رہا ہوں، پھر دوبارہ آپ کے پاس سے گزروں گا، آپ نے فرمایا وہ دوبارہ گزرے گا تم اس کا انتظار کرو، کافی دیر انتظار کے بعد وہ پھر دوبارہ گزرا اس نے آپ کو سلام کیا اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو کھلا پلا کر آیا ہے۔ اس قسم کی امثال حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت معروف ہیں۔ (عرائس البیان ج ۲ ص ۱۱۲-۱۱۱، مطبوعہ المطبع العالی المنشی نو الکشور)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیوانوں کا باتیں کرنا اور آپ کی تعظیم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی آیا' اس نے ایک گوہ شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی وہ اس کو اپنے گھر پکانے کے لیے لے کر جا رہا تھا تاکہ اس کو کھائے' اس نے جو مسلمانوں کی جماعت کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ نبی ہیں! وہ لوگوں کو چیرتا ہوا مجلس میں آیا اور کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم' میرے نزدیک آپ سے زیادہ مبغوض اور کوئی نہیں ہے' اور اگر میری قوم مجھے جلد باز نہ کہتی تو میں آپ کو جلد قتل کر کے ہر سرخ و سفید کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے میں اس کو قتل کر دوں! آپ نے فرمایا اے عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ بردبار شخص نبی ہوتا ہے؟ پھر آپ نے اس اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہیں اس بات کی طرف کسی نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا لات اور عزیٰ کی قسم! میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لے آئے! اور آستین سے وہ گوہ نکال کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دی! آپ نے گوہ سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتی ہو؟ اس نے کہا: جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے' سمندر میں اس کا راستہ ہے اور جنت میں اس کی رحمت ہے' اور دوزخ میں اس کی سزا ہے۔ آپ نے پوچھا اے گوہ! میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں! اور خاتم النبیین ہیں' جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہو گیا' اس اعرابی نے کہا جس وقت میں آپ کے پاس آیا تھا تو میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں تھا' اور اب آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے اور آج آپ میرے نزدیک میرے والد سے' میری آنکھوں سے اور میری جان سے بڑھ کر محبوب ہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۷-۳۶' ملخصاً' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۷۸-۳۷۷' رقم الحدیث: ۲۷۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۲۶۰-۲۵۹' البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۵۴۵-۵۴۴' المعجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث: ۹۴۸' المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۵۹۹۳' مکتبۃ المعارف ریاض' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۹۹۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۶' الوفاء ص ۳۴۲' ۳۴۱' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۸-۱۰۷' دار الکتب العلمیہ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۱-۵۲۰)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی' اس نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے کھول دیجیے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں' میں پھر واپس آ جاؤں گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو ایک قوم نے شکار کیا ہے اور اس نے اس کو باندھا ہوا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہرنی سے حلف لیا اور اس کو کھول دیا' تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا' تھوڑی دیر بعد خیمہ والے آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مجھے ہبہ کر دو' انہوں نے آپ کو ہبہ کر دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔

ایک اور روایت حضرت زید بن ارقم سے ہے اس کے آخر میں ہے' حضرت زید بن ارقم نے کہا: پس میں نے دیکھا وہ جنگل میں اونچی آواز سے یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۵-۳۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۷۶-۳۷۵' رقم الحدیث: ۲۷۴' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۲۵۸-۲۵۷' البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۵۴۳' ۵۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۳۱' الوفاء ص ۳۴۱-۳۴۰' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۷' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۱' سبل

الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۰-۵۱۹)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ' جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان کے ہاں پیدا ہوا انہوں نے مجھ سے خوب کام لیا' اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے فرمایا:

مامن شیء فیھا الایعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس. اس دنیا میں ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوا فاسق جن اور انس کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱' البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۵۳۴' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۹' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۸۱-۳۸۰' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵-۹۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۲' سبل الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ نے آ کر آپ کو سجدہ کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۸۱' رقم الحدیث: ۲۷۸' مسند احمد ج ۶ ص ۷۶' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے' آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور انصار تھے' باغ میں ایک بکری تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا' حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! اس بکری کی بہ نسبت ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں' آپ نے فرمایا میری امت میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو سجدہ کرے' اور اگر کسی کے لیے کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۷۹' رقم الحدیث: ۲۷۶' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۰' سبل الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۱۶)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے اس کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ایک بلبل چہچہا رہا تھا اور اپنی دم ہلا رہا تھا' آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا وہ کہہ رہا ہے' میں نے آدھے پھل کھا لیے اور دنیا میں زیادتی ہے' اور ایک فاختہ بولنے لگی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی' اور مور بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے' اور ہدہد بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے: اے گنہ گارو! اللہ سے استغفار کرو' اور طیطوی (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز پرانی ہونے والی ہے' اور خطاف (لمبے بازو اور چھوٹے پاؤں والا سیاہ پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ نیکیاں بھیجو آخرت میں ان کو پاؤ گے اور رخمۃ (سیاہ رنگ کا گدھ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ **سبحان رب الاعلی ملء سمائہ وارضہ** (رب اعلیٰ کی تسبیح آسمان اور زمین کی پہنائی کے برابر) اور قمری بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ **سبحان رب الاعلیٰ** اور چیل بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اور القطاۃ (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا' اور طوطا بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا اور دنیا کی فکر کرنے والے کے لیے ہلاکت ہو' اور مرغ بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے غافلو! اللہ کا ذکر کرو' اور سفید گدھ بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے آدم! تو جب تک چاہتا ہے زندہ رہ بالآخر تجھے موت آئے گی' اور عقاب بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں سے دور رہنے میں انس ہے' اور مینڈک بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان ربی القدوس' اور چنڈول (کلغی والا پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ محمد

اور آل محمد سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرما' اور زرزور (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے ہر نئے دن کا رزق طلب کرتا ہوں' اور تیتر بولا تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے **الرحمٰن علی العرش استوی.**

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۵۷-۲۵۶ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس روایت کا امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے ذکر کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ص ۴۹۴-۴۹۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹنیاں قربانی کے لیے لائی گئیں' ان میں سے ہر اونٹنی آپ کے قریب ہونے لگی کہ آپ اس سے ذبح کی ابتداء کریں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵)

ایسے ہی موقع کے لیے کسی نے یہ شعر کہا ہے:

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف — بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

جنگل کے تمام ہرن اپنی اپنی ہتھیلیوں پر اپنے اپنے سر لیے پھر رہے ہیں' اس امید پر کہ وہ کسی روز شکار کرنے کے لیے آئیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی ہر چیز دی جانے کا محمل

اس کے بعد فرمایا اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔

اصل میں کل کا لفظ احاطہ افراد کے لیے آتا ہے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے یہ کہا ہمیں دنیا کی ہر چیز دی گئی ہے۔ لیکن یہاں حقیقت مراد نہیں ہے کیونکہ جس وقت انہوں نے یہ فرمایا تھا اس وقت تو ان کے پاس تخت بلقیس بھی نہیں تھا اور کل مجازاً اکثر چیزوں کے لیے آتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت زیادہ چیزیں دی گئی تھیں' ان کو ملک' سلطنت' نبوت' کتاب' ہواؤں' جنات اور شیاطین کی تسخیر دی گئی تھی۔ پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا' تانبا' پیتل اور بہت معدنیات دے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا اور آخرت کی جس چیز کا بھی ارادہ کرتے تھے وہ انہیں مل جاتی تھی' ایک قول یہ ہے کہ انہیں اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جو چیز درکار ہوتی وہ انہیں میسر ہو جاتی تھی۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۵۸' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

سلطان کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے' اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے' اگر وہ عدل کرے تو اس کو ثواب ہوگا اور اس کی رعایا پر اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہ ظلم کرے تو اس کو عذاب ہوگا اور اس کی رعیت پر صبر کرنا لازم ہوگا اور جب حکام سے جنگ کی جاتی ہے تو آسمان سے قحط نازل ہوتا ہے اور جب زکوٰۃ روک لی جاتی ہے تو مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں اور جب زنا کا غلبہ ہوتا ہے تو فقر اور ذلت کا ظہور ہوتا ہے اور جب ذمیوں سے بدعہدی کی جاتی ہے تو کفار کا مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۹۰' حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان' متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے

پس جو شخص اس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اس کو دعا دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کو دھوکا دے اور اس کو بد دعا دے وہ گمراہ ہوگا۔ (کتاب الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۳۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا جس نے سلطان کی امامت کا انکار کیا وہ زندیق ہے اور جس کو سلطان نے بلایا اور وہ حاضر نہیں ہوا وہ زندیق ہے اور جو اس کے پاس بغیر بلائے گیا وہ جاہل ہے' اور سہل سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو انہوں نے کہا سلطان' ان سے کہا گیا کہ ہماری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے برا سلطان ہے' انہوں نے کہا ایسا نہ کہو' اللہ تعالیٰ ہر روز دو بار نظر رحمت فرماتا ہے' ایک نظر مسلمانوں کے اموال کی سلامتی کی طرف ہوتی ہے اور ایک نظر ان کے جسموں اور بدنوں کی سلامتی کی طرف ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ سلطان کے صحیفہ اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ (احیاء العلوم مع اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۷۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو نعمتیں عطا کی تھیں اور بہت بڑی سلطنت دی تھی اس کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا اظہار شکر کے لیے تھا نہ کہ اپنی بڑائی اور فخر کے اظہار کے لیے جیسے اس حدیث میں ہے: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں ہے' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں ہے اور اس دن جو بھی نبی ہوگا آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے مجھ سے زمین (قبر) پھٹے گی اور فخر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵)

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: مقاتل نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور ملک دیا گیا اور ان کے لیے جنات ہواؤں اور شیاطین کو مسخر کیا گیا' روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین کے تمام مشارق اور مغارب کی حکومت دی گئی اور انہوں نے سات سو سال اور چھ ماہ حکومت کی' اور وہ دنیا کے تمام جنات' انسانوں' مویشیوں' پرندوں اور درندوں کے مالک تھے اور وہ ہر جانور کی بولی جانتے تھے اور ان کے زمانہ میں بہت عجیب وغریب کام ہوئے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر اور ان کی حکومت کی مدت کے متعلق اس کے مخالف اقوال بھی ہیں اور ان کی حقیقی عمر اور موت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان کے لیے جنات اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ہر ایک کو الگ الگ منقسم کیا گیا ○ (النمل: ۱۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور ان کا لشکر

امام عبدالرحمٰن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا تخت رکھتے تھے اور اس کی دائیں اور بائیں جانب کرسیاں رکھتے تھے۔ پہلے انسانوں کو بیٹھنے کی اجازت دیتے' پھر جنات کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو انسانوں کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ پھر شیاطین کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو جنات کے پیچھے بیٹھتے تھے' پھر ہوا کو حکم دیتے وہ ان سب کو اٹھا کر لے جاتی اور پرندے ان کے اوپر سایہ کرتے اور ہوا ان کے تخت اور ان کی کرسیوں کو اڑا کر لے جاتی' وہ صبح کے وقت بھی ایک ماہ کی

مسافت کی سیر کرتے اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت کی سیر کرتے۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ملک کا وارث کیا اور ان کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا کرے جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ سو ان کے لیے انسانوں' جنوں' پرندوں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا' حضرت سلیمان کے گھنے بال تھے' روشن چہرہ تھا اور وہ سفید کپڑے پہنتے تھے' جب وہ اپنے گھر سے اپنی مجلس کی طرف جاتے تو ان کے اوپر پرندے اڑتے تھے' اور جب تک وہ اپنے تخت پر بیٹھ نہیں جاتے تو انسان اور جن ان کے لیے کھڑے رہتے تھے' وہ بہت جنگ جو شخص تھے بہت کم فارغ بیٹھتے تھے' روئے زمین میں ان کو جب بھی کسی کی سلطنت کا پتا چلتا وہ اس پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیتے تھے' (یہ روایت بھی محل اشکال ہے) وہ جب کسی ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو لشکر کو اپنا تخت اٹھانے کا حکم دیتے ان کے لشکر میں انسان اور مویشی اور انواع واقسام کے ہتھیار ہوتے تھے وہ ہوا کو حکم دیتے تو وہ ان کے تخت کو اس ملک میں پہنچا دیتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۵۶' ۲۸۵۵' رقم الحدیث: ۱۶۱۹۲-۱۶۱۹۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی جگہ ایک سو فرسخ میں تھی' پچیس فرسخ جگہ انسانوں کے لیے تھی' پچیس فرسخ جگہ جنات کے لیے تھی' پچیس فرسخ جگہ پرندوں کے لیے تھی اور پچیس فرسخ جگہ وحشی جانوروں کے لیے تھی' حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تختوں پر ایک ہزار شیشہ کے گھر بنے ہوئے تھے' جن میں ان کی تین سو منکوحہ بیویاں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں' جنات نے ان کے لیے سونے کے تاروں اور ریشم کے گدے بنائے ہوئے تھے' وہ ان گدوں کے وسط میں سونے کے منبر پر بیٹھتے تھے اور علماء چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے تھے' اور ان کے گرد عام لوگ ہوتے تھے اور عام لوگوں کے گرد جنات اور شیاطین ہوتے تھے' اور پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے تھے حتیٰ کہ ان پر بالکل دھوپ نہیں پڑتی تھے اور صبح کی ہوا ان گدوں کو اٹھا کر ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی' ان چیزوں کی تفصیل صحت نقل کا تقاضا کرتی ہے' ان کا ملک بہت بڑا تھا' جو تمام روئے زمین کو محیط تھا' اور تمام آبادیاں ان کی مطیع تھیں' اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو تمام روئے زمین کے مالک تھے' ان میں سے دو مسلمان تھے' حضرت سلیمان اور حضرت ذوالقرنین اور دو کافر تھے بخت نصر اور نمرود (یہ روایت بھی محل اشکال ہے) حضرت سلیمان کے لشکر میں جن' انسان' پرندے اور وحشی جانور جمع کیے جاتے تھے' جب حضرت سلیمان کسی سفر پر یا کسی مہم پر جاتے تھے تو تمام لشکر آپ کے ساتھ جاتا تھا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۱۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس روایت کو امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور علامہ اسماعیل حقی حنفی ۱۱۳۷ھ نے بھی بیان کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۹۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۵۶' روح البیان جز ۶ ص ۴۲۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے ○ اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے اور دعا کی اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے ○ (النمل: ۱۹-۱۸)

وادی کا معنی

اس آیت میں وادی کا لفظ ہے' قرآن مجید میں ہے انک بالواد المقدس (طٰہٰ: ۱۲) آپ مقدس وادی میں ہیں۔

اصل میں وادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی بہہ کر آ رہا ہو' اسی وجہ سے دو پہاڑیوں کے درمیان جو گھاٹی یا راستہ ہوتا

ہے اس کو وادی کہا جاتا ہے' اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۲۵) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعراء) ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

یعنی وہ کلام کے ہر قسم کے اسلوب میں طبع آزمائی کرتے پھرتے ہیں کبھی کسی کی مدح کرتے ہیں' کبھی ہجو کرتے ہیں کبھی جدل کہتے ہیں کبھی غزل کہتے ہیں (جدل سے مراد ہے جنگ پر ابھارنے والے اشعار' اور غزل سے مراد ہے محبوب کے متعلق اشعار) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو كان لابن آدم واديان من ذهب لا بتغى اليهما ثالثا. اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گی۔

(صحیح مسلم الزکاۃ: ۱۱۷' رقم الحدیث: ۱۰۴۸' بیروت' ۱۴۱۷ھ' المفردات ج ۲ ص ۶۷۱)

نملة کا معنی

نیز اس آیت میں ہے: قالت نملة یایها النمل (النمل: ۱۸)

نملة کا معنی ہے چیونٹی' پہلو میں چیونٹی کی شکل کے مشابہ ایک پھنسی ہو جاتی ہے اس کو بھی نملة کہتے ہیں' جس طرح چیونٹی آہستہ آہستہ جسم پر رینگتی ہے اور کاٹتی ہے اسی طرح چغلی کی تکلیف بھی انسان کو آہستہ آہستہ ڈنک مارتی رہتی ہے' اور چغلی کرنے والے کو نمال اور نمام کہتے ہیں اور انملة انگلی کی پور کو کہتے ہیں اس کو جمع انامل ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۵۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن ابوبکر رازی متوفی ۶۶۰ھ نے لکھا ہے: نملة واحد ہے اور النمل جمع ہے۔

(مختار الصحاح ص ۳۹۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ' الصحاح للجوہری ج ۵ ص ۱۸۳۶)

جس چیونٹی نے حضرت سلیمان کے لشکر سے ڈرایا تھا وہ مذکر تھی یا مؤنث

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ چیونٹی لنگڑی تھی' اس کے دو بازو تھے' یہ چیونٹیوں کی ملکہ تھی' تورات میں لکھا ہے کہ اس کا نام منذرہ یا طاخیہ یا جرمی تھا' اور بعض صحائف میں لکھا ہے کہ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام اس کو پہچانتے تھے' چونکہ یہ باتیں کرتی تھی اس لیے اس کا نام رکھا گیا ورنہ چیونٹیوں کے نام نہیں رکھے جاتے' اور نملة مؤنث حقیقی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے قالت نملة اور فعل کے ساتھ تا اس وقت لائی جاتی ہے جب اس کا فاعل مؤنث حقیقی ہو' کیونکہ نملة کا مذکر اور مؤنث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے' پس جب اس کو ممیز اور ممتاز کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو کسی ممیز خارجی کی ضرورت ہو گی مثلاً کہا جائے گا مذکر نملة اور مؤنث نملة' اسی طرح حمامة اور یمامة کے الفاظ ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قتادہ کوفہ میں گئے تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا جو پوچھنا چاہو پوچھو' اس وقت امام ابو حنیفہ کم عمر لڑکے تھے' انہوں نے لوگوں سے کہا ان سے پوچھو کہ جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ مذکر تھی یا مؤنث؟ لوگوں نے سوال کیا تو قتادہ خاموش ہو گئے اور ان کو کوئی جواب نہ آیا' تب امام ابو حنیفہ نے کہا وہ مؤنث تھی' ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا قرآن سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قالت نملة اگر وہ چیونٹی مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا قال نملة اس کی وجہ یہ ہے کہ حمامة (کبوتر) اور شاة (بکری) کی طرح' نملة کا اطلاق

بھی مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے اور ان کو ممیز اور ممتاز کرنے کے لیے مذکر یا مؤنث کی ضمیریں لائی جاتی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے ھو شاۃ (وہ بکرا ہے) یا ھی شاۃ (وہ بکری ہے) اور جو فی نفسہ مذکر ہو اور اس میں لفظی تانیث ہو اس کے لیے مؤنث فعل یا مؤنث ضمیر نہیں لائی جاتی' مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ قالت طلحۃ یا قالت حمزۃ' سو اگر یہ چیونٹی مذکر ہوتی اور اس میں صرف لفظی تانیث ہوتی تو قال نملۃ کہا جاتا اور قالت نملۃ نہ فرمایا جاتا اور قالت نملۃ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ چیونٹی مؤنث تھی۔ (روح البیان ج ٦ ص ۴۲۸ - ۴۲۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قتادہ اور امام اعظم کا یہ قصہ ان کتابوں میں بھی ہے: الکشاف ج ۳ ص ۳۶۱' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۸' شیخ زادہ علی البیضاوی ج ٦ ص ۳۸۵ - قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی ہیں۔ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں اور یہ بدیل بن میسرہ العقیلی کے معاصر ہیں۔ صحاح ستہ کے تمام مصنفین ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام محمد بن سعد نے ان کو اہل بصرہ کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا وہ اپنے زمانہ کے سب سے قوی حافظ تھے' ابو عوانہ نے کہا میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں تیس سال سے فتوے دے رہا ہوں لیکن میں نے کوئی فتویٰ اپنی رائے سے نہیں لکھا یہ ستاون سال کی عمر میں واسط کے طاعون میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کا سن وفات ۱۱۷ھ ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۵ ص ۲۲۳ - ۲۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

فعل (قالت) کے مؤنث ہونے کی وجہ سے نملۃ مؤنث ہو (جیسا کہ امام اعظم کی تقریر میں ہے) نحویوں کا کلام اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ خبر دینے کے سوا نملۃ کا مؤنث ہونا معلوم نہیں ہو سکتا' اور علامہ زمخشری نے النملۃ کو الحمامۃ اور الشاۃ کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں کا مذکر اور مؤنث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے' اور ان میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ الحمامۃ اور الشاۃ کے مذکر اور مؤنث میں صفت کے ساتھ تمیز حاصل ہو جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے مذکر حمامۃ اور مؤنث حمامۃ اور ضمیروں سے ان کو متمیز نہیں کیا جاتا مثلاً یوں کہا جاتا ہو حمامۃ اور ھی حمامۃ اور نملۃ اور قملۃ میں مذکر اور مؤنث کی تمیز صرف خبر کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے' اور اس کا حکم وہ ہے جو ذوالعقول میں سے مؤنث بالتاء کا حکم ہوتا ہے جیسے المرأۃ یا غیر ذوی العقول میں سے مؤنث بالتاء کا حکم ہوتا ہے (اس لیے اس کے ساتھ مؤنث کے صیغے لائے جاتے ہیں) ہاں اگر فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جائے تو پھر جائز ہے کہ فعل کے ساتھ تانیث کی علامت لائی جائے یا نہ لائی جائے جیسا کہ نحویوں نے علم مؤنث کا حکم بیان کیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

زمخشری نے جو امام ابو حنیفہ کا قول نقل کیا ہے' شیخ نے اس کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ قالت کے ساتھ تاء تانیث کا لگنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ نملۃ مؤنث ہے' بلکہ نملۃ مذکر کے ساتھ بھی قالت کہنا درست ہے' کیونکہ نملۃ میں مذکر اور مؤنث کی تمیز فعل کی تذکیر اور تانیث سے نہیں ہوتی بلکہ خبر سے حاصل ہوتی ہے۔ (سمین)

(حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۰۶ - ۳۰۵' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مصر)

علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کے استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فعل (قالت) کے ساتھ تا کا لاحق ہونا نملۃ کے مؤنث ہونے پر

دلالت نہیں کرتا' کیونکہ نملۃ میں تا وحدت کے لیے ہے تانیث کے لیے نہیں ہے' لہٰذا امام ابوحنیفہ کی دلیل مفید ظن ہے نہ کہ مفید تحقیق۔ (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۴۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نواب صدیق بن حسن بن علی قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ نے' امام اعظم اور قتادہ بن دعامہ کا مکالمہ نقل کر کے اس پر علامہ ابوالحیان اندلسی کی بحث لکھی ہے' پھر کہا ہے کہ یہ جھوٹا قصہ ہے' اس طرح اس چیونٹی کے نام کے متعلق جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان کو بھی جھوٹا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان ابحاث میں مشغول ہونا بے فائدہ ہے۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ابن المنیر نے کہا اگر یہ قصہ واقعی ثابت ہو تو مجھے امام ابوحنیفہ پر تعجب ہوگا' اس لیے کہ نملۃ کا حمامۃ اور شاۃ کی طرح مذکر اور مؤنث پر اطلاق کیا جاتا ہے' کیونکہ یہ اسم جنس ہے اس لیے مذکر نملہ اور مؤنث نملہ کہا جاتا ہے جیسے مذکر حمامۃ اور مذکر شاۃ اور مؤنث حمامہ اور مؤنث شاۃ کہا جاتا ہے پس یہ لفظاً مؤنث ہے اور اس کا معنی اس کے لفظ کی وجہ سے مؤنث بھی ہو سکتا ہے خواہ اس کا اطلاق مذکر پر ہو' بلکہ وہی فصیح اور مستعمل ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یضحی بعوراء ولا عمیاء ولا عجفاء. کانی بکری' اندھی بکری اور بہت لاغر بکری کی قربانی نہ کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤنث بکریوں کی یہ صفات بیان کی ہیں' جبکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نہ ایسی بکریوں کی قربانی کی جائے نہ ایسے بکروں کی' لہٰذا قرآن مجید میں جو قالت نملۃ ہے اس میں تانیث لفظی کی رعایت کرتے ہوئے قالت فرمایا ہے اور معنی کے اعتبار سے وہ چیونٹی مذکر بھی ہو سکتی ہے اور مؤنث بھی' پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس چیونٹی کے مذکر یا مؤنث ہونے کا سوال کیا ہو اور قتادہ بن دعامہ سدوسی جیسے عظیم عالم کو ساکت کر دیا ہو' اور حق کے مشابہ بات یہ ہے کہ یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔

ابن حاجب نے امام اعظم کے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نملۃ کے ساتھ مؤنث فعل قالت لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نملۃ مؤنث ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مذکر چیونٹی کا نام نملۃ رکھ دیا ہو اور اس میں تا لفظاً تانیث کے لیے ہو اور اس صورت میں تانیث لفظی کی وجہ سے فعل مؤنث لایا گیا ہو جیسے جاءت الظلمۃ میں ہے' بعض احناف نے امام اعظم کی طرف سے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اس طرح پھر جاءت طلحۃ کہنا بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی تانیث لفظی ہے اور یہ مذکر کا نام ہے' لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اسماء اعلام کی تانیث کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ ان میں لفظ کا نہیں صرف معنی کا اعتبار ہوتا ہے اور طلحۃ اسماء اعلام میں سے ہے۔ لیکن ابن حاجب کا یہ اعتراض اس لیے مدفوع ہے کہ انہوں نے خود اپنی کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ جب مؤنث لفظی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو شرط یہ ہے کہ وہ مؤنث لفظی تین حرف سے زائد ہو اور نملۃ کا مادہ نمل تین حرف سے زائد نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ ابن حاجب نے مطلقاً مذکر کا نام رکھنے کی یہ شرط بیان نہیں کی بلکہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے یہ شرط رکھی ہے اسی لیے انہوں نے کہا ہے کہ قدم مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں نر جاندار نہیں ہے لیکن جب کسی مذکر کا نام قدم رکھ دیا جائے تو وہ منصرف رہے گا اس لیے کہ قدم تین حرف سے زائد نہیں ہے۔ لہٰذا ابن حاجب کا اعتراض صحیح ہے۔

(سعیدی غفرلہ)

علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب تم شاۃ اور بقرۃ سے مذکر کا ارادہ کرو تو کہتے ہو ھذا شاۃ اور ھذا بقرۃ یعنی جب بکرا اور بیل مراد ہو اور جب اس سے مؤنث کا ارادہ کرو تو کہتے ہو ھذہ شاۃ اور ھذہ بقرۃ' علامہ طیبی نے بھی اس جواب کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح وہی ہے جو امام ابوحنیفہ نے کہا ہے۔

الکشف میں مذکور ہے کہ نملۃ میں تا وحدت کے لیے ہے سو یہ مؤنث لفظی کے حکم میں ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ نملۃ سے مراد مذکر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ جو مؤنث فعل (قالت) لایا گیا ہے ہو سکتا ہے اس وجہ سے ہو کہ نملۃ سے مراد مؤنث حقیقی ہو یا وہ مذکر ہو اور فعل مؤنث اس وجہ سے لایا گیا ہو کہ تاءِ وحدت لفظاً مؤنث کے مشابہ ہے یا جمعیت کے قصد کی وجہ سے فعل مؤنث لایا گیا ہے یعنی نملۃ سے مراد نمل کی جماعت ہو' اور جب تانیث اور شبہ تانیث کا معنی باقی نہ رہے تو پھر اس کے فعل کے ساتھ علامت تانیث لانے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نملۃ کے ساتھ مؤنث فعل (قالت) لانے کا لازماً مطلب یہ نہیں ہے کہ نملۃ مؤنث ہے کیونکہ نملۃ سے مراد مذکر چیونٹی بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس صورت میں فعل کا مؤنث ہونا تانیث لفظی کی وجہ سے ہوگا اور یا اس وجہ سے کہ نملۃ میں تا وحدت کے لیے ہے اور قالت مؤنث کا صیغہ اس لیے ہے کہ تاء وحدت تانیث کے مشابہ ہے اور یا اس لیے کہ اس سے جماعت نمل مراد ہے' اور محتاط قول یہ ہے کہ یہ حکایت صحیح نہیں ہے' کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو تو تم پہچانتے ہو خواہ وہ اس وقت نو عمر لڑکے تھے' اور قتادہ بن دعامہ سدوسی کے متعلق علم رجال کے ماہرین کا اجماع ہے کہ وہ عربی زبان پر خوب بصیرت رکھنے والے تھے' اس لیے ان کے متعلق جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ان سے صادر ہونا مکمل بعید ہے۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۶۵-۲۶۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اور ان کے اصحاب کا محفوظ ہونا

اس چیونٹی نے کہا' اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی سڑک پر جا رہا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹریفک کے حادثات سے بچانے کے لیے پیچھے سے آنے والے تیز رفتار رش کی زد میں آنے سے محفوظ رکھے اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر کو اختیار کرے' کیونکہ ابھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین میل دور تھا تو چیونٹیوں کی ملکہ نے چیونٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بلوں میں گھس جائیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۹)

امام رازی کا یہ قول چیونٹیوں کے بارے میں درست ہے لیکن اس آیت کا انسانوں پر اطلاق کرنا درست نہیں ہے' بلکہ پیچھے سے آنے والی گاڑیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی حد رفتار کو قابو میں رکھیں اور ڈرائیور اس قدر تیز رفتاری سے گاڑیاں نہ چلائیں کہ وہ بے قابو ہو کر آگے جانے والے کسی شخص کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیں اور جس شخص کی تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ کر کوئی مسلمان ہلاک ہو گیا تو اس کو اس ہلاک ہونے والے مسلمان کے ورثاء کو دیت ادا کرنی ہوگی اور کفارے میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہوں گے جیسا کہ النساء: ۹۲ کا تقاضا ہے۔

اس آیت سے جو دوسرا مسئلہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کے اصحاب محفوظ ہیں کیونکہ اس چیونٹی نے یہ کہا: کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیونٹی کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اصحاب دانستہ اور عمداً چیونٹیوں کے پاؤں تلے نہیں روندیں گے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بے

خبری میں وہ ان کے پاؤں تلے کچلی جائیں اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اصحاب عمداً چیونٹیوں پر بھی ظلم نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے نفسوں پر کیسے ظلم کریں گے اور نبی کے اصحاب مسلمانوں پر کیسے ظلم کریں گے' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اور ان کے اصحاب ظلم اور کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہیں' اور معصوم اور محفوظ میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بری ہونے پر قطعی دلائل قائم ہیں اور ان کے اصحاب کے کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہونے پر ظنی دلائل قائم ہیں' اور اگر ان کے اصحاب سے بشری تقاضے سے کوئی کبیرہ سرزد ہو جاتا تو وہ اس پر توبہ کر لیتے تھے' صحابہ کرام سے صغائر سرزد ہو جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا مدینہ کے ایک کنارے میں' میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہوا' اور میں نے مباشرت کے سوا اس سے سب کچھ کر لیا اور اب میں حاضر ہوں' آپ میرے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے تم پر پردہ رکھا تھا' کاش تم بھی اپنا پردہ رکھتے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا' وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیج کر اس شخص کو بلوایا پھر آپ نے اس کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۝

دن کے دونوں کناروں میں نماز پڑھیے اور رات کے قریب بھی' بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں' یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے۔ (ہود: ۱۱۴)

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا: کیا یہ حکم اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کی روایت میں ہے اس شخص نے اس عورت کا صرف بوسہ لیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۸۲۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۴۹' ۴۴۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۴۱)

اسی طرح بعض صحابہ کرام سے کبائر بھی صادر ہوئے جن پر حدود جاری ہوئیں:

حضرت نعیمان یا ابن النعیمان نشے میں پکڑے گئے اور ان پر شراب کی حد جاری ہوئی' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۴)

حضرت عبداللہ (ان کا لقب حمار تھا) بار بار شراب پیتے تھے اور اس پر حد لگائی جاتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰)

قریش کی ایک معزز خاتون نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۸)

حضرت علی نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک خاتون کو رجم کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ شادی شدہ شخص تھے' ان سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر چار مرتبہ زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے ان کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۹)

حضرت حسان بن ثابت' حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنۃ بنت جحش رضی اللہ عنہم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا فعل سرزد ہو گیا تو ان پر حد قذف جاری کی گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۵)

ان صحابہ سے کبائر سرزد ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے وفات سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دی' ان پر حدود جاری کی گئیں اور انہوں نے توبہ کر لی سو وہ گناہوں سے پاک ہو گئے' ان کے علاوہ اور جن صحابہ سے کبائر کا صدور ہوا ان پر بھی حد جاری کی گئی اور انہوں نے توبہ کر لی اور اگر ان جرائم پر حد نہیں تھی اور انہوں نے ویسے ہی توبہ کر لی تو وہ پاک اور صاف ہو گئے' غرض یہ کہ بعض صحابہ سے بشری تقاضے سے کبیرہ سرزد ہوئے ان پر حد جاری کی گئی یا انہوں نے توبہ کر لی اور وہ ان گناہوں سے پاک اور صاف ہو گئے' اور ان صحابہ کے گناہ بھی درجہ میں ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں حد جاری ہونے کا اسوہ اور نمونہ متحقق ہوا' اور اسی وجہ سے کئی آیات نازل ہوئیں اور بہت سے شرعی احکام اور مسائل معلوم ہوئے۔

مسافت بعیدہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا چیونٹی کو کیسے شعور ہوا اور آپ نے اس کا کلام کیسے سن لیا

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا: اے چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے' تو حضرت سلیمان نے ان کی یہ بات سن لی' اور اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی کوئی بات کرتی تھی تو ہوا اس بات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں میں پہنچا دیتی تھی۔

مقاتل نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو تین میل کی مسافت سے سن لیا تھا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تو تخت پر تھا اور ہوا ان کو اڑا کر لے جا رہی تھی' اور جب وہ فضا میں تھے تو ان سے چیونٹیوں کو روندنا کس طرح متصور ہو سکتا تھا حتیٰ کہ چیونٹیوں کی ملکہ کو ان سے ڈرانے کی ضرورت پیش آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوا میں پرواز کر رہے تھے اور ان کا لشکر سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کے مسخر کرنے سے پہلے پیش آیا ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں پہنچے تو آپ نے اپنے لشکر کو روک لیا حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو گئیں۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس چیونٹی کا کلام حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا' جیسے گوہ اور بکری کے گوشت کا کلام کرنا ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا' مقاتل نے کہا حضرت سلیمان نے تین میل کی مسافت سے چیونٹی کا کلام سن لیا تھا' اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ چیونٹی کو بھی اتنے فاصلے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے آنے کا پتا چل گیا تھا۔ حضرت سلیمان کا اتنے فاصلہ سے چیونٹی کی بات کو سن لینا بعید نہیں ہے' کیونکہ جیسا کہ آثار میں ہے ہوا نے ان تک یہ بات پہنچا دی تھی' یا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی جس سے انہوں نے یہ بات سن لی تھی' لیکن چیونٹی کا اتنی مسافت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو محسوس کر لینا بعید ہے اور عربوں میں مشہور ہے کہ چچڑی بھی دور دراز سے محسوس کر لیتی ہے' اور تم کو معلوم ہے کہ اس خبر کی صحت کا انکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی آواز مطلقاً نہیں سنی تھی۔ چیونٹی کے دل میں جو بات تھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ان کے دل میں الہام کر دیا تھا۔

اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: تم کو معلوم ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ان تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں

ہے اور جو شخص چیونٹی کے احوال میں غور وفکر کرے گا اس کے نزدیک چیونٹی کے لیے نفس ناطقہ ہونا بعید نہیں ہے' کیونکہ وہ سردیوں کے لیے گرمیوں میں اپنی خوراک کا ذخیرہ جمع کر لیتی ہے' اور شیخ اشراف نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ تمام حیوانات کے لیے نفس ناطقہ ثابت ہے' اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ جائز ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی میں نطق پیدا کر دیا تھا اور باقی چیونٹیوں میں عقل اور فہم پیدا کر دی تھی' اور آج کل چیونٹیوں میں ایسا نہیں ہوتا۔

پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چیونٹی کو جو علم ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں' اس کا اللہ عزوجل نے اس کو الہام کیا تھا' جیسے اس گوہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہو گیا تھا اور اس نے کلام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ چیونٹی اپنی جسامت میں عام چیونٹیوں کی طرح تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ چیونٹی لنگڑی تھی اور اس کا نام طاخیہ یا جرمی تھا' علامہ ابوالحیان اندلسی نے البحر المحیط میں اس کا رد کیا ہے اور کہا اس چیونٹی کا یہ نام کسی نے رکھا' اور نام رکھنا تو بنو آدم کے ساتھ مختص ہے' علامہ آلوسی ان سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں جب حیوانات کے لیے نفوس ناطقہ ثابت ہیں تو پھر ان کے نام بھی ہو سکتے ہیں' اور یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ان ناموں سے پکارتے ہوں' لیکن ان ناموں کے الفاظ ہمارے ناموں کے الفاظ کی طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ ان کی مخصوص آوازیں ہوں گی جن مخصوص آوازوں سے وہ اپنے مفاہیم اور مطالب سمجھتے ہوں گے' اس کی مثال یہ ہے کہ ہم جو غیر مانوس اور اجنبی زبان سنتے ہیں وہ ہمیں جانوروں کی بولیاں معلوم ہوتی ہیں (مثلاً ہم چینی' جاپانی یا بلتستانی زبان میں لوگوں کو باتیں کرتے سنیں) تو وہ ہمیں محض چڑیوں کی چوں چوں معلوم ہوتی ہیں لیکن جب کوئی مترجم ہمیں ان کا ترجمہ کر کے سنائے اور ہمیں ان کا مفہوم معلوم ہو جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بامعنی الفاظ ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۶۴-۲۶۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تبسم' ضحک اور قہقہہ کے معانی اور وجوہ استعمال

اس کے بعد فرمایا: اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے۔

اس آیت میں تبسم اور ضحک کے الفاظ ہیں' تبسم کا معنی ہے مسکرانا جبکہ اس میں دانت ظاہر نہ ہوں اور ضحک کا معنی ہے انسان اس طرح مسکرائے جس سے سامنے کے دانت ظاہر ہوں' اس وجہ سے سامنے کے دانتوں کو ضواحک کہتے ہیں۔ ضحک اور قہقہہ میں یہ فرق ہے کہ ضحک میں ہنسی کی آواز سنائی نہیں دیتی اور قہقہہ میں ہنسی کی آواز دوسرے سن لیتے ہیں۔

ضحک (ہنسنا) کبھی خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی تعجب کی وجہ سے اور کبھی دوسروں کا مذاق اڑانے کے لیے' خوشی کی وجہ سے ضحک کے اطلاق کی مثال قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (التوبۃ: ۸۲)

اپنے کاموں کے نتیجہ میں ان کو چاہیے کہ وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ (عبس: ۳۹-۳۸)

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ جو ہنستے ہوئے خوش وخرم ہوں گے۔

تعجب کی وجہ سے ضحک کے اطلاق کی مثال یہ آیتیں ہیں:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا

ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں سو وہ ہنسنے لگیں تو ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت

بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ○ (هود: ۷۲-۷۱)

دی ○ اس نے کہا اے ہے! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ شوہر بھی بوڑھا ہے' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے۔

اور مذاق اڑانے کے لیے ضحک کے اطلاق کی مثال یہ آیات ہیں:

فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِیًّا حَتّٰۤی اَنۡسَوۡکُمۡ ذِکۡرِیۡ وَ کُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَکُوۡنَ ○ (المومنون: ۱۱۰)

سو (اے کافرو!) تم ان (نیک بندوں) کا مذاق ہی اڑاتے رہے' حتیٰ کہ ان چیزوں نے تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنستے ہی رہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا کَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَکُوۡنَ ○ (المطففین: ۲۹)

بے شک کفار' مومنوں پر ہنسا کرتے تھے۔

فَالۡیَوۡمَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡکُفَّارِ یَضۡحَکُوۡنَ ○ (المطففین: ۳۴)

سو آج مومنین ان کافروں پر ہنسیں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۸۱' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے اور ہنسنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے منہ کا اندرونی حصہ حلق تک نظر آئے آپ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ (یعنی اکثر اوقات)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۹۵)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۴۱' مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۱' ۱۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۹۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں اس شخص کو ضرور جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور میں اس شخص کو ضرور جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے بڑے گناہ چھپائے جائیں گے' اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن یہ کام کیا تھا؟ وہ اقرار کرے گا اور کسی گناہ کا انکار نہیں کرے گا' اور وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا' پھر کہا جائے گا اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں اس کو نیکی دے دو' وہ کہے گا میرے تو اور بھی گناہ ہیں جن کو میں اس وقت یہاں نہیں دیکھ رہا' حضرت ابوذر نے کہا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر ہنستے ہوئے دیکھا کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

(صحیح مسلم الایمان: ۱۹۰' رقم الحدیث: ۳۱۵-۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۵' ۱۷۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۶۰)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے جو شخص سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس سے مراد ہے جو شخص گناہ گار مسلمانوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا ورنہ علی الاطلاق سب سے پہلے جنت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے اور جو شخص سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس کا حضرت ابن مسعود کی روایت (بخاری: ۶۵۷۱) میں ذکر

آ رہا ہے' اور اس حدیث میں جو اس کو دوزخ میں سب سے آخر میں نکالے جانے والے کا ذکر ہے یہ صرف ترمذی میں ہے اور یہ امام ترمذی کا تسامح ہے' ورنہ صحیح مسلم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۱)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اوجھل نہیں ہوئے اور آپ جب بھی مجھے دیکھتے تھے ہنستے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳۶ - ۳۰۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۷۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۰۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۲۱۹' شرح السنۃ: ۳۳۴۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا' وہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا' اس سے کہا جائے گا جا جنت میں داخل ہو جا' وہ جنت میں داخل ہونے کے لیے جائے گا' تو دیکھے گا کہ سب نے اپنے اپنے ٹھکانے بنا لیے ہیں' اس سے کہا جائے گا کیا تم کو وہ وقت یاد ہے جب تم دوزخ میں تھے؟ وہ کہے گا جی ہاں! پھر اس سے کہا جائے گا تمنا کرو پس وہ تمنا کرے گا' پھر اس سے کہا جائے گا جو تم نے تمنا کی ہے وہ بھی اور اس سے دنیا کا دس گنا زائد لے لو وہ کہے گا کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو حالانکہ تم فرشتے ہو! حضرت عبداللہ نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۱' ۷۵۱۱' صحیح مسلم الایمان: ۱۸۶' رقم الحدیث: ۳۰۹' ۳۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹' ۳۷۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۳۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۳۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۱۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۵۶)

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس موقع پر حاضر تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوار ہونے کے لیے ان کے پاس سواری لائی گئی جب انہوں نے اپنا پیر رکاب میں رکھا تو کہا بسم اللہ' اور جب سواری کی پشت پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ' پھر کہا: سبحان الذی سخرلنا هذا وما كناله مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون (الزخرف: ۱۳) پھر تین دفعہ کہا الحمد للہ اور تین دفعہ کہا اللہ اکبر' سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانه لا يغفر الذنوب الا انت' پھر ہنسے' میں نے ان سے پوچھا آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں اے امیر المومنین؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا ہے' پھر آپ ہنسے' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا' بے شک تمہارا رب اپنے بندے سے اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ دعا کرتا ہے رب اغفرلی ذنوبی ''اے میرے رب میرے گناہ بخش دے'' کیونکہ بندے کو یقین ہوتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی اس کے گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۶' مسند احمد ج ۱ ص ۹۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۸۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۸۰' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۷۸۷' ۷۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۹۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۲' الاسماء والصفات ص ۱۷۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۴۳ - ۱۳۴۲)

انسان کے والدین کی نعمتوں کا بھی اس کے حق میں نعمت ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (سلیمان نے) دعا کی اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (النمل: ۱۹)

وزع کا معنی ہے تقسیم کرنا اور اوزعنی کا معنی ہے میری قسمت میں کر دے ' مجھے توفیق عطا فرما ' مجھے قائم رکھ اور جما دے ' مجھے الہام فرما ۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۷۶)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا کلام سنا اور اپنے لشکر کو دیکھا تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ مجھے شکر ادا کرنے پر قائم رکھ اور اس پر جما دے ' حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا نعمت وحشیہ ہے اور بھاگ جانے والی ہے اس کو ادائیگی شکر کے ساتھ باندھ کر رکھو ۔ (رسائل ابن ابی الدنیا شکر : ۱۳) حضرت سلیمان کو علم ' نبوت ' ملک ' عدل اور پرندوں کے کلام کی فہم کی نعمت عطا کی تھی ' اور ان کے والد حضرت داؤد کو نبوت ' پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کی فہم اور لوہے سے زرہ بننے کی نعمت عطا کی تھی ۔ حضرت سلیمان نے اپنی نعمتوں کے ساتھ اپنے والد کی نعمتوں کا بھی شکر ادا کیا کیونکہ انسان کے والد کی نعمتیں بھی اس کے حق میں نعمتیں ہوتی ہیں اس لیے انہوں نے اپنی اور اپنے والد کی دونوں کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ تو اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر لے ۔ صالح بندوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے متبعین ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد ' اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ حکم دیا تھا :

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ○ (السبا : ۱۳)

اے آلِ داؤد (ان نعمتوں کا) شکر ادا کرو ' اور میرے بندوں میں سے شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں ۔

سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ۔

ادائیگی شکر کا طریقہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کہا مجھے ان (نعمتوں) کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اس سے ان کی مراد دل اور زبان سے شکر ادا کرنا ہے اور انہوں نے جو فرمایا اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ اس سے مراد جسم کے باقی اعضاء ظاہرہ سے شکر ادا کرنا ہے ' تاکہ شکر کامل ہو جائے ' کیونکہ شکر کا معنی ہے دل ' زبان اور اعضاء ظاہرہ سے نعمت دینے والے کی تعظیم کرنا ' بعض علماء نے کہا حضرت سلیمان نے اپنی دعا میں پہلے ایک خاص چیز کا سوال کیا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں ' پھر عام چیز کا سوال کیا کہ وہ نیک عمل کریں ' پھر اعمال صالحہ کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ وہ ایسے اعمالِ صالحہ ہوں ' جن سے تو راضی ہو اور رضا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائے ' کیونکہ اعمال صالحہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول بھی فرمائے ۔ قرآن مجید میں ہے :

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَىۡ اٰدَمَ بِالۡحَـقِّ‌ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ‌ؕ ۔ (المائدة : ۲۷)

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ حق کے ساتھ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی ۔

ہابیل اور قابیل دونوں نے قربانی کی تھی ۔ ہابیل کی قربانی قبول کر لی گئی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی گئی ' حالانکہ دونوں کے عمل صالح تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نیک عمل کرنے کے بعد اس کے قبول ہونے کی دعا کیا کرتے تھے ' قرآن مجید میں ہے :

وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ○ (البقرہ : ۱۲۷)

اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دیواریں بلند کر رہے تھے (تو یہ دعا کرتے تھے) اے ہمارے رب !

تو ہم سے (اس عمل کو) قبول فرما' بے شک تو ہی بہت سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔

حضرت سلیمان کا اپنے جد کریم کی اتباع میں جنت اور بعد از وفات ثناء جمیل کی دعا کرنا

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ نے کہا حضرت سلیمان نے دعا میں جو یہ کہا اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے اس کا معنی ہے مجھے اہل جنت سے کر دے (الکشاف ج ۳ ص ۳۶۲' دار احیاء التراث العربی' ۱۴۱۷ھ) اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے کہا یہاں مفعول مقدر ہے یعنی اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کر دے' اور ان دونوں توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے جب دعا میں یہ کہا کہ مجھے اعمال صالحہ کی توفیق دے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر لے' کیونکہ جو اعمال صالحہ کرے گا وہ صالح بندہ ہی ہو گا۔ اس کا علامہ زمخشری نے یہ جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے اہل جنت سے کر دے تا کہ اس آیت میں تکرار لازم نہ آئے' اور جب اعمال صالحہ کی طلب کے بعد جنت کی طلب کی تو گویا اعمال صالحہ پر دوام کو طلب کیا کیونکہ صرف اعمال صالحہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اعمال صالحہ دائمی بھی ہوں۔

نیز اعمال صالحہ کے بعد جنت کی دعا کر کے یہ بتایا کہ کسی شخص کا اعمال صالحہ سے متصف ہونا اس کے جنتی ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور نہ جنتی ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ جنت تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا' آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! آپ نے فرمایا: اور نہ مجھے' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۸۱۶' الرقم المسلسل: ۶۹۸۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۱۵' ۱۰۴۰۸' اتحاف ج ۹ ص ۹۶)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا میں کہا اپنی رحمت سے مجھے داخل کر دے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے' قرآن مجید کی بعض آیتوں میں ہے **اور ثتموھا بما کنتم تعملون** (الاعراف: ۴۳' الزخرف: ۷۲) تمہیں اپنے عملوں کی وجہ سے جنتوں کا وارث بنایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو انسان نیک عمل نہیں کر سکتا۔ ان آیات میں دخول جنت کے ظاہری سبب کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں دخول جنت کے حقیقی سبب کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دخول جنت کی دعا کی ہے اس میں اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کیا ہے کیونکہ آپ نے بھی دخول جنت کی دعا کی تھی:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝ اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے۔

(الشعراء: ۸۵)

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی ہے "مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما دے"' یعنی جب ان نیک بندوں کا ذکر کیا جائے تو میرا بھی ذکر کیا جائے' گویا مجھے ایسے اعمال صالحہ عطا فرما کہ ان اعمال صالحہ کی بنا پر بعد کے

لوگ میرا شمار صالحین میں کریں کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عمل صالح کرنے والے کا شمار صالحین میں کیا جائے' ہزاروں لوگ نیک عمل کرتے ہیں لیکن ان کا شمار صالحین میں نہیں کیا جاتا۔ مقصد یہ تھا کہ بعد میں بھی آپ کی ثناء جمیل اور تحسین ہوتی رہے' اور اس دعا میں بھی آپ نے اپنے جد کریم کی اتباع کی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں کہا تھا:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ اور میرا ذکر خیر بعد کے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔

(الشعراء: ۸۴)

انبیاء علیہم السلام اپنے صالح ہونے کی دعا کیوں کرتے تھے

ایک اعتراض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات اولیاء اور صالحین کے درجات سے بلند ہوتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صالحین کے زمرہ اور ان کی جماعت میں دخول کی دعا کرتے تھے' حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ مجھے اسلام پر وفات دینا اور صالحین کے ساتھ ملا دینا

(یوسف: ۱۰۱)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہ دعا کی:

وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما لے۔

(النمل: ۱۹)

علامہ القمولی متوفی ۷۲۷ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ صالح کامل وہ شخص ہے جو نہ معصیت کرے اور نہ معصیت کا ''ھم'' کرے' (ھم سے مراد ہے عزم سے کم درجہ کا ارادہ جس میں غالب جانب فعل کرنے کی ہو اور مغلوب جانب فعل نہ کرنے کی ہو) اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بھی اسی جواب کا ذکر کیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۲' روح البیان ج ۶ ص ۴۳۱)

اس جواب پر یہ اعتراض نہ کیا جائے انبیاء علیہم السلام نے جو صلاح کامل کے بلند درجہ کی دعا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہیں تھا' کیونکہ اس دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: ۵) ''ہم کو سیدھے راستہ پر چلا'' حالانکہ آپ سیدھے راستہ پر ہی چل رہے تھے تو اس دعا سے مقصود صراط مستقیم پر دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہے یا اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہے' اسی طرح جب انبیاء علیہم السلام صلاح کامل کو طلب کرتے ہیں تو ان کا مقصود صلاح کامل کے درجہ میں دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہوتا ہے اور اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہوتا ہے' اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو اولیاء اور صالحین ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے صلاح کامل کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم درجہ پر ہوتے ہیں' یعنی وہ بالعموم معصیت تو نہیں کرتے لیکن معصیت کے ''ھم'' سے محفوظ اور مامون نہیں ہوتے' سو انبیاء علیہم السلام نے صلاح کامل کے درجہ کی دعا کی ہے اور یہ دیگر اولیاء اور صالحین کی صالحیت سے بلند درجہ ہے جس کو علامہ القمولی وغیرہ نے صلاح کامل سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے کہ ہر چند کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ اولیاء اور صالحین سے بہت بلند ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام نے جو یہ دعا کی کہ ہم کو صالحین کی جماعت میں داخل کر دے تو یہ ان کی تواضع اور ان کا انکسار ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے یہ کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے دعا میں کہا: تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے' دعا کے اس حصہ میں یہ طلب کیا کہ مجھے حقوق اللہ کی ادائیگی کی توفیق دے اور جب کہا مجھے اپنی رحمت سے صالح بندوں میں داخل کر دے تو یہ طلب کیا کہ مجھے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق دے' کیونکہ صالحیت دونوں حقوق کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے' سو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۷۱ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ اور امام یا امیر کی معرفت اور اس کی بیعت اور اطاعت کا ضروری ہونا

صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ جو شخص ہوائے عشق کے پرندوں میں سے ہوگا وہی پرندوں کی زبانوں کو سمجھے گا' اور جو شخص اپنے وقت کے سلیمان کو نہیں دیکھے گا وہ ان آوازوں کے معانی کو کیسے سمجھ سکے گا اور سلیمان سے مراد مرشد کامل ہے جس کے ہاتھ میں حقیقت کی انگوٹھی ہوتی ہے جس سے وہ دلوں کی مملکتوں کی حفاظت کرتا ہے اور غیوب کے اسرار پر مطلع ہوتا ہے' پھر ہر چیز اس کی خوشی یا ناخوشی سے اطاعت کرتی ہے جو ناخوشی سے اطاعت کرتے ہیں وہ بہ منزلہ شیاطین ہیں' پس مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام عصر کی معرفت حاصل کرے اور وہ اس کی بیعت اور اطاعت کرے اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا' مبادا میں کسی شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں شر میں تھے' پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا' آیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا' ہاں! میں نے پوچھا آیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! لیکن اس خیر میں کچھ کدورت ہوگی' میں نے عرض کیا وہ کدورت کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا لوگ میری سنت کی اتباع نہیں کریں گے اور میری ہدایت کے خلاف عمل کریں گے' ان میں اچھی اور بری دونوں باتیں ہوں گی' میں نے پوچھا آیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے' اور لوگوں کو بلائیں گے جو ان کے پاس چلا جائے گا وہ اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں ان لوگوں کے اوصاف بیان کیجئے' آپ نے فرمایا ان لوگوں کا رنگ ہماری طرح ہوگا' اور وہ ہماری زبانوں میں بات کریں گے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمانوں کے امام اور ان کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا' میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام نہ ہو؟ آپ نے فرمایا تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا خواہ تم کو تاحیات درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں' اور اسی حال میں تمہیں موت آ جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (حاکم کی) اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے' تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی عصبیت کی بنا پر غضبناک ہو یا عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے' تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرے گا' اور جس شخص نے میری امت کے خلاف خروج کیا اور اچھوں اور بروں سب کو قتل کیا' کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا وہ میرے دین پر نہیں ہے اور نہ اس سے میرا کوئی تعلق ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۵۷۹)

نافع بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں جب واقعہ حرہ ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما'

عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے۔ ابن مطیع نے کہا حضرت ابوعبدالرحمٰن (یہ حضرت ابن عمر کی کنیت تھی) کے لیے غالیچہ بچھاؤ! حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا میں تمہارے پاس صرف اس لیے آیا ہوں کہ تم کو ایک حدیث سناؤں جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے حق میں کوئی حجت نہیں ہو گی' اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(صحیح مسلم الامارۃ: ۵۸' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۸۵۱' رقم الحدیث المسلسل: ۴۷۱۱)

حضرت عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کے اوپر کسی امام کی اطاعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۳۶' مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۷۲۰۱' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۸۸' ۳۳۴' المستدرک ج ۱ ص ۷۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۱۴' ۲۳۱۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۸۶۱)

نیز حدیث میں ہے جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانتا تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی رقم الحدیث: ۳۵۰)

نوٹ: یہ حدیث مجھ کو کسی مستند حدیث کی کتاب میں نہیں ملی' البتہ بعض مفسرین اور متکلمین نے اس کو بغیر کسی سند اور حوالے کے ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے اس کو احادیث ضعیفہ میں مندرج کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہمارے لیے تنبیہ اور نصیحت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شکر کی ادائیگی اور صالحیت پر قائم رہنے کی دعا کی اور آخر میں اپنے آباء کرام کے طریقہ کے مطابق جنت میں دخول کی دعا کی اور یہ دعائیں ان کے معصوم ہونے کے منافی نہیں ہیں بلکہ اس پر تنبیہ کرنے کے لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اُمت کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ احسن طریقہ سے شریعت کی اتباع کرتی رہے اور طریقت کے پسندیدہ حال پر قائم رہے' تاکہ حقیقت کے بلند مقام پر فائز ہو' حرام اور مکروہ کاموں سے حتی الوسع مجتنب رہے اور فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات پر ہمیشہ عامل رہے یہ شریعت کی پابندی ہے' مشائخ کے بتائے ہوئے معمولات یا پھر نفلی عبادات کو انجام دیتا رہے یہ طریقت پر عمل کرنا ہے اور اپنے دل میں معصیت کے زنگ کو لگنے نہ دے اور ہر قسم کے برے افکار سے اپنے دل و دماغ کو صاف اور پاک رکھے حتیٰ کہ اس کا آئینہ دل صیقل ہو جائے اور الوہی تجلیات کے منعکس اور منطبع ہونے کے قابل ہو جائے یہ حقیقت ہے اور جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور اپنے باطن کو پاک اور صاف نہیں کرتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے' ہم اللہ سبحانہ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ اعمال اور مرغوب احوال کی توفیق دے اور ہم کو زہد اور تقویٰ اور دیگر مستحسن امور سے مزین کر دے' بے شک وہی ہماری دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے پرندوں کی تفتیش کی تو کہا کیا وجہ ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا! یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے O میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا' یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا' ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے O وہ (ہدہد) کچھ دیر بعد آ کر بولا' میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا' میں آپ کے پاس (ملک سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں O میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا

بہت بڑا تخت ہے O (النمل: ۲۳-۲۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی گمشدگی کے متعلق جو سوال کیا تھا اس کی وجوہ

اس آیت میں ہے: **تفقد الطیر**' تفقد کے معنی ہیں گمشدہ چیز کو تلاش کرنا اور فقد کا معنی ہے گم ہو جانا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت سلیمان نے پرندوں میں سے ہدہد کو گم پایا تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا؟ بہ ظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ ہدہد کو کیا ہوا وہ کیوں نظر نہیں آ رہا؟ لیکن یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بہت مہذب اور شائستہ طریقہ گفتگو ہے کہ تقصیر کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے تمام پرندوں کی تفتیش کی جیسا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کا طریقہ ہے کہ وہ تمام رعایا اور عوام کی تفتیش کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کے پاس ہر صنف سے ایک پرندہ آتا تھا تو اس روز ہدہد نہیں آیا' ایک قول یہ ہے کہ دھوپ میں پرندے ان پر سایہ کرتے تھے' اور ہدہد دائیں طرف سے ان پر سایہ کرتا تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب دھوپ لگی تو انہوں نے ہدہد کی جگہ پر دیکھا تو ان کو ہدہد نظر نہیں آیا' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سفر کے دوران ایسی جگہ ٹھہرے جہاں پر پانی نہیں تھا' اور ہدہد زمین کے ظاہر اور باطن کو دیکھتا تھا اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر دیتا تھا' پھر جن زمین سے اس چیز کو نکال لیتے تھے جیسے بکری سے کھال اتار لی جاتی ہے' جب حضرت سلیمان جنگل میں اس جگہ ٹھہرے اور انہیں پانی کی ضرورت پڑی تو ان کو ہدہد کا خیال آیا کہ وہ زمین کو دیکھ کر بتائے کہ اس کے اندر پانی ہے یا نہیں تاکہ جنات سے پانی نکلوایا جا سکے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو پرندوں کی تفتیش کی اس میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کو رعایا کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے تاکہ وہ عوام کی ضروریات کو پورا کر سکے' حضرت عمر نے فرمایا اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کو بھی بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تو عمر سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب چھوٹے چھوٹے شہر ہوتے تھے اور ان میں انسانوں کی آبادیاں بہت کم ہوتی تھیں اس وقت حاکموں کو رعایا کے احوال کی تفتیش کی ضرورت ہوتی تھی' اب تو وسیع آبادیوں پر مشتمل بہت بڑے بڑے شہر ہیں جہاں لاکھوں اور کروڑوں انسان رہتے ہیں' اب اخبارات' ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ لوگوں کے احوال معلوم ہوتے رہتے ہیں اور فرداً فرداً لوگوں کے احوال معلوم کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔)

پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا' اس سے یہ مفہوم نکلتا تھا کہ وہ حاضر ہے لیکن کسی چیز کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ منکشف ہوا کہ وہ غائب ہے اس لیے انہوں نے کلام سابق سے اعراض کر کے فرمایا: یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔

اور کشاف میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر کو مکمل کر چکے تو حج کے لیے تیار ہوئے' پھر وہ حرم میں گئے' اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں رہے' پھر یمن کی طرف روانہ ہونے کا قصد کیا پھر ایک دن صبح کے وقت مکہ سے نکلے اور زوال کے وقت صنعاء میں پہنچے اور یہ فاصلہ ایک ماہ کی مسافت پر تھا' انہوں نے ایک خوبصورت اور سرسبز زمین دیکھی' جو ان کو اچھی لگی وہ وہاں پر کچھ کھانے پینے اور نماز پڑھنے کے لیے ٹھہرے' اس جگہ ان کو پانی نہیں ملا اور ہدہد ان کو آ کر

بتاتا تھا کہ اس جگہ پانی ہے یا نہیں! پھر جس جگہ ہدہد پانی کی نشاندہی کرتا وہاں سے جنات پانی نکال کر دیتے تھے اس بناپر حضرت سلیمان نے ہدہد کی طرف توجہ کی تو وہ نظر نہیں آیا' لہٰذا فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۴-۲۲۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ جب حج کے موقع پر حضرت سلیمان حرم شریف میں پہنچے تو آپ نے اپنے سرداروں سے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں سے نبی عربی کا ظہور ہوگا اور ان کی ایسی ایسی صفات ہوں گی' ان کے اعداء کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی' ایک ماہ کی مسافت سے ان کے دشمنوں پر ان کا رعب طاری کر دیا جائے گا' اور اللہ کا پیغام سنانے میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں ہوگا' سرداروں نے پوچھا' یا نبی اللہ! وہ کون سے دین پر ہوں گے؟ فرمایا وہ دین حنیفہ (ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والا دین) پر ہوں گے' اس کے لیے خوشی ہو جو ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان لائے' سرداروں نے پوچھا ہمارے اور ان کے ظہور کے درمیان کتنی مدت باقی ہے؟ آپ نے فرمایا' تقریباً ایک ہزار سال ہیں' سو ہر حاضر کو چاہیے کہ وہ ہر غائب تک یہ خبر پہنچادے' کیونکہ وہ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور تمام رسولوں کے خاتم ہیں' پھر انہوں نے یمن کی طرف روانگی کا قصد کیا اور ایک ماہ کی مسافت کو صبح سے زوال تک طے کر کے ایک سرسبز وادی میں پہنچے اس جگہ ان کو پانی نہیں ملا اور پھر ان کو ہدہد کی تلاش ہوئی۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۷)

تقدیر کا تدبیر پر غالب آنا

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے ہدہد کی کیوں خصوصیت سے تفتیش کی تھی' حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ان کو پانی نہیں ملا' اور ہدہد انجینئر تھا انہوں نے اس سے یہ پوچھنے کا ارادہ کیا کہ کس جگہ زمین کے اندر پانی ہے؟ تو اس کو گم پایا' میں نے کہا وہ کیسے انجینئر ہوگا حالانکہ بچے زمین میں دھاگے کا ایک پھندا بنا کر دبا دیتے ہیں اور اس پھندے میں اس کی گردن پھنس جاتی ہے اور وہ اس کو شکار کر لیتے ہیں (ان کا مطلب یہ تھا کہ جب ہدہد کو زمین کی سطح کے پاس ہی چھپا ہوا پھندا نظر نہیں آتا تو زمین کی گہرائی میں چھپا ہوا پانی اس کو کیسے نظر آجاتا ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں کام نہیں کرتیں ایک اور روایت میں فرمایا جب تقدیر کا لکھا پورا ہونا ہوتا ہے تو انسان اپنی احتیاط سے غافل ہو جاتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۵۹' رقم الحدیث: ۱۶۲۱۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

تربیت دینے اور ادب سکھانے کے لیے جانوروں کو مارنے اور سزا دینے کا جواز

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہدہد کو سزا دینے کی وعید سنائی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہدہد ایک جانور اور پرندہ تھا اور جانور کسی چیز کا مکلف نہیں ہوتا پھر ہدہد کی غیر حاضری پر اس کو سزا کی وعید سنانے کی کیا توجیہ ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سزا بہ طور تادیب ہے اور جانوروں کو سدھانے اور ان کو تربیت دینے کے لیے بھی سزا دی جاتی ہے' بچے بھی غیر مکلف ہوتے

ہیں لیکن ان کو تربیت دینے کے لیے مناسب حد تک مار لگائی جاتی ہے' حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو' اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو مارو' اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۶' ۴۹۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۳۲۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰' رقم الحدیث: ۶۶۸۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۹' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۶)

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تمام پرندے' دیگر حیوانات اور جنات اور شیاطین جوان کے لیے مسخر کیے گئے تھے' وہ سب حضرت سلیمان کا حکم ماننے کے مکلف تھے اور ان کے احکام ان کے احوال کے مناسب تھے' ان میں فہم اور ادراک تھا اور جس طرح انسان اوامر اور نواہی کو قبول کرتے ہیں وہ بھی اوامر اور نواہی کو قبول کرتے تھے' اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاکلیل میں لکھا ہے کہ حیوانات اور بہائم جب چلنے یا دوڑنے میں سستی کریں یا جو کام ان کو سکھایا گیا ہے اس میں غفلت اور غلطی کریں تو ان کو مارنا جائز ہے اور پرندوں کے پر اکھاڑنا بھی جائز ہے کیونکہ اس سزا سے مراد ہدہد کے پر اکھاڑنا تھا' اور علامہ ابن العربی نے یہ کہا ہے کہ سزا بہ قدر جرم دینی چاہیے نہ کہ بہ قدر جسم' نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پرندے ان کے احکام کے مکلف تھے تب ہی ہدہد کی غیر حاضری پر اس کے لیے سزا کی وعید سنائی۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہدہد کی سزا کے متعلق متعدد اقوال

ہدہد کی سزا کے متعلق حسب ذیل چھ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد پر اکھاڑنا ہے۔ (۲) عبداللہ بن شداد نے کہا اس سے مراد اس کے پر اکھاڑنا اور اس کو دھوپ میں رکھنا ہے۔ (۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد اس کے پیر باندھ کر اس کو دھوپ میں چھوڑ دینا ہے۔ (۴) مقاتل بن حیان نے کہا اس سے مراد اس پر تیل مل کر اس کو دھوپ میں چھوڑ دینا ہے۔ (۵) ثعلبی نے کہا اس سے مراد اس کو پنجرے میں بند کرنا ہے۔ (۶) ثعلبی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی مانوس چیزوں کو اس سے دور کر دیا جائے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۶۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

عربی قواعد کے خلاف قرآن مجید کی کتابت کی تحقیق

حضرت سلیمان نے فرمایا تھا میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا' ذبح کرنے کے متعلق قرآن مجید میں اس طرح لکھا ہے لا اذبحنہ' اس تحریر پر یہ اعتراض ہے کہ لا کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے یہ قواعد کے خلاف ہے' قواعد کے موافق اس طرح لکھا ہوا ہونا چاہیے تھا لا ذبحنہ.

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

عربوں کی کتابت اس زمانے کے بدوؤں کی کتابت سے ملتی جلتی تھی بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی کتابت سے آج کل کے بدوؤں کی کتابت اچھی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ شہری تمدن سے اور شہروں اور حکومتوں کے اختلاط سے بہت قریب ہیں۔ مضر تو

بدویت میں ڈوبے ہوئے تھے اور یمن' عراق' شام اور مصر کے لوگ تمدن سے بہت دور تھے۔ اسی لیے شروع اسلام میں عربی خط استحکام خوبصورتی اور عمدگی کی حد تک نہیں پہنچا تھا بلکہ درمیانی درجہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کیونکہ عرب بدویت و وحشت سے قریب اور صنعتوں سے دور تھے اسی لیے مصحف شریف کی رسم کتابت میں جو کچھ پیش آنا تھا پیش آیا۔ صحابہ کرام نے اپنے رسم الخط میں مصحف کو لکھا ان کی عمدگی میں استحکام نہ تھا چنانچہ اکثر جگہ ان کا رسم الخط معروف رسم الخط کے خلاف ہے۔ پھر یہی رسم الخط تابعین نے ترک کے طور پر رہنے دیا' کیونکہ یہ صحابہ کا خط تھا جو امت میں بہترین لوگ اور وحی کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے والے تھے۔ جیسے آج کل تبرک کے طور پر کسی عالم یا ولی کا خط بحال رہنے دیا جاتا ہے' اور اس کے رسم الخط کی پیروی کی جاتی ہے۔ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ صحابہ کا تو پھر بھی بہت اونچا درجہ ہے' چنانچہ ان کا رسم الخط قرآن پاک میں باقی رکھا گیا اور خاص خاص مقامات پر علماء نے ان کے مخصوص خط کی نشاندہی فرمائی۔

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صنعت خط میں صحابہ کے زمانہ میں استحکام تھا' اور موجودہ رسم الخط کی جہاں کہیں مخالفت پائی جاتی ہے' اس کی کوئی خاص وجہ ہے جیسے ''لا اذبحنه ''میں الف کی زیادتی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فعل ذبح کا وقوع نہیں ہوا تھا اور بایید میں یا کی زیادتی سے اللہ کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ غرضیکہ جہاں کسی حرف کی زیادتی ہے اس میں کوئی نہ کوئی تنبیہ مقصود ہے۔ آپ اس قسم کی رائے کی طرف توجہ بھی نہ دیں کہ اس رائے کی کوئی اصل نہیں اور محض ہٹ دھرمی ہے۔ لوگوں کو اس توجیہ پر صحابہ کی شان میں نقص کو اچھا نہ سمجھنے نے آمادہ کیا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ انہیں اچھی طرح سے لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ ان کے زعم میں وہ اس نقص سے بری تھے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لکھنا کمال کی نشانی ہے اور اس میں نقص صحابہ کی شان کے نقص کو لازم ہے اس لیے تحریر میں نقص سے صحابہ کو بری کرنے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ ان کی تحریر بالکل صحیح ہے۔ اصول رسم الخط کے خلاف نہیں اور جہاں اصول رسم الخط کے خلاف لازم آتا ہے وہاں تاویلیں کر لیتے ہیں حالانکہ یہ گمان ہی صحیح نہیں۔ یاد رکھیے کہ صحابہ کے حق میں لکھنا کمال نہیں کیونکہ کتابت بھی دیگر شہری صنعتوں کی طرح روزی کمانے کی ایک صنعت ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور صنعتوں کا کمال مطلق کمال کی بہ نسبت اضافی ہے کیونکہ ان کی کمی کا اثر نہ تو بالذات دین پر پڑتا ہے نہ عادتوں پر بلکہ اسباب معاش پر پڑتا ہے اور تمدنی تعاون پر بھی' کیونکہ کتابت اظہار خیالات کا ایک قوی ذریعہ ہے۔

غور کیجئے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام کے بلند ہونے کی وجہ سے آپ کو عملی صنعتوں سے اور آبادی و معاش کے اسباب سے محفوظ رہنا ہی مناسب تھا' لیکن ہمارے حق میں امی رہنا کمال نہیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو دنیا سے کٹ کر اپنے رب سے لو لگائے ہوئے تھے اور ہم دینوی زندگی کے لیے باہمی تعاون کرتے ہیں جیسا کہ تمام صنعتوں کا حال ہے حتیٰ کہ اصطلاحی علوم کا بھی کیونکہ آپ کے حق میں ان سب سے بچنا ہی کمال ہے ہمارے حق میں نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۴۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن خلدون کا یہ کہنا کہ لا اذبحنه میں الف کا زیادہ لکھنا اس پر محمول ہے کہ صحابہ کرام کو عربی لکھنے کے فن میں مہارت نہیں تھی بہت بعید ہے' بعض لوگوں نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں الف اس لیے زیادہ کیا ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ ہدہد کو ذبح نہیں کیا گیا تھا یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے ورنہ لا عذبنه میں بھی الف کو زیادہ کرتے کیونکہ ہدہد کو عذاب بھی نہیں دیا گیا تھا' اور علامہ ابن خلدون نے جو یہ کہا ہے کہ مصحف صحابہ کرام نے اپنے خطوط میں لکھا جن کی عمدگی میں استحکام نہ تھا' اگر اس

سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا خط خوب صورت نہیں تھا تو یہ ان کے حق میں کوئی نقص نہیں' اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا خط عربی قواعد کے مطابق نہ تھا یعنی عربی قواعد میں جہاں وصل کر کے لکھنا چاہیے اور جہاں فصل کر کے لکھنا چاہیے اور جہاں جس چیز کو لکھنا چاہیے اور جہاں جس چیز کو ترک کرنا چاہیے اور صحابہ نے اس کی رعایت نہیں کی تو یہ محل بحث ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ جن صحابہ نے قرآن مجید کو لکھا ہے وہ رسم الخط کو اچھی طرح جاننے والے تھے کہ کہاں کسی حرف کو لکھنا چاہیے اور کسی حرف کو ترک کرنا چاہیے اور کہاں کس لفظ کو ملا کر لکھنا چاہیے اور کہاں کس لفظ کو ملائے بغیر لکھنا چاہیے' لیکن انہوں نے بعض مقامات پر کسی حکمت کی اور کسی نکتہ کی بنا پر ان قواعد کی مخالفت کی ہے' صحابہ میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فن کتابت میں مشہور تھے اور ان کی شہرت ان کے عمدہ لکھنے ہی کی وجہ سے تھی' سو جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ اکابر اور دیگر صحابہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں الف لکھنا چاہیے اور کہاں نہیں' اسی طرح جن دوسرے مقامات میں انہوں نے قواعد خط کی مخالفت کی ہے تو ان کو اصل قواعد کا علم نہیں تھا' اس کا یہ قول ادب اور انصاف کے خلاف ہے۔

اسی طرح جو شخص بعد کے ان تابعین وغیرہم کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ اس پر مطلع تو ہو گئے تھے کہ صحابہ کرام نے ان مقامات پر قوانین خط کی مخالفت کی ہے لیکن انہوں نے صحابہ کرام کے خط کو تبرکاً اسی طرح رہنے دیا اور اس کی اصلاح نہیں کی اس کا قول بھی ادب اور انصاف سے دور ہے' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام نے جن لوگوں سے لکھنا سیکھا تھا انہوں نے ان کو اسی طرح بتایا تھا سو یہ صحابہ کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کو سکھانے والے کا قصور ہے' یہ جواب بھی اگرچہ پہلے جواب کی مثل ہے لیکن اس میں پہلے جواب کی طرح بے ادبی نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۷۶-۲۷۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد طاہر ابن عاشور لکھتے ہیں:

لا اذبحنه میں لا کے بعد الف بھی لکھا گیا ہے' کیونکہ مسلمانوں کا اعتماد قرآن مجید کے پڑھنے میں حفظ پر ہے کتابت پر نہیں ہے کیونکہ مصاحف کو اس وقت تک نہیں لکھا گیا جب تک کہ ان کو بیس سے زیادہ مرتبہ پڑھ نہیں لیا گیا' اور مصحف کے رسم الخط میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بعد میں بنائے گئے رسم الخط کے قواعد کے مخالف ہیں کیونکہ ابتداء اسلام میں رسم الخط کے قواعد منضبط نہیں ہوئے تھے اور عرب کا اعتماد اپنے حافظوں پر تھا۔ (التحریر والتنویر ج ۱۹ ص ۲۴۸-۲۴۷' مطبوعہ تیونس)

لا اذبحنه کے علاوہ قرآن میں اور بھی کافی الفاظ ایسے ہیں جو رسم الخط کے قواعد کے خلاف لکھے ہوئے اس لیے ہم ذیل میں ان الفاظ کی فہرس پیش کر رہے ہیں۔

قواعد رسم الخط کے خلاف مصحف میں مذکور الفاظ کی فہرس

نمبر	لفظ	صفحہ	سطر	سورۃ	آیت	پارہ	رکوع
۱	اَفَائِنْ مَّاتَ	۱۰۲	۸	سورہ آل عمران	۱۴۴	۴	۶
۲	لَا اِلَى اللهِ	۱۰۶	۶	سورہ آل عمران	۱۵۸	۴	۸
۳	تَبُوْءَا	۱۶۸	۱۱	سورہ مائدہ	۲۹	۶	۹
۴	مَلَائِهٖ	۲۴۵	۱۱	سورہ اعراف	۱۰۳	۹	۳
۵	لَا اَوْضَعُوْا	۲۹۴	۲	سورۂ توبہ	۴۷	۱۰	۱۲
۶	مَلَائِهٖ	۳۲۶	۴	سورۂ یونس	۷۵	۱۱	۱۲

۷	مَلَائِهِمْ	۳۲۷	۴	سورۂ یونس	۸۳	۱۱	۱۴
۸	ثَمُوْدَا	۳۴۴	۵	سورۂ ھود	۶۸	۱۲	۶
۹	مَلَائِهٖ	۳۴۹	۳	سورۂ ھود	۹۷	۱۲	۹
۱۰	لِتَتْلُوَا	۳۷۹	۱۲	سورۂ رعد	۳۰	۱۳	۱۰
۱۱	لَنْ نَدْعُوَا	۴۴۲	۴	سورۂ کھف	۱۴	۱۵	۱۴
۱۲	لِشَائْ ءِ	۴۴۴	۸	سورۂ کھف	۲۳	۱۵	۱۶
۱۳	لٰكِنَّا	۴۴۷	۳	سورۂ کھف	۳۸	۱۵	۱۷
۱۴	اَفَائِنْ مِّتَّ	۴۸۷	۷	سورۂ انبیاء	۳۴	۱۷	۳
۱۵	مَلَائِهٖ	۵۱۸	۲	سورۂ مومنون	۴۶	۱۸	۳
۱۶	ثَمُوْدَا	۵۴۵	۲	سورۂ فرقان	۳۸	۱۹	۲
۱۷	لَا اذْبَحَنَّهٗ	۵۶۷	۱۱	سورۂ نمل	۲۱	۱۹	۱۷
۱۸	مَلَائِهٖ	۵۸۴	۷	سورۂ قصص	۳۲	۲۰	۷
۱۹	ثَمُوْدَا	۶۰۱	۷	سورۂ عنکبوت	۳۸	۲۰	۱۶
۲۰	لِيَرْبُوْا	۶۱۲	۱۰	سورۂ روم	۳۹	۲۱	۷
۲۱	لَا اِلَى الْجَحِيْمِ	۶۷۳	۵	سورۂ صافات	۶۸	۲۳	۶
۲۲	مَلَائِهٖ	۷۳۹	۲	سورۂ زخرف	۴۶	۲۵	۱۱
۲۳	لِيَبْلُوَا	۷۶۰	۱۱	سورۂ محمد	۴	۲۶	۵
۲۴	وَنَبْلُوَا	۷۶۴	۱۲	سورۂ محمد	۲۱	۲۶	۸
۲۵	ثَمُوْدَا	۷۹۲	۳	سورۂ النجم	۵۱	۲۷	۷
۲۶	سَلٰسِلَا	۸۶۸	۶	سورۂ دھر	۴	۲۹	۱۹
۲۷	كَانَتْ قَوَارِيْرَا	۸۶۹	۵	سورۂ دھر	۱۵	۲۹	۱۹
۲۸	قَوَارِيْرَا	۸۶۹	۵	سورۂ دھر	۱۶	۲۹	۱۹

(القرآن الحکیم مع ترجمہ البیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان)

قواعد رسم الخط کی مخالفت کے جوابات کی تنقیح

(۱) علامہ ابن خلدون نے یہ جواب دیا ہے کہ جن صحابہ نے مصحف کو لکھا وہ رسم الخط کے جاننے والے نہ تھے' اور بعد کے جاننے والوں نے ان الفاظ کی اصلاح نہیں کی اور ان کو تبرکاً اور ادباً اسی طرح رہنے دیا۔

(۲) علامہ آلوسی نے یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام ان قواعد کے جاننے والے تھے' لیکن ان کی یہ مخالفت کسی حکمت اور کسی نکتہ پر مبنی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہم اس حکمت پر مطلع ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جن لوگوں سے لکھنا سیکھا تھا انہوں نے ان کو یہ قواعد پوری طرح نہیں سکھائے اس لیے قصور سکھانے والوں کا ہے نہ کہ صحابہ کرام کا۔

(۳) صحابہ کرام کے مصحف میں لکھنے کے بعد یہ قواعد بنائے گئے ہیں اور بعد میں بنائے گئے قواعد کی اتباع کرنا صحابہ کرام پر

لازم نہ تھا۔

مصحف کریم کا خط بھی تواتر سے ثابت ہے اور موجودہ خط پر امت کا اجماع ہے' اس لیے اس خط میں ردو بدل کرنا جائز نہیں اور جو آیات مصحف میں جس طرح لکھی ہوئی ہیں ان کو اسی طرح لکھا جائے گا۔

یہ آیات جو لکھنے کے قواعد کے خلاف مصحف میں لکھی ہوئی ہیں اس مخالفت میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید ترمیم' تحریف اور ردوبدل سے محفوظ ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کو لکھوایا تھا آج بھی مصحف اسی طرح لکھا ہوا ہے' حتیٰ کہ اس وقت جو الفاظ رسم الخط کے قواعد کے خلاف لکھے ہوئے تھے۔ وہ آج بھی اسی طرح لکھے ہوئے ہیں' ورنہ یہ ممکن تھا کہ جب بعد میں رسم الخط کے قواعد مرتب اور مدون کیے گئے تو قرآن مجید میں جو الفاظ ان قواعد کے خلاف لکھے گئے تھے ان کی اصلاح کر کے ان کو بدل دیا جاتا' لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور تمام امت نے قرآن مجید کے خط کو اسی حال پر باقی رکھا جس حال میں حضرت عثمان نے اس کو رکھا تھا' اور یہ اس بات کی بہت واضح اور بین اور بہت قوی دلیل ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف اور ردوبدل سے محفوظ ہے نہ اس کے رسم الخط اور لکھنے میں کوئی ترمیم ہوئی اور نہ اس کی تلاوت میں۔ (البتہ برصغیر کے بعض مصاحف میں ناخواندہ عجمیوں کی سہولت کے لیے رسم الخط میں کچھ ناگزیر تبدیلی کردی گئی ہے)۔

ہدہد کا ملک سبا کی سیر کر کے حضرت سلیمان کی خدمت میں آنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ (ہدہد) کچھ دیر بعد آ کر بولا' میں نے اس جگہ کا احاطہ کرلیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا۔ (النمل: ۲۳)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام حج کرنے کے بعد حرم شریف سے واپس آئے تو زوال کے وقت یمن کے مقام صنعاء میں پہنچے' یہ جگہ حرم سے ایک ماہ کی مسافت پر تھی ان کو وہ جگہ اچھی لگی۔ انہوں نے کھانے اور نماز پڑھنے کے لیے وہاں اترنے کا قصد کیا' جب وہ تخت سے اس جگہ اتر گئے تو ہدہد نے دل میں کہا حضرت سلیمان تو اس جگہ کی سیر میں مشغول ہیں' میں اڑ کر فضا میں گھومتا ہوں' اس نے دائیں بائیں دیکھا تو اس کو بلقیس کا باغ نظر آیا' وہ اس کے سبزہ اور پھولوں کی طرف مائل ہوا' وہ اس باغ میں اتر گیا' وہاں بھی اس نے ایک ہدہد کو دیکھا۔ حضرت سلیمان کے ہدہد کا نام یعفور تھا اور یمن کے ہدہد کا نام یعفیر تھا' پس یمن کے یعفیر نے حضرت سلیمان کے یعفور سے کہا تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں اپنے بادشاہ سلیمان بن داؤد کے ساتھ یمن میں آیا ہوں' اس نے پوچھا سلیمان کون ہیں؟ اس نے کہا وہ جن اور انس' اور شیاطین اور پرندوں اور وحشی جانوروں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں؟ پھر اس سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں اس ملک کا رہنے والا ہوں! یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟ اس نے کہا ایک عورت ہے جس کا نام بلقیس ہے' اور بے شک تمہارا مالک بہت بڑا بادشاہ ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی اس سے کم نہیں ہے' وہ پورے یمن کی ملکہ ہے' اور اس کے ماتحت بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے تحت ایک لاکھ جنگجو ہیں کیا تم میرے ساتھ چلو گے تاکہ میں تمہیں اس کا ملک دکھاؤں؟ یعفور نے کہا مجھے خدشہ ہے کہ سلیمان کو جب پانی کی ضرورت ہوگی تو وہ مجھے تلاش کریں گے' کیونکہ میں ان کو پانی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں' یمانی ہدہد نے کہا جب تم اپنے بادشاہ کے پاس اس ملک کی خبر لے کر جاؤ گے تو وہ خوش ہوگا' پھر یعفور اس کے ساتھ چلا گیا اور بلقیس اور اس کے ملک کو دیکھا' پھر ہدہد عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا' ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام نماز کے وقت تخت سے اترے اس جگہ پانی نہیں تھا' آپ نے انسان' جنات اور شیاطین سے پانی کے متعلق سوال کیا تو

ان کو معلوم نہیں تھا' پھر آپ نے پرندوں کی تفتیش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا' آپ نے پرندوں کے تلاش کرنے والے کو بلایا وہ گدھ تھا اس سے ہدہد کے متعلق سوال کیا' اس نے کہا اللہ آپ کے ملک کو سلامت رکھے مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام غضبناک ہوئے اور فرمایا میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا' پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلایا' اور اس سے کہا ابھی ہدہد کو لا کر حاضر کرو' عقاب ہوا میں بلند ہوا اور دائیں بائیں نظر ڈالی تو ہدہد یمن کی طرف سے آ رہا تھا' عقاب اس پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹا تو ہدہد نے اس کو قسم دی کہ اس ذات کی قسم جس نے تجھ کو مجھ پر قدرت دی ہے مجھ پر حملہ نہ کر! عقاب نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا تجھ پر افسوس ہے تجھ پر تیری ماں روئے' اللہ کے نبی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ تجھ کو ضرور سزا دے گا یا ضرور ذبح کر دے گا' ہدہد نے پوچھا آیا اللہ کے نبی نے قسم کے ساتھ کوئی استثناء بھی کیا ہے یا نہیں' تو اس کو بتایا کہ حضرت سلیمان نے کہا ہے کہ ورنہ وہ اس کی (یعنی اپنی غیر حاضری کی) صاف صاف وجہ بیان کرے' ہدہد نے کہا اب میری نجات ہو جائے گی' پھر عقاب اور ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت سلیمان اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے' عقاب نے کہا میں نے ہدہد کو حاضر کر دیا ہے۔ ہدہد نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنی دم اور پر جھکا دیئے' حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا: تم کہاں تھے؟ میں تم کو سخت سزا دوں گا! ہدہد نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ وہ وقت یاد کیجیے جب آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے' حضرت سلیمان یہ سن کر کانپنے لگے اور اس کو معاف کر دیا' پھر اس سے تاخیر کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا: میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں' میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس قصہ کو علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی بیان کیا ہے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۳۶۳' زاد المسیر ج ۶ ص ۱۶۴' البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۴' روح البیان ج ۶ ص ۴۳۳' روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۷)

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جو اپنے علم کا اظہار کیا اس کی علامہ زمخشری کی طرف سے توجیہ

ہدہد نے کہا میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو اس کلام کا الہام کیا تھا جو اس نے حضرت سلیمان کے روبرو کیا' کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت' حکمت' علوم وافرہ اور بہ کثرت معلومات کے احاطہ کی فضیلت دی گئی ہے اس کے باوجود ان کی آزمائش کے لیے ان کو اس کا علم نہیں دیا گیا اور ایک ادنیٰ اور کمزور ترین مخلوق نے ان چیزوں کے علم کا احاطہ کر لیا جن کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے احاطہ نہیں کیا تھا' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام تھا تاکہ وہ باوجود اپنے عظیم علوم کے منکسر اور متواضع رہیں اور ان کے دل میں اپنے علوم کی برتری اور تفاخر کا معمولی سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو' اور کسی چیز کے علم کے احاطہ کا معنی یہ ہے کہ اس کی تمام جہات معلوم ہوں اور اس کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں رافضیوں کے اس قول کا بطلان ہے کہ امام سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہوتا۔

(الکشاف ج ۳ ص ۳۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس تقریر کا خلاصہ لکھا ہے اور علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ نے بعینہ یہی لکھا ہے۔

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے بھی اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۵۰، البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۵، تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۲۳۶)

علامہ زمخشری کی توجیہ کا رد اور اس کی صحیح توجیہ

ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کی اور یہ بہ ظاہر ہد ہد کی اللہ کے نبی کے سامنے جسارت اور بے ادبی ہے، علامہ زمخشری اور ان کے متبعین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ہد ہد کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کا الہام اس لیے کیا تھا تا کہ حضرت سلیمان اپنے عظیم علوم پر فخر نہ کریں، لیکن دیگر مفسرین نے اس توجیہ سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہد ہد نے جو کہا تھا کہ میں نے اس چیز کا احاطہ کر لیا ہے، جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا، اور احاطہ کا معنی ہے کسی چیز کی جمیع جہات سے معرفت ہو، اس سے ہد ہد کی یہ مراد نہیں تھی کہ اس نے ان حقائق علوم اور دقائق معارف کا احاطہ کر لیا ہے جو علماء اور حکماء کا خاصہ ہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کا یہ کہنا دائرہ ادب سے تعدی اور اپنی حد سے تجاوز ہو اور اس کا یہ کلام بے باکی اور گستاخی پر محمول کیا جائے، اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس علم کی جو نفی کی تھی اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے ادبی اور توہین قرار دیا جائے، اور پھر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ ہد ہد نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کہا تھا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت، حکمت، علوم کثیرہ اور معلومات وافرہ کے احاطہ کی جو فضیلت دی گئی ہے اس کی وجہ سے ان کو تفاخر نہ ہو اور ان کو اس پر تنبیہ ہو کہ اللہ کی ادنیٰ اور ضعیف ترین مخلوق نے بھی اس چیز کے علم کا احاطہ کر لیا جس کا حضرت سلیمان کے علم نے احاطہ نہیں کیا تا کہ حضرت سلیمان متواضع اور منکسر رہیں، بلکہ ہد ہد کا اپنے اس قول سے یہ ارادہ تھا کہ ہد ہد نے جس ملک سبا کو دیکھا ہے اس کو دیکھنا ان امور میں سے نہیں ہے جس کا احاطہ کرنا کوئی فضیلت ہو اور نہ اس سے غافل ہونا کوئی نقص ہے کیونکہ ملک سبا کا احاطہ کرنا تو صرف اس کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے پر موقوف ہے اور اس کے ادراک میں عقل والے اور بے عقل سب برابر ہیں اور ہد ہد کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک سبا کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی اور سے اس کی خبر سنی ہے۔ اس لیے ہد ہد نے اس طریقہ سے یہ بات کہی تا کہ حضرت سلیمان کو ملک سبا کو دیکھنے کا شوق ہو اور وہ اس کے غائب رہنے کا عذر اس لیے قبول کر لیں کہ وہ ان کو ایک نئی چیز دکھانے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لیے غیر حاضر رہا تھا۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۵ ص ۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ملک سبا کو نہ دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں کسی کمی کا موجب نہیں ہے کیونکہ جو علم نبوت میں نافع اور مفید نہ ہو وہ انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی ہے:

اعوذبک من علم لا ینفع (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۲) "جو علم غیر نافع ہو میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں"، بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صنعاء میں پہنچ چکے تھے اور وہاں سے ملک سبا صرف

تین دن کی مسافت یا تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا اس کے باوجود کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ملک سبا آپ سے مخفی رکھا جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ مخفی رکھی تھی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۳۴ ملخصاً 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی علامہ زمخشری وغیرہم کی توجیہ کا اسی دلیل سے رد کیا جو علامہ ابن سعود نے بیان کی ہے کہ ملک سبا کو دیکھنے میں کوئی فضیلت نہیں تھی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تواضع اور انکسار پر راغب کرنے کے لیے ہدہد کا یہ قول کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس سے متصل پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر فرمایا ہے: اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور تو مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (النمل: ۱۹)

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق علامہ قرطبی کا نظریہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا جس کا آپ کو علم نہیں ہے' اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۶۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو کل غیوب کا علم ہوتا ہے اور ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی' سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہوتی ہے اور جب حضرت سلیمان کو بعض غیوب کا علم نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ ان کو کل غیوب کا علم نہیں تھا' کیونکہ علامہ قرطبی اس کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔

الجن: ۲۷-۲۶ کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اولیٰ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کو صرف اس پر ظاہر فرماتا ہے جس کو وہ نبوت کے لیے چن لیتا ہے' پھر وہ اس کو جس قدر چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے تاکہ یہ علم غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

علماء رحمہم اللہ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب ہونے سے اپنی مدح فرمائی اور علم غیب کو اپنے ساتھ خاص کر لیا تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا استثناء کر لیا جن کو اس نے اپنی رسالت کے لیے چن لیا اور بذریعہ وحی ان کو غیب عطا فرمایا اور اس علم غیب کو ان کے لیے معجزہ اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۷-۲۶ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ملک سبا کی تحقیق

ہدہد نے کہا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی یقینی خبر لایا ہوں۔

سبا یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے' اس قبیلہ کے سب سے بڑے شخص کا نام سبا تھا' اس کا پورا نام سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا' یہ بھی کہا ہے کہ اس کا نام عبدالشمس تھا' اور اس کا لقب سبا تھا کیونکہ وہ سب سے پہلے قید کیا گیا تھا (سبا کا معنی قید کرنا ہے) پھر مآرب نامی شہر کا نام سبا رکھ دیا' سبا اور صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سبا وہ پہلا شخص ہے جس نے یمن کے بادشاہوں میں سے تاج پہنا تھا' اس کے دس بیٹے تھے ان میں سے چھ یمن میں رہے اور چار

شام میں' اور امام راغب نے لکھا ہے کہ سبا ایک شہر کا نام ہے جس کے رہنے والے مختلف جگہوں میں پھیل گئے تھے۔
(المفردات ج ۱ ص ۲۹۵) (روح البیان ج ۶ ص ۴۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سبا یمن کا ایک علاقہ ہے جو صنعاء اور حضر موت کے درمیان ہے' اس کا مرکزی شہر مآرب تھا' اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی شاخ آباد تھی۔ (معجم البلدان (اردو) ص ۱۸۲' مطبوعہ لاہور)

ملکہ سبا کا تعارف

ہد ہد نے کہا میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور جس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس عورت کا نام بلقیس بن شراحیل تھا' یہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی' اس کا باپ عظیم الشان بادشاہ تھا' یہ تمام یمن کا مالک تھا' اس نے اردگرد کے بادشاہوں سے کہا تم میں سے کوئی میرا کفو نہیں ہے' اور ان کے ہاں شادی کرنے سے انکار کر دیا' پھر انہوں نے ایک جنیہ (جن عورت) سے اس کا نکاح کر دیا اس کا نام ریحانۃ بنت السکن تھا پھر اس سے بلقیس پیدا ہوئی۔ حدیث میں ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے' جب بلقیس کے والد فوت ہو گئے تو اس کے علاوہ اس کا اور کوئی وارث نہیں تھا' بلقیس نے حکمرانی کی خواہش کی اکثر سرداروں نے اس کو ملکہ مان لیا' بعض نے مخالفت کی لیکن بلقیس ان پر غالب آ گئی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۹ - ۴۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بلقیس کی مزید تفصیل لکھی ہے:

یہ ملکہ سبا ہے اس نے نو سال یمن پر حکومت کی' پھر حضرت سلیمان کی طرف سے یہ یمن پر خلیفہ ہو گئی اور ان کی طرف سے مزید چار سال حکومت کی۔

مسلمہ بن عبداللہ بن ربعی نے بیان کیا کہ جب بلقیس مسلمان ہو گئی تو اس سے حضرت سلیمان بن داؤد نے نکاح کر لیا' اور بعلبک اس کو مہر میں دیا۔ (بعلبک ایک قدیم شہر ہے جو دمشق سے تین دن کی مسافت پر ہے' معجم البلدان (عربی) ج ۱ ص ۴۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے۔

حسن بصری سے ملکہ سبا کے متعلق پوچھا گیا اور لوگوں نے کہا اس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے' تو انہوں نے کہا انسان اور جن کے درمیان ولادت نہیں ہوتی۔ (تاریخ دمشق ج ۷۳ ص ۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

آیا جن اور انسان کا نکاح عقلاً ممکن ہے یا نہیں؟

ہم نے ذکر کیا ہے کہ انسان اور جنیہ کے ملاپ کے نتیجہ میں بلقیس پیدا ہوئی اور اس سلسلہ میں امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث بھی روایت کی ہے' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۷۰' دار الفکر' ۱۴۱۸ھ) اس مقام پر دو بحثیں ہیں ایک یہ کہ انسان اور جنیہ کے ملاپ سے تولید ہونا عقلاً ممکن ہے یا نہیں' دوسری بحث یہ ہے کہ انسان اور جنیہ کے درمیان نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے' ہم پہلے اس تولید کے عقلی امکان کا جائزہ لے رہے ہیں:

قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی الحنفی المتوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ انسان کا جنیہ سے اور جن کا انسان عورت سے نکاح کرنا ممکن ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

امام ابن جریر نے امام احمد اور امام اسحاق سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے' اور فقہاء احناف کی تصانیف میں سے فتاوی سراجیہ میں لکھا ہوا ہے کہ انسان اور جن کے درمیان اختلاف جنس کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

اور ہمارے ائمہ شافعیہ میں سے شیخ الاسلام البارزی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان قرار دیا ہے کہ اس نے ہمارے نفسوں سے ہماری بیویاں بنائی ہیں (النحل: ۷۲) اور ابن العماد نے شرح الوجیز میں اس نکاح کو جائز کہا ہے اور اعمش نے کہا ہے کہ ایک جنی نے ہم سے شادی کی' میں نے اس سے پوچھا کہ تم کو کون سا کھانا پسند ہے اس نے کہا چاول' ہم اس شادی میں گئے' میں نے دیکھا کہ چاول دستر خوان سے اٹھ رہے تھے' اور کھانے والے نظر نہیں آ رہے تھے' میں نے اس سے پوچھا کیا تمہارے اندر بھی گمراہ فرقے ہوتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں! میں نے پوچھا پھر رافضیوں کا تمہارے ہاں کیا حکم ہے؟ اس نے کہا وہ سب سے بدتر فرقہ ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۹۸-۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی پر استدلال کا جواب

بعض علماء نے بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ جس دور میں بلقیس حکمران تھی اس وقت وہ کافرہ تھی اور کافروں پر اس کی حکومت تھی جیسا کہ عنقریب قرآن مجید کی آیات سے واضح ہو جائے گا اور کافروں کا کوئی قول اور فعل حجت نہیں ہوتا ثانیاً اس لیے کہ ہمارے لیے حجت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور آپ نے عورت کی حکمرانی کی مذمت فرمائی ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

عورت کے وزیر اعظم ہونے کے جواز کے دلائل اور ان کے جوابات

ہمارے ملک میں ۱۹۸۸ھ اور ۱۹۹۲ھ میں دو مرتبہ ایک عورت کو ملک کا وزیر اعظم بنایا جا چکا ہے اور جو لوگ عورت کو ملک کا سربراہ بنانے کو جائز کہتے ہیں ان کا اولین استدلال ملکہ سبا کی حکومت سے ہے اس کا جواب ہم نے بیان کر دیا۔

دوسرا استدلال اس سے ہے کہ جنگ جمل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی میں لڑی گئی' استاذ العلماء ملک المدرسین قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

اب بندہ اس امر پر چند دلائل مزید پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں عورت سربراہ ہو سکتی ہے:

دلیل اوّل: جنگ جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی سربراہی میں لڑی گئی اور اس جنگ میں عائشہ صدیقہ سربراہ لشکر تھیں اور ہزاروں فوجیوں نے اپنی ماں کے قدموں میں جانیں قربان کر دیں ان میں صحابہ بھی تھے بلکہ بعض صحابہ عشرہ مبشرہ سے تھے۔ (عورت کی حکمرانی ص ۴۱-۴۰)

یہ استدلال درست نہیں ہے' حضرت عائشہ نے اس جنگ میں جو قیادت کی تھی انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا تھا لہٰذا اب ان کے اس فعل سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب **وقرن فی بیوتکن** (الاحزاب: ۳۳) ''تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو'' کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۸۱' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری سے کھلی طور پر نادم ہوئیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۷۷' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ زیلعی ابن عبد البر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے فرمایا: تم نے

مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت ابن الزبیر) کی رائے آپ کی رائے پر غالب آ چکی تھی۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۷۰، مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

امام حاکم نیشاپوری قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ کی دوسری ازواج کے ساتھ بقیع میں دفن کر دینا، چنانچہ آپ کو بقیع میں دفن کر دیا گیا، امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶، مکہ مکرمہ)

حافظ ذہبی ان کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: بدعت سے حضرت عائشہ کی مراد ان کا جنگ جمل میں جانا تھا، وہ اپنے اس فعل پر کلی طور پر نادم ہوئیں اور انہوں نے اس پر توبہ کر لی اگرچہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کی نیت نیک تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۹۳، بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کے قصد سے گھر سے نکلی تھیں لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس فعل کو بدعت اور خطا قرار دیا اور اس پر اس قدر نادم ہوئیں کہ روضہ رسول میں حضور کے جوار میں دفن ہونے سے بھی آپ کو شرم آئی اور تا حیات اس فعل پر ندامت سے آنسو بہاتی رہیں، لہٰذا حضرت عائشہ کے بصرہ کے سفر سے عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، عورت کی سربراہی کا تو اس واقعہ میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، نہ آپ سربراہی کی مدعیہ تھیں، نہ جنگ میں پیشوائی کر رہی تھیں، جنگ جمل تو ایک اتفاقی حادثہ تھا جو قاتلین عثمان کی سازش کے نتیجہ میں واقع ہوا جیسا کہ علامہ آلوسی نے وقرن فی بیوتکن کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ قائم کی ہے:

دلیل دوم: فقہ میں مصرح ہے کہ عورت قاضیہ ہو سکتی ہے اور قاضی بھی ان لوگوں کے لیے جن کا وہ قاضی ہے سربراہ ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے امور قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (عورت کی حکمرانی ص ۴۱)

فقہاء ثلاثہ تو مطلقاً عورت کی سربراہی اور امامت کو ناجائز کہتے ہیں البتہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ جن امور میں عورت کی شہادت قبول کی جائے گی ان امور میں عورت کی قضا بھی قبول کی جائے گی اس کا شافی جواب فقہاء احناف کے مذہب کے عنوان میں انشاء اللہ العزیز بیان کریں گے۔

ہر چند کہ استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے ان دلیلوں سے عورت کی امامت اور خلافت یا ملک کی سربراہی پر استدلال نہیں فرمایا بلکہ انتظامیہ کی سربراہ پر استدلال فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں بن سکتی بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہو سکتی اس کی تین تعریفیں گزر چکی ہیں اور یہ تینوں تعریفیں صدر مملکت پر صادق آتی ہیں وزیر اعظم پر صادق نہیں آتیں تو خلاصہ یہ ہے کہ عورت صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتی اور وزیر اعظم ہو سکتی ہے۔ (عورت کی حکمرانی ص ۴۰)

امامت اور خلافت کی تین تعریفیں اور ان پر بحث ونظر

حضرت استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے امامت کی جن تین تعریفوں کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) درمختار سے تعریف نقل فرماتے ہیں: خلاصہ تعریف یہ ہوا کہ امامت میں لوگوں پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے۔

(عورت کی حکمرانی ص ۲۵) (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۰، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۲) مواقف اور شرح مواقف سے نقل فرمایا: ایک شخص کے لیے دنیاوی امور میں ریاست اور سرداری عام حاصل ہو کوئی دینی اور دنیاوی شعبہ اس کی ریاست سے خارج نہ ہو۔ (الی قولہ) اس تعریف سے یہ واضح ہو گیا کہ شرعی امام صرف ایک ہوتا ہے۔ امام متعدد نہیں ہو سکتے۔ تعریف اول اور دوم تقریباً ایک جیسی ہیں۔ (عورت کی حکمرانی ص ۲۷-۲۶ ملخصاً)

(شرح مواقف ج ۸ ص ۳۴۵، مطبوعہ ایران، ۱۳۲۵ھ)

اس کے بعد شرح مواقف سے ہی تیسری تعریف نقل فرماتے ہیں:

(۳) خلاصہ تعریف سوم یہ ہے کہ امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا نام ہے، اور یہ خلافت اقامت دین میں ہے اور ملت کے مجموعہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی اتباع (اطاعت) تمام امت پر واجب ہوتی ہے اس آخری قید سے قاضی اور مجتہد خارج ہو گئے کیونکہ قاضی اور مجتہد کی اتباع (اطاعت) ساری امت پر واجب نہیں بلکہ قاضی کی اتباع (اطاعت) صرف اس حلقہ کے لوگوں پر ہے جس حلقہ کا وہ قاضی ہے یا ان لوگوں پر ہے جن کا مقدمہ اور کیس قاضی کے پاس ہے، اسی طرح مجتہد کی اتباع (اطاعت) صرف اس کے مقلدین پر واجب ہے، اس تعریف پر وہ اعتراض نہیں ہوتا جو تعریف اول و دوم پر ہوتا ہے کہ ہر دو تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہیں حالانکہ امامت اور نبوت دو متغائر چیزیں ہیں۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۳۴۵، مطبوعہ ایران، ۱۳۲۵ھ)

اس تعریف پر اعتراض اس لیے نہیں ہوتا کہ نبوت کسی رسول کی خلافت نہیں ہے بلکہ نبوت شریعت مطہرہ کی بعثت ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عورت امام اور حاکم نہیں ہو سکتی اس سے مراد وہ حکومت اور امامت ہے جس کی تین تعریفیں ذکر کی گئی ہیں اس کے سوا بعض صورتوں میں عورت حاکم ہو سکتی ہے جیسے قاضی یا ملک کے کسی حصہ کی حکومت، البتہ عورت جس طرح امامت کبریٰ کی اہل نہیں ہے امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے۔ یعنی نماز کی امامت کی بھی اہل نہیں ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ امامت کی یہ مذکورہ تین تعریفیں صرف صدر پر صادق آتی ہیں یا صرف وزیر اعظم پر یا ہر ایک پر یا ہر دو کے مجموعہ پر، تو بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریفیں صرف اور صرف صدر پر صادق آتی ہیں کیونکہ تینوں تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ تمام لوگوں پر اس کا تصرف عام ہو اور تمام لوگوں پر اس کی اتباع (اطاعت) واجب ہو اور یہ امر صرف صدر مملکت پر صادق آتا ہے۔

(عورت کی حکمرانی ص ۲۸-۲۷)

حضرت استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے یہ تینوں تعریفیں امامت کبریٰ کی کی ہیں اور امام وہ ہے جس کی اطاعت تمام امت پر واجب ہو جیسا کہ خود استاذ العلماء نے فرمایا ہے اور امام اور خلیفہ تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے اور صدر مملکت صرف کسی ایک ملک کا سربراہ ہوتا ہے اس لیے یہ تعریفیں صدر مملکت پر صادق نہیں آتیں بلکہ یہ امام اور خلیفہ ہی کی تعریفیں ہیں۔

آیا اس دور میں مسلمانوں پر خلیفہ کو مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟

علامہ تفتازانی، علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے یہ بیان کیا ہے کہ امت پر تمام عالم اسلام میں ایک خلیفہ مقرر کرنا اس وقت واجب ہے جب ان کی قدرت اور اختیار میں ایک خلیفہ کو مقرر کرنا ممکن ہو اور خلفاء راشدین کے بعد جب غلبہ اور جور سے مروانی حکومت پر قابض ہو گئے تو اس وقت خلیفہ کو نصب کرنا مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں نہیں تھا، اس لیے یہ ان پر واجب نہیں رہا۔ اسی طرح بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالعزیز اور بنو عباس میں سے مہدی عباسی خلیفہ تھے لیکن ان کے بعد غلبہ اور جور سے ملوک اور سلاطین حکمران بن گئے اور اس وقت بھی ایک خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں کی قدرت میں نہیں تھا، اس لیے

مسلمانوں پر ایک خلیفہ مقرر کرنا واجب نہ رہا' علیٰ ہذا القیاس اب براعظم ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کے انچاس ملک ہیں اور بیشتر ممالک کے درمیان بحری' بری اور فضائی رابطے کم ہیں' اکثر ممالک اسلامیہ میں مغربی طرز کی جمہوری حکومت ہے' بعض ممالک میں ملوک اور سلاطین کی حکومت ہے اور بعض جگہ فوجی حکومت ہے اور اب مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں ہے کہ دنیا میں ان تمام ممالک کے حکمرانوں کو معزول کر کے ان تمام ممالک اسلامیہ میں ایک حکومت قائم کر دیں اور کسی ایک ملک میں مرکزی خلافت بنا کر تمام ممالک کو اس ملک کے صوبے بنا دیں اور ان ممالک اسلامیہ کی ایک فوج ہو' ایک کرنسی ہو اور تمام ملکوں میں حکمرانوں کا تقرر خلیفہ کے حکم سے ہو اور تمام ملکوں میں اس ایک خلیفہ کا خطبہ پڑھا جائے **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا** ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قوت اور طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتا' اس لیے اب مسلمانوں پر خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور دنیا کے جن جن علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں' وہاں کے مسلمانوں پر غیر معصیت میں ان حکمرانوں کی اطاعت لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صرف امیر کا مقرر کرنا واجب ہے اور اسلامی حکومت جہاں پر جس شکل میں بھی قائم ہو صحیح ہے اور مسلمانوں پر اپنے اپنے امیر کی اطاعت کرنا واجب ہے' ہاں اگر امیر خلاف شرع حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی' البتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک اسلامی بلاک بنائیں اور اسلامی ممالک کی ایک فیڈریشن قائم کر لیں اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے اگر مسلمانوں کا ایک اسلامی بلاک بن گیا یا ایک فیڈریشن قائم ہوگئی تو یہ نظام خلافت اسلام کے قریب تر ہوگا۔

عورت کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کی سربراہ بنانے کی ممانعت

مجوزین یہ کہتے ہیں کہ عورت کو ریاست کا سربراہ یعنی صدر مملکت بنانا تو جائز نہیں ہے' لیکن انتظامیہ کا سربراہ یعنی وزیر اعظم بنانا جائز ہے' اور قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور فقہاء امت کی تصریحات کے اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کا سربراہ بنانا جائز نہیں ہے' کیونکہ جب عورت مردوں کے کسی ادارہ کی سربراہ ہوگی تو لازماً عورت گھر سے نکلے گی اور عرف اور عادت یہ ہے کہ ایسی عورت گھر سے بے حجاب نکلتی ہے' اور عورت اور مرد لازماً ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے اور ایک دوسرے سے باتیں کریں گے اور عرف اور معمول یہ ہے کہ عورت لوچ دار آواز میں باتیں کرتی ہے اور بلند آواز سے تقریر کرتی ہے حالانکہ عورت کے لیے یہ تمام امور شریعت میں ممنوع ہیں۔ ہم پہلے قرآن اور سنت سے عورت کے بے پردہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت پر دلائل پیش کریں گے' پھر پردہ کے لزوم اور ایک دوسرے کو دیکھنے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے کی ممانعت پر دلائل پیش کریں گے پھر عورت کی سربراہی کی ممانعت پر قرآن اور سنت سے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اس کی ممانعت پر مذاہب اربعہ کے فقہاء کی تصریحات پیش کریں گے۔

عورت کے گھر سے باہر بے پردہ نکلنے کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی. (الاحزاب: ۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پرانی جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ پھرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے' وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کوٹھڑی میں ہو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۸۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں

کے پاس سے گزرے تاکہ انہیں اس کی خوشبو آئے وہ زانیہ ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۴۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۶)

آج کل عرف اور معمول یہ ہے کہ جو خواتین بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں وہ خوشبو لگا کر باہر نکلتی ہیں۔

پردہ کے لزوم کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ (الاحزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے اور ان کے لیے پاکیزگی کا سبب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل' پلو یا گھونگٹ) اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں' یہ پردہ ان کی اس شناخت کے لیے بہت قریب ہے (کہ یہ پاکدامن آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت (سراپا) واجب الستر ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۳' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۷۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اور حضرت میمونہ حاضر تھیں' اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم آ گئے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حجاب کے احکام نازل ہو چکے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پردہ کرو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہے' ہم کو دیکھے گا نہ پہچانے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو' کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۱۱۲' مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۴۲' ۱۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۲۲)

اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ

آپ مسلمان مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے' بلاشبہ اللہ ان کے سب کاموں سے باخبر ہے ۝ اور آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں سوا اس چیز کے جو ان سے خود ظاہر ہو' اور اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں' اور اپنی زیبائش صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کریں: شوہر یا

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (النور:٣١:٣٠)

شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' اپنے بھائی' بھتیجے بھانجے' مسلمان عورتیں' باندیاں' ایسے نوکر جنہیں عورتوں کی خواہش نہ ہو' اور وہ لڑکے جو عورتوں کی شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے' اور وہ اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کی اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جس کو وہ چھپا کر رکھتی ہیں اور اے مسلمانو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم سب فلاح کو پہنچ جاؤ۔

قال ابوهريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الله كتب على ابن ادم حظه من الزناء ادرك ذلك لا محالة فزنى العين النظر وزنى اللسان النطق والنفس تمنى وتشتهي والفرج يصدق ذلك ويكذبه.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر ان کی زناکاری کا حصہ لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائیں گے' آنکھوں کا زنا دیکھنا' زبان کا زنا بولنا ہے' نفس تمنا کرتا ہے اور شہوت کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٢٤٣' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٦٥٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢١٥٢)

مردوں سے عورتوں کے کلام کی ممانعت

شرعی ضرورت کے بغیر عورت کا اجنبی مردوں سے کلام کرنا ممنوع ہے' اگر نماز میں امام بھول جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لیے مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے بھی منع فرمایا ہے وہ تالی بجا کر امام کو متنبہ کریں حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٢٠٣' صحیح مسلم رقم الحدیث:٤٢٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٩٣٩' سنن النسائی رقم الحدیث:١٢٠٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٠٣٤)

عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی ممانعت پر قرآن اور سنت سے استدلال

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (النساء:٣٤)

مرد عورتوں پر قوام (نگران یا حاکم) ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

قوام کا معنی ہے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت کرنا (المفردات ج ٢ ص ٥٣٨) اس کا معنی کفالت کرنا اور خرچ اٹھانا بھی ہے۔

(لسان العرب ج ١٢ ص ٥٠٣' تاج العروس ج ٩ ص ٣٥)

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کے غلبہ اور حاکمیت کی دو وجہیں بیان کی ہیں' پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر طبعاً اور شرعاً متعدد وجوہ سے فضیلت عطا کی ہے' طبعاً فضیلت اس طرح دی ہے کہ عقل و دانش اور قوت و طاقت کے اعتبار سے چند مستثنیات سے قطع نظر مرد عورتوں سے افضل ہوتے ہیں' اسی وجہ سے علم اور حکمت اور شجاعت اور بہادری کے کارناموں کا زیادہ ظہور مردوں سے ہوتا ہے اور شرعاً فضیلت یہ ہے کہ انبیاء اور رسل مردوں سے مبعوث ہوئے ہیں اور حکومت' خلافت' نماز کی امامت' جہاد کی امارت' اذان' خطبہ' اعتکاف اور حدود و قصاص میں شہادت یہ تمام احکام بالاتفاق مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وراثت اور دیت میں مرد کا حصہ عورت سے

دوگنا ہے' طلاق دینے' رجوع کرنے اور متعدد عورتوں سے نکاح کرنے کا حق بھی مردوں کو دیا ہے' ان تمام وجوہ سے مردوں کی عورتوں پر برتری اور فضیلت واضح ہے۔ اور عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ **وبما انفقوا من اموالهم** "اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں" کیونکہ مرد عورت کو مہر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۷۱-۷۰ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے' اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے' کیونکہ نبوت' رسالت' حکومت' امامت' اذان' اقامت' خطبات اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (روح المعانی جز ۵ ص ۳۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے' ہر چند کہ یہ آیت براہ راست خانگی امور سے متعلق ہے لیکن اول تو اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس آیت کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو' ثانیاً جب اللہ تعالیٰ نے ایک گھر کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی تو پورے ملک کی ذمہ داری اس پر کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟ اس لیے اول تو اپنے عموم کی بناء پر یہ آیت عبارۃ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا حاکم یا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا اور ثانیاً دلالۃ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا بلکہ کسی شعبہ کا بھی سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام یعنی نگران اور کفیل بنایا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ملک کا سربراہ اور حاکم ملک کے مردوں اور عورتوں سمیت تمام عوام کا قوام یعنی نگراں اور کفیل ہوتا ہے پس اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو وہ عورت ملک کے تمام مردوں کی نگراں اور کفیل ہوگی اور یہ چیز صراحتہً قرآن مجید کے خلاف ہے' اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں سے افضل قرار دیا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حاکم محکوم سے منصب حکومت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے' سو اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو اسے اپنے شوہر سمیت سب مردوں پر افضلیت حاصل ہوگی' اور یہ سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے' لہٰذا اگر عورت کو ملک کا سربراہ بنایا جائے خواہ ریاست کی سربراہ ہو یا انتظامیہ کی تو ان دو وجہوں سے قرآن مجید کی مخالفت لازم آئے گی!

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا امیر بنا لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۹' ۴۴۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۰۳' مسند احمد ج ۵ ص ۴۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۱۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۴۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں گے' اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں گے اور تمہارے باہمی معاملات مشورے سے ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ نچلے حصہ سے بہتر ہوگا اور جب تمہارے حاکم بدکردار ہوں گے اور تمہارے مالدار بخیل ہوں گے اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کے نیچے کا حصہ زمین کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۳۶۷۹)

عورت پورے ملک کی سربراہ ہو یا مردوں کے کسی ایک ادارہ کی سربراہ ہو تو بہر حال عورت مردوں پر مقدم ہو گی حالانکہ حدیث میں حکم یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے مؤخر رکھا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتوں کو مؤخر رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر رکھا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۱۱۶ قدیم ۵۱۲۹ جدید المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۸۴ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء مالکیہ کی تصریحات

قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ کسریٰ کے مرنے کے بعد جب اس کی قوم نے اس کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورت کو بنادیا۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ عورت کو قاضی بنانا جائز ہے ان سے یہ نقل صحیح نہیں ہے (کیونکہ اس آیت النمل: ۲۳ کی تفسیر میں انہوں نے اس مسئلہ میں کچھ نہیں لکھا، اگر ان کے نزدیک عورت کو قاضی بنانا جائز ہوتا تو اس مقام پر اپنا مختار لکھ دیتے) اسی طرح امام ابو حنیفہ سے یہ منقول ہے کہ جس معاملہ میں عورت کی گواہی جائز ہے اس معاملہ میں عورت کی قضا بھی جائز ہے، اگر یہ قول ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک انفرادی معاملہ میں عورت کو فریقین حاکم بنالیں تو یہ جائز ہے نہ یہ کہ عورت کو بہ طور عموم حاکم بنانا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابن جریر سے حسن ظن بھی یہی ہے۔

ابن طرار شیخ الشافعیہ نے یہ اعتراض کیا کہ قاضی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ گواہوں کے بیانات کو سنے اور فریقین کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ کام جس طرح مرد کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے، قاضی ابو بکر بن الطیب مالکی اشعری نے اس کے جواب میں کہا کہ خلیفہ اور حاکم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کرے، ملک کے داخلی معاملات کا انتظام کرے، قوم کو متحد رکھے، زکوٰۃ اور خراج کو وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرے اور ان کاموں کو عورت اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح ان کاموں کو مرد انجام دیتے ہیں۔

قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے موقف پر کوئی قوی دلیل نہیں لا سکے، خلیفہ اور حاکم مجلس میں بیٹھ کر ملک کے داخلی اور خارجی انتظامی امور انجام دیتا ہے، اور عورت عام مجالس میں نہیں بیٹھ سکتی اور نہ مردوں کے ساتھ مل جل کر کوئی کام کر سکتی ہے (کیونکہ شرعاً وہ ستر اور حجاب کی پابند ہے) کیونکہ جوان عورت کو دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۸۳-۴۸۲، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۸ ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی یہ عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تصریحات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اس پر اتفاق ہے کہ عورت خلیفہ اور قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ جہاد کرنے کے لیے امام کو باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے امور کے انتظام رکھنے کے لیے بھی اس کو باہر نکلنا پڑتا ہے اور قاضی کو بھی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے

باہر نکلنا پڑتا ہے' اور عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت واجب المستر ہے اور وہ اپنے طبعی ضعف کی وجہ سے اکثر کاموں کو انجام دینے سے عاجز ہے' اور اس لیے کہ عورت ناقص ہے اور خلافت اور قضا کامل ولایت کے منصب ہیں اس لیے اس منصب کو کامل مرد ہی انجام دے سکتے ہیں۔

(شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۷۷' رقم الحدیث: ۲۴۸۶' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی شافعی نے کہا ہے کہ عورت خلافت اور قضا کی اہلیت نہیں رکھتی یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تصریحات

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

قاضی کے لیے مرد ہونا شرط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنا دیا' نیز قاضی عدالت میں مردوں کے سامنے بیٹھتا ہے اور اس کی رائے' عقل اور ذہانت کا کامل ہونا ضروری ہے اور عورت ناقص العقل اور قلیل الرائے ہے اور مردوں کی مجلس میں حاضر ہونے کی اہل نہیں ہے' اور جب تک اس کے ساتھ مرد نہ ہو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے خواہ اس کے ساتھ ہزار عورتیں ہوں۔ اللہ نے ان کے نسیان کی تصریح فرمائی ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔ (البقرۃ: ۲۸۲)

اور عورت امامت عظمیٰ (خلافت) کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ شہروں میں حاکم (گورنر) بننے کی صلاحیت رکھتی ہے' اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ خلفاء راشدین میں سے کسی نے کسی عورت کو کسی شہر کا حاکم بنایا اور نہ کسی عورت کو منصب قضا سونپا اور اگر یہ جائز ہوتا تو ہر زمانہ میں عورت خلیفہ' گورنر یا قاضی بنی ہوتی۔

(المغنی ج ۱۰ ص ۹۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ' الکافی ج ۴ ص ۲۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

عقلمند شخص کو عورتوں کی اطاعت سے گریز کرنا چاہیے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۰)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورتوں کو بنا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۵' ۷۰۹۹)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر آپ کو خبر دی کہ ایک قوم نے اپنا حاکم عورت کو بنا لیا' آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۹۱' حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم ۲۰۳۳۴' طبع قاہرہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا میں نے تم سے

زیادہ کوئی ناقصات عقل اور (ناقصات) دین نہیں دیکھیں جو کسی ہوشیار مرد کی عقل کو ضائع کرنے والی ہوں! عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف کی مثل نہیں ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے! کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے! انہوں نے کہا کیوں نہیں! فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۸۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۳۴، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۳، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۰، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۰۷۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۰۰۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۲۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۶، الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۱۱۰، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۷)

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۵ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بھوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

قاضی کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورت کو بنالیا اور اس لیے کہ عورت ناقص العقل اور قلیل الرائے ہے، مردوں کی محفل میں حاضر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (کشاف القناع ج ۶ ص ۳۷۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حدود اور قصاص کے سوا عورتوں کی قضاء کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی التوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

عورت کو حدود اور قصاص کے سوا ہر چیز میں قاضی بنانا جائز ہے اس کا اعتبار عورت کی شہادت پر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ گزر چکی ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۴۱، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد متوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ائمہ ثلاثہ نے کہا ہے کہ عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت مردوں کے نزاعی معاملات میں حاضر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے معاملات میں حاکم بنایا وہ فلاح نہیں پاسکتی، مصنف نے کہا اس کی قضا کے جواز کی وجہ گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف نے قضا کی بحث میں کہا ہے کہ قضا بھی شہادت کی طرح باب ولایت سے ہے اور عورت شہادت کی اہل ہے اس لیے وہ ولایت کی اہل ہے۔

(فتح القدیر ج ۷ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

مصنف نے کتاب ادب القاضی کے شروع میں کہا ہے کہ قضا کا حکم شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک ولایت (تصرف) کے باب سے ہے، پس ہر وہ شخص جو شہادت دینے کا اہل ہے وہ قاضی بننے کا اہل ہے اور جو چیزیں شہادت دینے کی شرائط ہیں وہ قضا (فیصلہ) کرنے کی شرائط ہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۳۳) اور عورت حدود اور قصاص کے سوا باقی معاملات میں شہادت دینے کی اہل ہے، سو وہ حدود اور قصاص کے سوا باقی معاملات میں قاضی بننے کی بھی اہل ہے۔

(العنایہ مع فتح القدیر ج ۷ ص ۲۷۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اس عبارت کی اسی طرح شرح کی ہے۔ (البنایہ ج ۸ ص ۵۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قاضی کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی فی الجملہ شہادت دینے کی اہل ہے مگر وہ حدود اور قصاص میں شہادت نہیں دے سکتی اور قضا کی اہلیت شہادت کی اہلیت پر موقوف ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۹ ص ۸۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حدود اور قصاص کے ماسوا میں عورت کی قضا کا جواز اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو دیوانی عدالت کا قاضی بنا دیا جائے

فقہاء احناف نے جو یہ کہا ہے کہ حدود اور قصاص (فوجداری مقدمات) کے سوا باقی معاملات (دیوانی مقدمات) میں عورت قاضی بن سکتی ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک عورت امام خلیفہ اور سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے سو اس جگہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ عورت دیوانی معاملات میں اکیلی گواہی نہیں دے سکتی بلکہ ایک عورت بھی گواہی نہیں دے سکتی صرف دو عورتیں مل کر ایک مرد کے ساتھ گواہی دے سکتی ہے: علامہ مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں:

زنا کے سوا باقی حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واستشهدوا شهيدين من رجالكم (البقرہ: ۲۸۲) دو مردوں کو گواہ بناؤ اور ان میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی (کیونکہ زہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور حضرت ابوبکر اور عمر اور ان کے بعد سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی نہیں ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۷۹) اور ان کے علاوہ دیگر حقوق میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی خواہ ان حقوق کا تعلق مال سے ہو یا معاملات سے جیسے نکاح طلاق وکالت اور وصیت وغیرہ (مثلاً عتاق اور نسب) (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

صرف ایک شخص کا بہ طور قاضی تقرر کیا جاتا ہے اور دیوانی معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی جائز نہیں ہے اس لیے دیوانی معاملات میں بھی عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو سربراہ مملکت بنانا جائز ہو ہاں بعض امور میں صرف ایک عورت کی گواہی جائز ہے سو اس صورت میں اس کی قضا بھی جائز ہے اور وہ صورت یہ ہے:

ولادت میں بکارت میں اور خواتین کے دیگر ان عیوب میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان امور میں ایک عورت کی شہادت بھی قبول کی جائے گی۔ حضرت ابن عمر نے کہا تنہا عورتوں کی شہادت دینا جائز نہیں ہے ماسوا ان صورتوں کے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۱)

(ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

ہدایہ اور مبسوط کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ صرف ایک عورت کی قضا صرف ولادت اور بکارت ایسے امور میں جائز ہے جیسے دائی یا لیڈی ڈاکٹر بتائے کہ یہ عورت کنواری ہے یا نہیں یا اس کو حمل ہے یا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مخصوص معاملہ میں جب اس کی تحقیق کی ضرورت ہو مثلاً کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تو لیڈی ڈاکٹر معائنہ کر کے بتا دے کہ واقعی اس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے یا یہ ہنوز کنواری ہے اور اس کی بکارت قائم ہے اور جزوی معاملہ میں عورت کی قضا اور اس کے قول کے حجت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت کو عمومی طور پر عدالت میں قاضی لگا دیا جائے یا اس کو سربراہ مملکت بنا دیا جائے یہ فقہاء احناف پر بہتان عظیم ہے اب ہم علامہ علائی اور علامہ شامی کی عبارات سے یہ واضح کر رہے

ہیں کہ عورت کے لیے امامت کبریٰ جائز نہیں ہے' یعنی اس کو مسلمانوں کا امام' خلیفہ یا سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں ہے۔

عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے عدم جواز کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

لوگوں پر عام تصرف کے استحقاق کو امامت کبریٰ کہتے ہیں اور امام کو مقرر کرنا سب سے اہم واجبات میں سے ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو آزاد ہو' مرد ہو' عاقل بالغ ہو' صاحب قدرت ہو' قریشی ہو' اس کا ہاشمی ہونا یا علوی ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں ہے۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ۲ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلیفہ اور سربراہ مملکت کے لیے مرد ہونے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے' کیونکہ ان کے احوال ستر اور حجاب پر مبنی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس کی بادشاہ عورت ہو۔

(رد المختار ج ۲ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت کو امام کے منصب پر مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی اہل نہیں ہے اور نہ اس کو امام کے قائم مقام مقرر کرنا جائز ہے۔ (رد المختار ج ۸ ص ۱۲۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عورت کی سربراہی کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۶۹۰-۶۸۲ میں مفصل بحث کی ہے اور تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۵۸-۶۵۶ میں بھی اس پر لکھا ہے' لیکن اس مقام پر سب سے زیادہ لکھا ہے۔

تخت بلقیس کی صفت

نیز ہدہد نے کہا اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے' یعنی اس دور میں بادشاہوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ سب اشیاء اس کے پاس موجود تھیں۔

اور ہدہد نے کہا اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ قیمتی اور خوبصورت تخت تھا' وہ سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کے پائے جواہر اور موتیوں کے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۴۸۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ وہ سونے کا تخت تھا اور اس کے اوپر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے اس کا طول اسی (۸۰) ہاتھ کا اور عرض چالیس (۴۰) ہاتھ کا تھا' وہ سات منزلہ تخت تھا' اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' ظاہر یہ ہے کہ عرش سے مراد تخت ہے' ہدہد نے اس کو بہت عظیم اس لیے کہا کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک میں اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت تخت نہیں دیکھا تھا' یا اور بادشاہوں کے پاس ایسا تخت نہیں دیکھا تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام ہر چند کہ بہت بڑے بادشاہ تھے لیکن ان کے پاس بھی اتنا عظیم الشان تخت نہیں تھا' ہدہد نے اس تخت کی اس قدر تعریف اور توصیف اس لیے کی کہ حضرت سلیمان اس کی باتوں کی طرف متوجہ ہوں اور ان کو یہ خیال آئے کہ ہدہد جو غیر حاضر رہا تھا وہ یونہی وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں گیا تھا بلکہ بہت قیمتی معلومات حاصل کر کے آیا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہدہد نے کہا) میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں' اور شیطان نے ان کے لیے (ان) کاموں کو خوشنما بنا دیا ہے' سو ان کو اللہ کے راستے سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت نہیں پائیں گے ○ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے' اور وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو ○ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ○ (النمل: ٢٦-٢٤)

ہدہد کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ بلقیس کی قوم اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے سورج کی پرستش کرتی ہے' اور شیطان نے ان کے برے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا بنا دیا ہے یعنی سورج کی پرستش اور ان کے دیگر کفریہ کاموں اور معاصی کو' اور ان کو صحیح طریقہ سے روک دیا ہے۔

ان لا یسجدوا کی متعدد نحوی ترکیبیں اور تراجم

النمل: ٢٥ میں ہے ان لا یسجدوا' اس کی مختلف نحوی تراکیب ہیں اس لیے اس کے تراجم بھی مختلف ہیں۔ شیخ سعدی متوفی ٦٩١ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نمے یابند تا سجدہ کنند' مرخدائے را' شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نمے یابند بسوئے آنکہ سجدہ کنند آں خدائے را' شاہ رفیع الدین متوفی ١٢٣٣ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے' نہیں راہ پاتے یہ کہ سجدہ کریں واسطے اللہ کے' شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ١٢٣٠ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے' راہ نہیں پاتے کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو' اعلیٰ حضرت متوفی ١٣٤٠ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو' علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ١٤٠٦ھ نے لکھا ہے (شیطان نے انہیں روک دیا) تا کہ وہ سجدہ نہ کریں۔

ان لا یسجدوا میں لام تعلیلیہ محذوف ہے اصل میں لئلا یسجدوا یعنی شیطان نے بلقیس کی قوم کو کفریہ کاموں میں اس لیے ملوث کیا تا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں' یا شیطان نے ان کے برے کاموں کو ان کی نظر میں اس لیے اچھا بنایا' یا ان کو سیدھے راستہ سے اس لیے روکا تا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔

ان لا یسجدوا کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اس میں لا (حرف نفی) زائدہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے ان کو اللہ کے لیے سجدہ کرنے سے روک دیا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ لئلا میں بھی لا (حرف نفی) زائد ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ . (الحدید: ٢٩) تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ ان کو اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔

ان لا یسجدوا کی تیسری تقریر یہ ہے کہ اس سے پہلے الی مقدر ہے اور یہ جار مجرور لا یھتدون کے متعلق ہے اور اس صورت میں بھی لا زائد ہے اور اس کا یہ معنی ہے: پس وہ اللہ کو سجدہ کرنے کی طرف ہدایت نہیں پائیں گے۔

ان لا یسجدوا کی ترکیب کی چوتھی تقریر یہ ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس کا معنی ہے ان کا طریقہ اور ان کی عادت یہ تھی کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔

ان لا یسجدوا کی نحوی ترکیب کی پانچویں تقریر یہ ہے کہ ان لا (الا) حرف تنبیہ ہے' گویا ہدہد بلقیس کی قوم کو مخاطبین کے قائم مقام کر کے کہہ رہا ہے کہ تم اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے نیا کلام شروع کیا

ہو کہ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے' یا یہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا کلام شروع ہوا یعنی ہد ہد کا کلام سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی قوم کے متعلق تبصرہ فرمایا یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے۔

(روح المعانی ج ١٩ص ٢٨٥-٢٨۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١۴١٧ھ)

تخت بلقیس اور عرش الٰہی دونوں کے عظیم ہونے کا فرق

النمل: ٢٦ میں ہد ہد کا قول ہے یا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

اس سے پہلے ہد ہد نے بلقیس کے عرش (تخت) کو عظیم کہا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کو عظیم کہا ہے' دونوں عرشوں کے عظیم ہونے میں فرق ہے' بلقیس کا تخت دنیاوی بادشاہوں کے تختوں کے اعتبار سے عظیم تھا' اور اللہ تعالیٰ کا عرش کائنات کے تمام تختوں کے اعتبار سے عظیم ہے' نہیں بلکہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں سے بڑا ہے۔

امام ابن جریر نے اور امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات زمینیں اور سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے جنگل کی زمین میں انگوٹھی گری ہوئی ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسے ہے جیسے انگوٹھی کی فضیلت جنگل پر ہے۔

خطیب بغدادی' امام فریابی' امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام طبرانی' امام ابوالشیخ' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کرسی قدموں کی جگہ ہے اور عرش کی عظمت اور مقدار کا کوئی شخص اندازہ نہیں کر سکتا۔ (الدر المنثور ج ٢ص ١٨-١٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١۴٢١ھ)

امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابوالشیخ نے اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کرسی پیر رکھنے کی جگہ ہے اور وہ چر چر کرتی ہے جس طرح پالان چر چر کرتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ بہ طور استعارہ ہے اور اللہ تعالیٰ تشبیہ سے پاک ہے' اس کی وضاحت میں امام ابن جریر نے ضحاک کا یہ قول درج کیا ہے کہ کرسی وہ چیز ہے جس کو تخت کے نیچے رکھا جاتا ہے' بادشاہ تخت پر بیٹھ کر اس پر اپنے پیر رکھتے ہیں۔

(الدر المنثور ج ٢ص ١٨-١٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١۴٢١ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت سلیمان نے) کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو O میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے ان کے پاس ڈال دو' پھر ان سے پشت پھیر لو اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں O ملکہ سبا نے کہا اے میرے سردارو! بے شک میرے پاس ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے O بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O یہ کہ تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ O (النمل: ٣١-٢٧)

خبر واحد اور خبر متواتر وغیرہ کی تعریفیں اور ان کے احکام

یہ آیات ایک سوال کے جواب میں ہیں' سوال یہ ہے کہ جب ہد ہد نے اپنی پوری بات سنا دی تو حضرت سلیمان نے کیا فرمایا' اس کے جواب میں حضرت سلیمان نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو' حضرت سلیمان

کے اس فرمان میں یہ دلیل ہے کہ خبر واحد صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے' خبر واحد وہ ہے جو متواتر کے مقابلہ ہو اور خبر متواتر اسے کہتے ہیں کہ ابتداء سے آخر تک ہر دور میں اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ وہ عقل کے نزدیک جھوٹ پر متفق نہ ہو سکیں' اور جو خبر اس درجہ تک نہ پہنچی ہو وہ خبر واحد ہے خواہ وہ خبر مشہور ہو خبر عزیز ہو یا خبر غریب ہو' خبر مشہور وہ ہے جس کے بیان کرنے والے پہلے دور میں تو اتنے زیادہ نہ ہوں کہ ان کا اتفاق جھوٹ پر نہ ہو سکے لیکن بعد میں اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوں' اور خبر عزیز وہ ہے جس کے سلسلہ سند میں کسی جگہ صرف دو راوی ہوں اور خبر غریب وہ ہے جس کے سلسلہ سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو۔

حضرت سلیمان کے اس قول میں یہ دلیل بھی ہے کہ ہر چند کہ خبر واحد صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے' تاہم خبر واحد سننے کے بعد اس کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاتا' بلکہ اس کی تفتیش کی جائے گی کہ دیگر دلائل اور قرائن سے اس کا صدق متعین ہوتا ہے یا کذب' اگر اس کا صدق ثابت ہو جائے تو اس خبر کو صادق قرار دیا جائے گا اور اگر اس کا کذب ثابت ہو جائے تو اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔ خبر متواتر مفید یقین ہوتی ہے اور خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب میں پہلے اپنا نام لکھنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب میں پہلے اللہ کا نام لکھنا

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی جانب ایک مکتوب لکھا: یہ مکتوب اللہ کے بندے سلیمان کی طرف ہے' بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے' پھر انہوں نے اس کے اوپر مہر لگائی جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا اور ہدہد کو وہ خط دے دیا' پھر دھاگے سے باندھ کر وہ خط ہدہد کے گلے میں لٹکا دیا اور ہدہد سے کہا یہ خط بلقیس تک پہنچا دو۔

حضرت سلیمان کے مکتوب میں انہوں نے پہلے اپنا نام لکھا ہے کہ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی جانب مکتوب لکھا تو اس میں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم' اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۶۴)

اس میں خط کے اخیر میں مہر لگانے کا بھی ذکر ہے اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا یا مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا' آپ سے کہا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو' سو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنالی جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقش تھا' گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر بادشاہوں کی طرف مکاتیب

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے ان کے پاس ڈال دو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ہدہد کو مکتوب دے کر بھیجا حالانکہ آپ کے زیر تصرف اور آپ کے ماتحت بہت قوی جن بھی تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہدہد کے صدق کا امتحان لینا چاہتے تھے آیا وہ بلقیس اور اس کے ملک کی

خبر دینے میں صادق ہے یا نہیں اور اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو اس کو سزا دینے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کو کافر حکمرانوں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے مکاتیب لکھنے چاہئیں' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد کافر بادشاہوں کی طرف مکاتیب لکھے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی طرف مکتوب لکھا اور نجاشی کی طرف لکھا اور ہر جبار کی طرف مکتوب لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۴۷)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم ہرقل کی طرف جو مکتوب روانہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم' یہ مکتوب محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ہے' جو ہدایت کا پیروکار ہے اس کو سلام ہو اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام قبول کر لو' سلامتی کے ساتھ رہو گے' اللہ تعالیٰ تم کو دگنا اجر عطا فرمائے گا' اور اگر تم نے اعراض کیا تو تمہارے پیروکاروں کا بھی تم پر گناہ ہوگا:

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران: ۶۴)

آپ کہیے! اے اہل کتاب اس بات کو قبول کر لو' جو ہمارے اور تمہارے درمیان اتفاقی ہے یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی کسی کو اس کے سوا عبادت کا مستحق نہیں قرار دے گا' اگر وہ اس سے اعراض کریں تو آپ کہیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۶۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف جو مکتوب لکھا تھا اس میں اس کو یہ حکم دیا تھا تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور تابع ہو کر میرے پاس آ جاؤ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ حکم دیا تھا کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو' اسلام قبول کر لو' سلامت رہو گے اور تم کو دگنا اجر ملے گا! حضرت سلیمان نے مکتوب کو اپنے نام سے شروع کیا اور ہمارے نبی نے اپنے مکتوب کو اللہ کے نام سے شروع کیا سو کتنا فرق ہے دونوں مکتوبوں میں!

ہدہد کا بلقیس کو مکتوب پہنچانا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکتوب لکھ کر اس پر مشک لگا کر اس کو بند کیا پھر اس پر مہر لگائی اور وہ خط ہدہد کو دے دیا جب وہ خط لے کر اس کے محل میں پہنچا تو وہ سوئی ہوئی تھی' اس نے دروازے بند کر کے چابیاں اپنے سرہانے رکھی ہوئی تھیں' ہدہد روشن دان سے کمرے میں داخل ہوا اور وہ مکتوب اس کے سینہ کے اوپر پھینک دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہدہد نے چونچ مار کر اس کو جگایا تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی' جب اس نے خط پر مہر لگی ہوئی دیکھی تو وہ کانپنے لگی۔ بلقیس عربی پڑھی ہوئی تھی اس نے مہر توڑ کر خط نکال کر پڑھ لیا۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۹۰-۲۸۹)

خط پڑھنے کے بعد بلقیس نے اپنے درباریوں سے اس خط کے متعلق مشورہ کیا: ملکہ سبا نے کہا اے میرے سردارو! بے شک میرے پاس معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے' بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے

(شروع کیا گیا ہے) جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نبی کے ادب سے ایمان پانا اور نبی کی بے ادبی سے ایمان سے محروم ہونا اور دنیا اور آخرت کی ذلت

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کو کریم اور معزز کہا اور ان کے مکتوب کی تکریم کی' اور نبی کی تکریم کرنے کی برکت سے اسلام اس کے دل میں داخل ہوا جیسے فرعون کے جادوگروں نے مقابلہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکریم کی اور ان سے کہا اے موسیٰ! آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں تو نبی کے ادب اور احترام کرنے کی برکت سے ان کو ایمان لانا نصیب ہوا' اس کے برخلاف جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی طرف مکتوب روانہ کیا تو اس نے اس مکتوب کی بے ادبی کی سو وہ ایمان سے محروم ہوا اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی اور اس کو دنیا اور آخرت کا خسارہ ہوا' حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا کہ وہ یہ مکتوب بحرین کے حاکم کو دے' حاکم بحرین نے وہ مکتوب کسریٰ کو دے دیا' جب اس نے اس مکتوب کو پڑھا تو اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ ان کے بھی پورے پورے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴' ۲۹۳۹' ۴۴۲۴' ۷۲۶۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے ہاتھ مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے' اور بحرین کے جس حاکم کے نام خط بھیجا تھا اس کا نام منذر بن ساوی تھا اور بحرین بصرہ اور عمان دو شہر ہیں' ان کو بحرین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بستیوں کی جانب ایک خلیج ہے (یعنی سمندر کا ایک ٹکڑا) اور ہجر کی بستیاں اس کے اور سمندر کے دس فرسخ کے فاصلہ پر ہیں گویا یہ شہر خلیج اور سمندر کے درمیان ہیں۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے لکھا ہے: خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹی سی ریاست جس کا رقبہ اندازاً ڈھائی سو مربع میل ہے اور ۱۹۷۲ء میں اس کی آبادی دو لاکھ کے قریب تھی۔ یہ بحرین ہے۔ معجم البلدان اردو: ۶۱)

کسریٰ فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے جیسے قیصر روم کے بادشاہوں کا لقب ہے اور جس کسریٰ نے آپ کا مکتوب مبارک پھاڑا تھا اس کا نام پرویز بن ہرمز بن انوشروان تھا۔ اس کسریٰ پر اس کا بیٹا شرویہ مسلط ہو گیا اور اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ جب کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو پھاڑ دیا اس نے یمن میں اپنے گورنر بازان کو لکھا کہ وہ حجاز کے اس شخص کے پاس دو آدمیوں کو اس شخص کی تفتیش کے لیے بھیجے اور وہ حالات معلوم کر کے میرے پاس آئیں۔ بازان نے دو آدمی آپ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بازان کا مکتوب دیا' آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ خوف سے کپکپانے لگے۔ آپ نے فرمایا اپنے سردار کو بتا دینا کہ میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو آج رات چند گھنٹے پہلے قتل کر دیا ہے' یہ دس جمادی الاولیٰ سات ہجری کی رات تھی' بازان نے بھی کہا تھا اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان کی کہی ہوئی بات پوری ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۹-۲۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

پرویز نام کا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ تھا اس لیے مسلمان اپنے بچوں کا نام پرویز نہیں رکھتے۔

حضرت سلیمان نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا

ملکہ سبا نے اپنے دربار کے سرداروں اور دیگر ارکان مملکت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر سناتے ہوئے کہا:

بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (النمل: ۲۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنا ذکر کیا پھر اللہ کا نام ذکر کیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھا' اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی اپنے نام کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پر مقدم کیا ہو' تاکہ مکتوب کے شروع میں اللہ کا نام بلقیس کے ہاتھوں بے ادبی سے محفوظ رہے کیونکہ اس وقت بلقیس کافرہ تھی' تاکہ ظاہر میں مکتوب کا عنوان حضرت سلیمان کا نام ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں مکتوب کا عنوان اللہ کا نام ہو' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مکتوب میں پہلے بسم اللہ لکھی ہوئی ہو اور بلقیس نے مکتوب پڑھتے وقت پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پڑھ کر لوگوں کو یہ بتایا ہو کہ یہ مکتوب کس کی جانب سے آیا ہے۔

علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ رسل متقدمین جب کسی کی طرف کوئی مکتوب لکھتے تھے تو اپنے نام کو پہلے لکھتے تھے اور یوں لکھتے تھے یہ فلاں کی طرف سے فلاں کے نام ہے اور ابواللیث نے (کتاب البستان) میں لکھا ہے کہ اگر لکھنے والا شروع میں مکتوب الیہ کا نام لکھ دے تو یہ جائز ہے' کیونکہ امت کا اس کے جواز پر اجماع ہے اور انہوں نے اس پر عمل کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مکتوب میں صرف اتنا ہی لکھا ہوا تھا جتنا قرآن مجید میں مذکور ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مکتوب عربی میں ہو کیونکہ بادشاہوں کے پاس مترجمین ہوتے ہیں جو ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عربی زبان میں مکتوب لکھا تھا کیونکہ بلقیس عربوں کی نسل سے تھی' انبیاء علیہم السلام طویل مکتوب نہیں لکھتے تھے' چند جملوں پر مشتمل ضرورت کے مطابق لکھتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے مکتوب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا تھا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۳۵-۲۳۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا کب شروع کیا؟

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مکاتیب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے' اور یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مکتوب کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا' امام عبدالرزاق وغیرہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت باسمک اللھم لکھتے تھے' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (ھود: ۴۱) پھر آپ نے بسم اللہ لکھا' پھر یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ (بنو اسرائیل: ۱۱۰) تب آپ نے لکھا: بسم اللہ الرحمٰن' پھر یہ آیت نازل ہوئی' اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل: ۳۰) تب آپ نے لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی' اس میں کئی اقوال ہیں' صحیح یہ ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق: ۱) سب سے پہلے نازل ہوئی' دوسرا قول ہے يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر: ۱) تیسرا قول ہے سورۃ الفاتحہ' چوتھا قول ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم' پھر حافظ سیوطی نے کہا میرے نزدیک یہ کوئی الگ قول نہیں ہے کیونکہ ہر سورت کے نزول سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی' لہٰذا جو آیت علی الاطلاق سب سے پہلے نازل ہوئی ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

اور یہ بات ہمارے موقف کو تقویت دیتی ہے اللہ کی کتاب بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتی ہے اور یہی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء نبوت میں ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم کا علم ہو گیا تھا اس لیے صحیح یہ ہے آپ ابتداء سے ہی مکاتیب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھواتے تھے اور جس شخص نے یہ کہا کہ آپ کو ابتداء نبوت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا علم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو یہ بھی علم ہو گیا ہو کہ مکاتیب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا مشروع ہے تو وہ شخص ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور مقام سے جاہل ہے۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۹۲-۲۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا یا اپنی بادشاہت تسلیم کرنے کا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مکتوب میں لکھا تھا: تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ (النمل: ۳۱) بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں جو مسلمین کا لفظ ہے اس سے مراد مومنین ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ اسلام اور ایمان مترادف ہیں اور بعض مفسرین نے کہا اسلام کا لغوی معنی مراد ہے یعنی استسلام اور ظاہری اطاعت۔

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے کسی قوم کو اللہ کی توحید ماننے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اس کے نمائندے اور اس کے سفیر اور پیغام بر ہیں اور اپنی رسالت اور نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کرتے ہیں اور اس پیغام کے قبول نہ کرنے پر انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اور بادشاہوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی علاقہ کو اپنا تابع کرنے کے لیے اس کو اس پر حملہ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اور اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے اس سے خراج وصول کرتے ہیں اور خراج ادا نہ کرنے کی صورت میں اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔

اگر اس آیت میں مسلمین کے لفظ سے مومنین کا ارادہ کیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کے مناسب ہے اور اگر اس آیت میں مسلمین کے لفظ سے استسلام اور اطاعت ظاہرہ اور مغلوب اور مقہور ہونے کا ارادہ کیا جائے تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بادشاہوں کے طریقہ کے مناسب ہے۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں مسلمین سے مومنین ہی مراد ہے باقی رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت پر کوئی معجزہ تو نہیں پیش کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہدہد کو مکتوب دے کر بھیجنا اور ہدہد کا بلقیس کو مکتوب پہنچانا خود ایک عظیم معجزہ ہے اور رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت نہیں دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اسلام اور ایمان لانے کا اسی لیے حکم دیا تھا کہ وہ اور اس کی قوم سورج کو پرستش کرتی تھی اور ایمان لانے کا یہی معنی تھا کہ وہ شرک اور آتش پرستی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

(ملکہ بلقیس نے) کہا اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتی

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۵

جب تک کہ تم (مشورہ کے ساتھ) حاضر نہ ہو ۝ انہوں نے کہا ہم بہت طاقت والے اور سخت جنگ جو ہیں

وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ

اور فیصلہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے آپ سوچ کر بتائیے آپ کیا حکم دیتی ہیں O اس نے کہا بادشاہ جب

اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ

کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ دیتے ہیں اور اس کے معززین کو رسوا کر دیتے ہیں، اور

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ

وہ (بھی) ایسا ہی کریں گے O اور بے شک میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ

يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ؗ

سفیر کیا جواب لاتے ہیں O پھر جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

مدد کر رہے ہو، سو اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو! O

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ

ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتا دو) کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں

اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا

طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے O سلیمان نے کہا اے سردارو! تم میں کون

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ

ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟ O ایک بہت بڑے جن نے کہا میں آپ کے

بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

مجلس برخواست کرنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا اور میں اس پر ضرور قادر اور امین ہوں O

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو

يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ

آپ کے پاس حاضر کر دوں گا' سو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا

هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ ۖ لِيَبۡلُوَنِىۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ ؕ وَمَنۡ

یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ میرا عمل ظاہر کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری' اور جو

شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ

شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پروا

كَرِيۡمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوۡا لَهَا عَرۡشَهَا نَنۡظُرۡ اَتَهۡتَدِىۡۤ اَمۡ تَكُوۡنُ

بزرگ ہے O سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تاکہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچاننے کی راہ پاتی ہے یا ان

مِنَ الَّذِيۡنَ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتۡ قِيۡلَ اَهٰكَذَا

لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے O جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا اس کا

عَرۡشُكِ ؕ قَالَتۡ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوۡتِيۡنَا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهَا وَ

تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے' اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور

كُنَّا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتۡ تَّعۡبُدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ

ہم اطاعت گزار ہو چکے تھے O اور اس کو (اطاعت سے) اس چیز نے روکا تھا جس کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی

اِنَّهَا كَانَتۡ مِنۡ قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ﴿۴۳﴾ قِيۡلَ لَهَا ادۡخُلِى الصَّرۡحَ ۚ

بے شک وہ کافروں میں سے تھی O اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا' سو جب اس نے

فَلَمَّا رَاَتۡهُ حَسِبَتۡهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتۡ عَنۡ سَاقَيۡهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا' سلیمان

صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ ؕ قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِىۡ

نے کہا بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے' بلقیس نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا'

وَاَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَيۡمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۴﴾

میں سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی جو رب العلمین ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ملکہ بلقیس نے) کہا' اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو' میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرسکتی جب تک کہ تم (مشورہ کے ساتھ) حاضر نہ ہو O انہوں نے کہا ہم بہت طاقت والے اور سخت جنگ جو ہیں' اور فیصلہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے' آپ سوچ کر بتایئے کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں! O اس نے کہا بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور اس کے معززین کو رسوا کردیتے ہیں اور وہ (بھی) اسا ہی کریں گے O (النمل: ۳۴-۳۲)

مشورہ کی اہمیت

ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب لے کر بلقیس کے پاس غیر معمولی طریقہ سے پہنچا تھا' اس کو پڑھ کر بلقیس بہت مرعوب اور سخت دہشت زدہ ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھانا اور میرے اطاعت گزار ہو کر میرے پاس حاضر ہو جانا' اب دو صورتیں تھیں یا تو بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف مقابلہ کے لیے تیار ہوتی یا اللہ پر ایمان لا کر ان کی مطیع ہو کر ان کے پاس حاضر ہو جاتی' وہ دیکھ چکی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پرندوں پر بھی حکومت تھی سو ایسے غیر معمولی حکمران سے مقابلہ کرنے سے وہ خوفزدہ تھی اس لیے اس نے اپنے دربار کے سرداروں سے مشورہ لیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے کو حرف آخر نہ سمجھے اور کسی اہم پیش آمدہ معاملہ میں اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے مشورہ لے۔ اس آیت میں مشورہ کے جواز کی دلیل ہے قرآن مجید میں ہے:

وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ (آل عمران: ۱۵۹) اور (اہم) معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے۔

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۠ (الشوریٰ: ۳۸) اور ان کے معاملات باہمی مشوروں سے ہوتے ہیں۔

بلقیس کے سرداروں کا مشورہ یہ تھا کہ اگر حضرت سلیمان نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ہم آسانی سے شکست کھانے والے نہیں ہیں' اور اپنی رائے پیش کرکے انہوں نے فیصلہ کا اختیار بلقیس کو دے دیا۔

بلقیس نے کہا جب بادشاہ کسی ملک پر حملہ کرتے ہیں تو اس کو تباہ اور برباد کردیتے ہیں اور اس شہر کے حاکموں کو اپنا قیدی بنا لیتے ہیں یا ان کو قتل کردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بلقیس نے کہا) اور بے شک میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ سفیر کیا جواب لاتے ہیں O پھر جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا تم مال کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو' سو اللہ نے جو کچھ مجھے دیا وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا' بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو! O ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتا دو کہ) ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے O (النمل: ۳۷-۳۵)

ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کے جواز اور استحسان کے متعلق احادیث

بلقیس نے کہا میں عنقریب حضرت سلیمان کے پاس ایک ہدیہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی ان کی طرف سے کیا جواب آتا ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری طرف سے ہدیہ کو قبول کرلیں اور ہم پر حملہ کرنے سے باز آجائیں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہم پر ہر

سال کچھ مال کی ادائیگی بطور خراج مقرر کر دیں اور ہم اس کو مان لیں' اور وہ ہم سے جنگ اور قتال کو چھوڑ دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے کہا بلقیس نے کہا تھا کہ اگر انہوں نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر وہ بادشاہ ہیں پھر تم ان سے جنگ کرنا اور اگر انہوں نے ہدیہ کو قبول نہیں کیا تو پھر وہ نبی ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ہدیہ کا ذکر ہے' سو ہم اس مقام پر ہدیہ پیش کرنے اور ہدیہ کو قبول کرنے کے متعلق احادیث ذکر کرنا چاہتے ہیں:

عطاء بن ابی مسلم عبداللہ الخراسانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے مصافحہ کرو اس سے کینہ دور ہوگا' ایک دوسرے کو ہدیے دو اس سے ایک دوسرے سے محبت کرو گے اور بغض دور ہوگا۔

(الموطا حسن الخلق: ۱۶' رقم الحدیث المسلسل: ۱۷۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کو ہدیہ دو کیونکہ ہدیہ ایک دوسرے کے سینہ سے کینہ کو نکال دیتا ہے اور کوئی عورت اپنی پڑوس کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کے کھر کا ٹکڑا ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے بکری کے ایک ہاتھ یا اس کے ایک کھر کی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کرلوں گا اگر اس کا ایک ہاتھ یا کھر مجھے ہدیہ میں دیا جائے تو میں اس کو قبول کرلوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۲۱۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ ایک ایسے شہر میں داخل ہوئے جس میں ظالم بادشاہ تھا' اس بادشاہ نے کہا سارہ کو آجر (ہاجر) دے دو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی گئی۔ ابو حمید نے کہا ایلہ کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید خچر اور چادر ہدیہ کی' اور آپ نے اس کو اس کے شہر کی حکمرانی پر بحال کر دیا۔ (کیونکہ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا تھا)

(صحیح بخاری باب قبول الھدیۃ من المشرکین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دبیز ریشم کا جبہ ہدیہ کیا گیا' لوگوں کو اس پر تعجب ہوا' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے' جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دومہ (تبوک کے نزدیک ایک جگہ) کے ایک عیسائی نے آپ کو (مذکور الصدر) ہدیہ کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۶۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے آپ کو اس دن ہدیہ پیش کرتے تھے جس دن آپ حضرت عائشہ کے گھر ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس کے بدلہ میں ہدیہ عطا فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم

کو گن گن کر دے گا اور لوگوں کو دینے سے ہاتھ نہ روکو ورنہ اللہ بھی تم سے ہاتھ روک لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۹۳۱)

حضرت الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگلی گدھا ہدیہ کیا' اس وقت آپ مقام الابواء یا ودان میں تھے۔ آپ نے اس کو واپس کر دیا' جب آپ نے اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے اس کو صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم مُحرم ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۴۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اگر کسی عذر کی وجہ سے ہدیہ قبول نہ کرے تو عذر بیان کر دے' نیز اگر کسی مُحرم کو کھلانے کے قصد سے غیر مُحرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر غیر مُحرم نے مطلق شکار کیا ہو تو پھر مُحرم کے لیے اس کو کھانا جائز ہے۔

بلقیس کے بھیجے ہوئے ہدیہ کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو!

بلقیس نے حضرت سلیمان کے پاس ہدیہ میں کیا چیزیں بھیجی تھیں اس کے متعلق متعدد روایات ہیں:

حافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ بلقیس نے کہا میں ایک ہدیہ بھیج کر ان کو اپنے ملک سے دور کرتی ہوں سو اس نے سونے کی ایک اینٹ کو ریشم میں لپیٹ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۳۲۹)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اس نے ان کے پاس غلام اور باندیاں روانہ کیں اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا اور باندیوں کو غلاموں کا لباس پہنا دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۳۳۰)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ اس نے اسی (۸۰) غلام اور باندیاں روانہ کیں' اور سب کے سر مونڈ دیئے اور کہا اگر وہ غلام اور باندیوں کو ایک دوسرے سے متمیز نہیں کر سکے تو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر انہوں نے ان کو ایک دوسرے سے متمیز کر لیا تو پھر وہ نبی ہیں' حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ غلاموں نے کہنیوں سے ہتھیلیوں تک دھویا اور باندیوں نے ہتھیلیوں سے کہنیوں تک دھویا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ باندیاں اور وہ غلام ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۳۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بلقیس نے ہدیہ روانہ کیا اور کہا اگر انہوں نے اس ہدیہ کو قبول کر لیا تو وہ بادشاہ ہیں میں ان سے جنگ کروں گی اور اگر انہوں نے اس ہدیہ کو مسترد کر دیا تو وہ نبی ہیں میں ان کی پیروی کروں گی۔ جب بلقیس کے سفیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ وہ ان کے محل میں ایک ہزار سونے کی اینٹوں اور ایک ہزار چاندی کی اینٹوں کا فرش بچھا دیں' جب ان کے سفیروں نے سونے اور چاندی کا محل دیکھا تو وہ جو سونے کی ایک اینٹ ریشم میں لپیٹ کر تحفہ میں دینے کے لیے لائے تھے وہ ان کو بہت حقیر لگی اور کہنے لگے اب ہم سونے کی ایک اینٹ کو ہدیہ میں دے کر کیا کریں گے ان کا تو پورا محل ہی سونے اور چاندی کا بنا ہوا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۲۳۹)

حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے ان روایات کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے بھیجے ہوئے تحائف کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور فرمایا کیا تم مال کے ساتھ میرا مقابلہ کر رہے ہو میں تم کو تمہارے ملک میں شرک کے حال پر نہیں چھوڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ملک' مال اور لشکر عطا کیے ہیں وہ تمہارے سونے اور چاندی سے بہت افضل ہیں' اپنے ان تحفوں پر تم ہی خوشی مناؤ میں تم سے اسلام یا تلوار کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کروں گا۔ ان کے پاس واپس جاؤ اور انہیں بتادو کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ جب بلقیس کے سفیر بلقیس کے ہدیے لے کر واپس اس کے ملک پہنچے اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب اس کو سنایا تو بلقیس اور اس کی قوم نے سر اطاعت جھکا دیا' اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ اطاعت گزار ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی' جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ بلقیس اپنے لشکر کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے ان کے پاس آ رہی ہے تو وہ اس سے خوش ہوئے اور انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سلیمان نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟ ○ ایک بہت بڑے جن نے کہا میں آپ کے مجلس برخاست کرنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا' اور میں اس پر ضرور قادر اور امین ہوں ○ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا سو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ میرا عمل ظاہر کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری' اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ بزرگ ہے ○ (النمل: ۴۰-۳۸)

بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ ہونا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے پہلے ایک عبارت مقدر ہے' یعنی بلقیس کا سفیر واپس بلقیس کے پاس گیا اور بتایا کہ حضرت سلیمان نے اس پر حملہ کرنے کی قسم کھالی ہے' تب بلقیس نے اطاعت شعاری کی نیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور وہ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ روایت ہے کہ اس نے شہر سے نکلتے وقت اپنے تخت کو محفوظ کر دیا' اس کے ہاں سات کمرے تھے ہر کمرے کے پیچھے ایک کمرہ تھا۔ اس نے ساتویں کمرے میں تخت کو بند کر دیا اور کمرے میں قفل ڈال دیا' بلکہ ساتوں کمروں میں تالے لگائے اور اس کی حفاظت کے لیے چوکیدار مقرر کر دیئے' پھر اپنے خدام اور متبعین کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تاکہ آپ کے احکام کو سمجھوں اور جس دین کی آپ مجھے دعوت دے رہے ہیں اس میں غور کروں۔

تخت بلقیس منگوانے کی وجوہات

عبد اللہ بن شداد نے کہا جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک سے ایک فرسخ (تین شرعی میل جو ساڑھے چار انگریزی میل کے برابر ہیں) کے فاصلہ پر رہ گئی تو حضرت سلیمان نے اپنے اہل دربار سے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کے پہنچنے سے پہلے جو اس کا تخت منگوانا چاہتے تھے اس سے آپ کا مقصود کیا تھا' اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب وغریب اور حیرت انگیز کاموں پر قدرت عطا کی ہے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ قدرت ان کی نبوت پر دلالت کرے اور یہ جو فرمایا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے وہ تخت لایا جائے تاکہ اس سے خلاف عادت کام پر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ظاہر ہو اور ان کی نبوت پر دلیل قائم ہو اور بلقیس جب یہاں پہنچے تو پہنچتے ہی پہلی ساعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ پر مطلع ہو جائے۔

امام ابن جریر طبری نے کہا کہ آپ نے تخت اس لیے منگوایا کہ آپ ہد ہد کی خبر کے صدق کی آزمائش اور امتحان لیں کیونکہ اس نے کہا تھا کہ اس کا تخت عظیم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے وہ تخت اس لیے منگوایا تھا کہ آپ اس تخت میں کچھ تغیر اور تبدل کر دیں پھر بلقیس کی عقل کا امتحان لیں کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے حربی کے مال پر اس کی رضا کے بغیر قبضہ کرنا چاہا تھا اور آپ یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی وحی سے کر رہے تھے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا' ورنہ شرائع سابقہ میں تو مال غنیمت کو بھی لینا حلال نہ تھا اور یہ تو مال غنیمت بھی نہ تھا' جو بات دل کو زیادہ لگتی ہے وہ یہی ہے کہ آپ بلقیس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنا معجزہ دکھانے کے لیے اور اس میں تغیر اور تبدل کر کے اس کا امتحان لینے کے لیے اس کے پہنچنے سے پہلے اس کا تخت منگوا رہے تھے۔ (روح المعانی جز ١٩ ص ٣٠١-٣٠٠' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

عفریت کا معنی

اس آیت میں ہے عفریت من الجن نے کہا' عفریت کا معنی ہے بہت بڑا جن' قوی ہیکل دیو' علامہ راغب اصفہانی نے کہا جنات میں سے عفریت اس کو کہتے ہیں جو موذی اور خبیث ہو' جیسے بہت بدکار اور سازشی انسان کو شیطان کہا جاتا ہے اسی طرح بہت خبیث جن کو عفریت کہا جاتا ہے (المفردات ج ٢ ص ٤٤١) امام ابن جریر نے کہا عفریت کا معنی سرکش اور قوی ہے اور اس جن کا نام کوزن تھا۔ (جامع البیان جز ١٩ ص ١٩٧) علامہ آلوسی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کا نام صخر تھا۔

عفریت من الجن کی پیشکش کہ وہ دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دے گا

حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا اس عفریت من الجن نے کہا میں آپ کی مجلس برخواست کرنے سے پہلے اس تخت کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ مجاہد' سدی اور دیگر مفسرین نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنے اور دیگر کارروائی کے لیے صبح کے اول وقت سے لے کر زوال تک بیٹھتے تھے۔ اس جن نے کہا میں اس تخت کے لانے پر قوی ہوں اور اس میں جو قیمتی ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں ان پر میں امین ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت کو اس لیے منگوانا چاہتے تھے کہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عظیم سلطنت عطا کی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان لشکروں کو مسخر کر دیا جن کو ان سے پہلے کسی اور کے لیے مسخر نہیں کیا تھا اور نہ ان کے بعد کسی اور کے لیے ایسی سلطنت فرماں روائی ہوگی اور تاکہ آپ کی یہ سلطنت بلقیس کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہو کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور بلقیس یمن کے شہر صنعا میں تھی اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا اور وہ تخت نو کوٹھڑیوں میں سے نویں کوٹھڑی میں تالوں میں بند

تھا اور اس کے گرد محافظ اور چوکیدار مستعد بیٹھے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان کے دربار کی نشست زیادہ سے زیادہ تین چار گھنٹے کی ہو گی اور بیت المقدس سبا کے پایہ تخت مآرب کا فاصلہ پرندہ کی اڑان سے بھی کم از کم ڈیڑھ ہزار میل کا تھا' اتنے فاصلہ سے ایک ملکہ کا عظیم الشان تخت اتنی کم مدت میں اٹھا لانا کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا تھا خواہ وہ عمالقہ میں سے کتنا ہی موٹا تازہ آدمی کیوں نہ ہو' یہ کام تو آج کل کا جٹ طیارہ بھی انجام دینے پر قادر نہیں ہے۔ مسئلہ اتنا ہی نہیں ہے کہ تخت کہیں جنگل میں رکھا ہوا اور اسے اٹھا لایا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تخت ایک ملکہ کے محل میں تھا جس پر یقیناً پہرہ دار متعین ہوں گے اور وہ ملکہ کی غیر موجودگی میں ضرور محفوظ جگہ رکھا گیا ہو گا۔ انسان جا کر اٹھا لانا چاہتا تو اس کے ساتھ ایک چھاپہ مار دستہ ہونا چاہیے تھا کہ لڑ بھڑ کر اسے پہرہ داروں سے چھین لائے یہ سب کچھ آخر دربار برخاست ہونے سے پہلے کیسے ہو سکتا تھا اس چیز کا اگر تصور کیا جا سکتا ہے تو ایک حقیقی جن ہی کے بارے میں کیا جا سکتا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۷۶' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور مارچ ۱۹۸۳ء)

حضرت سلیمان کے ولی کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو حاضر کر دینا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

وہ شخص بہر حال جن کی نوع میں سے نہ تھا' اور بعید نہیں کہ وہ کوئی انسان ہی ہو' اس کے پاس کوئی غیر معمولی علم تھا' اور وہ اللہ کی کسی کتاب الکتاب سے ماخوذ تھا۔ جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اٹھا لانے کا دعویٰ کر رہا تھا یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک لحظہ میں اٹھا لایا۔

اس دیو ہیکل جن کے دعوے کی طرح اس شخص کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی نہ رہا بلکہ فی الواقع جس وقت اس نے دعویٰ کیا اسی وقت ایک ہی لحظہ میں وہ تخت حضرت سلیمان کے سامنے رکھا نظر آیا۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا مصداق کون تھا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس' یزید بن رومان' حسن بصری اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شخص آصف بن برخیا بن شمعیا بن منکیل تھا وہ بنی اسرائیل میں سے تھا' مشہور قول کے مطابق وہ حضرت سلیمان کا وزیر تھا۔ مجمع البیان میں مذکور ہے کہ وہ ان کا وزیر تھا وہ ان کا بھانجا تھا اور ان کا سچا خیر خواہ تھا اس کو اسم اعظم کا علم تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کا کاتب (سیکریٹری) تھا۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

اس شخص کے متعلق دیگر اقوال یہ ہیں: علامہ علی بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں۔

(۱) یہ وہ فرشتہ تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے ملک کو طاقت دی۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جو جن اور انس پر مشتمل تھا یہ اس کا کوئی فرد تھا۔

(۳) یہ خود حضرت سلیمان تھے اور انہوں نے عفریت من الجن سے فرمایا تھا۔ میں اس تخت کو تیری پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔ (امام رازی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔)

(۴) یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور انسان تھا' اور اس میں پھر پانچ قول ہیں۔(ا) قتادہ نے کہا اس کا نام ملیخا تھا (ب) مجاہد نے کہا اس کا نام اسطوم تھا (ج) ابن رومان نے کہا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا اور اس کا نام آصف بن برخیا تھا (د) زہیر نے کہا اس کا نام ذوالنور تھا وہ مصری تھا (ہ) ابن لھیعہ نے کہا وہ خضر تھے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۲۱۳' دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب (سیکریٹری) تھے۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۸۵' رقم الحدیث: ۱۶۳۷۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ ھ' علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ' حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ ھ' علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۲۵ ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ' علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ ھ' علامہ سلیمان الجمل التوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ' علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ' غیر مقلد مفسر صدیق بن حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ' صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ ھ' شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ ھ' مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹٦ھ کی بھی یہی تحقیق ہے اور ان حضرات نے اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے۔ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۳ ص ۴۱۲' پشاور' البحر المحیط ج ۸ ص ۲۴۰' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰' بیروت' نظم الدرر ج ۵ ص ۴۲۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' جلالین ص ۳۸۰' بیروت' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ٦ ص ۳۹۸' بیروت' روح البیان ج ٦ ص ۴۴۸' بیروت' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۱۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۴۹۹' بیروت' فتح القدیر ج ۴ ص ۱۸۴' بیروت' روح المعانی جز ۱۹ ص ۳۰۲' فتح البیان ج ۵ ص ۱۳۷' بیروت' خزائن العرفان علی کنز الایمان ص ٦۰۸' کراچی' تفسیر عثمانی ص ۵۰٦' معارف القرآن ج ٦ ص ۵۸۵' کراچی)

تختِ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کرنے کی کیفیت

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا کہ بلقیس یمن میں تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور تفاسیر میں ہے کہ وہ تخت جس جگہ تھا وہ جگہ پھٹ گئی اور تخت وہاں سے نکل کر حضرت سلیمان کے سامنے نکل آیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۹۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ عماد الدین عمر بن اسماعیل بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ آصف بن برخیاء نے حضرت سلیمان سے کہا آپ یمن کی طرف دیکھئے جہاں آپ کا مطلوب عرش ہے پھر اللہ سے دعا کی تو وہ عرش زمین میں گھس کر غائب ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس طرح ہماری شریعت میں اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی آنکھ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اور پیر ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہو کر تصرف کرتا ہے' اس طرح آصف بن برخیا نے بھی اس تخت پر تصرف کیا۔

(نظم الدرر ج ۵ ص ۴۲۷-۴۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب نے کہا اپنی نظر اٹھایئے' انہوں نے نظر اٹھائی پھر نظر لوٹائی تو تخت سامنے موجود تھا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۳۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ السید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا ہے کہ آصف نے عین عرش میں تصرف کیا تھا اس نے اس جگہ اس عرش کو معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان کے سامنے موجود کر دیا کیونکہ مرد کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے لفظ ''کُن'' کی طرح ہوتا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۳۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ''کُن'' کے مظاہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''کُن'' کا مظہر بنایا۔ آپ نے کئی چیزوں کے متعلق فرمایا ''ہو'' سو وہ ہو گئیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ ایک سفید ہیئت والا شخص ریگستان سے آ رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کن اباخیثمہ ''تو ابوخیثمہ ہو جا'' تو وہ ابوخیثمہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۱۹' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۳' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۲۳-۲۲۶)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حق کے مشابہ یہ ہے کہ ''کُن'' یہاں پر تحقیق اور وجود کے لیے ہے یعنی تو تحقیقی طور پر ابوخیثمہ ہو جا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۲۷۸' مطبوعہ دار الوفاء' ۱۴۱۹ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے تو جو کوئی بھی ہے حقیقتاً ابوخیثمہ ہو جا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۹۱۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اسی طرح امام حاکم نیشاپوری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کن اباذر ''تو ابوذر ہو جا'' سو وہ شخص ابوذر ہو گیا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۵۱-۵۰' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۳۷۳' جدید' کنز العمال ج ۱۱ ص ۶۶۸' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر بیٹھتا تھا اور جب آپ بات کرتے تو وہ آپ کو چڑانے کے لیے اپنا منہ بگاڑ لیتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کن کذلک ''تم اسی طرح ہو جاؤ'' پھر ہمیشہ اس کا منہ بگڑا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۳۹' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۱' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۲۴۱ جدید' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۶۸' طبع جدید)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے' آپ باہر نکلے تو ہم آپ کے ساتھ چلنے لگے آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص بازار میں تلقین نہ کرے اور مہاجر دیہاتی سے بیع نہ کرے اور جو شخص ایسی گائے یا اونٹنی خریدے جس کے تھن باندھ کر اس کا دودھ روکا ہوا تھا اس کو اختیار ہے وہ چاہے تو اس کو واپس کر دے اور جتنا دودھ پیا ہے اس کا دگنا گندم بھی ساتھ دے۔ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ کی نقل اتار رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذلک فکن ''تو اسی طرح ہو جا'' وہ شخص بے ہوش کر گر گیا اس شخص کو اس کے گھر اٹھا کر لے جایا گیا۔ وہ دو ماہ بے ہوش رہا اس کو جب بھی ہوش آتا تو اس کا منہ اسی طرح بگڑا ہوا ہوتا جس طرح نقل کے وقت تھا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۴۰-۲۳۹)

ولی اور اس کی کرامت کی تعریفیں اور کرامت کے وقوع پر دلائل

اس آیت کے سیاق میں یہ بات آ گئی ہے کہ آصف بن برخیا اللہ تعالیٰ کے ولی تھے' اور انہوں نے تخت بلقیس کو مسافت بعیدہ سے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔ اس آیت سے ہمارے علماء نے کرامت کو ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامت ثابت ہوتی ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ ھ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں' ولی اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا حسب امکان عارف ہو' اور اللہ تعالیٰ کی دائماً عبادت کرتا ہو اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور لذات اور شہوات میں انہماک اور استغراق سے اعراض کرتا ہو اور کرامت کی یہ تعریف ہے کہ ولی سے کوئی ایسا کام صادر ہو جو خرق عادت (خلاف معمول) ہو اور اس کے ساتھ دعویٰ نبوت مقارن اور متصل نہ ہو' پس جو خرق عادت اس شخص سے صادر ہو جو مومن اور صالح نہ ہو اس کو استدراج کہتے ہیں اور جو خرق عادت مومن اور صالح سے صادر ہو اور اس کے ساتھ دعویٰ نبوت بھی مقارن اور متصل ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں' اور کرامت کے حق ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس قسم کے خرق عادت افعال صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں خصوصاً ان میں خرق عادت کی قدر مشترک تواتر سے ثابت ہے اگرچہ الگ الگ وہ افعال خبر واحد سے ثابت ہیں' نیز قرآن مجید میں ذکر ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے تخت بلقیس کو لا کر حاضر کیا۔

نیز لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب آصف بن برخیاء نے مسافت بعیدہ سے پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لا کر حاضر کر دیا اور حضرت مریم کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران: ۳۷)

جب بھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے تو ان کے پاس (بے موسمی) رزق پاتے' وہ پوچھتے اے مریم! تمہارے پاس یہ (بے موسمی) رزق کہاں سے آیا تو وہ کہتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔

اسی طرح بہ کثرت اولیاء سے پانی پر چلنا منقول ہے اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور لقمان سرخسی سے ہوا میں اڑنا منقول ہے اور حضرت سلمان اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما نے پتھر کی تسبیح کو سنا' اور اصحاب کہف کے کتے نے اصحاب کہف سے کلام کیا' اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص گائے کو لے جا رہا تھا پھر وہ اس پر سوار ہو گیا تو گائے نے

اس کی طرف مڑ کر دیکھ کر کہا میں اس کے لیے نہیں پیدا کی گئی میں تو کھیت میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں' لوگوں نے کہا سبحان اللہ گائے نے کلام کیا! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا' اسی طرح روایت ہے کہ حضرت عمر نے مدینہ میں منبر پر کہا اور ان کا لشکر اس وقت نہاوند (ایران میں ہمدان اور کرمان کے درمیان ایک مشہور شہر) میں تھا۔ انہوں نے لشکر کے امیر سے کہا اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا' پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا' کیونکہ جس جگہ وہ تھے وہاں دشمن کا خطرہ تھا' اور اتنی دور سے حضرت ساریہ کا یہ کلام سننا ان کی کرامت ہے' اسی طرح حضرت خالد بن ولید نے زہر پی لیا اور ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا' اور حضرت عمر کے خط ڈالنے سے دریائے نیل جاری ہو گیا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۶-۱۰۵' مطبوعہ کراچی)

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۵ ص ۷۹-۷۲' میں ولی کی تعریف' کرامت' اس کے وقوع پر دلائل اور مخالفین کے شبہات کے جوابات میں زیادہ بحث کی ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا' جو اس کو پڑھنا چاہے وہاں پڑھ لے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تاکہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچاننے کی راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے ○ جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا اس کا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے' اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو چکے تھے ○ اور اس کو (اطاعت سے) اس چیز نے روکا تھا جس کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی' بے شک وہ کافروں میں سے تھی ○ اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا' سو جب اس نے اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔ سلیمان نے کہا بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے' بلقیس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' میں سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی جو رب العلمین ہے ○ (النمل ۴۴-۴۱)

بلقیس کے ایمان لانے کی تفصیل

مفسرین نے لکھا ہے کہ جنات کو یہ معلوم تھا کہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی اس لیے وہ جنات کے رازہائے دروں سے واقف ہے ان کو خدشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو پسند کر لیا اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ ان کے تمام راز حضرت سلیمان کو بتادے گی اس لیے انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس سے متنفر کرنے کے لیے کہا تھا اس کی عقل بہت کم ہے۔ سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی آزمائش کے لیے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ رد و بدل کر دو تاکہ اس کی عقل کا امتحان ہو وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں۔

بلقیس نے اس تخت کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا گویا کہ یہ وہی ہے' اور گویا کہ اس لیے کہا کہ اس میں کچھ رد و بدل ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے اور اپنی نبوت پر معجزہ پیش کرنے کے لیے میرے پہنچنے سے پہلے اس تخت کو یہاں منگوا لیا ہے اور ہم تو یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ان کی نبوت کا اعتراف کر کے اطاعت پذیر ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس کی سورج پرستی نے باز رکھا تھا' کیونکہ انسان جب کسی کام میں مشغول ہوتا ہے تو وہ کام اس کو اپنی ضد سے باز رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کی محبت تم کو (اس کے ماسوا سے) اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰)

بلقیس جب اس محل کے قریب پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ (الصرح کا معنی ہے بلند عمارت اور خالص چیز) بلقیس نے دیکھا کہ اس محل میں سورج چمک رہا ہے اور اس میں مچھلیاں تیر رہی ہیں تو اس نے سمجھا کہ محل کے صحن میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس نے اپنے پائینچے پنڈلیوں سے اوپر اٹھا لیے تاکہ اس کا لباس بھیگ نہ جائے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے' یعنی جس کو وہ پانی گمان کر رہی ہے وہ شیشے کا فرش ہے اس کے نیچے پانی بھرا ہوا ہے جو شیشے میں سے نظر آرہا ہے اس لیے تم کو اس سے بچنے کے لیے پائینچے اوپر اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ممرد کا مادہ مرد ہے اس کا معنی ہے چکنا' جس لڑکے کی داڑھی نہ آئی ہو اس کو امرد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی چکنا ہوتا ہے' جس درخت کے پتے نہ ہوں تو اس کو شجرۃ مرداء کہتے ہیں اور من قواریر کا معنی ہے شیشوں سے اور صرح ممرد من قواریر کا معنی ہے یہ چکنا محل ہے جو شیشوں سے بنا ہوا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات دیکھ کر بلقیس ان کی نبوت پر ایمان لے آئی' اور ان کا جو پیغام تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو' اس کو مان لیا اور اس کو اپنی سابقہ زندگی پر تاسف اور ملال ہوا کہ اس نے سورج کی پرستش کرنے میں اپنی عمر ضائع کی اس لیے اس نے کہا کہ بے شک میں نے سورج کی پرستش کر کے اپنی عمر ضائع کی اور اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے' گویا اب بلقیس پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی کہ اب تک وہ سورج کی پرستش کرتی رہی تھی اور سورج تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے جو واحد لاشریک ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے خود نکاح کر لیا تھا' یا اس کا نکاح کسی اور سے کر دیا تھا۔

بلقیس کے نکاح کے بیان

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عون بن عبداللہ بن عتبہ نے اپنے والد سے سوال کیا' آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا سے نکاح کر لیا تھا؟ یا نہیں' انہوں نے کہا مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے کہا میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العلمین پر ایمان لائی ہوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۴۹' ج ۹ ص ۲۸۹۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب بلقیس ایمان لے آئی تو حضرت سلیمان نے فرمایا تم اپنی قوم میں سے کسی مرد کو پسند کر لو میں اس کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں۔ اس نے کہا میری قوم میں تو سب میرے ماتحت اور غلام ہیں میں ان کی ملکہ رہ چکی ہوں' میں ان کے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہوں! حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں نکاح کرنا ضروری ہے تم اسلام کے حلال کو حرام نہیں کر سکتیں۔ اس نے کہا اگر یہ ضروری ہے تو ہمدان کے بادشاہ ذوتبع سے میرا نکاح کر دیں۔ حضرت سلیمان نے اس کا ذوتبع سے نکاح کر کے اس کو یمن واپس بھیج دیا اور ذوتبع یمن پر مسلط ہو گیا' جب تک حضرت سلیمان علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہے ذوتبع کے ملک کی جنات حفاظت کرتے رہے' ان کے بعد بلقیس اور ذوتبع کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قبیلہ صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو

فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ

تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے ○ صالح نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی کی طلب سے

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو؟ تم اللہ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم

تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ

پر رحم کیا جائے ○ انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں، صالح نے کہا

طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ

تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنہ میں مبتلا ہو ○ اور (ثمود کے) شہر میں

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا

نو شخص تھے جو زمین میں فساد پھیلا رہے تھے، اور اصلاح نہیں کرتے تھے ○ انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں

تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

کھا کر اللہ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر ان کے وارث سے ہم یہ

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا

کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر ہی نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں ○ اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۖ أَنَّا

نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا ○ سو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا کیسا انجام ہوا، ہم نے ان کو اور ان کی

دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا

ساری قوم کو ہلاک کر دیا ○ پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے

ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنجَيْنَا

کی وجہ سے گرے پڑے ہیں، بے شک اس (واقعہ) میں اہل علم کے لیے ضرور نشانی ہے ○ اور ہم نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ

ایمان والوں اور متقی لوگوں کو نجات دے دی ○ اور لوط (کو یاد کیجئے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو! ○ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے

الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم

تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ

جاہل لوگ ہو ○ سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو

لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ

شہر بدر کر دو، یہ بہت پاکباز بن رہے ہیں ○ سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر

اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

والوں کو نجات دے دی ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے ○ اور

مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾ ع قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى

ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی ○ آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی

عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ ؕ

کے لیے ہیں، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو، کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت) جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں! ○

ع ۴ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے ○ صالح نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! تم اللہ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے! تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں، صالح نے کہا تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے، بلکہ تم فتنہ میں مبتلا ہو ○ اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے جو فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ○ (النمل: ۴۸-۴۵)

اس سورت میں حضرت صالح علیہ السلام کا تیسرا قصہ

الاعراف: ۸۳-۸۰ اور ھود: ۶۸-۶۱ میں حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے' تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۳ میں ہم نے اس قصہ پر ان عنوانات کے تحت روشنی ڈالی ہے' قوم ثمود کی اجمالی تاریخ' حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت' قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا' اور ان پر عذاب کا نازل ہونا' قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات' اونٹنی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود' اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات' قوم ثمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق' قوم ثمود کے متعلق احادیث اور آثار۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تعارف

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے اس کو عاد ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔

یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے وہ سب الحجر ہے' آج کل یہ جگہ فج الناقۃ کے نام سے مشہور ہے۔

النمل: ۴۵ میں فرمایا ہے دو فریق جھگڑنے لگے' مجاہد نے کہا ان میں سے ایک فریق مومن تھا اور دوسرا فریق کافر تھا۔

ان کے جھگڑے کا ذکر اس آیت میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

(الاعراف: ۷۶-۷۵)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے' کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے مبعوث کیے گئے ہیں' انہوں نے کہا وہ جس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں ○ متکبرین نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: تم بھلائی سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! (النمل: ۴۶)

یعنی رحمت سے پہلے عذاب کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! اللہ پر ایمان لانا باعث ثواب ہے تم اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا کفر اور انکار کر رہے ہو جو باعث عذاب ہے۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ متکبر کافروں نے ہٹ دھرمی اور عناد سے کہا تم ہمیں کفر پر جس عذاب سے ڈراتے ہو وہ عذاب لا کر دکھاؤ' اس پر حضرت صالح نے ان سے کہا تم اللہ کی رحمت اور اس کے عفو کے بجائے اس کے عذاب کو کیوں جلد طلب کر رہے ہو!

نحوست اور بدشگونی کی تحقیق

کافروں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں۔ (النمل: ٤٧)
بدشگونی سے مراد نحوست ہے۔ کسی انسان کی عقل کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے بدشگونی لے اور اس کو منحوس سمجھے۔ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ گائے کا ڈکرانا اور کوے کا کائیں کائیں کرنا نحوست ہے اور بعض الو کو منحوس کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عرب بھی بدشگونی کے قائل تھے وہ کوئی کام کرنے سے پہلے پرندے کو اڑاتے اگر وہ ان کی دائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو مبارک سمجھتے اور اگر وہ پرندہ ان کی بائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو منحوس یعنی نامبارک اور بے برکت سمجھتے۔

قطن بن قبیصہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمل (لکیریں کھینچ کر غیب کا حال معلوم کرنا) اور بدشگونی لینا اور فال نکالنے کے لیے پرندے کو اڑانا شیطانی اعمال سے ہیں۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩٠٧)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بدشگونی لینا شرک ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں سوا ان کے جن کو اللہ محفوظ رکھے لیکن بدشگونی لینا توکل کو ختم کر دیتا ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩١٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٦١٤، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٥٣٨)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے، جب آپ کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام آپ کو اچھا لگتا تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩٢٠)

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ٢٧٠١٩، دارالحدیث قاہرہ، المستدرک ج ٤ ص ٢٣٨، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ٣٤٧) یعنی پرندوں کو اڑا کر ان سے شگون نہ لو، طیر کا معنی ہے اڑنا، اور چونکہ پرندوں کو اڑا کر لوگ شگون لیتے تھے اس لیے بدشگونی کو تطیر کہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: صالح نے کہا تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے۔
حضرت صالح کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس شر اور مصیبت کو تم نحوست قرار دے رہے ہو وہ تمہاری تقدیر میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے، اور تمہاری تقدیر میں وہ مصیبت تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے لکھی گئی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ تم جس چیز کو بدشگونی اور مصیبت کہہ رہے ہو وہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔

اونٹنی کو قتل کرنے والے نو آدمیوں کے نام

اس کے بعد فرمایا: اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے جو فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ (النمل: ٤٨)
حضرت صالح علیہ السلام کے شہر سے مراد حجر ہے۔ مدینہ اور شام کے درمیان جو بستیاں اور قصبات ہیں ان کو حجر کہتے ہیں یہ جگہ قوم ثمود کا وطن تھی، یہ لوگ پہاڑوں کو اندر سے کھود کھود کر اپنے گھر بناتے تھے ان کو اثالث کہا جاتا ہے، ان ہی پہاڑوں میں پانی کا وہ چشمہ بھی تھا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، نیز حطیم کو بھی حجر کہا جاتا ہے۔ حطیم اس جگہ کو کہتے ہیں جس کو حضرت ابراہیم نے تو کعبہ میں شامل کیا تھا لیکن قریش نے چھوڑ دیا۔
یہ نو شخص وہ تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ ایڑی کے اوپر جو پاؤں کے پٹھے

ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں ان نو شخصوں کے ناموں کا ذکر اس روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ان کے نام یہ تھے رعمی' رعیم' ہریم' وداز' صواب' ریاب' مسطع' مصداع' اور ان کا سردار قدار بن سالف تھا اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۶۶' ج ۹ ص ۲۹۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں کھا کر اللہ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ان کے وارث سے ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر ہی نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں○ اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوا○ (النمل: ۵۰-۴۹)

حضرت صالح کے مخالفین کی سازش کو اللہ تعالیٰ کا ناکام بنانا

اس اونٹنی کی کونچیں کاٹنے اور ان پر عذاب کی تفصیل امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر انہوں نے کہا چلو مل کر صالح کو قتل کر دیں' اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے۔ وہ شب خون مارنے کے لیے رات کو حضرت صالح کے گھر پہنچے' فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا' جب وہ وقت مقرر پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے' وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے پوچھا کیا آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' تو حضرت صالح کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے اور کہا تم ان کو قتل نہیں کر سکتے' انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا' اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ' اور اگر یہ (بالفرض) جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا اور پھر ان نو آدمیوں کے حمایتی واپس چلے گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۶۸' ج ۹ ص ۲۹۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ دیکھیے کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا' ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا○ پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں بے شک اس واقعے میں اہل علم کے لیے ضرور نشانی ہے○ اور ہم نے ایمان والوں کو اور متقی لوگوں کو نجات دے دی○ (النمل: ۵۳-۵۱)

قوم ثمود کے ہلاک ہونے کی کیفیت

النمل: ۵۱ میں قوم ثمود کی ہلاکت کا بیان فرمایا ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل نے ایک زبردست چیخ ماری تھی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ نو افراد فرشتوں کے پتھر مارنے سے ہلاک ہوئے تھے اور باقی کفار کو حضرت جبریل کی چیخ سے یا زلزلہ سے ہلاک کر دیا۔

النمل: ۵۲ میں فرمایا: پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے: بیوت خاویہ ان کے گھر جو گرے ہوئے ہیں علامہ راغب اصفہانی خاویہ کا معنی لکھتے ہیں:

خاویہ خوی سے بنا ہے اس کا معنی ہے خالی ہونا اور کھوکھلا ہونا۔ عرب کہتے ہیں خوی بطنه من الطعام اس کا پیٹ کھانے سے خالی ہے' اور جب کوئی گھر خالی ہو تو کہا جاتا ہے خوی الدار' قوم ثمود کے مکان بھی اجڑے پڑے تھے' مکینوں سے خالی تھے' اس لیے فرمایا تلک بیوتھم خاویة. (المفردات ج ۱ ص ۲۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اس آیت میں بیوت سے مراد قوم ثمود کے قلوب ہیں یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی یاد سے خالی تھے؛ جس طرح گھر لوگوں کے رہنے سے آباد ہوتے ہیں اور لوگوں کے نہ رہنے سے ویران ہو جاتے ہیں' اس طرح دل بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے آباد ہوتے ہیں اور جب دلوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی معرفت نہ ہو تو وہ ویران ہو جاتے ہیں۔

حضرت صالح اور ان کے متبعین کا الحجر سے نکل جانا

النمل: ۵۳ میں فرمایا' اور ہم نے ایمان والوں کو اور متقی لوگوں کو نجات دے دی۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام پر چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے' اور باقی لوگ عذاب سے ہلاک ہو گئے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا تم پر تین دن بعد عذاب آئے گا' پہلے دن ان کے بدنوں پر چنے کے برابر سرخ دانے نکل آئے۔ دوسرے دن ان کا رنگ پیلا ہو گیا اور تیسرے دن ان کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کو ذبح کیا تھا اور تین دن بعد اتوار کو حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ سے وہ ہلاک ہو گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنے متبعین کے ساتھ حضر موت کی طرف نکل گئے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام جیسے اس شہر میں داخل ہوئے اسی وقت ان پر موت آ گئی اس لیے اس شہر کا نام حضر موت پڑ گیا۔ حضر موت کا معنی ہے حاضر ہوا اور مر گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضر موت قحطان کے ایک بیٹے کا نام ہے جو اس علاقہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہ یمن سے مشرق کی طرف ایک وسیع علاقہ ہے جس میں بیسیوں بستیاں اور شہر ہیں' شہروں میں مشہور تریم اور شام ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی علاقہ میں مدفون ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ومعجم البلدان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوط (کو یاد کیجیے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو!○ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو!○ سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو شہر بدر کر دو' یہ بہت پاکباز بن رہے ہیں○ سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی' ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے○ اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی○ (النمل: ۵۸-۵۴)

اس سورت میں حضرت لوط علیہ السلام کا چوتھا قصہ

الاعراف: ۸۴-۸۰' اور ہود: ۸۲-۷۷ میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے گزر چکا ہے' ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۹-۲۱۴' میں ان عنوانات کے تحت روشنی ڈالی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب' حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت' حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا' قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء' حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں' عملِ قوم لوط کی عقلی قباحتیں' قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت' احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان' عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء' قوم لوط پر عذاب کی کیفیت۔

قوم لوط کو بے حیائی کے کاموں پر بصیرت رکھنے والا بھی فرمایا اور جاہل بھی اس کی توجیہ

النمل: ۵۴ میں فرمایا: اور لوط (کو یاد کیجیے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو!

اس آیت میں دیکھنے کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے یہ بے حیائی کے کام کرتے ہو جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ (العنکبوت: ۲۹) کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو اور (افزائش نسل کے) راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی اور بدفعلی کرتے ہو؟

وہ اس شرمناک کام کو لوگوں سے چھپ کر نہیں کرتے تھے' بلکہ برسرِ مجلس اس بے حیائی کے کام کو کرتے تھے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم کو یہ بصیرت ہے اور تم کو اس کا علم ہے کہ یہ ایسی بے حیائی کا کام ہے کہ تم سے پہلے اس کو کسی نے نہیں کیا' اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کو مردوں سے لذت کے حصول کے لیے نہیں پیدا کیا بلکہ مردوں کی شہوت برآری کے لیے عورتوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ تم سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی تم ان کے عذاب کے آثار دیکھ چکے ہو جیسے قوم ثمود اور قوم عاد پر عذاب کے آثار ہیں۔

اس کے بعد فرمایا بلکہ تم جاہل لوگ ہو' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ تم دیکھتے ہو یعنی تم کو بصیرت ہے اور اس کا معنی ہے تم علم والے ہو اور دوسرے حصہ میں فرمایا تم جاہل ہو' تو وہ عالم بھی ہوں اور جاہل بھی ہوں' یہ کیسے ہو سکتا ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ بے حیائی کا کام ہے اس کے باوجود وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جاہلوں کی طرح بے حیائی کے کام کرتے تھے! دوسرا جواب یہ ہے کہ تم اس برے کام کی سزا اور آخرت میں اس پر مرتب ہونے والے عذاب سے جاہل ہو اگرچہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ تم جاہلوں کی سی ضد اور ہٹ دھرمی کر رہے ہو' خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند کہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے لیکن علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے یا تو اس کام کے انجام سے جاہل ہو' یا علم کے باوجود جاہلوں کی طرح ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو۔

النمل: ۵۵ میں فرمایا: سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو شہر بدر کر دو' یہ بہت پاکباز بن رہے ہیں! بہت پاکباز بن رہے ہیں کا معنی یہ ہے کہ ان کو منع کرنے والے' مردوں سے ہم جنس پرستی سے احتراز کر رہے ہیں' گویا انہوں نے نیک لوگوں کی اس بات پر مذمت کی۔

قوم لوط پر زمین کو پلٹ دینا

اس کے بعد فرمایا سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ (النمل: ۵۸-۵۷)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے۔ انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا' قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ حضرت لوط نے فرمایا تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔ ان کی قوم نے کہا تم کو معلوم ہے ہماری خواہش کیا ہے' تب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیتا۔ تب حضرت جبریل نے مڑ کر حضرت لوط سے کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے' جب وہ لوگ بہ زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آ رہے ہیں ہماری بینائی جاتی رہی و آدھی رات کے وقت شہر لوٹے اور اسی وقت اس زمین کو اوپر اٹھا لیا گیا اور ان پر آسمان سے لگاتار پتھر برسائے گئے اور ا

زمین کو بلندی سے پلٹ کو اوندھا کر دیا گیا۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۹۳-۱۶۴۹۲، ج ۹ ص ۲۹۰۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

فعل قوم لوط کی سزا اور اس کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

قوم لوط کو پتھر مار مار کر ہلاک کیا گیا اس بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ فعل کریں ان کی حد یہ ہے کہ ان کو رجم کر دیا جائے۔ امام احمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی حد زنا کی طرح ہے اگر شادی شدہ یہ فعل کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ یہ فعل کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی اس کی حد کو زنا کی حد کے ساتھ لاحق کیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں اس میں تعزیر ہے، ان پر دیوار گرا کر ان کو ہلاک کر دیا جائے یا ان کو قتل کر دیا جائے یا کوئی اور عبرتناک سزا دی جائے۔

قوم لوط کی زمین کو بلندی سے گرا کر اوندھا کر دیا گیا، کیونکہ وہ بھی اس فعل کے وقت مفعول کو اوندھا کر دیتے تھے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ عورت کی بہ نسبت بے ریش لڑکا زیادہ خطرناک اور زیادہ فتنہ ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہو جائے تو وہ اس سے نکاح کر کے جائز طریقے سے اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی لڑکے پر عاشق ہو تو گناہ کے سوا خواہش پوری کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، نیز اس فعل سے ایڈز کی بیماری ہو جاتی ہے اور ایڈز میں خون کے اندر سفید خلیے مر جاتے ہیں اور بیماری کے خلاف خون میں سفید خلیے ہی مدافعت کرتے ہیں، پھر جس شخص کو ایڈز کی بیماری ہو اسے کسی بیماری سے نجات نہیں ملتی کیونکہ اس پر جس مرض کا بھی حملہ ہو اس کے اندر اس بیماری کا توڑ کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی وہ عمر بھر اس بیماری میں مبتلا رہتا ہے، فرض کیجیے اس کو شوگر ہے تو عمر بھر اس کی شوگر کنٹرول نہیں ہو گی، بلڈ پریشر ہائی ہے تو وہ نارمل نہیں ہو گا اور وہ تا دم مرگ یونہی رہے گا، ایڈز کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ایمان نہیں لائی تھی اس لیے اس کو بھی دیگر کافروں کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا گیا، یہاں پر ہم نے اس قصہ کو اجمال اور اختصار سے لکھا ہے اور اس کی تفصیل سورۃ الاعراف میں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو، کیا اللہ اچھا ہے یا وہ جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں ○ (النمل: ۵۹)

ہر اہم کام کی ابتداء بسم اللہ، الحمد للہ اور صلوٰۃ وسلام سے کرنے میں قرآن، حدیث اور سلف صالحین کی اتباع ہے

اس آیت کا سابقہ آیات سے اس وجہ سے ارتباط ہے، کہ آپ اس لیے اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے کافروں اور بدکاروں کو ہلاک کر دیا اور اس کے ان پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجیے جن کو اس نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کو کافروں کے عذاب سے نجات دی۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ الگ مستقل کلام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء علیہم السلام کے احوال سنائے کہ ان کی قوموں پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا اور آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب سے محفوظ رکھا اور فرمادیا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

سو آپ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی، اور انبیاء سابقین علیہم السلام پر

سلام بھیجئے جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں مشقت برداشت کر کے اور تکلیفیں اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور کار رسالت انجام دیا۔

اس کے بعد جو آیات آ رہی ہیں (۶۵-۶۰) ان میں توحید پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کے بعد (۶۶-۷۲) کی آیتوں میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل دیئے گئے ہیں۔ اب آپ سے فرمایا کہ توحید اور بعث بعد الموت کے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کیجیے اور اس کے نبیوں پر اور ان کے بعد آنے والے نیک اور پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجیے اور اس میں مقبولان بارگاہ رب العزت کے ادب اور احترام کی تعلیم ہے اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء اور صالحین کے ذکر سے برکت اور رحمت حاصل کرنے کی تلقین ہے' اور ان کے مرتبہ اور مقام پر تنبیہ ہے کہ اصل مضامین کو شروع کرنے سے پہلے ان پر سلام بھیجنے سے ابتداء کی جاتی ہے اور سامعین کے دلوں اور دماغوں کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ یہ بہت اہم پیغام ہے جس کو سنانے سے پہلے اللہ کی حمد کی جارہی ہے اور اس کے رسولوں اور پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجا جارہا ہے اور تواتر اور تسلسل سے علماء' خطباء اور واعظین کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے خطاب اور تقریر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام بھیجتے ہیں بلکہ اپنی کتابوں کے شروع میں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام بھیجتے ہیں اس کے بعد کتاب کے مضامین شروع کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ عظیم الشان کام جس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہیں کیا وہ منقطع ہو جاتا ہے' وہ ناقص رہتا ہے اور قلیل البرکۃ ہوتا ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۷۶۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۹۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حافظ عبد القادر الرہاوی نے الاربعین میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔

(نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار ج ۳ ص ۲۷۷' مطبوعہ دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ عظیم الشان کام جس کو الحمد سے نہ شروع کیا جائے وہ ناقص اور قلیل البرکۃ ہے۔

امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے ہر وہ کلام جس کو اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے وہ ناقص اور قلیل البرکۃ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۴۹۴-۴۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۹۳' ۵۷۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۷۶۰' سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۲۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۰۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی متعدد اسانید بیان کی ہیں۔

(نتائج الافکار ج ۳ ص ۲۸۱-۲۸۰' مطبوعہ دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عظیم الشان کام کی ابتداء اللہ کی حمد اور مجھ پر صلوٰۃ سے نہ کی جائے وہ ناقص' ناتمام اور برکت سے کلیۃً محروم ہے۔ اس کو عبد القادر رہاوی نے الاربعین میں ذکر کیا ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۷۶۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو دار قطنی کی کتاب العلل اور امام نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ (نتائج الافکار ج ۳ ص ۲۸۲' دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے خود ساختہ معبودوں میں بھی کوئی اچھائی ہے

اس کے بعد فرمایا: کیا اللہ اچھا ہے یا وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں!

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں خیر کا لفظ ہے اور خیر کا معنی ہے بہتر اور زیادہ اچھا' اور اب معنی اس طرح ہوگا کہ کیا اللہ زیادہ اچھا ہے یا کفار کے خود ساختہ شرکاء' گویا کفار کے خود ساختہ شرکاء بھی اچھے ہیں لیکن اللہ زیادہ اچھا ہے حالانکہ کفار کے خود ساختہ شرکاء میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا یہاں خیر کا معنی اسم تفضیل کا نہیں ہے یعنی اس کا ترجمہ زیادہ اچھا اور بہتر نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے اچھا' یعنی اللہ اچھا ہے یا کفار کے خود ساختہ شرکاء' اور اگر یہ اسم تفضیل کے معنی میں ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا کیا اللہ کی عبادت کا ثواب بہتر ہے یا اس کا شریک بنانے کا عذاب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کے اعتقاد کے اعتبار سے خطاب کیا گیا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بتوں کی عبادت کرنے میں بھی اچھائی' اور بہتری ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو فرماتے تھے:

بل اللہ خیر وابقی واجل و اکرم — بلکہ اللہ ہی اچھا ہے' اور باقی رہنے والا ہے اور زیادہ بزرگی والا اور زیادہ مکرم ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ص ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں مشرکین کو زجر و توبیخ ہے' انہوں نے اللہ کی عبادت کے اوپر بتوں کی عبادت کو ترجیح دی تھی' اور جب کوئی صاحب عقل ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے تو زیادہ خیر اور زیادہ نفع کی وجہ سے ترجیح دیتا ہے تو اس لیے ان کی گمراہی' بے عقلی اور جہالت پر تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ خداؤں کی عبادت کر رہے ہو تو گیا تمہارے زعم میں ان کی عبادت کرنے میں اللہ کی عبادت کرنے کی بہ نسبت زیادہ نفع اور زیادہ خیر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ص ۵۶۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ

(بھلا بتاؤ تو سہی) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں سے

السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ

پانی کس نے اتارا! تو ہم نے اس سے بارونق باغات اگائے! تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم

أَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

ان (باغات) کے درخت اگاتے' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ تم راہ راست سے تجاوز کر رہے ہو O

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا

(بتاؤ!) کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا رواں دواں کر دیئے اور زمین کو برقرار

رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ

رکھنے کے لیے مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں)

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ

بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے! ○ (بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور

يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ

کون تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے!

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۗ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو! ○ (بتاؤ) وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے!

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ

اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے!

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۗ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ

اللہ ان سے بہت بلند ہے جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں ○ (بتاؤ!) وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو

مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قُلْ

دوبارہ پیدا کرے گا' اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! آپ کہیے

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي

اگر تم سچے ہو تو تم اپنی دلیل لاؤ ○ آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ

زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (ازخود) غیب نہیں جانتا اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب

يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ قف بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ

اٹھایا جائے گا ○ کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں) بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں

مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ہیں بلکہ وہ آخرت کے متعلق اندھے (بالکل جاہل) ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (بھلا بتاؤ تو سہی) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں سے پانی کس نے اتارا؟ تو ہم نے اس سے بارونق باغات اگائے! تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم ان (باغات) کے درخت اگاتے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ تم راہ راست سے تجاوز کر رہے ہو! O (النمل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کا اپنی توحید پر دلائل بیان فرمانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت) جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں' اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ دلائل سے بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اچھا ہے وہی تم کو پیدا کرنے والا ہے' اور پیدا کرنے کے بعد تمہاری زندگی قائم رکھنے کے لیے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کرنے والا بھی وہی ہے' اسی نے تم پر آسمانوں سے اپنی نعمتیں نازل فرمائیں جو تمہاری روزی اور بقائے حیات کا سبب بنیں اور اس نے تمہارے رہنے کے لیے زمین بنائی اور اس میں نعمتیں رکھیں' وہی تمہاری ضروریات کو پوری کرتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو سنتا ہے' وہی بحر و بر میں تمہارے کام آتا ہے' وہی تمہیں مرنے کے بعد زندہ کرے گا' بتاؤ یہ تمام نعمتیں تم کو کس نے عطا کی ہیں' صرف اس ایک اللہ نے یا اس کے ساتھ اور بھی کوئی شریک ہیں؟ اور کوئی کیسے شریک ہو سکتے ہیں کیونکہ جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو جب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی تب بھی اللہ تم پر ان نعمتوں کی بارش کر رہا تھا تو پھر وہی واحد لاشریک ہے' وہی عبادت کا مستحق ہے تو تم اس کو چھوڑ کر اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو!

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر آسمانوں سے استدلال کیا پھر زمین سے' پھر دعاؤں کو قبول کرنے سے پھر بحر و بر میں کام آنے سے اور پھر موت کے بعد زندہ کرنے اور حشر میں اٹھانے سے۔

آسمانوں اور زمینوں کی نعمتیں عطا کرنے سے توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے النمل: ۶۰ میں یہ بتایا کہ وہی آسمانوں سے پانی نازل فرماتا ہے اور وہی اس پانی کے ذریعہ زمین میں تمہارا رزق اور روزی پیدا کرتا ہے' وہی لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیت اور رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے خوبصورت باغات کو پیدا کرتا ہے' پھر یہ بتایا کہ تم یہ گمان نہ کر لینا کہ تم زمین میں ہل چلاتے ہو' اس میں بیج ڈالتے ہو' زمین میں پانی دیتے ہو تو اس سے غلہ اور پھل اگ آتے ہیں۔ بتاؤ اگر اللہ زمین ہی کو پیدا نہ کرتا تو تم کہاں ہوتے! وہ زمین پیدا کر دیتا لیکن تمام زمین سخت اور پتھریلی ہوتی تو تم زمین میں کس طرح ہل چلاتے' اس نے بیج پیدا کیے تو زمین میں تم بیج بوتے ہو اگر وہ بیج ہی نہ پیدا کرتا تو تم کیا کر لیتے! تم زمین میں پانی دیتے ہو یہ پانی دریاؤں سے' نہروں سے' کنوؤں سے اور چشموں سے حاصل کرتے ہو اور ان میں یہ پانی بارش سے حاصل ہوتا ہے اگر وہ آسمانوں سے بارش نازل نہ فرماتا تو دریا سوکھ جاتے' کنوئیں خشک ہو جاتے تو پھر تم زمین کو سیراب کرنے کے لیے پانی کہاں سے لاتے!

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ O (الملک: ۳۰)

آپ کہیے! بھلا یہ بتاؤ اگر تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے لیے صاف پانی لا کر دے گا۔

پھر تمہارا کام اتنا ہی تو ہے کہ تم ہل چلا کر زمین میں بیج دبا دیتے ہو اور زمین میں پانی دیتے رہتے ہو لیکن بیج کو پھاڑ کر اس میں سے پودا کون نکالتا ہے اور اس نرم و نازک پودے میں اتنی طاقت کون پیدا کرتا ہے کہ وہ زمین کا سینہ چاک کر کے باہر نکل آتا ہے' سورج کی دھوپ مہیا کر کے غلہ کون پکاتا ہے' چاند کی کرنوں سے اس میں ذائقہ کون پیدا کرتا ہے' پودوں کی تر و تازگی کے لیے ہوائیں کون چلاتا ہے' شبنم سے ان کا منہ کون دھلاتا ہے! کیا اس سب کی طاقت تم میں ہے یا کسی بھی انسان میں ہے' یا ان میں ہے جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے! جب یہ چیزیں نہ تھیں تب بھی آسمان اور زمین تھے' آسمان سے پانی برستا تھا اور زمین سے روئیدگی ہوتی تھی' اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون تھا جو اس نظام کو جاری رکھے ہوئے تھا اور جب اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور یہ سارا نظام اسی طرح چل رہا تھا تو تم کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کو بنانے والا اور اس کو چلانے والا وہی واحد لاشریک ہے اور وہی تمہاری اور سب کی عبادات کا مستحق ہے۔

تصویر بنانے کے شرعی حکم کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم یہ درخت پیدا کرتے' علامہ قرطبی اور بعض دیگر علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تصویر بنانا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس میں روح ہو یا نہ ہو' یہ مجاہد کا قول ہے (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۰۵) کیونکہ انسان کو کسی بھی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے' اس لیے کسی چیز کی بھی تصویر بنانا اس کے لیے جائز نہیں ہے' خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار' ان کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

جاندار کی تصویر بنانے کی تحریم اور ممانعت کے متعلق احادیث

مسلم بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ہم مسروق کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں گئے۔ انہوں نے گھر کے ایک چبوترے میں مجسمے رکھے ہوئے دیکھے۔ مسروق نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۶۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۹۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۵۵۸' عالم الکتب' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ ان تصویروں کو بناتے ہیں قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا جن کو تم نے بنایا تھا ان میں جان ڈالو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۸)

ابو زرعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کے ایک گھر میں گیا۔ حضرت ابو ہریرہ نے اس گھر کے بلند حصہ میں کچھ تصویریں بنی ہوئی دیکھیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا' جو میری مخلوق کی مثل بناتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ ایک دانہ کو پیدا کریں' یا جوار کو پیدا کریں۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک گدا خریدا جس میں تصاویر بنی ہوئی تھیں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے رہے اور اندر داخل نہیں ہوئے' پس میں نے کہا میں اس گناہ سے اللہ کی طرف توبہ کرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ (صحیح مسلم التصاویر: ۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۵) آپ نے فرمایا یہ کیسا گدا ہے' میں نے کہا تا کہ آپ اس پر بیٹھیں اور

ٹیک لگائیں! آپ نے فرمایا ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا ان میں جان ڈالو جن کو تم نے بنایا تھا' اور آپ نے فرمایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۸)

چونکہ ان احادیث میں مطلقاً تصاویر بنانے پر آخرت میں عذاب کی وعید ہے خواہ وہ جاندار کی تصویر ہو یا غیر جاندار کی اس وجہ سے مجاہد نے یہ کہا تصاویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کے جواز کی حدیث

جمہور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

سعید بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں ایک انسان ہوں اور میرے روزی کمانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ میں یہ تصویریں بناتا ہوں' حضرت ابن عباس نے کہا میں تم کو صرف وہ حدیث سناؤں گا جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے کوئی تصویر بنائی اللہ اس کو اس وقت تک عذاب دیتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ اس میں روح پھونک دے اور وہ اس میں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکے گا۔ اس شخص نے بڑے زور سے سانس لیا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر تیرے لیے تصویر بنانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو پھر اس درخت کی تصویر بنا اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۷۸۵)

تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ فرماتے ہیں:

جاندار اور ذی روح چیزوں کی تصویر بنانے کی احادیث میں تحریم کی تصریح ہے اور یہ حرمت مغلظہ ہے' اور درخت اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے' مجاہد کے سوا جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں بھی تو تخلیق کی مشابہت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صنعت تخلیق کی مشابہت کے قصد سے تصویر بنائے گا یہ وعیدیں اس شخص کے متعلق ہیں اور جو شخص اپنے متعلق یہ اعتقاد رکھے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اسی کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا اور کفر کی وجہ سے اس کا عذاب اور زیادہ ہوگا۔ اسی طرح عذاب کی یہ سخت وعیدیں اس شخص کے لیے ہیں جو اس لیے تصویر بنائے کہ اس تصویر کی عبادت کی جائے' جیسے کفار بت تراش کر بناتے تھے اور جو شخص تصویر' اللہ کی صنعت تخلیق کے ساتھ مشابہت کے قصد سے بنائے نہ اس لیے تصویر بنائے کہ اس کی عبادت کی جائے تو وہ فاسق ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور جس طرح باقی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں قرار دیا جاتا اسی طرح اس کو بھی کافر نہیں قرار دیا جائے۔ (صحیح مسلم بہ شرح نواوی ج ۹ ص ۵۷۴۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ نووی شافعی نے قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ ھ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کا حوالہ یہ ہے:

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۶۳۸ مطبوعہ دار الوفا بیروت ۱۴۱۹ھ)

تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اگر گھر میں قبلہ کی جانب ایسی تصاویر (یا مجسمے) ہوں جن کے سر کٹے ہوئے ہوں تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ تصویر سر کے ساتھ ہوتی ہے اور سر کٹنے سے وہ تصویر نہیں رہتی' کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑا ہدیہ کیا گیا جس میں ایک پرندے کی تصویر تھی' صبح کو صحابہ نے دیکھا اس کا سر مٹا دیا گیا تھا' اور روایت ہے کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کی' آپ نے اجازت دے دی' حضرت جبریل نے کہا میں کیسے آ سکتا ہوں جبکہ گھر میں ایک ایسا پردہ ہے جس پر گھوڑوں اور مردوں کی تصویریں ہیں' آپ یا تو ان تصویروں کے سر کاٹ دیں' یا ان پردوں کے بچھانے والے گدے بنا دیں' نیز سر کاٹ دینے کے بعد تصویر درخت کی طرح ہو جاتی ہے' اور یہ مکروہ نہیں ہے' مکروہ' جاندار کی تصویر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو تصویر بنانے سے منع کیا۔ اس نے کہا میرے کمانے کا یہی طریقہ ہے پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اگر تصویر بنانے کے سوا تمہارے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو درختوں کی تصویر بنایا کرو' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے کسی جاندار کی تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس میں روح پھونکنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

اگر تصویر کا سر کٹا ہوا نہ ہو تو پھر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے' کیونکہ اس میں تصویر کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہے' لیکن یہ اس وقت ہے جب تصویر بڑی ہو اور دیکھنے والوں کو دور سے نظر آتی ہو' اگر تصویر چھوٹی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ تصویروں کی عبادت کرنے والے بہت چھوٹی تصویر کی عبادت نہیں کرتے' کیونکہ حضرت ابوموسیٰ کی انگوٹھی پر دو مکھیوں کی تصویریں تھیں اور حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی ملی تو اس کے نگینوں پر دو شیروں کی تصویریں تھیں اور ان شیروں کے درمیان ایک آدمی کی تصویر تھی جس کو وہ شیر چاٹ رہے تھے' یا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم سے پہلی شریعت میں تصویر حلال تھی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ (سبا: ۱۳) حضرت سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جن) ان کے لیے بنا دیتے تھے۔ اونچے قلعے اور مجسمے' تصویر جس طرح قبلہ کی جانب مکروہ ہے اسی طرح چھت پر یا قبلہ کی دائیں یا بائیں جانب بھی مکروہ ہے' کیونکہ حدیث میں ہے: "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے" اس لیے نماز کی جگہوں کو تصویر سے منزہ کرنا واجب ہے' ہاں اگر نمازی کے پیچھے تصویر ہو تو اس میں کم درجہ کی کراہت ہے' کیونکہ اس موقع پر تصویر کی تعظیم یا تصویر کی عبادت سے مشابہت نہیں ہے' اسی طرح اگر تصویر زمین یا تہبند یا پردوں پر ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے' بستر پر تصویر مکروہ ہے لیکن ایسے بستر پر سونے یا بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ بستر کو روندا جاتا ہے اور اس میں تصویر کی تعظیم نہیں ہے' گدے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حضرت جبریل نے کہا تھا کہ آپ اس کا گدا بنا لیں جس کو روندا جائے' اگر نمازی بستر پر نماز پڑھے اور اس کی پیشانی کی جگہ یا اس کے سامنے تصویر ہو تو یہ مکروہ ہے' کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے اور اگر اس کے قدموں کی جگہ تصویر ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب تصویر کی تعظیم نہیں ہے۔

(المبسوط ج ۱ ص ۲۱۱-۲۱۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان تصویروں کے بنانے والے کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔" یہ تصویر کے عموم

پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ تصویر مجسم ہو یا نہ ہو' خواہ وہ تصویر کسی چیز میں کھود کر بنائی جائے یا نقش سے بنائی جائے' جس چیز پر بھی تصویر کا اطلاق ہو گا وہ حرام ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲۲ ص ۷۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق علماء ازہر کا نظریہ

ڈاکٹر احمد شرباصی لکھتے ہیں:

ہم یہ بات بداہتہً سمجھتے ہیں کہ فوٹو گراف کی تصاویر' تحریم کے حکم میں داخل نہیں ہیں' کیونکہ یہ ہاتھ سے بنائی ہوئی تصاویر نہیں ہیں' اور نہ ان کا کوئی جسم ہوتا ہے' ان تصاویر میں صرف عکس اور ظل کو ایک کاغذ پر مقید کر دیا جاتا ہے اور چھوٹی لڑکیوں کے لیے گڑیوں کو حرام نہیں کیا گیا اور صورتوں کے وہ مجسمے حرام نہیں ہیں جن کی علم طب یا تعلیم میں ضرورت ہوتی ہے اور وہ تصاویر جن کو تعظیم یا تکریم کے لیے نہ بنایا جائے حرام نہیں ہیں' کیونکہ تصاویر کی تحریم کی بنیاد بت سازی اور بت پرستی کا راستہ بند کرنا ہے۔ (یسئلونک فی الدین والحیاۃ ج ۱ ص ۶۳۲' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

نیز علماء ازہر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

ہمارا مختار یہ ہے کہ جس تصویر کا کوئی جسم نہ ہو اس کے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح جو تصویر کپڑے' دیوار یا کاغذ پر بنائی جائے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح آج کل کیمرے سے کھینچی جانے والی مروّجہ تصاویر بھی جائز ہیں خواہ وہ تصویریں جاندار کی ہوں یا بے جان کی' جبکہ وہ تصویریں کسی علمی مقصد پر مبنی ہوں جس سے عام معاشرہ کو فائدہ ہو اور ان تصاویر کی تعظیم' تکریم اور عبادت کا شبہ نہ ہو تو پھر وہ تصویریں بے جان چیزوں کی تصویروں کے حکم میں ہیں اور وہ شرعاً جائز ہیں۔ (الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ' مطبوعہ قاہرہ مصر' ۱۴۰۲ھ)

تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق مصنف کا موقف

میرے نزدیک علماء ازہر کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ کیمرے کی بنائی ہوئی تمام تصاویر اس لیے جائز ہیں کہ وہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتیں اور یہ کہ کیمرے کے ذریعہ صرف عکس کو مقید کر لیا جاتا ہے' دیکھیے پہلے شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اب مشینی عمل کے ذریعہ شراب بنائی جاتی ہے تو کیا اس فرق سے اب شراب جائز ہو جائے گی' پہلے ہاتھوں کی تراش خراش سے مجسمے بنائے جاتے تھے اب مشینوں کے ذریعہ پلاسٹک اور دوسری اجناس کے مجسمے ڈھال لیے جاتے ہیں تو کیا اب وہ جائز ہو جائیں گے؟

فوٹو کے متعلق اسلام کا منشاء یہ ہے کہ کسی بھی جاندار کی صورت اور شبیہ کو مستقل طور پر محفوظ کر لینا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہمیشہ جانداروں کی تصویریں شرک اور فتنہ کی موجب بنتی رہی ہیں' اب بھی ہندوستان اور بعض دوسرے ممالک میں تصویروں اور بتوں کی پوجا ہوتی ہے' ہندوستان میں گاندھی کی تصویر کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے' روس میں سٹالن کی تصویر کی تعظیم کی جاتی ہے' پاکستان کے تمام دفاتر' اسمبلیوں اور سفارت خانوں میں بڑے سائز کی قائداعظم کی تصویر تعظیماً اونچی جگہ پر آویزاں کی جاتی ہے' اس لیے اصل فتنہ صورت کے محفوظ کرنے میں ہے' خواہ صورت کو سنگ تراشی سے محفوظ کیا جائے' قلم کاری سے یا فوٹو گرافی سے' جس طریقہ سے بھی تصویر کو حاصل اور محفوظ کر لیا جائے گا اس سے حاصل شدہ تصویر ناجائز اور حرام ہو گی' اور بت تراشی' مصوری اور فوٹو گرافی میں جواز اور عدم جواز کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔

تصویر کی حرمت کا اصل منشاء غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت ہے' اگر لوگ فوٹو گراف کی تعظیم اور عبادت شروع کر دیں تو کیا وہ تعظیم اور عبادت ناجائز نہیں ہو گی؟ جبکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے قومی لیڈروں اور پیروں کے فوٹوؤں کی ہر ملک میں بالفعل تعظیم کی جاتی ہے اور غیر اللہ کی عبادت کا منشاء صورت اور شبیہ ہے' خواہ وہ سنگ تراشی سے حاصل ہو' قلم کاری سے

یا فوٹو گرافی سے اس لیے جس طرح پتھر کا مجسمہ بنانا اور قلم اور برش سے تصویر بنانا حرام ہے اسی طرح کیمرے سے فوٹو بنانا بھی حرام (یعنی مکروہ تحریمی) ہے۔

ویڈیو اور ٹی وی کی تصاویر کا شرعی حکم

بعض علماء اہل سنت نے یہ کہا ہے کہ آئینے اور ٹی وی کے ناپائیدار عکوس کو حقیقی معنوں میں تصویر، تمثال، مجسمہ، اسٹیچو وغیرہ کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ پائیدار ہونے سے پہلے عکس صرف عکس ہی رہتا ہے، تصویر نہیں بنتا اور جب اسے کسی طرح سے پائیدار کر لیا جائے تو وہی عکس تصویر بن جاتا ہے، موجودہ معروف اور متعارف آئینہ بالکلیہ انسانی صنعت گری ہے لہٰذا اس میں بھی عکوس کے ظہور میں قطعی طور پر جعلِ انسانی کا دخل ہے اس لیے اگرچہ ٹی وی کے آئینہ پر عکوس کے ظہور میں جعلِ انسانی دخیل ہے تب اس کا حکم آئینہ کے حکم کی طرح ہی ہونا چاہیے کیونکہ غیر قار و ناپائیدار ہونے میں دونوں بالکل ایک طرح ہیں۔

اس تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ویڈیو اور ٹی وی کے استعمال کرنے کا معاملہ آئینوں کے استعمال کرنے کی طرح ہے، جس طرح آئینہ کے اندر ہر اس چیز کو دیکھا جا سکتا ہے جس کا دیکھنا سننا اس کے بغیر بھی جائز ہو۔ رہ گئے وہ امور جن کا دیکھنا سننا ناجائز و حرام ہو وڈیو اور ٹی۔وی کے ذریعہ بھی ان کا سننا اور دیکھنا ناجائز و حرام ہے، غیر محرم مرد و زن کا عام میل جول شرعاً حرام ہے اور فلموں میں بھی دکھایا جاتا ہے اس لیے یہ فلمیں سینما میں دیکھی جائیں یا وی سی آر کے ذریعہ ٹی وی پر بہر حال حرام ہیں۔ (یہ کلام ختم ہوا)

ہمارے نزدیک ٹی وی کی اسکرین کا آئینہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اول اس لیے کہ اگر مثلاً چار شخص آئینے کے سامنے مختلف جہات میں کھڑے ہوں کوئی دائیں جانب ہو کوئی بائیں جانب ہو، کوئی بالکل سیدھا کھڑا ہو، کوئی کسی اور زاویہ سے ترچھا کھڑا ہو تو سب کو بہ یک وقت آئینہ میں مختلف عکوس نظر آئیں گے اس کے برخلاف اگر ٹی وی کی اسکرین کو بہ یک وقت چار یا چار سے زائد اشخاص مختلف جہات سے دیکھ رہے ہوں تو ان کو ایک ہی منظر دکھائی دے گا اور یہ وہی منظر ہو گا جو ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ شدہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وی سی آر کے مخصوص بٹن کے ذریعہ کسی تصویر کو ساکن کر دیا جائے اور ٹھہرا لیا جائے تو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بہر حال ویڈیو کے مجوزین کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ جبکہ آئینہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا ناجائز یا مکروہ نہیں ہے اس لیے ہمارے نزدیک ٹی وی کی اسکرین آئینہ کی مثل نہیں ہے اور اس کو آئینہ پر قیاس کر کے جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ٹی۔وی کی تصاویر ہر چند کہ عام فوٹو گراف یا قلمی تصاویر کی طرح تو نہیں ہیں تاہم یہ تصویر کی جدید شکل ہیں۔ ٹی وی کی تصویر کو متحرک بھی دکھایا جاتا ہے اور غیر متحرک بھی، تصویر خواہ مجسمہ کی شکل میں ہو یا قلمی ہو یا فوٹو گراف ہو یا ویڈیو کی ریز کے ذریعہ دکھائی دے ان سب میں ایک چیز مشترک ہے وہ ہے جاندار کی صورت کا دکھائی دینا۔ غیر ترقی یافتہ زمانہ میں جاندار کی صورت کو پتھروں سے تراش کر مجسمہ کی شکل میں یا کپڑے یا کاغذ پر نقش کر کے وجود میں لایا جاتا تھا، پھر ترقی یافتہ زمانہ میں کیمرے کے ذریعہ فوٹو گراف کی شکل میں وجود میں لایا گیا اب اور زیادہ ترقی ہوئی تو اس کو ریز کی شکل میں متحرک اور غیر متحرک ہر دو طرح سے وجود میں لایا گیا، بہر حال ہر صورت میں ویڈیو کی وہ تصاویر جن میں ریز کے ذریعہ جاندار کی صورتوں کو وجود میں لایا جائے خواہ وہ متحرک ہوں یا غیر متحرک ہوں وہ اسی طرح ناجائز اور حرام ہیں جیسے پتھر، کاغذ یا کپڑے پر نقش شدہ تصاویر ناجائز اور حرام ہیں، جیسے موسیقی صرف اس لیے حرام نہیں ہے کہ وہ طبلہ، سارنگی اور بانسری کے ذریعہ بجا کر آواز بنائی جاتی ہے اگر یہ

آواز ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ سنائی دے فلم یا ویڈیو ٹیپ کے فیتے کے ذریعہ سنائی دے وہ بہر حال موسیقی کی آواز ہے جو سنائی دے رہی ہے اسی طرح جاندار کی صورت خواہ کسی ذریعہ سے دکھائی دے وہ بہر حال صورت گری ہے اور ناجائز اور حرام ہے میں نے اس مسئلہ کو اسی طرح سمجھا ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میری فکر کی نارسائی ہے۔

جو علماء دلائل کی بناء پر فوٹو اور ٹی وی کی تصاویر کے جواز کے قائل ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے

فوٹو گراف میں بعض علماء اہلسنّت یہ کہتے ہیں کہ گدے پر چھپی ہوئی تصویر کی اجازت ہے اور جب کپڑے پر تصویر کا نقش جائز ہے تو کاغذ پر بھی جائز ہے اور مصری علماء بھی اس کو جائز کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے اسی طرح آئینہ پر قیاس کر کے بعض علماء ٹی وی کی تصاویر کو بھی جائز کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے لیکن جس مسئلہ میں ہمارے علماء کا اختلاف ہو تو اس میں تشدید نہیں کرنی چاہیے جیسے قوالی' سیاہ خضاب' چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کا معاملہ ہے کیونکہ دلائل میں تعارض تخفیف کا موجب ہوتا ہے مثلاً بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ اسی وجہ سے زیادہ تر عذاب قبر ہوتا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۸' المستدرک ج ۱ ص ۱۸۳) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ پیشاب مطلقاً نجاست غلیظہ ہو' اور بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کو اونٹنیوں کا پیشاب بطور علاج پلایا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۱) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب نجس نہ ہو' اور یہی امام احمد کا مسلک ہے' سو دلائل میں اس تعارض کی وجہ سے جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے پیشاب کو نجاست خفیفہ قرار دیا گیا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۰۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) اسی طرح بلی کے جھوٹے کا حکم ہے' بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلی درندہ ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷' المستدرک ج ۱ ص ۱۸۳' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۶۳) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ بلی کا جھوٹا حرام ہو اور بعض احادیث میں ہے کہ جس برتن سے بلی نے پانی پیا تھا اس برتن کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ نے وضو کیا (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۶۹) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہو اور دلائل میں اس تعارض کی بناء پر بلی کے جھوٹے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۵)

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ ہر چند کہ فوٹو گراف اور ویڈیو کی تصاویر ہمارے نزدیک جائز نہیں ہیں لیکن چونکہ اس میں دلائل متعارض ہیں اور علماء کا اختلاف ہے اس لیے اس میں بہت زیادہ سختی اور تشدید نہیں کرنی چاہیے اور جو علماء اس میں مبتلا ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے اور ان کو ہدف ملامت نہیں بنانا چاہیے کیونکہ دلیل خواہ کمزور ہو وہ تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔ دیکھیے محرمات سے نکاح کرنا حرام ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا جو شخص اپنی ماں یا بہن سے نکاح کر کے وطی کر لے اس پر حد نہیں ہوگی تعزیر ہوگی۔ اس کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا لیکن اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں پر یہ شبہ ہے کہ ہم سے پہلی شریعت میں بھائی بہن کے درمیان نکاح جائز تھا' ہر چند کہ یہ شبہ ضعیف ہے لیکن اس کا اعتبار کر کے حد ساقط کر دی گئی۔ (ہدایہ اولین ص ۵۱۶' فتح القدیر و العنایہ ج ۵ ص ۲۴۶) اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ فوٹو گراف اور ویڈیو کی تصویر کے جواز کے دلائل ضعیف ہیں لیکن وہ تخفیف کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے دلائل کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے اور عام لوگوں کو اس سے بہر حال منع کرنا چاہیے۔

ضرورت کی بناء پر پاسپورٹ سائز کے فوٹو گراف کی رخصت

تاہم بعض تمدنی' عمرانی اور معاشی امور کے لیے فوٹو ناگزیر ہے' مثلاً شناختی کارڈ' پاسپورٹ' ویزا' ڈومی سائل' امتحانی فارم' ڈرائیونگ لائسنس اور اس نوع کے دوسرے امور میں فوٹو کی لازمی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے دین میں تنگی

نہیں رکھی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں تنگی نہیں کی۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور مشکل کا ارادہ نہیں کرتا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

احب الدين الى الله الحنيفية السمحة (صحیح البخاری باب: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو حق ہو اور آسان اور سہل ہو۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ان الدين يسر (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے۔

عن انس بن مالک يقول قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يسروا ولا تعسروا. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر آسانی کرو اور ان کو مشکل میں نہ ڈالو۔

اسلام میں جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے کی ممانعت ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کی اجازت ہے۔ اس لیے انسان کی صرف سینے تک کی تصویر بنانا جائز ہے کیونکہ کوئی انسان بغیر پیٹ کے زندہ نہیں رہ سکتا' اور جن تمدنی اور معاشی امور میں تصویر کی ضرورت پڑتی ہے (مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ) ان میں اس قسم کی آدھی تصویر ہی کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے اس قسم کی ضروریات میں بغیر پیٹ کے سینہ تک کی آدھی تصویر کھنچوانا جائز ہے' البتہ بلاضرورت شوقیہ فوٹو گرافی مکروہ ہے' اور تعظیم و تکریم کے لیے فوٹو کھینچانا ناجائز اور حرام ہے۔

ہم نے جو آدھی تصویر کو جائز کہا ہے اس کی اصل حدیث یہ ہے:

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة قال استاذن جبريل عليه السلام على النبی صلی الله عليه وسلم فقال ادخل فقال كيف ادخل وفی بيتک سترفيه تصاوير فاما ان تقطع رء وسها اوتجعل بساطا يوطا فانا معشر الملائكة لا تدخل بيتا فيه تصاوير. (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۶۱' طبع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا آ جاؤ! انہوں نے کہا میں کیسے آؤں درآں حالیکہ آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جس میں تصویریں ہیں' پس یا تو آپ ان تصویروں کے سر کاٹ دیں یا اس پردہ کو پیروں تلے روندی جانے والی چادر بنا دیں کیونکہ ہم گروہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصاویر ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

فاما لو كانت ممتهنة اوغير ممتهنة لكنها غيرت من هيئتها اما قطعها من نصفها اوبقطع

اور اگر تصویر کو ذلت کے ساتھ رکھا جائے یا بغیر ذلت کے رکھا جائے لیکن اس کی ہیئت کو متغیر کر دیا جائے یا تو وہ تصویر آدھی

راسها فلا امتناع (فتح الباری ج ١٠ ص ٣٩٢ ' لاہور' ١٤٠١ ھ) کاٹ دی جائے یا اس کا سر کاٹ دیا جائے تو پھر کوئی امتناع نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن عربی (مالکی) نے کہا ہے کہ تصویر بنانے کے حکم میں خلاصہ یہ ہے کہ جسم والی تصویر بنانا تو بالا جماع حرام ہے' اور اگر تصویر مرتسم یا مرقوم ہو (یا مطبوع ہو) تو اس میں چار قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ مطلقاً جائز ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تصویر کپڑے پر بنی ہوئی ہو اس کا حکم مستثنیٰ ہے (صحیح بخاری ج ٢ ص ٨٨١) دوسرا قول یہ ہے کہ تصویر بنانا مطلقاً ممنوع ہے حتیٰ کہ قلم سے بنائی ہوئی تصویر بھی ممنوع ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ اگر تصویر میں مکمل ہیئت اور شکل ہو تو حرام ہے اور اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے یا اس کے اجزاء متفرق ہوں تو پھر جائز ہے' علامہ ابن عربی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے' چوتھا یہ ہے کہ اگر تصویر کو نیچے بچھایا جائے اور ذلت کے ساتھ رکھا جائے تو پھر جائز ہے اور اگر تصویر کو لٹکایا جائے تو پھر نا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ١٠ ص ٣٩١ ' لاہور' ١٤٠١ ھ)

مصر کے بعض علماء لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جاندار کا فوٹو گراف اگر بڑا ہو اور اس میں اس کے تمام اعضاء مکمل ہوں تو اس کا بنانا مکروہ تحریمی ہے' اور اگر فوٹو گراف چھوٹا ہو جس میں غور سے دیکھے بغیر اعضاء کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے' یا فوٹو تو بڑا ہو لیکن اس میں وہ اعضا نہ ہوں جن کے بغیر حیات ناگزیر ہے تو اس فوٹو گراف کا بنانا مکروہ نہیں ہے۔

(الفتاویٰ الاسلامیہ ج ٤ ص ١٢٨٠ ' مصر' ١٤٠١ ھ)

علامہ نور اللہ بصیر پوری (فقیہ العصر) لکھتے ہیں:

حج کے لیے عازم حج کے پورے جسم کا فوٹو ضروری نہیں بلکہ چہرے یا قدرے زائد کا فوٹو حکومت نے مصالح انتظامیہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے' چنانچہ عموماً پاسپورٹوں پر ایسے ہی فوٹو چسپاں کیے جاتے ہیں جو نصف سینہ تک کے ہوتے ہیں حالانکہ انسان نصف سینہ یا سینہ کے نیچے سے کاٹ دیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا' لہٰذا یہ فوٹو ایسے جسم کا فوٹو ہو گا جو شجر و حجر کی طرح بے جان ہے۔ (الی قولہ) بہر حال ان ارشادات کی روشنی میں حج فرض وغیرہ کے لیے' ایسے فوٹو کی اجازت ہے جو جسم کے ایسے حصہ کا ہو جو صرف اتنا ہی زندہ نہ رہ سکتا ہو' (الی قولہ) ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ بلا ضرورت فوٹو نہ کھنچوائے جائیں۔

(الفتاویٰ النوریہ ج ٢ ص ١٧١-١٦٩ ' لاہور' ١٤٠٨ ھ)

احادیث صحیحہ اور عبارات فقہاء کی روشنی میں یہ امر واضح ہو گیا کہ تمدنی' معاشی' عمرانی اور شرعی ضروریات کے لیے آدھی تصویر کھنچوانا جائز ہے اور بلا ضرورت محض شوقیہ فوٹو گرافی ایک مکروہ عمل ہے اور کسی کی تعظیم اور تکریم کے لیے فوٹو کھینچنا نا جائز اور حرام ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا رواں دواں کر دیئے اور زمین کو برقرار رکھنے کے لیے مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے! ۝ (النمل: ٦١)

زمین کی خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

زمین کے جائے قرار ہونے کی وجوہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلا کر ہموار کر دیا اور اس میں لوگوں کی سکونت سہل

اور آسمان بنادی اور زمین کو سختی اور نرمی کے درمیان متوسط اور معتدل بنایا اگر وہ پتھر کی طرح سخت ہوتی تو اس پر انسان کا لیٹنا مشکل ہوتا اور اگر وہ پانی کی طرح نرم ہوتی تو انسان اس میں گھس کر نیچے چلا جاتا اور ڈوب جاتا' اور اس میں سورج کی شعاؤں کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھی ورنہ ٹھنڈک کی زیادتی سے اس پر جانداروں کا رہنا مشکل ہو جاتا' سورج کے گرد زمین کی گردش کو اس کیفیت سے رکھا کہ عام لوگوں کو اس کی گردش محسوس نہیں ہوتی۔

اور فرمایا زمین کے گرد دریا رواں دواں کر دیئے' زمین سے پانی کئی صورتوں میں نکلتا ہے' بعض سیال جاری چشمے ہیں' زمین کے اندر جو بخارات چلتے رہتے ہیں کسی جگہ وہ بخارات جمع ہو جاتے ہیں اور اپنی قوت سے زمین کو پھاڑ کر نکل آتے ہیں' اور بعض چشمے جاری نہیں ہوتے کیونکہ جن بخارات کی وجہ سے وہ چشمے وجود میں آتے ہیں وہ اتنے قوی نہیں ہوتے اور ندیوں اور نالوں اور دریاؤں کے پانی ہیں اور کنوؤں کے پانی ہیں۔

رواسی راسیۃ کی جمع ہے' اس کا استعمال پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے۔

اور فرمایا: اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی' اس سے مقصود یہ ہے تا کہ میٹھا پانی کھارے پانی سے مختلط نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں بھی دو سمندر ہیں ایک حکمت اور ایمان کا سمندر اور دوسرا سرکشی اور شہوت کا سمندر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کے درمیان بھی ایک رکاوٹ قائم کر دی اور ایک سمندر دوسرے سمندر سے فاسد نہیں ہوتا' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ (الرحمٰن: ٢٠-١٩)

اس نے دو سمندر جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں' ان کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

دو سمندروں سے مراد ایک کھارے پانی کا سمندر ہے اور ایک میٹھے پانی کا دریا ہے' یا اس سے مراد یہ ہے کہ سمندر میں دو قسم کی لہریں ہیں' ایک میٹھے پانی کی اور ایک کھارے پانی کی' اور ہر ایک لہر دوسری لہر سے ممتاز اور ممیز رہتی ہے' تیسری صورت یہ ہے کہ سمندر میں بعض جگہوں پر اوپر کھارا پانی ہوتا ہے اور اس کی تہ میں نیچے میٹھا پانی ہوتا ہے' چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض مقامات پر دریا کا میٹھا پانی سمندر میں جا گرتا ہے اور میلوں تک یہ دونوں پانی ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مختلط نہیں ہوتے۔

یہ نعمتیں اور زمین میں یہ خصوصیات کس نے پیدا کی ہیں' تم حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی پرستش کرتے ہو' ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی زمین میں اور سمندروں میں یہ خصوصیات تھیں۔ درختوں میں پتھروں میں آگ میں ان میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ زمین کو اور سمندروں کو یہ خصوصیات دے سکے' نہ سورج اور چاند میں یہ طاقت ہے کیونکہ سورج اور چاند زمین کے جس حصہ سے غروب ہو جاتے ہیں اس غروب سے زمین کے اس حصہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ پھر بتاؤ کہ زمین میں یہ خصوصیات کس نے پیدا کی ہیں' اور ان کے پیدا کرنے کا کون دعویدار ہے؟ پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اللہ ہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کو قائم رکھنے والا ہے اور وہی سب کی عبادتوں کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے! اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو! ۝ (النمل: ٦٢)

مضطر (بے قرار) کے مصداق کے متعلق اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مضطر (بے قرار) وہ شخص ہے جس کو کسی چیز کی سخت ضرورت ہو اور وہ اس کی

طلب کی وجہ سے مشقت میں مبتلا ہو! سدی نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو کسی مصیبت کو دور کر سکتا ہو اور نہ کسی راحت کو حاصل کر سکتا ہو۔ ذوالنون نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب سے رشتے منقطع کر چکا ہو۔ ابو جعفر اور ابو عثمان نیشاپوری نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو دیوالیہ ہو چکا ہو' سہل بن عبداللہ نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کے پاس دعا کے قبول ہونے کے لیے پیشگی عبادت کا کوئی وسیلہ نہ ہو۔ ایک شخص مالک بن دینار کے پاس آیا اور کہا میں آپ سے اللہ کے لیے سوال کرتا ہوں' آپ میرے لیے دعا کریں میں مضطر ہوں' انہوں نے کہا جب تم مضطر ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو وہ مضطر کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

مضطر (بے قرار) کی دعا

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے اپنے والد سے کہا میں ہر روز صبح و شام تین تین بار آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنتا ہوں۔ اے اللہ! میرے بدن کو عافیت سے رکھ' اے اللہ! میرے کانوں کو عافیت سے رکھ' اے اللہ! میری آنکھوں کو عافیت سے رکھ' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے تو میں آپ کی سنت پر عمل کرنا پسند کرتا ہوں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس دعا میں کہا: اے اللہ! میں کفر اور فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اور کہا حضور صبح اور شام تین تین بار یہ دعا کرتے تھے اور میں آپ کی سنت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہوں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرب میں مبتلا (بے قرار) کی دعا یہ ہے: اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں تو مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر اور تو میرے تمام کاموں کو درست کر دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥٠٩٠' مسند احمد رقم الحدیث: ٢٠٤٥٢)

قرآن اور حدیث سے اس پر استدلال کہ مضطر اور مصیبت زدہ کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر

جب کوئی شخص کرب میں مبتلا ہو' مضطر اور بے قرار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے خواہ وہ شخص مومن ہو یا کافر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ (یونس: ٢٣-٢٢)

حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محوسفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں اس وقت وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب اللہ نے انہیں بچا لیا تو وہ پھر یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۵)

پس جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

سو جو مضطر اور بے قرار اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی دعا قبول فرمالیتا ہے۔

اسی طرح احادیث میں مطلقاً مظلوم کی دعا قبول کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ تین (قسم کی) دعائیں قبول ہوتی ہیں' مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا اور باپ کی دعا اس کی اولاد کے لیے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۲۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۹۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۹۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجتے وقت چند ہدایات دیں اور آخر میں فرمایا اور مظلوم کی دعا سے بچنا کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۲۵' ۲۴۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مظلوم کی دعا سے بچو' کیونکہ اس کی دعا بادلوں کے اوپر اٹھائی جاتی ہے' اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تمہاری ضرور مدد کروں گا' خواہ کچھ وقت گزرنے کے بعد۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۷۱۸' المستدرک ج ۱ ص ۲۹' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۸۱' یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۰۹' ۲۴۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۶' ۱۹۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۵' ۳۰۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۲' متن حدیث کے الفاظ متقارب ہیں)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مظلوم کی دعا سے بچو خواہ وہ کافر ہو کیونکہ اس کی دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۳' اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو عبداللہ الاسدی ہے حافظ المنذری نے کہا ہے میں اس کو نہیں پہچانتا' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۸۸' حافظ الہیثمی نے بھی کہا میں اس کو نہیں پہچانتا' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۲' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۱۰ ص ۴۹۵' رقم الحدیث: ۱۲۴۸۸' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

مظلوم' مسافر اور والد کی دعا جلد قبول فرمانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ مظلوم کے اخلاص کی وجہ سے اس کی دعا کو قبول فرمالیتا ہے اور یہ ضرورت کی بنا پر اس کے کرم کا تقاضا ہے' اور اس کے اخلاص کو قبول کر لینا ہے خواہ وہ کافر ہو' اسی طرح اگر وہ شخص اپنے دین میں سب سے بڑا فاجر ہو تو جب وہ گڑگڑا کر اخلاص کے ساتھ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا کیونکہ کسی کا کفر یا فجور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عموم اور شمول سے مانع نہیں ہے اور مظلوم کی دعا کے قبول ہونے کا معنی یہ ہے' اللہ تعالیٰ ظالم کے خلاف اس کی مدد فرماتا ہے یا ظالم سے اس کا بدلہ لیتا ہے یا ظالم پر اس سے بڑے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے جو اس ظالم پر ظلم کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۲۹) اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بعض دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔

اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیتا ہے اور ہم ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں جس طرح جب جرمنوں کا ظلم اور ان کی بربریت حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے امریکا' روس اور برطانیہ کو اس پر مسلط کر دیا۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ اس کی دعا بادلوں کے اوپر اٹھائی جاتی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی دعا کے لیے فرشتوں کو مقرر فرما دیا ہے وہ اس کی دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھا کر لے جاتے ہیں' پھر وہاں سے اس کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور آسمان دعا کا قبلہ ہے تاکہ اس کو تمام فرشتے دیکھ لیں' اور دعا کو اوپر لے جانے سے فرشتوں کی مدد کا اظہار ہوتا ہے اور اس دعا کی قبولیت میں ان کی شفاعت حاصل ہوتی ہے' اور مظلوم کی دعا کو جلد قبول کرنے سے لوگوں کو اللہ کی ناراضگی' اس کی معصیت اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے سے ڈرانا مقصود ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے' اے میرے بندو! سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو! الحدیث۔ (صحیح مسلم' البر والصلہ: ۵۵' رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۵۷۷' الرقم المسلسل: ۶۴۵۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۱۷ھ)

پس مظلوم مضطر اور مکروب ہے اور اپنا بدلہ لینے کے لیے بے قرار ہے' اور مسافر بھی اسی کے قریب ہے کیونکہ وہ اپنے اہل اور وطن سے جدا ہے' دوستوں اور مددگاروں سے دور ہے' اور دوران سفر اجنبی لوگوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے اس کا کوئی موافق اور مددگار نہیں ہے' اس لیے وہ بھی مکروب اور مضطر ہے اور اس کی دعا بھی اللہ تعالیٰ ازراہ کرم جلد قبول فرماتا ہے' اسی طرح جب والد اپنی اولاد کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ بھی اپنی اولاد کے لیے بے قرار اور مضطر ہوتا ہے اور اولاد کی تکلیف سے اس کے باپ کو اذیت پہنچتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ' مظلوم اور مسافر کی طرح اس کی دعا کو بھی جلد قبول فرما لیتا ہے۔

مضطر اور مکروب کی فریاد رسی سے توحید پر استدلال

نیز اس آیت میں فرمایا: اور کون ظلم کو دور کرتا ہے' یعنی مخلوق سے ضرر اور ظلم کو کون دور کرتا ہے' اور فرمایا اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے' یعنی ایک قوم مر جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آ جاتی ہے اور وہ تمہاری اولاد کو تمہارا قائم مقام بنا دیتا ہے' اگر پہلے لوگ مر کر بعد والوں کے لیے جگہ خالی نہ کرتے تو بعد والوں کے لیے زمین تنگ ہو جاتی۔

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو جس طرح اللہ نے اپنی عبادت اور توحید کا پیغام دے کر رسول بھیجے ہیں تو وہ دوسرا معبود بھی اپنا پیغام بھیجتا' اپنے رسولوں پر معجزات نازل کرتا' وہ بھی آسمانی کتابیں نازل کرتا' اور جب ایسا نہیں ہوا تو مان لو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی واحد لاشریک ہے' وہی ستائش اور عبادت کا مستحق ہے' اس کے سوا اور کوئی اس کائنات کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

ہر صاحب عقل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ ستائش اور عبادت کا وہی مستحق ہے جو مصائب دور کرے' دکھ اور پریشانی میں کام آئے' اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا مصائب کو کوئی دور نہیں کرتا' مشکلات کو اس کے سوا کوئی حل نہیں کرتا تو اس کے سوا عبادت کا بھی کوئی مستحق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی

رحمت سے' پہلے ہی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! اللہ ان سے بہت بلند ہے جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O (بتاؤ!) وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا' اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو تم اپنی دلیل لاؤ O (النمل: ۶۴-۶۳)

حشر ونشر کا ثبوت اور شرک کا ابطال

خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے مراد یہ ہے کہ جب انسان رات کے اندھیروں میں خشکی یا سمندروں کا سفر کرے تو اس وقت اس کو ستاروں سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے' اور بارش ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ایسی ہوائیں بھیج دیتا ہے جن سے بارش کا پتا چل جاتا ہے' ہر چند کہ اب ایسے آلات اور اسباب ایجاد ہو چکے ہیں جن سے ان ہواؤں کے بغیر بھی علم ہو جاتا ہے کہ بارش کب متوقع ہے اور کب متوقع نہیں ہے لیکن یہ اسباب اور آلات بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں' اور ان آلات اور اسباب سے کام لینے کی عقل بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے' اور یہ مشرکین پتھر کے جن بے جان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں کیا ان بتوں میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو بھیج سکیں یا ایسے اسباب اور آلات پیدا کر سکیں۔

مشرکین یہ مانتے تھے کہ سارے جہان کا خالق اور رازق اللہ تعالیٰ ہے لیکن وہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کو نہیں مانتے تھے' اللہ تعالیٰ ان پر حجت قائم فرماتا ہے کہ جس نے اس کائنات کو ابتداءً پیدا کیا وہ اس کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا' سو اللہ تعالیٰ نے ہی ابتداءً پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا' وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے اور اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے یہ سارا جہان پیدا کیا ہے' یا اس کے سوا کسی اور نے کسی بھی چیز کو پیدا کیا ہے تو تم اس پر دلیل لاؤ اور اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کے ساتھ مل کر یا اس کے تعاون سے اس کائنات کو پیدا کیا ہے تو تم اس پر دلیل قائم کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا O کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں!) بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں' بلکہ وہ آخرت کے متعلق اندھے (بالکل جاہل) ہیں O (النمل: ۶۶-۶۵)

بل ادّٰرک علمھم فی الاخرۃ کے معانی

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل قائم کیے تھے کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور مخلوق کو اپنے وجود اور بقا میں جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے' اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں از خود غیب کو صرف وہی جانتا ہے۔

اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی از خود غیب کو جاننے والا ہے اور اس وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے تو اس کی یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔ جب آسمان والوں میں سے بھی کوئی از خود غیب کو نہیں جانتا تو زمین والے از خود غیب کو کس طرح جان سکتے ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے بل ادّٰرک علمھم فی الاخرۃ' ادارک اصل میں تدارک تھا جو صرف ایک قانون کی وجہ سے ادارک ہو گیا' کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے آخرت کے متعلق ان کا علم غائب ہو گیا اور وہ اس کو نہ سمجھ سکے' بعض نے کہا اس کا معنی ہے آخرت کے متعلق وہ شکوک اور شبہات میں مبتلا ہیں' کبھی وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بہت بعید کہتے تھے' اور اس پر حیرت کا اظہار کرتے تھے

اور کبھی آخرت کا صاف انکار کر دیتے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے متعلق ان کا علم الجھا ہوا تھا' اور بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں ان کا علم آخرت میں کامل ہو جائے گا لیکن اس وقت یہ سود مند نہیں ہوگا۔

علم غیب کی تحقیق

ان دو آیتوں کی اختصار کے ساتھ تفسیر کرنے کے بعد ہم علم غیب پر بحث کرنا چاہتے ہیں ہر چند کہ ہم الاعراف اور النحل میں اس پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں لیکن چونکہ ہمارے دور کے بعض مفسرین نے النمل: ۶۵ میں بھی اس پر گفتگو کی ہے تو ہم بھی یہاں اختصار کے ساتھ علم غیب کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع دیو بندی نے اس آیت میں غیب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے پہلے ہم اس کو پیش کریں گے' پھر اس پر تبصرہ کریں گے' پھر غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث پیش کریں گے پھر جمہور علماء اور مخالفین کی عبارات سے ان آیات کا محمل بیان کریں گے جن سے بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ماکان و مایکون پر قرآن اور حدیث سے ایک دلیل بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے' اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کر دے' لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی کسی کو نصیب نہیں اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العلمین کے لیے مخصوص ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' انہیں کوئی نہیں جانتا اس کے سوا'' (الانعام آیت: ۵۹) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ ''اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے' اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا) ہے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا' اور کسی متنفس کو خبر نہیں ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی'' (لقمان' آیت ۳۴) یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ ''وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے' اور اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی وہ احاطہ نہیں کر سکتے الا یہ کہ وہ جس چیز کا چاہے انہیں علم دے'' (البقرۃ' آیت ۲۵۵)

قرآن مجید مخلوقات کے لیے علم غیب کی اس عام اور مطلق نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خاص طور پر انبیاء علیہم السلام' اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس امر کی صاف صاف تصریح کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور ان کو غیب کا صرف اتنا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے جو رسالت کی خدمت انجام دینے کے لیے درکار تھا۔ سورہ انعام آیت ۵۰' الاعراف آیت ۱۸۷' التوبہ آیت ۱۰۱' ھود آیت ۳۱' احزاب' آیت ۶۳' الاحقاف آیت ۹' التحریم' آیت ۳' اور الجن آیات ۲۶ تا ۲۸ اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

قرآن کی یہ تمام تصریحات زیر بحث آیت کی تائید و تشریح کرتی ہیں جن کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع ماکان و مایکون کا علم رکھتا ہے' قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔ شیخین' ترمذی' نسائی' امام احمد' ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا

ہے کہ من زعم انہ (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یعلم مایکون فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریۃ واللہ یقول قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ یعنی "جس نے دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا' کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے اسے نبی تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔" ابن المنذر حضرت عبداللہ بن عباس کے مشہور شاگرد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "اے محمد! قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقے میں قحط برپا ہے' بارش کب ہوگی؟ اور میری بیوی حاملہ ہے' وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا ہے' کل میں کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں' مروں گا کہاں؟" ان سوالات کے جواب میں سورہ لقمان کی وہ آیت حضور نے سنائی جو اوپر ہم نے نقل کی ہے ان اللہ عندہ علم الساعۃ. پھر بخاری ومسلم اور دوسری کتب حدیث کی وہ مشہور روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جس میں ذکر ہے کہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبریلؑ نے انسانی شکل میں آکر حضورؐ سے جو سوالات کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور نے جواب دیا ما المسئول عنھا باعلم من السائل (جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا) پھر فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں' اور یہی مذکورہ بالا آیت حضور نے تلاوت فرمائی۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۹۸-۵۹۷' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۳ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا درست ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں' کیونکہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر جائز نہیں ہے' ہر چند کہ آپ کو بے شمار علوم غیبیہ دیئے گئے لیکن آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ عزیز اور جلیل ہیں اس کے باوجود محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف میں عزوجل کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اور سید مودودی کا یہ لکھنا درست نہیں ہے کہ آپ کو غیب یا علم غیب نہیں دیا گیا' البقرہ: ۳ میں متقین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ الذین یؤمنون بالغیب' یعنی متقین وہ ہیں جن کا غیب پر ایمان ہے اور ایمان تصدیق بالقلب کو کہتے ہیں اور تصدیق علم کی اعلیٰ قسم ہے اس کا مطلب ہے ہر متقی کو غیب کا علم ہوتا ہے' کیونکہ ہر متقی اللہ تعالیٰ کی' فرشتوں کی' اور جنت اور دوزخ کی تصدیق کرتا ہے اور اس کو ان کا علم ہوتا ہے اور یہ سب امور غیب سے ہیں' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر متقی کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر متقی ہیں اس لیے آپ کو سب سے زیادہ علم غیب ہے' اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی علم غیب نہیں ہے' اس آیت کا اور دیگر آیات کا انکار ہے' ہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی از خود غیب کا علم نہیں ہے' یا کسی کو بھی تمام غیوب کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو فرشتوں کے واسطے سے غیوب پر مطلع فرماتا ہے یا براہ راست ان کو وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور عام مومنین کو نبیوں اور رسولوں کے خبر دینے سے غیب کا علم ہوتا ہے اور ہر شخص کو حسب حیثیت اور بلحاظ مرتبہ غیب کا علم دیا جاتا ہے اور کائنات میں سب سے زیادہ غیب کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی

گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۴ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتائی گئی ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا' کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں' خبر صادق' حواس سلیمہ اور عقل' اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

آل عمران: ۱۷۹ کی تفسیر میں شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی' انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے جو چیز بتا دی گئی وہ غیب نہ رہی اس لیے مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کو بتانے کے بعد ان کے علم پر یؤمنون بالغیب میں علم کا اطلاق کیا ہے کیونکہ ایمان بالغیب تصدیق بالغیب ہے' اور تصدیق بالغیب علم بالغیب ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ کسی چیز کے علم کے بغیر اس چیز پر ایمان نہیں ہوسکتا اس لیے غیب کے علم کے بغیر اس پر ایمان نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے اور ان کو رسولوں کے واسطے سے غیب کی خبر دینے کے بعد ہی ان کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ متقین کو جو مثلاً جنت اور دوزخ اور فرشتوں کا علم ہے اس کو علم غیب اس لیے فرمایا ہے کہ جن کو ان چیزوں کا علم نہیں ہے ان کے اعتبار سے وہ غیب کا علم ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (الزمر: ۴۶' الحشر: ۲۲' التغابن: ۱۸' الجمعۃ: ۸) فرمایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی غیب نہیں ہے اس کا یہی معنی ہے کہ دوسروں سے جو چیز غیب ہے' اللہ تعالیٰ اس کا عالم ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر حاصل ہے غیب کا علم نہیں ہے' مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں' اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف والہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا اس کو قرآن میں غیب کے بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۴۷' مطبوعہ کراچی' ۱۹۹۳ء)

مفتی صاحب کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ جب غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود متقین کے علم پر یؤمنون بالغیب میں علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غیب کی خبر کا حصول اور چیز ہے اور علم غیب اور چیز ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خبر صادق علم کا ذریعہ اور سبب ہے جس چیز کی خبر حاصل ہو گئی اس چیز کا علم ہو گیا' علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے لکھا ہے کہ مخلوق کے لیے علم کے تین اسباب ہیں حواس سلیمہ' عقل اور خبر صادق (شرح عقائد ص ۱۰' کراچی) سو جب غیب کی خبر دی گئی تو غیب کا علم دے دیا گیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی میں جو آیات اور احادیث پیش کی ہیں ان سب کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ازخود غیب کا علم نہیں ہے یا علم محیط نہیں ہے' تاکہ ان آیات اور احادیث کا ان آیات اور احادیث سے تعارض لازم نہ آئے جن میں نبیوں اور رسولوں کو علم غیب عطا فرمانے کی تصریح کی گئی جن کو ان شاء اللہ العزیز ہم

عنقریب پیش کریں گے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق درست نہیں اور آپ کو علم غیب حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ کہنے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریح

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ یعلم الغیب وارد ہے کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للملا علی القاری بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے کان یعلم علم الغیب مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے کشاف میں ہے المرادبہ الخفی الذی لا ینفذ فیہ ابتداء الاعلم اللطیف الخبیر ولھذالایجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ماکان و مایکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم، غرض صدق وصورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی، امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں کم من معتقد لایطلق القول بہ خشیۃ ایھام غیرہ ممالایجوز اعتقادہ فلاربط بین الاعتقاد والاطلاق یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلاقید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں وانما لم یجز الاطلاق فی غیرہ تعالیٰ لانہ یتبادر منہ تعلق علم بہ ابتداء فیکون ماقضا و اما اذا قید و قیل اعلمہ اللہ تعالیٰ الغیب او اطلعہ علیہ فلا محذور فیہ یعنی یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب دیا گیا، یا آپ غیب پر مطلع ہیں پھر کوئی حرج نہیں ہے)

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے، اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمتہ اللہ علیہ نے کر دی ہے، اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۳۴، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت کے دلائل

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان و مایکون کا علم دیا اور جب یہ علم قرآن عظیم کے تبیانا لکل شیء ہونے نے دیا اور برظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن عظیم سے پہلے اگر بعض کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیک ہرگز احاطہ علم مصطفوی کا نافی نہیں مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کے ہیں ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی گنگوہی جنگلی کوہی سب کو دعوت عام ہے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت یا

ایک حدیث متواتر یقینی الافادۃ لائیں جس سے صریح ثابت ہو کہ تمام نزول قرآن کے بعد بھی ماکان و ما یکون سے فلاں امر حضور پر مخفی رہا اگر ایسا نص نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو اھ ملخص۔ اس کے بعد بھی ایسے وقائع پیش کرنا کیسی شدید بے حیائی ہے بلاشبہ عمرو کا قول صحیح ہے جمیع ماکان و ما یکون جملہ مندرجات لوح محفوظ کا علم محیط حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کریم کے سمندروں سے ایک لہر ہے جیسا کہ علامہ علی قاری کی زبدہ شرح بردہ میں مصرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۲ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت نے ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی جس عبارت کا ذکر فرمایا ہے اس کا حوالہ یہ ہے: (الزبدۃ العمدۃ شرح البردۃ ص ۱۱۶ مطبوعہ خیر پور سندھ ۱۴۰۶ھ)

غیب کا لغوی معنی

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الغیب کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو امام ابو اسحاق نے یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں کہا وہ ہر اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان سے غائب ہے اور اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جیسے مرنے کے بعد جی اٹھنا' جنت اور دوزخ' اور جو چیز ان سے غائب ہے اور اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ غیب ہے' نیز غیب اس کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے پوشیدہ ہے' خواہ وہ دل میں ہو' کہا جاتا ہے کہ میں نے وراء غیب سے آواز سنی یعنی اس جگہ سے سنی جس کو میں نہیں دیکھ رہا۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۶۵۴ مطبوعہ ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام ازیں کہ وہ دل میں ہو یا نہ ہو۔
(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۸۲ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۵ھ)

غیب کا اصطلاحی معنی

قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ مخفی امر ہے جس کا نہ حواس (خمسہ) ادراک کرسکیں اور نہ ہی اس کی بداہت عقل تقاضا کرے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کے علم کی کوئی دلیل (ذریعہ) نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں' ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

اور دوسری قسم وہ ہے جس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ ہو (خواہ عقلی دلیل سے اس کا علم ہو خواہ خبر سے) جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور قیامت اور اس کے احوال کا علم۔ (انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کی دوسری قسم میں جو قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جس کے علم پر کوئی دلیل ہو اس سے مراد ہے وہ دلیل عقلی ہو یا نقلی ہو' کیونکہ اللہ عزوجل اور اس کی صفات پر عقلی دلائل قائم ہیں (اور ان کو عقل سے جانا جاسکتا ہے) اور قیامت اور اس کے احوال پر دلائل نقلیہ قائم ہیں (اور ان کو قرآن اور احادیث سے جانا جاسکتا ہے) اور یہ دونوں قسمیں غیب ہیں' اور غیب کی اس دوسری قسم کو انسان ان دلائل سے جان سکتا ہے' اور وہ غیب جس کا علم اللہ سبحانہ کے ساتھ مختص ہے وہ غیب کی قسم اول ہے اور سورۃ

الانعام کی اس آیت کریمہ میں وہی مراد ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب دیئے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ . (آل عمران: ۱۷۹)

اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کر دے لیکن (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ (آل عمران: ۴۴)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ . (الجن: ۲۷-۲۶)

(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق احادیث

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر غیوب پر مطلع فرمایا گیا تھا اس باب میں احادیث کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور آپ کا یہ معجزہ ان معجزات میں سے ہے جو ہم کو یقینی طور معلوم ہیں' کیونکہ وہ احادیث معنیً متواتر ہیں اور ان کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے معانی غیب کی اطلاع پر متفق ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(الشفاء ج ۱ ص ۲۴۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنۃ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

(۲) حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ما کان و ما یکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجنۃ: ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی

ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ' حضرت ابو مریم' حضرت زید بن اخطب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔

(مسند احمد ج ۵' ص ۱۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۸' مطبوعہ قاہرہ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۴۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸' ص ۲۶۴' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

ائمہ حدیث نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کی خبر دی اور مکہ مکرمہ' بیت المقدس' یمن' شام اور عراق کی فتوحات کی خبریں دیں اور امن کی خبر دی اور یہ کہ کل خیبر حضرت علی کے ہاتھوں سے فتح ہو گا' اور آپ کی امت پر دنیا کی جو فتوحات کی جائیں گی اور وہ قیصر و کسریٰ کے خزانے تقسیم کریں گے' اور ان کے درمیان جو فتنے پیدا ہوں گے' اور امت میں جو اختلاف پیدا ہو گا اور وہ پچھلی امتوں کے طریقے پر چلیں گے' اور کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور پھر ان کی حکومت قائم نہیں ہو گی اور یہ کہ روئے زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا گیا ہے اور آپ نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور آپ نے بنو امیہ اور حضرت معاویہ کی حکومت کی خبر دی اور اہل بیت کی آزمائش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی' حضرت معاویہ اور حضرت علی کی لڑائی کی خبر دی' حضرت عمار کی شہادت کی خبر دی' آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی' اور یہ کہ آپ کے بعد صرف تیس سال تک خلافت رہے گی' اور پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ تیس دجالوں کے خروج کی خبر دی' قریش کے ہاتھوں امت کی ہلاکت کی خبر دی' قدریہ اور رافضیہ کے ظہور کی خبر دی' ابناء فارس کے دین حاصل کرنے کی خبر دی' اپنی گمشدہ اونٹنی کی خبر دی' جنگ بدر میں کافر کس جگہ گر کر مریں گے یہ خبر دی' حضرت حسن کے صلح کرانے کی خبر دی' حضرت سعد کی حیات کے متعلق خبر دی اور یہ خبر دی کہ آپ کی ازواج میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوں گے وہ آپ سے سب سے پہلے واصل ہو گی۔ حضرت زید بن صوحان کے ہاتھ کے متعلق پیش گوئی کی' سراقہ کے لیے سونے کے کنگنوں کی خبر دی اور بہت باتوں کی خبر دی۔

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا ہے' سو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا' اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کہ زمین میرے لیے سکیڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیئے گئے ہیں۔ (الحدیث)

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۲۲۷' صحیح مسلم الفتن ۱۹ (۲۸۸۹) ۷۱۲۵' ۷۱۲۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

النمل: ۶۵ میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کا محمل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شاید کہ حق بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے جس علم کی نفی کی گئی ہے یہ وہ علم ہے جو ذاتی ہو یعنی بلاواسطہ اور کیونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں والے ممکن بالذات ہیں اس لیے ان میں سے کسی کا علم بالذات اور بلاواسطہ ہو ہی نہیں سکتا' اور خواص کو جو علم غیب حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے افاضہ (فیضان) کرنے سے حاصل ہوتا ہے' اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو بالذات اور بلاواسطہ غیب کا علم ہے اور یہ کہنا کفر ہے' البتہ یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ ان کو غیب کا علم اللہ کے عطا کرنے سے ہے' کیونکہ قرآن مجید کی آیات میں معروف صیغہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ اس لیے معروف صیغے کے ساتھ خواص کے لیے غیب کا علم ثابت نہ کیا جائے اور یوں نہ کہا جائے کہ خواص غیب جانتے ہیں تاکہ قرآن مجید کی ظاہری آیات سے تعارض لازم نہ آئے' بلکہ یوں کہا جائے کہ خواص کو غیب کا علم دیا گیا ہے یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے ہیں اور مجہول صیغوں کے ساتھ ان کے لیے علم غیب کو ثابت کیا جائے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کو تو بے بتلائے سب معلوم ہے اور کسی کو بے بتلائے کچھ بھی معلوم نہیں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شروع پارہ سے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی قدرت تامہ' رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات وشئون میں متفرد ہے تو الوہیت ومعبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں' اُسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔ (تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں' نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا' یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر "عالم الغیب" یا "فلان یعلم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف مُوہم ہوتے ہیں۔ اسی لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں' سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا "انی اکرہ الحق واحب الفتنۃ وافر من الرحمۃ" (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے' حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلان عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورہ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر

لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی ایک دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۱۳) اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے' اور اللہ کا آپ کے اوپر بہت بڑا فضل ہے۔

منکرین کہتے ہیں کہ ''ما'' سے مراد احکام شرعیہ ہیں یعنی جو احکام شرعیہ آپ کو معلوم نہ تھے ان کا علم آپ کو دے دیا نہ کہ تمام چیزوں کا علم دے دیا' ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں ''ما'' کا لفظ ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ ''ما'' کی وضع عموم کے لیے ہے اور اس کا عموم قطعی ہے لہٰذا اس آیت کی اس مطلوب پر قطعی دلالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے' اور منکرین علم نبوت جن احادیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا وہ سب اخبار آحاد ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اور ظنی چیز قطعی دلیل کے معارض نہیں ہوسکتی' اور اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی ثابت کرنے میں ہم منفرد نہیں ہے بلکہ دیگر علماء متقدمین نے بھی اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی ثابت کیا ہے۔ علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آپ کو روح کا علم حاصل تھا وہ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا' میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور سید خلق ہیں اور آپ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو' اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا: وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما. (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

منکرین اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ کو تمام چیزوں کا علم ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ اس آیت کے بعد باقی قرآن نازل نہ ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید صرف احکام شرعیہ کی تعلیم کے لیے نازل نہیں ہوا' دیکھیے نماز مکہ میں فرض ہوئی ہے اور آیت وضو (المائدہ: ۶) مدینہ میں نازل ہوئی ہے' حالانکہ نماز مکہ میں فرض ہوئی تھی اور بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی' اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا علم آپ کو پہلے تھا اور آیت وضو' کسی اور حکمت کی وجہ سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ نیز علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے الفتوحات المکیہ سے نقل کر کے الکبریت الاحمر میں لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کے نازل کرنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر قرآن کا علم دے دیا گیا تھا۔

(روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو تمام مخلوق کا علم دے دیا گیا تھا اور یہ علم متناہی ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کو اللہ کا کل علم حاصل تھا' اور آپ کا علم اللہ کے مساوی ہوگیا تھا' تمام مخلوق کا علم تو بہت دور کی بات ہے ایک ذرہ کے علم میں بھی آپ کے علم اور اللہ کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔

منکرین علم نبوت کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۵۱) اور رسول تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تم کو ان چیزوں کا علم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

منکرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی لفظ ''ما'' ہے اور اگر اس کی وضع عموم کے لیے ہے تو پھر یہاں بھی عموم مراد ہونا چاہیے اس سے لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی ان تمام چیزوں کا علم دے دیا ہو جن کا ان کو پہلے علم نہیں تھا' حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر یہاں ''ما'' عموم کے لیے نہیں ہے خصوص کے لیے ہے اور اس سے مراد ہے کہ صحابہ کو جن احکام شرعیہ کا علم نہیں تھا وہ احکام شرعیہ ان کو سکھا دیئے تو پھر **علمک مالم تکن تعلم** (النساء:۱۱۳) میں بھی وہی لفظ ''ما'' ہے وہاں بھی خصوص مراد ہونا چاہیے' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ احکام شرعیہ سکھا دیئے جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اصول کی کتابوں میں تصریح ہے کہ ''ما'' کی اصل وضع اور حقیقت عموم کے لیے ہے اور جب تک حقیقت محالی نہ ہو حقیقت ہی کا ارادہ کیا جاتا ہے' اور جب حقیقت محال ہو تو پھر مجاز کا ارادہ کیا جاتا ہے **علمک مالم تکن تعلم** میں حقیقت کا ارادہ کرنا محال نہیں ہے کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے خواہ وہ احکام شرعیہ ہوں یا ماضی' حال اور مستقبل کے حالات اور واقعات ہوں جس کو **ما کان و مایکون** کا علم کہا جاتا ہے' اور صحابہ کو ایسا عام علم دینا ثابت نہیں ہے۔ اس لیے **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** میں حقیقت کا ارادہ کرنا محال ہے وہاں اس کو خصوص پر محمول کیا جائے گا یعنی صحابہ کو جن احکام شرعیہ کا علم نہیں تھا وہ ان کو سکھا دیئے۔

اور اگر منکرین اس پر اصرار کریں کہ جب **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** میں ''ما'' کو مجاز پر محمول کیا ہے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا ہے تو پھر **علمک مالم تکن تعلم** میں بھی اس کو مجاز پر محمول کیا جائے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا جائے' گویا جب ایک جگہ ''ما'' خصوص کے لیے آ گیا تو پھر ہر جگہ اس سے خصوص کا ارادہ کیا جائے تو پھر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (النساء:۱۲۶) میں بھی ''ما'' خصوص کے لیے ہوگا اور اس سے لازم آئے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں نہ ہوں' بلکہ بعض یا اکثر چیزیں اس کی ملک میں ہوں۔

منکرین کا یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے مرزائیہ کہتے ہیں کہ **لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب** میں ''لا'' نفی کمال کے لیے ہے یعنی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی' نفی جنس کے لیے نہیں ہے تا کہ یہ معنی ہو سورہ فاتحہ کے بغیر بالکل نماز نہیں ہوتی اسی طرح **لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد** میں بھی ''لا'' نفی کمال کے لیے ہے یعنی مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر کامل نہیں ہوتی ''لا'' نفی جنس کے لیے نہیں ہے تا کہ یہ معنی ہو مسجد کے بغیر بالکل نماز نہیں ہوتی' تو پھر **لا نبی بعدی** میں بھی ''لا'' نفی کمال کے لیے ہونا چاہیے' یعنی میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں ہوگا' یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' اس وقت منکرین بھی مرزائیہ کو یہی جواب دیتے ہیں کہ ''لا'' کی وضع نفی جنس کے لیے ہے جہاں پر کسی قرینہ کی وجہ سے حقیقت یعنی نفی جنس محال ہو وہاں پر مجازاً نفی کمال کا ارادہ کیا جائے گا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ''لا'' سے ہر جگہ نفی کمال اور مجاز کا ارادہ کیا جائے اور حقیقت متروک ہو جائے ورنہ **لا الہ الا اللہ** کا معنی ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی کامل معبود نہیں ہے اور **لاریب فیه** کا معنی ہوگا قرآن میں کوئی کامل شک نہیں ہے' پس **لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب** اور **لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد** میں ایک مانع کی وجہ سے حقیقت کا ارادہ نہیں کیا گیا اور ''لا'' کو نفی کمال پر محمول کیا گیا اور **لا نبی بعدی** میں ''لا'' اپنی اصل کے مطابق نفی جنس کے لیے ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم منکرین سے کہتے ہیں کہ **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** میں بھی ما عموم کے

لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو بھی تمام احکام شرعیہ اور تمام ماکان ومایکون کی خبریں دے دی تھیں لیکن ان کو وہ تمام باتیں یاد نہیں رہیں اور اس جواب پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

عن عمرو قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذلک من حفظه ونسيه من نسيه.

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۵۳، کراچی، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲، بیروت)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں، حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں، جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

عن حذيفة قال لقد خطبنا النبى صلى الله عليه وسلم خطبة ماترک فيها شيئا الى قيام الساعة الاذكره علمه من علمه وجهله من جهله الحديث.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیئے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۹۷۷، مطبوعہ کراچی، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴، بیروت، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

عن ابى زيد قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر و صعدالمنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاخبرنابما كان وما هو كائن فاعلمنا احفظنا.

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان وما یکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، کراچی، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۷۶، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۹ھ، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۷۸۶، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ)

عن ابى سعيد الخدرى قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما صلوة العصر بنهار ثم قام خطيبافلم يدع شيئا يكون الى قيام الساعة الااخبرنا به حفظه من حفظه و نسيه من نسيه. الحديث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی، جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲، مسند احمد ج ۳ ص ۷۰، ۶۱، ۱۹، ۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۸۷۳، مسند ابو یعلیٰ

رقم الحدیث: ۱۱۰۱۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۹۱، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۱۷)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ فرماتے ہیں:

جس چیز پر ایمان رکھنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات کا علم نہیں دے دیا جو آپ کو دنیا اور آخرت میں حاصل ہوئے۔ آپ ان تمام غیوب کو اس طرح یقین کی آنکھ سے جانتے ہیں جس طرح وہ ہیں' جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میرے لیے تمام دنیا کو اٹھالیا گیا اور میں اس کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (یہ حدیث اس طرح ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو اٹھالیا' میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی ان ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں' اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے لیے اس طرح روشن کر دیا جس طرح مجھ سے پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۷۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۱۰' ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے' لیکن فضائل اور مناقب میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوتی ہیں) اسی طرح احادیث متواترہ میں ہے کہ آپ نے جنت اور دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے اس کو دیکھا لیکن آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ بعض چیزوں کو مخفی رکھیں۔ (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۳۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا

اور کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مر کر) مٹی ہو جائیں گے (تو) کیا ہم کو (قبروں سے) ضرور نکالا جائے گا ○

لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ

بے شک اس سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے یہ

قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي

وعدہ کیا گیا تھا یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ○ آپ کہیے کہ تم

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا ○

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

آپ ان کے متعلق غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں ○

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ

اور یہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو ○ آپ کہیے

عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ رَدِفَ لَکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۷۲﴾

کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو' ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہو ○

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا

اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے' لیکن اکثر لوگ

یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَیَعۡلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَ مَا

شکر ادا نہیں کرتے ○ اور بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جن کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں

یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَ مَا مِنۡ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّا فِیۡ

اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں ○ اور آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ روشن کتاب

کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیۡۤ

(لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے ○ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے

اِسۡرَآءِیۡلَ اَکۡثَرَ الَّذِیۡ هُمۡ فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۷۶﴾ وَ اِنَّهٗ

ان بہ کثرت چیزوں کو بیان فرما دیتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ○ اور بے شک

لَهُدًی وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ

یہ (قرآن) مومنین کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے ○ بے شک آپ کا رب اپنے

بَیۡنَهُمۡ بِحُکۡمِهٖ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۸﴾ۚۙ فَتَوَکَّلۡ

حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہت غالب' بہت علم والا ہے ○ سو آپ اللہ

عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّکَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ

پر بھروسہ کیجئے' بے شک آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں ○ بے شک آپ مردوں

الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۸۰﴾

کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سناتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں ○

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان لوگوں کو

مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ

سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں ○ اور جب ان پر ہمارا قول

عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ

واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دآبۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام

اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

کرے گا' بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو جائیں گے (تو) کیا ہم کو (قبروں سے) ضرور نکالا جائے گا○ بے شک اس سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے یہ وعدہ کیا گیا تھا' یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں○ آپ کہیے کہ تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا○ آپ ان کے متعلق غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں○ (النمل: ۷۰-۶۷)

کفار کی باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات اور اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر دلائل بیان فرمائے تھے' تاکہ دنیا میں اس پر ایمان لایا جائے اور نیک عمل کر کے اپنی آخرت کو سنوارا جائے' اس سے پہلی آیت میں یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے قائل نہ تھے' ان کا شبہ یہ تھا کہ جب ہم مرنے کے بعد قبر میں گل سڑ جائیں گے اور ہمارا جسم مٹی ہو کر مٹی میں مل جائے گا اور ہواؤں سے ہماری مٹی کے ذرات دوسروں کی مٹی کے ذرات سے مخلط ہو جائیں گے تو ہمارے ذرات کو دوسروں کے ذرات سے کیسے ممیز اور ممتاز کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں اس کا جواب دیا تھا کہ یہ کام اس پر مشکل ہے جو پوشیدہ چیزوں کو نہ جانتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے سو تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اساطیر' اسطور کی جمع ہے' اس کا معنی ہے لکھی ہوئی چند سطریں' اور اس سے مراد ہے من گھڑت اور جھوٹی باتیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۰۶)

ان مکذبین سے کہیے کہ جو لوگ اللہ کے عذاب کا انکار کرتے تھے ان کے شہروں اور بستیوں میں سفر کر کے دیکھو' شام' حجاز اور یمن کے علاقوں کو دیکھو' عاد اور ثمود کے شہروں کو دیکھو' ان کی اُلٹی ہوئی بستیوں کو دیکھو۔

فرمایا آپ ان کے متعلق غم نہ کریں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ رنج اور غم وہ نفسانی کیفیات ہیں جن پر انسان کا اختیار نہیں ہے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غم کرنے سے کیسے منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں غم کے اسباب کو اختیار کرنے سے

منع فرمایا ہے یعنی آپ ان کے کفر اور انکار پر اصرار کو خاطر میں نہ لائیں تا کہ آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے غم ہو اور ان کی سازشوں کی طرف توجہ نہ کریں یہ آپ کو ہلاک کرنے کی سازشیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ہلاک کرنے سے بچانے والا ہے' اور اگر یہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں تو آپ اس کی بھی فکر نہ کریں' آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ آپ کی تبلیغ سے کتنے لوگ اسلام لائے' آپ کے ذمہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے دین اور اس کی شریعت کو پہنچانا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو 0 آپ کہیے کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو' ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہے 0 اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے' لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے 0 اور بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں 0 اور آسمان اور زمین میں جو چیز چھپی ہوئی ہے وہ روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے 0

(النمل: ٧٥-٧١)

موت کا قیامتِ صغریٰ ہونا

کفار یہ کہتے تھے کہ تم نے جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ کہیے کہ وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے' اور وہ عذاب تمہارے لیے بہ منزلہ ردیف ہے' ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے' یعنی جس طرح ردیف سوار کے قریب ہوتا ہے وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے' پھر اس عذاب کی ایک قسط تو جنگِ بدر میں شکست کی صورت میں ان کو ملے گی' اور اس کی دوسری قسط ان کو موت کے بعد ملے گی۔ حدیث یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے' سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ١١١٧' جمع الجوامع رقم الحدیث: ٢٥٨٠' کنز العمال رقم الحدیث: ٤٢٧٤٨)

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ٢٦٨' اتحاف ج ٩ ص ١١)

کیونکہ انسان جس وقت مرتا ہے وہ دنیا میں اس کا آخری اور آخرت میں اس کا پہلا زمانہ ہوتا ہے' اس لیے کفار مرتے ہی اس عذاب کا ایک حصہ پالیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی تھی۔ اور فرمایا آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور کفار پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے دنیا میں ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا ہے' اور قیامت کے منکرین جو عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں یہ ان کی پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ نیز فرمایا لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو ان گنت نعمتیں دی ہیں وہ ان پر غور نہیں کرتے اگر پانچ منٹ کے لیے اللہ تعالیٰ ہواؤں کو روک لے تو سب کا دَم گھٹ جائے' پانی نہ ملے تو پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ جائیں' بول و براز بند ہو جائے تو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں' سو ہم پر لازم ہے کہ ہر آن استغفار کریں اور ہر لحظہ اس کا شکر ادا کریں۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سینہ صاف رکھیں

اور فرمایا: آپ کا رب اس کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ دل میں چھپاتے ہیں' اس آیت میں تُکِنُّ کا لفظ ہے اس کا مصدر اکنان ہے اور اس کا مادہ کن ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کو دل میں چھپانا' یہ لوگ عذاب میں عجلت کی طلب کو ظاہر کرتے تھے اور اپنے برے کاموں کو چھپاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جن کو یہ اپنے

دلوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: اور آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اب اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ اس کے علم میں ہے۔

عموماً لوگوں کے دلوں میں دوسرے لوگوں کے خلاف حسد' کینہ اور عداوت چھپی ہوئی ہوتی ہے سو مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو حسد' کینہ اور عداوت سے پاک اور صاف رکھے' کسی کی چغلی کرے نہ کسی کی غیبت کرے نہ کسی کے متعلق بدگمانی کرے' مسلمان کی عزت اس کی جان کی طرح قیمتی ہے' اس لیے پس پشت کسی کا عیب بیان کر کے اس کو رسوا کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے' اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ لایعنی باتوں سے اپنے سینہ کو صاف رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص میرے اصحاب کی کوئی بات مجھے نہ پہنچائے کیونکہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا سینہ صاف ہو۔ الحدیث

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۵۷۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان بہ کثرت چیزوں کو بیان فرما دیتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں O اور بے شک یہ (قرآن) مومنین کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے O بے شک آپ کا رب اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہت غالب' بہت علم والا ہے O سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے' بے شک آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں O بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو سناتے ہیں' جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں O اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گم راہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں O (النمل: ۸۱-۷۶)

یہودیوں کا اختلاف کن امور میں تھا

یہ قرآن جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے' ان بہ کثرت باتوں کے درمیان محاکمہ کر دیتا ہے' جن میں بنی اسرائیل اپنی جہالت کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں' جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کے متعلق ان کا اختلاف ہے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جسموں کو زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا یا صرف روحوں کو جمع کیا جائے گا' اور جنت اور دوزخ کی صفات کے بارے میں ان کا اختلاف ہے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے یا نہیں ہے' اسی طرح اور بہت چیزوں میں ان کا اختلاف ہے' وہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں' اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور قرآن مجید کو مان لیتے' اسلام کو قبول کر لیتے تو وہ دائمی عذاب سے سلامت رہتے۔ (النمل: ۷۶)

اور بے شک یہ قرآن ضرور مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے' یہاں مومنین سے مراد عام ہے خواہ وہ بنی اسرائیل کے مومنین ہوں یا کسی اور دین پر ایمان رکھنے والے ہوں' لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں ہے' قرآن مجید کی ہدایت تو تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس آیت میں مومنین کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف وہی مستفید ہوتے ہیں۔ (النمل: ۷۷)

بے شک آپ کا رب ان اختلاف کرنے والے بنو اسرائیل کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا' اور وہ برحق فیصلہ کرنے والا ہے' اور وہ غالب ہے اس کے فیصلہ کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا اور وہ عالم ہے اس کو فریقین کے مقدمہ کی تمام

جزئیات کا علم ہے اور کوئی پہلو اس سے مخفی نہیں ہے۔ (النمل: ۷۸)

سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے اور ان کی دشمنی اور مخالفت کی پرواہ نہ کیجیے' توکل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا' اور اس کے ماسوا سے امید نہ رکھنا اور ان سے اعراض کرنا' اللہ پر توکل کرنے کے بعد دل کو سکون مل جاتا ہے اور مصیبت اور پریشانی کے نازل ہونے پر بھی اس کا اطمینان ختم نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ نے توکل کی وجہ بیان فرمائی کہ آپ کا موقف برحق ہے اور آپ نے اس کو دلائل سے واشگاف کر دیا ہے اور آپ اللہ عزوجل کی حفاظت اور اس کی نصرت کے سائے میں ہیں۔ (النمل: ۷۹)

سماع موتی کے ثبوت میں احادیث اور آثار

بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ (النمل: ۸۰) اس آیت میں کفار کو مردہ فرمایا ہے کیونکہ جس طرح مردوں سے کسی کام کے کرنے کی امید نہیں ہوتی اسی طرح ان کے ایمان لانے کی امید بھی منقطع ہو چکی ہے اور جس طرح مردے کسی چیز سے نفع نہیں اُٹھا سکتے اسی طرح یہ کفار بھی آپ کے وعظ اور تبلیغ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا رہے' اور چونکہ ان کی گستاخیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگائی جا چکی ہے تو آپ خواہ کتنی تبلیغ کریں ان میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا' کفار لوگوں کی باتیں سنتے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو قوت سماعت عطا کی تھی اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ اللہ کے دین کی باتوں کو سنتے اور ان کو مان کر ان پر عمل کرتے اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر وہ اللہ کے نزدیک مردہ ہیں خواہ وہ دنیا جہان کی باتیں سنتے رہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قبر میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں' اور اس آیت میں مردوں کے سننے کی نفی نہیں کی بلکہ مردوں کو سنانے کی نفی کی ہے' نیز اس آیت میں مردوں سے مراد وہ نہیں ہیں جن کے جسم مردہ ہوں بلکہ اس آیت میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن کے دل مردہ ہوں' نیز آیت میں مردوں سے مراد وہ نہیں ہیں جو حقیقتاً مردہ ہوں بلکہ اس آیت میں زندہ کافروں کو تشبیہاً اور مجازاً مردہ فرمایا ہے اور ہم جو کہتے ہیں کہ قبر میں مردے سنتے ہیں اس سے مراد حقیقتاً مردے ہیں نہ کہ وہ جو حقیقتاً زندہ ہوں اور مجازاً مردہ ہوں۔

مردوں کے سننے کے متعلق ان احادیث میں واضح تصریح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے' اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے' جو شخص یہ کہے گا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' تو اس سے کہا جائے گا دیکھو تمہارا ٹھکانا دوزخ میں تھا' اللہ نے تمہارے اس ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۷۹ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۴۰۳ جدید' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۷۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اس شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا پھر اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے' اور جب وہ ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہیں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۷' رقم الحدیث: ۹۲۹۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

بشر بن منصور بیان کرتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک شخص جبان کے پاس آتا جاتا تھا اور جنازوں کی نماز پڑھتا تھا' اور شام کو قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتا تھا' اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دُور کر دے اور آخرت کے سفر میں تم پر رحم فرمائے اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے' اور اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے' اس شخص نے کہا ایک شام میں گھر چلا گیا اور قبرستان نہیں جا سکا' اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت لوگ میرے پاس آئے' میں نے کہا آپ لوگ کون ہیں اور آپ کو کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا ہم قبروں والے ہیں' میں نے پوچھا آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا تم ہر روز گھر جانے سے پہلے ہمیں ہدیہ پیش کرتے تھے' میں نے پوچھا وہ کیا ہدیہ تھا' انہوں نے کہا وہ دعائیں تھیں جو تم ہمارے لیے کرتے تھے' اس شخص نے کہا میں پھر دعا کروں گا' اس کے بعد میں نے ان دعاؤں کو ترک نہیں کیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۹۸' ج ۷ص ۱۷' بیروت)

بشار بن غالب بیان کرتے ہیں کہ میں رابعہ عدویہ کے لیے بہت دعا کرتا تھا' ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا' انہوں نے مجھ سے کہا: اے بشار! تمہارے ہدیے ہمارے پاس نور کے طباقوں (تھالیوں) میں ریشمی رومالوں سے ڈھکے ہوئے آتے ہیں' میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا جب مردوں کے لیے دعا کی جائے اور وہ دعا قبول ہو جائے تو اس دعا کو طباق میں رکھ کر ریشمی رومال سے ڈھانپ کر وہ طباق اس مردے کو پیش کیا جاتا ہے جس مردے کے لیے دعا کی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تمہارے لیے فلاں شخص کا ہدیہ ہے۔ (شعب الایمان ج ۷ص ۱۸-۱۷' رقم الحدیث: ۹۲۹۹' طبع بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو تین دن تک چھوڑے رکھا' پھر آپ ان کے پاس گئے اور ان پر کھڑے ہو کر ان کو ندا کی اور فرمایا: اے ابوجہل بن ہشام! اے اُمیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا نہیں پالیا' کیونکہ میں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پالیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کہا یارسول اللہ! یہ کیسے سنیں گے' اور کس طرح جواب دیں گے حالانکہ یہ مردہ ہیں' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں' پھر آپ کے حکم سے ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم' صفت اہل الجنۃ: ۷۷' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۸۷۴' الرقم المسلسل: ۷۰۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مردوں کے سننے کا انکار کیا ہے اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل: ۸۰) اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ (فاطر: ۲۲) سے استدلال کیا ہے' اور ان آیتوں اور اس حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مردے کسی وقت اور کسی حال میں نہ سنیں اور دوسرے وقت اور دوسرے حال میں سن لیں' کیونکہ عام کی تخصیص کرنا جائز ہے' خصوصاً جب مخصص پایا جائے اور یہاں پر مخصص ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ مردے کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸) اور جب فرشتے قبر میں آ کر مردے سے سوال کرتے ہیں اور وہ ان کو جواب دیتا ہے تو اس کا کسی نے انکار نہیں کیا' اور امام عبدالبر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (الاستذکار رقم الحدیث: ۱۸۵۸) اس حدیث کو ابومحمد عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ (التذکرہ ج ۱ص ۲۲۷' مطبوعہ دار البخاری مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان آیتوں میں سنانے کی نفی ہے' سننے کی نفی نہیں ہے' اس لیے ان آیتوں کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوزید نے کہا یارسول اللہ! میرا راستہ قبرستان کے پاس سے ہے' آیا جب میں ان کے پاس سے گزروں تو ان سے کوئی بات کرلوں؟ آپ نے فرمایا تم کہو السلام علیکم اھل القبور من المسلمین انتم لنا سلفا ونحن لکم تبعا وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون. (اے مسلمان قبر والو! تم پر سلام ہو' تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم بعد میں آنے والے ہیں' اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں) ابوزید نے کہا: یارسول اللہ! آیا وہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ سنتے ہیں! لیکن تم کو جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (حافظ سیوطی نے کہا یعنی وہ ایسا جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے جس کو تم عادتاً سن سکو)

(کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۱۹' رقم: ۱۵۷۳' اھوال القبور لابن رجب ص ۱۴۱' شرح الصدور ص ۲۰۳)

حضرت عمر بن الخطاب نے ایک قبر والے سے کلام کیا تو اس نے آپ کے کلام کا جواب دیا' اس سے معلوم ہوا کہ قبر والوں کے سلام کا جواب عادتاً سنائی نہیں دیتا لیکن کوئی شخص خلافِ عادت بہ طور کرامت ان کا کلام سن سکتا ہے جیسے حضرت عمر نے سنا' حضرت عمر کی حدیث یہ ہے:

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر دمشقی متوفی ۵۷۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کرلیا تھا' حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے' اس کا ایک بوڑھا باپ تھا' وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا' اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہوگئی تھی' وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی' ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا' جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہوگئی' اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا' اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اُٹھا کر گھر میں لے گئے' کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔ اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے' باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا اے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا' صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو' پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے' حضرت عمر نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس

کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دوبار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۸ ص ۳۰۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ تفسیر ابن کثیر الاعراف: ۲۰۱ ج ۲ ص ۳۱۵ دارالفکر ۱۴۱۹ھ شرح الصدور ص ۲۱۳ بیروت ۱۴۰۴ھ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۴)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا ہے:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا' ایک عورت اس پر عاشق ہوگئی' وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا۔ اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا اے چچا! حضرت عمر کے پاس جائیں ان سے میرا اسلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے؟ اس کا چچا حضرت عمر کے پاس گیا' اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا تمہارے لیے دو جنتیں ہیں' تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۳۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۶۵ روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۶ الدر المنثور ج ۷ ص ۶۲۴ داراحیاء التراث العربی بیروت)

سماع موتیٰ پر ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۴۶-۴۳۷ میں بھی لکھا ہے' لیکن سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ہم نے یہ بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۸۹-۵۷۶ میں کی ہے اور اتنی مفصل اور مدلل بحث اس موضوع پر اور کہیں نہیں ملے گی' اور قدر ضروری بحث ہم نے یہاں بھی کی ہے اور سماع موتیٰ کے ثبوت میں احادیث اور آثار پیش کیے ہیں۔

جس کے ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا وہی دولت ایمان سے مشرف ہوگا

اس کے بعد فرمایا: اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گم راہی سے (از خود) ہدایت دینے والے ہیں۔

ہدایت کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا کر دی ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ہدایت حاصل کر لیتا ہے' اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا نہیں کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بسیار کوشش کے باوجود اسلام نہیں لاتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے کہا نہیں یا رسول اللہ! البتہ اگر آپ ہمیں بتا دیں! آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی آپ نے اس کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر آخر میں (جمع کر کے) سب کا میزان (ٹوٹل) کر دیا گیا ہے۔ اس میں اب کبھی اضافہ ہوگا اور نہ کبھی کمی ہوگی' پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی آپ نے اس کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخ والوں کے اسماء ہیں اور ان کے آباء و اجداد اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں (جمع کر کے) سب کا میزان کر دیا گیا' اس میں نہ کبھی کوئی اضافہ ہوگا اور نہ کبھی کوئی کمی ہوگی' آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! جب سب کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے تو اب عمل کس چیز میں کریں! آپ نے فرمایا: تم ٹھیک ٹھیک کام کرتے رہو' کیونکہ جنت والے کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ وہ (زندگی بھر) کوئی عمل کرتا

رہے' اور دوزخ والے کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ وہ (زندگی بھر) کوئی عمل کرتا رہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو جھاڑا اور ان کتابوں کو ایک طرف رکھ دیا' پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷)

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں شخص دوزخی ہے' تو وہ خواہ کتنے ہی نیک عمل کیوں نہ کرے وہ دوزخ میں جانے سے نہیں بچ سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص خاتمہ کے وقت اہل جنت کے عمل کرے گا اور کون شخص خاتمہ کے وقت اہل دوزخ کے عمل کرے گا تو اس نے وہی کچھ لکھا ہے جو بندوں نے کرنا تھا' اس کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے ایمان لائے گا اور کون آپ کی ہدایت کے باوجود ایمان نہیں لائے گا اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے نام الگ الگ کتابوں میں لکھ دیئے' اور اس آیت میں بھی یہی فرمایا ہے: اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (از خود) ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (النمل: ۸۱) ہر چند کہ آپ تمام لوگوں کو قرآن مجید کی آیات اور ہدایت کا وعظ سناتے ہیں لیکن آپ کے وعظ کو چونکہ صرف مسلمان ہی قبول کرتے ہیں اور وہی اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہی مسلمان ہیں' اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اہل جنت کی کتاب میں لکھ دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دآبۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا' بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے ○ (النمل: ۸۲)

اللہ تعالیٰ کے قول واقع ہونے کی تفسیر میں اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے گا' اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے جب ان پر ہمارا غضب واقع ہو جائے گا' مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے جب ان کے متعلق ہمارا یہ قول ثابت ہو جائے گا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم نے کہا جب لوگ نیکی کا حکم نہیں دیں گے اور برائی سے نہیں روکیں گے تو ان پر اللہ کا غضب واجب ہو جائے گا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا علماء کے فوت ہونے' علم کے ختم ہو جانے اور قرآن کے اُٹھ جانے سے اللہ کا قول واقع ہو جائے گا۔ لوگوں نے کہا ہو سکتا ہے یہ مصاحف اُٹھا لیے جائیں' لیکن انسانوں کے دلوں سے قرآن مجید کو کس طرح نکالا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ زمانہ جاہلیت کے قصہ کہانیوں اور اشعار میں کھو جائیں گے اور قرآن مجید کو بھول جائیں گے اور اس وقت ان پر اللہ کا قول واقع ہو جائے گا۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: اس بیت اللہ کی بہ کثرت زیارت کیا کرو اس سے پہلے کہ اس کو اُٹھا لیا جائے اور لوگ اس کی جگہ کو بھول جائیں اور قرآن مجید کی بہ کثرت تلاوت کیا کرو اس سے پہلے کہ اس کو اُٹھا لیا جائے۔ الحدیث

بعض علماء نے کہا کہ قول واقع ہونے سے مراد یہ آیت ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○

اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت یافتہ بنا دیتے لیکن میرا یہ قول حق (سچا) ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو ضرور بہ ضرور

جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (السجدۃ:۱۳)

پس قول کا واقع ہونا ان لوگوں پر عذاب کا واجب کرنا ہے' اور جب وہ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور ان کے ہاں کوئی مومن پیدا نہیں ہوگا تو پھر ان پر قیامت آجائے گی۔

ابو العالیہ نے کہا یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ

اور نوح کی طرف یہ وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں' ان کے علاوہ اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا سو آپ ان کے کاموں پر رنجیدہ نہ ہوں۔ (ھود:۳۶)

النحاس نے کہا یہ بہترین جواب ہے کیونکہ لوگوں کی آزمائش کی جاتی ہے اور ان پر عذاب کو مؤخر کر دیا جاتا ہے کیوں کہ ان میں مومنین اور صالحین بھی ہوتے ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ یہ عنقریب ایمان لائیں گے اور توبہ کرلیں گے' اس لیے لوگوں کو مہلت دی جاتی رہی اور ہم کو جزیہ لینے کا حکم دیا گیا اور جب یہ معنی زائل ہو جائے گا تو پھر ان پر قول واجب ہو جائے گا اور وہ قوم نوح کی مثل ہو جائیں گے' اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایمان لانے والے نہیں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کا قول واقع ہو جائے گا اور قیامت آجائے گی۔

دآبۃ الارض کی صورت اور اس کے محل خروج کے متعلق احادیث' آثار اور مفسرین کے اقوال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دآبۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تین چیزوں کا ظہور ہو جائے گا تو کسی ایسے شخص کے لیے ایمان لانا مفید نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' دجال اور دآبۃ الارض۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۰۷۲)

اس حدیث میں بھی دآبۃ الارض کا ذکر ہے۔

اس جانور (دآبۃ الارض) کی تعیین اور اس کی صفت میں اختلاف ہے' اور اس میں کہ یہ جانور کہاں سے نکلے گا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس سلسلہ میں پہلا قول یہ ہے کہ یہ جانور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہے اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۲۱۷)

حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور (دآبۃ الارض) کا ذکر فرمایا آپ نے فرمایا اس کے دہر میں تین مرتبہ خروج ہوں گے۔ وہ ایک جنگل کی انتہا سے نکلے گا اور اس کا ذکر ایک شہر یعنی مکہ میں داخل نہیں ہوگا' پھر وہ ایک لمبے عرصے تک چھپا رہے گا' پھر وہ دوسری بار نکلے گا اور اس کا ذکر جنگل میں پھیل جائے گا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ میں بھی داخل ہو جائے گا پھر لوگ اس مسجد میں ہوں گے جس کی عزت اور حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مساجد میں سب سے زیادہ ہے یعنی مسجد حرام میں' اس وقت وہ لوگ صرف اس بات سے خوف زدہ ہوں گے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان وہ اونٹنی کا بچہ بلبلا رہا ہوگا' اور اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا' پھر کچھ لوگ اس کو دیکھ کر منتشر ہو جائیں گے اور

مومنین کی ایک جماعت اپنی جگہ ثابت رہے گی اور وہ یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے سو وہ اونٹنی کا بچہ ان سے ابتداء کرے گا اور ان کے چہروں کو روشن کر دے گا' حتیٰ کہ ان کے چہرے روشن ستارے کی مانند ہو جائیں گے' وہ زمین میں پھرے گا کوئی شخص اس کو پکڑ نہیں سکے گا اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر نجات نہیں پا سکے گا' حتیٰ کہ کوئی شخص اس سے بچنے کے لیے نماز کی پناہ لے گا تو وہ اس کے پیچھے سے آ کر کہے گا' اے فلاں! اب تو نماز پڑھ رہا ہے' پھر وہ اس کے سامنے سے آ کر اس کے چہرے پر نشان لگا دے گا' پھر چلا جائے گا' لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے' مومن کافر سے کہہ رہا ہوگا اے کافر میرا حق ادا کر۔ (سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۰۶۹' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۲)

ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے جسم پر بالوں کے روئیں ہوں گے' اس کی چار ٹانگیں ہوں گی اور وہ ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جساسہ ہے' اور حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ انسانوں کی شکل پر ہوگا' اس کا اوپر کا دھڑ بادلوں میں ہوگا' اور نچلا دھڑ زمین پر ہوگا۔

ایک روایت ہے کہ وہ تمام حیوانوں کی شکلوں کا جامع ہوگا۔

الماوردی اور الثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن الزبیر نے فرمایا اس کا سر بیل کا سا ہوگا اور آنکھیں خنزیر کی سی ہوں گی' کان ہاتھی کی طرح ہوں گے' اس کے سینگھ بارہ سنگھے کی طرح ہوں گے اور اس کی گردن شتر مرغ کی طرح ہوگی' اس کا سینہ شیر کی طرح ہوگا' اور اس کا رنگ چیتے کی طرح ہوگا' اس کی کوکھ بلی کی طرح ہوگی اور دُم مینڈھے کی طرح ہوگی اور اس کی ٹانگیں اونٹ کی طرح ہوں گی اور اس کے ہر جوڑ کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ وہ مومن کے چہرہ کو حضرت موسیٰ کے عصا سے سفید کر دے گا اور کافر کے چہرہ کو حضرت سلیمان کی انگوٹھی سے سیاہ کر دے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۵۹۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۳' النکت والعیون للماوردی ج ۴ ص ۲۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دآبۃ (الارض) زمین سے نکلے گا' اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا ہوگا' وہ مومن کے چہرے پر عصا مار کر اس کو روشن کر دے گا' اور کافر کی ناک کی چونچ پر انگوٹھی سے نشان لگا دے گا' حتیٰ کہ گھروں سے نکل کر لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے وہ کہے گا یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۶۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵)

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مکہ کے قریب ایک جنگل میں لے گئے' وہاں ایک خشک زمین تھی جس کے گرد ریت تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جگہ سے دآبۃ الارض نکلے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۶۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۲)

حضرت علی بن ابی طالب سے دآبۃ الارض کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم اس کی دُم بھی ہوگی اور اس کی داڑھی بھی ہوگی۔ ہرچند کہ حضرت علی نے تصریح نہیں کی مگر اس میں اشارہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہوگا۔

(الماوردی ج ۶ ص ۲۲۶)

علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے کہا جس زمین سے وہ نکلے گا اس کے متعلق چار قول ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا:

(۱) وہ تہامہ کی بعض وادیوں سے نکلے گا۔

(۲) حضرت ابن عمر نے فرمایا وہ اجیاد کی گھاٹیوں میں ایک چٹان سے نکلے گا۔

(۳) حضرت ابن مسعود نے کہا وہ صفا سے نکلے گا۔
(۴) ابن منبہ نے کہا وہ بحر سدوم سے نکلے گا۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۲۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:
بعض متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ دآبۃ الارض انسان ہوگا وہ باتیں کرے گا' اور کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ اور مجادلہ کر کے ان کو ساکت کر دے گا' سو جس نے ہلاک ہونا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر ہلاک ہوگا اور جس نے حق پر قائم رہنا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر حق پر قائم رہے گا' ہمارے استاذ امام ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی التوفی ۶۵۶ ھ نے کہا ہے کہ دآبۃ الارض کی صورت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جس نے کہا ہے کہ دآبۃ الارض انسان ہوگا اس کا قول قرآن مجید کے ان الفاظ کے قریب ہے ''وہ باتیں کرے گا'' لیکن اس بناء پر اس دآبۃ الارض میں کوئی خارق (خلاف) عادت چیز نہیں ہوگی' اور نہ وہ اس دن نشانیوں میں سے ہوگا جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ کرنے والے اور ان کو ساکت کرنے والے انسان تو بہت ہیں سو وہ کوئی خاص چیز نہیں ہوگا اور اس کا قیامت کی دس نشانیوں میں ذکر کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی' پھر ایسے فاضل' کامل اور مناظر انسان کو دآبۃ الارض کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور ایسے فاضل مناظر کو دآبۃ الارض (زمین کا جانور) کہنا فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور تعظیم علماء اور دستور عقلاء کے منافی ہے۔ (المفہم ج ۷ ص ۲۴۲) اس لیے دآبۃ الارض کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم اس سے پہلے مفسرین سے نقل کر چکے ہیں اور جس تفسیر کا حدیث میں ذکر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:
دآبۃ الارض کی ماہیت میں' اس کی شکل میں' اس کے نکلنے کی جگہ میں' اس کی تعداد میں' اس کی مقدار میں اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیا کرے گا اس میں بہت اختلاف ہے اور یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں اور بعض اقوال بعض کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں اوراق کو سیاہ کرتا ہے اور وقت کو ضائع کرتا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:
علامہ ابوالحیان اندلسی کا یہ کلام برحق ہے اور میں نے جو اس سلسلہ میں اقوال نقل کیے ہیں' وہ صرف اس لیے کہ جس کو دآبۃ الارض کے متعلق تفصیل کو جاننے کا تجسس اور شوق ہو اس کی تسکین ہو سکے' پھر دآبۃ الارض کے متعلق جو احادیث ہیں' ان میں سنن ترمذی کی حدیث اقرب الی القبول ہے اور وہ یہ ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دآبۃ الارض نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ کا عصا ہوگا' عصا سے مومن کا چہرہ روشن کرے گا' اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر مہر لگائے گا' حتیٰ کہ گھروں سے لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے' وہ کہے گا سنو یہ مومن ہے اور سنو یہ کافر ہے۔ الحدیث۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷' سنن ابوداؤد طیالسی رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵' ۴۹۱' المستدرک ج ۴ ص ۴۸۵)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ دآبۃ الارض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چار پاؤں والا بہت عجیب و غریب

جانور ہے یہ نوع انسان میں سے اصلاً نہیں ہے اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اس کو زمین سے نکالے گا اور زمین سے نکالنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ توالد کے طریقہ سے نہیں نکلے گا بلکہ اس طرح نکلے گا جس طرح زمین سے حشرات الارض نکلتے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: جو ان سے کلام کرے گا' بے شک لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دابۃ الارض لوگوں سے یہ کہے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے' وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو ہماری نشانیاں اس اعتبار سے کہے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کر رہا ہے' اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دابۃ الارض لوگوں سے کلام کرے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے' وہ کہے گا سنو یہ مومن ہے' سنو یہ کافر ہے' اور یہ جو فرمایا ہے' بے شک لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے یہ ابتداءً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' یعنی چونکہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت میں زمین سے ایک عجیب و غریب جانور نکالا جو لوگوں سے باتیں کرتا تھا' یہ ایک واضح اور کھلی ہوئی نشانی تھی لیکن قرب قیامت میں اس نشانی کو دیکھ کر ایمان لانا اب مفید نہیں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو الگ کر لیں گے جو ہماری آیتوں کی

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ

تکذیب کرتے تھے ○ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا

وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ

حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے؟ ○ اور ان کے ظلم کرنے کی

الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا

وجہ سے ان پر قول (عذاب) واقع ہو چکا' سو اب وہ کچھ نہیں بولیں گے ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ

أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ إِنَّ فِيْ

ہم نے رات ان کے آرام کرنے کے لیے بنائی اور دن کو ہم نے (کام کرنے کے لیے) روشن بنایا' بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا

فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ

تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے' ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے

اللّٰہُ ؕ وَ کُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَ تَرَی الۡجِبَالَ تَحۡسَبُہَا

اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہوں گے ○ اور (اے مخاطب!) تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا

جَامِدَۃً وَّ ہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ

گمان کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے' یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے

اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾ مَنۡ جَآءَ

ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے' بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ جو شخص نیکی

بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا ۚ وَ ہُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ یَّوۡمَئِذٍ

لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے' اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے

اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَکُبَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ فِی

مامون ہوں گے ○ اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا

النَّارِ ؕ ہَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ

جائے گا' اور تم کو ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ○ مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ

اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ ہٰذِہِ الۡبَلۡدَۃِ الَّذِیۡ حَرَّمَہَا وَ لَہٗ کُلُّ

میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے اور اسی کی ملکیت میں ہر

شَیۡءٍ ۫ وَّ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ ۙ وَ اَنۡ

چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ○ اور یہ کہ میں

اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اہۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَہۡتَدِیۡ لِنَفۡسِہٖ

قرآن کی تلاوت کروں' سو جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کی' اور جو گمراہی پر

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ

ڈٹا رہا ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں ○ اور آپ کہیے کہ تمام تعریفیں

لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا

اللہ ہی کے لیے ہیں' عنقریب تمہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے' اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں

تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ ع

ہے جو تم کر رہے ہو ○

۲/۱۱ ع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو الگ کر لیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ○ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا' کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے؟ ○ ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر قول (عذاب) واقع ہو چکا سو اب وہ کچھ نہیں بولیں گے ○ (النمل: ۸۵-۸۳)

حشر کے دن کفار کے کفر و شرک پر زجر و توبیخ

اس آیت میں ہے ویوم نحشر من کل امة فوجا. حشر کا معنی ہے جمع کرنا' اور اس آیت میں اس سے مراد ہے سب لوگوں کو محشر میں جمع کرنے کے بعد کفار کو عذاب کے لیے جمع کرنا' اُمت لوگوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں' جس کی طرف کسی رسول کو بھیجا جائے' پھر اُمت کی دو قسمیں ہیں' اُمت دعوت اور اُمت اجابت' اُمت دعوت اس کو کہتے ہیں جس جماعت کو اللہ کا رسول' اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے' اور اُمت اجابت اس جماعت کو کہتے ہیں جو رسول کے لیے دیئے ہوئے پیغام کو قبول کرلے اور رسول پر ایمان لے آئے' اور فوج اس جماعت کو کہتے ہیں جو تیزی سے کسی طرف پیش قدمی کر رہی ہو۔

اس آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلایئے جب ہم تمام انبیاء کی اُمتوں میں سے ان گروہوں کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے یوزعون کا معنی ہے ان کو جمع کیا جائے گا' یا ان کو روک لیا جائے گا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوج سے مراد اس گروہ کے رئیس ہوں' یعنی ہر اُمت کے لوگوں میں سے ان کے رئیسوں اور سرداروں کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ عوام آ کر ان سے مل جائیں مثلاً فرعون' نمرود اور ابی بن خلف کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ ان کے متبعین آ کر ان کے ساتھ مل جائیں' پھر ان سب کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔

حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ یعنی میں نے اپنے رسولوں پر جو آیتیں نازل کی تھیں تم نے ان کی تکذیب کی تھی یا میں نے اپنی توحید پر جو دلائل قائم کیے تھے تم نے ان کا انکار کیا تھا' حالانکہ تم نے دلائل کے ساتھ ان آیات کے باطل ہونے کو نہیں جانا تھا بلکہ تم نے بغیر دلائل کے جہالت سے ان آیتوں کا انکار کیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا جب تم نے ان آیتوں پر بحث و تمحیص نہیں کی اور ان پر غور و فکر نہیں کیا تو تم کیا کرتے رہے تھے؟

اور جب ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے یعنی ان کے شرک کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہو جائے گا تو وہ کوئی بات

نہیں کر سکیں گے' کیونکہ ان کے پاس اپنے شرک اور دیگر برے اعمال پر کوئی عذر ہو گا نہ کوئی دلیل ہوگی' اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اس لیے وہ کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات ان کے آرام کے لیے بنائی' اور دن کو ہم نے (کام کرنے کے لیے) روشن بنایا' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں○ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہوں گے○ (النمل: ۸۷-۸۶)

دن اور رات کے تعاقب میں توحید' رسالت اور حشر کی دلیل

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے کیسی حکمت بالغہ سے رات اور دن کو بنایا' رات کو اس لیے بنایا کہ وہ کام کاج کی مشقت کی وجہ سے اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچائیں' اور دن کو بنایا تاکہ وہ رات کو آرام کرنے کے بعد پھر تازہ دم ہو کر دن کی روشنی میں حصولِ رزق کے لیے جدوجہد کریں' جو لوگ اللہ پر ایمان لانے والے ہیں وہ اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رات کو دن سے' اور دن کو رات سے بدل دیتا ہے اور نور کو ظلمت میں اور ظلمت کو نور میں ڈھال دیتا ہے' اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کا علم اور قدرت ہر چیز کو محیط ہو اور جس کا علم ہر چیز کو شامل ہو اور جس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہو وہی اس کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اس کے شریک اور معاون نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ واحد نہ ہوتا تو دن اور رات کے تواتر اور تسلسل میں یہ یکسانیت اور نظم وضبط نہ ہوتا کہ ہمیشہ گرمیوں میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں ہمیشہ دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔

اور یہ آیت لوگوں کو مارنے کے بعد زندہ کرنے اور حشر ونشر پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ جو ذات اس پر قادر ہے کہ دن کے نور کو ظلمت اور رات کی ظلمت کو نور سے بدل دے وہ حیات کو موت سے اور موت کو حیات سے بدلنے پر بھی قادر ہے۔

اور یہ آیت نبوت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے منافع کے لیے دن کے بعد رات کو اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجنے میں بھی مخلوق کے منافع ہیں' دن اور رات کے توارد میں مخلوق کا صرف دنیا میں نفع ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں دنیا میں بھی نفع ہوتا ہے اور آخرت میں بھی نفع ہوتا ہے' سو یہ آیت توحید' آخرت اور رسالت تینوں اصولی مباحث کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں' حالانکہ اس میں تو تمام مخلوق کے لیے نشانیاں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ اس آیت میں تمام مخلوق کے لیے نشانیاں ہیں لیکن ان نشانیوں سے فائدہ صرف ایمان لانے والے حاصل کرتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے صور پھونکنے کا ذکر فرمایا ہے۔

صور کا لغوی معنی ہے نرسنگھا' بگل' بوق' سینگھ کی وضع کی کوئی چیز جس میں پھونک مار کر پھونکا جا سکے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

یہ سینگھ کی طرح کی کوئی چیز ہے جس میں پھونک ماری جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس پھونک کو صورتوں اور روحوں کو ان کے

اجسام میں منتقل ہونے کا سبب بنا دے گا' ایک روایت میں ہے کہ صور میں تمام انسانوں کی صورتیں ہیں۔
(المفردات ج ۲ ص ۳۷۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
صور ایک سینگھ ہے' جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو محشر کی طرف جمع کرنے کے لیے پھونک ماریں گے۔
(النہایۃ ج ۳ ص ۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۱۴۸)

ملا علی قاری نے لکھا ہے یہ تعریف دوسری بار صور پھونکنے کے اعتبار سے ہے' کیونکہ پہلی بار صور پھونکنے سے تمام لوگ مر جائیں گے۔ (مرقات المفاتیح ج ۱۰ ص ۲۴۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان: ۱۳۹۰ھ)

صور اور صور پھونکنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زندگی سے کیسے لطف حاصل کروں' جب کہ صور والے فرشتے نے صور کو منہ میں رکھا ہوا ہے اور اس نے اپنے کان لگائے ہوئے ہیں' اور اپنی پیشانی ٹیڑھی کی ہوئی ہے' اور وہ منتظر ہے کہ اس کو کب صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۲۳' المستدرک ج ۴ ص ۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صور والے فرشتے کا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا اس کے دائیں طرف جبریل ہے اور اس کے بائیں طرف میکائیل ہے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۳۰)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ایام میں سب سے افضل یوم جمعہ ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سب مر جائیں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۷۲' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸)

کتنی بار صور پھونکا جائے گا

اس میں اختلاف ہے کہ صور کتنی مرتبہ پھونکا جائے گا' چار مرتبہ' تین مرتبہ یا دو مرتبہ' زیادہ تر محققین علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صور میں صرف دو مرتبہ پھونکا جائے گا' پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو سب مر جائیں گے اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا' لوگوں نے کہا اے ابوہریرہ چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' لوگوں نے کہا چالیس ماہ! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' لوگوں نے کہا چالیس سال! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دُم کی ہڈی کا سرا ہے اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴' ۴۹۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

امام ابن ابی داؤد نے کتاب البعث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صور میں پھونکا جائے گا اور صور سینگھ کی شکل پر ہے تو جو لوگ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں' وہ سب مر جائیں گے اور دو مرتبہ پھونکنے کے درمیان چالیس سال ہیں' پھر ان چالیس سال میں اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا' تو لوگ زمین سے اس طرح اُگنے لگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے۔ الحدیث (کتاب البعث لابن ابوداؤد رقم الحدیث :۴۲' البدور السافرۃ ص ۸۷)

شیخ ابن حزم نے کہا صور چار مرتبہ پھونکا جائے گا' حافظ ابن حجر عسقلانی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن حزم نے یہ زعم کیا کہ چار مرتبہ صور پھونکا جائے گا' پہلی مرتبہ لوگوں کو مارنے کے لیے صور پھونکا جائے گا اور اس صور کی آواز سن کر زمین پر ہر زندہ شخص مر جائے گا' دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو ہر مردہ زندہ ہو جائے گا' لوگ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور حساب کے لیے جمع ہوں گے' اور تیسری بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اس کو سن کر بے ہوش ہو جائیں گے' مریں گے نہیں اور چوتھی بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اس بے ہوشی سے ہوش میں آ جائیں گے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے جو چار مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ واضح نہیں ہے بلکہ صور صرف دو مرتبہ پھونکا جائے گا' اور ان دونوں کے درمیان سننے والوں کے اعتبار سے تغایر ہے' پہلی بار جب صور پھونکا جائے گا تو اس سے ہر زندہ شخص مر جائے گا' اور جن کو اللہ تعالیٰ نے موت سے مستثنیٰ کر لیا ہے وہ صرف بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے' وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے' وہ ہوش میں آ جائیں گے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۹-۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی ابن حزم کا قول رد کر کے یہ لکھا ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا۔

(البدور السافرۃ ص ۹۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے تین مرتبہ صور پھونکیں گے پہلی بار صور پھونکیں گے تو لوگ گھبرا جائیں گے اس کو نفخۃ الفزع کہتے ہیں' اور دوسری بار صور پھونکیں گے تو لوگ مر جائیں گے اس کو نفخۃ الصعق کہتے ہیں اور تیسری بار صور پھونکیں گے تو مرے ہوئے لوگ زندہ ہو جائیں گے' اس کو نفخۃ البعث کہتے ہیں۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۹ ص ۱۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

نفخات (صور پھونکنے) کی تعداد میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ تین نفخات ہیں۔ ان میں سے ایک نفخۃ الفزع ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ (النمل: ۸۷)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اور دوسرا نفخۃ الصعق ہے جس کو سن کر سب مر جائیں گے اور تیسرا نفخۃ البعث ہے جس کو سن کر سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے' ان دونوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۸)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں والے مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے' پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا' اور نفخة الفزع اور نفخة الصعق دونوں ایک ہیں' اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوگا یعنی پہلے لوگ صور کی آواز سن کر گھبرا جائیں گے پھر فوراً مر جائیں گے' اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کی احادیث سے یہی ثابت ہے کہ صور دو بار پھونکا جائے گا نہ کہ تین بار اور یہی قول صحیح ہے۔ (التذکرہ ج ۱ص ۲۸۷-۲۸۶' مطبوعہ دارالبخاری' مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ ابو عبداللہ قرطبی تین بار صور پھونکنے کی حدیث لکھ کر اس پر تبصرہ کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کو بنانے سے فارغ ہو گیا تو اس نے صور کو پیدا کیا' اور یہ صور حضرت اسرافیل کو دے دیا' انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ اپنی آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں' اور اس کے منتظر ہیں کہ ان کو کب صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صور کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگ (کی مثل) ہے' اور اللہ کی قسم! وہ بہت بڑا ہے اس کی گولائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے' وہ اس میں تین مرتبہ پھونک ماریں گے' پہلی مرتبہ (نفخة الفزع) پھونک ماریں گے تو لوگ گھبرا جائیں گے' اور دوسری مرتبہ (نفخة الصعق) پھونک ماریں گے تو لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور تیسری مرتبہ (نفخة البعث) پھونک ماریں گے تو سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ الحدیث

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۳۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۶۶۲۷)

اس حدیث کا علی بن معبد' طبری اور ثعلبی وغیرہم نے ذکر کیا ہے' اور میں نے اس کا کتاب التذکرہ (ج ۱ص ۳۰۲-۳۰۱' دارالبخاری' المدینة المنورہ) میں ذکر کیا ہے اور وہاں میں نے اس حدیث پر کلام کیا ہے: (وہ کلام یہ ہے' امام ابو محمد عبدالحق نے کتاب العاقبة میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور صحیح نہیں ہے' طبری نے اس کا سورۂ یٰسین کی تفسیر میں ذکر کیا ہے) اور صحیح یہ ہے کہ صور دو بار پھونکا جائے گا' تین بار نہیں پھونکا جائے گا' اور یہ کہ نفخة الفزع' نفخة الصعق کی طرف راجع ہے' کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کو لازم ہیں' یعنی صور پھونکے جانے کے بعد پہلے لوگ گھبرائیں گے پھر مر جائیں گے' یا نفخة الفزع' نفخة البعث کی طرف راجع ہے یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد لوگ زندہ کیے جائیں گے اور گھبرا کر کہیں گے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ (یٰسین: ۵۳-۵۱)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو اسی وقت وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگنے لگیں گے ۝ وہ کہیں گے ہائے ہائے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہی وہ چیز ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا ۝ وہ (صور کی آواز) صرف ایک چیخ ہے کہ یکایک وہ سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے ۝

یہ تفسیر امام قشیری نے کی ہے' اور اس فزع (گھبراہٹ) کے متعلق دو قول ہیں' انہیں اللہ کی طرف بلایا جائے گا اور وہ گھبرا

کر بہت جلد حاضر ہوں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب ان کو قبر سے اُٹھایا جائے گا تو وہ بہت گھبرائے ہوئے ہوں گے۔

دو بار صور پھونکنے کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ صور صرف دو بار پھونکا جائے گا' حضرت ابوہریرہ کی حدیث یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴' ۴۹۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے قرب قیامت کے احوال بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پھر دنیا میں برے لوگ باقی رہ جائیں گے' جو چڑیوں کی طرح جلد باز' بے عقل اور درندہ صفت ہوں گے' وہ کسی نیک بات کو اچھا سمجھیں گے اور نہ بری بات کو برا' ان کے پاس شیطان کسی بھیس میں آئے گا' اور کہے گا کیا تم میری بات نہیں مانتے؟ وہ کہیں گے تم کیا حکم دیتے ہو' وہ ان کو بتوں کی پرستش کا حکم دے گا وہ اسی (بت پرستی) میں مصروف کار ہوں گے' ان کا رزق اچھا ہوگا اور ان کی زندگی عیش و عشرت سے ہوگی' پھر صور پھونک دیا جائے گا جو شخص بھی اس کو سنے گا وہ ایک طرف گردن جھکا کر اس کی طرف کان لگائے گا' اور دوسری طرف سے گردن اُٹھالے گا' جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز کو سنے گا' وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہوگا' وہ مر جائے گا اور دوسرے لوگ بھی مر جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش نازل فرمائے گا' جس سے لوگوں کے جسم اُگنے لگیں گے' پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے' پھر کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶' المستدرک ج ۴ ص ۵۵۰-۵۴۳)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ (النمل: ۸۷)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ (الزمر: ۶۸)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نفخۃ الفزع سے بعض افراد کا استثناء کیا ہے اسی طرح نفخۃ الصعق سے بھی بعض افراد کا استثناء کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں سے ایک ہی صور پھونکنا مراد ہے اور اس صور کی آواز سن کر لوگ گھبرا کر مر جائیں گے اور پھر بعد میں جو صور پھونکا جائے گا اس کی آواز سن کر لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا اور ابن المبارک نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں پھونکوں کے درمیان چالیس سال ہیں' صور کی پہلی پھونک سے اللہ تعالیٰ ہر زندہ کو مار دے گا اور دوسری پھونک سے اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ کر دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۚ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ؕ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۚ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ (النّٰزعٰت: ١٣-٦)

جس دن کانپنے والی کانپے گی ○ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○ اس دن بہت دل دھڑک رہے ہوں گے ○ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ○ وہ کہتے ہیں کیا ہم پہلی زندگی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے ○ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ○ پھر تو یہ نقصان والا لوٹنا ہے ○ وہ صرف ایک ڈانت ڈپٹ ہے ○

ان آیتوں سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تین بار صور پھونکا جائے گا' (یعنی الراجفة سے مراد پہلا صور ہے' الرادفة سے مراد دوسرا صور ہے اور زجرة واحدہ سے مراد تیسرا صور ہے) لیکن اس طرح نہیں ہے' زجرة واحدہ سے مراد دوسرا صور ہے' جب لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے' حضرت ابن عباس' مجاہد' عطا اور ابن زید وغیرہم کا بھی یہی قول ہے' مجاہد نے کہا یہ دونوں دو چیخیں ہیں' پہلی چیخ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کو فنا کر دے گی اور دوسری چیخ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کو زندہ کر دے گی' عطا نے کہا الراجفة سے مراد قیامت ہے اور الرادفة سے مراد مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کو خوب علم ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ٢٢٢-٢٢١' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

امام رازی نے الزمر: ٦٨ کی تفسیر میں دونوں قول ذکر کیے ہیں' دو بار صور پھونکنے کے اور تین بار صور پھونکنے کے لیکن دو بار صور پھونکنے کے قول کو مقدم کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٩ ص ٤٦٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ٧٥٤ھ نے بھی الزمر: ٦٨ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک دو بار صور پھونکا جائے گا اور نفخة الفزع اور نفخة الصعق دونوں سے مراد واحد ہے۔ (البحر المحیط ج ٩ ص ٢٢١' دار الفکر بیروت' ١٤١٢ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ کے نزدیک تین بار صور پھونکا جائے گا۔ پہلا نفخة الفزع ہے جس سے سب لوگ گھبرا جائیں گے اس کا ذکر النمل: ٨٧ میں ہے اور دوسرا نفخة الصعق ہے جس سے سب لوگ مر جائیں گے اور تیسرا نفخة البعث ہے جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے' ان دونوں نفخوں کا ذکر الزمر: ٦٨ میں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٤١٤' ج ٤ ص ٦٩' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٩ھ)

قاضی بیضاوی نے الزمر: ٦٨ کی تفسیر میں لکھا ہے' دو بار صور پھونکا جائے گا اور نفخه الفزع اور نفخة الصعق سے مراد واحد ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ٨ ص ٢٢٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ کا بھی یہی مختار ہے کہ دو بار صور پھونکا جائے گا۔

(روح المعانی جز ٢٠ ص ٤٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٧ھ)

نفخة الصعق سے کون کون افراد مستثنیٰ ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ (الزمر ٦٨)

اور صور میں پھونکا گیا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے ہلاک ہو گئے ماسوا ان کے جن کو اللہ نے چاہا۔

آپ نے سوال کیا کہ اللہ نے کن کو ہلاک کرنا نہیں چاہا۔ حضرت جبریل نے کہا وہ اللہ عزوجل کے شہداء ہیں۔

امام حاکم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۲ ص ۲۵۳' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۰۰۰' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۱۸' رقم الحدیث: ۱۶۰۷' حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو مسند ابویعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۰۷' کنز العمال ج ۴ ص ۴۰۰-۳۹۹' رقم الحدیث: ۱۱۱۱۱) ہر چند کہ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو مسند ابویعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے لیکن مسند ابویعلیٰ میں یہ حدیث نہیں ہے۔

علامہ نجم الدین قمولی متوفی ۷۲۷ھ لکھتے ہیں' اس استثناء میں پانچ قول ہیں:

(۱) جب نفخۃ الصعق پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے مر جائیں گے' ماسوا حضرت جبرائیل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل کے' پھر اللہ تعالیٰ حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کو بھی ہلاک کر دے گا' اور حضرت جبرائیل اور حضرت عزرائیل باقی رہ جائیں گے' پھر حضرت جبرائیل کو بھی ہلاک کر دے گا۔

(۲) اس سے مراد شہداء ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۹)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔

(کتاب البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۶۷' ۶۶' البدور السافرۃ ص ۶' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۴۰' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۴۳' داراحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس صعقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کو (طور پر) بے ہوش کیا گیا تھا اس لیے ان کو دوبارہ بے ہوش نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اس سے مراد بڑی آنکھوں والی حوریں' اور عرش اور کرسی کے ساکنین ہیں۔

(۵) قتادہ نے کہا اللہ ہی کو علم ہے کہ اس سے کون مستثنیٰ ہیں' قرآن اور حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس سے مراد کون ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۷۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ المستدرک' البعث والنشور اور معالم التنزیل وغیرھا کے حوالوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اس سے مراد شہداء ہیں اور ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفخ فی الصور فصعق من فی السموت ومن فی الارض الامن شاء اللہ کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین کا استثناء فرمایا ہے' جبریل' میکائیل اور ملک الموت۔ الحدیث (کتاب البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۶۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کن کن کا استثناء کیا گیا ہے' حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے' وہ دوبارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے' اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔ امام قشیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل

ہیں کیونکہ ان کے پاس نبوت بھی ہے اور شہادت بھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ مقاتل نے کہا اس سے مراد جبریل' میکائیل' اسرافیل اور ملک الموت ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مومنین ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے:

وَمَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ○ (النمل: ۸۹)

اور جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کی تعیین میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے اور ان اقوال میں سے ہر قول کی گنجائش ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۲۳-۲۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آنا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟

ان اقوال میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کے استثناء سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ اس سے پہلے پہاڑ طور پر بے ہوش ہو گئے تھے' قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ. (الاعراف: ۱۴۳)

سو جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔

اس استثناء کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا' ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی تھا' مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی' یہودی نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی' مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھا کر یہودی کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا' اس نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس کے اور اس مسلمان کے درمیان کیا معاملہ ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلا کر اس سے واقعہ معلوم کیا' اس نے آپ کو بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت مت دو' کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا۔ پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے کھڑے ہوں گے۔ پس میں (از خود) نہیں جانتا کہ وہ بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان میں سے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرما لیا۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے پس میں (از خود) نہیں جانتا کہ وہ ان میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے تھے یا ان کا حساب پہلی بے ہوشی میں کر لیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۷۶' عالم الکتب' حضرت ابوسعید خدری کی روایت: صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۳۷)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے کہا کہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو پہلے ہی موت آ چکی ہے' لہٰذا ان کو نفخة الصعق کے استثناء میں داخل کرنا صحیح ہے' اسی طرح حاملین عرش' حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور ملک الموت اور جنت

کی حوروں کو استثناء میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ میں آسمانوں اور زمینوں والے ہیں اور یہ فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں یا عرش کے گرد صف باندھے کھڑے ہیں اور عرش اور جنت سات آسمانوں کے اوپر ہیں' پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو نفخة البعث کے بعد دیکھا اور قرآن مجید میں جو استثناء ہے' وہ نفخة الصعق سے ہے' اس اشکال کے جواب میں ہمارے شیخ ابوالعباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو پہلے ہی موت آ چکی تھی اس لیے ان کو نفخة الصعق کے استثناء میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ موت عدم محض نہیں ہے' بلکہ موت' ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں اور ان کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے' اور وہ شاداں اور فرحاں ہیں' اور جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام حیات کے زیادہ حق دار اور اولیٰ ہیں اور جب کہ حدیث صحیح میں ہے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھاتی' اور شب معراج ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی اور آسمانوں میں بھی ان سے اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی' نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے تو اس کو جواب دینے کے لیے آپ میں روح موجود ہوتی ہے' اس طرح کے اور بہت دلائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں جیسا کہ فرشتے موجود ہیں لیکن ہم میں سے کوئی شخص عادتاً ان کو نہیں دیکھ سکتا' اور جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو جب نفخة الصعق' صور میں پھونکا گیا تو تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں پر صعق طاری ہو گیا ماسوا ان کے جن کو اللہ نے چاہا' لیکن غیر انبیاء علیہم السلام پر صعق طاری ہونے کا معنی یہ تھا کہ وہ مر گئے اور انبیاء علیہم السلام پر صعق طاری ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور جب دوسری بار نفخة البعث کا صور پھونکا گیا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو گئے' اور جو بے ہوش ہو گئے تھے' وہ ہوش میں آ گئے' اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا' سو تمام نبیوں سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئیں گے۔ سوائے حضرت موسیٰ کے ان کے متعلق تردد ہے' کیونکہ آپ نے ہوش میں آنے کے بعد ان کو عرش کی ایک جانب دیکھا اور فرمایا آیا وہ آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور طور کی بے ہوشی میں ان کو محسوب کر لیا گیا۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں عظیم فضیلت ہے' اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں' کیونکہ اوّل تو حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی سے پہلے ہوش میں آنا امر مشکوک ہے ثانیاً بر تقدیر تسلیم یہ فضیلت جزی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی حاصل ہے۔ (المفہم ج ۶ ص ۲۳۳-۲۳۲' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اپنے شیخ ابوالعباس قرطبی کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ ابوعبداللہ قرطبی لکھتے ہیں' طبری' علی بن معبد اور ثعلبی وغیرہم نے یہ احادیث وارد کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاملین عرش' حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور ملک الموت پر بھی موت طاری کر دے گا اور ان کو پھر زندہ کر دے گا' البتہ اہل جنت اور جنت پر موت طاری نہیں ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خلود کے لیے بنایا ہے اگرچہ وہ بھی موت اور ہلاکت کی صلاحیت کی حامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاکت کی صلاحیت رکھتی ہے' كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ. (القصص: ۸۸) (التذکرہ ج ۱ ص ۲۶۶-۲۶۲' ملخصاً' دار البخاری' مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

نفخۃ الصعق سے استثناء میں علامہ قرطبی کا آخری قول

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ‘ علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ‘ علامہ صادی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ‘ نواب صدیق بن حسن خان قنوجی وغیرہم نے لکھا ہے کہ اس استثناء میں حاملین عرش‘ ملائکہ مقربین‘ جنت کی حوریں‘ شہداء اور انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔

(حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی ج ۸ ص ۲۲۶‘ حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۱-۳۳۰‘ حاشیۃ الصادی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۳‘ فتح البیان ج ۵ ص ۱۶۰)

علامہ قرطبی نے علامہ حلیمی کے حوالے سے التذکرہ میں جو تقریر کی ہے اس کے اعتبار سے کوئی فرد بھی اس استثناء میں داخل نہیں ہے‘ جنت اور اہل جنت اس میں اس لیے داخل نہیں کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں۔ حاملین عرش‘ ملائکہ مقربین اور ارواحِ شہداء بھی عرش کے گرد ہیں اور وہ بھی داخل نہیں کیونکہ یہ استثناء آسمانوں اور زمینوں والوں کے اعتبار سے ہے اور جنت اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے‘ اور انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ نہیں کیونکہ نفخۃ الصعق کے وقت وہ بے ہوش ہو جائیں گے اور نفخۃ البعث کے وقت وہ ہوش میں آئیں گے پھر نفخۃ الصعق سے کون مستثنیٰ ہے؟ البتہ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن‘ التذکرہ کے بعد لکھی ہے اور اس میں انہوں نے جمہور مفسرین کی طرح اہل جنت‘ حاملین عرش‘ ملائکہ مقربین‘ شہداء اور انبیاء علیہم السلام کو اس استثناء میں داخل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے مخاطب تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا گمان کرے گا‘ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے‘ یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے‘ بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے‘ اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے ○ اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا‘ اور تم کو ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ (النمل: ۹۰-۸۸)

قیامت کے دن پہاڑوں کی ٹوٹ پھوٹ اور ریزہ ریزہ ہونے کی مختلف حالتیں

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے‘ اس دن پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اُڑیں گے اور یہ اللہ کی عظیم قدرت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے‘ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح بنا کر اُڑا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن پہاڑوں کی کئی حالتیں بیان فرمائی ہیں‘ ایک حالت یہ ہے کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ چل رہے ہوں گے لیکن دیکھنے والوں کو وہ اپنی جگہ جمے ہوئے نظر آئیں گے اور جب کوئی بہت بڑی چیز تیزی سے حرکت کر رہی ہو تو دیکھنے والوں کو وہ ساکن معلوم ہوتی ہے‘ جیسے کوئی شخص بحری جہاز کے کیبن میں بیٹھا ہو تو اس کو وہ جہاز ساکن دکھائی دیتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے سفر طے کر رہا ہوتا ہے‘ یا جس طرح زمین حرکت کر رہی ہے لیکن ہم کو زمین حرکت کرتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی‘ ہم اس کو اپنی جگہ ساکن دیکھتے ہیں۔

قیامت کے دن پہاڑوں کی دوسری حالت اس آیت میں بیان فرمائی ہے:

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ○ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب (فریب نظر) ہو جائیں گے۔ (النباء: ۲۰)

سراب دھوپ میں چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دُور سے پانی کی طرح معلوم ہوتی ہے' اور حقیقت میں وہاں کچھ نہیں ہوتا' قیامت کے دن پہاڑ بھی دُور سے نظر آنے والی چیز کی طرح فریب نظر ہوں گے' حقیقت میں پہاڑوں کا وجود بالکل ختم ہو چکا ہوگا۔

قیامت کے دن پہاڑوں کی تیسری حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ (المعارج: ۹-۸) جس دن آسمان تیل کے تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے۔

پہاڑوں کی مختلف حالتوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ پہلے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے: اور یہ چوتھی حالت ہے:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ (الحاقۃ: ۱۴) اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھا لیا جائے گا اور ایک ہی ضرب سے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

اور ریزہ ریزہ ہو کر وہ پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ (القارعۃ: ۵) اور پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔

پانچویں حالت یہ ہے کہ ان کو گرد و غبار کی طرح اُڑا دیا جائے گا۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ (الواقعہ: ۵-۶) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس بکھرے ہوئے غبار کو اُڑا دے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ (طٰہٰ: ۱۰۵) اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان کو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا۔

اور آخر میں وہ معدوم ہو کر فریب نظر ہو جائیں گے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سب سے بڑی نیکی ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے۔ (النمل: ۸۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس نیکی سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۶۴۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا لا الٰہ الا اللہ نیکیوں میں سے ہے' آپ نے فرمایا یہ سب سے اچھی نیکیوں میں سے ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۶۴۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو اور برے کام کے بعد نیک کام کرو وہ اس برے کام کو مٹا دے گا' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا سلوک کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے جس نے اخلاص کے ساتھ کلمہ توحید پڑھا' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام فرائض کو ادا

کرنا ہے۔

صنابحی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ مرض الموت میں تھے' میں رونے لگا' انہوں نے کہا چپ کرو' تم کیوں روتے ہو؟ اللہ کی قسم اگر مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے حق میں شہادت دوں گا' اور اگر مجھے شفاعت دی گئی تو میں تمہارے حق میں شفاعت کروں گا' اور اگر میں تم کو نفع پہنچا سکا تو میں تم کو ضرور نفع پہنچاؤں گا' پھر انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی ایسی حدیث سنی جس میں تمہارا نفع تھا وہ میں نے تم سے بیان کر دی ماسوا ایک حدیث کے' اور میں عنقریب تم سے آج وہ حدیث بیان کر دوں گا' کیونکہ اب میری جان لبوں پر ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی شہادت دی اللہ اس پر دوزخ کو حرام کر دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۸' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۲)

امام ترمذی فرماتے ہیں بعض اہل علم کے نزدیک اس حدیث کی یہ توجیہ ہے کہ اہل توحید عنقریب جنت میں داخل ہوں گے خواہ ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ میری اُمت کے ایک شخص کو منتخب کر کے الگ کھڑا کر دے گا' پھر اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے' ہر رجسٹر حد نگاہ تک بڑا ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا تجھ کو ان میں سے کسی چیز کا انکار ہے؟ کیا میرے لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے' آج تجھ پر بالکل ظلم نہیں ہوگا' پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر لکھا ہوگا: **اشهد ان لا الہ الا اللہ واشهد ان محمدا عبدہ و رسولہ**' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم میزان پر حاضر ہو' وہ کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے سامنے کاغذ کے اس ٹکڑے کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میزان کے ایک پلڑے میں اس کے گناہوں کے (ننانوے) رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ کاغذ کا ٹکڑا رکھا جائے گا پھر گناہوں کے رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور کاغذ کے پُرزے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا' سو اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱-۲۱۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۷۲۲' المستدرک ج ۱ ص ۶' ۵۲۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۲۱' صحیح الترمذی للالبانی رقم الحدیث: ۲۱۲۷' السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۳۵)

نیکی کا اجر نیک کام سے کیوں افضل ہے

فرمایا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے۔ یعنی بندہ کے عمل سے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اجر و ثواب بہتر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا بندہ کے فعل سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بندہ ایک نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دس گنا زیادہ اجر دیتا ہے' اور کبھی سات سو گنا اجر عطا فرماتا ہے' اور کبھی اس کو بھی دُگنا کر دیتا ہے' اور کبھی بے حساب اجر عطا فرماتا ہے' بندہ ایک ساعت میں ایمان لاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ اس کو دائمی اور ابدی اجر عطا فرماتا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بندہ کی سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ اس کو اللہ کی معرفت ہو' اور آخرت میں جو اس کا

اجر ملے گا وہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی، تو اللہ کی معرفت سے کھانے پینے کی چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں بندہ نے جو اللہ کی معرفت حاصل کی اس کے صلہ میں اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار حاصل ہوگا اور بلاشبہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے، نیز بندہ نے جو نیک کام کیے وہ بندہ کا فعل ہے اور اس کا آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اللہ کا فعل ہے اور اللہ کا فعل بندہ کے فعل سے بڑھ کر ہے، اور بندہ نے جو نیک عمل کیا وہ فانی ہے اور اس کے عوض میں اس کو جنت ملے گی جو غیر فانی ہے، نیز جنت کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک چابک جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۹۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۸)

قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں گے جب کہ انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے

اس کے بعد فرمایا اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ اس دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے، جب لوگ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ، میں اپنے متعلق فکر مند ہوں، جب قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اس قدر پریشان ہوں گے تو عام مسلمان اس دن کیسے بے خوف ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر معاذ اللہ عذاب کا خوف نہیں ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی بے نیازی سے خوف زدہ ہوں گے اور جس کا جتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ قیامت کے دن وہ دائمی عذاب سے مامون ہوں گے، رہا یہ کہ قیامت کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کے مشاہدہ سے انسان کے دل پر جو ہیبت اور دہشت طاری ہوگی تو اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ عام مسلمانوں پر زیادہ ہیبت اور دہشت طاری ہوگی اور خواص پر کم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بازپرس اور گرفت کے خوف سے کوئی نفس بے فکر نہیں ہوگا۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۹۹)

کیا یہ لوگ اللہ کی گرفت سے بے فکر ہو گئے ہیں سو اللہ کی گرفت سے صرف نقصان اٹھانے والے بے فکر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو ان کے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ النمل: ۸۹ میں الحسنہ (نیکی) سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور النمل: ۹۰ میں السیئہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عطا، قتادہ اور حسن بصری وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۰ ص ۳۰-۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے، اور اسی کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ۝ اور یہ کہ میں قرآن کی

تلاوت کروں' سو جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہی پر ڈٹا رہا تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں o اور آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' عنقریب تمہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے' اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو o

(النمل: ۹۳-۹۱)

شہر مکہ کی اہمیت اور خصوصیت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر دلائل بیان فرمائے' پھر اس کے بعد ان امور کو بیان فرمایا جو قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے اور قیامت کی علامات اور اس کے وقوع کو بیان فرمایا' پھر آخرت کے احوال اور ثواب اور عذاب کو بیان فرمایا' اور اب سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی اہمیت کو بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ اے نبی مکرم آپ کہیے کہ مجھے ان چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص رکھوں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دوں' میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کر دیئے ہیں' تم ان دلائل کے تقاضوں سے اس کی توحید پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں بہر حال اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والا اور اس پر اصرار کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی کہ وہ اس شہر کا رب ہے' اور اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور تمام شہروں میں سے اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی طرف اپنی ربوبیت کی اضافت اس لیے کی ہے کہ ہونے کو تو میں تمام شہروں کا رب ہوں لیکن جس شہر کے رب ہونے پر مجھے ناز ہے' وہ شہر مکہ ہے' اسی شہر کی ایک جگہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا بیت قرار دیا ہے' یہی شہر اس کے محبوب نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد اور مسکن ہے اور یہی شہر مہبطِ وحی الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرم بنا دیا ہے' اس کو حرم فرمانے کی چند وجوہ ہیں' جو شخص حج کرنے کے لیے اس شہر میں آتا ہے اس پر حالتِ احرام میں کئی حلال کام حرام ہو جاتے ہیں وہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتا' خوشبو نہیں لگا سکتا' ازدواجی عمل نہیں کر سکتا اور اس طرح کے اور کئی کام اس پر حرام ہو جاتے ہیں' جو شخص اس شہر میں آ کر پناہ لے اس کو ایذاء پہنچانا حرام ہے' اس شہر کے درخت کاٹنا اور وحشی جانوروں کو پریشان کرنا حرام ہے' اس شہر میں قتال کرنا' مال لوٹنا' اور کسی کی عزت پامال کرنا خصوصیت کے ساتھ حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی کہ ہر چیز اس کی ملکیت ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور جو کسی چیز کا خالق ہوتا ہے وہی اس چیز کا مالک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا حکم دیا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام احکام پر عمل کیا اور تمام اُمت کے لیے اپنے اعمال میں نمونہ فراہم کیا۔

اور فرمایا: آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر میں اس کی حمد کرتا ہوں' اور عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تمہارے اپنے نفسوں میں بھی اور اس خارجی کائنات میں بھی' تو تم اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے دلائل کو پہچان لو گے' یقین کرنے والوں کے لیے اس زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر نشانیاں ہیں اور خود ان کے اندر بھی ہیں اور آخر میں فرمایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے اور اسی پر یہ سورت ختم ہوگئی۔

سورۃ النمل کا خاتمہ

سورۃ النمل کی تفسیر ۱۳ ذوالحج، ۱۴۲۲ھ/ ۲۸ فروری ۲۰۰۲ء بہ روز جمعرات کو شروع کی گئی تھی اور الحمدللہ رب العلمین آج ۵ ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء بہ روز ہفتہ کو بعد نمازِ فجر یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ اپریل کے مہینہ میں، میں کافی بیمار رہا' اور شدید کمر کے درد کا عارضہ رہا' اس وجہ سے یہ کام اپنے معمول کی رفتار سے نہیں ہو سکا' میں عموماً ایک ماہ میں نوے سے لے کر سو صفحات تک لکھ لیتا ہوں' لیکن اپریل کے ماہ میں صرف ۴۲ صفحات لکھ سکا' کمر کا درد' کلسٹرول کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے' میں نے وہ تمام چیزیں ترک کر دی ہیں جن سے کلسٹرول بنتا ہے حتیٰ کہ سالن سے کھانا بھی چھوڑ دیا ہے' تینوں وقت بران بریڈ کے تین سلائس پھیکی چائے کے ساتھ لیتا ہوں۔ قارئین کرام سے دعا کا خواست گار ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے اور ذہنی اور جسمانی توانائی عطا فرمائے کہ میں تبیان القرآن کی بقیہ جلدیں مکمل کرلوں اور جب تک زندہ رہوں' صحت برقرار رہے اور دین کا تبلیغی اور اشاعتی کام کرتا رہوں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تفسیر تبیان القرآن کو مکمل کرا دے اس کی تصنیف میں مجھے نسیان' خطا اور لغزشوں سے محفوظ اور سلامت رکھے اور اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الھادین المھدیین وازواجہ الطاھرات امھات المومنین وعلی سائر المسلمین اجمعین.

سُورَةُ الْقَصَصِ

(۲۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ القصص

سورت کا نام: اس سورت کا نام القصص ہے' اور یہ نام اس سورت کی اس آیت سے مقتبس ہے:

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (القصص: ۲۵)
پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو تمام قصہ سنایا تو انہوں نے کہا کچھ خوف نہ کریں' آپ ظالم لوگوں سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔

ہر چند کہ القصص کا لفظ الاعراف: ۱۷۶' اور یوسف: ۳ میں آ چکا ہے' اور الکھف میں بھی قصصًا کا لفظ ذکر کیا جا چکا ہے' لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی' جس چیز کا جو نام رکھا گیا ہے اس چیز میں اس نام کی مناسبت ہونی چاہیے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں وہ مناسبت پائی جائے تو وہاں وہ نام بھی ہو جیسے خمر (انگور کی شراب) کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے جب کہ کھجور کی شراب اور جو کی شراب اور اسی طرح بھنگ بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے لیکن ان کو خمر نہیں کہتے' اسی طرح قارورہ بوتل کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں کوئی سیال چیز قرار پذیر ہوتی ہے لیکن ہر اس چیز کو قارورہ نہیں کہتے جس میں کوئی سیال چیز قرار پذیر ہو ورنہ پیٹ کو بھی قارورہ کہا جاتا۔

اس سورت کا نام القصص اس لیے بھی رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عجیب وغریب قصہ بیان کیا ہے' ان کی ولادت سے لے کر ان کے رسول بنانے تک کے قصص اور واقعات نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو تینتالیس (۴۳) آیتوں پر محیط ہیں' جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر کس طرح لطف وکرم فرماتا ہے اور کفار اور منکرین کو کس طرح ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔ نیز اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص قارون کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے جو مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے متکبر اور سرکش ہو گیا تھا' اور بالآخر اس کا برا انجام ہوا۔

القصص کی النمل سے مناسبت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے کی متصل دو سورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ الشعراء میں ۱۰-۶۸ تک اور النمل میں ۱۴-۷ تک' لیکن جن چیزوں کو ان سورتوں میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا اس سورت میں ان کی تفصیل کر دی گئی ہے اس سورت میں یہ قصہ فرعون کے ظلم اور تکبر سے شروع کیا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا' اور اس کا یہی فعل اس واقعہ کا سبب بنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد ان کو ایک صندوق میں رکھ کر اس صندوق کو دریا میں ڈال دیا تا کہ وہ ذبح ہونے سے بچ جائیں' پھر دریا کی موجوں نے اس صندوق کو فرعون کے محل میں

پہنچا دیا پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ سن شباب تک پہنچ گئے' پھر قبطی کو تادیبا گھونسا مارنے کا واقعہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں وہ قبطی مر گیا' اور حضرت موسیٰ کو یہ خطرہ ہوا کہ اب فرعون کی قوم ان پر قتل کا الزام عائد کر کے ان کو سزا دے گی' سو وہ مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر گئے' اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہو گیا' پھر جب وہ مدین سے روانہ ہوئے تو راستہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت پر سرفراز فرما دیا' پھر اس کے بعد باقی واقعات پیش آئے۔

ایک اور وجہ سے سورۃ النمل اور سورۃ القصص میں یہ مناسبت ہے کہ سورۃ النمل میں حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کو ہلاک کرنے کا قصہ اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے' اور سورۃ القصص میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

نیز سورۃ النمل کے آخر میں ان مشرکین کی مذمت فرمائی ہے جو قیامت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو نہیں مانتے تھے اور سورۃ القصص میں اس چیز پر زیادہ دلائل بیان فرمائے ہیں اور اس موقف کو زیادہ تفصیل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

سورۃ القصص بھی سورۃ النمل کی طرح مکی ہے' تعداد نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۹ ہے' یہ سورۃ النحل کے بعد اور سورۃ بنی اسرائیل سے پہلے نازل ہوئی ہے' سورۃ الشعراء' سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں کے افتتاحی حروف میں طا اور سین ہیں' سورۃ الشعراء میں ہے طٰسٓمٓ سورۃ النمل میں ہے طٰسٓ اور سورۃ القصص کے شروع میں طٰسٓمٓ ہے۔ یہ تینوں سورتیں نزول میں متوالی اور متعاقب ہیں اور ایک دوسرے کے بعد نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سورتوں کو الطواسین کہا جاتا ہے اور یہ تینوں سورتیں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان سب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ القصص کے مشمولات

☆ سورۃ الشعراء' سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان میں عقائد کے اصول بیان کیے گئے ہیں توحید' رسالت اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

☆ سورۃ النمل کی ابتدائی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کو تورات عطا کیے جانے تک کے تمام واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

☆ النمل: ۷۵-۴۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کی وحی فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس سے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے برحق ہونے پر استدلال فرمایا ہے' کیونکہ قریش کو معلوم تھا کہ آپ اُمی ہیں اور آپ نے تورات کو نہیں پڑھا اور نہ آپ کا یہودیوں سے میل جول رہا ہے پھر آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے یہ مفصل واقعات کس ذریعہ سے معلوم ہو گئے سو اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی ہو اور آپ پر وحی کا نازل ہونا قرآن مجید کے حق ہونے اور آپ کے دعویٰ نبوت میں صادق ہونے کی واضح دلیل ہے' آپ کو نبوت سے سرفراز فرما کر جس طرح آپ پر فضل فرمایا ہے' آپ کی قوم قریش پر بھی فضل فرمایا ہے کہ ان کے کفر اور شرک پر عذاب نازل فرمانے سے پہلے ان کو راہِ راست اور ہدایت کا موقع عطا فرمایا' اور کفار اور مشرکین کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔

☆ النمل: ۸۴-۷۶ میں قارون کا ذکر فرمایا ہے جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ مال و دولت اس کو اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ملا ہے۔ اللہ کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے اس لیے وہ اپنے مال سے زکوٰۃ اور صدقات نکالنے سے منع کرتا تھا۔

☆ النمل: ۸۸-۸۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین فرمائی کہ آپ کفار اور مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں' اپنے موقف پر

قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہیں' اللہ تعالیٰ آپ کی ہر مشکل مہم میں معاونت فرمائے گا۔

سورۃ القصص کی اغراض

☆ اس سورت کو طسٓمٓ سے شروع فرما کر اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ کلام بھی ان ہی حروف سے مرکب ہے جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو' اگر تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ' ورنہ اس حقیقت کا اعتراف کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے معظم اور مکرم بندہ پر نازل فرمایا ہے۔

☆ سورۃ الاعراف' سورۃ طٰہٰ اور دیگر سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے جن واقعات کو اختصار سے بیان فرمایا تھا' اس سورت میں ان کی تفصیل کر دی ہے اور اس سے مقصود وعظ اور نصیحت ہے' اور فرعون اور اس کی قوم پر ان کے تکبر اور بنی اسرائیل پر ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس سے عبرت اور سبق مہیا کرنا ہے۔

☆ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت فرمانا کوئی نئی بات نہیں ہے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے سنت رہی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ہر قوم کی طرف ایک رسول کو بھیجتا رہا ہے تاکہ لوگوں کو گم راہی اور بے راہ روی سے نکال کر ہدایت اور راہِ راست پر لایا جائے اسی سنت کے مطابق قریش کی طرف بھی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

☆ کفارِ مکہ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آپ نے بھی حضرت موسیٰ کی طرح لاٹھی کو اژدھا بنانے اور ید بیضاء کے معجزات کیوں نہیں پیش کیے۔

☆ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ کے متواتر معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی تو ان کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اس سے قریش مکہ کو ڈرایا ہے کہ اگر انہوں نے بھی ہمارے رسول کی تکذیب کی روش کو نہ چھوڑا تو ان پر بھی اسی طرح کے عذاب کا خطرہ ہے۔

☆ بنی اسرائیل قبطیوں کے مقابلہ میں ایک کمزور قوم تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کے مقابلہ میں کامیاب اور غالب کر دیا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسی طرح ابتدا میں جن کمزور مسلمانوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو صنادید قریش پر کامیابی اور غلبہ عطا فرمائے گا۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کئی سورتوں میں سننے کے بعد مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر دیا جائے۔

سورۃ القصص کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے سورۃ القصص کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بار الٰہ! اس تفسیر میں حق اور صدق پر مجھے رہ نمائی عطا فرمانا' اور اس کی اتباع میرے لیے مقدر فرما دینا اور زیغ اور باطل کے بطلان کو مجھ پر منکشف فرمانا اور اس سے اجتناب اور اس کے رد کرنے کی مجھ کو سعادت عطا فرمانا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وقائد المرسلین وشفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث' دار العلوم نعیمیہ' کراچی-۳۸
۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ/ ۲۴ مئی ۲۰۰۲ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ القصص مکیۃ ۲۸ — ایاتہا ۸۸ — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ القصص مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا‘ بہت مہربان ہے — اس کی اٹھاسی آیات نو رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ

طاسین میم ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق

مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ

خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ○ بے شک فرعون (اپنے)

عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً

ملک میں سرکش تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا‘ وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور قرار دے کر

مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا‘ بے شک وہ فساد کرنے والوں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

میں سے تھا ○ اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا

فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ

گیا تھا‘ اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے ملک کا) وارث بنانا چاہتے تھے ○ اور ہم ان کو ان کے ملک کا

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا

اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے اور ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو (بنی اسرائیل کے ہاتھوں) وہ انجام دکھانا چاہتے

كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا

تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے ○ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ‘ اور جب تم کو

خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ

اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا‘ بے شک ہم اس کو تمہارے پاس واپس

إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝٧ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ

لائیں گے اور (ہم) اس کو رسول بنانے والے ہیں ○ سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا تاکہ

لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا

انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے' بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر جرم

خَاطِئِينَ ۝٨ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا

کرنے والے تھے ○ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اس کو

تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝٩

قتل نہ کرنا' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں اور یہ لوگ (مستقبل کا) شعور نہیں رکھتے تھے ○

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْ

اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا' اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز

لَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝١٠

فاش کر دیتیں (ہم نے اس لیے ڈھارس دی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدہ پر) اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا

اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور' دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا

يَشْعُرُونَ ۝١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ

شعور نہ ہوا ○ اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ

آیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ

نَاصِحُونَ ۝١٢ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

ہو ○ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے

وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور وہ یقین کرلے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین میم ٥ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ٥ ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ٥ بے شک فرعون (اپنے ملک میں) سرکش تھا' اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا' وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور قرار دے کر ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا' اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا' بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا ٥ اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا گیا تھا' اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے ملک کا) وارث بنانا چاہتے تھے ٥ اور ہم ان کو ان کے ملک کا اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے' اور ہم فرعون اور ھامان اور ان کے لشکروں کو (بنی اسرائیل کے ہاتھوں) وہ انجام دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے ٥ (القصص: ۶-۱)

طٰسٓمّٓ کا معنی

طٰسٓمّٓ (القصص: ۱) جس طرح اس سے پہلے بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے اسی طرح اس سورت کو بھی ان ہی وجوہ سے حروفِ مقطعات سے شروع کیا گیا ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ طا میں یہ اشارہ ہے کہ بنو اسرائیل کو فرعون کی طویل غلامی سے نجات ملنے اور اس کی غلامی سے ان کے طیب اور طاہر ہونے کا اس سورت میں ذکر ہے' اور سین میں یہ اشارہ ہے کہ اس سورت میں ان کو حاصل ہونے والی سمو (بلندی) اور سیادت کا ذکر ہے اور میم میں یہ اشارہ ہے کہ ان کو فرعون کے ملک مصر کے اقتدار عطا کیے جانے کا اس سورت میں ذکر ہے۔

سورۃ القصص کا خلاصہ

یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (القصص: ۲) یعنی آپ کے قلب پر جو آیتیں نازل کی گئی ہیں یہ دنیا اور آخرت کی تمام مصلحتوں کی جامع ہیں اور ان میں احکامِ شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے' اور یہ سورت ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جن میں بنو اسرائیل اختلاف کرتے تھے' اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے وہ حقائق اور دقائق بیان کیے گئے جن کو ان کے ماہرین میں سے بھی بہت کم لوگ جانتے تھے' یہ سورت بیان کرتی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم سے کس طرح انتقام لیا گیا' اور قارون کو کس طرح سزا دی گئی' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل پر کیا کیا انعام کیے گئے' اور اس سورت میں وہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں' جو دوسری سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان نہیں کی گئیں۔ قرآن مجید کی حسب ذیل سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے:

البقرۃ' النساء' المائدہ' الانعام' الاعراف' الانفال' یونس' ھود' ابراھیم' النحل' بنی اسرائیل' الکھف' مریم' طٰہٰ' الانبیاء' المومنون' الفرقان' الشعراء' النمل' القصص' العنکبوت' السجدہ' الاحزاب' الصّٰفّٰت' المومن' الزخرف' الدخان' الجاثیہ' الذّٰریات' القمر' الصف' الجمعۃ' التحریم' الحاقۃ' المزمل' النّٰزعٰت' الفجر۔ قرآن مجید کی کل ۵۱۴ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے' اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت لاڈلے اور محبوب نبی ہیں۔

ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ٥ (القصص: ۳)

تلاوت کا معنی ہے آیتوں کو ایک دوسرے کے متصل بعد لگاتار پڑھنا' متتابع' متعاقب اور متوالی آیتوں کو پڑھنا' اس سے مراد تمام خبروں کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ عظیم خبریں ہیں جن سے ظاہر اور پوشیدہ باتوں کا علم ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ قوم فرعون سے کس طرح حساب لیا گیا اور ان کو کس طرح سزا دی گئی۔

مومنوں پر تلاوت کرنے کی تخصیص کی توجیہ

اسی آیت میں فرمایا ہے ہم ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں۔اس سے مراد وہ مسلمان ہیں کہ جب بھی کسی واقعہ کے متعلق کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے کیونکہ ان خبروں کو جاننے کے لیے آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا اور نبی وہی شخص ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں' تو کیا ان آیتوں کی تلاوت کافروں کے لیے نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کے لیے بھی ان آیتوں کی تلاوت ہے لیکن مومنین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ انہوں نے ہی ان خبروں کو قبول کیا اور ان سے نفع اُٹھایا جیسے قرآن مجید کی ہدایت تو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ہے لیکن چونکہ اس ہدایت سے نفع یاب ہونے والے صرف متقین تھے اس لیے فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:۲) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت بالذات مومنین کے لیے ہے اور بالتبع ان کی تلاوت غیر مومنین کے لیے بھی ہے اس لیے اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ مومنین کا ذکر فرمایا جن کے لیے ان آیات کی بالذات تلاوت ہے۔

شیعاً کا معنی

بے شک فرعون (اپنے) ملک میں سرکش تھا۔الآیۃ (القصص:۴) یعنی فرعون اپنے ملک میں اپنے آپ کو سب سے بڑا قرار دیتا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا گروہوں کے لیے اس آیت میں شیعاً کا لفظ ہے۔شیعاً شیعۃ کی جمع ہے' شیعہ کا معنی تقویت ہے جس سے انسان کو تقویت پہنچے اور کسی شخص کے گروہ سے بھی اس شخص کو تقویت پہنچتی ہے اس لیے گروہ کو شیعہ کہتے ہیں اور شیعہ کا معنی انتشار ہے جو چیز کسی چیز سے نکلے اور پھیلے اور چونکہ کسی شخص کا گروہ بھی اس سے نکلتا اور پھیلتا ہے اس لیے کسی شخص کے گروہ اور اس کے فرقہ کو شیعہ کہتے ہیں۔آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے متعدد فرقے بنائے ہوئے تھے جو اس کی اطاعت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کو اس کے حکم کے خلاف کرنے کی طاقت نہ تھی یا اس نے متعدد فرقے بنا دیئے تھے وہ سب اس کی خدمت کرتے تھے اور اس کو قوت پہنچاتے تھے یا اس نے ایسے متعدد گروہ بنا دیئے تھے جن میں سے بعض کو اس نے قوی قرار دیا تھا اور وہ قبطی تھے جو مصر کے قدیم باشندے تھے اور بعض کو اس نے ضعیف قرار دیا تھا اور یہ بنی اسرائیل تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں مصر میں آ کر آباد ہو گئے تھے' فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔علامہ قمولی نے اس حکم کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کی وجوہ

(۱) ایک کاہن نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کے ہاں آج رات کو ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے تمہارا ملک جاتا رہے گا'

اس رات بارہ لڑکے پیدا ہوئے' فرعون نے ان سب کو قتل کرادیا' اور اکثر مفسرین کے نزدیک بنی اسرائیل اس عذاب میں کئی سال تک مبتلا رہے۔ وہب بن منبہ نے کہا قبطیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نوے ہزار بنی اسرائیل کو قتل کر دیا۔ بعض علماء نے کہا کہ فرعون کا یہ حکم اس کی حماقت کی دلیل تھا' کیونکہ اگر اس کاہن کی یہ پیش گوئی سچی تھی تو بنی اسرائیل کو قتل کرنے سے فرعون کے ملک کا زوال دُور نہیں ہوسکتا تھا اور فرعون بچ نہیں سکتا تھا' اور اگر اس کاہن کی پیش گوئی جھوٹی تھی تو بنو اسرائیل کو قتل کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ ہمارے نزدیک کاہنوں اور نجومیوں کی پیش گوئیاں باطل ہوتی ہیں اور ان پر یقین کرنا جائز نہیں ہے' اور ان کی پیش گوئیوں کو برحق ماننے کا یہ مطلب ہے کہ وہ غیب کی خبر دینے میں سچے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی شخص غیب کو نہیں جان سکتا۔ کاہن نبی ہوتے ہیں نہ ولی اس لیے ان کے غیب پر مطلع ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ سو میں سے کوئی ایک آدھ بات ان کی اتفاقاً سچی نکلتی ہے اور اس سے ان کا غیب دان ہونا لازم نہیں آتا۔ فرعون کی حماقت واضح کرنے کے لیے جس اعتراض کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کا اعتراض تقدیر پر بھی کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کی تقدیر میں دوزخی ہونا لکھ دیا ہے تو پھر اس کے لیے نیکی کرنے کی کوششوں کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے متعلق دوزخی لکھا ہے جس کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ شخص اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جو اس کے دوزخی ہونے کا سبب ہوں گے۔

(۲) سدی نے کہا فرعون نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر پر پھیل گئی اور اس آگ نے قبطیوں کو جلا ڈالا جو مصر کے اصل باشندے تھے اور بنی اسرائیل کو نہیں جلایا' اس نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اس کو بتایا گیا کہ جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں' اسی شہر والوں کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں سے تمہاری مصر سے حکومت زائل ہو جائے گی اور تم بھی قتل کر دیئے جاؤ گے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو انبیاء تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے اور ان کے ہاتھوں فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر دی تھی اور یہ خبر کسی واسطے سے فرعون تک پہنچ گئی تھی' اس لیے اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (تفسیر کبیر ج ۸ص ۵۷۸-۵۷۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز فرعون کے متعلق فرمایا: بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا' یعنی وہ جو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر رہا تھا وہ محض شر اور فساد تھا' اس میں خیر اور اصلاح کا کوئی پہلو نہ تھا' اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو مسترد کرنے کی اس میں کوئی تاثیر نہ تھی۔

بنی اسرائیل کو امامت اور بادشاہت سے نوازنا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا گیا تھا۔ (القصص: ۵) یعنی فرعون بنی اسرائیل کو نچلے درجہ کی رعایا قرار دیتا تھا' جیسے بھارت میں برہمنوں کے مقابلہ میں اچھوتوں اور شودروں کو نچلی ذات کی مخلوق قرار دیا جاتا ہے اور پنجاب میں زمینداروں کے مقابلہ میں کسانوں کو اور سندھ میں وڈیروں کے مقابلہ میں ہاریوں کو نیچ اور کمی قرار دیا جاتا ہے اسی طرح مصر میں قبطیوں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو کم تر مخلوق قرار دیا جاتا تھا' اسی طرح اب بھی بعض لوگ سادات کے مقابلہ میں غیر سادات کو کم تر قرار دیتے ہیں' وہ غیر سادات کی بیٹیوں کو رشتہ میں لینا تو جائز کہتے ہیں اور ان کو اپنی بیٹیوں کا رشتہ دینا ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔

اور فرمایا: اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے) ملک کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ (القصص: ۵) حضرت ابن

عباس نے فرمایا یعنی ان کو نیک کاموں میں پیشوا بنانا چاہتے تھے۔ مجاہد نے کہا ان کو نیکی اور خیر کا داعی اور ہادی بنانا چاہتے تھے اور قتادہ نے کہا ان کو حکم ران اور بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ اور یہ تفسیر زیادہ عام اور شامل ہے' کیونکہ بادشاہ بھی امام ہوتا ہے اور اس کی اقتداء کی جاتی ہے' اور ہم ان کو وارث بنانا چاہتے تھے یعنی وہ فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کے وارث ہوں اور قبطیوں کے مکانوں میں رہائش پذیر ہوں' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۳۷)

اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں' اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہوگیا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا' اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

فرعون کا اپنے خدشات کا شکار ہونا

فرمایا: اور ہم ان کو (ان کے) ملک کا اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے۔ الآیہ: (القصص: ۶) یعنی ہم ملک شام اور ملک مصر کا اقتدار بنی اسرائیل کے سپرد کرنا چاہتے تھے' اور فرعون' ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے خواب کی وہ تعبیر دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے' کیونکہ ان کو یہ خبر دی گئی تھی کہ ان کی ہلاکت بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ہاتھوں سے واقع ہوگی۔ قتادہ نے کہا ان کو ڈرانے والا ایک نجومی تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اس سال ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کا ملک چلا جائے گا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی نے بیان کیا کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے۔ اس نے جادوگروں' کاہنوں' قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے' اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا' تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو' اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو' اس کو چھوڑ دیا جائے اور قبطیوں سے کہا کہ تم اپنے نیچ کام بنی اسرائیل سے کرایا کرو۔ ادھر بنو اسرائیل کے بوڑھے جلد مر گئے' تب قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ بنی اسرائیل کے بڑے تو مر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو یونہی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو یہ نیچ کام کرنے پڑیں گے' آپ ایسا کریں کہ ایک سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرائیں اور ایک سال ان کو چھوڑ دیں' اور جس سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جانا تھا اس سال حضرت موسیٰ کی والدہ حاملہ ہوئیں اور پھر حضرت موسیٰ پیدا ہوئے' اور مجاہد نے کہا جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو چھوڑنا تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال ان کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے' اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۷۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۶۷۴-۱۶۶۷۲' النکت والعیون ج ۴ ص ۲۳۴' تفسیر ابن کثیر ج ۳

ص ۴۱۸' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۴۸' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۶۲' ۱۳' مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ' اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا' بے شک ہم اس کو تمہارے پاس لائیں گے اور (ہم) اس کو رسول بنانے والے ہیں O سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا تا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے' بے شک فرعون' اور ہامان اور ان کے لشکر جرم کرنے والے تھے O اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اس کو قتل نہ کرنا' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور یہ لوگ (مستقبل کا) شعور نہیں رکھتے تھے O (القصص: ۹-۷)

حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کا معنی اور اس وحی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کے دل میں ڈال دی' اور یہ وحی نبوت نہیں تھی۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کو کس وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈال دیں آیا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے اور ان کو دودھ پلانے کے فوراً بعد یا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چار ماہ بعد ان کو دریا میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ ان کے پیدا ہونے کے بعد چار ماہ تک وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں' ابوبکر بن عبداللہ نے کہا ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ حضرت موسیٰ کے پیدا ہوتے ہی ان کو دریا میں ڈال دینا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو ان پر خطرہ ہو تو پھر تم ان کو دریا میں ڈال دینا۔ ان کی ماں نے ان کو ایک باغ میں رکھا ہوا تھا اور وہ ہر روز وہاں جا کر ان کو دودھ پلاتی تھیں' اور سدی نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے ان کو دودھ پلایا' پھر ایک بڑھئی کو بلایا اور اس کو تابوت بنانے کا حکم دیا پھر وہ تابوت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں ان اقوال میں اولیٰ قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں کو دودھ پلانے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب ان کو فرعون اور اس کے لشکر سے خطرہ محسوس ہو تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد تک ان کو دودھ پلایا ہو پھر جب ان کو حضرت موسیٰ کی جان پر خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا۔ (جامع البیان ج ۲۰ ص ۳۸-۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان پر خوف اور غم نہ کرنا' خوف اس پریشانی کو کہتے ہیں جس کے لاحق ہونے کا مستقبل میں خطرہ ہو اور غم اس حزن اور ملال کو کہتے ہیں جو ماضی کی کسی مصیبت اور نقصان کی وجہ سے ہو' گویا کہ فرمایا تم مستقبل میں فرعون کے ہاتھوں ان کی ہلاکت کا خطرہ محسوس نہ کرنا اور نہ اس وجہ سے پریشان ہونا' اور نہ ان کی جدائی میں غم گین ہونا' کیونکہ بے شک ہم ان کو تمہارے پاس لائیں گے' تا کہ تم ہی ان کو دودھ پلاؤ اور ہم ان کو اس سرکش قوم کی طرف رسول بنا کر مبعوث کریں گے' اور ان کے سبب سے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیں گے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات عطا کریں گے۔

حضرت موسیٰ کی ولادت کے سلسلہ میں ارہاصات (اعلانِ نبوت سے پہلے کے خلافِ عادت واقعات)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعہ میں کئی خلافِ عادت واقعات ہوئے ان کو آگ نے نہیں جلایا' ان کے

خلاف جاسوسی کرنے: الا گونگا اور اندھا ہو گیا' ان کی والدہ کو عام عورتوں کی طرح حمل نہیں ہوا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے وضع حمل کا زمانہ قریب آ گیا' فرعون نے دائیوں کو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہوا تھا' ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ کی ماں کی سہیلی اور مخلص دوست تھی جب ان کو دردزہ کی سخت تکلیف ہوئی تو انہوں نے اپنی اس سہیلی کو بلوایا اور کہا تم دیکھ رہی ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہے' تمہاری محبت آج میرے کام آنی چاہیے' اس نے اپنی کارروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کی آنکھوں میں جو نور تھا اس سے وہ دائی دہشت زدہ ہو گئی اور اس کا جوڑ جوڑ دہشت سے کانپنے لگا' اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سما گئی' پھر اس نے حضرت موسیٰ کی ماں سے کہا جب تم نے مجھے بلایا تھا تو میرا ارادہ تھا کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گی' لیکن تمہارے اس بیٹے سے مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی کہ اتنی محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی تھی' تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں' جب دائی ان کے گھر سے نکلی تو فرعون کے بعض جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا' وہ حضرت موسیٰ کی ماں سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے' حضرت موسیٰ کی بہن نے کہا اے اماں! دروازہ پر سپاہی کھڑے ہوئے ہیں اور اس نے حضرت موسیٰ کو کپڑے میں لپیٹ کر جلتے ہوئے تنور میں رکھ دیا' اس وقت شدت خوف سے اس کی عقل خبط ہو چکی تھی' اور اس کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو تنور جل رہا تھا' انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کی ماں اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھیں' انہوں نے پوچھا یہ دائی تمہارے ہاں کیوں آئی تھی؟ اس نے کہا وہ میری محب اور دوست ہے وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھی' سپاہی چلے گئے' پھر اس نے حضرت موسیٰ کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے پتہ نہیں! پھر تنور سے بچے کے رونے کی آواز آئی' وہ دوڑ کر تنور کی طرف گئی' اللہ تعالیٰ نے اس تنور کو حضرت موسیٰ پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا' انہوں نے بچے کو اٹھا لیا' پھر جب حضرت موسیٰ کی ماں نے دیکھا کہ فرعون بچوں کی تلاشی لینے میں بہت سختی کر رہا ہے تو ان کو اپنے بیٹے کا خطرہ ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ بچے کو ایک تابوت میں رکھ کر اس تابوت کو دریائے نیل میں بہا دیں' وہ قوم فرعون کے ایک بڑھئی کے پاس گئیں اور اس سے ایک چھوٹا تابوت خریدا۔ بڑھئی نے پوچھا تم اس تابوت کا کیا کرو گی؟ انہوں نے کہا میں اس تابوت میں اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی اور انہوں نے جھوٹ بولنے کو ناپسند کیا' جب وہ تابوت لے کر چلی گئیں' تو وہ بڑھئی فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ ان کو حضرت موسیٰ کی ماں کی کارروائی کی خبر دے' جب اس نے بولنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب کر لی' اور وہ کوئی بات نہ کر سکا' اور ہاتھوں سے اشارے کر کے بتانے لگا' ان لوگوں کو کچھ سمجھ نہ آیا انہوں نے اس کو پاگل سمجھ کر مار پیٹ کر نکال دیا' جب وہ بڑھئی اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی واپس کر دی' وہ بولنے لگا' وہ پھر دوبارہ ذبح کرنے والوں کے پاس گیا وہاں جا کر پھر اس کی گویائی سلب ہو گئی۔ اس نے پھر اشاروں سے بات کرنی چاہی انہوں نے پھر اس کو مار پیٹ کر نکال دیا' جب وہ دوسری بار مار کھا کر اپنے گھر پہنچا تو پھر اس کی گویائی واپس آ گئی' وہ پھر ذبح کرنے والوں کے پاس گیا تاکہ ان کو خبر دے' اس بار اس کی گویائی بھی جاتی رہی اور اس کی بینائی بھی جاتی رہی' اس کو نہ کچھ دکھائی دیا نہ بات کر سکا' وہ پھر تیسری بار مار کھا کر پلٹا' اس بار اس نے صدق دل سے عہد کیا کہ اگر اس بار اللہ نے اس کی گویائی اور بینائی واپس کر دی تو وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا' اور جب تک زندہ رہے گا اس کو راز رکھے گا' اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بینائی واپس کر دی وہ اللہ کے لیے سجدہ شکر میں گر پڑا اور اس نے جان لیا کہ یہ واقعہ اللہ کی طرف سے تھا۔

اور وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی ماں کو حمل ہو گیا تو انہوں نے اس کو لوگوں سے چھپایا' اور ان کے حاملہ ہونے کا کسی کو پتا نہیں چلا' اور چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر احسان کرنا چاہتا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو مستور رکھا اور جس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے اس سال فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کی تفتیش کے لیے دائیوں کو بھیجا اور بہت سختی سے عورتوں کی تلاشی لی گئی' جتنی اس سے پہلے کبھی تلاشی نہیں لی گئی تھی' اور جب حضرت موسیٰ کی ماں کو حمل ہوا تو ان کا پیٹ پھولا اور نہ ان کا رنگ بدلا' تو دائیوں نے ان سے کچھ سروکار نہیں رکھا' اور جس رات حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اس رات ان کے پاس کوئی دائی تھی نہ کوئی اور مددگار تھا' اور ان کی پیدائش پر ان کی بہن مریم کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کیا کہ وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں اور جب ان پر خطرہ محسوس کریں تو ان کو ایک تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیں' ان کی ماں ان کو گود میں تین ماہ تک دودھ پلاتی رہیں' وہ گود میں روتے تھے نہ کوئی حرکت کرتے تھے' اور جب ان کو حضرت موسیٰ پر خطرہ ہوا تو انہوں نے ان کو تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۳-۵۲۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے' ان کے علاوہ علامہ علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ' علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ' امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ نظام الدین الحسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم مفسرین نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے' ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۱۶-۱۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' الوسیط ج ۳ ص ۳۹۰' الکشاف ج ۳ ص ۳۹۸' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۰-۵۷۹' تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۸۰' غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ ص ۳۲۸' روح البیان ج ۶ ص ۴۹۱' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۸' روح المعانی جز ۲۰ ص ۶۹)

حضرت موسیٰ کی ماں کا نام

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ امام سہیلی نے کہا کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا نام ایارخا تھا اور ایک قول ایارخت ہے' اور علامہ ثعلبی نے کہا ان کا نام لوحابنت ھاند بن لاوی بن یعقوب تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۳۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے' ان کا نام یوحانذ بنت لاوی بن یعقوب تھا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا نام اناحید تھا (تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۹ھ) امام ابوالکرم محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۳۰ھ نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کی ماں کا نام یوحانذ تھا۔ (الکامل ج ۱ ص ۹۵' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ) امام عبدالرحمان بن علی الجوزی التوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ ان کی ماں کا نام یوخابذ تھا۔ (المنتظم ج ۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول ہے کہ ان کا نام محیانۃ بنت یصھر بن لاوی ہے' ایک قول ہے ان کا نام یوخابذ ہے ایک قول یارخا ہے ایک قول

یا رخت ہے اور ان کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ کے فرعون کے گھر پہنچنے میں مزید ارہاصات

سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اُٹھالیا تا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے۔ الآیۃ (القصص: ۹-۸)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی' اور فرعون کے نزدیک وہ سب سے زیادہ مکرم تھی اور فرعون کے پاس ہر روز اس کی تین فرمائشیں تھیں' اس لڑکی کو برص کی شدید بیماری تھی' فرعون نے اس کے علاج کے لیے تمام اطباء اور جادوگروں کو جمع کیا تھا' انہوں نے اس کے معاملہ میں غور کر کے کہا اے بادشاہ! تمہاری یہ بیٹی صرف دریا کی طرف سے تندرست ہو سکتی ہے اس دریا سے انسان کے مشابہ کوئی شخص ملے گا' اس کے لعاب دہن کو جب اس کے برص پر لگایا جائے گا تو یہ تندرست ہو جائے گی' اور یہ کام فلاں دن اور فلاں وقت میں طلوع آفتاب کے بعد ہو گا' جب وہ دن آیا (وہ پیر کا دن تھا) تو فرعون ایک مجلس میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھ گیا' اس کے ساتھ اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی' اور فرعون کی بیٹی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں کہ دریا کی موجیں ایک تابوت کو لے آئیں فرعون نے کہا یہ دریا میں کوئی چیز ہے جو درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے اس کو میرے پاس لاؤ' لوگ ہر طرف سے کشتیاں لے کر دوڑے حتیٰ کہ اس تابوت کو فرعون کے سامنے لا کر رکھ دیا' انہوں نے بڑی مشکل سے اس تابوت کو کھولا تو اس میں کم سن بچہ تھا' اس کی آنکھوں کے درمیان نور تھا' اور وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہا تھا' اللہ تعالیٰ نے آسیہ اور فرعون کے دل میں اس کی محبت ڈال دی' جب اس بچہ کو تابوت سے نکالا تو جہاں اس کا لعاب دہن گرا تھا فرعون کی بیٹی نے اس کو اُٹھا کر اپنے برص کے داغوں پر لگایا تو وہ تندرست ہو گئی' اس نے اس بچہ کو چوما اور اپنے سینہ سے لگایا' فرعون کی قوم کے گمراہ لوگوں نے کہا اے بادشاہ! ہمارا گمان ہے کہ یہی بنی اسرائیل کا وہ بچہ ہے جس سے ہم کو خطرہ تھا' انہوں نے اس کو آپ کے ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہے' آپ اس کو قتل کر دیں' فرعون نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا آپ اس کو قتل نہ کریں' ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں اور وہ بے اولاد تھی' اس نے فرعون سے حضرت موسیٰ کو مانگ لیا اور فرعون نے اس کو دے دیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۴-۵۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام ابوالقاسم علی ابن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے اس روایت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۱۷-۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ان کے علاوہ امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ نظام الدین الحسن بن محمد متوفی ۷۲۸ھ' علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ' علامہ ابوالسعود حنفی متوفی ۹۸۲ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان الجمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی متوفی ۱۲۴۱ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا ذکر کیا ہے' ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۰' غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ ص ۳۲۹-۳۲۸' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۴۳۱' تفسیر ابوالسعود ج ۵ ص ۱۱۴-۱۱۳' روح البیان ج ۶ ص ۴۹۱' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۹' روح المعانی جز ۲۰ ص ۷۰-۶۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فرعون کہتا کہ یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو حضرت موسیٰ دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو جاتے۔ امام بغوی کی روایت میں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی آسیہ کی طرح ہدایت دے دیتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۹۴، معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۶۰۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں (ہم نے اس لیے ڈھارس دی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدہ پر) اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○ اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دُور دُور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہ ہوا ○ اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی آیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہو ○ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کر لے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (القصص: ۱۳-۱۰)

حضرت موسیٰ کی ماں کے دل خالی ہونے کے محامل

فرمایا اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا۔ الآیۃ (القصص: ۱۱-۱۰) دل خالی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا ان کا دل حضرت موسیٰ کی فکر اور ان کے غم کے سوا ہر فکر اور غم سے خالی ہو گیا تھا۔

(۲) علامہ زمخشری نے کہا ان کا دل عقل سے خالی ہو گیا تھا کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان پر اس قدر گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوئی کہ ان کے ہوش و حواس اُڑ گئے اور ان کی عقل ماؤف ہو گئی اور اس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

(۳) امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کی طرف الہام کیا تھا کہ تم اس کو دریا میں ڈال دو اور تم خوف اور غم نہ کرنا ہم اس کو تمہاری طرف واپس لائیں گے ان کا دل اس الہام سے خالی ہو گیا اور شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ فرعون تمہارے بیٹے کو قتل کر دے گا' اور یہ خود تمہارا کیا دھرا ہے' اور جب ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت موسیٰ اب فرعون کے ہاتھوں میں ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا الہام بھول گیا' اور اس عظیم صدمہ کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ یاد نہ رہا۔

(۴) ابو عبیدہ نے کہا ان کا دل غم اور فکر سے خالی تھا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی حفاظت کرے گا اور فرعون ان کو قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

(۵) ابن قتیبہ نے اس معنی پر اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کی ماں کا دل ہر غم اور فکر سے خالی تھا اور وہ حضرت موسیٰ کے متعلق مطمئن تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہوگی کہ اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل یقین تھا اس لیے وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ حضرت موسیٰ ان کے بیٹے ہیں جو فرعون کے گھر پہنچ گئے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس راز کے مخفی رکھنے پر ان کے دل کو مضبوط رکھا' اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا دل حضرت موسیٰ کے متعلق فکر مند

نہیں تھا اور وہ مطمئن تھیں اور اس پر مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کو خبر پہنچ گئی تھی کہ فرعون کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا ہے اور فرعون نے حضرت موسیٰ کو انہیں ہبہ کر دیا ہے' اور یہ اس لیے تھا کہ ان کو اللہ کے وعدہ پر کامل وثوق اور اعتماد تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۲-۵۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوسری عورتوں کا دودھ نہ پینے کی وجوہ

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا' سو وہ کہنے لگی آیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کی خیر خواہ ہو ○ (القصص: ۱۲)

یعنی حضرت موسیٰ کی بہن کے پہنچنے سے پہلے یا حضرت موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹانے سے پہلے' ہم نے ان پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا' اور ان پر ان کے دودھ کو حرام کرنے سے مراد شرعاً حرام کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر ان کا دودھ طبعاً ممتنع کر دیا تھا' اور باقی عورتوں کا دودھ پینے سے ان کو متنفر کر دیا تھا اور وہ بھوک لگنے اور دودھ کی طلب کے باوجود ان عورتوں کا دودھ نہیں پی رہے تھے' یعنی ان کو اپنی ماں کا دودھ پینے میں جو لذت آتی تھی ان عورتوں کا دودھ پینے میں وہ لذت نہیں آ رہی تھی' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین ماہ تک اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے اور ان کی ماں کے جسم سے جو خوشبو آتی تھی وہ اس خوشبو سے مانوس ہو چکے تھے' اور ان کے دودھ کے ذائقہ کے عادی ہو چکے تھے اور جب دوسری عورتوں کے جسم سے وہ خوشبو نہیں آئی اور نہ ان کے دودھ کا وہ ذائقہ تھا تو انہوں نے دودھ کی طلب اور بھوک کے باوجود دوسری عورتوں کا دودھ نہیں پیا' یا اللہ تعالیٰ نے دوسری دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ میں ایسی کڑواہٹ پیدا کر دی کہ انہوں نے بھوک کے باوجود ان کا دودھ نہیں پیا۔

اس کے بعد فرمایا: سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کرلے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (القصص: ۱۳)

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے محامل

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اکثر لوگ اس لیے نہیں جانتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتے تھے۔

(۲) ضحاک اور مقاتل نے کہا کہ اہل مصر کو یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کو ان کی طرف لوٹا دیں گے۔

(۳) اس آیت میں اگرچہ یہ فرمایا ہے کہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمانے والا ہے اور نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف تعریض ہے صراحتاً نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف ہے اور مراد وہ ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کے فرعون کے پاس پہنچنے کے بعد ان کو بہت غم ہوا تھا اور وہ حضرت موسیٰ کے متعلق بہت فکر مند تھیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کرنے کی وجہ سے ان کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو جلد ان سے ملا دے گا' لیکن بہرحال ماں کی مامتا بھی ایک طبعی چیز ہے اور وہ اپنے طبعی تقاضوں کو ختم کرنے پر قادر نہیں تھیں۔

(۴) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ان کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے' حضرت موسیٰ

کو ان کی طرف واپس کرنے سے اصل مقصود ایک دینی غرض تھی اور وہ یہ تھی کہ فرعون کا منصوبہ ناکام ہو جائے' لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اصل مقصود کیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا غم دُور ہو جائے اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں' ان کا ذکر بالتبع تھا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کے دودھ کو قبول کرلیا تو ہامان نے ان سے کہا تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو' انہوں نے کہا نہیں! اس نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اس بچہ نے تمہارے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! میں صاف ستھری اور خوشبو لگانے والی عورت ہوں' اور میرا دودھ میٹھا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس بچہ نے مجھے سونگھتے ہی میرے دودھ کو قبول کرلیا۔ فرعونیوں نے کہا تم نے سچ کہا ہے' پھر آل فرعون کے تمام لوگوں نے حضرت موسیٰ کی ماں کو سونے اور جواہر کے ہدیئے اور تحائف دیئے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳-۵۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن کے فضائل اور جنت میں ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں چار خطوط کھینچے' پھر آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیسے خطوط ہیں؟ مسلمانوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں' اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور مریم ابنۃ عمران ہیں اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۲۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۲۲' المستدرک ج ۳ ص ۱۸۵' حافظ ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے' حافظ الہیثمی نے بھی کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں کی سردار مریم بنت عمران ہیں' پھر فاطمہ بنت محمد ہیں' پھر خدیجہ ہیں' پھر آسیہ ہیں فرعون کی بیوی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۷۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۱۱۱' المستدرک ج ۴ ص ۳۳-۳۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۲۷۱)

حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے مریم بنت عمران' فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن سے میرا نکاح کردیا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۸۵' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۲۴۷)

حافظ الہیثمی نے اس مضمون کی امام طبرانی سے دو اور حدیثیں نقل کی ہیں مگر دونوں کے متعلق لکھا ہے' ان میں ضعیف راوی ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ

اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے' تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح

نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ

نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ○ اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے تو

اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا

وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان

مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ

کے مخالفین میں سے تھا' سو جوان کی قوم میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جوان کے مخالفوں میں سے تھا'

عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ

پس موسیٰ نے اس کو مکا مارا سو اس کو ہلاک کر دیا' موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا' بے شک شیطان دشمن

اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ

ہے اور کھلم کھلا بہکانے والا ہے ○ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما'

فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ

پس اللہ نے اس کو معاف کر دیا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا

تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ○ پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح

يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ

کی (کہ اب کیا ہوگا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی' پھر ان کو مدد کے لیے پکار رہا تھا' موسیٰ نے

لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ

اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے ○ پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا

بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا

جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے (غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ! کیا آج تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل

قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا

تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا! تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (دادا گیر) بن

فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ

جاؤ اور تم مصلحین میں سے نہیں بننا چاہتے O اور ایک مرد شہر کے آخری

رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ

کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے قتل کا

يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

مشورہ کررہے ہیں سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیرخواہوں میں سے ہوں O سو موسیٰ اس شہر سے

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۸ ۵

ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا! انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہوگئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا' اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے اور وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا' اور یہ (دوسرا) ان کے مخالفین میں سے تھا' سو جوان کی قوم میں سے تھا' اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جوان کے مخالفوں میں سے تھا' پس موسیٰ نے اس کے مکا مارا سو اس کو ہلاک کر دیا۔ موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا' بے شک شیطان دشمن ہے اور کھلم کھلا بہکانے والا ہے O موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما' پس اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا O (القصص: ۱۷-۱۴)

اشد اور استواء کے معنی کی تحقیق

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بلغ اشدہ واستوی' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے یعنی جب حضرت موسیٰ اپنے طبعی ارتقاء کے کمال کو پہنچ گئے اور ان کا مزاج معتدل ہو گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں اور ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) اشد کا معنی ہے جسمانی اور بدنی قوت کا کمال اور استواء کا معنی ہے قوت عقلیہ کا کمال یعنی جب ان کا بدن اور ان کی عقل کامل ہو گئی۔

(۲) اشد کا معنی ہے ان کی قوت کا کمال اور استواء کا معنی ہے ان کی خلقت کا کمال' یعنی جب ان کی قوت اور ان کی تخلیق اپنے کمال کو پہنچ گئی۔

(۳) اشد کا معنی ہے وہ بلوغت کو پہنچ گئے اور استواء کا معنی ہے ان کی تخلیق کامل ہو گئی' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو جہاں تک

بنانا تھا وہاں تک بنا دیا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عام طور پر انسان اٹھارہ سال سے تیس سال تک اشد ہوتا ہے اور اس کی قوت اور جسامت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور تیس سال سے چالیس کی عمر تک اسی حالت پر قائم رہتا ہے' اس کی جسامت اور قوت میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی' اور چالیس سال سے اس کی جسامت اور قوت میں کمی ہونا شروع ہوتی ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد برحق ہے' کیونکہ انسان کی عمر کی ابتدا سے اس میں نشو ونما شروع ہوتی ہے' پھر وہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے' پھر اس کے بعد اس کا جسم کم ہونا شروع ہوتا ہے' انسان کے جسم کی نشو ونما بیس سال کی عمر تک ہوتی ہے اور بیس سال سے تیس سال کی عمر تک نشو ونما بہت کم ہوتی ہے اور اس کی قوت میں بہ تدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے اور تیس سال سے چالیس سال تک وہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے اور چالیس سال سے ساٹھ سال کی عمر تک اس کی جسامت میں کمی ہوتی ہے لیکن یہ کمی غیر واضح اور خفی ہوتی ہے اور ساٹھ سال سے آخر عمر تک اس کے جسم میں واضح کمی ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سلیمان جمل نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی عمر اس وقت تیس (۳۰) سال تھی' دس سال مدین میں رہے اور چالیس سال کی عمر میں ان کو نبوت عطا کی گئی۔ (جمل ج ۳ ص ۳۳۹)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ اشد کا معنی ہے حد قوت تک پہنچ جانا اور یہ حد شہروں' زمانوں اور احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اسی وجہ سے لغت اور تفسیر کی کتابوں میں اس کی مختلف تعبیرات ہیں' اور اولیٰ یہ ہے کہ اشد کا معنی ہے بدن اور جسم کی قوت کا اپنے کمال کو پہنچنا اور نشو ونما کا رُک جانا' اور استواء کا معنی ہے عقل کا اپنے کمال اور اعتدال کو پہنچ جانا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بغیر کسی حدیث کے اشد اور استواء کے لیے کسی عمر کا تعین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز شہروں' زمانوں اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۸۷-۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کی تحقیق کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے یا اس کو چالیس سال کی عمر میں نبوت دی جاتی ہے

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۴۰۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لیے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابو سعود متوفی ۹۸۲ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی جاتی ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۴ ص ۲۸۶' تفسیر ابن السعود ج ۵ ص ۱۱۶)

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے:

مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۳ ص ۳۹۷)

علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ (مریم: ۱۲) اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا' اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے۔ (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثریہ ہے)

(عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ انبیاء کو مبعوث کرنے کے لیے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں (جب ان کو کنوئیں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی:

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف: ۱۵) اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی' اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تاکہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی ہے' سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے' اور شیخ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب: ۲۹۸ میں کہا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی' نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۵۳-۳۵۲' ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے' بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے' ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ. (الانعام: ۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الجمعۃ:۴) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (کنز الایمان)

اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب وریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۸، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۶ھ)

نیز علامہ امجد علی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب وخیانت وجہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۸، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۶ھ)

عوام میں مشہور ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی، حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں، حضرت عیسیٰ کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس (۴۰) سال کی عمر میں نبوت دی گئی، اور اکثر نبیوں کو چالیس (۴۰) سال کی عمر میں ہی نبوت دی گئی ہے، صدر الشریعۃ کی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، خصوصاً انہوں نے قبل نبوت اور بعد نبوت کی قید جو لگائی ہے۔

(تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۴۸-۶۴۶، اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۱۹-۶۱۸ کا بھی مطالعہ کریں)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کائنات سے پہلے نبوت سے متصف ہونا

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ کو پیدائش سے بھی پہلے نبی بنا دیا گیا تھا، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۸۵۶)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے خمیر میں تھے، اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتدا کے متعلق بتاؤں گا (میں) حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا، ان کے لیے ایک نور نکلا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷، المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۲، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۹، البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۹۰، طبع جدید)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا، باقی انبیاء صرف اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے، اگر تم یہ پوچھو کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا، یا اس وقت بھی موجود

تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لیے فرمایا کہ آپ کو تمام انبیاء سے پہلے نبوت دی گئی' کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لیے اللہ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء اور مرسلین کے مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ ہی قطب الاقطاب ہیں' اور آپ ہی تمام اولین اور آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں' اور آپ ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ سے پہلے ہو جب آپ غیب میں تھے' یا آپ کے بعد ہو جب آپ عالمِ شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا معنی واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا' اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لیے تمام موجودات کے لیے وسیلہ ہیں' اور انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لیے بھی آپ وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے' اور جب انبیاء ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں' اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ کی شریعت باقی رہی۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم تو سب سے پہلے آپ کی روح نے بلیٰ کہا۔

(روح المعانی جز ۹ ص ۱۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ کو حکم اور علم دینے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ (القصص: ۱۴)

حکم اور علم کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب ان کی عمر چالیس سال ہو گئی' اور حکم سے مراد ہے وہ حکمت جو ان کو نبوت سے پہلے دی گئی' اور علم سے مراد ہے دین کی فقہ' امام محمد بن اسحاق نے کہا ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم دیا گیا' اور بنی اسرائیل میں سے نو (۹) آدمی تھے جو ان کے احکام سنتے تھے اور ان کی اقتداء کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے

اور یہ ان کو نبوت دے جانے سے پہلے کا معاملہ تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ص ۲۳۹)

حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے' اور وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا: تو انہوں نے جان لیا کہ فرعون اور اس کی قوم باطل پر ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دین حق کا بیان کیا اور ان کے دین کی مذمت کی' اور یہ چیز مشہور ہوگئی' اور فرعونی ان کے مخالف ہو گئے' اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت ان کا وعظ سنتی تھی اور ان کی اقتداء کرتی تھی' پھر فرعون کا خطرہ یہاں تک بڑھا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے شہر میں بہت محتاط ہو کر داخل ہوتے تھے' ایک مرتبہ وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب شہر والے غافل تھے' اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت وہ لوگ قیلولہ (دوپہر کو نیند) کر رہے تھے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا مگر پہلی روایت اولیٰ ہے۔ آیت کی تفسیر میں ابن زید نے یہ کہا ہے کہ اس غفلت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ نیند میں غافل تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ کے واقعہ اور ان کے ذکر سے غافل ہو چکے تھے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کم سن تھے تو انہوں نے فرعون کے سر پر لاٹھی ماری تھی اور اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی' تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا پھر کچھ انگارے لائے گئے' حضرت موسیٰ نے انگارے اُٹھا کر منہ میں ڈال لیے تھے جس سے ان کی زبان جل گئی تھی اسی وجہ سے ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی' تب فرعون نے کہا تھا اس کو قتل نہ کرو لیکن اس کو اس گھر سے اور اس شہر سے نکال دو۔ پس حضرت موسیٰ کو نکال دیا گیا اور وہ جوان ہونے تک اس شہر میں داخل نہیں ہوئے اور لوگ ان کا ذکر بھول بھال گئے۔

(جامع البیان جز ۲۰ص ۵۴-۵۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عصمت انبیاء پر اعتراض کا جواب

حضرت موسیٰ جب جوان ہو گئے تو وہ ایک دن شہر میں جا رہے تھے' انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا' ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا آل فرعون سے تھا۔ اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی' حضرت موسیٰ نے غضب میں آکر فرعونی کے ایک گھونسا مارا' ان کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہ تھا' لیکن وہ شخص مر گیا تب حضرت موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا۔

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی سے کہا اس اسرائیلی کو چھوڑ دو' اس فرعونی نے کہا اے موسیٰ! تم کو معلوم نہیں یہ ہمارے مالک فرعون کو برا کہتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے خبیث! تم نے جھوٹ بولا' بلکہ مالک صرف اللہ ہے اور فرعون اور اس کے کاموں پر لعنت ہو' جب فرعونی نے یہ بات سنی تو وہ اسرائیلی کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ سے لڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور وہ قضاءً مر گیا۔

(تاریخ دمشق ج ۶۴ ص ۲۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جو لوگ عصمت انبیاء کے قائل نہیں ہیں وہ اس واقعہ کی وجہ سے عصمت انبیاء پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے خود اعتراف کیا کہ یہ شیطان کا عمل تھا اور انہوں نے اس پر استغفار کیا اور کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھونسا نہیں مارا تھا' بلکہ تادیباً گھونسا مارا

تھا' اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے جو یہ فرمایا کہ یہ شیطان کا عمل تھا یہ بحسب الظاہر فرمایا یعنی ظاہر میں یہ شیطانی عمل تھا اگرچہ حقیقت میں ایسا نہ تھا' اور انہوں نے جو یہ دعا کی اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما تو یہ ان کی تواضع اور انکسار ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی: ربنا ظلمنا انفسنا. (الاعراف: ۲۳)

حضرت موسیٰ کے اس قول کی توجیہات کہ "میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا"

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے دعا میں عرض کیا: اے میرے رب چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ (القصص: ۱۷)

انعام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان کو حکم اور علم عطا فرمایا تھا اور ان کو انبیاء سابقین کی سیرت اور ان کے طریقہ پر چلایا تھا' اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے کو معاف فرما دیا تھا کیونکہ یہ وحی کے نزول سے پہلے کا واقعہ تھا' اور اس وقت ان کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو معاف فرما دیا ہے۔ ثعلبی نے کہا حضرت موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ چونکہ تو نے اس قتل کے بعد مجھ کو کوئی سزا نہیں دی' اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ چونکہ تو نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور مجھے استغفار کرنے کی توفیق عطا کی سو اس کے شکر میں' میں اب کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔

مجرموں کی مدد نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں اب فرعون کے ساتھ نہیں رہوں گا' کیونکہ حضرت موسیٰ ایک روایت کے مطابق فرعون کے ساتھ رہا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ابن فرعون کہلاتے تھے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں کسی شخص کی ایسی مدد نہیں کروں گا جو مجھے کسی جرم کے ارتکاب تک پہنچا دے' جیسے میں نے اس اسرائیلی کی مدد کی جس کے نتیجہ میں ایک فرعونی میرے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا' اور میں مجرمین کے خلاف مسلمانوں کی مدد ترک نہیں کروں گا۔ اس تفسیر کے مطابق وہ اسرائیلی مومن تھا اور مومن کی مدد کرنا تمام شریعتوں میں واجب ہے۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق وہ اسرائیلی کافر تھا اور قرآن شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی جماعت سے تھا' اس سے مراد دین میں موافقت نہیں ہے صرف نسب میں موافقت ہے' اسی بناء پر حضرت موسیٰ نادم ہوئے کیونکہ انہوں نے ایک کافر کی کافر کے خلاف مدد کی تھی۔ پس انہوں نے کہا میں آئندہ مجرمین یعنی کافرین کی مدد نہیں کروں گا لیکن ان کا یہ اقدام گناہ نہیں تھا کیونکہ وہ اسرائیلی مظلوم تھا اور مظلوم خواہ کافر ہو اس کی مدد کرنا مستحسن ہے' اور اس پر حضرت موسیٰ کا نادم ہونا محض ان کی تواضع اور انکسار ہے۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ قول خبر نہیں ہے بلکہ دعا ہے اور اس کا معنی یہ ہے اے میرے رب! مجھے مجرموں کا مددگار نہ بنانا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴۲' زاد المسیر ج ۶ ص ۲۰۹-۲۰۸)

قرآن مجید اور احادیث سے ظالم کی مدد کرنے کی ممانعت

اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ ظالموں کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ عطا نے کہا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظالم کی مدد کرے نہ اس کو کچھ لکھ کر دے اور نہ اس کی مجلس میں بیٹھے اور اگر اس نے ان میں سے کوئی کام کیا تو وہ ظالموں کا مددگار ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ . ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو بھی دوزخ کا عذاب پہنچے گا۔ (ھود:۱۱۳)

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کے ساتھ مدد کی، یا ظلم کی مدد کی تو جب تک وہ اس سے رجوع نہیں کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۳۲۰، المستدرک ج ۴ ص ۹۹، جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۰۲۹۷، کنز العمال رقم الحدیث:۱۴۹۴۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۴۷۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مقدمہ میں علم کے باوجود ظالم کی ظلم کے ساتھ مدد کی اس سے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہوگیا۔

(تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۷۹، کنز العمال رقم الحدیث:۱۴۹۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی کہ اس کے باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے کسی کا حق ضائع کردے تو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ بری ہوگا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۰۲۹۶، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۴۷۴، المستدرک ج ۴ ص ۱۰۰، قدیم، المستدرک رقم الحدیث:۷۰۵۲، جدید۔ تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۶ ص ۱۹۰، رقم الحدیث:۱۲۲۹۰)

تاریخ دمشق کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے:

اور جس نے مسلمانوں کے عہدہ پر کسی مسلمان کو مقرر کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ مسلمانوں میں اس سے بہتر شخص موجود ہے جو اس سے زیادہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو جاننے والا ہے تو اس نے اللہ سے، اس کے رسول سے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خیانت کی، اور جو شخص مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز ہوا تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے معاملات نہ نمٹائے اور ان کی ضروریات کو پورا نہ کرے، اور جس نے ایک درہم بھی سود کھایا اس کو چھتیس (۳۶) بار زنا کا گناہ ہوگا اور جس کا گوشت حرام سے بنا ہو اس کے دوزخ زیادہ لائق ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ظالم کی مدد کی اللہ اس ظالم کو اس پر مسلط کردے گا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۰۲۹۵، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۴۷۲، ضعیف الجامع للالبانی رقم الحدیث:۵۴۴۵)

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کے باوجود کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لیے گیا تو وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۵۷۰۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۶۱۹، مسند الشامیین رقم الحدیث:۱۹۱۱، شعب الایمان رقم الحدیث:۷۶۷۵، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰۵، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۹۰۴۹، کنز العمال رقم الحدیث:۱۴۹۵۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ اس کا حق ثابت کرنے کے لیے گیا، اللہ اس دن اس کو ثابت قدم رکھے گا جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۷۰۵ ، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۷۴ ، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۰۴)

ظالموں کی مدد نہ کرنے کے متعلق اور بھی بہت احادیث اور آثار ہیں لیکن میں اختصار کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کر رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح کی (کہ اب کیا ہوگا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی' پھر ان کو مدد کے لیے پکار رہا تھا' موسیٰ نے اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے O پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے (غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ کیا تم آج مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو' جس طرح کل تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا! تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (دادا گیر) بن جاؤ اور تم مصلحین میں سے نہیں بننا چاہتے O (القصص: ۱۹-۱۸)

اپنی جماعت کے اسرائیلی کو کھلا ہوا گمراہ کہنے کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ کے گھونسے سے وہ فرعونی ہلاک ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف کی حالت میں اس دن کے بعد صبح کی' آپ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے ہاتھ سے وہ فرعونی مارا گیا ہے تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا' پس دوسرے دن آپ چھپتے ہوئے نکلے' اچانک آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی کل والا اسرائیلی جس نے گزشتہ کل آپ سے مدد طلب کی تھی' وہ پھر مدد کے لیے چلا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کا فرد تھا تو آپ نے اس کو کھلا ہوا گمراہ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سخت بے وقوف اور احمق تھی' انہوں نے اس پر دلائل کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسا ان لوگوں کا خدا ہے۔

(الاعراف: ۱۳۸)

تو غوی مبین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ تم جاہل اور احمق ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص ہر روز کسی سے جھگڑا کرے وہ کھلا ہوا گمراہ ہی ہوگا۔

اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو جبار (دادا گیر) کیوں کہا تھا

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مشترک دشمن کو پکڑنا چاہا تو اس اسرائیلی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ اس کو پکڑ رہے ہیں اس لیے اس نے کہا آپ تو اس شہر میں جبار یعنی زور اور زبردستی کرنے والے بننا چاہتے ہیں جس کو ہمارے عرف میں دادا گیر کہتے ہیں اور اس اسرائیلی کا حضرت موسیٰ کو جبار یعنی دادا گیر کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دراصل کافر تھا۔ جبار سے مراد وہ شخص ہے جو جس کو چاہے مارے پیٹے یا قتل کر دے اور جس پر جو چاہے ظلم کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایک مرد شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں' سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں O سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے O (القصص: ۲۱-۲۰)

علامہ ثعلبی نے کہا کہ اس شخص کا نام حزقیل بن صبورا تھا' اور وہ آلِ فرعون میں سے مومن تھا' اور وہ فرعون کا عم زاد تھا۔

علامہ سہیلی نے کہا کہ اس کا نام طالوت تھا' قتادہ سے روایت ہے کہ وہ آلِ فرعون سے مومن تھا اور اس کا نام شمعون تھا' اور

ایک روایت ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا‘ اس شخص کو یہ خبر پہنچ گئی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آ کر بتا دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴۵‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ‘ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۳۵‘ دار الکتاب العربی بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ

اور موسیٰ جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (تو) کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا

السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ

دے گا O اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے

النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ

مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو خواتین کو دیکھا جو (اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے) روک رہی تھیں‘

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ (سب) چرواہے (پانی پلا کر) واپس

كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ

نہ چلے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں O پس موسیٰ نے ان کے مویشیوں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف آ گئے‘ اور عرض کیا اے

اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى

میرے رب! بے شک میں اس اچھائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے O پھر ان دونوں میں سے ایک

اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ

شرماتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ

دیں پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا (تو) انہوں نے کہا آپ فکر نہ کریں آپ ظالم لوگوں سے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ

نجات پا چکے ہیں O ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے‘ بے شک آپ

مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ

جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو ○ انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی

اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ

بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس

عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ

سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہو گا' اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا' آپ ان شاء اللہ!

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ

مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے ○ موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے' میں نے ان دونوں میں سے

قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہو گی' اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ نگہبان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (تو) کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا○ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو خواتین کو دیکھا جو (اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے) روک رہی تھیں○ موسیٰ نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ (سب) چرواہے (پانی پلا کر) واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں○ پس موسیٰ نے ان کے مویشیوں کو پانی پلایا' پھر سائے کی طرف آ گئے اور عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں اس اچھائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے○ (القصص: ۲۴-۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانا

مدین ایک قبیلہ کا نام ہے' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا' جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے' یوں اہل مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا۔ یہ قبیلہ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر آباد تھا' یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اس علاقہ کا مرکزی شہر بھی مدین تھا اور یہی علاقہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مولد اور مسکن تھا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی' ابن جبیر نے کہا ہے کہ مدین کے ملک میں فرعون کے علاوہ کسی اور کی حکومت تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں سے خوف زدہ ہو کر اچانک مدین کی طرف چل پڑے تھے' پہلے سے ان کا کوئی منصوبہ نہ تھا' ان کے پاس سواری تھی نہ راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ راستہ میں درختوں کے پتے کھا کر سفر کر رہے تھے' فرعون نے ان کی تلاش میں اپنے کارندے دوڑا دیئے تھے۔ اس نے کہا ان کو راستہ کی گھاٹیوں سے پکڑ

لاؤ' ان کو مدین کا راستہ معلوم نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو گھوڑے سوار کی صورت میں بھیجا اس نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ میرے ساتھ چلیں یوں حضرت موسیٰ کی یہ دعا قبول ہوئی کہ عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا۔

حضرت موسیٰ ایک کنوئیں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے' اور کنوئیں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنوئیں کی جانب سے روک رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پوچھا تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنی بکریوں کو روک رہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں اور اتنے رَش میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں' اور ہمارے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں اگر وہ طاقت ور ہوتے تو خود آ کر جانوروں کو پانی پلا دیتے' اس لیے جب تک کہ سب چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر نہ چلے جائیں' وہ پانی نہیں پلا سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا پھر آ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۲۶-۲۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا: اے میرے رب! میں اس اچھائی یا خیر کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے میری طرف کھانے پینے کی چیزیں یا جو بھی نعمتیں نازل کی ہیں میں ان کا محتاج ہوں)۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ چونکہ ایک ہفتہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی طعام نہیں کھایا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے طعام کا سوال کیا تھا اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو نے میری طرف دین کی جو اچھائیاں نازل کی ہیں اور مجھ کو جو نیک لوگوں کی سیرت پر کاربند رکھا ہے میں اسی نعمت کا محتاج ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال کے مناسب یہی معنی ہے۔ خیر کا اطلاق کھانے پر' امور خیر پر' عبادات پر' قوت و طاقت پر اور مال پر کیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا یہاں خیر کا اطلاق کھانے پر کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ نے کھانے کی دعا کی تھی۔ (تاریخ دمشق ج ۶۴ ص ۳۶' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان دونوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا دیں۔ پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا (تو) انہوں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں آپ ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں○ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجئے' بے شک آپ جس کو اُجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور ایماندار ہو○

(القصص: ۲۶-۲۵)

حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کے گھر جانا

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نام لیّا اور دوسری کا نام صفوریا (یا صفوراء) تھا' اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب تھے۔ علامہ قرطبی کی بھی یہی رائے ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے یثرون تھے' حضرت شعیب نابینا ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے' اور ابو عبید کا بھی یہی مختار ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت شعیب کا زمانہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے لیکن زیادہ تر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴۹ دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے ساتھ جو ایثار اور احسان کیا تھا' انہوں نے گھر جا کر اس کا ذکر اپنے بوڑھے

باپ سے کیا' جس سے انہوں نے بھی اس احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہا اور ان کو اپنے گھر بلایا۔
علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ ان کے گھر پہنچے تو انہوں تے ان کو کھانا پیش کیا' حضرت موسیٰ نے کہا میں کھانا نہیں کھاؤں گا' میں نے یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے' اور اگر تمام روئے زمین کو سونا بنا دیا جائے تو میں اس کے عوض بھی اللہ کی رضا کے لیے کیے ہوئے کام کو فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت شعیب نے کہا یہ آپ کے پانی پلانے کا معاوضہ نہیں ہے لیکن مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہمارے آباء واجداد کا طریقہ ہے' تب حضرت موسیٰ نے کھانا کھالیا۔
ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجیے بے شک آپ جس کو اُجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور ایماندار ہو۔ حضرت شعیب نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ طاقت ور اور ایماندار ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا جس کنوئیں سے انہوں نے پانی پلایا تھا اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ دس آدمی مل کر اس پتھر کو اُٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے اکیلے ہی اس پتھر کو اُٹھالیا تھا۔ یہ ان کے طاقت ور ہونے کی دلیل ہے' اور ان کے ایمان دار اور متقی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راستہ بتانے کے لیے میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی' ہوا سے بار بار میری چادر اُڑ جاتی تھی تو انہوں نے کہا: تم پیچھے پیچھے چلو میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری نظر تمہارے جسم کے کسی حصہ پر نہ پڑے اور راستہ کی نشان دہی کے لیے پیچھے سے کوئی پتھر یا کنکری مار دیا کرو۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۸۴۳' ۱۶۸۵۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۲۸' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اُجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا' اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا' آپ ان شاء اللہ! مجھے نیک لوگوں میں پائیں گے ○ موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے' میں نے ان دونوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ نگہبان ہے ○ (القصص: ۲۸-۲۷)

لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو نکاح کی پیش کش کرنے کا جواز اور استحسان

ہمارے معاشرہ میں لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی پیش کش کو معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کسی ایک بیٹی کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما' حضرت خنیس بن حذافۃ السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' جب وہ مدینہ میں فوت ہو گئے اور حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو حضرت حفصہ کا رشتہ پیش کیا' حضرت عثمان نے کہا میں اس معاملہ پر غور کروں گا' چند دنوں بعد حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا' میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں' حضرت عمر نے کہا پھر میں نے حضرت ابوبکر سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا آپ سے نکاح کر دوں' حضرت ابوبکر خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' حضرت عمر کہتے ہیں مجھے حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر سے زیادہ رنج پہنچا' پھر چند دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے لیے پیغام دیا تو میں نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا' بعد میں جب حضرت ابوبکر کی

مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا جب آپ نے حضرت حفصہ کا رشتہ مجھے پیش کیا تھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو آپ کو اس سے رنج پہنچا ہوگا؟ حضرت عمر نے کہا ہاں! حضرت ابوبکر نے کہا مجھے جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا' اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کرنا نہیں چاہتا تھا' اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو ترک کیا ہوتا تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۱۲۲'۴۰۰۵)

امام بخاری نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ کسی شخص کا نیک لوگوں پر اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ پیش کرنا' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے معاشرہ کا یہ رواج انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کے طریقہ کے خلاف ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے اجارہ (اُجرت پر کوئی کام کرانے) کا ثبوت

اس آیت میں ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اُجرت پر میرا کام کریں۔ (القصص:۲۷)

ہمارے علماء نے اس آیت سے اجارہ (اُجرت دے کر کام کرانا' یا مزدوری کرانا) کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابی سہل حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

کسی معین مال کے عوض' منفعت کے حصول کے عقد کو اجارہ کہتے ہیں۔

منافع کے عقد کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو بغیر عوض کے ہو' جیسے کسی چیز کو بہ طور عاریۃً لینا یا کوئی خدمت کرنے کی وصیت کر دے' اور دوسرا وہ عقد ہے جو کسی عوض کے ساتھ ہو اس کو اجارہ کہتے ہیں اس کا ثبوت کتاب اور سنت سے ہے' کتاب سے ثبوت کی اصل یہ آیت ہے:

عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ (القصص:۲۷)

اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اُجرت پر میرا کام کریں' اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا۔

اور جو چیز ہم سے پہلے کی شریعت سے ثابت ہو وہ بھی ہم پر لازم ہوتی ہے' بہ شرطیکہ اس کے فسخ یا منسوخ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو' اور حدیث میں بھی اس کے ثبوت پر دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اُجرت دے دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۴۴۳) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(المبسوط ج ۱۵ ص ۸۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سرخسی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے حالانکہ اجارہ کے ثبوت میں صحیح سند کے ساتھ بھی حدیث ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں قیامت کے دن تین آدمیوں سے مخاصمت کروں گا' ایک وہ آدمی جس نے میری قسم کھا کر کوئی عہد کیا پھر اس عہد کو توڑ دیا' دوسرا وہ آدمی جو کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھا گیا' تیسرا وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اُجرت پر طلب کیا اس سے کام پورا لیا اور اس کو اُجرت نہیں دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۸، المنتقی رقم الحدیث: ۵۷۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۷۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۴، ۱۲۱)

اجارہ کے ثبوت میں قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ پھر اگر (مطلقہ عورتیں) تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو انہیں ان کی (مقررہ) اُجرت دے دو۔ (الطلاق: ۶)

اس سوال کا جواب کہ منکوحہ کے تعین کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا اور حضرت شعیب نے کسی ایک بیٹی کا تعین نہیں کیا تھا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ معین نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی کس بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر رہے ہیں اور نہ یہ معین کیا تھا کہ انہیں کتنی مدت تک ان کا' کام کرنا ہوگا اور جب تک منکوحہ کا تعین نہ ہو نکاح صحیح نہیں ہوتا اور جب تک مدت کا تعین نہ ہو اجارہ صحیح نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ابتداء میں اجمالی طور پر پیش کش کی تھی اور بعد میں اس کو معین کر دیا۔ انہوں نے اپنی چھوٹی بیٹی صفوریا کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کیا تھا اور مدت انہوں نے آٹھ سال مقرر کی تھی اور بعد میں دو سال کے اضافہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چھوڑ دیا تھا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ آپ نے فرمایا جو مدت زیادہ تھی' اور پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ نے دو عورتوں میں سے کون سی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جو ان میں چھوٹی تھی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۴۴، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۸۱۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۰۸، المستدرک ج ۲ ص ۴۰۷، حافظ ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے تاریخ دمشق ج ۶۴ ص ۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے مشورہ کیے بغیر اس کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ ولی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا جہاں چاہے نکاح کر دے اور عورت کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی کنواری بالغہ بیٹی کا اس کے مشورہ کے بغیر جہاں چاہے نکاح کر دے۔ امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور یہ اس باب میں بہت قوی دلیل ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء نے بھی اس مسئلہ میں امام مالک کی موافقت کی ہے اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو اس کی مرضی کے بغیر اس کا کوئی نکاح نہیں کر سکتا البتہ جب لڑکی نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے اور وہ نکاح لازم ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۵۰، دار الفکر ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۴۲-۲۴۱' دار الکتاب العربی' ۱۴۲۰ھ)

امام مالک اور امام شافعی کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے خلاف ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے نکاح عورت کا نکاح اس

کے مشورہ کے بغیر نہیں کیا جائے گا' اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا' مسلمانوں نے پوچھا وہ اجازت کیسے دے گی؟ آپ نے فرمایا وہ خاموش رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۱۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۶۷)

اس باب میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔

خدمت اور کسی کام کو مہر قرار دینے پر امام مالک اور امام شافعی کا استدلال

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر اپنی ایک بیٹی کا حضرت موسیٰ سے نکاح کر دیا کہ وہ آٹھ سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کریں اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کام اور کسی چیز کی منفعت مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجارہ کے عوض نکاح کرنا صحیح ہے' اس چیز کو ہماری شریعت نے بھی مقرر رکھا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو قرآن مجید کی تعلیم دے اور اس کے عوض میں اس سے نکاح کرے تو یہ صحیح ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۵۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ' جز ۱۳ ص ۲۴۴۔ ۲۴۳' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت نے آ کر کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے' سو آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اس نے دوبارہ کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے' تو آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا' اس نے پھر تیسری بار کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے سو آپ کی اس کے بارہ میں کیا رائے ہے؟ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیجیے۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جا کر تلاش کرو' خواہ وہ لوہے کا ایک چھلا ہو' وہ گیا اور تلاش کر کے واپس آ گیا اور کہا مجھے کوئی چیز نہیں ملی' نہ لوہے کا چھلا ملا۔ آپ نے پوچھا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے! آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا **بما معک من القرآن**' کیونکہ تمہیں قرآن یاد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۴۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۱۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۳۸ عالم الکتب' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۷۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۹۳)

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک **بما معک من القرآن** میں ''با'' عوض کی ہے یعنی تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے عوض میں' میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کر دیا' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ''با'' سبب کے لیے ہے یعنی تم کو قرآن یاد ہے اس سبب سے میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا اور یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا اور ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے استدلال کے مفسرین احناف کی طرف سے جوابات

قرآن مجید کی اس آیت سے جو امام مالک اور امام شافعی نے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں علامہ ابوبکر احمد بن علی

جصاص رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے منافع اور اجارہ کے عوض نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے اور اس آیت میں ان کے مدعا پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی خدمت کی شرط لگائی تھی نہ کہ اپنی بیٹی کی خدمت کے لیے‘ تو منفعت حضرت شعیب کو حاصل ہوئی نہ کہ ان کی بیٹی کو‘ اور ان کا مقصود یہ ہے کہ عورت کو جو منافع حاصل ہو‘ وہ اس کا مہر ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس عورت کو قرآن کی تعلیم دے یا اس کی خدمت کرے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی تھی انہوں نے کہا تھا علی ان تاجرنی ثمانی حجج اس شرط پر کہ تم میرے لیے آٹھ سال اُجرت پر کام کرو یہ نہیں کہا تھا علی ان تاجرها ثمانی حجج کہ تم میری بیٹی کے لیے آٹھ سال اُجرت پر کام کرو‘ سو یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا تھا‘ اور عورت کے ولی کے لیے ایک مدت معینہ تک منافع کے حصول کی شرط لگائی گئی تھی‘ اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مہر کے ذکر کے بغیر نکاح صحیح ہے۔ (کیونکہ ان کی بیٹی کے مہر کا ذکر نہیں ہوا تھا) اور عورت کے ولی کے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی گئی تھی اور ایسی شرائط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا‘ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے مہر کے بغیر نکاح جائز ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مہر کے نکاح کو منسوخ کر دیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴۸‘ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور‘ ۱۴۰۰ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آٹھ سال خدمت کرنے کی شرط لگائی تھی اس کی منفعت ان کے لیے تھی ان کی بیٹی کے لیے نہیں تھی‘ کیونکہ انہوں نے تاجرنی کہا تھا نہ کہ تاجرها‘ اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کی شریعت میں جائز ہو کہ اس میں ایک مدت مقررہ تک لڑکی کے ولی کے لیے منفعت کی شرط لگائی جائے۔ جس طرح ہماری شریعت میں یہ جائز ہے کہ ایک مدت مقررہ تک لڑکی کی بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے‘ اور عین المعانی میں لکھا ہے کہ پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا کہ لڑکی کے سرپرست کو مہر دیا جائے اور ہماری شریعت میں یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط. اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

(النساء: ۴)

نیز امام مالک اور امام شافعی نے جو یہ کہا ہے کہ کوئی کام اور خدمت بھی مہر ہو سکتی ہے یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہماری شریعت میں مہر کا مال متقوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ. (النساء: ۲۴) اور محرمات کے سوا باقی عورتوں سے تمہارے لیے نکاح کرنا حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنے مال کو بہ طور مہر دے کر ان سے نکاح کرو۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مہر ان عورتوں کو ادا کیا جائے نہ کہ ان کے سرپرستوں کو جیسا کہ فرمایا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط. (النساء: ۴) اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

(روح البیان ج ۶ ص ۵۰۹‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں نے اس کو واقع کرنے کا عزم کیا ہے اور ان کی شریعت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کے کیا ارکان اور شرائط تھے' ان کا ذکر نہیں کیا گیا' اور اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی کسی ایک بیٹی سے نکاح کی پیش کش کی نہ یہ کہ بالفعل ان کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کا نکاح کر دیا' اور اس نکاح کو واقع کر دیا' اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت شعیب نے اپنی کسی بیٹی کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کر دیا تھا انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس نکاح کو ان کی شریعت کے مطابق منعقد کرنے کی کیفیت نہیں بیان کی۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی معین لڑکی (صفورا) کے ساتھ ایک معین مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا گیا اور وہ مہر اس مذکورہ آٹھ سال اُجرت پر' کام کرنے کے علاوہ تھا' اور اس اُجرت کا ذکر باہمی معاہدہ کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ اس نکاح کو منعقد کرنے کے طریقہ پر' گویا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یوں کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا مہر معین کے عوض تمہارے ساتھ نکاح کر دوں جب کہ تم اُجرت مقررہ کے عوض آٹھ سال میرے پاس کام کرو' اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت موسیٰ راضی ہو گئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک معین لڑکی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ لڑکی' کی تعیین کے بغیر اس کا نکاح صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اُجرت معین کیے بغیر اجارہ کا انعقاد صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اس آیت میں تو لڑکی کے باپ کے لیے خدمت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ لڑکی کے لیے تو اس کو مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ شریعتیں مختلف ہوتی ہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں غیر معین لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہو اور تعیین کا حق لڑکی کے ولی یا شوہر کو حاصل ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں لڑکی کے ولی کی خدمت کرنے کو لڑکی کا مہر قرار دینا درست ہو اور یہ دونوں چیزیں ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۰۳' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ آٹھ سال اُجرت پر ان کے پاس کام کریں' یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے کیا کام لیں گے اور ان کو کیا اُجرت دیں گے' اسی طرح یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ وہ کس بیٹی کا کتنے مہر کے عوض حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کریں گے۔

علامہ ابو السعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اجارہ اور عقد کے متعلق جو کلام ذکر کیا گیا اس میں اس چیز کا اجمالی بیان ہے جس کا ان دونوں نے عزم اور ارادہ کر لیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ان کی شریعت میں عقد اجارہ اور عقد نکاح کے کیا ارکان اور شرائط تھیں۔

روایت ہے کہ جب یہ عقد منعقد ہو گیا تو حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ گھر میں جائیں وہاں پر جو لاٹھیاں رکھی ہیں آپ ان سے کوئی لاٹھی لے لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اُٹھالی جو حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی تھی' جس کو وہ جنت سے لائے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے' انہوں نے اس لاٹھی کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی ہے' انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ کوئی اور لاٹھی لے لیں لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لاٹھی آئی تو حضرت شعیب نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ (تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۱۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

پھر جب موسیٰ نے (اجارہ کی) میعاد پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب

نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا

ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھیرو، میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر

بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا

لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو ○ پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾

سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العلمین ہوں! ○

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ

مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ

پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں، بے شک آپ مامون رہنے

الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ

والوں میں سے ہیں ○ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا باہر

غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ

نکلے گا، اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنے بازو اپنے ساتھ ملا لیں، پس آپ کے رب کی طرف سے

بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں، بے شک وہ فاسق

فَسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ

لوگ ہیں O موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ

يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ

مجھے قتل کر دیں گے O اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لیے رسول

مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ز اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ

بنا دے وہ میری تصدیق کریں گے' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے O فرمایا ہم

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ

يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ج بِاٰيٰتِنَآ ج اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے' ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے O

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

سو جب موسیٰ ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا (مصنوعی)

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ

جادو ہے' اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا O اور موسیٰ نے

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ

کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے اچھا

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اخروی انجام ہے' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے O اور فرعون نے کہا

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ج فَاَوْقِدْ لِيْ

اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا' اے ہامان میرے لیے کچھ

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ

اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر

مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ

دیکھوں' اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں O اور فرعون نے اور اس

وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا

کے لشکروں نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ

لوٹائے جائیں گے O سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا'

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً

سو دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا O اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنا دیا

يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ

اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ

مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

بد حال لوگوں میں سے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب موسیٰ نے (اجارہ کی) میعاد پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب ایک آگ دیکھی' انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو O پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے' ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں O اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں' پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کو چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا' (ہم نے کہا) اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں' بے شک آپ مامون

رہنے والوں میں سے ہیںO آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال لیے وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور خوف (دُور کرنے) کے لیے اپنا بازو اپنے (سینہ کے) ساتھ ملا لیں' پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں' بے شک وہ فاسق لوگ ہیںO (القصص: ۳۲-۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام اللہ سننے کی کیفیت

فرمایا اور جب موسیٰ نے (اجارہ کی) میعاد پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ (القصص: ۲۹) ہم اس سے پہلے مسند البزار وغیرہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ مدت پوری کی تھی یعنی دس سال' اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی چھوٹی بیٹی صفورا کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۷۵۴' ۱۳۷۵۳' ۱۳۷۵۲' ۱۳۷۵۱' ۱۳۷۵۰' ۱۳۷۴۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے' اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو اختیار ہے وہ اپنی بیوی کو اس کے گھر سے جہاں چاہے لے جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ طور کی جانب ایک آگ دیکھی' ہم اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ میں بیان کر چکے ہیں کہ وہ صحراء میں ایک اندھیری اور سرد رات تھی' سخت تیز ہوا چل رہی تھی' ان کی بکریاں ادھر ادھر منتشر ہو گئیں' پھر بارش بھی شروع ہو گئی ایسے میں ان کو دُور سے آگ نظر آئی' وہ اپنی منزل کا راستہ بھول چکے تھے' آگ دیکھ کر انہوں نے کہا میں اس کی روشنی میں راستہ کا پتا کر کے آتا ہوں' یا کچھ انگارے لے کر آتا ہوں جس سے ہاتھ تاپ کر تم سردی دُور کر سکو۔

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔ (القصص: ۳۰)

ان آیتوں کی تفصیل کے ساتھ تفسیر (طٰہٰ: ۱۰) اور (النمل: ۹) میں گزر چکی ہے' مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اس میں ہمارے دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابو منصور ماتریدی اور ائمہ ماوراء النہر (دریاء آمو کے پار رہنے والے علماء یعنی وسط ایشیا کی ریاستوں مثلاً ازبکستان' تاشقند' ترکمانستان' آذربائی جان اور قازقستان وغیرہا کے اکابر علماء) کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ نہیں سنائی دیا' اور جو سنائی دیا وہ آواز اور حروف تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے درخت میں پیدا کر دیا تھا اور اسی آواز اور حروف کو حضرت موسیٰ نے سنا تھا۔

(۲) امام ابوالحسن اشعری کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم حرف اور آواز نہیں ہے اور اس کا سنائی دینا ممکن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ جسم اور عرض نہیں ہے اور اس کا دکھائی دینا ممکن ہے پس جب وہ بغیر کسی رنگ کے دکھائی دے سکتا ہے تو بغیر آواز کے اس کا کلام سنا بھی جا سکتا ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام' اللہ تعالیٰ سے سنا تھا' درخت سے نہیں سنا تھا' اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ انی انا اللہ رب العلمین کا محل اگر درخت ہو تو لازم آئے گا کہ درخت نے یہ کہا ہو کہ وہ اللہ ہے۔

امام رازی نے فرمایا ایک روایت میں ہے کہ ابلیس نے حضرت موسیٰ سے پوچھا آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا میں نے یہ کلام اپنے جسم کے تمام اجزاء اور اعضاء سے سنا تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے برگزیدہ فرشتوں کو اپنے کلام کے سننے کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ استاذ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ میں ایک ایسی صفت پیدا کر دی تھی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا اور اس کا ادراک کر لیا' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے یا نہیں؟ اور آیا جبریل نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے اس کے متعلق دو قول ہیں اور اس کے ثبوت کا ایک طریقہ تواتر سے نقل ہوتا ہے اور یہ مفقود ہے۔

نیز علامہ قرطبی لکھتے ہیں عبداللہ بن سعد بن کلاب نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو ان آوازوں سے سنا جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام میں پیدا کر دیا تھا۔ ابو المعالی نے کہا یہ قول مردود ہے' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ طور خلاف عادت اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' اور یہ ان کے ساتھ مخصوص ہے' اگر یہ بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کوئی معنی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا کلام عزیز سنایا اور ان میں یہ علم پیدا کر دیا کہ انہوں نے جو سنا ہے وہ اللہ کا کلام ہے' اور جس نے ان کو ندا کی اور ان سے کلام کیا وہ اللہ رب العلمین ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے اپنے رب کا کلام اپنے تمام اعضاء اور اجزاء سے سنا ہے اور میں نے اس کلام کو کسی ایک جہت سے نہیں سنا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۰-۲۵۹' دار الفکر' ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۵۲-۲۵۱' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام لفظی سنا تھا' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو درخت کے اندر بلا اتحاد اور حلول کے پیدا کر دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اسی طرح ہوا میں پیدا کر دیا تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کلام کو اپنی دائیں جانب سے سنا تھا یا تمام جہات سے سنا تھا۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنے کی خصوصیت

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا' اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو آواز اور حروف کے واسطہ سے سنا تو پھر خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے کلام کو فرشتہ یا کتاب کی وساطت کے بغیر سنا' اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد سنا' تو پھر حضرت موسیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے لیے واقع نہیں ہوئی۔ باقی رہا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم بدیہی پیدا کر دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا ان کو معجزہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک ہرے بھرے درخت سے آگ نکلتی ہوئی دیکھی اور یہ امر خلاف عادت ہے اور اسی درخت سے بغیر کسی بولنے والے کے آواز آ رہی تھی اور یہ بھی امر خلافِ عادت اور معجزہ ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۱۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا ہے اور فرشتہ اور

کتاب کے واسطے کے بغیر بھی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی میں بھی سنا ہے' اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ظہور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام آپ سے پہلے سنا ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم اللہ ہونا اور ان کے باقی تمام کمالات ان کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی حاصل ہوئے ہیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ ھ' اور امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کر لیا تو کوئی شخص ان کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا' کیونکہ ان کے چہرے کو نور نے ڈھانپ رکھا تھا' اس لیے انہوں نے زندگی بھر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھی' ایک دن ان کی زوجہ نے کہا جب سے آپ نے اپنے رب سے کلام کیا ہے میں نے آپ کا چہرہ نہیں دیکھا' حضرت موسیٰ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی تو ان کے چہرے سے سورج کی طرح شعاعیں نکل رہی تھیں' انہوں نے فوراً اپنے چہرے پر اپنے ہاتھ رکھ لیے اور اللہ کے لیے سجدہ میں گر گئیں اور کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے جنت میں بھی آپ کی زوجہ بنائے' آپ نے فرمایا یہ تم کو حاصل ہو جائے گا بہ شرطیکہ تم میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرو' کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کے پاس رہتی ہے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۴۰۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳۲-۲۳۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' اور علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے نیز علامہ سیوطی نے بھی اختصار کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر الخازن ج ۲ ص ۱۳۸' روح البیان ج ۳ ص ۳۰۶' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۲ ص ۱۸۹' حاشیۃ الصاوی ج ۲ ص ۷۰۸' الدر المنثور ج ۳ ص ۴۹۲)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ عبد الرحمان بن معاویہ ابوالحویرث سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کے چہرے پر رب العلمین کے نور کی چالیس دن تک یہ کیفیت تھی کہ جو بھی آپ کی طرف دیکھتا تھا وہ مر جاتا تھا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۴۲' ۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد تین دن تک حضرت موسیٰ کے چہرے پر نور نظر آتا رہا اور جب سے آپ نے اپنے رب سے کلام کیا تھا' آپ نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۸۷' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ جو احادیث صحیحہ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں' ان میں یہ تصریح ہے کہ......

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر وہاں تک گئے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے' حتیٰ کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور الجبار رب العزۃ آپ کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا پھر آپ اپنے رب سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جو وحی کی اس میں یہ وحی کی کہ آپ کی اُمت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں' پھر آپ نیچے اُتر کر حضرت موسیٰ کے پاس پہنچے۔ حضرت موسیٰ نے آپ کو روک کر

پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ سے کیا عہد لیا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھ سے دن اور رات میں پچاس نمازوں کا عہد لیا ہے، حضرت موسیٰ نے کہا آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی، واپس جائیے اور اپنی اور اپنی اُمت کی طرف سے کمی کی درخواست کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں، حضرت جبریل نے اشارہ کیا ہاں اگر آپ چاہتے ہیں تو جائیں، آپ پھر الجبار کی طرف گئے اور اپنے مقام پر کھڑے ہو کر عرض کیا، اے رب! ہم سے کچھ کمی کیجیے کیونکہ میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی، اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں، آپ پھر حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے انہوں نے پھر آپ کو روک لیا، پھر حضرت موسیٰ آپ کو آپ کے رب کی طرف بھیجتے رہے، حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ نے پانچ نمازوں پر آپ کو پھر روک لیا، اور کہا اے محمد! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم پر تجربہ کر چکا ہوں وہ ان نمازوں کو پڑھنے سے کمزور پڑ گئے اور ان کو ترک کر دیا، آپ کی اُمت تو ان کے جسموں، ان کے دلوں، ان کے بدنوں، ان کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے زیادہ کم زور ہے، آپ واپس جائیے اور اپنے رب سے اس میں بھی کمی کرائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار جبریل کی طرف متوجہ ہو کر مشورہ لیتے تھے اور جبریل اس کو ناپسند نہیں کرتے تھے، وہ آپ کو پانچویں بار بھی لے گئے۔ آپ نے عرض کیا اے مرے رب! میری اُمت کے اجسام، ان کے قلوب، ان کے کان اور ان کے بدن کمزور ہیں سو ہم سے کچھ کمی کیجیے الجبار نے کہا: یا محمد! آپ نے عرض کیا لبیک وسعدیک، فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی، میں نے آپ پر جس طرح لوحِ محفوظ میں فرض کیا ہے، سو ہر نیکی کا اجر دس گنا ہو گا پس لوحِ محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر یہ پانچ نمازیں ہیں، پھر آپ حضرت موسیٰ کے پاس آئے انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا ہم سے تخفیف کر دی گئی اور ہم کو ہر نیکی کا اجر دس گنا دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا میں اس سے کم پر بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں انہوں نے ان نمازوں کو ترک کر دیا تھا، آپ واپس جائیے اور اپنے رب سے کم کرائیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے موسیٰ! اللہ کی قسم! اب مجھے بار بار اپنے رب کے پاس جانے سے حیا آتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۹، ۴۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۹-۱۴۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۴۴۴، دارالحدیث قاہرہ: ۱۴۱۶ھ، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۵۳۳، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ الفتح الربانی ج ۲۰ ص ۲۵۱-۲۴۸، داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے کی بناء پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا انکار

اس حدیث کی شرح میں علامہ علی بن خلف بن عبدالمالک ابن بطال اندلسی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کی طویل حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے لیکن تم لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور ان سے کلام فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۵۱۰) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے، اس کے برخلاف اشاعرہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ۝ (النجم: ۱۰) سو وحی فرمائی اپنے عبد مکرم کی طرف جو وحی فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:

یٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ (الاعراف: ۱۴۴) اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت (اپنے پیغام) اور اپنے کلام سے تم کو لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱۰ص ۵۱۰-۵۰۹' مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی بحث عنقریب قاضی عیاض اور علامہ نووی وغیرہم کی عبارات میں آ رہی ہے' اور علامہ ابن بطال کا الاعراف: ۱۴۴ سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کر کے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔

انکار مذکور کے رد پر دلائل

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور ہارون ہر چند کہ نبی ہیں لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کلام نہیں کیا گیا اور نہ وہ صاحبِ شرع ہیں۔
(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۴ص ۳۶۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر کلام کی وجہ سے فضیلت دی ہے' یہ اس لیے کہا ہے کہ رسالت اور بلاواسطہ ہم کلام ہونے کی فضیلت تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہے سو اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہوں حالانکہ آپ ہی افضل علی الاطلاق ہیں۔(عنایۃ القاضی ج ۴ص ۳۶۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان کو رسالت کے لیے چن لیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی تمام انسانوں پر یہ فضیلت ہے کہ ان کو رسالت کے لیے بھی چن لیا ہے اور ان کو بلاواسطہ اپنا کلام سنایا ہے۔ حضرت موسیٰ کے سوا اور کسی انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہیں۔
(تفسیر کبیر ج ۵ص ۳۵۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لیے بھی چن لیا ہے اور شبِ معراج آپ سے بلاواسطہ کلام بھی فرمایا ہے اور آپ پر اور آپ کی اُمت پر نمازوں کو فرض فرمایا اور یا محمد کہہ کر آپ سے خطاب فرمایا ہے' اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ؕ (النجم: ۱۰) پس اللہ نے اپنے عبد مکرم کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔

اور آپ کو اس بلند مقام تک لے گیا جہاں آپ نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی اور یہ چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر بہت زیادہ شرف اور فضیلت عطا فرمائی ہے' اس لیے اصل سوال کا صرف یہ جواب صحیح ہے کہ يٰمُوسٰٓى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي. (الاعراف: ۱۴۴) کا معنی یہ ہے کہ اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنی پیغمبری سے اور اپنی ہم کلامی سے تمہارے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے زیادہ بلند منصب والا اور ان سے زیادہ اشرف اور افضل اور کوئی انسان نہیں تھا' وہ صاحب شریعت ظاہرہ تھے اور ان کو تورات عطا کی' اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے جس طرح ان کی قوم کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا: يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ (البقرۃ: ۴۷) اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تم کو (تمہارے زمانہ کے) تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۳۸' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد حنفی متوفی ۷۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے موسیٰ! میں نے تم کو تمہارے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالات سے تم کو تورات دے کر اور تم سے کلام کر کے فضیلت دی ہے۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۲ ص ۱۳۷' دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس آیت میں علی الناس (تمام لوگوں پر) لفظ عام ہے لیکن اس کا معنی خصوص ہے یعنی میں نے تم کو اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تمہارے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی ہے' کیونکہ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے جنت میں کلام فرمایا اور ان کے بعد شبِ معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔

(البحر المحیط ج ۵ ص ۱۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے میں نے آپ کو آپ کے معاصرین پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے کیونکہ ہر چند کہ حضرت ہارون نبی تھے' لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے کلام نہیں فرمایا تھا اور نہ وہ صاحبِ شرع تھے۔

(تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۴۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' علامہ محمد بن علی محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' سب نے یہی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر یا ان کے معاصرین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے۔

(تفسیر الجلالین ص ۱۶۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' روح البیان ج ۳ ص ۳۰۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۲ ص ۱۸۸' قدیمی کتب خانہ کراچی' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۲ ص ۷۰۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ فتح القدیر ج ۲ ص ۳۴۶' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۸ھ' روح المعانی جز ۹ ص ۸۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس نے ان کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم اور تمام اوّلین اور آخرین کے سردار ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مرتبہ کے ساتھ مختص کیا کہ آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور قیامت تک آپ کی شریعت کو

باقی رکھا اور آپ کے پیروکار تمام انبیاء اور رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں اور آپ کے بعد شرف اور فضیلت میں حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام ہیں پھر حضرت موسیٰ بن عمران کلیم الرحمان علیہ السلام ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابن بطال نے اس کا رد کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے، اور اس پر الاعراف: ۱۴۴ سے یہ دلیل قائم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کر کے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت موسیٰ سے کلام کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف اپنے زمانے کے انسانوں پر فضیلت دی ہے نہ کہ تمام انسانوں پر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شب معراج کلام فرمایا ہے۔ اب ہم اس کے ثبوت میں مزید دلائل پیش کر رہے ہیں۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے پر دلائل

علامہ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الشوریٰ: ۵۱)

کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر وحی کے اللہ سے کلام کرے یا پردے کی اوٹ سے یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے، بے شک اللہ بہت بلند ہے، بہت حکمت والا ہے۔

اور بعض مشائخ نے اسی آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور اس سے بلاواسطہ اور بلا کسی فرشتے کے واسطے کے کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تین قسم پر ہے:

(۱) پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ نے کلام کیا۔

(۲) فرشتہ سے بذریعہ وحی جس طرح اکثر انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا۔

(۳) بذریعہ وحی، یعنی دل میں کوئی بات ڈال کر۔

اب کلام کرنے کی تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت باقی بچی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے بالمشاہدہ کلام کیا جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار الوفاء، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض کی اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ان تین صورتوں کے علاوہ کلام کرنے کی نفی کی گئی ہے اور قاضی عیاض نے جو صورت ذکر کی ہے، وہ ان تین صورتوں کے علاوہ ہے، اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا یہ عام قاعدہ ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی خصوصیت کی بناء پر بے حجاب کلام فرمایا۔

علامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، جعفر بن محمد، ابوالحسن اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ

آپ سے کلام کیا ہے' اور ایک جماعت نے اس کی نفی کی ہے۔ (المفہم ج ۱ ص ۴۰۳' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الشوریٰ: ۵۱ سے ثابت کیا ہے کہ شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے دیکھتے وقت کلام کیا ہو۔ پس ہوسکتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر کلام کیا ہو۔

(۲) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صرف تین صورتیں ہیں' پردے کی اوٹ سے' فرشتے کے ذریعے اور وحی سے' ہوسکتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہو اور آپ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوں۔

(۳) بعض علماء نے کہا ہے کہ وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام بلاواسطہ ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۹۸۴-۹۸۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

درخت سے آنے والی آواز کی مختلف عبارات اور مقصود کا واحد ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے:

اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (القصص: ۳۰) بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

اور طٰہٰ: ۱۴ میں فرمایا ہے:

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم میری عبادت کرو۔

اور النمل: ۹ میں فرمایا ہے:

اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ بے شک بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں' بہت غالب' بہت حکمت والا۔

ہر چند کہ یہ مختلف عبارت ہیں لیکن ان سب سے مقصود ایک ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں' پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیئے' اور واپس مڑ کر نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں' بے شک آپ مامون رہنے والوں میں سے ہیں۔ (القصص: ۳۱)

وہب بن منبہ نے کہا حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ آپ جہاں تھے' وہیں لوٹ آئیں۔ حضرت موسیٰ واپس آئے اور اپنے جبہ کے پلو کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا' فرشتہ نے کہا یہ بتایئے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ کپڑا لپیٹنا آپ کو بچا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں! لیکن میں کمزور ہوں' پھر انہوں نے اپنا ہاتھ کھول کر اس کو سانپ کے منہ میں ڈال دیا تو وہ پھر دوبارہ عصا بن گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۵۲' دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنا بازو اپنے ساتھ ملالیں۔ پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں۔

بے شک وہ فاسق لوگ ہیں۔ (القصص:۳۲)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو اپنے ہاتھ کی چمک اور شعاعوں سے خوف ہو تو اپنے ہاتھ کو پھر گریبان میں ڈال لیں وہ پھر اپنی پہلی حالت میں واپس آ جائے گا۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کو کبھی کسی چیز سے خوف لاحق ہو اور وہ اپنے بازو کو اپنے ساتھ ملا لے تو اس کا خوف جاتا رہے گا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○ اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لیے رسول بنا دے وہ میری تصدیق کریں گے' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ○ فرمایا ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے' ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے ○ (القصص: ۳۵-۳۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات سے تسلی دے کر فرعون کی طرف روانہ کرنا

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک فرعونی مارا جا چکا تھا' اور جب ان کو معلوم ہوا کہ اس وجہ سے فرعونی سرداران کو قتل کرنے کی فکر میں ہیں تو حضرت موسیٰ مصر سے ہجرت کر کے مدین کی طرف چلے گئے تھے' اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا وہ لوگ تو میرے خون کے پیاسے ہیں' ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے قصاص میں قتل کر ڈالیں' پھر حضرت موسیٰ کو یاد آیا کہ جب بچپن میں انہوں نے فرعون کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو انہوں نے آزمائش کے لیے آپ کے سامنے ایک انگارہ اور ایک کھجور یا موتی رکھا تھا تو آپ نے انگارے کو منہ میں ڈال لیا تھا' جس کی وجہ سے آپ کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی اور آپ کو روانی سے بولنے میں دشواری ہوتی تھی' اس لیے آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں' اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے' ان سے میرا بازو مضبوط کر دے اور ان کو میرے کار تبلیغ مین میرا شریک بنا دے تاکہ میں آسانی سے فریضہ رسالت ادا کر سکوں' اور تیرے بندوں کو تیری عبادت کی طرف بلا سکوں' اس جگہ بھی یہی دعا نقل فرمائی ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرے ساتھ رسول بنا دے تاکہ وہ میرے معاون اور میرے وزیر ہو جائیں۔ اس سے میرا بازو مضبوط ہو گا اور میرے دل کو تقویت ہو گی' کیونکہ دو آدمیوں کی بات ایک آدمی کی بہ نسبت زیادہ مؤثر ہوتی ہے' اور اگر میں نے تنہا فرعون اور اس کے حواریوں کو تبلیغ کی تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی اس دعا کے جواب میں فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے' ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ○ (طٰہٰ: ۳۶) اے موسیٰ! تمہارے تمام سوالات پورے کر دیئے گئے ہیں۔

نیز فرمایا:

وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِيًّا ○ (مریم: ۵۳) اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبوت عطا فرما دی۔

اسی لیے بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر وہ احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی پر کیا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی کو نبی بنا دیا اور ان کو حضرت موسیٰ کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۔ (الاحزاب: ۶۹) اور وہ اللہ کے نزدیک عزت اور کرامت والے تھے۔

اور اس آیت میں آپ کی تسلی کے لیے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت قوی معجزات عطا کیے ہیں' سو ہمارے ان معجزات کی وجہ سے فرعون اور اس کے حواری آپ دونوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے' سو آپ بے خوف و خطر تبلیغ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ۔ (المائدہ: ۶۷)

اے رسول مکرم! جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنے رب کے پیغام کو نہیں پہنچایا' اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ (الاحزاب: ۳۹)

(انبیاء سابقین) اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے تھے اور وہ اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہماری نشانیوں کی وجہ سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۔ (المجادلۃ: ۲۱) اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب موسیٰ ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا (مصنوعی) جادو ہے' اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا○ اور موسیٰ نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے اچھا اُخروی انجام ہے' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے○ (القصص: ۳۷-۳۶)

حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں اللہ کا پیغام پہنچانا اور فرعون کا تکبر سے اس کو رد کر دینا

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف گئے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے قوی معجزات اور مستحکم دلائل پیش کیے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے کی دعوت دی' جب فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ پیغام سن لیا اور معجزات کا مشاہدہ کر لیا اور ان کو اپنے دلوں میں یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے والے ہیں' پھر بھی ان کے دلوں میں کفر راسخ ہو چکا تھا اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر وہ سالہا سال سے چلے آ رہے تھے اور فرعون لوگوں کے سامنے اپنی جھوٹی عزت اور رعب قائم رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ کو سچا ماننے میں اپنی ہتک محسوس کی اس لیے اس نے تکبر اور سرکشی سے کہا یہ تو صرف مصنوعی اور بناوٹی جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے

باپ دادا کے زمانہ میں یہ نہیں سنا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے ہم تو یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ اور خدا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا میری اور تمہاری بہ نسبت اللہ تعالیٰ بہت زیادہ جاننے والا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہ عنقریب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا کہ انجام کار کس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے اور بے شک ظالم لوگ یعنی اللہ کے شریک ٹھہرانے والے فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا' اے ھامان! میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ' پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں' اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں○ اور فرعون نے اور اس کے لشکر نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے○ سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا سو دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا○ اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنا دیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی○ اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے○ (القصص: ۴۲-۳۸)

فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اور اس کا عبرت ناک انجام

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفر اور اس کی سرکشی کا بیان فرمایا ہے کہ فرعون لعنہ اللہ نے اپنے لیے خدائی کا دعویٰ کیا تھا جیسا کہ فرمایا:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ. (الزخرف: ۵۴) وہ اپنی قوم کو کم عقل سمجھتا تھا (اس نے ان کو بہکایا) سو انہوں نے اس کی بات مان لی۔

اس نے اپنی قوم کو اپنی خدائی ماننے کی دعوت دی اور انہوں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی خدائی کو مان لیا' اس لیے اس نے کہا اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس قول کی خبر دی:

فَحَشَرَ فَنَادٰی○ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی○ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی○ (النّٰزعٰت: ۲۵-۲۳) پھر فرعون نے سب کو جمع کر کے اعلان کیا۔ پس کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ سو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت کے عبرت ناک عذاب میں گرفتار کر لیا۔

یعنی جب فرعون نے سب لوگوں کو جمع کر کے ان میں اپنی الوہیت کا اعلان کیا تو سب نے اس کو اپنا معبود مان لیا اور اس کی اطاعت کی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا اور اس کو دنیا والوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا' فرعون کی دیدہ دلیری یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا تھا کہ:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ○ (الشعراء: ۲۹) فرعون نے کہا اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا قرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

پھر فرعون نے اپنے وزیر ھامان سے کہا: میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں' اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ○ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ اور فرعون نے کہا: اے ھامان! میرے لیے ایک بلند قلعہ بناؤ تاکہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں۔ جو آسمانوں کے راستے

مُوْسٰى وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ۠ ○ (المومن: ۳۷-۳۶)

ہیں، اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی سازشیں ناکام ہوگئیں۔

اور یہ اس لیے کہ فرعون نے اس قدر بلند قلعہ بنایا تھا کہ اس سے بلند عمارت اس وقت تک نہیں بنائی گئی تھی، اور اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کا رد کرے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا ہے جو تمام جہانوں کا خدا ہے جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں، اور اس نے کہا اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں جانتا۔

فرمایا: اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔

یعنی انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور کمزور لوگوں پر ظلم کیا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نہ قیامت نے آنا ہے اور نہ حشر ہوگا۔

فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۚۙ ○ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ○ (الفجر: ۱۴-۱۳)

آخرکار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے۔

اور اسی وجہ سے اس آیت میں فرمایا: سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں سمندر پر دریا کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ فرعون کو بحر قلزم میں غرق کیا گیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۵، دار الفکر)

یعنی ایک دن صبح کے وقت ہم نے ان سب کو سمندر میں غرق کر دیا اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا، اور فرمایا: سو دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا، اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنا دیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی جو لوگ خدا کے منکر ہیں اور دہریے ہیں، اور رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور فرعون کے راستہ اور اس کے طور طریقہ پر چلتے ہیں، ہم نے فرعون کو ان کا پیشوا بنا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی، اور اس کے فرشتوں نے ان پر لعنت کی اور رسولوں کے پیروکاروں اور مومنوں نے ان پر لعنت کی اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

قتادہ نے کہا یہ آیت، اس آیت کی طرح ہے:

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○ (ھود: ۹۹)

ان پر اس دنیا میں بھی لعنت کی گئی اور آخرت میں بھی، اور ان کو کیسا برا انعام دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۸-۴۲۶، ملخصاً دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے بلند عمارت بنائی تھی یا نہیں

سدی نے روایت کیا ہے جب وہ بلند قلعہ بنا لیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۱۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۹۲۱)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے کہ فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے، سو ایسی حرکت تو کوئی فاتر العقل اور مجنون ہی کرسکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے، اس کی مذکور الصدر روایت صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۰-۵۹۹، ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا

اور ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب

الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

دی جو لوگوں کے لیے بصیرت افروز تھی اور ہدایت اور رحمت

لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے، جب

قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا، اور نہ آپ اس وقت (ان کو) دیکھنے والوں میں سے تھے ○

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا

لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا، اور نہ آپ اہل مدین

فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے، اور البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں ○

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور نہ آپ (پہاڑ) طور کی جانب تھے جب ہم نے ندا فرمائی تھی، لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

نے آپ کو غیب کی خبریں دیں) تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت

اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کی

اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

پیروی کرتے اور ہم مومنوں سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجتے) O پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا

عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰىؕ اَوَلَمْ

تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے' کیا اس سے پہلے

يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وقفة

(کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر نہیں کیا تھا! انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ

اور انہوں نے کہا بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک کا کفر کرنے والے ہیں O آپ کہیے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی

اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

کتاب لے آؤ جو (بالفرض) ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو O

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْؕ

پس اگر یہ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں'

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِؕ اِنَّ

اور اس سے زیادہ کون گم راہ ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کرے' بے شک

اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

۵/۸ ع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی‘ جو لوگوں کے لیے بصیرت افروز تھی‘ اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںo اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا‘ اور نہ آپ اس وقت (ان کو) دیکھنے والوں میں سے تھےo لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں‘ سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا‘ اور نہ آپ اہل مدین میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے‘ اور البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیںo اور نہ آپ (اس وقت پہاڑ) طور کی جانب تھے‘ جب ہم نے موسیٰ کو نداء فرمائی تھی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو غیب کی خبریں دیں) تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںo (القصص: ۴۶-۴۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

مذکور الصدر چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل قائم کی ہے اور قرآن مجید کا معجزہ اور کلام اللہ ہونا بیان فرمایا ہے‘ کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کی ولادت سے لے کر فرعون کے غرق ہونے تک تمام احوال بیان فرمائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کس طرح مکالمہ اور مناظرہ ہوا‘ کوہِ طور پر آپ پر کس طرح وحی نازل کی گئی‘ یہ تمام چیزیں آپ نے بیان فرمائیں حالانکہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود نہ تھے‘ اور آپ اُمی تھے آپ نے یہ واقعات تورات میں نہیں پڑھے‘ نہ آپ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے‘ پھر آپ نے یہ غیب کی خبریں کیسے بیان کر دیں اس کی صرف یہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان خبروں پر مطلع فرمایا اور یہی آپ کے برحق رسول ہونے کی دلیل ہے۔

القصص: ۴۳ میں فرمایا ہے: ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی‘ اس سے مراد تورات ہے جس میں فرائض‘ حدود اور احکام ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام حاکم نیشاپوری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے تورات کو نازل کیا ہے اس نے سوا اس بستی کے جس کے لوگوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا اس نے روئے زمین پر اور کسی قوم یا قرن یا اُمت پر آسمانی عذاب نہیں بھیجا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۸‘ قدیم‘ رقم الحدیث: ۳۵۳۴‘ جدید‘ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۴۸‘ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۸۸‘ کنز العمال ج ۲ ص ۴۳‘ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ج ۵ ص ۳۲۶)

قرونِ اولیٰ (پہلے زمانہ کے لوگوں) سے مراد ہیں قوم نوح‘ قوم عاد اور قوم ثمود‘ ایک قول یہ ہے کہ فرعون کو غرق کرنے اور قارون کو زمین میں دھنسانے کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب دی۔

فرمایا: تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں یعنی بنو اسرائیل فرعون سے نجات پانے کی نعمت کو یاد کریں اور تورات کے احکام پر عمل کریں۔

اور آپ طور کی مغربی جانب نہ تھے‘ جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ (القصص: ۴۴)

جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے امر اور نہی کا مکلف کیا تھا اور ان سے عہد لیا تھا آپ اس وقت شاہد نہ تھے یعنی اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔

قرن کا معنی اور نبیوں اور رسولوں کی تعداد

فرمایا: لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سے قرون پیدا کیے‘ سوان پر طویل زمانہ گزر گیا۔ (القصص: ۴۵)

حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ قرن کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا سو سال‘ اور زرارہ بن اوفیٰ سے ایک سو بیس سال کی روایت ہے‘ اور قتادہ سے ستر سال کی روایت ہے اور حسن بصری سے ساٹھ سال کی روایت ہے اور ابراہیم سے چالیس سال کی روایت ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸۲‘ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

ان باقی اقوال کی بہ نسبت قرن کی تعیین میں وہی مدت صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار‘ ان میں سے جم غفیر رسول ہیں‘ تین سو پندرہ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۹۴۴‘ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا اور نہ آپ (اس وقت پہاڑ) طور کی جانب تھے جب ہم نے نداء فرمائی تھی۔ (القصص: ۴۷)

یعنی جس طرح آپ اس وقت پہاڑ طور کی مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ کو رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا تھا‘ اسی طرح آپ اس وقت بھی پہاڑ طور کی جانب نہ تھے‘ جب حضرت موسیٰ ستر منتخب شدہ افراد کے ساتھ پہاڑ طور پر آئے تھے‘ اور جب ان ستر افراد کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو حضرت موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا‘ کیا تو ان بے وقوفوں کے فعل کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک کر دے گا! یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک آزمائش ہے تو اس آزمائش کی وجہ سے جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے ہدایت پر برقرار رکھے سو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر معاف فرمانے والا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۵)

اس آیت کی دوسری تفسیر میں یہ روایات ہیں: امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کی اُمت کو اس وقت نداء کی جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے‘ اے اُمت محمد! میں نے تمہارے دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا اور تمہارے سوال کرنے سے پہلے تم کو عطا کر دیا اور تمہارے مغفرت طلب کرنے سے پہلے تم کو معاف فرما دیا‘ اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ نداء فرمائی تھی جب حضرت موسیٰ ستر افراد کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تھے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے ان کو دکھا‘ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ان کو نہیں دیکھ سکتے‘ اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کی آواز سنا دوں‘ حضرت موسیٰ نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! تو اللہ سبحانہ نے پکارا اے اُمتِ محمد! تو انہوں نے اپنے آباء کی پشتوں سے جواب دیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ان کی آواز سنا دی پھر فرمایا میں نے تمہارے دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعاؤں کو قبول فرما لیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں گزر چکا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۳‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ‘ امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ‘ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ‘ امام

الحسین بن مسعود متوفی ۵۱۶ھ‘ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہم نے بھی اس روایت کو اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے ان کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں: (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۰۱۔۱۰۰‘ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸۳‘ المستدرک ج ۲ ص ۴۰۸‘ معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۷‘ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۹)

اور فرمایا: لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے‘ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے وقت موجود نہیں تھے‘ اور نہ وہ واقعات کسی کتاب سے آپ پر پڑھے گئے تھے‘ لیکن ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی طرف ان واقعات کی وحی فرمائی یہ ہماری رحمت ہے۔ تاکہ آپ کو جن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں‘ اور ان کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم مومنوں سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجتے)○ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے‘ جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے! کیا اس سے پہلے (کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر نہیں کیا تھا؟ انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں‘ اور انہوں نے کہا بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک کا کفر کرنے والے ہیں○ (القصص: ۴۸۔۴۷)

مشرکین کے شبہات کے جوابات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ آپ پر غیب کی باتوں کی وحی فرمانا ہماری رحمت ہے تاکہ آپ کے دعویٰ نبوت پر دلیل قائم ہو‘ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو مکہ والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تاکہ ان کے لیے ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور جب قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں تھا‘ ہم کیسے ایمان لاتے‘ اور اس کی نظیر یہ آیتیں بھی ہیں:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء: ۱۶۵)

(اور ہم نے ثواب کی) خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے (ایمان نہ لانے کا) اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ رہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی (ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا نہیں آیا‘ لو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ چکا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہ دیئے جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے۔ (القصص: ۴۸)

مجاہد نے کہا یہود نے قریش سے کہا کہ تم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو کہ وہ ایسے معجزات لے کر آئیں جیسے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ قریش سے یہ کہیں کہ وہ یہود کے پاس جا کر یہ کہیں

کیا تم نے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار نہیں کیا تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ان کی مراد یہ تھی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات ایک بار ہی مکمل نازل ہوگئی تھی اسی طرح آپ پر بھی قرآن مجید ایک بار ہی مکمل کیوں نہیں نازل ہوا اور جس طرح ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا تھا' آپ کو بھی ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے۔ نیز ان کے لیے سمندر کو چیر کر راستہ بنا دیا گیا' ان کی اُمت پر بادل کا سایہ کیا گیا' پتھر سے پانی نکالا گیا' ان پر من وسلویٰ نازل کیا تو آپ کے لیے ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے جن معجزات کو طلب کیا تھا وہ معجزات اثبات نبوت کے لیے لازم نہیں تھے' کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ایک جیسے ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ان پر ایک جیسی کتاب نازل ہو' کیونکہ اصلاح اور ہدایت کے لیے کتاب کا نازل کرنا ضروری ہے خواہ وہ کتاب ایک بار ہی مکمل نازل کر دی جائے یا تھوڑی تھوڑی حسب ضرورت نازل کی جائے' اور معجزات کا ایک جیسا ہونا بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ ہر زمانہ کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں' اس لیے اس زمانہ کے تقاضوں کے اعتبار سے معجزات عطا کیے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ یہود جو مشرکین مکہ کو یہ اعتراض سکھا رہے ہیں کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ کہو کہ وہ ایسے معجزات دکھائیں جیسے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیے تھے تو اے یہودیو! یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے آباؤ اجداد نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا کفر نہیں کیا تھا' اور ان کو جادوگر نہیں کہا تھا؟

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیا یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جادوگر نہیں کہا تھا' اور یہ کہ ہم ان میں سے ہر ایک کا کفر کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے انجیل اور قرآن دونوں کو جادو کہا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور قرآن دونوں کو جادو کہا' اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور انجیل دونوں کو جادو کہا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس لفظ کو سحران (بغیر الف کے) پڑھا جائے اور اگر اس کو ساحران (الف کے ساتھ) پڑھا جائے تو حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا یہ مشرکین عرب کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں جادوگر ہیں' اور سعید بن جبیر' مجاہد اور ابن زید نے کہا یہ ابتداء رسالت میں یہود کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں' اور یہ تفسیر پہلی آیت سے اس طرح مربوط ہے کہ ہر چند کہ یہود نبوت کے معترف تھے لیکن انہوں نے دین میں تحریف کر دی تھی اور کتاب میں بہت تغیر کر دی تھی اور وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے' اس لیے ہم نے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے' اور قتادہ نے کہا یہ اس زمانہ کے یہودیوں کا قول ہے انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جادوگر ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو تورات لے کر آئے تھے' اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر تھا اور انجیل اور قرآن کا بھی ذکر تھا اور یہود نے ان کا انکار کیا اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں اور انجیل اور قرآن جادو ہیں اور جب یہود نے ان چیزوں کا کفر کیا جن کا تورات میں ذکر ہے تو کیا انہوں نے تورات کا کفر نہیں کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۰-۲۶۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۶۱' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو (بالفرض) ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو ○ پس اگر یہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو جان لیجیے کہ یہ صرف اپنی

خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں' اور اس سے زیادہ کون گم راہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرے' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا○ (القصص: ۵۰-۴۹)

یعنی اے مشرکو! اگر تم ان دونوں کتابوں تورات اور قرآن کا انکار کرتے ہو اور ان کو جادو کہتے ہو اور ان کو ہدایت دینے والی کتابیں نہیں مانتے تو پھر کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو اور اگر وہ آپ کے اس چیلنج کو قبول نہ کریں تو پھر اے نبی مکرم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جان لیجیے کہ یہ صرف اپنے دل کے خیالات اور آراء کی پیروی کرتے ہیں اور بغیر کسی دلیل کے شیطان کی تقلید کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور ہم لگاتار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○ جن کو ہم نے

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں○ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں' بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ

شعار ہو چکے ہیں○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا

اچھائی سے دور کرتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں○ اور جب وہ کوئی

اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز

بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ

اعمال ہیں' تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے○ بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو

اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ

ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے' اور وہ ہدایت پانے والوں کو

بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

خوب جانتا ہے O اور انہوں نے کہا اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کرلیں تو ہم اپنے ملک سے

مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ

اچک لیے جائیں گے، کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے، اس کی طرف ہمارے دیئے ہوئے

كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں، لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے O

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ

اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے سو یہ ان کے مکان ہیں

لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵۸﴾

جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں O

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول نہ بھیج دے جو ان

عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں O

وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا

اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ

عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

ع ۱۰ ۶ ۹

کے پاس (اجر) ہے وہ اچھا ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم لگاتار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں O اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور

اطاعت شعار ہو چکے ہیں○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دُگنا اَجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں○ (القصص: ٥٤-٥١)

ایک بار پورا قرآن نازل کرنے کے بجائے لگاتار آیتیں نازل کرنے کی حکمت

اس آیت میں وصلنا کا لفظ ہے اس کا مصدر ''توصیل'' ہے' اس کا معنی ہے ہم نے لگاتار اور پے درپے بھیجا' ''تواصل'' کا معنی ہے کسی کام کا مسلسل ہوتے رہنا۔

امام ابن جریر متوفی ٣١٠ ھ نے کہا اس آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم' ہم آپ کی قوم قریش اور بنی اسرائیل کے یہودیوں کے لیے' مسلسل ماضی کی خبریں بھیجتے رہے' اور جن قوموں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی پاداش میں ہم نے ان پر عذاب نازل کیا تھا ان کی خبریں سناتے رہے' تاکہ یہ لوگ ان کی طرح اللہ کا کفر نہ کریں اور اس کے رسولوں کی تکذیب نہ کریں اور ان کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اگر ایک ہی بار پورا قرآن نازل کر دیا جاتا اور ان پر بار بار آیات نازل نہ ہوتیں تو ان کو نصیحت حاصل کرنے کے اتنے مواقع میسر نہ ہوتے۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہم ان کو دنیا میں آخرت کی خبریں پہنچاتے رہے' ہم انہیں دنیا میں اس طرح آخرت کی خبریں پہنچاتے تھے اور اپنی نشانیاں دکھاتے تھے گویا کہ انہوں نے دنیا میں آخرت کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ (ھود: ١٠٣)

بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اور بتایا کہ ہم عنقریب ان سے کیے ہوئے آخرت کے وعدہ کو پورا کریں گے جیسا کہ ہم نے انبیاء سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کیا اور ہم انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان فیصلہ کر دیں گے۔ (جامع البیان جز ٢٠ ص ١٠٨-١٠٧' دارالفکر بیروت' ١٤١٥ ھ)

علامہ قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ نے کہا ہم نے قرآن مجید کی آیتوں کو مسلسل اور لگاتار نازل کیا ہے' اور ان آیتوں میں وعد اور وعید ہے' اور قصص اور عبر ہیں اور مواعظ اور نصائح ہیں تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور فلاح پائیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''لھم'' کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر یہود کی طرف راجع ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر دونوں کی طرف راجع ہے۔ اس آیت میں ان کا رد ہے جنہوں نے کہا تھا کہ آپ پر پورا قرآن ایک بار کیوں نازل نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مسلسل اور لگاتار قرآن نازل کرتے رہے تاکہ ان کے دل پر بار بار ضرب لگے اور یہ نصیحت حاصل کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ٢٦٢' دارالکتاب العربی بیروت' ١٤٢٠ ھ' جز ١٣ ص ١٧١' دارالفکر بیروت' ١٤١٥ ھ)

جن مومنین اہل کتاب کو دُگنا اَجر دیا جائے گا ان کے مصادیق

اس کے بعد فرمایا: جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی اور وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ (القصص: ٥٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٩ ص ٢٩٨٨' رقم الحدیث: ١٦٩٧٨)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب بنی اسرائیل کی خبر دی ہے جو ابتداء میں قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے'

جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور سلمان وغیرہما اور ان میں وہ علماء نصاریٰ بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور یہ چالیس افراد تھے' ان میں سے بتیس (۳۲) افراد تو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ (۸) افراد شام سے آئے تھے' یہ لوگ نصاریٰ کے ائمہ تھے' ان میں بحیراء الراہب' ابرھہ' اشرف' عامر' ایمن' ادریس اور نافع تھے۔

علامہ الماوردی نے اسی طرح ان کے نام گنوائے ہیں۔ (النکت والعیون للماوردی ج ۴ ص ۲۵۷' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دُگنا اَجر دیا جائے گا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے تھے۔ (القصص: ۵۴) یہ آیت بھی ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

قتادہ نے کہا حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت تمیم داری' حضرت اجارود العبدی' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت رفاعۃ القرظی سے روایت ہے کہ یہ آیت دس افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔

حضرت عروہ بن الزبیر نے کہا یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارہ افراد بھیجے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گئے' اس وقت ابو جہل اور اس کے ساتھی بھی ان کے قریب تھے' وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے' جب وہ آپ کے پاس سے اُٹھے تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے ان کا پیچھا کیا' اور کہا اللہ تعالیٰ تمہاری جماعت کو ناکام کرے اور تمہارے وفد کا برا حال کرے ہم نے تم سے زیادہ احمق اور جاہل سواروں کی جماعت نہیں دیکھی' انہوں نے کہا تمہیں سلام ہو' ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔

ابو العالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے اور جب ان پر قرآن مجید پڑھا گیا تو انہوں نے کہا ہم اس کی تصدیق کر چکے ہیں۔

القصص: ۵۳ میں ہے: اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت شعار ہو چکے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کے نزول سے پہلے ہی اپنی کتابوں میں اس کی بشارت پڑھ کر اس پر ایمان لا چکے تھے۔ یا ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی اپنی کتابوں میں آپ کی بعثت کی بشارت پڑھ کر آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ یا اس کا معنی ہے ہم پہلے ہی موحد تھے' یا ہمارا پہلے ہی ایمان تھا کہ عنقریب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا۔ اس آیت میں جو فرمایا ہے' ہم پہلے ہی مسلمین تھے اس سے اسلام کا معروف اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی ہم پہلے ہی اطاعت گزار اور اطاعت شعار تھے' اسلام کا معروف اصطلاحی معنی صرف دینِ اسلام ہے اور صرف مسلمانوں پر صادق آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۳-۲۶۲' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' جز ۱۳ ص ۲۷۲-۲۷۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں کو ان کے نیک اعمال کا دُگنا اَجر دیا جائے گا اس کی وجہ استحقاق

اس کے بعد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دُگنا اَجر دیا جائے گا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس سے نیکی کے کاموں میں خرچ کرتے تھے۔ (القصص: ۵۴)

اس آیت کی تائید اور تصدیق میں حسب ذیل احادیث ہیں:

ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دُگنا اَجر ملے

گا' ایک اہل کتاب سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرے اور وہ شخص جس کے پاس ایک باندی ہو' وہ اس کو ادب سکھائے تو اچھا ادب سکھائے' اور اس کو تعلیم دے تو اچھی تعلیم دے' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دو اَجر ملیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں جن تین شخصوں کے متعلق حدیث میں ہے کہ ان کو دُگنا اَجر ملے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دو مختلف جہتوں سے عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے دونوں کی اطاعت کی' اس لیے وہ دُگنے اَجر کے مستحق ہوئے' سو جو شخص اہل کتاب سے تھا اس کو اپنے نبی کی طرف سے حکم دیا گیا تو اس نے اس کے حکم کی اطاعت کی' پھر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا تو اس نے آپ کے حکم کی اطاعت کی تو اس کو دونوں ملتوں کا اَجر ملے گا' اور غلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم دیا گیا اور اس کے مالک کی طرف سے بھی حکم دیا گیا سو اس نے دونوں کی اطاعت کی' اس لیے اس کو بھی دُگنا اَجر ملے گا اور جو شخص باندی کا مالک تھا اس نے باندی کی تربیت کر کے اس کو تربیت کے ساتھ زندہ کیا' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کو آزادی کے ساتھ زندہ کیا سو ان میں سے ہر ایک دو اَجروں کا امید وار ہے' اور جس نیکی کا مسلمانوں کو دس گنا اَجر ملتا ہے اور مسلمانوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ستائیس (۲۷) گنا اَجر ملتا ہے' اسی طرح حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ گنا اَجر ملتا ہے' سو ان تین شخصوں کو یہ تمام اجور عام مسلمانوں کی بہ نسبت دُگنے ملیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۴' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' جز ۱۳ ص ۲۷۳-۲۷۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ ان کو دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی کتاب پر ایمان لائے اور ایک مرتبہ وہ قرآن پر ایمان لائے یا دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ وہ دونوں دینوں پر ثابت قدم رہے یا ان کو دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ وہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے اور اس کے نزول کے بعد دو مرتبہ اس پر ایمان لائے یا ان کو دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ انہوں نے دونوں دینوں کے مخالفین کی طرف سے اذیت اور تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور مخالفین اور مشرکین کی طرف سے ان پر جو زیادتی ہوئی اور ان کے ساتھ جو برا سلوک کیا گیا اس کا انہوں نے نرمی سے اور نیک سلوک کے ساتھ جواب دیا۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو' اور برائی کے بعد نیکی کرو' وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی' اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۱' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' علامہ ذہبی نے تصحیح میں حاکم کی موافقت کی ہے)

مومنین اہل کتاب کے لیے دُگنے اَجر کی بشارت زمانہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے لیے عام ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل تورات اور اہل انجیل میں سے اسلام لے آیا اس کو اس کا اَجر دوبارہ ملے گا' اس کے وہ حقوق ہیں جو ہمارے حقوق ہیں اور اس پر وہ فرائض ہیں جو ہمارے فرائض ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۳۵' دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۲۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۳)

یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے اہل کتاب کے لیے عام ہے۔

قرآن مجید میں چونکہ ''من قبلہ'' کی قید ہے یعنی وہ اہل کتاب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یا قرآن مجید کے نزول سے پہلے اپنی کتابوں میں ہمارے نبی اور قرآن مجید کی بشارت کا پڑھ کر آپ پر یا قرآن مجید پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا' سو دُگنے اَجر کی بشارت صرف ان کے لیے ہے قیامت تک کے تمام اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے نہیں ہے۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے ان کو دُگنے اَجر دیئے جانے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ یہ لوگ بعثت سے پہلے بھی ہمارے نبی پر ایمان لائے اور بعثت کے بعد بھی ہمارے نبی پر ایمان لائے اس وجہ سے ان کو دُگنا اَجر ملے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۲' تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ الخفاجی ج ۷ ص ۳۰۸' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۱' روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۰-۱۳۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

اس کی تحقیق کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اسلام کا اطلاق ہر دین حق پر ہوتا ہے یا اسلام کا اطلاق صرف شریعت محمدیہ پر ہوتا ہے' اسی طرح مسلمین کا اطلاق صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین پر ہوتا ہے یا ہر نبی کے متبعین پر ہوتا ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی کے دین کے ساتھ مخصوص ہے اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے البتہ انبیاء سابقین پر بھی مسلمین کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرا قول جو تعمیم کا ہے' وہ مرجوح ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے راجح قول کی تائید میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث پیش کریں گے' پھر جن آیات سے مرجوح قول پر استدلال کیا گیا ہے' ان کے جوابات اور ان آیات کے صحیح محامل پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

لفظ اسلام کے ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں آیات

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المائدہ: ۳)

میں نے آج تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں راضی ہو گیا۔

اس آیت میں یہ بالکل واضح ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ خاص ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے اختصاص تو ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''لکم'' کو جو ''الاسلام'' پر مقدم کیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے ہی اسلام کو پسند کیا ہے کیونکہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے جیسا کہ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ: ۴) میں ہے اس میں بھی علم کی تقدیم کا معنی ہے وہ متقین ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں' اور اس میں اہل کتاب پر تعریض ہے کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی طرح وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرہ: ۱۶۷) میں بھی ''ھم'' کی تقدیم سے یہ معنی مستفاد ہوتا ہے کہ صرف وہی یعنی کافر دوزخ سے نہیں خارج ہوں گے' اور ان کے علاوہ دوزخ سے خارج ہو جائیں گے اور وہ موحدین ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ اسلام کی خصوصیت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

(البقرہ: ۲۰۸)

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور اپنی شریعت کے بعض احکام پر باقی رہے تھے، وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شریعت میں مکمل داخل ہو جائیں اور تورات کے کسی حکم پر عمل نہ کریں کیونکہ وہ منسوخ ہو چکے ہیں، اور تورات کے بعض احکام پر عمل کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلیں۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اسلام کے تمام شرعی احکام میں مکمل داخل ہو جاؤ، اعتقاداً بھی اور عملاً بھی۔ اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے ان مومنین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو تورات کے بعض شرعی احکام پر عمل کرتے تھے۔ فرمایا کہ تم مکمل طور پر دین محمد میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے کسی چیز کو ترک نہ کرو اور اس میں یہ تصریح ہے کہ تورات کی شریعت کو اسلام نہیں کہا جاتا۔

لفظ مسلمین کے ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں آیات

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا۔ (الحج: ۷۸)

اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تم کو فضیلت والا بنایا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو (قائم رکھو) اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے، (اللہ ہی نے یا ابراہیم نے) نزول قرآن سے پہلے بھی اور قرآن میں بھی۔

اس میں اختلاف ہے کہ ھو سماکم کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا حضرت ابراہیم کی طرف، زیادہ تر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کرنے سے پہلے تورات اور انجیل میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمین فرمایا ہے، اور ائمہ سلف مفسرین صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں، تورات اور انجیل میں تمام آسمانی کتابوں میں اس اُمت کو مسلمین فرمایا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہی مسلمین کے نام کے ساتھ مخصوص ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے مسلمین کے نام کے ساتھ مخصوص ہونے پر دوسری دلیل یہ آیت ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ (البقرۃ: ۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہم دونوں کو مسلمین (اپنا اطاعت شعار) رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اُمت کو مسلمہ (اپنا اطاعت شعار) رکھ۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بیٹے دونوں کے لیے اسلام پر قائم رہنے کی دعا کی ہے اور وہ دونوں نبی ہیں اور پھر اپنی اولاد کی اُمت کے لیے اسلام پر قائم رہنے اور مسلمان رہنے کی دعا کی ہے اور آپ کی اولاد کی اُمت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے کیونکہ اس آیت کے بعد حضرت ابراہیم نے ہمارے نبی کی بعثت کی دعا کی ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما دے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی

ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا۔ اہل مکہ میں نبی مبعوث فرمایا اور ان کی اُمت کو مسلمہ فرمایا' اور اس سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو مسلم فرمایا ہے۔

اس موقف پر تیسری دلیل یہ آیت ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۔ (المائدہ: ۴۴) بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا ہے اس میں ہدایت اور نور ہے' اس کے ساتھ یہودیوں کے لیے وہ انبیاء فیصلے کرتے ہیں جو مسلم ہیں۔

اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسلموا یعنی مسلم کی صفت کا ذکر کیا ہے اور ان کی اُمتوں کے ساتھ مسلم کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کو ھادوا یعنی یہودی کے عنوان سے ذکر کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی اُمتوں کو قرآن مجید میں مسلم نہیں کہا گیا۔ اُمتوں میں سے مسلم صرف ہماری اُمت کو کہا گیا ہے' البتہ انبیاء سابقین کو مسلمین کہا گیا ہے۔

لفظ اسلام کے ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا کو وحی کی کہ میں نبی اُمی کو مبعوث کرنے والا ہوں' اس کی ولادت مکہ میں ہو گی اور اس کی ہجرت طیبہ میں ہو گی' وہ میرے (مکرم) بندے المتوکل المصطفیٰ ہیں' ان کی ملت اسلام ہے اور ان کا نام احمد ہے۔

(دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۳۳' ج ا ص ۳' دار النفائس)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اسلام صرف آپ کی ملت ہے اور آپ کے ساتھ مخصوص ہے' اس اثر کو قاضی عیاض نے شفاء میں بھی ذکر کیا ہے اور ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس اثر کو پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں اور اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور یہی ملت ابراہیم ہے اور ملتِ یہود اور ملت نصاریٰ یہودیت اور نصرانیت ہے۔

اس موقف پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اپنے قریظہ کے ایک بھائی کے پاس سے گزرا اس نے میرے لیے تورات کے چند ابواب لکھ دیئے کیا میں ان کو آپ کے سامنے پیش نہ کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پس حضرت عمر نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر راضی ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غصہ کے آثار دُور ہو گئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر تم میں صبح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں پھر تم ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے' تم اُمتوں میں سے میرا حصہ ہو اور میں نبیوں میں سے تمہارا حصہ ہوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۶' طبع قدیم' حافظ زین نے لکھا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۲۵۱' دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۵' عالم الکتب بیروت ۱۴۱۹ھ' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۶۴' مکتب اسلامی ۱۳۹۰ھ' رقم الحدیث: ۱۰۲۰۰' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ' مجمع الزوائد ج ا ص ۱۷۳)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تورات کی شریعت کو اسلام نہیں کہا جاتا' کیونکہ جب حضرت عمر نے یہ دیکھا کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ میں تورات کے چند اجزاء دیکھ کر غضب ناک ہوئے ہیں تو انہوں نے فوراً کہا ہم اسلام کو دین مان کر راضی ہیں تا کہ وہ تورات کی شریعت کی اتباع سے بری ہو جائیں اور جب انہوں نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دُور ہو گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر صرف شریعتِ اسلام کے متبع ہیں اور شریعت توراۃ سے اعراض کرنے والے ہیں۔

مسلمین کے لقب سے صرف ہمارے نبی کے متبعین کے مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث

امام ابن ابی شیبہ نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کسی شخص پر کوئی حق تھا' حضرت عمر نے کہا اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر پر فضیلت دی ہے میں تم سے جدا نہیں ہوں گا۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بشر پر فضیلت نہیں دی۔ حضرت عمر نے اس یہودی کے ایک تھپڑ مار دیا' اس یہودی نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اے یہودی! آدم صفی اللہ ہیں' اور ابراہیم خلیل اللہ ہیں' اور موسیٰ نجی اللہ (اللہ سے ہم کلام ہونے والے) ہیں اور عیسیٰ روح اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں' بلکہ اے یہودی! اللہ کے دو نام ایسے ہیں جو اس نے میری اُمت کے رکھے ہیں' اللہ کا نام السلام ہے اور اس نے میری اُمت کا نام مسلمین رکھا ہے اور اللہ کا نام المومن ہے اور اس نے میری اُمت کا نام مومنین رکھا ہے' بلکہ اے یہودی تم نے اس دن کو تلاش کیا جس کو ہمارے لیے ذخیرہ کیا گیا تھا (یعنی جمعہ) تمہارے لیے اس سے اگلا دن ہوا (ہفتہ) اور نصاریٰ کے لیے اس سے اگلا دن ہوا (اتوار) بلکہ اے یہودی تم اوّلین ہو اور ہم آخرین ہیں' (دنیا میں) اور سابقین ہیں قیامت کے دن' بلکہ تمام نبیوں کے لیے اس وقت تک جنت میں دخول حرام ہے جس تک کہ میں داخل نہ ہوں اور تمام اُمتوں پر اس میں دخول حرام ہے جب تک کہ میری اُمت اس میں داخل نہ ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۹۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ص ۵۱۱' ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کی اُمت اسلام کے وصف کے ساتھ مخصوص ہے' اگر باقی اُمتیں بھی اس وصف میں شامل ہوتیں تو آپ کا اس وصف کو تفصیل کے موقع پر پیش کرنا درست نہ ہوتا۔

اس موقف پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

الحارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کی وہ جہنم کے بیٹھنے والوں میں سے ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ خواہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تم اللہ کی اس پکار کے ساتھ پکارو جس کی وجہ سے اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اور مومنین عباد اللہ ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۳' تاریخ کبیر للبخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۰۲)

ان علماء کے دلائل جو اسلام اور مسلمین کے وصف کو تمام شرائع اور تمام اُمتوں کے لیے عام قرار دیتے ہیں اور ان کے جوابات

ان علماء کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (الذٰریٰت: ۳۶)

پس ہم نے تمام مومنوں کو اس بستی سے نکال لیا' سو ہم نے مسلمین کا وہاں پر صرف ایک ہی گھر پایا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کے متبعین پر بھی مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی مسلمین کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس گھر میں حضرت لوط علیہ السلام تھے اور ان کی صاحبزادیاں تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام پر مسلم کا اطلاق اصالۃً اور بالذات تھا اور ان کی صاحبزادیوں پر بالتبع تھا' جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ استقلالاً اور بالذات بھیجی جاتی ہے اور آپ کی آل' اصحاب اور ازواج پر بالتبع بھیجی جاتی ہے۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا:

نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ○ (البقرۃ: ۱۳۳)

آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے آباء و اجداد' ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو واحد معبود ہے اور ہم اسی کے لیے مسلمین ہیں۔

اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھی مسلمین فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اُمتیوں پر بھی مسلم کا اطلاق ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی مسلم کا اطلاق ہوتا ہے' اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ سب نبی تھے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام تو اتفاقاً نبی تھے ان پر مسلم کا اطلاق اصالۃً ہے اور ان کے بھائیوں پر مسلم کا اطلاق بالتبع ہے۔

لفظ اسلام کو ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجوہات

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اسلام کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے تو اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اسلام اس شریعت کو کہا جاتا ہے جو آسان اور سہل ہو اور آسان اور سہل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے کیونکہ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے **ورضیت لکم الاسلام دینا**. اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہ ہے جو آسان اور سہل ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے۔ (صحیح البخاری باب ۳۰) قرآن مجید میں ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ (الحج: ۷۸)

اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسلام میں وسعت رکھی ہے اور بنی اسرائیل اور یہود اور نصاریٰ کی شریعت میں جو مشکل احکام رکھے تھے اسلام میں ان کو اُٹھا لیا بلکہ سابقہ شرائع میں بہت دشوار اور سخت احکام تھے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ (البقرہ: ۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔

اور سابقہ شرائع کے مشکل احکام کا بوجھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُتارا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ (الاعراف:۱۵۷) اور ان لوگوں پر جو مشکل احکام کے بوجھ اور طوق تھے ان کو (نبی اُمی) اُتارتے ہیں۔

حضرت محجن بن الادرع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اس اُمت کے لیے آسانی پسند ہے اور مشکل ناپسند ہے۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۵۴۳ الاحادیث الصحیحہ رقم الحدیث: ۱۶۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۱ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۸۴۷)

اس وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت پر اسلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

(۲) اسلام اس شریعت کا نام ہے جو بہت فضیلت والی عبادات پر مشتمل ہے جیسے حج، وضو، غسل جنابت اور جہاد وغیرہ، اور یہ عبادات اس اُمت کے ساتھ مخصوص ہیں دوسری اُمتوں پر مشروع نہیں کی گئیں۔ البتہ دوسرے انبیاء پر یہ عبادات مشروع کی گئیں ہیں، جیسا کہ اس اثر میں ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی طرف زبور میں یہ وحی کی کہ اے داؤد! بے شک تمہارے بعد ایک نبی آئے گا اس کا نام احمد ہوگا، اس کی اُمت اُمت مرحومہ ہوگی اس کو میں ایسے ایسے نوافل عطا کروں گا، جیسے نوافل میں نے انبیاء (علیہم السلام) کو عطا کیے ہیں اور اس پر میں ایسی عبادات فرض کروں گا جیسی عبادات میں نے انبیاء پر فرض کی ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے اور ان کا نور انبیاء کے نور کی مثل ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے اس طرح طہارت حاصل کریں جس طرح میں نے انبیاء علیہم السلام پر طہارت کو فرض کیا ہے اور میں نے ان پر غسل جنابت کو اس طرح فرض کیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر غسل جنابت کو فرض کیا ہے اور میں نے ان کو حج کرنے کا اس طرح حکم دیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر حج کو فرض کیا تھا اور میں نے ان کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے رسولوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ (دلائل النبوۃ ص ۳۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی وجہ سے اس اُمت کا نام مسلمین رکھا گیا ہے، جیسے انبیاء اور رُسل کا نام مسلمین رکھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ اور کسی اُمت کا نام مسلمین نہیں رکھا گیا، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام ابویعلیٰ احمد بن علی متوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کے آٹھ (۸) حصے ہیں، ایک حصہ اسلام ہے، دوسرا حصہ نماز ہے، تیسرا حصہ زکوٰۃ ہے، چوتھا حصہ حج ہے، پانچواں حصہ جہاد ہے، چھٹا حصہ رمضان کے روزے ہیں، ساتواں حصہ نیکی کا حکم دینا ہے، آٹھواں حصہ برائی سے روکنا ہے اور وہ آدمی ناکام اور نامراد ہو گیا جس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۱ ص ۴۰۰، رقم الحدیث: ۵۲۳، مطبوعہ دار المامون للتراث ۱۴۰۴ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام کے تیس حصے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا ان کو کسی نے مکمل نہیں کیا۔

امام حاکم اور ذہبی دونوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۶۷، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۵۳، طبع جدید، المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس دین کے ساتھ جس کو بھی مکلف کیا گیا حضرت ابراہیم کے سوا کسی نے اس کو کامل طریقہ سے پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:

وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ۝ (النجم: ۳۷) اور ابراہیم کے صحیفوں میں تھا جو پوری طرح احکام بجالائے۔

ان میں سے دس احکام التوبۃ: ۱۱۲ میں ہیں اور دس احکام المومنون: ۱۰-۱ میں اور دس احکام الاحزاب: ۳۷ میں ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۷ رقم الحدیث: ۱۵۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس سے معلوم ہو گیا کہ اسلام ان احکام کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ احکام صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت میں اور ملتِ ابراہیم میں ہیں اسی لیے آپ کو ملتِ ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) اسلام کے معنی کا مدار ماننے اور اطاعت کرنے پر ہے اور کسی اُمت نے اپنے نبی کو اس طرح نہیں مانا جس طرح ہماری اُمت نے اپنے نبی کو مانا ہے، اسی وجہ سے ان کا نام مسلمین رکھا گیا ہے، باقی اُمتیں اپنے نبیوں کی بہت نافرمانی کرتی تھیں جیسا کہ احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے تم سے پہلی اُمتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے بہ کثرت سوالات کرتی تھیں اور اپنے نبیوں سے بہت اختلاف کرتی تھیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن کہا تھا ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا ”جائیں آپ اور آپ کا رب قتال کریں، ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں“ اللہ کی قسم اگر آپ ہم کو برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ سمندر میں جائیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں جائیں گے۔ اسی وجہ سے دوسری اُمتوں کے بجائے ہماری اُمت کا نام مسلمین رکھا گیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں بعض اہل کتاب کو بھی مسلمین کہا گیا ہے

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں جب میں اس مقالہ کو لکھ کر فارغ ہو گیا تو میں بستر پر سو گیا اور نیند میں مجھ پر اس آیت کے ساتھ اعتراض کیا گیا:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ (القصص: ۵۳-۵۲)

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۝ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم اس سے پہلے ہی مسلمین تھے۔

اس آیت میں بہ ظاہر اہل کتاب کو مسلمین فرمایا ہے، میں اس آیت پر غور کرتا رہا مجھے کوئی جواب نہ سوجھا، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں اس آیت کا جواب القا فرما دے گا، سو جب میں بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کے تین جواب ڈال دیئے، اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اس آیت میں مسلمین کا لفظ ہے اور یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو مستقبل کے معنی میں ہے گویا کہ انہوں نے کہا ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم اسلام قبول کریں گے، یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ماضی میں مسلمین تھے۔

(۲) ان کی مراد یہ تھی کہ ہم قرآن کی وجہ سے اسلام لانے والے ہیں نہ کہ تورات اور انجیل کی وجہ سے، اور اس میں ”بہ“ محذوف ہے۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مسلمین تھے، کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے والے ہیں تو ہر چند کہ

وہ اس وقت یہودی یا عیسائی تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ مسلمین تھے۔

(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۹-۱۱۵ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً مطبوعہ لائل پور پاکستان)

حافظ سیوطی نے اسلام کے لفظ کو ہمارے نبی کے دین اور مسلمین کے لفظ کو ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص قرار دینے پر ایک رسالہ لکھا ہے' جس کا نام انہوں نے اتمام النعمة فی اختصاص الاسلام بهذه الامة رکھا ہے اور اس کو الحاوی للفتاویٰ میں شامل کیا' اس رسالہ کے آخر میں القصص: ۵۳ پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا ہے' میں چونکہ اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اس لیے میں نے یہاں اس مبحث کا ذکر کیا ہے۔

سید مودودی نے علامہ سیوطی کے جوابات کو بے وزن کہا ہے اس لیے اب ہم سید مودودی کی عبارت اور اس پر اپنا تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔

سید مودودی کا علامہ سیوطی کے موقف کا رد کرنا اور اس پر مصنف کا تبصرہ

سید مودودی کے نزدیک اسلام کا لفظ تمام ادیان سابقہ کے لیے عام ہے اور مسلمین کا لفظ بھی تمام اُمتوں کو عام ہے اور القصص: ۵۳ اس موقف پر صریح دلیل ہے اور علامہ سیوطی نے جو القصص: ۵۳ کے جواب دیئے ہیں' ان کو رد کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

یہ قول اس بات کی صاف صراحت کر دیتا ہے کہ اسلام صرف اس دین کا نام نہیں ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور ''مسلم'' کی اصطلاح کا اطلاق محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں تک محدود نہیں ہے' بلکہ ہمیشہ سے تمام انبیاء کا دین یہی اسلام تھا اور ہر زمانہ میں ان سب کے پیرو مسلمان ہی تھے۔ یہ مسلمان اگر کبھی کافر ہوئے تو صرف اس وقت جب کہ کسی بعد کے آنے والے نبی صادق کو ماننے سے انہوں نے انکار کیا۔ لیکن جو لوگ پہلے نبی کو مانتے تھے اور بعد کے آنے والے نبی پر بھی ایمان لے آئے ان کے اسلام میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ وہ جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی بعد میں رہے۔

تعجب ہے کہ بعض بڑے بڑے اہل علم بھی اس حقیقت کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں حتیٰ کہ اس صریح آیت کو دیکھ کر بھی ان کا اطمینان نہ ہوا۔ علامہ سیوطی نے ایک مفصل رسالہ اس موضوع پر لکھا کہ مسلم کی اصطلاح صرف اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہے۔ پھر جب یہ آیت سامنے آئی تو خود فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ میں نے پھر خدا سے دعا کی کہ اس معاملہ میں مجھے شرح صدر عطا کر دے۔ آخر کار اپنی رائے سے رجوع کرنے کے بجائے انہوں نے اس پر اصرار کیا اور اس آیت کی متعدد تاویلیں کر ڈالیں جو ایک سے ایک بڑھ کر بے وزن ہیں۔ مثلاً ان کی ایک تاویل یہ ہے کہ انا کنا من قبله مسلمين کے معنی ہیں ہم قرآن کے آنے سے پہلے ہی مسلم بن جانے کا عزم رکھتے تھے کیونکہ ہمیں اپنی کتابوں سے اس کے آنے کی خبر مل چکی تھی اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس فقرے میں مسلمين کے بعد لفظ بہ محذوف ہے' یعنی پہلے ہی سے ہم قرآن کو مانتے تھے کیونکہ اس کے آنے کی ہم توقع رکھتے تھے اور اس پر پیشگی ایمان لائے ہوئے تھے' اس لیے توراۃ وانجیل کو ماننے کی بناء پر نہیں بلکہ قرآن کو اس کے نزول سے پہلے برحق مان لینے کی بناء پر ہم مسلم تھے۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ تقدیر الٰہی میں ہمارے لیے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی آمد پر ہم اسلام قبول کر لیں گے اس لیے درحقیقت ہم پہلے ہی سے مسلم تھے۔ ان تاویلوں میں سے کسی کو دیکھ کر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اللہ کے عطا کردہ شرح صدر کا اس میں کوئی اثر موجود ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۴۶ مطبوعہ لاہور مارچ ۱۹۸۳ء)

تعجب ہے کہ سید مودودی نے علامہ سیوطی کے ذکر کردہ تینوں جوابات کو بے وزن کہا ہے' لیکن کسی ایک جواب کے بے وزن ہونے پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کی' اور ظاہر ہے بغیر دلیل کے جو دعویٰ کیا جائے اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس لیے دراصل سید مودودی کا علامہ سیوطی کے جوابات کو بے وزن کہنا بجائے خود بے وزن ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنے موقف پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے دلائل پیش کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ساتھ خاص ہے اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ قرآن مجید میں انبیاء سابقین پر بھی مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے' سید مودودی نے ان آیات اور احادیث پر کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ان آیات اور احادیث کا کوئی محمل بتایا۔

اور القصص: ۵۳ میں جو اہل کتاب پر مسلمین کا اطلاق ہے اور یہ بہ ظاہر علامہ سیوطی کے موقف کے خلاف ہے' پھر علامہ سیوطی نے اس کے جو تین جواب دیئے ہیں ان کے متعلق سید مودودی نے صرف اتنا کہہ دیا کہ یہ جوابات بے وزن ہیں' اور ان کے بے وزن ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی' اور علمی اور تحقیقی موضوعات میں بغیر دلیل کے کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سید مودودی نے اس موقف پر دلائل قائم کیے ہیں کہ اسلام صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ ہی مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ قرآن صرف اسی ایک مقام پر نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اس اصولی حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اصل دین صرف ''اسلام'' (اللہ کی فرمانبرداری) ہے' اور خدا کی کائنات میں خدا کی مخلوق کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا دین ہو نہیں سکتا' اور آغاز آفرینش سے جو نبی بھی انسانوں کی ہدایت کے لیے آیا ہے وہ یہی دین لے کر آیا ہے' اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ خود مسلم رہے ہیں' اپنے پیروؤں کو انہوں نے مسلم ہی بن کر رہنے کی تاکید کی ہے' اور ان کے وہ سب متبعین جنہوں نے نبوت کے ذریعہ سے آئے ہوئے فرمانِ خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کیا' ہر زمانے میں مسلم ہی تھے۔ اس سلسلہ میں مثال کے طور پر صرف چند آیات ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ۡ (آل عمران: ۱۹)

درحقیقت اللہ کے نزدیک تو دین صرف اسلام ہے۔

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ (آل عمران: ۸۵)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۙ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝ (یونس: ۷۲)

میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلموں میں شامل ہو کر رہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ وَوَصّٰی بِہَاۤ اِبۡرٰہٖمُ بَنِیۡہِ وَیَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ؕ

جبکہ اس کے رب نے اس سے کہا کہ مسلم (تابع فرمان) ہو جا' تو اس نے کہا میں مسلم ہو گیا رب العالمین کے لیے۔ اور اسی چیز کی وصیت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی' کہ اے

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۳۱ تا ۱۳۳)

میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند کیا ہے لہٰذا تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت آیا؟ جبکہ اس نے اپنی اولاد سے پوچھا کس کی بندگی کرو گے تم میرے بعد؟ انہوں نے جواب دیا ہم بندگی کریں گے آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی' اس کو اکیلا معبود مان کر' اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی بلکہ وہ یکسو مسلم تھا۔

حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل خود دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ (البقرہ: ۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہم کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک اُمت پیدا کر جو تیری مسلم ہو۔

حضرت لوط کے قصے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ ۝ (الذاریات: ۳۶)

ہم نے قومِ لوط کی بستی میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔

حضرت یوسف بارگاہِ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۱)

مجھ کو مسلم ہونے کی حالت میں موت دے اور صالحوں کے ساتھ ملا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ (یونس: ۸۴)

اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو۔

بنی اسرائیل کا اصل مذہب یہودیت نہیں بلکہ اسلام تھا' اس بات کو دوست اور دشمن سب جانتے تھے۔ چنانچہ فرعون سمندر میں ڈوبتے وقت آخری کلمہ جو کہتا ہے' وہ یہ ہے:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یونس: ۹۰)

میں مان گیا کہ کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلموں میں سے ہوں۔

تمام انبیاء بنی اسرائیل کا دین بھی یہی اسلام تھا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا . (المائدہ: ۴۴)

ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی' اسی کے مطابق وہ نبی جو مسلم تھے ان لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے جو یہودی ہو گئے تھے۔

یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دین تھا' چنانچہ ملکۂ سبا ان پر ایمان لاتے ہوئے کہتی ہے:

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی مسلم ہوگئی۔

(النمل: ۴۴)

اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا دین تھا:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ (المائدہ: ۱۱۱) اور جبکہ میں نے حواریوں پر وحی کی کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۴۸-۶۴۶، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے اپنے موقف پر جو متعدد آیات پیش کی ہیں یہ وہی آیات ہیں جن میں انبیاء سابقین کو مسلمین کہا گیا ہے اور اس کی علامہ سیوطی نے خود اپنے مضمون میں تصریح کی ہے کہ انبیاء سابقین کو بھی قرآن مجید میں مسلمین کہا گیا ہے لہٰذا ان کا پیش کرنا بے سود ہے اور سید مودودی نے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران: ۱۹) اور وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: ۸۵) کو جو پیش کیا ہے، تو ان آیتوں میں یہ نہیں بیان فرمایا کہ کس نبی کے دین کو اسلام فرمایا ہے؟ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ان آیتوں میں ہمارے نبی کے دین کو ہی اسلام فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید ہمارے نبی کے لائے ہوئے دین ہی کے متعلق نازل ہوا ہے۔ اس لیے یہ آیات علامہ سیوطی کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔ باقی رہا یونس: ۸۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے فرمانا ان کنتم مسلمین تو اس میں آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اُمتِ مسلمہ نام سے یاد نہیں کیا، بلکہ اس آیت میں مسلمین کا لغوی معنی اطاعت کرنے والے مراد ہے، اسی طرح فرعون نے جو کہا وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس: ۹۰) اس میں بھی لغوی معنی مراد ہے یعنی میں اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں، اور ملکہ سبا نے جو کہا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ (النمل: ۴۴) اس میں بھی لغوی معنی مراد ہے یعنی میں نے سلیمان کے ساتھ اطاعت کی، اسی طرح المائدہ: ۱۱۱ میں مسلمون کا لغوی معنی اطاعت کرنے والے مراد ہے۔ علامہ سیوطی کی تفسیر اور حدیث میں بہت خدمات ہیں انہوں نے پچھتر (۷۵) مرتبہ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ سید مودودی نے جس جارحانہ انداز میں علامہ سیوطی پر تبصرہ کیا ہے، اس سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔

اس کے بعد اب ہم سورۃ القصص کی باقی آیتوں کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، تمہیں سلام ہو، ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے ○ بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ○ (القصص: ۵۶-۵۵)

کفار کی لغو اور بے ہودہ باتیں

اور وہ اہل کتاب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے یہ عزم رکھتے تھے کہ جب آپ کی بعثت ہوگی اور قرآن مجید نازل ہوگا تو وہ آپ پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آئیں گے، جب یہودیوں سے کوئی بے ہودہ اور لغو بات سنتے ہیں تو ان سے اعراض کرتے ہیں اور سلام کر کے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ جو یہودی اسلام لا چکے تھے جب ان کے پاس سے دوسرے یہودی

گزرتے تو ان کو سب وشتم کرتے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل کیا۔
زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہودی اپنے ہاتھوں سے تورات میں کچھ لکھ لیتے تھے پھر کہتے تھے کہ یہ آیت اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو جو اہل کتاب اسلام لانے کا عزم رکھتے تھے جب ان کے پاس سے گزرتے اور ان کی محرف آیات کو سنتے تو ان سے اعراض کرتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے' وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے' کیونکہ انہوں نے کہا تھا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (القصص: ۵۳) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ پھر آپ پر ایمان لے آئے اور ان کے لیے دُگنا اجر ہے کیونکہ انہوں نے پہلی بار صبر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے۔
ضحاک اور مکحول نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب وہ مشرکین سے شرکیہ کلمات سنتے تو ان سے اعراض کرتے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۹۳-۲۹۹۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
مجاہد نے کہا بعض اہل کتاب مسلمان ہو گئے تو مشرکین ان کو ایذاء پہنچاتے تھے وہ ان سے درگزر کرتے ہوئے یہ کہتے تھے تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔
وہ ان سے اعراض کرتے تھے' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے' اور ان کو ملائمت سے یہ جواب دیتے تھے کہ تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں' یعنی ہم وہ عمل کرتے ہیں جو ہم کو پسند ہیں اور تم وہ عمل کرتے ہو جو تم کو پسند ہیں' **سلام علیکم**! یعنی ہماری طرف سے تم امن اور سلامتی میں ہو' ہم تم کو سب وشتم نہیں کریں گے' کیا کبھی تم نے ہم سے کوئی ناگوار یا ناشائستہ بات سنی ہے؟ ہم جاہلوں سے اُلجھنا اور جھگڑنا نہیں چاہتے۔
(جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۱۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سلام کی دو قسمیں سلام متارکہ اور سلام تحیت' اور علامہ آلوسی کی غلط نقل اور اس کا رد

اس آیت میں فرمایا ہے تمہیں سلام ہو۔
علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے فرمایا یہ سلام متارکہ ہے' سلام تحیت نہیں ہے' یعنی یہ کسی کی تعظیم کرنے کے لیے سلام نہیں ہے' بلکہ اس سے تعلق منقطع کرنے کے لیے سلام ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۱۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے امام ابوبکر جصاص کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت سے کافروں کو ابتداءً سلام کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے حالانکہ امام ابوبکر جصاص نے اس نظریہ کا رد کیا ہے۔ ہم پہلے علامہ آلوسی کی عبارت نقل کریں گے اس کے بعد امام جصاص کی عبارت نقل کریں گے۔
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:
اسلام لانے والے اہل کتاب نے جو یہودیوں کو سلام علیکم کہا یہ سلام تودیع ہے' سلام تحیت نہیں ہے' یا یہ سلام متارکہ ہے' جیسا کہ الفرقان: ۶۳ میں ہے' اور جو بھی ہو اس آیت میں کافر کو ابتداءً سلام کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے جیسا کہ جصاص نے کہا ہے' کیونکہ اس سلام سے غرض صرف متارکہ یا تودیع ہے۔ (روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)
میں نے جب روح المعانی میں یہ پڑھا تو میں حیران ہوا کہ امام ابوبکر جصاص بہت بڑے حنفی عالم ہیں اور رتبہ اجتہاد کو پہنچے ہیں' وہ صریح حدیث کے خلاف کیسے لکھ سکتے ہیں؟ پھر میں نے امام جصاص کی تفسیر کو دیکھا تو انہوں نے علامہ آلوسی کی نقل

کردہ عبارت کے بالکل خلاف اور اُلٹ لکھا ہوا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا کہ بعض اہل کتاب مسلمان ہو گئے ان کو مشرکین نے اذیت پہنچائی تو انہوں نے درگذر کیا اور کہا تم کو سلام ہو' ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

امام ابوبکر نے کہا یہ سلام متارکہ ہے' یہ سلام تحیت نہیں ہے۔ یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: **واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما**۔ اور اس کی مثل ہے:

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ (مریم: ۴۶) جا ایک لمبی مدت تک مجھ سے الگ رہ۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ ابراہیم نے کہا' تم پر سلام ہو' میں اپنے رب سے تمہاری مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ (مریم: ۴۷)

اور بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ گمان کیا ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے' حالانکہ اس طرح نہیں ہے' کیونکہ سلام کے دو معنی ہیں ایک مسالمہ ہے یعنی کسی کو ترک کرنے اور اس کو چھوڑنے کے لیے سلام کرنا اور دوسرا سلام تحیت ہے یعنی کسی کی تعظیم کے لیے سلام کرنا' اور اس کے لیے امن اور سلامتی کی دعا کرنا' جیسے مسلمان ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔ (اس حدیث کی تخریج حسب ذیل ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان پر چھ نیکیاں ہیں:

(۱) جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔
(۲) جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔
(۳) جب اس کو چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دے۔ (جب وہ الحمدللہ کہے تو کہے یرحمک اللہ)
(۴) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔
(۵) جب وہ مرجائے تو اس کے جنازہ میں جائے۔
(۶) اس کے لیے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۸۹-۸۸' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۵۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۵' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۷۳)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو۔ (الحدیث) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۷' سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۵' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ علامہ آلوسی نے امام جصاص کی طرف منسوب کر کے جو لکھا ہے کہ وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے' ان کی یہ نقل صحیح نہیں ہے۔

ابوطالب کے ایمان کے متعلق آیات اور احادیث

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔ (القصص: ۵۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۶' مطبوعہ دارالکتاب العربی ۱۴۲۰ ھ)

اس کے متعلق حدیث میں ہے:

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' آپ نے ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن المغیرہ کو پایا۔ آپ نے فرمایا: اے چچا لا الٰہ الا اللہ کہیے' میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا' تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مسلسل کلمہ توحید پیش کرتے رہے' اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے' حتیٰ کہ ابوطالب نے آخر میں یہ کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ. (التوبۃ: ۱۰۳) — نبی کے لیے اور مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ. (القصص: ۵۶) — بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷۲' ۱۳۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۰۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ کہیے لا الٰہ الا اللہ قیامت کے دن اس کلمہ کی وجہ سے میں آپ کے حق میں شہادت دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے عار نہ دلاتے اور یہ نہ کہتے کہ موت کی گھبراہٹ میں انہوں نے کلمہ توحید پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: انک لا تهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء. (القصص: ۵۶)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴-۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۷۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۴۵' ۳۴۴)

ابوطالب کے متعلق مفسرین اہل سنت کی تصریحات

علامہ نجم الدین احمد بن محمد قمولی متوفی ۷۲۷ ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا اے بنوعبد مناف کی جماعت! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو' اور ان کی تصدیق کرو تم کو فلاح اور رشد و ہدایت حاصل ہوگی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ لوگوں کو نصیحت کر رہے ہیں

اور خود اس نصیحت پر عمل نہیں کر رہے! ابوطالب نے پوچھا: اے بھتیجے! تم کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا میں آپ کا آخری دن ہے آپ کلمہ توحید پڑھیے لا الہ الا اللہ' میں اللہ کے پاس قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو' لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ یہ موت سے گھبرا گیا' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے بعد میری مذمت کی جائے گی تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا اور تم سے فراق کے وقت یہ کلمہ پڑھ لیتا' کیونکہ مجھے تمہاری خیر خواہی کی شدت کا علم ہے' لیکن میں عنقریب عبدالمطلب' ہاشم اور عبدمناف کی ملت پر مروں گا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابوطالب نے آپ کے جن اجداد' عبدالمطلب' ہاشم اور عبدمناف کا ذکر کیا ہے یہ سب موحد تھے اور ملتِ ابراہیم پر تھے' ورنہ ان کا زمانہ فترت میں فوت ہونا یقینی ہے' اس کے برخلاف ابوطالب نے آپ کی شریعت کا زمانہ پایا اور ایمان نہیں لائے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

ہم نے التوبہ: ۱۱۳ میں اس آیت کا سبب نزول ذکر کر دیا ہے' پھر انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث رقم: ۲۵ ذکر کی ہے' اور لکھا ہے کہ زجاج نے کہا ہے کہ القصص: ۵۶ کے متعلق مفسرین کا اجماع ہے کہ وہ ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۲۳۱' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ابوطالب پر موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے میرے چچا! لا الہ الا اللہ پڑھیے میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا' تو ابوطالب نے کہا مجھے علم ہے کہ آپ سچے ہیں لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ ابوطالب موت سے گھبرا گیا۔

(تفسیر البیضاوی علی ھامش الخفاجی ج ۷ ص ۳۰۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس کی موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس سے بات کی تھی' وہ مشہور ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب آپ کی مدافعت کرتا تھا اور آپ کی مدد کرتا تھا' اور آپ کی تعریف کرتا تھا اور آپ سے بہت زیادہ طبعی محبت کرتا تھا نہ کہ شرعی' جب اس کی موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایمان کی اور اسلام میں دخول کی دعوت دی' لیکن تقدیر غالب آ گئی اور وہ اپنے کفر پر مستمر اور برقرار رہا' اور اللہ ہی کے لیے حکمت تامہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۲' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو اور آپ کے چچا کو زندہ کر دیا اور وہ سب آپ پر ایمان لے آئے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۵۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ اختلافی ہے' اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تمام مفسرین کا یا تمام مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ شیعہ اور بہت سے مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ ابوطالب مسلمان تھے' اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس کی شہادت دیتے ہیں' اور جو اجماع مسلمین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ شیعہ کے اختلاف کو قابل شمار نہیں سمجھتے اور نہ ان کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں' پھر ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول پر بھی ابوطالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور ان کے متعلق فضول بحث نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو ایذاء پہنچتی ہے بلکہ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے' کیونکہ اس آیت سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ابوطالب سے محبت تھی' اور صاحب عقل کو احتیاط لازم ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۴-۱۴۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی' پھر انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث: ۲۵ کا ذکر کیا اور لکھا کہ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے:

ولقد علمت بان دین محمد — من خیر ادیان البریۃ دینا

میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔

لولا الملامۃ او حذار مسبۃ — لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

اگر ملامت و بدگوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔

اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان ص ۶۲۶' تاج کمپنی لاہور)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور کے چچا ابوطالب کا آخری وقت آ پہنچا تو حضور نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لا الٰہ الا اللہ' تا کہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کرسکوں' لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے کان لگا کر سنا۔ حضور نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا (سیرت ابن ہشام)

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۰۰' ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' ۱۳۹۹ھ)

ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر امام بیہقی اور علامہ ابی کا تبصرہ

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس کی جو روایت نقل کی ہے اس کی سند منقطع ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو

مسترد کر دیا ہے۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ابو طالب کا خاتمہ شرک پر ہوا۔ سہیلی نے کہا ہے کہ میں نے مسعودی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ابو طالب کی موت ایمان پر ہوئی لیکن یہ قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کی وجہ سے صحیح نہیں ہے جو اس باب میں مذکور ہیں (الروض الانف ج ۲ ص ۲۲۶) اور بعض سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عباس نے کہا میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا آپ نے حکم دیا' (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۳۱) اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا' اور عباس اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے' اس لیے ان کی شہادت معتبر نہیں ہے' امام بیہقی نے کہا اس کی سند منقطع ہے' نیز صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو طالب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶)۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابو طالب دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق تھا تو کیا اس وجہ سے اس کو مومن کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابو طالب کے اسلام لانے کی روایت پر علامہ آلوسی کا تبصرہ

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو ان کی موت کے وقت کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اور انہوں نے اس کو مسترد کر دیا تو عباس نے ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے انہوں نے ان کے ہونٹوں کے ساتھ کان لگائے پھر کہا اے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا' علماء شیعہ نے اس روایت سے ابو طالب کے اسلام پر استدلال کیا ہے اور ابو طالب کے ان اشعار سے استدلال کیا ہے جن میں انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ان کی حضور پر جو بہت زیادہ شفقت تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تک مدد کرتے رہے' یہ بات ان کے گھر والوں سے مروی ہے اور ان کے متعلق ان کے گھر والے ہی زیادہ جانتے ہیں۔

شیعہ نے جو یہ دلیل قائم کی ہے اس پر تو رونے والی عورتیں بھی ہنس پڑیں گی' اور ابو طالب کے جو اشعار منقول ہیں اول تو ان کی سند منقطع ہے اور اس کے علاوہ ان اشعار میں توحید اور رسالت کی شہادت نہیں ہے اور ایمان کا مدار اس شہادت پر ہے' باقی رہا ان کی حضور پر شفقت اور ان کی نصرت تو ان کا کوئی منکر نہیں ہے اور ابو طالب کے ایمان پر جو شیعہ روایات ہیں تو وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

ہاں مومنین پر لازم ہے کہ وہ ابو طالب کے معاملہ کو اس طرح نہ قرار دیں جس طرح ابو جہل اور اس قسم کے باقی کافروں کے معاملہ کو قرار دیتے ہیں' کیونکہ ابو طالب کو ان پر فضیلت حاصل ہے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے' احادیث میں ہے کہ ابو طالب کی ان نیکیوں کی وجہ سے ان کو آخرت میں نفع پہنچے گا تو دنیا میں ان کو کم از کم اتنا نفع تو پہنچنا چاہیے کہ ان پر عام کافروں کی طرح لعن طعن نہ کی جائے' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے سامنے آپ کے چچا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا اور اس کو تھوڑی سے آگ میں رکھا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی اس سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۷۳' عالم الکتب) ایک اور روایت میں ہے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچا سے کس چیز کو دور کیا وہ آپ کی مدد کرتے تھے اور آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ اب تھوڑی سی آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹)

اور میرے نزدیک ابو طالب کو برا کہنا سخت مذموم ہے، خصوصاً اس لیے کہ اس سے بعض علویین کو ایذاء پہنچتی ہے اور ہم کو اس سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۳ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۸۸۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کے اسلام کی اچھی صفات میں سے یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کر دے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۷۶، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۸۰)

(روح المعانی جز ۱۱ ص ۴۹-۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ابو طالب کے ایمان کے متعلق مفسرین شیعہ کی تصریحات

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور قتادہ وغیر ہم سے مروی ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۶) ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور ابو عبد اللہ اور ابو جعفر سے مروی ہے کہ ابو طالب مسلمان تھے اور اسی پر امامیہ کا اجماع ہے اور ان کا اس میں اختلاف نہیں ہے اور ان کے اس پر دلائل قاطعہ ہیں، یہاں ان کے ذکر کا موقع نہیں ہے۔

(التبیان ج ۸ ص ۱۶۴، دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی (من علماء القرن السادس) الانعام: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو طالب کے ایمان پر اہل بیت کا اجماع ہے اور ان کا اجماع حجت ہے کیونکہ وہ اس ثقلین میں سے ایک ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، آپ نے فرمایا اگر تم ان کے ساتھ تمسک کرو گے تو گمراہ نہیں ہو گے، اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اپنے والد ابو قحافہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے، وہ اسلام لے آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بوڑھے کو کیوں لے کر آئے، وہ نابینا تھے، میں خود ان کے پاس آ جاتا، حضرت ابو بکر نے کہا میرا ارادہ تھا اللہ تعالیٰ ان کو اَجر عطا فرمائے گا، اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ خوشی ابو طالب کے اسلام لانے سے ہوئی تھی جس کے اسلام لانے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ اور ابو طالب کے وہ اقوال اور اشعار جن سے ان کے اسلام کا پتا چلتا ہے بہت زیادہ ہیں، بعض اشعار یہ ہیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمدا　　نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب

کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے محمد کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ان کا ذکر پہلی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

الا ان احمد قد جاء ھم　　بحق ولم یاتھم بالکذب

سنو بے شک احمد ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور وہ جھوٹ نہیں لائے۔

(مجمع البیان جز ۴ ص ۴۴۵-۴۴۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۶ھ)

السید محمد حسین الطباطبائی القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو طالب کے ایمان کے متعلق ائمہ اہل بیت کی روایات مشہور ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کے دین

کے برحق ہونے کے متعلق ان کے اشعار بہت زیادہ ہیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم سن تھے تو انہوں نے ہی آپ کو پناہ دی تھی' اور بعثت کے بعد ہجرت سے پہلے انہوں نے ہی آپ کی حفاظت کی تھی اور مہاجرین اور انصار نے ہجرت کے بعد دس سال تک جو آپ کی نصرت اور حفاظت کی ہے اس کے برابر ہجرت سے پہلے دس سال تک ابو طالب نے آپ کی حفاظت کی۔

(المیزان ج ۱۶ ص ۵۷' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

شیخ طبرسی نے جو روایت پیش کی ہے اس کا کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا' اور نہ ان اشعار کی کوئی سند ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے اور ہدایت نہ دینے کے محامل

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے کی نفی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (القصص: ۵۶) بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

اور دوسری آیت میں آپ کے ہدایت دینے کو ثابت فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الشوریٰ: ۵۲) بے شک آپ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

اور بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ہدایت دینے کے ثبوت کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اسلام اور صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی نفی کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی کو مسلمان نہیں بناتے اور اس کو صراطِ مستقیم کی توفیق نہیں دیتے' یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

(۲) نفی کا محمل یہ ہے کہ آپ کسی کے دل میں ہدایت پیدا نہیں کرتے اور ثبوت کا محمل یہ ہے کہ آپ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہدایت کو نافذ کرتے ہیں۔

(۳) آپ خلقاً ہدایت نہیں دیتے اور کسباً ہدایت دیتے ہیں۔

(۴) آپ حقیقتاً ہدایت نہیں دیتے اور ظاہراً ہدایت دیتے ہیں۔

(۵) آپ وعظ اور تبلیغ کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں اور اس کا اثر اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔

(۶) آپ اراءۃ الطریق کرتے ہیں (راستہ دکھاتے ہیں) اور ایصال الی المطلوب اللہ تعالیٰ کرتا ہے' یعنی وہ مطلوب تک پہنچا دیتا ہے' دنیا میں مومن بنا دیتا ہے اور آخرت میں جنت عطا فرماتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کو علم ہے کس کا دل ہدایت قبول کرنے کے قابل ہے اور کس کے دل پر مہر لگی ہے لہٰذا کس کو ہدایت دینی ہے اور کس کو ہدایت نہیں دینی' اس کے برخلاف آپ عالم الغیب نہیں ہیں' آپ ہر ایک کو وعظ اور تبلیغ کریں گے خواہ اس کے دل پر مہر لگی ہو یا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کرلیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے' کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے' اس کی طرف ہمارے دیے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ۝ اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی خوش حالی پر اتراتے تھے سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں ۝ اور آپ

کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے‘ جوان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو‘ اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں ○ اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس (اجر) ہے وہ اچھا ہے‘ اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے‘ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ○ (القصص: ۶۰-۵۷)

کفار کے اس شبہ کے تین جوابات کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو ہماری دنیاوی نعمتیں زائل ہو جائیں گی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایک عذر کو زائل کیا ہے‘ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۷۲) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا ہے‘ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین حرم کو امن والا بنا دیا ہے اور اس میں بہ کثرت رزق رکھا ہے‘ حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کرنے والے ہو‘ اور بتوں کی پرستش کی طرف رغبت کرنے والے ہو‘ پس اگر تم ایمان لے آؤ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم زیادہ متوقع ہوگا اور تمہیں مکہ سے نکالے جانے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جس کے رہنے والے اپنی خوش حالی پر اتراتے تھے۔ (القصص: ۵۸)

اس آیت میں بھی کفار کے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ خوف ہے کہ ہم ایمان لائے تو ہم سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی‘ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ایمان لانے سے نعمتیں زائل نہیں ہوتیں بلکہ ایمان نہ لانے سے نعمتیں زائل ہوتی ہیں‘ پچھلی اُمتوں کے جو لوگ ہماری دی ہوئی خوش حالی پر اتراتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے ہم نے ان کی بستیاں ہلاک کر دیں۔

پھر فرمایا: سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے‘ ان میں سکونت نہ ہونے کی یہ تفصیل ہے:

(۱) ان خالی مکانوں میں صرف مسافر یا راستہ سے گزرنے والے ایک یا دو دن رہتے تھے۔

(۲) ان مکانوں میں رہنے والوں کے گناہوں کی نحوست ان مکانوں میں سرایت کر گئی تھی اس سے ان مکانوں میں کوئی نہیں رہتا تھا۔

پھر جب ان مکانوں میں رہنے والے ہلاک ہو گئے تو پھر ان مکانوں کے ہم ہی وارث تھے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کفار اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کفار کفر اور عناد میں مستغرق تھے ان کو کیوں نہیں ہلاک کیا؟ اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا:

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے‘ جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہو۔ (القصص: ۵۹)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے کافروں پر ان کے کفر اور عناد کے باوجود ان پر عذاب نہیں بھیجا‘ حتیٰ کہ مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے ان کے سامنے اللہ کے کلام کو پڑھا اور اللہ کا پیغام سنایا۔

پھر فرمایا: اور ہم ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

ہر چند کہ مکہ کے قریش بھی کفر شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ عنقریب

ایمان لے آئیں گے اور اگر یہ خود ایمان نہ لائے تو ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لے آئیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس اَجر ہے وہ اچھا ہے۔ (القصص: ۶۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس شبہ کا تیسرا جواب دیا ہے کہ ہم ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ہمارے پاس جو دنیا کی نعمتیں ہیں کہیں وہ ہم سے چھن نہ جائیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دنیا کی جن نعمتوں کے زوال کے خوف سے ایمان نہیں لا رہے وہ دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں جو اَجر ہے وہ دائمی ہے اور وہی اچھا ہے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ

کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے' اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ

زندگی کی چیزیں دیں پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا ○ اور جس دن

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟ ○ وہ لوگ

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

کہیں گے جن کے متعلق (عذاب کی) وعید ثابت ہو چکی ہے' اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم

اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا

نے گمراہ کیا تھا ہم نے ان کو اس طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے' ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع

يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

کرتے ہیں' یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○ اور ان سے کہا جائے گا' ان کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے تھے' تو وہ ان کو

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

پکاریں گے سو وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ ہدایت پا لیتے ○

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ

اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ ○ تو اس دن ان

عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی پس وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے O سو جس نے توبہ

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس عنقریب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گا O

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے، اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ پاک ہے اور

اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى

چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں O اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، دنیا اور آخرت

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے O آپ کہیے یہ بتاؤ! اگر

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

اللہ تمہارے لیے قیامت تک کی مسلسل رات بنا دے تو اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ

معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے؟ کیا پس تم نہیں سنتے! O آپ کہیے

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ

یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کا مسلسل دن بنا دے تو

الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے کر آئے جس میں تم آرام کر سکو؟ کیا پس تم

تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا

نہیں دیکھتے! ○ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس (رات) میں

فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ

آرام کرو اور اس (دن) میں اس کے فضل کو تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو ○ اور جس دن

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟ ○

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو الگ کر لیں گے، پھر ہم فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ

فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

تب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے، اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کی چیزیں دیں، پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا○ (القصص: ۶۱)

مومن اور کافر کی دنیا اور آخرت میں تقابل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابو جہل بن ہشام کے متعلق نازل ہوئی ہے، مجاہد نے کہا یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور محمد بن کعب نے کہا یہ آیت حمزہ اور حضرت علی اور ابو جہل اور عمارۃ بن الولید کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۱۹)

اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ہر مومن اور ہر کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ کافروں کو دنیا میں بہت عیش و آرام اور وسعت دی گئی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ ہے اور ہر مومن اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے دنیا کے مصائب و آلام برداشت کرتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے○ وہ لوگ کہیں گے جن کے متعلق عذاب کی وعید ثابت ہو چکی ہے، اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گم راہ کیا تھا، ہم نے ان کو اس طرح گم راہ کیا جس طرح ہم خود گم راہ ہوئے تھے، ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے○ اور ان سے کہا جائے گا ان کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے تھے تو وہ ان کو پکاریں گے سو وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ ہدایت پا لیتے○ اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟○ تو اس دن ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، پس وہ ایک دوسرے سے

سوال تک نہ کر سکیں گے ○ سو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس عنقریب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گا ○ (القصص: ۶۷-۶۲)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے بہ طور زجر و توبیخ کلام فرمانا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو ندا کر کے یہ فرمائے گا جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ وہ آخرت میں تمہاری مدد کریں گے اور تمہاری شفاعت کریں گے وہ اب کہاں ہیں؟ (القصص: ۶۲)

ان مشرکین کے سردار اور رئیس کہیں گے: اے ہمارے رب! ان لوگوں کو ہم نے شریک بنانے کی دعوت دی تھی ان سے کہا جائے گا تم نے ان کو گم راہ کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے ان کو اسی طرح بہ رضا و رغبت گم راہ کیا تھا جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گم راہ ہوئے تھے ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں شیاطین اپنے پیروکاروں سے برأت کا ظہار کریں گے اور ان کے سردار پہلے لوگوں سے برأت کا اظہار کریں گے۔ (القصص: ۶۳)

اور کفار سے کہا جائے گا جن معبودوں کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا تھا اور جن کی تم نے پرستش کی تھی اب ان کو مدد کے لیے پکارو تاکہ وہ تمہاری مدد کریں اور تم سے آخرت کے عذاب کو دور کریں وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ (دنیا میں) ہدایت پا لیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں ہدایت پا لیتے تو وہ ہدایت ان کو آخرت میں فائدہ پہنچاتی اور ان سے عذاب کو دور کر دیتی۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے تو دنیا میں بتوں کی عبادت نہ کرتے ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے۔ (القصص: ۶۴)

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جب تمہارے پاس انبیاء بھیجے گئے تھے اور انہوں نے اللہ کے پیغام پہنچائے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا اس وقت ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس وقت کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیج کر ان پر اپنی حجت تمام کر دی تھی اور وہ ایک دوسرے سے کسی عذر کو پوچھ بھی نہیں سکیں گے اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ان پر ایسی دہشت طاری ہو گی کہ نہ خود ان کے دماغوں میں کوئی عذر آئے گا نہ وہ کسی سے عذر پوچھ سکیں گے۔ (القصص: ۶۶) اور جو شخص شرک اور کفر سے توبہ کر لے گا اور رسول کی تصدیق کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا فرائض کو پابندی کے ساتھ دائماً پڑھے گا اور نوافل کی کثرت کرے گا تو وہ یقیناً کامیاب لوگوں میں سے ہو گا اللہ کے کلام میں عسیٰ اور لعل وجوب اور تحقیق کے لیے ہوتا ہے۔ (القصص: ۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے اللہ پاک ہے اور ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں ○ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○ (القصص: ۷۰-۶۸)

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما لیا

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ (القصص: ۶۸)

حضرت واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو پسند کرلیا' اور کنانہ سے قریش کو پسند کرلیا اور قریش سے بنی ہاشم کو پسند کرلیا اور بنو ہاشم سے مجھے پسند کرلیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۱۶۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج اص ۱۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے میرے اصحاب کو نبیوں اور رسولوں کے سوا تمام جہانوں میں سے پسند فرمالیا' اور میرے اصحاب میں سے چار کو پسند فرمالیا یعنی ابوبکر' عمر' عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کو اور میری اُمت میں سے چار قرن پسند فرمالیے' پہلا' دوسرا' تیسرا اور چوتھا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۶۳' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۶' تاریخ بغداد ج ۳ص ۱۶۲)

استخارہ کے متعلق احادیث

فرمایا وہ جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ بندوں کو کسب کے سوا کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' یعنی وہ جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے۔

زمخشری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال میں اختیار ہے وہ اپنے افعال کی حکمتوں کو خود ہی جانتا ہے۔

بعض علماء نے کہا بندوں نے جب کوئی کام کرنا ہو تو اس وقت تک کوئی کام نہ کریں جب تک اس کام کے متعلق استخارہ نہ کرلیں' حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے' جس طرح ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے' آپ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نفل نماز پڑھے' پھر یہ دعا کرے' اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں' اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں' کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا' اور تو علام الغیوب ہے' اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور معاش میں اور میرے انجام کار میں میرے لیے بہتر ہے تو اس کام کو میرے لیے مقدر کر دے اور اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میرے لیے اس میں برکت رکھ دے' اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور معاش میں اور میرے انجام کار میں برا ہے تو اس کو مجھ سے دور کر دے اور مجھ کو اس سے دور کر دے اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے خواہ وہ کہیں ہو پھر مجھ سے راضی ہو جا' اور فرمایا کہ دعا کرنے والا اپنی حاجت اور اپنے کام کا ذکر کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۳' مسند احمد ج ۳ص ۳۴۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ص ۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ! اس کام کو میرے لیے پسند فرما اور اس کو میرے لیے اختیار فرما۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ص ۹۷' الکامل لابن عدی ج ۳ص ۱۰۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۰۱۷)

النضر بن انس اپنے دادا سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! جب تم کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو' پھر یہ غور کرو کہ تمہارا دل کس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے' سو بے شک خیر اسی میں ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی المتوفی ۳۶۴ھ' ص ۲۱۱' رقم الحدیث: ۵۹۸' مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں علماء نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو تمام تفکرات سے خالی کرے حتیٰ کہ وہ کسی چیز کی طرف مائل نہ ہو' پھر دیکھے کہ اس کا دل اس کام کی طرف مائل ہوتا ہے اور جس طرف اس کا دل مائل ہو خیر اسی میں ہے۔ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۲۰ھ جز ۱۳ ص ۲۸۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

استخارہ کا طریقہ

سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے الاذکار میں لکھا ہے کہ استخارہ کرنے کے لیے جو نماز پڑھے تو اس کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھے' اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے' بعض سلف سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں **وربک یخلق مایشاء و یختار** سے **یعلنون** تک القصص: ۶۸-۶۹ بھی پڑھے' اور دوسری رکعت میں **ماکان لمؤمن ولامؤمنۃ** (الاحزاب: ۳۶) بھی پڑھے' بعض مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھے اور حدیث میں جس دعا کی تعلیم دی گئی ہے وہ دعا پڑھے پھر باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے' پھر اگر اس کو خواب میں سفید رنگ کی یا ہرے رنگ کی کوئی چیز نظر آئے تو اس میں خیر ہے اور اگر سرخ یا سیاہ رنگ کی کوئی چیز نظر آئے تو اس میں کام میں شر ہے اس سے اجتناب کرے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اگر پہلی بار استخارہ کرنے کے بعد اس کو کچھ نظر نہ آئے تو سات بار یہ عمل دہرائے' اگر سات بار دہرانے کے باوجود اس کو کچھ نظر نہ آئے تو جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اس کا دل جم جائے اس کے موافق عمل کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے' جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ القصص: ۶۹۔ سورۃ النمل میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی مدح فرمائی ہے کہ وہ **عالم الغیب والشھادۃ** ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں (القصص: ۷۰) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے واجب ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی کا حکم واجب الاطاعت نہیں ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں یا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اولاً بالذات حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے پھر جس کو اللہ تعالیٰ حکم دینے کا منصب عطا فرمائے۔

اولیاء اللہ کو مشکل کشا کہنے کو سید مودودی کا شرک قرار دینا اور اس کا جواب

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ ارشاد دراصل شرک کی تردید میں ہے۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے جو بے شمار معبود اپنے لیے بنا لیے ہیں' اور ان کو اپنی طرف سے جو اوصاف' مراتب اور مناصب سونپ رکھے ہیں' اس پر اعتراض کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے پیدا کیے ہوئے انسانوں' فرشتوں' جنوں اور دوسرے بندوں میں سے ہم خود جس کو جیسے چاہتے ہیں اوصاف' صلاحیتیں اور طاقتیں بخشتے ہیں اور جو کام جس سے لینا چاہتے ہیں' لیتے ہیں۔ یہ اختیارات آخر ان مشرکین کو کیسے اور کہاں سے مل گئے کہ

میرے بندوں میں سے جس کو چاہیں مشکل کشا، جسے چاہیں گنج بخش اور جسے چاہیں فریاد رس قرار دے لیں؟ جسے چاہیں بارش برسانے کا مختار، جسے چاہیں روزگار یا اولاد بخشنے والا، جسے چاہیں بیماری وصحت کا مالک بنادیں؟ جسے چاہیں میری خدائی کے کسی حصے کا فرماں روا ٹھہرالیں؟ اور میرے اختیارات میں سے جو کچھ جس کو چاہیں سونپ دیں؟ کوئی فرشتہ ہو یا جن یا نبی یا ولی، بہر حال جو بھی ہے ہمارا پیدا کیا ہوا ہے۔ جو کمالات بھی کسی کو ملے ہیں ہماری عطاو بخشش سے ملے ہیں۔ اور جو خدمت بھی ہم نے جس سے لینی چاہی ہے لی ہے۔ اس برگزیدگی کے یہ معنی آخر کیسے ہو گئے کہ یہ بندے بندگی کے مقام سے اٹھا کر خدائی کے مرتبے پر پہنچا دیے جائیں اور خدا کو چھوڑ کر ان کے آگے سرنیاز جھکا دیا جائے، ان کو مدد کے لیے پکارا جانے لگے، ان سے حاجتیں طلب کی جانے لگیں، انہیں قسمتوں کا بنانے اور بگاڑنے والا سمجھ لیا جائے، اور انہیں خدائی صفات واختیارات کا حامل قرار دیا جائے؟ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۵۸، لاہور، ۱۹۸۳ء)

اہل سنت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوث اعظم کہتے ہیں اور دیگر اولیاء کرام کو بھی غوث اور قطب کہتے ہیں اور غوث کے معنی ہیں فریاد رس، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو مشکل کشا کہتے ہیں اور حضرت علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ المعروف داتا گنج بخش کو گنج بخش کہتے ہیں، سید مودودی نے اس عبارت میں ان (اہل سنت) کو مشرکین قرار دیا ہے، جبکہ اہلسنّت ان اولیاء کرام کو غوث، مشکل کشا یا گنج بخش حقیقتاً اور بالذات نہیں کہتے۔ کسی شخص کو حقیقتاً اور بالذات مشکل کشا یا گنج بخش اعتقاد کرنا، یہ شرک ہے اور مجازاً یعنی اسناد مجاز عقلی کے طور پر ان کی طرف ان اوصاف کی نسبت کرنا شرک نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں اس کی نظائر موجود ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا:

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ (مریم: ۱۹)

(جبریل نے) کہا میں تو صرف اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں اور آپ کو پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔

لڑکا یا بیٹا دینا اللہ کی صفت ہے لیکن جبریل نے اپنی طرف بیٹا دینے کی نسبت کی اور یہ اسناد مجازی ہے، اسی طرح اہل سنت بھی مجازاً اولیاء کرام کی طرف بیٹا دینے کی نسبت کرتے ہیں کیونکہ ان کی دعا سے بیٹا پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ: ۷۴)

اور ان (منافقین) کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے ان کو غنی اور دولت مند کر دیا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دولت مند کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ نسبت بھی مجاز عقلی ہے، اسی نہج پر اہل سنت بھی اولیاء کرام کو مشکل کشا، غوث اور گنج بخش مجازاً کہتے ہیں، کیونکہ وہ مسلمان ہیں، توحید کی گواہی دیتے ہیں اور تمام اولیاء کرام اور انبیاء کرام کو اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ ان اوصاف کی نسبت اولیاء کرام کی طرف مجازاً کرتے ہیں، وہ بت پرست نہیں ہیں کہ ان کی طرف ان اوصاف کی نسبت حقیقتاً کریں، اور ظاہر ہے کہ سید مودودی تمام کہنے والوں کے دلوں کے حال پر متوجہ نہیں تھے کہ انہیں بغیر کسی قرینے کے معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ ان اولیاء کو حقیقتاً مشکل کشا اور غوث وغیرہ کہتے ہیں اس لیے ان کو علی الاطلاق مشرکین صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو علیم بذات الصدور ہو اور دلوں کے حال جاننے کا دعویٰ رکھتا ہو اور حقیقت میں شرک بھی یہی ہے۔ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کو بدترین مخلوق شمار کرتے تے اور فرماتے کہ ان لوگوں نے ان آیات کو مومنوں پر چسپاں کر دیا جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب: ۶)

اس تفسیر میں سید مودودی نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کی مکمل تفسیر اور تفصیل ہم نے النحل: ۱۱-۱۰ تبیان القرآن ج ۶ ص ۳۹۳-۳۸۴ میں کی ہے۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کی مسلسل رات بنا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے، کیا پس تم نہیں سنتے!○ آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کا مسلسل دن بنا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے کر آئے جس میں تم آرام کرسکو! کیا پس تم نہیں دیکھتے!○ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور اس (دن) میں اس کے فضل کو تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو○ (القصص: ۷۳-۷۱)

اسباب معیشت کی نعمتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ان کے اسباب معیشت بیان فرمائے ہیں اس نے دن بنایا تا کہ اس کی روشنی میں انسان اپنی روزی حاصل کرے اور رات بنائی تا کہ تھکا ماندہ انسان اس میں آرام کرے اور دن میں سورج کی حرارت سے غلہ اور پھل پک جائیں اور رات کو چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا ہو، اور فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم غیر اللہ کی عبادت کر کے کتنی بڑی غلطی کر رہے ہو اور تم کو خود یہ اقرار ہے کہ اگر وہ رات کے بعد دن نہ لائے یا دن کے بعد رات نہ لائے تو اس کے سوا اور کوئی دن کے بعد رات، یا رات کے بعد دن نہیں لا سکتا، ان سب نعمتوں میں غور کرو تا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟○ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کو الگ کر لیں گے پھر ہم فرمائیں گے: اپنی دلیل لاؤ، تب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے، اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا○ (القصص: ۷۵-۷۴)

ایک آیت کو دو بار ذکر فرمانے کی توجیہ

اس آیت کو اس رکوع میں دوسری بار ذکر فرمایا ہے: القصص: ۶۲ میں بھی اس کا ذکر تھا اور اب القصص: ۷۵ میں بھی اس کا ذکر ہے کیونکہ قیامت کے دن کے احوال مختلف ہوں گے، جب پہلی بار ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے تو وہ اپنے بتوں کو پکاریں گے، وہ ان کو کوئی جواب نہیں دے سکیں گے، وہ اس پر حیران ہوں گے پھر ان کو دوسری بار ان کی مزید زجر و توبیخ کرنے کے لیے ان کو پکارا جائے گا۔

یہ ندا اللہ تعالیٰ نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں کرے گا قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (البقرۃ: ۱۷۴) اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو حکم دے گا وہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرے گا، اور مقام حساب میں ان کے خلاف حجت قائم کرے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے۔ (القصص: ۷۵)

مجاہد نے کہا شہید (گواہ) سے مراد نبی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا○ (النساء: ۴۱) سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے، اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اور ہر اُمت میں اس کا رسول شہید (گواہ) ہوتا ہے جو اس کے متعلق گواہی دیتا ہے، اور شہید کا معنی ہے حاضر، یعنی ہم ہر

اُمت کے سامنے اس کے رسول کو حاضر کریں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنا عذر پیش کرو کہ ایمان کیوں نہیں لائے' اس وقت ان کو یقین ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو پیغام پہنچایا تھا وہ برحق تھا اور وہ جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے تھے کہ اس کے ساتھ اور بھی معبود ہیں وہ سب ان کے دماغوں سے نکل جائیں گے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا' پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا' اور ہم نے اس کو

مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ

اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت کو تھکا دیتی تھیں'

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾

جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم اتراؤ مت' بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو' اور دنیا کے حصہ کو (بھی)

مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ

نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے' اور ملک میں

الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

سرکشی نہ کرو' بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ

اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اس سے پہلے

أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ

اللہ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور اور اس سے زیادہ

جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ

مال جمع کرنے والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا ○ ایک دن وہ سج دھج کر اپنی

فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا

قوم میں نکلا، جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا اے کاش! ہمارے پاس

مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ

بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے O اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ

انہوں نے کہا تم پر افسوس ہے، جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا اجر بہت اچھا ہے

وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا

اور یہ (نعمت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے O سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے

كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ

پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے

الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ

بچانے والوں میں سے ہو سکا O اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے

وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ ۚ

افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا

لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ

ہے تنگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیئے جاتے، افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

فلاح نہیں پاتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت کو تھکا دیتی تھیں، جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم اتراؤ مت، بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا O اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا کے

حصہ کو (بھی) نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو؛ جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں سرکشی نہ کرو، بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا O (القصص: ۷۷-۷۶)

قارون کا نام ونسب اور اس کے مال ودولت کی فراوانی

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا' قارون کا نام تھا قارون بن یصھب بن قاہث اور حضرت موسیٰ کا نام تھا موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ المومن: ۲۴-۲۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون بنی اسرائیل سے ہونے کے باوجود فرعون سے جاملا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون کے بعد وہ بھی ھامان کی طرح حضرت موسیٰ کے مخالفین میں سے تھا۔

قتادہ بن دعامہ نے کہا قارون تورات بہت خوش الحانی سے پڑھتا تھا' لیکن وہ دشمن خدا' سامری کی طرح منافق تھا' وہ اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے سرکش اور متکبر ہو گیا تھا' شہر بن حوشب نے کہا وہ اپنی قوم کے سامنے بڑائی کے اظہار کے لیے اپنا لباس ایک بالشت لمبا رکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ طاقت ور لوگوں کی جماعت ان خزانوں کی چابیاں اٹھانے سے تھک جاتی تھی' جب وہ سوار ہو کر نکلتا تھا تو ستر خچروں کے اوپر اس کے خزانے کی چابیوں کو لادا جاتا تھا' اس کی قوم کے علماء نے کہا تم اِتراؤ مت' بے شک اللہ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا' اور اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو۔

یعنی اس مال کو اللہ کی اطاعت میں اور اس کی راہ میں خرچ کرو' جس سے تم کو دنیا اور آخرت میں ثواب ملے گا' اور دنیا سے (بھی) اپنے نصیب کو نہ بھولو' اچھے کھانے پینے' لباس پہننے' مکان اور بیوی سے نکاح کے حصول میں اپنا مال خرچ کرو' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی' کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو! انہوں نے کہا کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو' روزہ بھی رکھو اور روزہ کو ترک بھی کرو اور رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی کیا کرو' کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے' اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے' اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے (تو ہر حق دار کا حق ادا کرو)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۹۲)

اور جس طرح اللہ اپنی مخلوق پر احسان فرماتا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو' اور تم اپنی توجہ اور ہمت کو سرکشی اور فساد کی طرف مبذول نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اس سے پہلے اللہ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور اور اس سے زیادہ مال جمع کرنے والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O (القصص: ۷۸)

قارون کا اپنے مال کو عطیہ الٰہی قرار دینے کے بجائے اپنی قابلیت کا ثمرہ سمجھنا

علماء اور واعظین کی نصیحت کے جواب میں قارون نے کہا' مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ مال

مجھے اس وجہ سے دیا ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ میں اس مال کا مستحق ہوں' بعض علماء نے کہا کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا جس سے وہ کیمیاوی طریقہ سے سونا بنالیتا تھا لیکن یہ علم فی نفسہٖ باطل ہے کیونکہ کسی چیز کی حقیقت کو بدلنے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے' ہاں معجزہ اور کرامت کا الگ معاملہ ہے۔

اور یہ فرمایا ہے کہ مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اس کا محمل یہ ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا گناہ کیے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام کاموں کا علم ہے' البتہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا اس نے نہیں جانا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا' اور قارون کو اس کے تکبر اور بے حساب مال ہونے کے باوجود اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک دن وہ سج دھج کر اپنی قوم میں نکلا' جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا اے کاش ہمارے پاس بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے' بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے O اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے' جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا اَجر بہت اچھا ہے' اور یہ (نعمت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے O (القصص: ٨٠-٧٩)

قارون کا اپنے مال و دولت پر اِترانا اور اکڑنا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ایک دن قارون بہت شان و شوکت اور بہت کروفر سے نکلا' اس نے بہت قیمتی لباس پہنا' اور غلاموں اور باندیوں کے جلوس میں بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے اِتراتا ہوا اور اکڑتا ہوا باہر آیا' دنیا کے طلب گاروں نے جب اس کو دیکھا تو انہوں نے کہا اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا' یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور اس کی قسمت بہت اچھی ہے۔

علماء نے جب ان کی یہ باتیں سنیں تو وہ ان کو سمجھانے لگے کہ تم پر افسوس ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے جو نیک اور عبادت گزار ہیں' آخرت میں اس سے کہیں اچھی جزا تیار کر رکھی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے' اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا کھٹکا گزرا ہے' اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیزیں چھپا رکھی ہیں۔ (السجدۃ: ١٧)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٤٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٢٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٩٧)

امام ابن جریر نے کہا جنت کی یہ نعمتیں ان ہی لوگوں کو ملیں گی جو دنیا کی محبت اور دنیا کے عیش و آرام کے نہ ملنے پر صبر کریں گے اور آخرت میں رغبت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا' پس اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا O اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس

کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیے جاتے' افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر فلاح نہیں پاتےO (القصص: ۸۲-۸۱)

قارون کو زمین میں دھنسا دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ قارون بڑے ناز و انداز اور کروفر اور تبختر کے ساتھ چل رہا تھا اور زمین پر اترا اترا کر اور اکڑ اکڑ کر چلنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور وہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) پہنے ہوئے جا رہا تھا' جو اس کو اچھا لگ رہا تھا' اور وہ اس پر اتراتا ہوا چل رہا تھا اس نے اپنے سر کے بال لٹکائے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اب وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۵۳' عالم الکتب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی اُمتوں میں ایک شخص غرور کے ساتھ اپنا تہبند گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۹۰' دار ارقم بیروت)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچھلی اُمتوں میں ایک شخص دو سبز چادریں پہنے ہوئے جا رہا تھا اور ان میں اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا' اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو زمین نے اس کو پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا' اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۰' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۲۹۵' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

قارون کے ہلاک ہونے اور زمین میں دھنسنے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم پر بہت فخر اور تکبر کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے۔

قارون کی حضرت موسیٰ سے دشمنی اور حضرت موسیٰ کی اس کے خلاف دعا کرنے کی وجہ

اس کا دوسرا سبب مفسرین اور مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے اس پر زکوٰۃ دینا لازم کر دیا تھا اس لیے وہ آپ کا دشمن ہو گیا تھا' ایک وجہ یہ ہے کہ وہ آپ پر حسد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ نبی ہیں اور ھارون امام ہیں میرے لیے کوئی منصب نہیں' پھر قارون نے ایک فاحشہ عورت کو رشوت دے کر اس پر تیار کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے ہوں تو وہ آپ سے کہے کہ تم وہی ہو نا جس نے میرے ساتھ فحش کام کیا تھا' حضرت موسیٰ یہ سن کر کانپ اٹھے اسی وقت دو رکعت نماز پڑھی اور اس عورت سے کہا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر میں تمہارے لیے خشک راستہ بنایا' جس نے تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تم سچا واقعہ بیان کرو' یہ سن کر اس عورت کا رنگ اڑ گیا اور اس نے لوگوں کے سامنے قارون کے رشوت دینے کا واقعہ بیان کر دیا' حضرت موسیٰ پھر سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کی سزا طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے' آپ نے زمین سے کہا تو قارون کو اور اس کے محل کو اور اس کے تمام مال و دولت کو نگل لے' سو زمین نے اس کو نگلنا شروع کیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا' اور بالآخر وہ اپنے جاہ و حشم کے ساتھ زمین میں دھنس گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۹ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۷۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ویکان کا معنی اور اس کی ترکیب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ویکان کا لفظ ہے یہ اصل میں ویلک اعلم انه تھا' یعنی تم پر افسوس ہے تم یہ سمجھو کہ پھر اس کو مخفف کر کے ویکان پڑھا گیا' اور قتادہ نے کہا اس کا معنی الم تو ہے یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا' اور یہ کسی بات کو مقرر کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ تم پر افسوس ہے تم یہ سمجھو کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے' یا اس کا معنی ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۴۷-۱۴۶' ملخصاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

النحاس نے کہا کہ وی ندامت کے اظہار کے لیے ہے' اور الخلیل' سیبویہ اور کسائی نے کہا کہ جب لوگ کسی نکتہ پر متنبہ ہوں یا کسی کو متنبہ کریں تو وی کہتے ہیں اور جو شخص نادم ہو وہ اپنی ندامت کے اظہار کے لیے وی کہتا ہے اور یہ کان پر داخل ہوتا ہے جیسے ویک ان اللہ۔ الفراء نے کہا یہ کلمہ تقریر ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ الا کی طرح حرف تنبیہ ہے' بعض نے کہا یہ ویلک اعلم انه کے معنی میں ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ الم تر انه کے معنی میں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۸۲' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ جز ۱۳ ص ۲۹۲ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ کرتے ہیں

فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ

نہ فساد کرنے کا اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے ○ اور جو

جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا

شخص نیکی کرے گا اسے اس کی نیکی سے اچھا اجر ملے گا اور جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے

یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں ○

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ

بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا' آپ کہیے

رَبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾

کہ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو جو کھلی گمراہی میں ہے O

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں O اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں'

بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئیں ہیں' اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلایئے اور آپ شرک کرنے والوں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف

سے ہرگز نہ ہوں O اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں'

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وقف لازم | النصف ۹ ع ۶ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو نہ زمین میں بڑا بننے کا ارادہ کرتے ہیں نہ فساد کرنے کا اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے O اور جو شخص نیکی کرے گا اسے اس نیکی سے اچھا اجر ملے گا' اور جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں O (القصص: ۸۴-۸۳)

علو اور فساد کے معنی

اس دار آخرت سے مراد جنت ہے' کلام عرب میں لفظ ''ھذا'' سے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو محسوس اور مشاہد ہو یعنی وہ چیز آنکھوں سے دکھائی دیتی ہو اور جنت کو تو قرآن مجید کے مخاطبین نے آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا پھر یہ کہنا کس طرح درست ہو گا کہ یہ آخرت کا گھر' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں جنت کی صفات کا اتنا زیادہ ذکر آچکا ہے کہ اب لوگوں کے لیے جنت دیکھی بھالی چیز ہے۔

فرمایا ہے ہم اس کو ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ نہیں کرتے یعنی زمین میں اپنا تسلط اور غلبہ نہیں چاہتے' اور نہ فساد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یعنی لوگوں پر ظلم اور جبر نہیں کرتے جیسے نمرود اور فرعون وغیرہ نے ظلم اور سرکشی کی تھی' فساد کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ کسی کا مال ناحق چھین لینا فساد ہے اور اللہ کی نافرمانی کرنا بھی فساد ہے اور علو سے مراد تکبر ہے اور تکبر کی وجہ سے ایمان نہ لانا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے کہا زمین میں علو اور بڑائی چاہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ سلاطین اور بادشاہوں کے سامنے بڑا بننے کا ارادہ نہیں کرتے' مسلم البطین نے کہا علو سے مراد ناحق تکبر کرنا ہے' معاویۃ الاسود نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی عزت اور وجاہت میں مناقشہ اور منازعت نہیں کرتے یعنی کسی شخص سے اس کی بڑائی چھیننے کا قصد نہیں کرتے' ضحاک نے کہا وہ ظلم نہیں کرتے یا حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ حضرت علی نے فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اس کے دوست کی جوتی کے تسمہ سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۲۳-۳۰۲۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی کے ارشاد کی توجیہ یہ ہے کہ وہ اپنے دوست پر اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے اور اپنے دوست کو حقیر قرار دینے کے لیے یہ ارادہ نہ کرے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اس کے دوست کی جوتی سے اچھا ہے کیونکہ سنن ابوداؤد میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا وہ خوب صورت تھا' اس نے کہا یا رسول اللہ حسن اور جمال میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کس قدر حسن دیا گیا ہے حتیٰ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھ سے بڑھ جائے خواہ وہ جوتی کے تسمہ میں ہی مجھ سے بڑھے' آیا یہ تکبر ہے آپ نے فرمایا: نہیں' لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۲' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس کے بعد فرمایا: جو شخص نیکی کرے گا اسے اس نیکی سے اچھا اجر ملے گا' سب سے بڑی نیکی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا ہے اور فرمایا جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں۔ سب سے بڑی برائی شرک کرنا ہے۔ اس کی پوری بحث النمل: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا' آپ کہیے کہ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو جو کھلی گمراہی میں ہے○ اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی' ماسوا اپنے رب کی رحمت کے' سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں○ اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں' اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں' اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلایئے اور آپ شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہوں○ اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○ (القصص: ۸۸-۸۵)

معاد کے متعلق مختلف اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوٹنے کی جگہ سے مراد جنت ہے' یعنی اللہ آپ کو جنت میں لے جائے گا' یہ ابوصالح کی روایت ہے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد موت ہے اور حضرت ابوسعید خدری اور عکرمہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے' حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۲۶-۳۰۲۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اس بشارت پر ختم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کر کے مکہ کی طرف لوٹائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ معاد سے مراد جنت ہے لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

کفار مکہ نے آپ کے متعلق کہا تھا کہ معاذ اللہ آپ کھلی گمراہی میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ ان سے کہیے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔

بعثت سے پہلے آپ کو نبی بنائے جانے کا علم تھا یا نہیں

اس کے بعد فرمایا اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی ماسوا اپنے رب کی رحمت کے۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے اکثر مفسرین نے الا رحمۃ من ربک کو استثناء منقطع قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو استثناء متصل قرار دیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر یہ قرآن نازل کیا جائے گا، اور آپ کو گزشتہ قوموں کی خبریں اور گزشتہ حوادث معلوم ہو جائیں گے جن لوگوں اور واقعات کے سامنے آپ حاضر نہ تھے آپ نے ان کو اپنی قوم پر تلاوت کیا، مگر یہ کہ آپ کے رب نے آپ پر رحم فرمایا اور آپ پر یہ خبریں نازل کیں۔ یہ استثناء منقطع ہے۔

(جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

اس استثناء کا متصل ہونا بھی جائز ہے یعنی آپ پر صرف آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے یہ کتاب نازل کی گئی ہے اور کسی وجہ سے یہ کتاب نازل نہیں کی گئی یا آپ پر رحمت کے سوا اور کسی حال میں یہ کتاب نازل نہیں کی گئی۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس آیت کا اس طرح معنی کیا ہے: آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ پر رحم فرمائے گا اور آپ پر یہ انعام فرمائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ ھ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ظاہری اسباب کے لحاظ سے آپ کو نبوت کی امید نہ تھی، صرف خدا کی رحمت سے، امید تو کیا، یقین تھا، کیونکہ آپ کو نبوت نہ تو حضرت ہارون کی طرح کسی کی دعا سے حاصل ہوئی، نہ حضرت یحییٰ و سلیمان علیہما السلام کی طرح بطور میراث ملی بلکہ صرف اللہ کی رحمت سے ملی لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنی نبوت سے بے خبر تھے، آپ کو تو بچپن ہی سے شجر و حجر سلام کرتے تھے اور رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے، بحیرہ راہب نے بچپن میں ہی آپ کی نبوت کی خبر دے دی تھی، خود فرماتے ہیں: کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینتہ. (میں اس وقت بھی نبی تھا اور آدم ہنوز اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے)۔

(حاشیہ نور العرفان ۶۳۱، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ آپ کو کسی کی دعا سے نبوت ملی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے نبوت کی دعا کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ . (البقرہ: ۱۲۹) اے ہمارے رب ان (اہل مکہ) میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

یہ دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خصوصیت سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی ہے اور یہ وہی دعا ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

(جامع البیان جز ۱ ص ۷۷-۳ تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۱۳۱ رقم الحدیث: ۲۰۷ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۴ مسند احمد ج ۵ ص ۸۹ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۶۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۸۲ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۹۰۷ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۳۳ دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۰ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا آپ کے سامنے جو پہاڑ یا پتھر آتا تو وہ کہتا تھا **السلام علیکم یارسول اللہ**۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۲ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰)

ان تمام احادیث میں اس پر قوی دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے شدت سے اس کا انکار کیا ہے کہ آپ کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی جا رہی ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام بالکل بے خبر تھے کہ انہیں نبی بنایا جانے والا ہے اور ایک عظیم الشان مشن پر وہ مامور کیے جانے والے ہیں ان کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گزری تھی بس یکایک راہ چلتے انہیں کھینچ بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جو ان کی سابق زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غار حرا سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی آپ کے مشاغل کیا تھے آپ کی بات چیت کیا تھی آپ کی گفتگو کے موضوعات کیا تھے آپ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں یہ پوری زندگی صداقت دیانت امانت اور پاکبازی سے لبریز ضرور تھی۔ اس میں انتہائی شرافت امن پسندی پاس عہد ادائے حقوق اور خدمت خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس کی بنا پر کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے۔ آپ سے قریب ترین ربط ضبط رکھنے والوں میں آپ کے رشتہ داروں اور ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ کی زبان سے نہ سنا تھا جو غار حراء کی اس انقلابی ساعت کے بعد یکایک آپ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن کی صورت میں لوگ آپ سے سننے

لگے۔ کبھی آپ وعظ کہنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ الخ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۶۷' لاہور' ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کو بہت طویل عبارت میں لکھا ہے۔ یہی عبارت انہوں نے سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۰۸-۱۰۹' ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۸ میں بھی لکھی ہے' ہم نے النمل: ۹ میں اس مکمل عبارت کو نقل کیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے' جو قارئین اس عنوان کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے جاننا چاہتے ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا یا نہیں' ان کو النمل: ۹ کی تفسیر ضرور پڑھنی چاہیے۔ تاہم اس آیت سے یہ بہرحال معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی کو یہ منصب بغیر کسی طلب وتمنا اور بغیر کسی انتظار وتوقع کے ملتا ہے خواہ اس کو پہلے سے علم ہو کہ اس کو نبی بنایا جائے گا اور مقام بعثت پر فائز کیا جائے گا۔

مشرکین کے مددگار بننے کی ممانعت کا محمل

اس کے بعد فرمایا: سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں' اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن اس خطاب کا رخ دراصل مکذبین قرآن کی طرف ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف جو پیغام نازل کیا اس کو بے کم وکاست لوگوں تک پہنچا دیجیے' اگر یہ مشرکین آپ پر دباؤ اور زور ڈال کر اس میں کچھ کمی یا ترمیم کرانا چاہیں تو آپ ان کے کہنے میں نہ آئیں' آپ اس پیغام میں کسی قسم کی نرمی یا تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں' اور کسی کی خاطر پیغام میں کچھ تبدیلی کرنا مداہنت ہے' اگر بہ فرض محال آپ نے اللہ کے پیغام میں کوئی نرمی یا تبدیلی کر دی تو یہ مداہنت ہوگی اور آپ مجرموں کے پشت پناہ اور مددگار بن جائیں گے' اور اس آیت کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سرداروں کو یہ بتایا ہے کہ اگر وہ دل کے کسی گوشہ میں یہ امید اور یہ توقع رکھے ہوئے ہوں کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام اور توحید کے پیغام میں کچھ ردوبدل یا کمی بیشی کرا لیں گے تو وہ مایوس ہو جائیں' اللہ کے نبی اس معاملہ میں ان کی کسی قسم کی مدد کرنے والے نہیں ہیں۔ اس آیت کا یہ محمل بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں تعریض ہے بہ ظاہر مشرکین کی مدد نہ کرنے کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی اُمت ہے' یعنی آپ کی اُمت جب دنیا میں تبلیغ کے لیے اٹھے تو مشرکین کے دباؤ سے اللہ کے پیغام سنانے میں کوئی نرمی نہ کرے' اور نہ کسی قسم کی تحریص اور ترغیب سے متاثر ہو کر مداہنت کرے۔

اس آیت کی توجیہ کہ آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں

اس کے بعد فرمایا: اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں' اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ (القصص: ۸۷)

یہ آیت بھی مذکور الصدر مضمون کی تاکید کے لیے نازل ہوئی ہے کہ خواہ یہ مشرکین اور مخالفین آپ کے خلاف کتنا ہی زور کیوں نہ لگائیں' یہ آپ کو اللہ کی آیتوں کو سنانے سے روکنے نہ پائیں' جو باتیں ان کو ناگوار ہیں آپ ان کو برملا کہیں جس چیز کو کہنے سے یہ منع کرتے ہیں آپ اس کو علی الاعلان اور برسر مجلس کہیں نیز فرمایا: اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلایئے اور آپ شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہوں۔

اس آیت میں بھی تعریض ہے خطاب آپ کو ہے اور سنایا آپ کی اُمت کو ہے' کہ آپ کی اُمت کسی موقع پر بھی شرک کو اختیار نہ کرے اور یہ بتایا ہے کہ اگر کسی نے مشرکین کی رعایت کی تو وہ مشرک ہو جائے گا کیونکہ جو شخص کسی کے دین اور اس کے طریقہ پر راضی ہو اس کا شمار بھی ان ہی میں سے ہوتا ہے۔

ضحاک نے کہا جب مشرکین نے یہ کہا کہ وہ آپ کو مال مہیا کریں گے اور آپ کی شادی کر دیں گے بشرطیکہ آپ ان کے

دین پر آجائیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان کی کسی پیش کش کی طرف رجوع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تبلیغ سے روک دیں گے۔ اور آپ ثابت قدمی سے کفار اور مشرکین کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ (القصص: ۸۸)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلائل

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی طلب اور آپ کے سوال کے بغیر آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی ہے اور آپ کو تمام رسولوں سے زیادہ افضل اور مکرم قرار دیا ہے تو آپ فریضہ رسالت بجالائیں اور اس فضل عظیم اور جلیل القدر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں' اور جس طرح آپ پہلے بھی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے اسی طرح آئندہ بھی کرتے رہیں اور تاحیات اسی کی عبادت پر مستقیم رہیں' آپ سے جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ سے یہ اندیشہ تھا کہ آپ کسی اور کی عبادت کریں گے' بلکہ اس میں بھی آپ کی اُمت کو تعریض ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کسی اور کی عبادت نہ کریں تو تم اس حکم کے کتنے زیادہ لائق ہو' نیز اس خطاب کا یہ مطلب ہے کہ آپ غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کے طریقہ پر دائم اور مستمر رہیں اور اس آیت میں آپ کی اُمت کو بھی یہی حکم دینا مقصود ہے' اور کفار کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ یہ امید نہ رکھیں کہ زندگی میں کبھی ہمارے نبی تمہاری موافقت کرلیں گے کیونکہ ان کو ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں' کیونکہ عبادت کا حقدار وہ ہوگا جس کی ذات واجب الوجود ہو جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے' اور اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے اور ہلاک ہونے والی ہے اور جو چیز ممکن ہو وہ اپنے ہونے میں کسی اور کی طرف محتاج ہوگی اور جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو وہ عبادت کا مستحق کب ہو سکتا ہے' پھر فرمایا: اسی کا حکم ہے' یہ اس کے مستحق عبادت ہونے کی دوسری دلیل ہے' جس کا حکم چلتا ہو اور جو حاکم علی الاطلاق ہو وہی عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے' اور فرمایا: تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' یہ اس کے مستحق عبادت ہونے کی تیسری دلیل ہے' تم نے زندگی میں جو بھی عمل کیے ہیں آخرت میں تم سے ان کی باز پرس ہوگی اور تمہارا اس کی طرف لوٹایا جانا اسی لیے ہوگا' تم سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کس کی عبادت کی ہے اور یہ سوال اور باز پرس بھی وہی کرے گا اسی لیے عبادت کا مستحق بھی وہی ہے سو اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج بہ روز جمعرات ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/ ۲۰ جون ۲۰۰۲ء قبیل العصر سورۃ القصص کی تفسیر مکمل ہوگئی' الحمد للہ رب العلمین!

اے بار اللہ! جس طرح آپ نے قرآن مجید کی یہاں تک تفسیر مکمل کرائی ہے اور تبیان القرآن کی آٹھ جلدیں مکمل کرادی ہیں' اسی طرح آپ قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کروادیں۔

اس جلد کی ابتداء بہ روز اتوار ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو کی گئی تھی' اس طرح یہ جلد نو ماہ تین دن میں اختتام کو پہنچی۔

میرے تصنیف و تالیف کے کام میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے' ورنہ تدریس کی مصروفیات بھی ہیں' ملنے ملانے والے بھی آتے رہتے ہیں اور کمر کے درد کی وجہ سے زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا' ایک گھنٹہ سے زیادہ ایک نشست میں بیٹھ کر کام نہیں کرسکتا' اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کام کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ شرح صحیح مسلم' تبیان القرآن کو تاقیامِ قیامت باقی اور اثر آفریں رکھے' اس کتاب سے مسلمانوں کو ہدایت حاصل ہو' اس کتاب کے پڑھنے سے ان کے دلوں میں خوف خدا اور محبت رسول زیادہ ہو' گناہوں سے بچنے کا محرک اور داعیہ پیدا ہو اور نیکیوں میں اضافہ کرنے کا ان کے دلوں میں جذبہ پیدا ہو' ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تاحیات صحت اور عافیت کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے' اور ایمان پر خاتمہ فرمائے' سکرات موت کو آسان کردے تمام گناہوں کو معاف کردے دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات' مصائب اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور دارین کی سعادتیں' کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

آمین یارب العالمین!

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطاھرین واصحابہ الکاملین وعلی ازواجہ امھات المؤمنین و علی علماء ملتہ واولیاء امتہ وسائر امتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/۲۰ جون ۲۰۰۲ء
موبائل: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

ماٰخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبداللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷- امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۳ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ

۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱٦- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی، ۱۴۰٦، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱٦ھ

۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱٦ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۲- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ 'صحیح بخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت۔

۲۳- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ 'خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۲۴- مام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۵- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ 'سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحستانی' متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابو داؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحستانی' متوفی ۲۷۵ھ 'مراسیل ابو داؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۹- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'سنن ترمذی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دار الجیل بیروت' ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۳۸۵ھ 'سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دار الرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت

۳۴- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳' 'سنن کبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابو یعلیٰ موصلی' مطبوعہ دار المامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ ' المنتقیٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز

۴۲- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابو عوانہ' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ

۴۳- امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ

۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض ۱۴۲۰ھ

۴۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ

۴۷- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ

۴۹- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۵۰- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض ۱۴۱۳ھ
۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۹ھ
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
۵۶- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ
۵۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، التوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۶۰- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۸ھ، المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، بیروت
۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ البعث والنشور، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۱- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۲- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، التوفی ۵۰۹ھ الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ

۷۳- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۷۴- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ

۷۵- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ

۷۶- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی، المعروف بابن الاثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، جامع الاصول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۷۷- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۷۸- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرۃ فی امور الآخرہ، مطبوعہ دار البخاری، مدینہ منورہ

۸۰- حافظ شرف الدین عبد المومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ، المتبحر الرابح، مطبوعہ دار خضر بیروت، ۱۴۱۹ھ

۸۱- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، دار ارقم بیروت

۸۲- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند، ۱۳۵۷ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۸۳- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورۃ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ

۸۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۸۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ

۸۸- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ

۸۹- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری، شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۹۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجواہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۹۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۳- امام عبد الرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۳۱ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ

۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء

۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ

۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ

۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۱- علامہ عبد الوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۲- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۳- علامہ احمد عبد الرحمٰن البناء' متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۴- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۵- امام حسن بن عبد اللہ البصری' المتوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۰۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۰۷- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۱۰۸- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت
۱۰۹- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دار الکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۰- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دار الفکر بیروت
۱۱۱- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۲- امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۱۳- امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ
۱۱۴- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۵- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۶- امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی' متوفی ۴۲۷ھ' تفسیر الثعلبی دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۱۷- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ
۱۱۸- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۱۹- علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ' تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۲۰- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۲۱- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی' المتوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۲۲- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دار الوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ
۱۲۳- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' المتوفی 516ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ

۱۲۴- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، الکشاف، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ

۱۲۵- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۱۲۶- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۲۷- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۴۰۶ھ

۱۲۸- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۲۹- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۳۰- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ

۱۳۱- شیخ ابومحمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ، عرائس البیان فی حقائق القرآن، مطبع منشی نوالکشور لکھنو

۱۳۲- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۹۷۸ء

۱۳۳- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ

۱۳۴- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر

۱۳۵- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۳۶- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۳۷- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ

۱۳۸- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۹ھ

۱۳۹- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دارابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۴۰- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ

۱۴۱- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصؤن، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ

۱۴۲- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ

۱۴۳- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۶ھ

۱۴۴- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۴۵- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دارالکتاب الاسلامی قاہرہ ۱۴۱۳ھ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۱۴۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ

۱۴۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۴۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، لباب النقول فی اسباب النزول، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۴۹- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۵۰- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۵۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۵۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۵۳- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۵۴- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۵- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبع البہیہ' مصر ۱۳۰۳ھ
۱۵۶- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ' مصر' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۷- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۵۸- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۵۹- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' دارالوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۰- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۱- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۶۲- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۶۳- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۶۴- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبۃ الاسلامیہ ریاض
۱۶۵- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۶۶- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۶۷- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۶۸- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۶۹- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۷۰- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات
۱۷۱- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۷۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۷۳- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

۱۷۴- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷۵- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۷۶- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
۱۷۷- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۷۸- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۹- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۸۰- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن وبیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۸۱- ڈاکٹر وھبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ
۱۸۲- سعید حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۸۳- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرھان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۸۴- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۸۵- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۶- علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ
۱۸۷- حافظ ابو عمر و ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۸۸- حافظ ابو عمر و ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۹- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۹۰- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۹۱- قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۹۲- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفا بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۹۳- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۹۴- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۱۹۶- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ

۱۹۷- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۹۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور، دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۹۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار، دار ابن کثیر بیروت
۲۰۰- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ
۲۰۱- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ
۲۰۲- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۰۳- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۲ھ
۲۰۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تنویر الحوالک، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۰۷- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۰۸- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۱۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۱۱- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۱۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ
۲۱۳ علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۱۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۱۵- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
۲۱۶- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۱۷- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ
۲۱۸- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۱۹- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۲۰ مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۲۱- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ
۲۲۲- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ
۲۲۳- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی، متوفی ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۲۴- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۲۵- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۲۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۲۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۲۸- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ، المقاصد الحسنہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۲۹- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۳۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۳۱- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ، الشذرة فی الاحادیث المشتہرة، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۳۲- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ تذکرة الموضوعات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۳۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۳۴- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۲ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق
۲۳۵- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۳۶- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۷۶ھ، اسنی المطالب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۳۷- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی، متوفی ۱۷۵ھ، کتاب العین، مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۳۸- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری، متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۳۹- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۴۰- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۸۳ھ، الفائق، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۴۱- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ نہایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۴۲- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ مختار الصحاح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۴۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۴۴- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزة، قم، ایران
۲۴۵- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۴۶- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۴۷- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۴۸- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الغاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۴۹- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۵۰- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۵۱- قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۵۲- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۵۳- امام عبد الملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۴- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۵- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی' التوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۵۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۵۷- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۹- علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی' متوفی ۵۸۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۶۰- علامہ عبد الرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۶۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۲- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۳- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۶۴- علامہ علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۴۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۶۵- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۶۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۶۷- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۶۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۷۰- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۲۷۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الھدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۷۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۷۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۷۴- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۷۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۷۶- علامہ محمد عبد الباقی زُرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۷۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۷۸- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۷۹- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ھ
۲۸۰- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ
۲۸۱- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۸۲- علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۸۳- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۲۸۴- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۲۱ھ
۲۸۵- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۸۶- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ
۲۸۷- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ المنیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۲۸۸- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۸۹- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۹۰- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۲۹۱- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۹۲- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۳- علامہ معین الدین الھروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۲۹۴- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ
۲۹۵- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ
۲۹۶- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۹۷- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ' حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ
۲۹۸- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ' فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ
۲۹۹- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ' النہر الفائق' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۰۰- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' موسسۃ التاریخ العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۳۰۱- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد' متوفی ۱۰۷۸ھ' مجمع الانہر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۰۲- علامہ خیر الدین رملی' متوفی ۱۰۸۱ھ' فتاویٰ خیریہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۰۳- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ۱۰۸۸ھ' الدر المختار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۰۴- علامہ سید احمد بن محمد حموی' متوفی ۱۰۹۸ھ' غمز عیون البصائر' مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ
۳۰۵- ملا نظام الدین متوفی' ۱۱۶۱ھ' فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۰۶- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ' حاشیۃ الطحطاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۰۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' منحۃ الخالق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۰۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ' مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۰۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' رسائل ابن عابدین' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ
۳۱۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' رد المحتار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' ۱۴۱۹ھ
۳۱۱- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' جد الممتار' مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۱۲- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۱۳- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ افریقیہ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۱۴- علامہ امجد علی' متوفی ۱۳۷۶ھ' بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۱۵- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ' اعلاء السنن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۱۶- علامہ نور اللہ نعیمی' متوفی ۱۴۰۳ھ' فتاویٰ نوریہ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور' ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۱۷- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' الام' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۱۸- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' الحاوی الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۱۹- علامہ ابواسحاق شیرازی' متوفی ۴۵۵ھ' المہذب' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۳ھ
۳۲۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح المہذب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ
۳۲۱- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' روضۃ الطالبین' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۲۲- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الحاوی للفتاویٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد
۳۲۳- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ' نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۳۲۴- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبر املی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابوالضیا علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۲۵- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۲۶- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۲۷- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۲۸- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی، المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۲۹- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۳۰- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۳۲- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۳۳- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۳۴- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۳۵- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۳۶- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۳۷- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۳۸- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۳۹- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۴۰- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۴۱- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ
۳۴۲- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۴۳- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ، کنز العرفان، مطبوعہ مکتب نوید اسلام۔ قم ۱۴۲۲ھ
۳۴۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۳۴۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۴۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۴۷- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۴۸- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری، التوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۳۴۹- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۴ھ

۳۵۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۵۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۵۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۵۳- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسائرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۵۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، التوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۵۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری التوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ

۳۵۶- علامہ محمد بن احمد السفارینی، التوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البھیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۵۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۵۸- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۳۵۹- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری، التوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ

۳۶۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح وتلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۶۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریک مع التیسیر، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۶۲- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۶۳- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۶۴- علامہ عبدالحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۶۵- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی التوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۶۶- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ

۳۶۷- امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، متوفی ۵۹۷ھ، ذم الھویٰ، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۳ھ

۳۶۸- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ

۳۶۹- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ

۳۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ، مصر
۳۷۱- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۷۲- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، اغاثۃ اللھفان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۷۳- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۷۴- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۳۷۵- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۳۷۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۷۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۷۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۷۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، الکبریت الاحمر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۸۰- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۸۱- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۸۲- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۸۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۸۴- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۸۵- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۸۶- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۳۸۷- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۸۸- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۰ھ
۳۸۹- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۹۰- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۹۱- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران، ۱۳۷۸ھ
۳۹۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور
۳۹۳- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۴۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
۳۹۴- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۹۵- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۹۶- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۹۷- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یارسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

احمد صلی اللہ علیہ وسلم

حامد صلی اللہ علیہ وسلم

محمود صلی اللہ علیہ وسلم

قاسم صلی اللہ علیہ وسلم

عاقب صلی اللہ علیہ وسلم

فاتح صلی اللہ علیہ وسلم

شاہد صلی اللہ علیہ وسلم

حاشر صلی اللہ علیہ وسلم

رشید صلی اللہ علیہ وسلم

مشہود صلی اللہ علیہ وسلم

بشیر صلی اللہ علیہ وسلم

نذیر صلی اللہ علیہ وسلم

داع صلی اللہ علیہ وسلم

شاف صلی اللہ علیہ وسلم

ہاد صلی اللہ علیہ وسلم

ماح صلی اللہ علیہ وسلم

منج صلی اللہ علیہ وسلم

تہامی صلی اللہ علیہ وسلم

ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم

امی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد

صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ناہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم

عزیز صلی اللہ علیہ وسلم

حریص علیکم صلی اللہ علیہ وسلم

رؤف صلی اللہ علیہ وسلم

رحیم صلی اللہ علیہ وسلم

طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

طٰسٓ صلی اللہ علیہ وسلم

مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حمٓ صلی اللہ علیہ وسلم

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یٰسٓ صلی اللہ علیہ وسلم

اولی صلی اللہ علیہ وسلم

مزمل صلی اللہ علیہ وسلم

ولی صلی اللہ علیہ وسلم

مدثر صلی اللہ علیہ وسلم

متین صلی اللہ علیہ وسلم

مصدق صلی اللہ علیہ وسلم

طیب صلی اللہ علیہ وسلم

ناصر صلی اللہ علیہ وسلم

منصور صلی اللہ علیہ وسلم

مصباح صلی اللہ علیہ وسلم

امر صلی اللہ علیہ وسلم

حجازی صلی اللہ علیہ وسلم
نزاری صلی اللہ علیہ وسلم
صادق صلی اللہ علیہ وسلم
امین صلی اللہ علیہ وسلم
عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نجی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صفی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
حسیب صلی اللہ علیہ وسلم
مجیب صلی اللہ علیہ وسلم
شکور صلی اللہ علیہ وسلم
مقتصد صلی اللہ علیہ وسلم

رسول الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم
قوی صلی اللہ علیہ وسلم
حفی صلی اللہ علیہ وسلم
مامون صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم صلی اللہ علیہ وسلم
حق صلی اللہ علیہ وسلم
مبین صلی اللہ علیہ وسلم
مطیع صلی اللہ علیہ وسلم
رسول الراحة صلی اللہ علیہ وسلم

اول صلی اللہ علیہ وسلم
آخر صلی اللہ علیہ وسلم
ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم
باطن صلی اللہ علیہ وسلم

نبی الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم
یتیم صلی اللہ علیہ وسلم
کریم صلی اللہ علیہ وسلم
حکیم صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

سید صلی اللہ علیہ وسلم
سراج صلی اللہ علیہ وسلم
مبشر صلی اللہ علیہ وسلم
محرم صلی اللہ علیہ وسلم

مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
منیر صلی اللہ علیہ وسلم
مذکر صلی اللہ علیہ وسلم
مطہر صلی اللہ علیہ وسلم
قریب صلی اللہ علیہ وسلم

خلیل صلی اللہ علیہ وسلم
مدعو صلی اللہ علیہ وسلم
جواد صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

عادل صلی اللہ علیہ وسلم
شہیر صلی اللہ علیہ وسلم
شہید صلی اللہ علیہ وسلم
رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم
شفیع صلی اللہ علیہ وسلم

مؤمن صلی اللہ علیہ وسلم
مضری صلی اللہ علیہ وسلم
نبی التوبة صلی اللہ علیہ وسلم
حافظ صلی اللہ علیہ وسلم

کامل صلی اللہ علیہ وسلم
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
قریشی صلی اللہ علیہ وسلم